کائنات
1
ایم اے راحت

ٹرک ریورس ہوکر گلی میں داخل ہونے لگا۔ پٹھان جیسر پشتو زبان میں ڈرائیور کو ہدایات دے رہا تھا۔ حکمت علی گلی میں کھیلنے والے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیر پھیر کر عاجزی سے انہیں ٹرک کے راستے سے ہٹ جانے کے لئے کہہ رہے تھے۔ ٹرک رینگتا ہوا بالآخر گھر کے دروازے سے آلگا۔ ڈرائیور نے انجن بند کردیا۔ مزدوروں نے پچھلا تختہ ہٹایا اور وزنی سامان گھسیٹنے لگے۔

"احتیاط سے خاں صاحب احتیاط سے، پہلے وہ صندوق اتار لو اس میں شیشے کے برتن ہیں۔ بھائی آہستہ۔ ذرا آہستہ ارے ارے وہ ٹیبل لیمپ سنبھالنا گرا گرا۔!" حکمت علی بول رہے تھے۔ چار مزدور الگ سے کئے تھے سامان چڑھانے اور اتارنے کے لئے۔ گھر بدلنا بھی بس کیا ہوتا ہے۔ حکمت علی تو نڈھال ہوگئے تھے۔ مزدوروں نے سامان دروازے سے گذار کر صحن میں رکھنا شروع کردیا۔ بڑی الماری نیچے اتر کر اندر آئی تو فاطمہ بیگم جلدی سے بولیں۔

"اندر۔ اندر۔ اندر لے آؤ بھیا خدا تمہارا بھلا کرے۔" وہ راستہ بتانے لگیں اور مزدور الماری لے کر کمرے میں داخل ہوگئے۔ اندر پہنچے ہی تھے کہ نسیم بیگم چیخ پڑیں۔

"لے اماں...... لے اماں، خدا تمہیں عقل دے سٹھیا گئیں بالکل ارے کہاں گھسائے لارہی ہو انہیں۔ ارے روکو۔ سب یہیں ہیں۔ ارے روکو انہیں۔" فاطمہ بیگم نے گھور کر نسیم بیگم کو دیکھا۔

"عقل تو اللہ نے بس تمہیں دے دی ہے۔ ارسطو کی نسل سے ہولے میں کہتی ہوں یہ زبنیا (زبان) قابو میں نہیں رہی کیا۔ میں تو سٹھیا گئی ہوں تم پر تو جوانی چڑھ رہی ہے کیوں۔"

"میں تو ارسطو کی نسل سے نہیں ہوں اماں مگر تم ہلاکو خاں کی پڑپوتی ضرور ہو۔ جب دیکھو ہاتھ میں تلوار نظر آتی ہے۔ لے بچیاں کمرے میں ہیں پردہ کئے کھڑی ہیں اور تم ان مردوں کو اندر گھسیڑ لائیں۔"

"ہائے رے پردہ نشین۔ اچھی کہی۔ دوپٹہ زندگی بھر سر پہ نظر نہ آیا آنکھ کھلے سات گھر جھانکے پھر بھی چین نہ آئے میاں گھر میں ہوں تو پردہ نشین بن جاؤ۔!" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"لگالو جتنے چاہو الزام لگالو تمہارا تو خاندانی کام ہے۔ بڑی بہن نے "دو بیویوں کو طاق دلوائی مگر شکر ہے خدا کا حکمت علی نے الو کا گوشت نہیں کھایا وہ تمہاری باتوں میں کبھی نہ آئے۔" نسیم بیگم نے کہا۔

"الو کا گوشت تو تم کھلا چکی ہو اسے میں کیا کھلاؤں گی۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"تم جل کر راکھ ہو جاؤ۔"

"راکھ ہو میری جوتی۔ دیا کھاتی ہوں کسی کا، اللہ کا کرم ہے برکت علی کو خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے مرتے مرتے میرا سہارا کر گئے۔ پنشن کھاتی ہوں میاں کی، تمہارا کھاتی بی بی تو جوتیوں میں رکھتیں۔"

"اللہ رے پینشن ساٹھ روپے پینشن۔ دو دن ہانڈی نہ پکے اس میں تو۔!"

"ایک سو ساٹھ کہتے ہوئے زبان کو لقوہ مار جاتا ہے کیا؟" فاطمہ بیگم چمک کر بولیں۔

"سو روپے تو تم ایسے ہضم کر جاتی ہو کہ میں نے تو آج تک نہ دیکھے"

"ساٹھ روپے تم پر لگا دیتی ہوں۔ خود کچھ نہ کھاؤں پیوں۔"

"اور وہ بیٹا جو صبح شام پھل گلوکوز معجونیں اور خمیرے لاکر دیتا ہے سو کچھ نہیں ہم کھائیں دال سبزی اور تم کھاؤ بکری کا گوشت سو کچھ نہیں۔"

مزدور کبھی کی الماری رکھ کر چلے گئے تھے۔ مگر یہاں معرکہ گرم تھا ساس بہو تھیں۔ کمرے کے ایک گوشے میں ثریا اور پروین کھڑی دونوں کی معرکہ آرائی دیکھ رہی تھیں اور کھسر پھسر بھی کرتی جارہی تھیں۔

"دلہن اماں کمزور پڑرہی ہیں۔" پروین نے کہا

"بکواس۔" امی کا رنگ پھیکا پڑرہا ہے۔"

"دو کے پانچ۔" پروین نے کہا۔

"نقد۔" ثریا نے کہا۔

"بالکل نقدا"

"نکالو۔" ثریا بولی۔ پروین نے پانچ کا نوٹ نکال لیا ثریا نے دو روپے نکالے۔

"بولو گی نہیں۔" پروین نے کہا۔ باہر سے کوئی چیز دھڑام سے گرنے کی آواز سنائی دی اور فاطمہ بیگم اچھل پڑیں۔

"الٰہی خیر۔" وہ جلدی سے باہر نکل گئیں۔ اور پروین نے ثریا کے دو روپے اُچک لئے۔

"کیا بد تمیزی ہے؟"

"دادی اماں فرار ہو گئیں۔" پروین بولی۔

"وہ تو باہر کوئی چیز گری ہے دیکھنے گئی ہیں۔" ثریا نے غرا کر کہا۔

"جی نہیں بھاگنے کا راستہ تلاش کر رہی تھیں میں پہلے ہی اندازہ لگا چکی تھی۔"

"پروین میرے دو روپے واپس کر دے ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

"واہ یہ تو خوب رہی میں نے شرط جیتی ہے تمہاری دادی اماں میدان چھوڑ گئیں۔"

"بالکل نہیں! میچ ڈرا ہو گیا۔" ثریا بولی اور پروین نے منہ بنا کر دو روپے اس کے حوالے کر دیئے۔

"شرط لگانے کے لئے بھی حوصلہ چاہئیے۔ تم ہمیشہ بے ایمانی کر جاتی ہو۔"

کوئی خاص چیز نہیں گری تھی مزدور سامان لا لا کر صحن میں جمع کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹرک خالی ہو گیا! حکمت علی نے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

"ارے بھئی پانی پلاؤ، اُفوہ یہ سامان کمروں میں جائے گا کیسے؟"

"وہ تمہاری عصمت جہاں لے جائیں گی، بھلا ان کے لئے کیا مشکل ہے۔" دادی اماں نے کہا۔

"میری عصمت جہاں، آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں بی کونسی عصمت جہاں؟" حکمت علی نے کہا اور پھر بولے۔ "ارے پروین کہاں گھس گئی ہو، بھئی تم لوگ پانی پلاؤ مجھے۔"

"جی ابو۔" دونوں لڑکیوں نے بیک وقت کہا اور پانی لینے دوڑ گئیں۔

"ہاں تو اماں بی! کسی عصمت جہاں سے تو میری کوئی واقفیت نہیں ہے۔"

"اے اسی کی بات کر رہی ہوں گز بھر کی زبان خدا صبر دے مجھے نجانے کیسے گزارا کر رہی ہوں اس کے ساتھ اے حکمت تُو تو بالکل ہی جورو کا غلام ہو گیا ہے، تجھ سے یہ امید نہ تھی۔"

"ارے ارے اماں آواز دبا کر اڑوس پڑوس کے لوگ ہمارے گھر کی طرف کان لگائے ہوں گے ہم نئے کرائے دار ہیں چاہیں گے کہ کیسے لوگ ہیں ہم اور آپ لوگ ابھی سے......."

"اماں ہی پر بس چلتا ہے میاں، کبھی بیوی سے بھی تو یہ سب کچھ کہا ہوتا۔"

"بیوی! او بیوی۔" حکمت علی نے آواز لگائی اور نسیم بیگم منہ پھلائے ہوئے باہر نکل آئیں۔

"ارے بھئی اب یہ سامان طے کرو کہ کون کون سے کمرے میں لے جانا ہے؟"

"مجھے یہ اختیار کب حاصل ہے۔؟" نسیم بیگم نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"کیا اس وقت بھی کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی، کتنا تھکا ہوا ہوں میں، تم لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہے، سار چڑھوایا اور پھر احتیاط سے اتروایا وہ تو خدا کا شکر ہے اگر پوری دیکھ بھال نہ کرتا تو یہ جنگلی کچھ نہ کچھ ضرور توڑ دیتے، دل کیہ تھا، سامان اٹھا اٹھا کر پٹخ رہے تھے۔"

"اے میاں، میں کچھ نہیں کہتی مگر میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اچھا نہیں ہے پہلے اس کا فیصلہ کرو۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"ابا مرحوم زندہ ہوتے تو یہ ایک ایک الماری گود میں بھر کر کمروں میں لے جا کر رکھ دیتے کسی کی ضرورت ہی نہ ہوتی کیا آن بان تھی، کیا شان تھی، فوج میں تھے اماں تو لوگ کیا کہتے تھے ان کے بارے میں؟"

فاطمہ بیگم چونکیں پھر بولیں۔ "اے بس نظریں ہی اترا کرتی تھی میں، جب بھی آتے تھے، کیا جوانی پائی تھی، کیا کچھ نہ دیا تھا اللہ نے انہیں بھی، بس ہر وقت آنکھوں میں تصویر پھرتی رہتی ہے۔" غالباً حکمت علی نے برکت علی کا نام اسی لئے لیا تھا کہ فاطمہ بیگم کی توجہ فوراً ہی شوہر کی جانب ہو جائے، یہ ان کی کمزوری تھی۔ کتنی ہی غصے میں ہوں۔ "برکت علی کا تذکرہ چھیڑ دیا جائے فاطمہ بیگم سب کچھ بھول جاتی تھیں اور مرحوم شوہر کے گن گانے بیٹھ جاتی تھیں، حکمت علی ان کی اس کمزوری سے واقف تھے، کم از کم اماں کو تو اس طرح سنبھالا جا سکتا تھا، بیوی سے التجا کے علاوہ اور کیا کر سکتے تھے بہر طور معاملہ اس طرح رفع دفع ہو گیا۔

سامان کے انبار صحن میں لگے ہوئے تھے، چھوٹی چھوٹی چیزیں اٹھا اٹھا کر رکھی جانے لگیں، سب سے پہلے باورچی خانہ درست کیا گیا، واقعی گھر تبدیل کرنا ایک مشکل ترین کام ہوتا ہے اور حکمت علی کو اس کا دوسری بار تجربہ ہوا تھا۔ بہت عرصے پہلے تقریباً دس سال پہلے انہوں نے ایک مکان تبدیل کیا تھا، دس سال کے بعد مالک مکان کو اس کی ضرورت ہوئی تو دوسرا مکان تلاش کیا گیا اور یہ حکمت علی کے حق میں اچھا ہی ہوا، پہلے ذرا بہتر جگہ رہتے تھے، کرایہ اتنا بڑھا دیا تھا مالک مکان نے کہ جان پر بن گئی تھی، خود بھی سوچ رہے تھے کہ کوئی دوسرا ایسا مکان لیا جائے جو ذرا کم کرائے کا ہو، ٹھیک ہے علاقے کی تبدیلی ضرور برداشت کرنی پڑے گی، ذرا درمیانی سطح کے لوگوں میں جانا پڑے گا لیکن کم از کم مہینے میں جو رقم نکل جاتی ہے اس سے تو نجات ملے گی۔

ایک پرائیوٹ فرم میں اکاؤنٹنٹ تھے، تنخواہ مناسب ملتی تھی مگر اخراجات نے کمر توڑ رکھی تھی، مہنگائی تھی کہ بس ہر مہینے گھر کے سامان میں سیکڑوں روپے کا اضافہ ہو جاتا تھا، کہاں سے پورا ہو، اب یہ گھر مل گیا تھا، نیک نفس انسان تھے گردن جھکا کر جینے کے عادی اور یہی طریقہ کار وہ اس نئے محلے میں رکھنا چاہتے تھے، حالانکہ یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ محلہ مختلف قسم کے لوگوں سے بھرا ہوا ہے اور جہاں یہ ملا جلا پن ہوتا ہے وہاں مشکلات زیادہ پیش آ جاتی ہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے ناراض رہتے ہیں کوئی خوشحال ہے تو پڑوس کے شخص کو یہ شکایت ہو گی کہ اپنے آپ میں نہیں رہتا ہے کوئی بدحال ہے تو دوسرے لوگ اس بات سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ کہیں کچھ مانگنے کے لئے ہاتھ نہ پھیلا دے، حکمت علی کو اس مشکل کا احساس تھا۔

گھر کا تمام سامان خدا خدا کر کے کمروں میں پہنچ گیا، ابھی اس کی سیٹنگ باقی تھی۔ ثریا اور پروین کو یہ گھر پسند آیا تھا اور دونوں ہی خوش تھیں، گھر میں چار بڑے کمرے تھے صحن تھا، غسل خانہ، باورچی خانہ وغیرہ تھا البتہ ایک کمی تھی جسے پروین اور ثریا دونوں ہی محسوس کر رہی تھیں۔

"ابو! اوپر چھت تو بنا دی ہے ان لوگوں نے لیکن سیڑھیاں نہیں بنائیں.....۔" پروین نے اعتراض کیا۔

"بیٹے! کہاں سے نکالتے سیڑھیاں اوپر جانے کے لئے تم دیکھو ناں اگر سیڑھیاں بناتے تو یہ صحن تو بالکل چھوٹا ہو کر رہ جاتا۔"

"پھر بھی ابو اوپر جانے کو جی چاہے تو کیا کیا جائے؟" ثریا بولی۔

"میں بتاؤں ابو، بانس کی ایک سیڑھی منگوا لیجئے گا، میں نے یہاں آتے ہوئے راستے میں چٹائی، بانسوں کی دکان دیکھی تھی وہاں بہت سی سیڑھیاں بھی کھڑی ہوئی تھیں ہر سائز کی اونچی نیچی۔"

"ہاں ہاں، سیڑھی منگوا لیں بانس کی تاکہ تم چھت پر چڑھ کر کدکڑے لگاتی پھرو، یہی بات ہے ناں، ہرنیوں کی طرح

فاطمہ بیگم غرائیں۔
چوکڑیاں بھرتی رہو اور نیچے سب لوگ چیختے رہیں، خبردار حکمت علی جو سیڑھی گھر میں لائے۔" فاطمہ بیگم غرائیں۔
"ارے واہ، قید ہو کر رہ جائیں گھر میں، ذرا چھت پر چڑھ کر محلہ بھی نہ دیکھیں، تم سن رہے ہو حکمت علی اپنی اماں کی
باتیں انہوں نے تو ناک میں دم کر کے رکھ دیا ہے ہر بات پر انگلی اٹھاتی ہیں، ہر بات میں ٹانگ اڑاتی ہیں، سیڑھی آئے گی اور
ضرور آئے گی۔"
"دیکھتی ہوں سیڑھی کیسے آئے گی، آگ لگا دوں گی موئی کو، ٹکڑے ٹکڑے جلا دوں گی، لے کر تو آ تو حکمت علی گھر میں
سیڑھی۔" فاطمہ بیگم آنکھیں نکال کر بولیں۔
"ارے توبہ توبہ اماں، میرے پاس پیسے ہی کہاں بچے ہیں اب جو گھر میں سیڑھی لے کر آؤں۔"
"پیسے میں دوں گی۔" نسیم بیگم نے کہا۔
"ہاں ہاں۔ پیسے ان کے پاس نہ ہوں گے تو کس کے پاس ہوں گے، گھر میں چولہا تو الٹا پڑا رہتا ہے بیٹیاں ڈائٹنگ کے نام
پر سوکھتی رہتی ہیں یہ رقمیں جوڑتی رہتی ہیں رہ گئی تو میں......
"توبہ توبہ اماں، خدا سے توبہ کرو، ہر وقت تو گائے کی طرح چرتی رہتی ہو اور کہہ رہی ہو چولہے ہانڈی لڑھکتے رہتے ہیں۔"
"نسیم کیوں بدتمیزی کئے جا رہی ہو؟" حکمت علی نے بیوی کو ڈانٹا۔ "خاموش ہو جاؤ۔"
"ہاں ہاں میں ہی تو بدتمیزی کر رہی ہوں اور ان کی تمہیں سن رہے کیا کیا کہے جا رہی ہیں؟"
"وہ بزرگ ہیں، تم خاموش ہو جاؤ۔"
"واہ یہ اچھی بات ہے الٹی ہو یا سیدھی سب میرے ہی سر پڑتی ہے خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ۔"
"بھئی دیکھو، نیا محلہ ہے کچھ عقل سے کام لو خدا کے لئے، کیسی باتیں کر رہی ہو تم دونوں ہنسی خوشی گھر کو سجاؤ بناؤ، بڑی
اچھی جگہ ہے، دیکھو کتنے کشادہ کمرے ہیں اور یہ کھڑکیاں ہیں اور پھر اماں چھت کا کوئی مسئلہ نہیں ہے ابھی جلدی بھی
نہیں ہے لیکن سیڑھی لے آئیں گے بعد میں، گرمیوں کی شاموں میں چھت پر بیٹھا کریں گے، کچھ مونڈھے اور کرسیاں وغیرہ
لے آؤں گا میں رات کا کھانا وہیں کھایا کریں گے۔"......
"ہاں تم ہی کھایا کرو گے میاں اور تمہارے بیوی بچے۔ مجھ سے بانس کی سیڑھی کے ذریعے اوپر نہیں چڑھا جا سکے گا یہ نہیں
سوچتے کہ جوان بیٹیاں ہیں نیا محلہ ہے ارے ذرا تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو، یہ اندازہ لگاؤ کیسے لوگ رہتے ہیں اس کے بعد کھا
کھانا جو دل چاہے کرنا، تمہاری بیگم کو تو عادت ہے محلے کا ایک ایک گھر جھانکنے کی مگر بچیوں کو بھی تو ذہن میں رکھو، میں کہ
ہوں کل برنجیاں لے آنا ایک چھٹانک یہ کھڑکیوں میں بھی ٹھونکوں گی میں سمجھے، کھڑکیاں اچھی نہیں ہوتیں زیادہ، ادھر اد
جھانکنے کا موقع ملتا ہے لڑکیوں کو۔"
"اماں! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، کھڑکیاں کھولیں گے تو ہوا آئے گی۔"
"کیسی کیسی ہوا آئے گی میاں ذرا اس کا اندازہ لگا لینا؟"
"اچھا اچھا، ٹھیک ہے بعد میں ان ساری باتوں کا فیصلہ کریں گے ابھی کھانا پکانے کے بارے میں سوچو یا بازار سے
لانا ہے۔"
"بازار سے لے آئیں آج مجھ میں ہمت نہیں ہے کھانا پکانے کی، جان نکل کر رہ گئی ہے سامان سمیٹتے سمیٹتے۔"
بیگم نے کہا۔
"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، یہاں بہت اچھی نہاری کی دکان ہے، بڑی عمدہ روٹیاں لگ رہی تھیں لے آؤں گا آپ
فکر نہ کریں، ارے پروین، پروین بیٹے بھئی ذرا چائے تو بناؤ، بڑی طلب محسوس ہو رہی ہے چائے کی۔"
"جی ابو ابھی لاتی ہوں بنا کر۔"

**

غوثیہ بیگم نے چائے کی ٹرے امداد بیگ کے سامنے رکھ دی اور امداد بیگ نے اخبار چہرے سے ہٹا کر بیگم کا چہرہ دیکھا غوثیہ بیگم کا منہ بنا ہوا تھا۔

"آپ ملازم کا انتظام کریں گے یا نہیں؟" انہوں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کاش آپ ہمیں آسمان سے تارے توڑ کر لانے کے لئے کہتیں ہمیں آپ کی فرمائش پوری کر کے خوشی ہوتی۔ امریکی خلائی ادارے سے رابطہ کرتے ان کے ساتھ چلے جاتے اور تھوڑے سے تارے توڑ لاتے مگر ملازم، یہ تو شاید چاند پر بھی نہ ملیں۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے خود میرے ابا کے گھر چار چار ملازم ہیں۔"

"پرانے ہیں ناسمجھ ہیں سوچتے سمجھتے نہیں ہیں ورنہ فوراً نوکری چھوڑ دیتے۔ یہ دور نوکری کرنے کا نہیں ہے۔ میلے کچیلے کپڑے پہنے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے کئے آنکھیں نیڑیں اور نکل گئے سڑکوں پر شام کو جیبیں عبد کر گھر لوٹتے ہیں پھر نوکری کون کرے۔"

"مجھ سے نہیں ہوتے یہ گھر کے کام کاج۔ دیکھئیے تو چند روز میں ہاتھوں کا کیا حال ہو گیا۔" غوثیہ بیگم نے ہاتھ سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اندازہ ہے مگر "خود کردہ را علاج نیست۔" آپ نے فرہاد کو خود بھگا دیا۔ اچھا خاصا کام کرتا تھا مگر آپ سے برداشت نہ ہوا۔

"چوری کرتا تھا وہ ہر چیز میں کمیشن مارتا تھا۔"

"کسی نیک باپ کی اولاد تھا تا چھوٹی موٹی چوریوں سے کام چلا لیتا تھا ورنہ آج کل ملازم ڈاکے ڈالتے ہیں ضرورت پڑنے پر مالکان کو قتل بھی کرواتے ہیں یقین نہ آئے تو تین خبریں آج ہی کے اخبار میں دیکھ لیجئے۔" امداد بیگ نے کہا اور بے چین ہو کر کھلی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگے جہاں سے تیز سیٹیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں ان کے ساتھ ہی ہے ہے۔ ہاہا.... ہرر.... ہرر کی آواز بھی آ جاتی تھی۔

امداد بیگ نے گردن جھٹکی اور اخبار رکھ کر چائے کی پیالی اٹھالی۔ پھر چونک کر بولے "یہ فوزی سو رہی ہے ابھی تک کالج نہیں جائے گی کیا؟"

"کیا پتہ۔" غوثیہ بیگم نے کہا اسی وقت سلیپنگ سوٹ میں ملبوس خوبصورت نقوش کی مالک ایک نوجوان لڑکی جھلائی ہوئی اندر داخل ہوئی اور چیخ کر بولی۔

"آخر اس جنگل سے ہمیں کبھی نجات ملے گی یا نہیں سن رہے ہیں آپ لوگ یہ آوازیں، یہاں رہتے ہیں ہم، یہ زندگی ہے ہماری صبح ہی صبح یہ کمبخت جاگ جاتا ہے اور پھر یہ ہوتا ہے اور کبوتر۔ اللہ۔ نیند بھی پوری نہیں ہوتی۔ پاپا کچھ کریں اس کے لئے کچھ کریں پلیز۔"

"کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کئی بار جمیل احمد سے بات کر چکا ہوں۔ سر جھکاتے ہیں ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو جاتے ہیں کچھ بولیں تو بات آگے بڑھاؤں۔"

"تو ہمیں اس کبوتر خانے میں جینا پڑے گا۔ ممی چائے دیں مجھے۔" فوزی نے کہا اور غوثیہ بیگم بیٹی کے لئے چائے انڈیلنے لگیں۔

"کالج نہیں جاؤ گی فوزی؟" بیگ صاحب نے پوچھا۔

"کیسے جاؤں میرے کپڑے استری ہوئے ہیں جوتے پالش ہوئے ہیں ممی ہم کیا سی "کلاس لائف گزارنے لگے ہیں کیا ہو گا آخر آگے کیا ہو گا؟" فوزی نے چائے لیتے ہوئے کہا۔

"تمہارے پاپا یہ محلہ کسی قیمت پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں یہ ان کا آبائی گھر ہے اس سے ان کی یادیں وابستہ ہیں اس کے علاوہ انہیں کوئی ملازم نہیں ملتا سارے ملازم یا تو بھیک مانگتے ہیں یا چوری اور ڈاکے ڈالتے ہیں۔"

"اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ بیکار باتیں مت کرواؤ۔" تیز سیٹیاں سن کر بیگ صاحب نے کان بند کر لئے۔

"گاڑی میکنک کے ہاں سے آگئی پپا؟" فوزی نے پوچھا۔

"دوپہر تک پہنچائے گا، کیوں۔"

"شام کو مجھے انجو کی سالگرہ پارٹی پر جانا ہے ممی آپ بھی چلیں میرے ساتھ۔ اف انجو کی کوٹھی دیکھیں آپ، کیا لان لگایا ہے اس نے، پارٹی لان پر ہی کرتی ہے اور ایک ہمارا گھر ہے۔ سنیئے سنیئے یہ آوازیں سنیئے۔" فوزی نے کہا۔

"گاڑی میں کیا خرابی ہو گئی ہے؟"

"گھر کے باہر کھڑی رہتی ہے لڑکے چڑھے رہتے ہیں کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔" بیگ صاحب بولے۔

"محلے کے سارے لڑکوں نے ہماری گاڑی پر اپنے آٹوگراف کندہ کر دیئے ہیں ممی۔ لوگ دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔"

"خوشی کی بات ہے۔ اس طرح ہماری حیثیت کا لوگوں کو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔" غوثیہ بیگم نے کہا۔

"وہ شام کو غلام قادر کے بیٹے کا عقیقہ ہے تم جاؤ گی وہاں؟" بیگ صاحب نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ مجھے سڑک پر لگے شامیانے میں جا کر بیٹھنے کا شوق نہیں ہے آپ ہی چلے جائیے۔" غوثیہ بیگم ناک چڑھا کر بولیں۔

"بے چارے نے بڑی عاجزی سے دعوت دی ہے کہہ رہا تھا کہ آپ لوگ تو کسی پڑوس کی تقریب میں شریک ہی نہیں ہوتے۔"

"پڑوس۔ یہ پڑوس ہے۔ کوئی ڈھنگ کا آدمی رہتا ہے یہاں۔ کوئی ملنے کے قابل ہے۔"

"تمہی تو نہیں آئیں آپ ہی محلے میں یہیں بیاہ کر آئی تھیں۔" بیگ صاحب بولے۔

"خدا کا شکر ہے جلدی نجات مل گئی تھی اس کبوتر خانے سے مگر تقدیر پھر ہمیں لے آئی۔" غوثیہ بیگم نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"اب جو کچھ ہے یہی ہے۔ گزارنی ہوگی آپ کو۔" بیگ صاحب نے چائے کی پیالی رکھ کر اخبار اٹھا لیا۔

اس گھر سے سچ مچ ان کی لاتعداد یادیں وابستہ تھیں پاکستان آئے تھے تو اسی محلے کو آباد کیا تھا جھونپڑی ڈالی تھی اعتماد بیگ نے یہاں پھر یہ جھونپڑی پکی ہو گئی ٹین کی چھت پڑی اس پر پھر یہ چھت آر سی سی میں بدل گئی پھر اعتماد بیگ کا انتقال ہو گیا، امداد بیگ کے بڑے بھائی منظور بیگ کینیڈا چلے گئے اعتماد بیگ کو ایک کمپنی میں ملازمت مل گئی پھر ان کی شادی ہوئی اور غوثیہ بیگم نے اسے آباد کیا لیکن صرف چھ ماہ یہاں گزارے۔ پھر امداد بیگ کا تبادلہ لاہور ہو گیا۔ پھر پنڈی چلے گئے۔ پنڈی میں فوزیہ پیدا ہوئی آٹھ سال کی عمر میں وہ لاہور آگئی۔ دس سال لاہور میں گزارے۔ اور کمپنی نے ایک بار پھر انہیں کراچی بلا لیا۔ کراچی میں کمپنی کی طرف سے گھر ملا تھا وہاں رہتے رہے۔ پھر ریٹائر ہو گئے۔ گیارہ لاکھ روپے ملے۔ امداد بیگ نے دو لاکھ روپے اس پرانے گھر پر خرچ کر دیئے۔ چالیس ہزار کی گاڑی خریدی، آٹھ لاکھ روپے فکس ڈیپازٹ کر دیئے اور اس کی ششماہی آمدنی سے گھر چلانے لگے فوزیہ کی پڑھائی جاری تھی۔

اس دوران غوثیہ بیگم کے پانچ بھائیوں نے ترقی کر لی کوٹھی بنوالی، شروع ہی سے ان کے اچھے حالات تھے مگر اب صورت حالم خلف تھی۔ اب وہ لوگ کوٹھی والے تھے اور امداد بیگ اپنے آبائی گھر میں آباد ہو گئے تھے۔ آمدنی اطمینان بخش تھی عیاری زیادہ نہیں تھی عیش سے گزر ہو رہی تھی۔ غوثیہ بیگم نے زندگی عیش سے گزاری تھی، غرور نے دماغ میں جگہ پالی تھی فوزیہ انہی کا عکس تھی۔ امداد بیگ پر بھی ان کا رنگ چڑھا تھا مگر واجبی سا۔ وہ انسانوں کو انسان ہی سمجھتے تھے۔ بہت سے قدر شناسا تھے ان سے یاد اللہ تھی مگر بیوی کو ان سب سے ملاقات پر آمادہ نہیں کر سکے تھے۔ بیٹی پڑوس کی کسی لڑکی کو دوستی کے قابل نہیں سمجھتی تھی اس طرح ڈھائی سال سے دوبارہ یہاں آباد تھے مگر پڑوسیوں نے ان پر غرور کی چھاپ لگا دی تھی اور انہیں دور سے دیکھنے لگے تھے۔ گھر میں ایک ملازم تھا جو کراچی واپس آنے کے بعد رکھا تھا۔ غوثیہ بیگم نے اسے کبھی چین نہ لینے دیا۔ جب تک گزارا کر سکتا تھا کرتا رہا۔ بالآخر وہ کوئی دو ہفتے قبل نوکری چھوڑ بھاگا اور ان دو ہفتے میں ہی غوثیہ بیگم کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گیا تھا۔

"میں کہتی ہوں ملازم کے لئے آخر کچھ کریں۔ مجھ سے تو یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔"

"آپ کوئی انتظام کر سکتی ہیں تو ضرور کر لیجئے میرے لئے مشکل ہے۔" بیگ صاحب بولے وہ بار بار باہر سے آنے والی آوازوں سے بے چین ہو رہے تھے۔

"ابو کے گھر جاؤں گی بڑے بھیا سے کہوں گی کہ وہ کوئی انتظام کر دیں۔"

"اوہ نو ممی۔ ان سے بالکل نہ کہیں، ہمارا مذاق اڑے گا۔ ملازم کوٹھیوں میں کام کرتے ہیں کبوتر خانوں میں نہیں۔ یہاں اگر ماموں جان نے کوئی ملازم بھیج بھی دیا تو کچھ دن کے بعد وہ کبوتر اڑائے گا۔" فوزیہ نے کہا۔

"تو اس کا بہتر حل یہ ہے بیٹی کہ تم اور تمہاری ممی مل کر گھر کا کھانا پکائیں اور دوسرے کام کریں۔"

"میں؟" فوزی اچھل پڑی۔ "میں کچن میں جاؤں۔ میں کپڑے پریس کروں..... میں..... ممی دیکھئے ڈیڈی مذاق کر رہے ہیں۔"

"نہیں بیٹے..... یہ مذاق ہر گھر میں ہوتا ہے۔ ذرا لوگوں سے مل کر دیکھو۔"

"تو کیا آپ کے خیال میں، میں سوشل نہیں ہوں ڈیڈی۔ میری بہت سی سہیلیاں ہیں۔ انجو ہے کوئی کچن میں نہیں جاتا۔ ڈیڈی اسٹیٹس بڑی چیز ہے۔"

بیل بجی تو سب چونک پڑے۔

"دیکھو فوزی کون ہے۔"

"ہوگا کوئی۔ ڈیڈی مجھے ایک ہزار روپے دیجیئے۔" فوزی نے کہا۔

"ایک ہزار؟"

"ہاں انجو کے لئے تحفہ خریدنا ہے۔"

"ایک ہزار کا تحفہ ضروری ہے؟"

"سب سے سستا ہوگا۔ ماریا نے پانچ ہزار روپے کی ساڑھی خریدی ہے انجو کے لئے مگر میں نے سب سے کہہ دیا ہے کہ ہم غریب لوگ ہیں سب مجھ سے ہمدردی رکھتے ہیں کیا کروں جب کوئی اس گھر میں آتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے میری سہیلیاں مجھے طعنے دیتی ہیں۔"

"اُفوہ۔ بھئی کون ہے؟ میں دیکھتی ہوں۔" غوثیہ بیگم نے کہا اور اٹھ کر دروازے پر پہنچ گئیں جمن خالہ تھیں غوثیہ بیگم کو دیکھ کر پوپلا منہ کھول دیا۔

"یہ کپڑا تمہارا ہے بیگم صاحبہ۔ اڑ کر سڑک پر جا گرا تھا۔"

"اوہ ہاں جمن خالہ اوپر دھوپ میں پڑا تھا۔ شکریہ تمہارا۔" غوثیہ بیگم نے کپڑا جمن خالہ کے ہاتھ سے لے لیا پھر کچھ سوچ کر بولیں "آئیے اندر آئیے۔" جمن خالہ اندر داخل ہو گئیں۔

"پوتے کے لئے گھٹی لینے نکلی تھی۔ ادھر سے گزری تو یہ کپڑا پڑا دیکھا، سمجھ گئی کہ اتنا قیمتی کپڑا اور کس کا ہو سکتا ہے۔" جمن خالہ نے کہا غوثیہ بیگم کو یہ بات اچھی محسوس ہوئی تھی۔ جمن خالہ کو لے کر برآمدے کی کرسیوں پر آ بیٹھیں۔

"سنائیے کیا احوال ہیں؟"

"منجھلے کے پیٹ میں درد ہے رات بھر روتا رہا ہے۔ بہو نے پیٹ پر ہینگ لگادی تھی اپھارہ ہوگیا ہے۔ گھٹی کی دو خوراکیں ملیں گی ٹھیک ہوجائے گا۔"

"آپ اس دور میں بھی یہ غلیظ چیزیں استعمال کرتی ہیں جمن خالہ، ایسی دوا نہ دیا کریں بچوں کو ڈاکٹر کو دکھائیں۔"

"نہیں بیگم صاحبہ۔ ہمارے بچے انہی چیزوں سے ٹھیک ہوجاتے ہیں تین پوتے دو پوتیاں پال چکی ہوں۔ اللہ کا فضل ہے۔"

"ایک کام ہے آپ سے جمن خالہ!"

"کہو بیگم صاحبہ؟"

"وہ ہمارا ملازم کمبخت فرہاد بھاگ گیا ہے۔"

"شیریں فرہاد!" جمن خالہ ہنس پڑیں۔

"ہم تو بڑے پریشان ہوگئے ہیں کوئی ملازم چاہیئے۔ منہ مانگی تنخواہ دیں گے بس گھر کی صفائی، جھاڑو، پوچھا، کپڑوں کی استری کرے کھانا پکالے جو کام اسے نہ آئے گا ہم سکھالیں گے۔"

"اے بیگم کتنے لوگ ہیں تمہارے گھر میں۔"

"تین۔ جمن خالہ صرف تین۔ کام زیادہ نہیں ہوگا میں ہوں فوزی ہے اور بیگ صاحب ہیں۔"

"اور یہ چھوٹا سا گھر ہے اے بیگم صاحبہ خدا بخشے شمشاد کے ابا کا گھر گیارہ کمروں کا تھا یہ بڑا احاطہ تھا کہ بیس پلنگ آجائیں۔ اس گھر میں بیاہ کر گئے تھے۔ سولہ افراد تھے اس گھر میں شمشاد کے ابا سمیت تین بہوئیں تھیں دو بہنیں تھیں اناج گھر میں تھا۔ بھینسوں کی کٹی سے لے کر کھانا پکانا تک ہم تینوں کرتے تھے۔ مجال ہے کمر پر ہاتھ رکھ جائیں گھر میں مٹھا چلاتے تھے نکالتے، سارا کام ہاتھ سے کرتے تھے بدن تھے کہ فولاد۔ آج دیکھو تیس سے اوپر گئیں کہ لٹک گئیں بدن تھل تھل کرنے لگے پہنچ گئیں دبلا کرنے کے اسپتال میں۔ اے بی بی اسپتال والوں کو تو ایسے بے وقوفوں کی تلاش ہوتی ہے۔ بھلا کیا کریں گے مارتے ہیں اللہ کی نعمت ہوتی ہے نعمتوں سے منہ سے بند ہوجاتے ہیں اسے کہتے ہیں بدنصیبی کہ اللہ کا دیا کھا بھی نہ سکیں..... تُف ہے۔"

"ارے ارے میں نے آپ سے کچھ اور کہا تھا آپ نے فضول تقریر شروع کردی۔"

"تین جنوں کا گھر ہے بیگم صاحبہ۔ کام کون سا ہوگا خود ہو جوان بیٹی ہے۔ اپنے ہاتھ سے کیوں نہیں کرتیں؟"

"آپ لوگوں کو تو بکواس کرنے کی عادت ہے۔ میں نے آپ سے ایک ملازم کے لئے کہا تھا اور آپ نے نہ جانے کہاں کی کہانیاں سنادیں مجھے۔"

"برا مان گئیں میری باتوں کا۔ چلو ٹھیک ہے بات کروں گی دو چار جگہ یہ کام کردوں گی تمہارا۔"

"آپ کا بڑا احسان ہوگا ہم پریشان ہیں۔"

"اے وہ ایک سو گیارہ نمبر میں کرائے دار آگئے تمہیں پتہ ہے۔"

"ایک سو گیارہ کونسا ہے؟"

"اے وہی جس پر مقدمے بازی ہوئی تھی لٹھیاں چلی تھیں یاد نہیں کیا، اب اتنی پرانی بات بھی نہیں ہے۔"

"اوہو، اچھا وہ دو کاندار کا جو گھر ہے۔"

"ہاں۔ وہی۔"

"کون آیا ہے اس بار؟"

"یہ تو پتہ نہیں کل ہی ٹرک سے سامان اترا ہے۔ بس یونہی سے ٹین کنستر تھے غریب غربا ہی لگتے ہیں۔"

"تو یہاں کونسے اعلیٰ فرنیچر والے آکر رہیں گے کوئی ڈھنگ کا آدمی یہاں آکر مرے گا۔"

"اچھا چلتی ہوں..... منجھلے کے پیٹ میں بڑا درد ہے۔"

"بھئی کہاں رہ گئیں آپ؟ وہ فوزی کو...." اندر سے بیگ صاحب کی آواز سنائی دی۔ اور جمن خالہ دروازے سے باہر نکل گئیں بیگ صاحب کمرے سے باہر نکل آئے۔

"اس کمبخت نے ناک میں دم کردیا ہے۔ پتہ نہیں کیا کھا کر سیٹیاں بجاتا ہے۔ زندگی عاجز آگئی ہے یہ سیٹیاں سن سن کر۔"

✿✿

صبح ہوتی ہے اور یہ کبوتر اڑانا شروع کردیتا ہے۔ نہ درود نہ دعا۔ کچھ کر کے رہوں گا خدا قسم آج کچھ کر کے رہوں گا..... شہباز اے او شہباز.....؟ جمیل صاحب دہاڑے۔

"آیا ابا۔" "کیا بات ہے،" شہباز نے منڈیر سے جھانک کر کہا۔

"نیچے اتر بے غیرت نیچے آ۔ آج تو نہیں یا میں نہیں۔" جمیل احمد غرائے۔

"بے غیرت ہمیشہ بلندیوں پر ہوتے ہیں ابا۔ جھانک کر دیکھو ان پستیوں میں سارے غیرت مند کراہتے نظر آئیں گے قسم کلسری کی۔" شہباز نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تیری کلسری کی ایسی کی تیسی....." جمیل احمد نے دانت پیستے ہوئے کہا اور شہباز نے قہقہہ لگایا۔

"جسے گالیاں دی جاتی ہیں ابا وہ اس دور کا بڑا کہلاتا ہے جانتے ہو کیوں۔ نہیں جانتے سنو ابا۔" وہ بڑا ہوتا ہے اس تک کسی کے ہاتھوں کی پہنچ نہیں ہوتی۔ وہ طاقت کی حد سے باہر ہوتا ہے اور بے بس انسان صرف گالیاں دے کر دل کی بھڑاس نکالتے ہیں کلسری تو بہت اونچی اڑتی ہے ابا، دوا سے گالیاں دو۔"

"تو نیچے اتر آ بس ایک بار۔ آج تجھے ٹھیک نہ کیا تو میرا نام جمیل احمد نہیں ہے۔"

"مجھے پستیوں میں کیوں دھکیلتے ہو تم خود بلندی پہ آجاؤ نا ابا..... بلندی پہ پہنچنے کے لئے راستہ میں بتاتا ہوں، ایک پاؤں کھڑکی پر رکھو سلاخیں پکڑ کر اوپر چڑھو، پھر پرنالے کی لونٹی پکڑو اور کھڑکی کے چھجے پر آجاؤ اس کے بعد چھت کی منڈیر پر ہاتھ جماؤ اور باڈی اٹھا کر اوپر چڑھ آؤ۔ میدان تمہارے ہاتھ ہوگا اور اگر یہ نہ کرسکو تو باورچی خانے میں چائے کی دیگچی اٹھا کر دیوار پر دے مارو، آٹے کا کنستر اٹھا کر آنگن میں پھینک دو اماں تمہارے قدموں میں گر جائیں گی۔ رو رو کر تم سے میری زندگی کی بھیک مانگیں گی اور تمہاری عزت رہ جائے گی یہ تو کہہ سکو گے کہ اماں کے آنسوؤں نے تمہیں مجبور کردیا ورنہ آج شہباز میاں "گولڈن" (کبوتر کی قسم) کے ساتھ آسمان پر پرواز کر گئے ہوتے۔ مگر اماں کو یقین ہے کہ تم مجھے کبھی نہ پکڑ سکو گے۔ تم اگر اوپر آ بھی گئے تو میں دوسری منڈیر سے گلی میں کود جاؤں گا اور بھاگ جاؤں گا اماں تمہارے پاؤں باورچی خانے کا دوسرا سامان بچانے کے لئے پکڑے گی کیونکہ اسے مہینہ چلانا ہوگا۔"

"نہیں چھوڑوں گا۔ آج تجھے نہیں چھوڑوں گا۔" جمیل احمد صاحب نے اسفنج کی دو پٹی والی چپلیں اتاریں اور کھڑکی کے قریب پہنچ کر اس کی سلاخیں پکڑ کر اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے لگے مگر بوڑھے جسم کو اوپر اٹھانا ان کے بس کی بات نہیں تھی ان کی اس جدوجہد کو حمیدہ بیگم نے باورچی خانے سے دیکھا اور وہیں سے چیخیں۔

"اری فرزانہ..... فرزانہ..... اری باہر آ۔ دیکھ یہاں کیا تماشا ہورہا ہے۔ ارے ہیضہ ہوجائے اس خاک پڑے کو، چھت سے گر کر مرجائے مشٹنڈا۔ الٰہی اسے اس دنیا سے اٹھالے الٰہی مجھے سکون دے دے۔"

"الٰہی کے پاس بڑی درخواستیں پڑی ہیں اماں نمبر آنے دے اس وقت تک میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔" شہباز نے اوپر سے

ہانک لگائی۔
"اری۔ فرزانہ۔ اری جلدی آ..... ارے ارے شہباز کے ابا، کیا کر رہے ہو ارے تم بھی ہوش کھو بیٹھے۔ گر پڑو گے تو کمر ٹوٹ جائے گی۔" حمیدہ بیگم واویلا کرنے لگیں انہیں دیکھ کر جمیل احمد صاحب کو اور جوش آگیا مگر کیا کرتے، پاؤں کسی طرح کمرنگی پر پہنچ ہی نہ پارہا تھا ایک دور تھا کہ وہ حمیدہ بیگم کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے املی کے درخت کی سب سے اونچی شاخ پر چڑھ جاتے تھے۔ نوفٹ اونچی دیوار کود جانا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا لیکن اب.....
فرزانہ چائے کی آدھی پیالی چھوڑ کر باہر بھاگی۔ ابا اور شہباز کی آوازیں تو وہ بھی سن رہی تھی مگر یہ روز کا معمول تھا، پہلے شہباز کی سیٹیاں پھر ابا کی گالیاں۔ مگر امی کا شور بتاتا تھا کہ آج معاملہ کچھ آگے بڑھ گیا ہے باہر آکر اس نے ابا کو ایک ٹانگ پر اچھلتے ہوئے دیکھا۔
"ارے کیا ہوگیا ابا کیا کر رہے ہیں یہ؟"
"ابے لے یہ میر القاجمن خاں کی چھتری پر کیسے جا بیٹھا۔" شہباز منڈیر سے کھسک گیا۔
"آج نہیں چھوڑوں گا اسے۔ خدا قسم مجھے اوپر جانے دو۔"
"بھیا تو ایسے ہی ہیں ابا۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ میں نے آپ کو کتنا سمجھایا ہے اچھا ہے گھر میں کبوتروں سے لگے رہتے ہیں، باہر نکلیں گے تو نہ جانے کیا کریں۔"
"ارے یہ کیا نکلے گا باہر، گھر کا شیر ہے۔ ایک جھانپڑ پڑ گیا کسی کا تو سارا فلسفہ بھول جائے گا۔ تم ذرا میری مدد کرو!"
"جانے دیں ابا۔ تحمل سے کام لیں۔ مان جائیے۔ دیکھئے کہنی چھل گئی۔"
"سارا محلہ مجھے گھورتا ہے۔ طعنے دیتا ہے، شکایتیں کرتا ہے پرسوں ہی وہ امداد بیگ صاحب راستہ روک کر کھڑے ہوگئے تھے کہنے لگے۔ میاں جمیل احمد صاحب کوئی حل ہے ہماری اس مشکل کا آنکھ کھلتی ہے تو تمہارے لفنگے بیٹے کی سیٹیاں سنائی دیتی ہیں گھروں میں بہو بیٹیاں ہیں ہزار کام ہوتے ہیں دن بھر چھت پر رہتا ہے کیا کریں ہم لوگ؟"
"آپ نے کیا کہا ابا؟" فرزانہ نے پوچھا۔
"سر جھکالیا۔ جوتے مارتے تو کھالیتا۔ اور کیا کروں اپنی ہی غلطی ہے دوسروں سے کیا کہوں۔ بڑے لوگ ہیں کسی دن ہزار پانچ سو پولیس والوں کو کھلا دیئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے کیا کہتا۔ بولو اور کیا کہتا ان سے؟"
"چھوڑیں ابا۔ وہ لوگ کچھ زیادہ ہی نک چڑھے ہیں بڑے آدمی ہیں تو چھوٹے آدمیوں کے محلے میں کیوں رہتے ہیں کوٹھی خرید لیں کسی قبرستان میں۔"
"لو اسے کچھ نہ کہو گی؟"
"ابھی سب کچھ کہہ لیں گے ابا۔ چھوڑیئے۔ آئیے۔ ادھر بیٹھئیے۔" فرزانہ انہیں کھینچتی ہوئی وہاں سے آگے لے گئی۔
"فرزانہ تمہیں دیر ہو رہی ہے بیٹی!" حمیدہ بیگم نے کہا۔
"ہاں۔ بس چلی اماں۔ ذرا میرا پرس اٹھا دینا اندر سے۔" فرزانہ نے کہا اور پھر جمیل صاحب سے بولی۔ "میری قسم کھائیں ابا۔ اب بھیا سے کچھ نہیں کہیں گے!"
"ارے میں کسی سے کیا کہوں گا!" جمیل صاحب افسردگی سے بولے۔ حمیدہ بیگم پرس اور چائے کی پیالی لئے باہر نکل آئیں۔
"یہ چائے بھی نہیں پی تم نے اور دونوں پاپے بھی تو یونہی رکھے ہیں۔"
"بس اماں، کوئی بات نہیں۔"
"دو منٹ رک جاؤ بس چائے گرم کر دوں۔ پاپے کھالو، دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھاتیں سارا دن بھوکا گزارو گی۔"

"افوہ، نہیں اماں، ساتھی لڑکیوں کے ساتھ کچھ کھالوں گی۔" فرزانہ نے کہا پرس حمیدہ بیگم کے ہاتھ سے لیا اور بولی "اچھا ابا، وعدہ یاد رکھئیے گا خدا حافظ۔"

وہ باہر نکل آئی جانی پہچانی گلی سامنے تھی دوکانوں اور مکانوں کی ملی جلی گلی نلے چلے لوگ کچھ آگے جاکر یہ گلی ختم ہوجاتی تھی اور چوڑی سڑک آجاتی تھی بس اسٹاپ کچھ فاصلے پر تھا مگر فرزانہ کو کمپنی کی بس لینے آتی تھی اور ابھی اس میں وقت تھا وہ بس کے انتظار میں کھڑی ہوگئی میں کچھ زیادہ لیٹ ہوگئی تھی اسی وقت گلی سے شکیل برآمد ہوا۔ فرزانہ کے چہرے پر اسے دیکھ کر تازگی سی پھیل گئی شکیل برابر سے گزرا تو اس نے اسے پکار لیا۔

"شکیل۔" اور وہ رک گیا۔

"پرانے لوگ کہتے ہیں کہ کسی کو ٹوکنا اچھا نہیں ہوتا۔" شکیل نے سنجیدگی سے کہا۔

"پرانے لوگوں کی بہت سی باتوں سے مجھے اختلاف ہے۔"

"فرمائیے۔"

"کیا بات ہے؟ گھر سے لڑکر نکلے ہو؟"

"نہیں چومکھی نہیں لڑتا۔"

"کیا مطلب؟"

"دنیا سے لڑرہا ہوں اتنا ہی کافی ہے اور پھر گھر والے تو ویسے ہی شکست خوردہ ہیں ان سے کیا لڑوں گا۔"

"غائب کہاں ہو اتنے دن سے؟ گھر بھی نہیں آئے۔"

"بس ایسے ہی۔ اچھا چلتا ہوں۔"

"شکیل۔" فرزانہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"ہوں۔"

"میری بس نہیں آئی تو رکو کچھ دیر۔"

"سڑک پر باتیں کرنا اچھا نہیں ہوتا فرزانہ میرا تو کچھ نہیں بگڑے گا تمہیں پریشانی ہوجائے گی چلو تمہاری بس بھی آگئی۔" شکیل نے دور سے فرزانہ کی کمپنی کی بس کو آتے دیکھ کر کہا۔

"شام کو گھر آنا۔ انتظار کروں گی۔" بس قریب آکر رکی اور فرزانہ شکیل پر ایک نگاہ ڈال کر بس میں سوار ہوگئی اس شناسا لڑکیوں نے اسے ہیلو کہا اور وہ خوش اخلاقی سے انہیں جواب دے کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔

لیکن شکیل۔ آج وہ بہت افسردہ تھا عجیب تقدیر ہے اس کی تعلیمی ریکارڈ بے مثال تھا محلے بھر کی ناک اونچی کردی تھی فرزانہ نے تو بچپن اس کے ساتھ گزارا تھا میٹرک میں ٹاپ، ایف ایس سی میں ٹاپ بی ایس سی میں ٹاپ اور اس کے بعد کا احمد صاحب کا حادثہ اور اس کے تعلیمی مستقبل کا خاتمہ۔ مگر تقدیر کے کھیل یکساں ہی ہوتے ہیں یا پھر تقدیر کی چیرہ دستیوں کا شکار کچھ مخصوص لوگ ہوتے ہیں اور یہ تمام لوگ ایک ہی محلے میں آبستے ہیں سب ایک دوسرے کو اپنا دکھ درد سناتے ہیں اور اسی طرح زندہ رہتے ہیں۔

خود فرزانہ کی کہانی کیا تھی بہت عرصہ تو نہیں گزرا تھا کل کی سی بات تھی ابا ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازم تھے اچھی خاصی آمدنی تھی فرزانہ انٹر کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھی شہباز نے بی اے کے پہلے سال کا امتحان دیا تھا گھر کے حالات پرسکون تھے اچانک تقدیر نے ان پر نگاہ ڈالی یہ خوشحال گھرانا اسے پسند نہ آیا ابا کی کمپنی کے حالات خراب چل رہے تھے۔ مالکان نے پیشکش کی تھی کہ جو لوگ رضاکارانہ طور پر ریٹائرمنٹ لے لیں گے انہیں فنڈ کے علاوہ کچھ اضافی رقم ملے گی۔

سب سے پہلے یہ ریٹائرمنٹ لینے والے جمیل احمد صاحب تھے حالانکہ کمپنی کی طرف سے یہ بھی قانون تھا کہ باپ

ریٹائرمنٹ کے بعد یہ نوکری بیٹے کو ملے گی اور شہباز کو پورا اطمینان تھا کہ اسے نوکری کے لیے پریشان نہ ہونا پڑے گا۔ جمیل احمد صاحب کے اس فیصلے کی گھر کے باقی تین افراد نے شدید مخالفت کی تھی اور جمیل احمد صاحب نے گھر چھوڑ دینے کی دھمکی دے دی تھی۔

"کیا سمجھتے ہو تم لوگ مجھے تم زیادہ ذہین ہو، تم زیادہ سمجھ دار ہو، مجھے پرورش کیا ہے تم نے میں سیاہ کروں یا سفید، میں ...ل ہوں کیا خیال ہے تمہارا، میں یہاں بھی خاموش ہوجاؤں گا۔"

"ابا آپ مجھ سے بات کریں مجھے قائل کردیں یا خود قائل ہوجائیں۔" شہباز نے کہا۔

"سارے لور ارسطو اسی گھر میں تو پیدا ہوگئے ہیں نا۔ کیا قائل کرنا چاہتا ہے تو مجھے۔" جمیل احمد نے کہا۔

"ابا خود سوچیں، وہ کونسا کاروبار ہے آخر جس میں منافع کی شرح اتنی ہو کہ سات آٹھ فیصد انویسٹر کو مل جائے چار پانچ ...ید کمپنیوں کو مل جائے اور پھر یہ لاکھوں روپے کی پبلسٹی یہ بھی اس میں سے نکل آئے، آپ یقین کریں ابا جو لوگ اس ...یک روشنی کی طرف دوڑ رہے ہیں وہ منہ کے بل گریں گے، یہ ساری فنانس کمپنیاں فراڈ ہیں، آپ سے رقم لے کر اس کا کچھ حصہ ...ع کے نام پر آپ کو دے دیں گی اور جب ان کا ٹارگٹ پورا ہوجائے گا تو ان کا نام و نشان نہیں ملے گا کسی کو!"

"خوب خوب، خاصی جامع تقریر تیار کی ہے ماں بیٹوں نے مل کر، یہ تو اپنی اماں کی زبان بول رہا ہے بیٹے۔"

"نہیں ابا، اماں بے چاری کیا جانیں ان باتوں کو میں وہ کہہ رہا ہوں جو حقیقت بن کر سامنے آنے والا ہے۔"

"جو حقیقت سامنے آئے گی اس کا مقابلہ میں کروں گا تم نہیں۔ ابے ذرا آنکھیں کھول کر دیکھ جن لوگوں نے اپنا سب کچھ ...یا ہے وہ احمق ہیں کیا میرے درجنوں جاننے والے یہ کر رہے ہیں آج تم لوگ میری مخالفت کر رہے ہو، کل آمدنی میں سب ...دار بن جاؤ گے مگر مجھے بھی کچھ سوچنا پڑے گا۔ یہ تمہاری اماں نے جس طرح اس عمر میں پر نکالے ہیں میں اسے فراموش ...ں کرسکتا۔"

"خدا سے ڈریں شہباز کے ابا، عمر بھر کی غلامی خاک میں ملادی میرا کیا ہے فٹ پاتھ پر ڈال دو گے فٹ پاتھ پر جا پڑوں گی ...ں بیٹی اور بیٹے کے خیال سے گھر بیچنے کی مخالفت کی تھی کہ تم یہ طعنہ دینے بیٹھ گئے۔" فریدہ خاتون نے کہا۔

یہ مسئلہ یوں تھا کہ اس وقت جب جمیل احمد صاحب کی کمپنی نے یہ اعلان نہیں کیا تھا جمیل احمد انویسٹمنٹ کمپنی کی ...ورت اشتہار بازی سے متاثر ہوکر یہ گھر بیچنے پر تل گئے تھے گھر ملا تھا فریدہ خاتون کو جہیز میں اور انہی کے نام تھا بروکر کو ...ئے آئے بروکر نے پارٹیوں کو دکھایا دو لاکھ بیس ہزار لگ گئے اور جمیل احمد صاحب تیار ہوگئے انہوں نے پورا حساب بتادیا ...یصد کے حساب سے دو لاکھ پر ملتے دس ہزار، باقی بیس ہزار ایڈوانس دے کر دو ہزار روپے ماہوار پر اس سے کہیں عمدہ مکان ...ے پر حاصل کیا جاسکتا تھا آٹھ ہزار روپے ماہوار کی بچت عیش ہی عیش تھی۔

مگر فریدہ بیگم تیار نہ ہوئیں انہیں نے جمیل احمد صاحب کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ بند کمرے سے کچھ ناخوشگوار آوازیں ...ں مگر جمیل احمد کو پھر بھی کامیابی نہ ہوئی اور وہ صبر کر گئے مگر تھوڑے ہی دنوں میں امید کی شمع پھر جل گئی جب کمپنی ...اعلان کیا گھر والوں کی ہر مخالفت ٹھکرا کر جمیل احمد نے ریٹائرمنٹ لے لیا اور انہیں تین لاکھ پینتالیس ہزار روپے مل گئے ...پیس ہزار روپے پورے کرنے کے لئے انہوں نے لی دی، فرج فریدہ خاتون کے وہ زیورات بیچے جو انہوں نے بری میں ...ئے تھے شہباز کی موٹر سائیکل بیچی جو انہوں نے اسے قسطوں پر دلائی تھی اور جس کی زیادہ تر قسطیں شہباز نے ٹیوشن کرکے ...نہیں اور خوشی خوشی چار لاکھ روپے فنانس کمپنی میں دھر آئے جن کی پہلی قسط بیس ہزار روپے ملی تو وہ بادلوں پر سوار ...ر میں گھومے۔

ایک ہفتے تک گھر میں مرغ قورمہ، مرغ بریانی اور شاہی ٹکڑے پکتے رہے، بادشاہت جو مل گئی تھی۔ تین مہینے میں سامنے ...، اور جمیل احمد صاحب نے گھر کا حلیہ بدل دیا۔ چوتھے مہینے اخبارات نے تقدیر کا فیصلہ سنادیا یہ پورا مہینہ جمیل احمد صاحب

نے مختلف کمیٹیوں کے ساتھ مل کر فنانس کمپنیوں کے مالکان کی تلاش میں گزارا اور مہینے کے آخر میں قسمت ملیریا کا شکار رضائیوں کے انبار تلے چھپ گئے۔ مگر یہ کپکپی جاڑا بخار کی نہیں تھی۔ چار لاکھ ڈوب جانے کی دہشت تھی عجب بخار تھا جو پڑھ کر چڑھتا تھا اخبار پڑھ کر اتر جاتا تھا اور وہ تیار ہو کر کہیں نکل جاتے تھے۔ فنانس کمپنیوں کے بارے میں کوئی امید افز ملتی تو حالت بہتر ہو جاتی تھی دوڑ دھوپ کا نتیجہ صفر نکلتا تو پھر چارپائی پکڑ لیتے تھے۔

اس آنکھ مچولی میں کئی ماہ گزر گئے پھر چارپائی سے اکتا گئے سر جھکا کر بیٹھنا شروع کر دیا۔ تنہائیاں اپنانے لگے۔ جا فرزانہ تھی نہ شہباز اخبار یہ بھی پڑھتے تھے جو کچھ ہو چکا تھا علم میں آگیا تھا فریدہ خاتون دم سادھ کر رہ گئیں تھیں، شہباز خامو تھا فرزانہ کچھ نہ بولی تھی سب ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے گھر میں جو کچھ آگیا تھا چل رہا تھا اور سب جانتے تھے کہ کے بعد کچھ نہیں آئے گا۔

ادھر جمیل احمد صاحب بھی گھر میں چھائی گھٹن کی فضا سے گھٹ رہے تھے گھر والوں سے لڑ بھڑ لیتے تو شاید یہ الجھ ہوتی آگے کے بارے میں سوچتے مگر اس خاموشی نے دیوانہ کر دیا تھا۔

"قفل اس وقت ٹوٹا جب فریدہ خاتون نے شہباز سے کہا۔

"کالج بند ہیں کیا؟"

"کیوں؟"

"جاتے نہیں ہو۔"

"چھوڑ دیا۔"

"ہیں۔"

"ہاں"

"آگے نہیں پڑھو گے؟"

"نہیں۔"

"آخری سال ہے بیٹے۔"

"فرزانہ نے رجسٹریشن کرایا۔"

"کرائے گی۔"

"کب، تاریخ تو گزر گئی۔"

"ہاں۔ گذر گئی۔"

"ہاں اماں۔ اب سب کچھ گزر چکا ہے ہم نہیں بھائی آگے نہیں پڑھ سکتے ابا نے ہمارے مستقبل پر تالا لگا دیا ہے! تالے کی چابی اتنی دور پھینک دی ہے کہ وہ اب ہمیں نہیں مل سکتی۔ اب پہلے کی طرح نہ سوچو بلکہ سوچنے کا انداز بدلو۔"

"کیا ہو گا اب۔"

"ابا جانیں۔" شہباز ہنس پڑا۔ فرزانہ نے اس ہنسی میں چھپا ہیجان محسوس کیا تھا جو فرزانہ تھی کہ کہیں باپ بیٹے سا آجائیں گھر کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے اس کا اسے بھی اندازہ تھا وہ جانتی تھی کہ بی اے کے رجسٹر تاریخ گزر چکی ہے اسے علم تھا کہ شہباز سال اول کامیابی سے گزار گیا ہے مگر گھر کے حالات کا اسے اندازہ تھا۔ فریدہ بیگم نے آواز میں کہا۔

"شہباز! ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔"

"ارشاد۔" شہباز بولا۔

"انہیں اپنے کئے کا پورا پورا احساس ہے۔ تو دیکھ، چاروں طرف سے ایک جیسی خبریں مل رہی ہیں بہت سے لوگوں نے یہ سب کچھ کیا ہے اور تباہ ہو کر بیٹھ گئے ہیں جو ہونا تھا ہو چکا ہے بیٹے۔"

"آگے بولو والدہ۔"

"ان کا مقابلہ نہ کرنا ان سے جھگڑا مت کرنا کبھی، شہباز ماں ہونے کے رشتے سے میں نے تیری جو خدمت کی ہے اس کا یہی صلہ چاہتی ہوں تجھ سے ہمیشہ ڈر لگتا ہے مجھے کہ کہیں تم باپ بیٹے آمنے سامنے نہ آجاؤ۔"

"اس سے آگے والدہ؟" شہباز نے پتھرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"بیٹا کچھ کرنا پڑے گا اب تجھے اس گھر کا سہارا بننا پڑے گا کوئی نوکری تلاش کر۔ گھر میں اب کچھ نہیں رہا ہے۔"

"ابا کی نوکری مجھے ملنے والی تھی اماں بی اے کرنے کے بعد مجھے یہی کرنا تھا۔ کیا وہ میرا مستقبل بھی نہیں کھا گئے۔"

"ہاں ایسا ہوا ہے۔"

"اور نوکریاں آسانی سے نہیں ملتیں یہ بھی تمہیں معلوم ہے۔"

"کوشش کر۔"

"نہیں اماں۔" میں صرف ایک بات مان سکتا ہوں ٹھیک ہے ابا سے جھگڑا نہیں کروں گا وعدہ مگر اس کے علاوہ کیا کرنا ہے، وہ میں بھی نہیں جانتا۔

فرزانہ نے ایک ہزار روپے شہباز کو دیئے اور بولی "بھیا یہ رکھ لو ابھی تمہارے پاس وقت ہے تم اپنی تعلیم مکمل کر لو۔"

"پیسے کہاں سے آئے؟"

"میں نے جمع کئے تھے۔"

"تم نے رجسٹریشن کیوں نہیں کرایا؟"

"وہ اتنا ضروری نہیں تھا۔" فرزانہ نے کہا اور شہباز نے پیسے لے لئے کئی دن تک غائب رہا پھر ایک دن کسی کو ساتھ لے کر آیا اور چھت پر چڑھ گیا پھر کچھ سامان آیا اور چھت پر کبوتروں کا پنجرہ بن گیا پھر اس پنجرے میں کبوتر آئے اور شہباز مصروف ہو گیا۔

اس صبح جمیل احمد صاحب نے سیٹیوں کی آوازیں سنیں تو ششدر رہ گئے۔

"چھت پر کون ہے؟"

"شہباز۔" فریدہ خاتون نے کہا۔

"کیا کر رہا ہے؟"

"کبوتر اڑا رہا ہے۔" فریدہ خاتون نے جواب دیا اور جمیل احمد صاحب گردن ہلانے لگے اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کہہ سکے۔

فرزانہ نے البتہ شہباز سے کہا۔

"بھیا۔ یہ تم نے کیا شروع کر دیا؟"

"تمہارے دیئے ہوئے ہزار روپے کا صحیح استعمال میری روح ان کبوتروں کے ساتھ فضاؤں میں پرواز کر کے بالیدگی حاصل کرتی ہے مجھے اس سے نہ روکنا ورنہ سارے معاہدے منسوخ ہو جائیں گے۔"

"یہ بلیک میلنگ ہے بھیا۔"

"اپنے مستقبل کے قاتلوں کو بلیک میل کر رہا ہوں اور اسے گناہ نہیں سمجھتا۔"

"گھر کا کیا ہو گا بھیا؟"

"وہ ابا جانیں۔" شہباز نے کہا۔

گھر کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے گئے۔ جمیل احمد صاحب نے ٹی وی بیچ دیا اور کئی چیزیں بیچ دیں یہ تمام چیز وہ ان ساٹھ ہزار میں سے لائے تھے جو فنانس کمپنیوں سے کمائے تھے انہیں کون روکتا۔ فریدہ خاتون بزدل تھیں زبان کھو ہوئے خوفزدہ ہوجاتی تھیں کہیں جھگڑا ہوجائے۔ مگر جینا مشکل ہوا جارہا تھا، جمیل احمد صاحب نے جو کچھ بیچا تھا اُس سے حاصل ش رقم کا نامناسب حصہ گھر کے اخراجات کے لئے دے دیا تھا، فریدہ بیگم نے خاموشی سے اُسے قبول کرلیا تھا اور گھر کا کام چلاتی رہیں تھیں لیکن اس کے بعد بیچنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ یہ سوال، خوفناک شکل میں بار بار سامنے آتا تھا، فرزانہ نے سوچنا شروع کردیا، شہ کو جو ایک ہزار روپے دیئے گئے تھے اُن کا حشر فرزانہ نے دیکھ لیا تھا، بھائی کی آنکھوں میں اُسے بارہا جنون نظر آیا تھا اور وہ اس جنون کا پس منظر جانتی تھی، چنانچہ اُس نے بھی شہباز سے کچھ نہ کہا اور شہباز ایک باقاعدہ کبوتر باز بن گیا، البتہ اس نے ماں سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تھا، جمیل احمد صاحب بعض اوقات اُس کی ہاؤ، ہو، سے بری طرح چڑجاتے، لیکن چھت پر چڑھنے کے لئے نہ کو سیڑھی تھی اور نہ ہی کوئی ایسا راستہ، جو وہ شہباز کے کبوتروں تک پہنچ پاتے، یہ تو شہباز ہی تھا جو کھڑکی کی سلاخیں پکڑ کر چھو منڈیر پر پاؤں رکھتا اور چھت پر پہنچ جاتا۔ جمیل احمد صاحب کے بس میں یہ سب کچھ نہیں تھا۔

پھر فرزانہ کو کچھ اور سوجھی، نجانے کیسے یہ خیال اُس کے دل میں آگیا تھا۔ دوائیں بنانے والی ایک فرم میں پیکنگ گرلز آسامیاں نکلیں تو اس نے بھی نجانے کیسے کوشش کرکے درخواست دے ڈالی۔ گھر کا ماحول تو بگڑ ہی چکا تھا بزرگ اب اس قا نہیں رہے تھے کہ ان سے مشورے کئے جاتے درخواست کا جواب آیا تو فرزانہ نے صرف فریدہ خاتون سے کہا۔

"میں انٹرویو دینے جارہی ہوں۔"

"ہیں۔" فریدہ خاتون بدحواسی سے بولیں۔

"نوکری کا انٹرویو دینے جارہی ہوں۔"

"کک۔ کہاں، کیسے، کیوں......؟"

"واپس آکر بتاؤں گی۔" فرزانہ نے کہا اور گھر سے باہر نکل گئی، فریدہ خاتون ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

وہ انٹر پاس تھی جبکہ پیکنگ گرلز کے لئے صرف میٹرک کی قید تھی۔ چنانچہ یہ نوکری اسے فوراً مل گئی۔ تنخواہ اٹھارہ سو روپے اور پھر آنے جانے کے لئے بس، دوسری آسانیاں بھی کمپنی کی طرف سے دی گئی تھیں۔

فرزانہ ملازم ہوگئی اور چند ہی روز کے بعد سے اُس نے کام پر جانا شروع کردیا، باپ کو بتانا ضروری تھا، چنانچہ کام پر جانے سے پہلے شام کو اس نے جمیل احمد صاحب سے کہا۔

"ابا! میں نے نوکری کرلی ہے۔"

"کیا...... کہاں......؟" اور فرزانہ نے انہیں تمام تفصیل بتادی۔ جمیل احمد صاحب گردن جھکائے سوچ میں کھوئے رہے پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"اچھا......"

اور فرزانہ کی اس نوکری نے گھر کے حالات سنبھال لئے، کم از کم کھانے پینے کا خرچ پورا ہوجاتا تھا کسی نہ کسی طرح۔ فریدہ خاتون کفایت شعار تھیں، تھوڑے سے پیسوں میں ہی ضرورتیں پوری کرلیتی تھیں، شہباز گھر میں کچھ دیتا نہیں تھا، مگر کچھ مانگتا بھی نہیں تھا۔ اپنے کبوتروں کا خرچہ وہ نجانے کہاں سے پورا کررہا تھا، ٹیوشنیں بھی چھوڑ دی تھیں اُس نے، بس یا تو کبوتر اُڑاتا یا پھر دوستوں میں چلا جاتا جو کپڑے تھے وہی پہن پہن کر کام چلا رہا تھا، اس طرح فرزانہ کو یہ نوکری کرتے ہوئے پانچ ماہ گزر چکے تھے اور یوں گھر کا کام کاج چل رہا تھا...... روبی نے اُسے گم دیکھ کر کہا۔

"ارے تمہیں کیا ہوگیا اترو گی نہیں؟" فرزانہ چونک پڑی اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بس سے نیچے اُتر آئی۔

"گرہ لگائیے۔"

حنا کا رنگ یہ ہرگز نہیں ہے سچ بتا ظالم
یہ کس کا پھول سا دل تو نے پاؤں سے مسل ڈالا

"ہا" یہ کس کا پھول سا دل۔ یہ کس کا پھول سا دل......" پروانہ صاحب آنکھیں بند کرکے جھومتے ہوئے بولے۔ شمع بیگم کی آواز سنائی دی۔

"لگادی......" پروانہ صاحب چونک پڑے۔

"کیا لگادی......؟"

"گرہ لگادی ازار بند میں، شمع بیگم نے پائجامہ تہہ کرکے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ وہ پروانہ صاحب کے کپڑوں پر استری کررہی تھیں، پروانہ صاحب چونک کر کھڑے ہوگئے، انہوں نے پائجامے کے ازار بند میں مضبوطی سے لگی ہوئی گرہ دیکھی اور ٹھنڈی سانس لے کر مسکراتے ہوئے بولے۔

"بے حد شکریہ، خدا کا شکر ہے کہ آپ اس وقت شیروانی استری نہیں کررہی تھیں، ورنہ یہ گرہ اس کی آستینوں میں لگ جاتی۔ رکھ دیجیئے اسے، تمام کپڑے استری ہوگئے نا؟"

"دیکھ لیجئے گا، سب ٹھیک کردیئے ہیں، شمع بیگم نے مستعدی سے کہا اور پروانہ صاحب محبت بھری نگاہوں سے اُنہیں دیکھتے ہوئے بولے۔

"اب آیئے تشریف رکھیئے یہاں، آپ پر کوئی شعر کہہ دیا جائے......؟" شمع بیگم سامنے مونڈھے پر بیٹھ کر شرمانے لگیں، بالوں کی کئی لٹیں سفید ہوگئی تھیں، چہرے کی گلابیوں میں جگہ جگہ لکیریں رونما ہوگئی تھیں، مگر آنکھوں کی حیا کسی موسم سے متاثر نہیں ہوئی تھی، پروانہ صاحب اُنہیں دیکھ کر کوئی شعر موزوں کرنے پڑے۔

لگائے اپنے ہاتھوں پر میرے دل کا لہو
حنا کا رنگ یہ کچا ہے اُتر جائے گا

نام تھا اقبال حسین، تخلص کرتے تھے پروانہ، رہتے تھے مکان نمبر ایک سو ستائیس میں، شوہر تھے شمع بیگم کے، ملازمت کرتے تھے ریلوے میں اور آٹھ سال پہلے ریٹائر ہوگئے تھے۔ عشق کیا تھا انہوں نے نوجوانی کی عمر میں شمع بیگم سے جو اُن کے دور کے تایا کی بیٹی تھیں اور شاعری کی سمت رخ بھی انہی دنوں کیا تھا جب عشق ہوا تھا اور شمع بیگم کے نام کی مناسبت سے تخلص رکھا تھا پروانہ، شمع پروانے کا ازلی عشق کامیاب رہا اور یہ پہلے پروانے تھے جنہیں شمع حاصل ہوگئی اور پروانہ صاحب نے زندگی نہایت دیانت سے گزار دی، وہ بھی جلتی تھیں، یہ بھی جلتے تھے تو بھلا دو جلنے والوں کے بیچ کسی تیسرے کی کیا گنجائش تھی چنانچہ اولاد سے محروم رہے۔

مکان نمبر ایک سو ستائیس پروانہ صاحب نے شمع بیگم کے نام سے بنوایا تھا اور اس پر تختی لگوائی تھی شمع دان کی۔ بہرحال زندگی خوب گزری تھی ایک دوسرے کی محبت میں سرشار ہوکر شمع کا جادو ایسا سر چڑھا تھا کہ پروانہ صاحب باقاعدہ شاعر ہوگئے تھے اور اب فاضل اوقات میں شاعری سے اچھا مشغلہ اور کیا ہوسکتا تھا، کچھ ڈھنگ کا ہی کہہ لیا کرتے تھے، کیونکہ مشاعروں میں بلائے جاتے تھے۔ ریلوے سے ریٹائر ہونے کے بعد پنشن ملتی تھی اخراجات نہ ہونے کے برابر تھے، اوپری منزل پر ڈیڑھ کمرہ بنا رکھا تھا، غسل خانہ، باورچی خانہ بھی تھا اور جس وقت سے یہ ڈیڑھ کمرہ بنا تھا منشی عبدالقدوس کو کرائے پر دے رکھا تھا، پھر منشی عبدالقدوس اسے چھوڑ کر چلے گئے، سو چلے گئے، ورنہ پروانہ صاحب بھلائن سے کبھی یہ گھر خالی کراتے، سخن کا رشتہ تھا، عبدالقدوس صاحب شعر کہتے نہیں تھے سنتے تھے اور اتنی داد دیتے تھے کہ پروانہ صاحب کی سیری ہوجاتی تھی۔ بڑی اچھی دوستی

نبھی تھی دونوں کی، مگر مجبوری تھی، منشی صاحب صرف ڈیڑھ سو روپے کرایہ دیتے تھے، یہیں سے شروع کیا تھا اور یہیں پر ختم ہو گیا تھا۔

آج بھی مشاعرہ تھا۔ پروانہ صاحب اس کے لئے اہتمام کر رہے تھے۔ شیروانی کو عطر میں بسایا گیا تھا کرتے پائجامے کو کلف لگا کر تیار کیا گیا تھا، پروانہ صاحب کا بس نہ چلتا تھا کہ سورج کو چادر میں چھپا دیں کہ رات ہو جائے۔ بے چینی سے وقت گزرنے کا انتظار کیا جا رہا تھا شمع بیگم نے کہا۔

"کچھ پتہ ہے۔ ایک سو گیارہ نمبر کرائے پر اٹھ گیا۔"

"منشی صاحب بہت یاد آ رہے ہیں طویل ساتھ رہا ہمارا ان سے۔" پروانہ صاحب بولے۔

"پتہ نہیں کون آیا ہے۔ جمن خالہ بتا رہی تھیں کہ لوگ شریف معلوم ہوتے ہیں۔"

"پچھلے ہی مشاعرے کی بات ہے۔ واپس آتے ہوئے کہہ رہے تھے میاں پروانہ تمہاری شاعری الہامی ہوتی جا رہی ہے۔ شعروں میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے شمع بیگم۔"

"کم از کم سات سو روپے مہینے پڑ دیں گے۔ گیس۔ بجلی کا بل الگ۔" شمع بیگم نے کہا۔

"ایں۔" پروانہ صاحب چونک پڑے۔ "کیا؟"

"اوپر کا گھر۔ سات سو سے کم پر نہیں اٹھے گا۔"

"اوہ ہاں یقیناً" پروانہ صاحب ٹھنڈی سانس لے کر بولے پھر کہنے لگے۔ "جمیل احمد صاحب نے اپنے کسی دوست کے لئے کہا تھا۔"

"شہباز کے ابا نے......"

"ہاں ہاں"

"نہیں بھئی، وہ کبوتر باز خاندان ہے۔ کسی اپنے جیسے ہی کو لے آئیں گے وہ لوگ۔"

"نہیں شمع بیگم۔ وقت کے ستائے ہوئے ہیں بے چارے ایسا نہ کہا کرو، وقت کسی کا نہ بگڑے۔"

"وہ دولڑکے آئے تھے گھر دیکھنے میں نے کرایہ سات سو روپے بتایا ایڈوانس پانچ ہزار پھر نہیں پلٹے۔"

"آئے گا کوئی ضرور آئے گا! دیر آید درست آید!"

"اخبار میں اشتہار کیوں نہ دیدیں۔"

"ارے نہیں۔ جن اخباروں میں ہماری غزلیں چھپتی ہیں ان میں ہمارے گھر کے کرائے پر اٹھنے کے لئے اشتہار چھپے؟ لوگ کیا سوچیں گے پروانہ کے بارے میں۔"

"تو کوئی جرم ہے۔"

"نہیں شمع بیگم۔ شمعدان میں کسی دل جلے کو ہی آنے دو۔ اور وہ خود آئے گا! یہ سورج بھی آج سرکشی پر آمادہ ہے آنکھیں چکائے جا رہا ہے چائے ہوتی ہے اک چیز۔"

"چائے......؟"

"ہاں جلتی ہوتی ہے، جلتی ہے مگر دل جلوں کی پیاس بجھاتی ہے۔"

"موئے انگریز چھوڑ گئے ہمارے ہاں تو......!"

"ہرگز نہیں۔ ان میں یہ حس شاعرانہ کہاں منتخب کر لی ہوگی اپنے نام سے...... تو پھر کیا خیال ہے؟"

"انگریزوں کے بارے میں؟"

"نہیں، چائے کے بارے میں۔"

"پئیں گے؟"

"ہاں انتظار کی شدت کو سکون دے گی اگر عنایت ہو جائے۔" پروانہ صاحب نے کہا۔

"ابھی بنا کر لاتی ہوں۔" شمع بیگم اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئیں پروانہ صاحب گنگنانے لگے۔

حنا کا رنگ یہ ہرگز نہیں ہے سچ بتا ظالم
یہ کس کا پھول سا دل تو نے پاؤں سے مسل ڈالا

"تشریف رکھیئے۔ سامنے بیٹھے شخص نے شکیل کو گھورتے ہوئے کہا اور شکیل شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ "شکیل احمد؟"

"جی......!"

"بی ایس سی؟"

"جی......!"

"تمہاری تعلیمی زندگی تو بہت شاندار ہے میٹرک ٹاپ، ایف ایس سی ٹاپ، بی ایس سی۔"

"ٹاپ!" شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کے بعد؟"

"ٹاپ سے گر پڑا۔" شکیل ہنس پڑا۔

"آگے کیوں نہیں پڑھا؟"

"دل نہیں چاہا۔"

"یہ کوئی جواز نہیں ہے۔"

"آپ مجھے آگے پڑھانا چاہتے ہیں؟"

کیا یہ غیر سنجیدہ سوال نہیں ہے؟" چشمے والے بھاری بھرکم شخص نے کسی قدر ناگواری سے کہا اس کے قریب تین اور افراد بیٹھے ہوئے تھے دو مرد اور ایک خاتون۔

"معافی چاہتا ہوں۔ مگر اس بات کا کیا جواب دوں۔ اپنے گھر چلو حالات بتانا شروع کر دوں آپ کو......"

"تجربہ......؟" اسی شخص نے سوال کیا۔

"چوبیس انٹرویو دے چکا ہوں کہیں ملازمت نہیں ملی چوبیس بار انٹرویو دینے کا تجربہ ہے!"

"آپ نے اشتہار پڑھا تھا۔؟"

"جی ہاں"

"کیا لکھا تھا اس میں"

"وہی احمقانہ باتیں جو اس طرح کے اشتہارات میں ہوتی ہیں جن میں صرف محکمہ جاتی کارروائی کی جاتی ہے۔ انٹرویو انٹرویو کھیلا جاتا ہے حالانکہ ملازمت اس کے لئے مخصوص ہوتی ہے جس کے لئے کہیں سے ٹیلی فون یا پرچی آ چکی ہوتی ہے۔"

"اگر آپ یہ جانتے تھے تو پھر درخواست دینے اور کال پر یہاں آنے کی زحمت کیوں کی تھی؟"

"اس کی دو وجوہات ہیں۔ نمبر ایک عادت پڑ گئی ہے گھر میں پڑا بور ہوتا ہوں نمبر دو گھر والوں کی بوریت بھی دور ہو جاتی ہے۔ باپ کامیابی کی دعائیں دیتے ہیں ماں وضو کر کے جائے نماز پر بیٹھی تسبیح پڑھتی رہتی ہیں ان کی آنکھوں میں امید کے روشن چراغ مجھے اچھے لگتے ہیں۔"

"ناکامی کی اطلاع پر کیا ہوتا ہے؟"

"چراغوں کا کام جلنا بجھنا ہوتا ہے کوئی خاص بات نہیں۔"

"آپ نے ہمارے اشتہار کو بھی احمقانہ کہا۔" اس بار دوسرے آدمی نے کہا۔

"آپ خود غور کرلیں۔ یہ میرے پاس اس کا دوسرا تراشہ موجود ہے ملاحظہ فرمائیے!"

ایک مستحکم ادارے کو پرچیز افسر کی ضرورت ہے۔ درخواست دہندگان کم از کم بی ایس سی ہوں۔ کسی اچھے ادارے سے کم از کم پرچیز آفیسر کی حیثیت سے پانچ سال کا تجربہ رکھتے ہوں۔ عمر بیس سے پچیس سال مندرجہ ذیل پوسٹ بکس پر درخواست **ارسال** کریں!

ملاحظہ فرمایا آپ لوگوں نے۔ بی ایس سی کرنے کے لئے ذہین سے ذہین نوجوان کو زندگی کے بیس سال درکار ہوتے ہیں آپ کو تعلیمی حالات کا اندازہ ضرور ہوگا۔ اس کے بعد کوئی بھی نوجوان سیدھا کسی اچھے ادارے میں پرچیز آفیسر نہیں لگ جاتا۔ اسے سخت جدوجہد کرنا ہوتی ہے تب کہیں جاکر اسے کوئی چھوٹی موٹی ملازمت مل سکتی ہے فرض کیجیئے اسے ایسی کوئی نوکری کسی اچھے ادارے میں مل بھی جائے تو ٹھیک پانچ سال کے بعد وہ اس اچھے ادارے کی ملازمت کیوں چھوڑ دے گا اور نئے سرے سے آپ کے ہاں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ وہیں کیوں نہ ملازمت کرتا رہے گا اور پھر پانچ سال تو وہ تجربے میں گزار دے گا پھر پچیس سال کا کیسے رہے گا۔"

"بڑی محنت سے ریسرچ کی ہے آپ نے!"

"ان اشتہارات پر......؟"

"شکریہ......آپ کو اطلاع دیدی جائے گی۔" انٹرویو لینے والے نے جھلا کر کہا اور شکیل ہنستا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرا تو خیال تھا کہ آپ سے خاصی دلچسپ گپ شپ رہے گی، مگر آپ بہت جلدی ناراض ہوگئے خیر......!" وہ باہر نکل آیا۔

جو کچھ اس نے ان لوگوں کے سامنے کہا تھا غلط نہیں کہا تھا طویل عرصہ سے یہی کچھ کر رہا تھا۔ شاندار تعلیمی ریکارڈ تھا مگر ملازمت کے انٹرویو ہوتے تھے ملازمت نہیں ملتی تھی۔

اور اب اسے اس کی وجوہات معلوم ہوگئی تھیں گلی نمبر سات کا باشندہ تھا وہیں اس کی پیدائش کی مٹھائی تقسیم ہوئی تھی، وہیں اس کے میٹرک میں ٹاپ کرنے کا جشن منایا گیا تھا وہیں سب کچھ ہوا تھا اس کے والد کلیم احمد صاحب میونسپل کارپوریشن میں ہیڈ کلرک تھے۔ ہمیشہ سے نیکیوں کا شکار رہے تھے۔ اپنے ادارے کی سب سے غیر مقبول شخصیت تھے، زندگی بھر تنخواہ میں گزارا کیا اور بس گزارا ہی کیا۔ ایک سادہ سا گھر تھا جس میں سادگی کے سوا کچھ نہیں تھا جو سادہ نوح تھے وہ انہیں چاہتے تھے باقی صرف انہیں دیکھ کر مسکراتے تھے۔ شناسائی کے انداز میں یا پھر تحقیر سے کلیم احمد صاحب نے کبھی اس پر غور نہیں کیا تھا۔

لیکن پھر اچانک ان کی زندگی میں ایک انقلاب آیا منی بس سے اُترے گر پڑے دوسری منی بس نے پیچھے سے آکر کچل دیا ہسپتال سے واپس آئے تو ایک ٹانگ سے محروم ہوچکے تھے۔ عام لوگوں کے لئے یہ ایک افسوسناک حادثہ تھا مگر شکیل کی پوری زندگی گہنا گئی تھی۔ اس کے سارے خواب بکھر گئے تھے اس نے جس طرح اخباری نمائندوں کو گلی نمبر سات میں بلالیا تھا اسی طرح مستقبل میں وہ اپنی گلی کو ایسی روشنی بخشنا چاہتا تھا جس سے وہ ہمیشہ منور رہے نہ جانے کیا کیا پلاننگ کی تھی اس نے۔ لیکن اس حادثے کے بعد سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔

تین افراد پر مشتمل گھرانہ تھا صابر وشاکر لوگ تھے جس طرح بھی بن پڑی گزار رہے تھے شکیل نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھا اور مسلسل ناکامیوں سے دوچار تھا کلیم احمد صاحب کہتے۔

"بیٹے! زندگی ایک مسلسل امتحان ہے جس طرح تم ایک شاندار تعلیمی ریکارڈ رکھتے ہو۔ اتنا ہی روشن تمہاری زندگی کے امتحان کا ریکارڈ ہونا چاہیئے۔"

"وقت، صورت بدل کر میرے سامنے آرہا ہے ابو......! مجھے مستقبل کی صورت خوفناک نظر آتی ہے۔"

"جس طرح ایک چلہ کش اپنا وظیفہ پورا کرتا ہے اور آخری دنوں میں وظیفے کے تابع موکل اسے بھیانک چہرے دکھا کر خوفزدہ کرتے ہیں مگر وظیفے کی تکمیل کے بعد وہ اس کے غلام ہوتے ہیں اسی طرح وقت تمہارے قابو میں آنے سے پہلے تمہیں ڈرا رہا ہے۔ اطمینان رکھو وہ تمہارا غلام بن جائے گا۔"

"شاید......!"

"نہیں بیٹے یقیناً!"

اس کے بعد شکیل کچھ نہ کہتا۔ اسے بھی اپنے وطن اور اہل وطن سے پیار تھا وہ محبت کے پھولوں کا متمنی تھا مگر اسے کچھ اور مل رہا تھا۔

جمیل احمد کے گھر سے ان کے خصوصی رابطے تھے، فرزانہ اور وہ بچپن سے ساتھ تھے بچپن کے کھیل سے جوانی کے کھیل تک کے ساتھی بچپن میں اس نے کہا تھا۔

"فرزانہ تم کونسی پری ہو!"

"میں پری نہیں ہوں"

"نہیں ہو...... تم صندل پری ہو۔ اور میں شہزادہ صنوبر ہوں۔ ایک دن میں تمہیں اپنے محل میں لے جاؤں گا۔"

میں اپنا نیا سوٹ پہن کر تیار رہوں گی۔"

"کونسا سوٹ؟"

"وہ لال والا۔"

"ہاں وہ بہت اچھا ہے۔"

جوانی میں اس نے کہا تھا۔ "نہیں فرزانہ...... یہ سب کچھ تمہارے تصور کا نتیجہ ہے جب میں کتابیں پڑھتا ہوں تو ان کے ہر صفحے پر تمہاری تصویر ہوتی ہے۔ بولتی تصویر...... وہ مجھ سے کہتی ہے ان کتابوں کو سینے میں اتار لو شکیل۔ یہ تمہارا ستقبل تعمیر کریں گی میرے لئے۔ اور میں صفحے کو اس لئے سینے میں اتار لیتا ہوں کہ میں یہ تمہاری تصویر ہوتی ہے۔ پھر جب رہ امتحان میں ہوتا ہوں تو تم میرے اندر سے بولتی ہو اور مجھے کتابوں کا لکھا بتاتی رہتی ہو۔ پکڑ میں ممتحن صاحب میری نل......!"

وہ فرزانہ کو چاہتا تھا اس کے ساتھ اس نے مستقبل کے ہر لمحے کو معنون کردیا تھا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں سوچتا تھا، لیکن ب مستقبل ہی خطرے میں تھا، فرزانہ کو لے کر اس گھر میں آنا بھلا کیا معنی رکھتا تھا سارے وعدے جھوٹے پڑجاتے، بے چارے جمیل احمد صاحب دھوکا کھاگئے تھے۔ فنانس کمپنیوں سے، حالات اتنے خراب ہوگئے تھے کہ بارہا شکیل کا دل تڑپا کہ ان کی کل میں ان کا ساتھ دے، شہباز الگ باغی ہوگیا تھا اور اُس نے حیرتناک طور پر کبوتر بازی شروع کردی تھی حالانکہ برا لڑکا یں تھا اور شکیل سے اچھی خاصی دوستی تھی اس کی۔ لیکن اُس نے اپنے آپ کو اس طرح تبدیل کیا تھا کہ حیرت ہوتی تھی، انا شہباز لگتا ہی نہیں تھا۔

☆ ثریا نے پروین کو ٹھوکا دیا اور پروین نے کروٹ بدل لی۔

"اٹھو تو سہی پروین، بھئی اٹھو، دیکھو یہ کیا ہورہا ہے۔" ثریا نے بے چین لہجے میں کہا اور پروین نے بری طرح جھلا کر ں کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کیا بدتمیزی ہے ثریا، سونے دے نا......؟"

"ہائے پروین، دیکھو قیامت آگئی، صور اسرافیل پھونکا جارہا ہے، ذرا سنو آواز سنو۔" ثریا نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور پروین پیشانی پر شکنیں ڈال کر اس آواز کو سننے لگی۔ تیز تیز سیٹیوں کی آواز تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ہاہا اور ہوہو کی آوازیں بھی شامل تھیں، عجیب وغریب آوازیں تھیں جو سمجھ میں نہیں آرہی تھیں، پروین نے کہا۔

"سوجا، مجھے پریشان نہ کر۔"

"کمال ہے پروین، یعنی قیامت آگئی ہے اور تم اب بھی سونا چاہتی ہو، ارے سنو سنو، ہائے کیا خوفناک آواز ہے صور اسرافیل کی۔"

"ابھی قیامت نہیں آئی، میں کہتی ہوں سوجا۔"

"کیسے کہہ سکتی ہو تم۔" ثریا منطقی انداز میں بولی۔

"امام مہدی کا ظہور ہوا، کانا دجال آیا، کہاں ہیں یہ...... اگر نہیں ہیں تو سمجھ لے کہ قیامت نہیں آئی، کوئی اور آواز ہے۔"

لیکن دوسری قیامت باہر آگئی تھی، دلوی اماں نجانے کیا کیا بڑبڑا رہی تھیں۔

"ارے دلہن! اے دلہن، یہ چائے کی پتی کہاں ٹھونس دی تم نے، سارے باورچی خانے میں تلاش کر کر کے مر گئی، جانتی ہوں، سب جانتی ہوں، سامان کی الٹ پلٹ کا بہانہ کر کے چائے کی پتی کا ڈبہ چھپا دیا تاکہ ساس کو ایک پیالی چائے نہ مل سکے ارے حق تو میرا تھا، بنا کر دیا کرتیں، صبح کو جاگتی ہوں سب کے لئے چائے بناتی ہوں ایک ایک کو پیش کرتی ہوں، غلاموں کی طرح، یہ ہے میری تقدیر اور یہ ہے میری حیثیت، ارے حکمت علی جاگ جا، دیکھ کیا کیا ظلم ہو رہا ہے میرے ساتھ، ارے کوئی یہ گا یا نہیں۔"

پروین نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔ "لیجئے صبح کی نشریات شروع ہوگئیں۔"

"اری ثریا او پروین، ارے دونوں سو رہی ہو تم، خدا کی مار تم پر، نماز روزہ تو ایسے بھول گئیں جیسے کعبے سے کافر پھرے ہے، ارے برکت ہو تو کیسے ہو گھر میں، جوان لڑکیاں سنا رہی ہیں، اری اٹھو گی یا نہیں، سورج نکل آیا، نماز کا وقت تو نکل ہی گیا مجھے ذرا پتی کا ڈبہ تلاش کر کے دے دو، دیکھو تمہاری اماں نے کہاں چھپایا ہے، تم ہی تلاش کر سکتی ہو اُسے۔"

"کیا ہوا اماں کیا بات ہے؟" باہر سے نسیم بیگم کی آواز سنائی دی اور ثریا نے جلدی سے پیروں کے نزدیک پڑی ہوئی چادر سر تک تان لی اور سہمے ہوئے لہجے میں پروین سے بولی۔

"سو جاؤ، سو جاؤ، میرا خیال ہے واقعی قیامت آجائے گی اب۔" پروین نے کوئی جواب نہیں دیا، نسیم بیگم غالباً فاطمہ کے مقابلے پر آگئی تھیں۔

"اے میں کہتی ہوں پتی کا ڈبہ کہاں رکھ دیا؟"

"وہیں ہوگا اماں باورچی خانے میں۔"

"قربان جاؤں اس معصومیت پر، بی بی وہ جگہ بتا دو جہاں چھپایا ہے!" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"کیا چھپایا ہے؟"

"پتی کا ڈبہ...... اور کیا......"

"میں کیوں چھپاتی اماں؟"

"ثواب جو ملتا ہے تمہیں۔ مجھ بوڑھی کو ستانے کا ثواب۔"

"خدا تمہیں سمجھے اماں کبھی تو میٹھے بول بول لیا کرو۔ ہمیشہ تمہاری زبان زہر ہی اگلتی ہے۔"

"ہاں ناگن جو ہوں ایک ناگ ہی پال پوس کر تمہارے حوالے کیا ہے میں نے۔ زہر نہ اگلوں گی تو اور کیا کروں گی۔"

"ناگن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے اماں۔ تم تو اس سے بھی گئی گزری ہو۔ الزام لگانے میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ لو سنو بھلا، میں پتی کا ڈبہ چھپاؤں گی۔ اے تم ہی اپنے پھل فروٹ چھپاتی پھرتی ہو کونوں کھدروں میں، ایک ایک چیز صندوق میں ٹھونس کر تالا لگا دیتی ہو جیسے گھر میں سب چور رہتے ہیں۔"

"غلط بھی کیا ہے تالوں کی حیثیت ہی کیا ہے اس گھر میں۔ اے زبان نہ کھلواؤ۔ کیا میرے صندوق کے تالوں کی چابیاں نہیں بنوائیں تم نے۔ نکلی نہیں تمہارے پاس سے۔"

"ہاں، ہمارے سسر صاحب کی جائدادوں کے کاغذات جو چھپے ہوئے ہیں تمہارے صندوق میں انہیں ہی تلاش کرتی ہوں۔"

"دیکھ دلہن۔ مرحوم کا نام نہ لینا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"ارے تم سے برا بھی کوئی ہوگا!"

مسکرا دو بی بی۔ میاں تو قبضے میں ہیں ہی، کون پوچھے گا کہ بڑھیا کہیں مر کھپ گئی۔"

"زہر سے تمہارا کیا بگڑے گا اماں۔ بس کیا کہوں...... یہ ہوئی ہے نئے گھر کی صبح۔ خوب برکتیں نازل ہوں گی چار بجے تک مشین کی طرح لگی رہی ان کو بھی ڈھنگ سے نہ لگی کہ دہاڑنے لگیں ہائے کیسا سر چکرا رہا ہے۔" نسیم بیگم نے کہا۔

"زبان تو نہیں چکرا رہی۔ اے میں کہتی ہوں پتی کا ڈبہ کہاں ہے؟"

"بھاڑ میں...... جاؤ تلاش کر لو۔ نسیم بیگم نے کہا۔ واپس مڑی تھیں کہ حکمت علی دروازے میں نظر آئے۔

"سبحان اللہ...... بڑا خوشگوار ماحول ہے کیا مقابلہ بیت بازی ہو رہا ہے ساس بہو میں؟"

"ارے حکمت علی! میرا کوئی بندوبست کر دے بیٹا۔ سب کچھ کہہ چکی ہے تیری بیوی مجھے اب تو گالیاں بھی نہیں رہ گئیں ہیں اس کے پاس مجھے دینے کے لئے ہائے کہاں جاؤں کوئی اور آسرا بھی نہیں ہے۔ ارے بیٹا اب تو چائے بھی ختم ہوگئی میرے نام کی۔ ارے میں یہ پوچھ رہی تھی کہ چائے کی پتی کا ڈبہ کہاں ہے؟ بس بھیا، قیامت آگئی ایسی سنائیں ایسی سنائیں کہ توبہ۔"

"ارے کمال ہے میں تو سمجھا کہ شعر و شاعری ہو رہی ہے۔ واقعی میں یہی سمجھا تھا اماں کو تو اتنی غزلیں یاد تھیں نسیم کہ پوری شاعرہ بن گئی تھیں دراصل ابا مرحوم کو شاعری سے بڑی رغبت تھی خود بھی شاعری کرتے تھے اماں کے لئے کتنی غزلیں کہی تھیں انہوں نے۔ وہ پورا شعر کیا تھا اماں۔ مجھے مصرعہ ثانی یاد نہیں رہا۔

"کونسا شعر......" فاطمہ بیگم جھنک گئیں مرحوم شوہر تو ان کا اثاثۂ حیات تھے ان کے تذکرے سے ہی اتنا پیار تھا کہ ایک لمحے میں کھو جاتی تھیں۔ اس وقت بھی سب کچھ بھول گئیں۔

"وہ جو تھا نا...... رات کیا ہے تیری زلفوں کی سیاہی کے سوا۔ دراصل نسیم جوانی میں اماں کے بال اتنے لمبے گھنے اور سیاہ تھے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے تھے۔ ابا نے بڑی والہیت سے کہا تھا کہ۔

رات کیا ہے تیری زلفوں کی سیاہی کے سوا...... دوسرا مصرعہ مجھے یاد نہیں رہا۔

"تو اگر سر کو منڈا دے تو سحر ہو جائے۔" نسیم بیگم نے جلے کٹے لہجے میں کہا اور باورچی خانے کی طرف مڑ گئیں۔ حکمت علی منہ پھاڑ کر رہ گئے۔ بیوی سے ایسی برجستگی کی امید نہیں تھی پتہ نہیں فاطمہ بیگم نے سنا تھا یا نہیں۔ دانتوں تلے زبان دبالی تھی۔ باورچی خانے سے نسیم بیگم کی آواز سنائی دی۔

"اماں! اے اماں ذرا آئیو اِدھر، دیکھیو ڈبہ کہاں چھپا ہوا ہے یہ سامنے ہی رکھا ہے بس تمہیں برسنے کے لئے کوئی نکتہ چاہیئے اے ذرا آنا حکمت علی۔"

"بھئی اب چائے دیدو، نیند پوری نہیں ہوئی طبیعت پر کسل طاری ہے لڑکیاں سو رہی ہیں ابھی تک؟"

"ماں کی تربیت ہے گھر میں یہ حال ہے تو سسرال میں کیا ہوگا۔ روزے نماز کا تو ذکر ہی نہیں ہے اس گھر میں۔" فاطمہ

بیگم نے کہا۔

"اوہو ایسی بات تو نہیں ہے اماں رات کو چار بجے تک سامان سیٹ کرتی رہی ہیں۔" حکمت علی نے کہا۔

"ان کے خراٹے بھی سن رہے ہو گے تم حکمت علی، مزے سے نیند پوری کی اور منہ اندھیرے اٹھ کر شور مچا دیا۔"

نسیم بیگم چائے لے کر آگئیں۔ ساس کے آخری الفاظ سنے تھے شکر ہے کہ وہ تربیت والی بات کانوں تک نہ پہنچی تھی ورنہ وہ نیا موضوع تھا۔

"لو بھلا...... اس عمر میں بھی آرام نہ کروں گی پانچ ہاتھ کا بیٹا تمہیں سونپ دیا میری ہڈیوں میں اتنا دم رہا ہے کہ......"

"چھوڑیں اماں...... اب یہ بتائیں کام کیا باقی رہ گیا۔ آج کی چھٹی اور ہے میری کل تو دفتر جانا ہے۔"

"کوئی خاص کام نہیں۔ غسل خانے کے نلوں کی ٹونٹیاں خراب لگتی ہیں بدلنی پڑیں گی۔" نسیم بیگم نے کہا۔

"باقی نل چیک کر لئے ہیں۔"

"ہاں اور تو سب ٹھیک ہیں۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ؟"

"بظاہر تو نہیں۔ لیکن ابھی کیا ہے ہوسکتا ہے کوئی کام نکل آئے۔"

"ارے میری چائے میں نمک ڈالا تم نے......؟ فاطمہ بیگم نے چائے کا پہلا گھونٹ لیا تھا۔

"خود ڈال لو جا کر...... میں چائے میں نمک نہیں ڈالتی۔"

"میں لاتا ہوں ابھی لایا۔" حکمت علی جلدی سے اپنی پیالی رکھ کر باورچی خانے کی طرف دوڑ گئے اور پھر چمچے میں نمک لے آئے۔ "میں نے خود نسیم کو منع کیا ہے چائے میں نمک ہمیشہ نقصان دیتا ہے اماں......!"

"محلہ کیسا ہے حکمت علی؟" فاطمہ بیگم نے پوچھا۔

"بس ٹھیک لگتا ہے اماں۔ ملی جلی آبادی ہے ہر طرح کے لوگ رہتے ہیں ذرا احتیاط کرنی پڑے گی اور پھر ابھی کسی سے ملاقات ہی کہاں ہوئی۔ میں شام کو نہاری لینے گیا تو کچھ لوگوں سے سلام دعا ہوئی، ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور سب خاموش ہو گئے۔ دوسری دستک ہوئی تو حکمت علی جلدی سے دروازے پر پہنچے، دو حضرات کھڑے ہوئے تھے۔

"السلام وعلیکم۔" انہوں نے کہا۔

"وعلیکم سلام!" حکمت علی نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

"میرا نام غلام قادر ہے یہ میرے پڑوسی نعمت اللہ خاں ہیں میں دو سو نو میں رہتا ہوں دراصل شام کو میرے بیٹے کا عقیقہ ہے پورا محلہ شریک ہو گا۔ آپ ہمارے نئے پڑوسی ہیں ہم نے سوچا کہ تقریب ہے تو آپ کو کیوں چھوڑا جائے اس طرح اہل محلہ سے تعارف بھی ہو جائے گا۔ ضرور تشریف لائیے گا اہل محلہ ہی اصل خاندان والے ہوتے ہیں۔"

"بیشک۔ میرا نام حکمت علی ہے تفصیلی تعارف بعد میں ہو جائے گا اس دعوت کا بے حد شکریہ۔"

"ہم آپ کا انتظار کریں گے۔"

"یقینی حاضری دوں گا۔ مجھ پر فرض ہے وہ کچھ چائے وغیرہ......"

"اطمینان سے پئیں گے۔ ابھی تو گھر ہی درست کر رہے ہوں گے آپ اچھا خدا حافظ!" دونوں واپس پلٹ گئے اور حکمت علی نے دروازہ بند کر لیا۔

گورے بدن پہ سرخ قبا سرخ رو ہوئی۔

"ائے سبحان اللہ ائے سبحان اللہ۔ یہ ہے جوان شعر کا جوان مصرع، اللہ جوانی قائم رکھے۔" سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان نے ...پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا لیکن جن صاحب کے زانو پر ہاتھ پڑا تھا وہ "سی" کر کے اچھل پڑے۔ انہوں نے گھور کر نوجوان کو ...ا، جس کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ ہاتھ کے غلط زاویئے سے بے نیاز پوری طرح سامنے متوجہ تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے؟" وہ غرائے لیکن نوجوان ان کی طرف متوجہ ہی نہیں تھا۔ البتہ اس کے برابر بیٹھے دوسرے نوجوان ...خوف سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

پروانہ صاحب نے شعر مکمل کیا۔

اور رچنے کے بعد جیسے حنا سرخ رو ہوئی۔

"ہائے ہائے، ہائے ہائے مکرر، مکرر۔" نوجوان مستانہ وار اچھلنے لگا۔ برابر بیٹھے ہوئے وہ صاحب جن کے زانو پر ہاتھ پڑا تھا ...تک زانو سہلاتے ہوئے نوجوان کو گھور رہے تھے۔ انہوں نے غصیلے انداز میں نوجوان کی قمیص پکڑ کر اسے نیچے گھسیٹا مگر ...ان ان سے بے نیاز دیوانہ وار داد دے رہا تھا۔

"لوٹ لیا، بخدا لوٹ لیا۔ دوبارہ، حضور دوبارہ۔"

پروانہ صاحب نے آداب کرتے ہوئے شعر دوبارہ پڑھا۔

گورے بدن پہ سرخ قبا سرخ رو ہوئی
رچنے کے بعد جیسے حنا سرخ رو ہوئی

"پروانہ صاحب، ہزار سال کی زندگی پائیں کیا شعر ہے۔ خدارا ایک بار اور۔" نوجوان نے بلند آواز میں کہا اور پروانہ صاحب ...جھک کر آداب کرنے لگے نوجوان کی آواز اتنی بلند تھی کہ بہت سے لوگ چونک چونک کر نوجوان کو دیکھنے لگے۔ اس سے ...ئی شاعر پڑھ چکے تھے مگر اس نوجوان نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ پروانہ صاحب نے شعر دوبارہ پڑھا اور نوجوان ...کرتا رہا۔

"میاں صاحبزادے!" برابر والے صاحب نے غرا کر نوجوان کی طرف جھکتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"کیا حسین شعر تھا جناب واہ سبحان اللہ...... سبحان اللہ۔"

"تمیز سے بیٹھو گے یا......"

"ایک منٹ خدارا...... ایک منٹ۔" نوجوان نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک لیا۔ پروانہ صاحب شعر پڑھ رہے تھے۔

دل زخم زخم، آرزوئے دل لہو لہو
خوش پھر بھی اہل دل کہ وفا سرخرو ہوئی

"مار دیا...... خدا کی قسم مار دیا۔ واہ...... واہ...... واہ" نوجوان نے پھر ہاتھ اٹھایا مگر وہ دوبارہ ان صاحب کے زانو تک ...سکا انہوں نے نوجوان کی کلائی درمیان میں پکڑ لی تھی۔ نوجوان پھر بھی داد دے رہا تھا اور کلائی چھڑانے کی کوشش کر رہا ...صاحب بولے۔

"یہ کلائی توڑ کر بغل میں دبا دوں گا سمجھے۔"

"جی...... کچھ مجھ سے فرمایا؟" نوجوان خوش اخلاقی سے بولا کلائی چھڑانے کی کوشش ناکام رہی تھی۔

"تم مسلسل بدتمیزی کر رہے ہو۔" وہ غرا کر بولے۔

"لوہو فرمسار ہوں، شعر پر بے قابو ہوگیا تھا ویسے آپ کرتے کیا ہیں؟" نوجوان نے برابر بیٹھے ہوئے شخص کا تن و دیکھتے ہوئے کہا کیونکہ کلائی کی پکڑ بڑی سخت تھی اور نوجوان اسے چھڑا نہیں سکا تھا۔

"ایک جوڈو کراٹے کلب میں انسٹرکٹر ہوں۔" انہوں نے جواب دیا اور نوجوان، جلدی سے کھڑا ہوگیا۔

"تم ادھر آجاؤ۔" اس نے برابر بیٹھے ہوئے دوسرے نوجوان سے کہا اور دوسرا نوجوان بادل ناخواستہ کھڑا ہوگیا۔ "منا سمجھیں تو کلائی چھوڑ دیں۔" نوجوان نے لجاجت سے کہا اور کراٹے ماسٹر نے اسے دوسری طرف دھکا دے دیا، پروانہ صاحب شعر پڑھ رہے تھے۔

دل تھام کے تو بزم میں ہر شخص رہ گیا
لیکن تمہاری تیغ ادا سرخ رو ہوئی

"واہ واواواواواہ......واہ" نوجوان کی واہ بہت طویل تھی اور پھر وہ مسلسل واہ واہ کرتا رہا وہ صاحب اس کی اچھل کو محفوظ ہوگئے تھے۔

"تمہارے ساتھ ہے؟" برابر بیٹھے ہوئے کراٹے ماسٹر نے جگہ بدلنے والے نوجوان سے پوچھا۔

"جی نہیں!" دوسرا نوجوان خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"اگر مشاعرے میں ہلڑبازی کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اس کی بڈی پسلی توڑ دیتا۔ اتنی زور سے کمبخت نے میرے زانو پ مارا ہے کہ ابھی تک جلن ہو رہی ہے۔"

"ج......جی۔ میں نے دیکھا تھا۔" دوسرے نوجوان نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"حالانکہ شعر کا ایک لفظ سمجھ میں نہ آرہا ہوگا اور داد ایسے دے رہا ہے جیسے باپ دادا صرف شاعری کرتے ہوئے پیدا ہوں۔" کراٹے ماسٹر نے خاصی بلند آواز میں کہا لیکن نوجوان عجب چکنا گھڑا تھا۔ وہ کسی بات پر توجہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ پروانہ صاحب کے ہر شعر پر سر دھننا اس کا مشغلہ بن چکا تھا ادھر پروانہ صاحب تھے کہ اس کی ہر فرمائش پوری کر رہے دوسرے داد دینے والوں نے خاموشی ہی اختیار کرلی تھی۔ گنجائش ہی نہ تھی بس وہ شعر کہہ رہے تھے اور وہ سمجھ رہا تھا۔ خ کر کے غزل ختم ہوئی اور نوجوان بعد میں بھی دیر تک شور مچاتا رہا۔ اس نے کہا۔

"کیا بات ہے پروانہ صاحب، کیا بات ہے۔ اب مشاعرے میں کیا رہ گیا جو کچھ آپ کہہ گئے وہ اتنا ہے کہ کہنے کے لیے ا نہیں رہ گیا۔ واہ پروانہ صاحب۔ واہ۔ واہ واہ۔ واہ واہ"

ایک بزرگ شاعر نے کہا۔ "میاں پروانہ کتنے میں خریدا۔ ایسا ایک اور مل جائے تو ہمیں بھی لادیں۔"

مگر پروانہ صاحب کو تو جیسے نئی حیات ملی ہو۔ وہ شخص ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن گیا تھا۔ ایک غزل کی داد مل جائے۔ اس سے زیادہ شاعر کو اب اور کیا درکار تھا۔ پروانہ صاحب کے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش مشاعرے کے بعد اس نوجوان سے ملاقات ہوجائے۔ سخن فہم مشکل ہی سے ملتے ہیں۔ شعر کی روح کو سمجھنے والے۔ درحقیقت شاعر کے لیے ن خداوندی ہوتے ہیں اور ایسی نعمت بھلا گنوانے کے لیے کہاں۔

دوسرے شاعر پڑھ رہے تھے لیکن اس کے بعد نوجوان کی زبان ہی بند ہوگئی تھی اور وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ غالباً دو شاعر صاحب بھی اس بات کی توقع رکھتے تھے کہ ان کی خوبصورت غزل پر بھی وہ اتنا ہی شور مچائے لیکن نوجوان کو جیسے صاحب کی غزل کے بعد کچھ اور پسند ہی نہیں آرہا تھا وہ خاموش بیٹھا رہا۔

بہرحال مشاعرہ جاری رہا۔ کراٹے ماسٹر بھی اب اپنا غصہ بھول گئے تھے۔ برابر بیٹھے ہوئے اس نوجوان نے جس سے تبدیل کی گئی تھی آہستہ سے گردن دوسری جانب خم کی اور سرگوشی میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے سخن فہم نوجوان سے بولا۔

"مشاعرہ ختم ہونے سے پہلے نکل چلو بیٹا ورنہ شامت ہی آجائے گی تمہاری۔"

"ابے دماغ خراب ہے کیا۔ گلا خشک ہوگیا ہے۔ حالت خراب ہوگئی ہے میری ابھی تک حواس قابو میں نہیں ہیں اور تم کہتے ہو نکل چلو۔"

"مگر صورتحال تو تم نے خود خراب کردی ہے۔"

"بس بس رہنے دو۔ شریفے اگر زیادہ چڑھا دیا تو پھر سمجھ لو کیا ہوگا۔" دوسرا نوجوان ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا تھا۔

مشاعرے کا اختتام خاصی دیر میں ہوا۔ پروانہ صاحب اتنے بڑے شاعر نہیں تھے کہ انہیں آخر میں پڑھوایا جاتا۔ بڑے بڑے شاعر تو ان کے بعد تھے اور کئی شاعروں نے غصیلی نگاہوں سے نوجوان کو دیکھا تھا جسے اب سانپ ہی سونگھ گیا تھا اور وہ کسی شاعر کی غزل پر کوئی داد نہیں دے رہا تھا۔ البتہ پروانہ صاحب کی محبت بھری نگاہیں کئی بار فخریہ انداز سے اس کی جانب اٹھی تھیں اور اس کے بعد جب مشاعرے کے اختتام کا اعلان ہوا تو پروانہ صاحب جلدی سے اسٹیج سے نیچے اتر آئے تھے۔ شعراء سے زیادہ یہ سخن فہم ان کے لیے باعث توجہ تھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب پہنچ گئے اور اس نے جو پروانہ صاحب کو دیکھا تو گلے سے ہی لپٹ گیا۔"

"بخدا پروانہ صاحب، آپ جیسے شاعر بنتے نہیں تخلیق کیے جاتے ہیں۔ آسمانوں سے اتارے جاتے ہیں۔ ایک ایک شعر تھا ہیروں میں تول دینے کے قابل۔ کاش میں دور قدیم کا کوئی سلطان ہوتا۔"

پروانہ صاحب دوہرے ہوگئے تھے۔ جھک جھک کر آداب کر رہے تھے محبت بھری نگاہوں سے نوجوان کو دیکھ رہے تھے۔ بھیڑ چھٹنے لگی تھی۔ البتہ دوسرا نوجوان چور نگاہوں سے ان کراٹے ماسٹر کو دیکھ رہا تھا جو قریب آرہے تھے پھر جب وہ آگے بڑھ گئے تو دوسرے نوجوان نے سکون کی سانس لی تھی۔

پروانہ صاحب نے کہا۔ "میاں بس نوازش ہے۔ محبت ہے۔ کیا جواب دیں تمہاری اس محبت کا۔ شعر کہنا بے شک ایک فن ہے لیکن شعر سمجھنا اس سے بھی بڑا فن۔ کہاں ملتے ہیں تم جیسے، آؤ ذرا بھیڑ چھٹ جائے تو کچھ باتیں کریں۔"

"ضرور ضرور...... بخدا میں تو بس عرض نہیں کرسکتا کہ آپ نے میرے دل میں کتنی گہرائیوں میں اپنا مقام بنالیا ہے۔ آہ کاش کوئی ایسی ملاقات ہوتی آپ سے کہ جتنا آپ نے کہا ہے وہ میں سن لیتا۔" نوجوان حسرت بھرے لہجے میں بولا۔

"ارے بھئی واہ۔ یہ کیا بات ہوئی۔ یعنی تمہارا مطلب ہے کہ ہم سخن فہم کی قدر بھی نہ کر پائیں گے۔ اوہو بھائی دھکا کیوں دے رہے ہو۔ میاں ذرا دیکھ کر بھائی دیکھ کر۔ ہم ڈھائی پسلی کے آدمی ہیں۔ ذرا دیکھیے میاں۔" لوگ دھکے لگاتے ہوئے مشاعرہ گاہ سے باہر نکل رہے تھے۔" پروانہ صاحب سمٹ گئے۔ نوجوان نے خود ان کے گرد احاطہ کرلیا۔ دوسرا نوجوان برے برے منہ بنا رہا تھا۔ پروانہ صاحب کہنے لگے۔

"میاں ہمارا نام اقبال حسین ہے، پروانہ تخلص کرتے ہیں۔ پتہ چل ہی گیا ہوگا لیکن آپ سے آشنائی نہ ہوسکی۔ اسم شریف کیا ہے؟"

"جی ہم کیا اور ہماری بساط کیا آپ کے سامنے پروانہ صاحب ویسے احقر کو طاہر علی کہتے ہیں اور یہ میرے دوست شعور ناصر ہیں۔" نوجوان نے تعارف کرایا۔

"میاں سیری نہیں ہوئی۔ آپ سے ملاقات کر کے طاہر میاں اور شعور میاں اس وقت تو رات خاصی گزر چکی ہے لیکن اگر زحمت نہ ہو تو غریب خانے کو رونق بخشیے کل کسی بھی وقت جو بھی وقت مل جائے۔"

"قبلہ آپ نے ہمارے منہ کی بات چھین لی۔ کس وقت حاضری دیں، بس آپ کا فرصت میں ہونا شرط ہے۔"

"خدا کے فضل و کرم سے ہم فرصت ہی فرصت سے ہیں یہ پتہ ذرا ذہن نشین کرلیجیے اور اس کے بعد کل صبح کسی بھی وقت تشریف لے آئیے۔ ناشتہ میں ساڑھے آٹھ بجے کرتا ہوں۔ اگر آپ کی ناشتے میں شمولیت ہو تو واللہ لطف آجائے۔"

"آپ حکم دیں اور حاضری نہ ہو۔ جیتا بیکار نہ ہو جائے گا ہمارا۔ صبح آٹھ بجے پہنچ جائیں گے۔" طاہر علی نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"بسر و چشم نگاہیں دروازے پر ہی رہیں گی اور ہم وقت کی پابندی کی دل سے قدر کرتے ہیں اور پھر آپ جیسے نوجوانوں کو تو وقت کا پابند ہونا ہی چاہیئے۔ یہیں سے تو زندگی میں بہتری کا آغاز ہوتا ہے۔" پروانہ صاحب بولے اور نوجوان نے وعدہ کرلیا کہ ٹھیک آٹھ بجے وہ ان کے گھر کے دروازے پر ہوگا۔ دو تین اور شاعر آگے بڑھ آئے ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے پروانہ صاحب سے کہا۔

"کیا ادائیگی ہو رہی ہے پروانہ صاحب۔ کتنے پیسے خرچ کر کے لائے تھے۔"

پروانہ صاحب نے نجانے کیا جواب دیا سمجھ میں نہ آسکا۔ نوجوان نے کچھ کہنا چاہا لیکن اتنی دیر میں پروانہ صاحب ریلے میں آگے بڑھ گئے تھے۔ اس کے ساتھی شعور نے اس کا شانہ دبوچتے ہوئے کہا۔

"اب بہت زیادہ بکواس کی تو میں تمہارا جبڑا توڑ دوں گا۔ نیند کے مارے برا حال ہوا جارہا ہے۔"

"میاں بے شعور، کبھی بھی ڈھنگ کی بات نہ کی تم نے۔ کتنی محنت کی ہے میں نے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے تمہیں۔"

"اندازہ تو تمہیں بھی ہو جاتا اگر میں تم سے جگہ نہ تبدیل کرلیتا۔ کرالے ماسٹر گردن کی ہڈی توڑ دیتا۔ آخر تم نے اس کے زانو پر ہاتھ کیوں مارا تھا۔ داد دینے کا یہ انداز کیا کمینے پن کا نہیں تھا۔"

"ابے وہ بار بار اپنا سر میرے شانے پر لٹکا دیتا تھا۔ جیسے کوئی محبوبہ جدائی کے تصور سے آنسو بہا رہی ہو۔ دو تین بار تو میں نے شانہ ہلا ہلا کر اس کا سر ہٹایا اور اس کے بعد زانو پر ایک ایسا ہاتھ رسید کردیا کہ بھائی کو بعد میں کھوپڑی میرے شانے پر رکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بس غصے میں آگئے۔

"اور اگر زیادہ غصے میں آجاتے تو؟ ہمارا حلیہ بگڑ گیا ہوتا۔"

"خیر اب یہ بتاؤ بات بنی یا نہیں۔"

"اس کا علم تو صبح ہی کو ہو سکے گا۔ اب گھر چلو یار بس بھی نہیں ملے گی۔"

دونوں آہستہ آہستہ مشاعرہ گاہ کے سامنے والی گلی سے گزر کر چوڑی سڑک پر پہنچ گئے۔

☆☆☆

"کون تھا......؟" فاطمہ بیگم نے پوچھا۔

"محلے کے ایک صاحب تھے اماں، بلکہ دو صاحبان تھے ان میں سے ایک کے بیٹے کا عقیقہ ہے شام کو۔ دعوت دے گئے ہیں۔" حکمت علی نے کہا اور فاطمہ بیگم مسکرادیں۔

"بھلے لوگ لگتے ہیں۔ حالانکہ ابھی جان نہ پہچان مگر ایسے ہی تو جان پہچان ہوتی ہے۔"

کہہ رہے تھے کہ اہل محلہ ہی اصل خاندان والے ہوتے ہیں۔"

"تو غلط کیا کہہ رہے تھے۔ ائے یہی ہوتا تھا۔ پشتوں کی میل مروت ہوتی تھی ہر طرح کے دکھ سکھ کا ساتھ ہوتا تھا کوئی ہاری بیماری ہو تو خاندان والوں کو تو بعد میں ہی پتہ چلتا تھا پہلے محلے والے ہی ساتھی ہوتے تھے۔ یہ تو گئے زمانے کی باتیں ہیں۔ نئے فیشن ہیں کہ پاس میں رہنے والے کا نام تک نہ جانو اور بڑے آدمی کہلاؤ......" فاطمہ بیگم نے کہا اور پھر جلدی سے بولیں۔ سب کو بلایا ہے۔"

"ایں......؟ یہ تو نہ نہیں کہا۔" حکمت علی بولے۔

"آپ چلے جائیے اور اماں کو ضرور ساتھ لے جائیے۔ ان کا جانا سب سے ضروری ہے۔" نسیم بیگم نے کہا۔

نو....... بُھن گئیں۔ کوئلہ ہوگئیں نا بی بی۔ میں نات نگوڑی بیوہ بڑھیا منحوس شکل، میں کہاں جاؤں گی۔ تم جاؤ کر کے بیگم بن کے میں کیسے جاؤں گی۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"میں تو تمہارے بدلتے رنگ دیکھتی ہوں اماں۔ کچھ ذرا پہلے سارے محلے والے مشکوک تھے، بدکردار تھے، پہلے ا پرکھا جارہا تھا، شجرے معلوم کیے جارہے تھے۔ لڑکیوں کو چھت پر جانے سے منع کیا جارہا تھا۔ کھڑکیوں میں کیلیں ٹھکوائی تھیں اور اب سب اچھے ہوگئے اماں اتنی جلدی تو گرگٹ بھی رنگ نہیں بدلتا جتنی جلدی تمہارے رنگ بدلتے ہیں۔"

"ہاں بی بی گرگٹ ہوں، چھپکلی ہوں، تمہیں سب کچھ کہنے کا حق ہے بے بس ہوں، بے سہارا ہوں تمہارے میاں ٹکڑوں پر پڑی ہوئی ہوں جو دل چاہے کہو۔"

"اللہ اللہ....... اللہ اللہ....... میں تو آپ لوگوں کی ذہانت کی داد دیتا ہوں جس موضوع پر دوسرا لفظ کہنے کے لیے آپ دونوں اسے ایک طویل ترین مضمون بنالیتی ہیں۔" حکمت علی تان کان پکڑ کر بولے۔

"میں بنالیتی ہوں۔ بیوی کی کترنی نہیں دیکھتے۔" فاطمہ بیگم نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"پروین، ثریا، عینی ایسے موقع پر تم لوگ کہاں چھپ جاتی ہو۔ شرکت کیا کرو کچھ سیکھو ان دونوں سے، تمہیں بھی گزارنی ہے۔" حکمت علی نے بیٹیوں کو آواز دیتے ہوئے کہا اور پھر گردن جھٹک کر بولے۔

"میں تو بڑی مشکل کا شکار ہوگیا ہوں۔ کوئی بھی الجھن آپڑے گفتگو کرنا چاہتا ہوں، مشورے لینا چاہتا ہوں۔ مگر یہ دانشوروں کے درمیان گفتگو چھڑ جاتی ہے اور میں بیوقوفوں کی طرح صورت دیکھتا رہ جاتا ہوں۔"

"ہاں میاں ٹھیک کہتے ہو حکمت علی۔ بڑھاپے میں ماں باپ مشکل اور الجھن ہی جو بن جاتے ہیں مگر کیا کریں۔ بتا کہاں جاکر جئیں۔ کوئی جگہ ہے جینے کے لیے۔"

"اماں، نہ میں آپ کو الجھن کہہ رہا ہوں نہ مشکل کہہ رہا ہوں میں تو دوسرے ہی احساس کا شکار ہوگیا ہوں۔ اب یہ عقیقے میں شرکت کرنے کا دعوت نامہ ملا ہے۔ کچھ لینا دینا بھی تو پڑے گا۔"

"اے میاں گیارہ روپے دے دینا لفافے میں رکھ کر۔ کونسی مصیبت پیش آجائیگی۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"سن لو۔ حکمت علی سن لو۔ گیارہ روپے۔ ارے لچے فقیر کہلائیں گے پورے محلے میں۔ پہلے ہی مرحلے پر۔ اماں تم لٹیا ڈبو دینے کی قسم کھار کھی ہے۔ ہر جگہ ذلیل کرانے کے لیے منصوبے بناتی رہتی ہو۔ گیارہ روپے تو آج کل دھوبی بہشتی عیدی بھی نہیں دی جاتی۔ بیس پچیس روپے سے کم نہیں مانگتے۔ فقیر تک اٹھنی چونی نہیں لیتا اور تم بات کر رہی ہو روپے کی۔ ٹھیک ہے حکمت علی اماں کی بات مانو جنت کماؤ۔ گیارہ روپے لے جانا لفافے میں رکھ کر اور دونوں ہاتھوں پر رکھ کر پیش کر دینا۔ لفافہ کھلے گا تو تمہاری ہی شکل پر تھو تھو ہوگی۔"

"ارے ارے مجھ سے بھی بدتمیزی شروع کردی تم نے۔" حکمت علی بیوی کو گھور کر بولے۔

"اے تو تم باتیں نہیں سن رہے ان کی۔ گیارہ روپے آج کل دیئے جاتے ہیں کہیں کسی کو۔"

"بی بی! چادر جتنی ہو اتنا پاؤں پھیلانا زیادہ اچھا رہتا ہے۔ تمہاری کیا ہے میاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر پائی پائی کمائے اور بیگم کی گردن کی اکڑ ختم ہی نہ ہو۔ اے میں کہتی ہوں کون سے شہزادے ہیں۔ تمہارے میاں کہاں کے نواب ہیں۔ کہاں کے شہزادے ہیں۔ گیارہ روپے نہیں دیں گے تو اور کیا دیں گے۔ ہمارے زمانے تھے دکھاوے کی باتیں تھیں ہی نہیں۔ کسی کے ہاتھ روپے منہ دکھائی رکھ دو۔ جھک جھک کر سات سلام کرے۔"

"اماں آج کل تو دو روپے کی دو روٹیاں آتی ہیں سمجھیں۔ کسی فقیر کے ہاتھ میں دو روٹیاں رکھ دی جائیں تو وہ بھی مار کر چلا جاتا ہے۔"

"تو پھر دے دو بی بی۔ ہزار روپے۔ نکالو تمہارے پاس بھلا دولت کی کیا کمی ہے۔ گھر کے خرچ میں ٹانکے لگتے رہتے۔

بچیوں کو بھوکا مارا جاتا ہے۔ نہ کھانے کو نہ پہننے کو۔ بس تمہاری صندوقچی میں کرارے نوٹوں کا اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔"

"تو ڈاکہ ڈلوادو اماں میری صندوقچی پر۔ تمہارے لیے کون سا مشکل کام ہے۔"

"ہاں بی بی سچ کہتی ہوں۔ ڈاکوؤں ہی کے خاندان کی تو ہوں۔ حکمت علی تیرے ابا ڈاکو تھے۔ تیرے دادا ڈاکو تھے۔ تیرے سارے خاندان والے ڈاکو تھے اور کچھ سنے گا اور کچھ سنوائے گا۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"خدا کے لیے اماں ابا اور دادا تک تو نہ پہنچو۔"

"اے میں پہنچ رہی ہوں۔"

"نسیم اب اگر تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی نکلا تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"میری زبان سے اچھے لفظ نکلتے ہی کہاں ہیں۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ اماں جان کو ساتھ لے جاؤ انہی کو ساتھ رکھا کرو۔ میں تو بس دھوکے سے اس گھر میں آگئی۔ کیا کروں کہاں اپنی تقدیر کو پھوڑوں۔"

"میری تقدیر کو تو پھوڑ سکتی ہو۔ بتاؤ کیا کرنا چاہیئے۔ خوامخواہ ادھر اُدھر کی باتیں لے کر بیٹھ گئیں۔ ارے بھائی ٹھیک ہے گیارہ روپے نہیں دینا مگر کچھ بتاؤ آخر کیا دوں۔"

"کم سے کم اکیاون روپے دیجیئے گا سمجھے۔"

"ہاں خیر اس سے کم کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چلو ٹھیک ہے اللہ مالک ہے۔"

"تو تم اکیاون روپے دو گے وہاں۔" فاطمہ بیگم نے حکمت علی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اماں، تعجب ہے۔ ابا اتنے فراخدل تھے۔ کوئی دروازے پر آجائے تو سب کچھ اس کے حوالے کردیا کرتے تھے۔ لین دین میں کوئی ان جیسا تھا بھلا۔ آپ تو جیسے ساری باتیں بھول گئیں۔" حکمت علی نے آخری داؤ مارا جس پر فاطمہ بیگم تو کم از کم چت ہو ہی جاتی تھیں۔ مرحوم شوہر کا تو نام ہی ان کے لیے اتنا مقدس تھا کہ اس کے بعد زبان پر تلخی کا نام و نشان نہ رہے۔ فوراً ہی موم کی طرح پگھل گئیں۔ کہنے لگیں۔

"اے ٹھیک ہے۔ تمہاری گنجائش کی بات ہے۔ اکیاون روپے دے دو۔ میں تو نہ ہونے کی بات کر رہی تھی۔ مجھے کیا اعتراض ہے کونسی میری جائداد کی کمائی ہے۔ ٹھیک ہے مگر ایک بات کہوں حکمت علی۔"

"جی جی ضرور کہئیے۔" حکمت علی نے ایک گوشہ نرم ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"سب کو لے کر چلو۔ اکیاون روپے دو گے۔ کم از کم گھر کے کھانے کا خرچا ہی بچے گا۔"

"نہیں اماں، پہلی بار جارہے ہیں ہم۔ محلے والوں سے زیادہ شناسائی بھی نہیں ہے۔ عورتوں کا جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

"تمہاری مرضی۔" فاطمہ بیگم نے نیم راضی ہوتے ہوئے کہا۔ نسیم بیگم کا منہ پھول گیا تھا۔ اندر چلی گئیں اور بیچارے حکمت علی صحن میں کھڑے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ پھر خود بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ فاطمہ بیگم اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ ثریا اور پروین ایسے موقعوں پر ہمیشہ گوشہ نشین ہوجاتی تھیں اور اس وقت تک باہر نہیں نکلتی تھیں جب تک سیز فائر نہ ہوجائے۔ حکمت علی کو اندازہ تھا کہ اس وقت نسیم بیگم کچی پڑ گئی ہیں۔ جانتے تھے کہ اس کے نتائج کیا ہوسکتے ہیں چنانچہ چہرے پر نرمی کے آثار پیدا کئے ہونٹوں پر مسکراہٹ لائے اور نسیم بیگم کے کمرے میں داخل ہوگئے۔ نسیم بیگم نے تیکھی نگاہوں سے شوہر کو دیکھا اور حکمت علی مسکرا کر بولے۔

"اب ذرا یہ بھی فرما دیجیئے محترمہ کہ کپڑے کون سے پہن کر جاؤں شام کو۔"

"اماں جان سے پوچھئیے۔" نسیم بیگم نے کہا اور حکمت علی ہنسنے لگے اور پھر بولے۔

"بھئی کیا کہیں کہنے کو تو بڑا جی چاہ رہا ہے بہت کچھ۔ مگر اچھا نہیں لگتا۔ اماں جان اپنا فرض پورا کر چکیں اب تو بیگم جان کا دور ہے اور وہی ہوتا ہے۔ جو بیگم جان کا حکم ہو۔"

"جی مت جلاؤ حکمت علی۔ تمہاری مکاریاں اچھی طرح سمجھتی ہوں میں ایک طرف مجھے ذلیل کر کے رکھ دیتے ہو اور پھر آکر باتیں بنالیتے ہو۔ اے بیوقوف سمجھتے ہو نا سوچتے ہو جاہل ہوں۔ بغیر پڑھی لکھی ہوں۔ جو کہو گے مان لوں گی۔ ایسی بات نہیں ہے حکمت علی۔ گزارہ کرنے آئی تھی اس گھر میں ڈولی رخصت ہوئی تھی تو ابا نے کہا تھا بیٹی مر کر ہی اس گھر سے نکلنا۔ تو میں تو صرف اپنی موت کا انتظار کر رہی ہوں۔ کیا ملا ہے مجھے تمہارے گھر میں۔"

"دیکھو، دیکھو۔ ایسی بری باتیں منہ سے نہ نکالا کرو۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اس گھر میں ہمیشہ خوشیاں ہوں۔ سب لوگ ہنستے مسکراتے رہیں کیسی باتیں کرتی ہو۔ بدشگونی کی۔ اب دیکھو کس خوش اسلوبی سے اماں کی بات رد کر کے تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ اکیاون روپے ہی دینے کی ٹھہری ہے نا۔ اماں نے یہ بھی کہا تھا کہ سب لوگ چلیں گے۔ میں نے منع کر دیا۔ کس کی رائے تھی یہ تمہاری نہیں تھی کیا۔"

"بات کچھ کچھ نسیم بیگم کی سمجھ میں آرہی تھی۔ آہستہ آہستہ موڈ ٹھیک ہوتا چلا گیا۔ کہنے لگیں۔

"وہ نئی شلوار قمیص جو عید پر بنائی تھی سنبھال کر رکھی ہوئی ہے میں نے دوبارہ نہیں دی۔ تمہیں پہننے کے لیے۔ بھول گئے کیا؟"

"ایں۔ ارے ہاں۔ ارے واہ۔ وہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہی۔ بھئی کمال ہے نسیم بیگم۔ تم نے جس طرح میری غربت کو سنبھالا ہوا ہے۔ بس شکریہ ہی ادا کر سکتا ہوں تمہارا اور کیا کہوں۔" حکمت علی نے کہا اور نسیم بیگم کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی یہ اعتراف ان کے لئے بڑی حیثیت رکھتا تھا۔

❦

"فوزی نے رو رو کر آنکھیں سرخ کر لی تھیں۔ بیگ صاحب اور غوثیہ بیگم ہر آدھے گھنٹے کے بعد کمرے میں آتے، آدھے گھنٹے فوزی کو سمجھاتے لیکن وہ کسی طرح ماننے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ واقعہ بھی بڑا پریشان کن ہو گیا تھا۔ دوپہر کو میکنیک نے گاڑی ٹھیک کر کے واپس بھجوائی تھی۔ فوزی کو انجو کے لئے تحفہ خریدنا تھا۔ گاڑی آنے کے بعد فوراً ہی تیار ہو گئی۔ بیگ صاحب نے خود بھی ساتھ چلنے کی پیشکش کر دی تھی۔" فوزی نے کہا۔

"ڈرائیو میں ہی کروں گی ڈیڈی۔ ذرا دیکھ لوں گاڑی ٹھیک چل رہی ہے یا نہیں۔"

"میں ساتھ بیٹھا رہوں گا۔ اچھی بات ہو گی۔"

"ہاں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" فوزی تیار ہو گئی گاڑی کو سیلف لگایا اور وہ فوراً ہی اسٹارٹ ہو گئی۔ فوزی نے اسے گیئر میں ڈال کر آگے بڑھا دیا اور شان سے گلی سے نکل آئی اس کے بعد شہر کے ایک بارونق اور مہنگے علاقے میں داخلہ ہوا تھا پارکنگ تلاش کرنے میں دانتوں پسینے آگئے تھے۔ پورے علاقے کے تین چکر لگائے تھے اور بیگ صاحب دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے کہ اتنا فاصلہ تو گھر سے یہاں تک طے کیا گیا تھا۔ جتنا فاصلہ پارکنگ کی تلاش میں چکر لگانے میں گزر گیا تھا۔ پیٹرول کی قیمت ویسے ہی آسمان سے باتیں کر رہی تھی۔ جتنا بھی ڈلواتے کم تھا۔ سو روپے کا پیٹرول تو جیسے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا تھا۔

بہر طور خوش قسمتی سے اس طواف کے نتیجے میں ایک گاڑی پارکنگ سے نکلتی ہوئی نظر آگئی اور فوزیہ نے جلدی سے گاڑی وہیں کھڑی کر دی۔ پارکنگ کا مسئلہ حل ہوا اور اس کے بعد تحفے کی تلاش ہوئی۔ ایک ہزار روپے جیسی بے حقیقت رقم میں بھلا کوئی اعلیٰ درجے کا قیمتی تحفہ کیسے خریدا جا سکتا تھا۔ بہر حال دکان گردی ہوتی رہی اور خدا خدا کر کے نہایت بددلی کے ساتھ فوزی نے ایک سلاسلایا سوٹ خرید لیا۔ بیگ صاحب کو افسوس ہوا تھا کہ وہ اس وقت جذباتی ہو کر ساتھ کیوں آگئے۔ کیونکہ سوٹ بھی بارہ سو پچاس روپے کا ملا تھا۔ اور ڈھائی سو روپے انہیں اپنی جیب سے مزید ادا کرنے پڑے تھے۔ موڈ بری طرح خراب ہو گیا تھا۔ میکنیک کو جب گاڑی دی تھی تو سو روپے کا پیٹرول ڈلوایا تھا۔ غالباً میکنیک گاڑی کی ٹرائی لینے کے بہانے اپنے بال بچوں

لے کر ساحل سمندر پر نکل گیا تھا اور خوب گھما پھرا کر لایا تھا۔ نتیجے میں فیول بتانے والی سوئی زیرو پر ہی نظر آئی تھی۔ لیکن اتنا پیٹرول خرچ کرنا تو میکنیک کا حق ہوتا ہے۔ بیگ صاحب کو کیا معلوم تھا کہ گھر سے باہر نکلتے ہی سو روپے کا پیٹرول مزید ڈلوانا پڑے گا۔

بہر حال اکلوتی بیٹی کی صورت دیکھ کر جینے کا رواج تھا اس گھر میں۔ سو روپے کا غم کھایا۔ کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔ میکنیک سے شکوہ کرتے تو وہ مذاق اڑانے والی نگاہوں سے دیکھتا اور دل ہی دل میں سوچا کرتا کہ میاں جو پیٹرول کے پیسے نہیں رکھتے۔ گاڑی دبائے پھرتے ہیں۔ سو روپے وہ اور پھر یہاں آکر ڈھائی سو روپے کی مزید چپت لگی تھی۔ بھنا کر رہ گئے تھے لیکن فوزی کے سامنے مسکرانا ازحد ضروری تھا۔ چنانچہ تحفے کی خریداری کے بعد دونوں باپ بیٹی گاڑی میں آبیٹھے۔ فوزی نے سلیف لگایا۔ سلیف گھومنے لگا۔ لیکن گاڑی اسٹارٹ نہیں ہوئی۔ ایک بار دو بار تین بار بیگ صاحب پریشان ہو گئے۔

"ارے یہ کیا ہوا؟" فوزی کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ اس نے کہا۔

"ہوتا کیا ڈیڈی۔ وہی ہوا جو اکثر ہوتا رہتا ہے۔"

"مگر گھر سے چلے تھے تو وہ ایک ہی سیلف میں اسٹارٹ ہو گئی تھی۔"

"وہ نمونہ تھا۔ اور نمونہ بہر طور نمونہ ہوتا ہے۔"

"اس میکنیک کے بچے کی ایسی کی تیسی۔ ہو سکتا ہے کوئی تار وغیرہ نکل گیا ہو۔ ذرا بونٹ اٹھاؤ۔ میں دیکھتا ہوں۔" مگر بیگ صاحب بونٹ کھول کر بھی کیا دیکھتے۔ عجیب مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ کمبخت میکنیک نے ڈیڑھ دن گاڑی رکھی تھی اور واپس کی تھی تو یہ کیفیت تھی۔ فوزی الگ جھلائی ہوئی خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ بیگ صاحب نے بونٹ بند کیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگے پھر بولے۔"

"تم بیٹھو میں کسی میکنیک کو تلاش کر کے لاتا ہوں۔"

ڈیڈی۔ میں خودکشی کر لوں گی۔ بتائے دے رہی ہوں آپ کو۔"

"ارے بھئی تو میں نے کیا کر دیا۔ بتاؤ میرا کیا قصور؟" بیگ صاحب بدحواس ہو کر بولے۔

"یہ گاڑی۔ یہ گاڑی آپ کا قصور ہے ڈیڈی۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی اب دیکھ لیجئے آپ صبر کی بھی انتہا ہوتی ہے ڈیڈی۔"

"اب جھلانے سے کیا فائدہ۔ کچھ کرتے ہیں۔ کسی کو بلا کر لاتے ہیں۔"

"وقت دیکھ رہے ہیں آپ کتنا ہو گیا ہے۔"

"وقت بھی تو تم نے ہی ضائع کیا ہے فوزی۔ اب بتاؤ کتنے گھنٹے کے بعد تم نے ایک یہ سوٹ خریدا ہے۔"

"ہاں میں تو آپ کے لئے مصیبت بن گئی ہوں ڈیڈی۔ میں ہی تو ایک مصیبت ہوں آپ کے لئے۔ میں نے ہی وقت ضائع کیا ہے۔ میں کہتی ہوں آگ لگا دیں اس گاڑی کو اس نے کبھی بھی ہمارا ساتھ نہیں دیا۔"

"خیر بیٹی آگ تو میں نہیں لگا سکتا۔ آؤ ایسا کرتے ہیں ٹیکسی سے گھر چلتے ہیں۔ بعد میں اس کمبخت میکنیک کی خبر لیتا ہوں"

اور نتیجے میں انہیں ٹیکسی سے گھر آنا پڑا تھا۔ بیگ صاحب کو ٹیکسی کا کرایہ بھی خرچ کرنا پڑا تھا۔ مکینک پر سخت جھلاہٹ تھی۔ اور بری طرح جھلائے ہوئے میکنیک کے پاس پہنچے تھے۔ میکنیک ان کے ساتھ آگیا تھا۔ اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"صاحب جی! مشین تو مشین ہی ہوتی ہے۔ اب دیکھئے نا۔ میں اسے خوب ٹرائی لے کر آپ کے گھر چھوڑ کر آیا تھا آپ اسے وہاں سے یہاں تک لائے تھے۔ آخر چلی تھی۔ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے ابھی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ گیراج لے جانا

پڑے گا۔"

بیگ صاحب کیا کہہ سکتے تھے خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گئے۔ میکینک اپنے ساتھ ایک چھوٹا بھی لایا تھا۔ دونوں نے مل کر کسی نہ کسی طرح گاڑی کو اسٹارٹ کیا اور اس کے بعد میکینک بیگ صاحب کو ان کی گلی کے سرے پر اتار کر گاڑی اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ بیگ صاحب جانتے تھے کہ سو روپے کا پٹرول جو مزید ڈلوایا ہے انہوں نے وہ بھی ہاتھ سے گیا۔ بہر حال صبر سے گھر واپس آگئے تھے۔ یہاں فوزی نے آفت مچار کھی تھی۔ اور رو رو کر گھر سر پر اٹھالیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"اب میں انجو کے گھر کیسے جاؤں گی۔ کیا ٹیکسی سے جاؤں گی۔ آپ نے تو میری کوئی عزت ہی نہیں چھوڑی بھلا میں اس معاشرے میں اپنا اسٹیٹس کیسے برقرار رکھ سکتی ہوں۔ اس طرح سے ہوتی ہے زندگی۔ اسے زندگی کہتے ہیں۔ اکلوتی بیٹی ہوں آپ کی۔ ایک بیٹی بھی نہیں پال سکے آپ لوگ۔ تو مستقبل میں کیا کریں گے؟" فوزی کے غصے کو سب ہی جانتے تھے۔ کان دبائے خاموش تھے۔ فوزی کمرے میں جاپڑی تھی۔ اور روتی رہی تھی۔ اور اس کے بعد سے ہر آدھے گھنٹے کے بعد غوثیہ بیگم اور امداد بیگ صاحب فوزی کی خوشامد درآمد کر رہے تھے مگر اس کا موڈ ٹھیک ہونے کو نہ آتا تھا۔ وہ مسہری پر لیٹی تکیہ بھگو رہی تھی۔ اور نجانے کیا کیا سوچیں اس کے ذہن میں تھیں کہ اس وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اور فوزی کا دل دھک سے ہو گیا۔ یقینی طور پر انجو کا ٹیلیفون ہوگا۔ وہ معلوم کرنا چاہتی ہوگی کہ فوزی کس وقت پہنچ رہی ہے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا۔

گلی نمبر سات کے بیس بائیس گھروں میں یہ واحد ٹیلیفون تھا جو اس گھر میں لگا ہوا تھا۔ بیگ صاحب نے اسے ضرورت سمجھ کر لگوالیا تھا۔ حالانکہ اب اس کا استعمال کافی کم ہو گیا تھا لیکن بہر طور ٹیلیفون والے کہلاتے تھے۔ اور اس ٹیلیفون کی وجہ سے محلے کے لوگ بھی ان کے سامنے سر جھکائے رہتے تھے۔ کبھی کسی شناسا کو ضرورت پیش آتی تو بیگ صاحب کے آگے پیچھے ہولیے اور فون کرنے کو مل گیا۔ یا کوئی پیغام مل گیا۔ فوزی نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اے ذرا پپو کی اماں کو بلادیں۔ گھر نمبر ایک سو پانچ سے۔"

"پپو کی اماں کا انتقال ہو چکا ہے۔" فوزی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہیں۔ "اے میرے مولا۔ کب۔ کیسے؟" چیختی آواز سنائی دی۔

"ہارٹ فیل ہو گیا ہے ان کا۔" فوزی غرائی اور دوسری طرف سے رونے پیٹنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر کسی اور آواز میں پوچھا گیا۔

"اے بی بی مگر کیسے کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"جیسے ہارٹ فیل ہوتا ہے" آپ کو اتنا نہیں معلوم؟

"کوئی اور ہو تو بلادیں۔"

"سب رونے پیٹنے میں لگے ہوئے ہیں۔" فوزی نے کہا اور ٹیلیفون کا ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ دروازے پر پھر آہٹیں ہوئیں۔ غوثیہ بیگم اور بیگ صاحب اندر آگئے تھے۔ فوزی نے تکیہ منہ پر رکھ لیا۔ غوثیہ بیگم مسہری کے قریب آکر بیٹھ گئیں انہوں نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"فوزیہ دیکھو بیٹی، شام ہو گئی ہے۔ اٹھ جاؤ بیٹی دیر ہو جائے گی۔ کیا سوچے گی انجو گھر کے معاملات باہر تک تو نہیں جانے چاہئیں۔ تم سمجھدار بیٹی ہو۔ ماں باپ کو ذلیل کراؤ گی۔"

"اور میں جو ذلیل ہوں گی۔ اس کا کیا ہوگا۔"

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے فوزیہ کہ اب اس گاڑی کو بیچ دوں گا۔ اور دس پندرہ ہزار روپے مزید ڈال کر تمہاری پسند کی کار گاڑی خرید دوں گا۔ بھئی اٹھو اب تو خوش ہو جاؤ۔ اس سے زیادہ تم بتاؤ کیا، کیا جاسکتا ہے۔"

"مگر آج کیا ہوگا ڈیڈی۔ آپ مجھے یہ بتائیے۔"

"بیٹی ٹیکسی سے چلی جانا۔ کوئی بری بات نہیں ہے۔ گاڑیاں تو خراب ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کون پوچھے گا تم سے۔ اور پھر تمہاری اپنی ایک شخصیت ہے۔ تم ٹیکسی میں بیٹھو یا مرسڈیز، میں رہو گی تو فوزی ہی نا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ تمہارے پاس کوئی گھٹیا گاڑی ہے۔"

"بیوقوف نہ بنائیے ڈیڈی۔ سن لیجئے آپ اچھی طرح اگر آپ نے اسی مہینے گاڑی تبدیل نہ کی تو میں۔ تو میں۔"

"بھئی وعدہ کر لیا ہے تم سے۔ گاڑی بدل دیں گے۔ میں بھی اس گاڑی سے عاجز ہو گیا ہوں۔ بس یہ سوچتا ہوں کہ نجانے کتنے کی بکے گی۔ خاصی خراب کنڈیشن ہو چکی ہے۔ خیر اللہ مالک ہے۔ تمہارے لئے تو کچھ نہ کچھ کیا ہی جائے گا۔ آج کام چلا لو بیٹی۔ آئندہ خیال کریں گے۔"

"کپڑوں کی استری بھی نہیں ہوئی ہے۔" فوزی نے نیم راضی ہوتے ہوئے کہا۔

"وہ میں نے کر دی ہے ذرا دیکھو۔ کیسے خوبصورت لگ رہے ہیں کپڑے۔ تمہاری تو شان ہی الگ ہے فوزی۔ جاؤ گی تو محفل میں ساری نگاہیں تمہاری ہی طرف اٹھی ہوں گی۔"

فوزی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وقت واقعی بہت زیادہ ہو رہا تھا۔ انجو نے کہہ دیا تھا کہ جلدی آئے ورنہ ناراض ہو جائے گی۔ تیار ہونا تھا۔ اٹھ کر غسل خانے میں گھس گئی۔ اور ماں باپ نے سکون کا سانس لیا۔ غوثیہ بیگم نے دانت پیستے ہوئے بیگ صاحب سے کہا۔"

"سوچ لیں آپ جو کچھ اس گھر میں ہو رہا ہے۔ اچھا نہیں ہو رہا۔"

"تو میں کب کہتا ہوں کہ اچھا ہو رہا ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔"

"کچھ نہ کچھ تو کیا جائے۔ اب آپ دیکھیں یہ کپڑوں کی استری بھی مجھے کرنی پڑتی ہے۔ کیسے کروں کیسے اس گھر سنبھالوں؟"

"سوچیں گے کچھ نہ کچھ سوچیں گے کوئی نہ کوئی فیصلہ کریں گے جو سب کے لئے قابلِ قبول ہو۔" بیگ صاحب ہتھیار ڈالتے ہوئے بولے۔ فوزی خدا خدا کر کے تیار ہوئی۔ بیگ صاحب نے خود گھر سے باہر جا کر ٹیکسی کا انتظام کیا اور اس کے بعد فوزی کو تحفے کے ساتھ ٹیکسی میں بٹھا کر روانہ کر دیا۔ گھر کی جانب پلٹے ہی تھے کہ قدرت اللہ غصے سے چھنچھناتے ہوئے سامنے سے آتے نظر آئے۔ ان کے ساتھ دو افراد اور نظر آئے۔ بیگ صاحب کو یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ قدرت اللہ ان کی جانب آرہے ہیں قدرت اللہ صاحب نے زور سے آواز دی۔"

"اماں بیگ صاحب۔ اور بھائی امداد بیگ۔ ذرا رکیو" اور بیگ صاحب رک گئے۔ مگر قدرت اللہ کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی تھی۔ قدرت اللہ ویسے بھی اچھا آدمی نہیں تھا۔ گھر نمبر ایک سو پانچ میں رہتا تھا۔ اور خاصہ بدنام تھا لڑائی جھگڑے کے سلسلے میں وہ اپنے ساتھ دو اجنبی لئے ہوئے تھا۔ بیگ صاحب کے اوسان خطا ہونے لگے۔ قدرت اللہ انہیں گھورتا ہوا قریب پہنچ گیا۔

"میاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے کہا ہے کہ انسان کو غرور نہیں کرنا چاہیے۔ زمین پر پیدا ہوئے ہو۔ تو زمین پر ہی قدم رکھا کرو۔ جو کچھ کر رہے ہو اچھا کر رہے ہو یہی محلے داری ہوتی ہے اسی طرح محلے میں رہا جاتا ہے۔"

قدرت اللہ صاحب! کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے۔" بیگ صاحب نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔"

"میاں غلطی تو وہ کی ہے تم نے کہ بس اس کے نتیجے میں خون خرابہ ہو سکتا ہے۔ ٹیلیفون کیا تھا میرے سسرال والوں نے تمہارے گھر میں تمہارے گھر سے جواب دیا تمہاری لونڈیا نے کہ پپو کی اماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ میاں کیسے پتہ چلا آپ کو کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔ ہارٹ فیل ہو گیا ہے۔ یہ ہیں محلے میں رہنے کے طریقے۔"

"ایں کیا کہہ رہے ہیں آپ میرے گھر سے ٹیلیفون کا جواب دیا گیا۔"

"نہیں تو کیا آسمانوں سے دیا گیا۔ وہاں میری ساس بول رہی تھی روتے روتے برا حال ہو گیا اس کو ڈاکٹر کو دکھانا پڑا۔ بیٹی کی موت کی خبر معمولی تو نہیں ہوتی۔ یہ مذاق کیا جاتا ہے۔ اپنے بزرگوں سے۔ میاں سمجھاؤ لونڈیا کو۔ محلے میں رہنا ہے بڑے ٹیلیفون والے بنے ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر ٹیلیفون ہمارے کام نہ آیا تو تم چلا سکو گے اسے۔"

"دیکھیے۔ قدرت اللہ صاحب آپ بلاوجہ ناراض ہو رہے ہیں۔ اول تو میں اس بات پر حیران ہوں کہ فوزی نے ایسا کوئی جواب دے دیا۔ آپ ذرا اس بات کی بھی توقع رکھیے ہوسکتا ہے فون کہیں اور مل گیا ہو اور کسی نے آپ کے ساتھ مذاق کیا ہو۔"

"میری ساس تمہاری بٹیا کی آواز پہچانتی ہے۔ امداد بیگ صاحب اور پھر محلے بھر میں تم ہی ایک سب سے نک چڑھے آدمی ہو ذرا سا ٹیلیفون کیا لگا لیا دماغ آسمان پر پہنچ گیا۔ میاں بڑے آدمی ہو گے اپنے گھر کے۔ ہم کچھ تم سے مانگنے آ جاتے ہیں۔ بھلا سوچو محلے میں رہتے ہیں اور محلے والوں کے ساتھ یہ سلوک ایک ذرا سا ٹیلیفون کیا لگوا لیا ہے گھر میں دماغ آسمان پر پہنچ گئے ہیں۔"

"قدرت اللہ صاحب آپ زیادتی کر رہے ہیں میرے ساتھ۔ پہلے تو میں اس بات کو ہی تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں کہ میرے گھر سے ایسا کوئی جواب دیا گیا۔ اتفاق سے فوزی گھر پر موجود نہیں ہے۔ ورنہ میں ابھی اس سے آپ کے سامنے پوچھتا اور آپ کو شرمندگی اٹھانی پڑتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں آپ سب لوگوں سے معذرت کر چکا ہوں کہ میرے گھر میں کوئی بچہ نہیں ہے تو ٹیلیفون آئے تو کون بھاگ کر اطلاع دیتا پھرے۔ آپ لوگ خود بتائیے آپ نے بلاوجہ میرے گھر کا نمبر اپنے سسرال والوں کو دے دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے میاں۔ ٹھیک ہے۔ محلے داری ایسے نہیں چلتی اور ایسے ہم چلنے بھی نہیں دیں گے۔ اب دیکھتے ہیں کہ کیسے ٹیلیفون لگا رہتا ہے تمہارا۔"

"دیکھیے قدرت اللہ صاحب بات نہ بڑھائیے۔ ہر شخص کے اپنے اپنے کچھ نہ کچھ تعلقات ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے آپ کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرانا پڑے۔"

"اماں چھتیس بار کرا دیجیو پولیس میں رپورٹ درج پولیس میرا کیا بگاڑ لے گی۔ دیکھ لوں گا تمہیں اچھی طرح۔" قدرت اللہ نے کہا اور اپنے دونوں ساتھیوں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر وہاں سے واپس مڑ گیا۔ بیگ صاحب ہانپتے کانپتے گھر میں پہنچ گئے تھے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ ایک صوفے پر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔"

"کیوں اب کیا ہوا؟"

"بھئی کیا بتاؤں کیا ہوا۔ فوزی نے تو ہمارا ناک میں دم کر کے رکھ دیا ہے۔"

"ارے ارے کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ بچی گھر سے باہر ہے اور آپ ایسی باتیں منہ سے نکال رہے ہیں۔"

"تو پھر کیا کروں۔ جھلائی ہوئی لیٹی تھی۔ ٹیلیفون آیا ہوگا۔ قدرت اللہ کے سسرال سے اس کی بیوی کو بلا رہے تھے وہ لوگ فوزی نے کہہ دیا کہ پپو کی اماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب چڑھ کر آئے تھے سارے کے سارے قدرت اللہ دھمکی دے کر گیا ہے کہ اب ٹیلی فون گھر میں لگا کر دکھو کیسے لگاتے ہو"

"لے ہے تو وہ کیا کر لے گا؟" غوثیہ بیگم نے کہا۔

"لفنگا آدمی ہے۔ بہر طور ایسی باتوں سے گریز کرنا چاہیے۔"

"اور رہو اپنے آباؤ اجداد کے گھر میں۔ اور رہو گلی نمبر سات میں۔ جو کچھ ہے وہ تمہارے سامنے ہے۔ بھگتو اب بھگتو۔"

"ایک آپ الگ میرا دماغ خراب کیے دیتی ہیں۔ آپ ایسا کریں انتظام کرا لیں اپنے میکے والوں سے ایک حویلی ہمارے لئے بھی خرید دیں۔ جا کر رہنے لگوں گا۔"

"لے وہ کیوں خرید کر دے دیں جو کچھ دیا لیا تھا وہ کونسا قائم رہنے دیا تم نے۔"

غوثیہ بیگم میرا دماغ خراب نہ کیجیے جائیے آپ اپنے کمرے میں جائیے۔"

غوثیہ بیگم جھلاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں اور امداد بیگ صاحب صوفے پر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ قدرت اللہ سے جھگڑا اچھی بات نہیں تھی۔ پھر ایک دم انہیں خیال آیا کہ شام کو غلام قادر کے بیٹے کے عقیقے میں شریک ہونا ہے۔ اس وقت اگر قدرت اللہ بھی آیا تو کچھ کہہ سن کر بات برابر کر لیں گے محلے میں واقعی جھگڑا مناسب نہیں تھا۔ حالات کو ان سے زیادہ بہتر اور کون جان سکتا تھا۔ یہ گھر چھوڑیں کسی نئی جگہ گھر تلاش کریں تو وہاں قیام کرنے میں بھی لاکھوں روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اب جیسے بھی گزرے اسی محلے میں گزارنی ہے۔ اور محلے میں گزارہ کرنے کے لئے محلے والوں سے اچھے تعلقات رکھنا ضروری ہیں۔

بہت دیر تک بیٹھے سوچتے رہے۔ شام کے جھٹپٹے زمین پر اتر آئے تھے۔ ادھر غوثیہ بیگم کا موڈ الگ خراب ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ غسل خانے میں داخل ہو گئے غسل کیا اور پھر چہرے پر مسکراہٹیں پیدا کرتے ہوئے غوثیہ بیگم کے کمرے میں داخل ہو گئے۔

"سنتی ہو۔"

"نہیں، بہری ہوں۔" غوثیہ بیگم نے جواب دیا۔

"واہ کیا برجستگی ہے۔ تمہیں تو شاعر ہونا چاہیے تھا۔"

"کیا بات ہے؟"

"وہ میں پوچھ رہا تھا عقیقے میں چلو گی؟"

"میرا دماغ خراب ہے گیا۔ پہلے میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ عقیقے میں نہیں جاؤں گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر دیکھو نا محلہ ہے۔ شریک ہونا ضروری ہے۔"

"یہ صرف تمہارا محلہ ہے میرا نہیں، تم جاؤ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔"

"لوگ تمہیں پوچھیں گے تو کیا کہوں گا۔"

"کہہ دینا مر چکی ہوں۔"

"کیسی بری باتیں منہ سے نکالتی ہو کر بل ہے بھئی میں کہتا ہوں چلنا مناسب ہوگا۔ چلو تیار ہو جاؤ میرے بھی کپڑے نہیں نکالے تم نے......"

"دیکھو خواہ مخواہ میرا دماغ خراب مت کرو۔ تمہیں یاد ہے پچھلی بار بھی تم مجھے ایک ولیمے میں لے گئے تھے زمین پر بٹھا کر کھانا کھلایا تھا ان لوگوں نے۔ مجھے بھی زمین پر بیٹھنا پڑا تھا۔ زندگی میں کبھی وہ نہیں گزری مجھ پر جو اس دن گزری تھی۔ کھانا تو خیر کیا کھاتی بس کسی نے سالن گرا دیا ساڑھی پر، کسی نے سر میں کوڑا ڈال دیا۔ یہی درگت بنی تھی وہاں میری، خدا کی قسم بھول کر بھی نہیں جاؤں گی۔ اب ایسی کسی تقریب میں پہلے ہی کہہ دیا تھا میں نے تم سے۔"

"اوہو بھئی۔ وہاں کرسیاں لگی ہیں۔ شامیانے میں۔ خواتین کے بیٹھنے کے لیے الگ مردوں کے لیے الگ۔"

"بس میں نہیں جاؤں گی۔ بالکل نہیں جاؤں گی۔ آپ چلے جائیے۔"

"ٹھیک ہے۔ میرے کپڑے نکال دو۔"

"کپڑے نکال دیئے ہیں میں نے۔ تیار ہوں اور چلے جائیں۔ میرا دماغ نہ کھائیں۔"

امداد بیگ صاحب ٹھنڈی سانس لے کر دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے۔

⚜

کھڑکھڑاہٹ کی آواز ابھری تو شمع بیگم کی آنکھ کھل گئی۔ حیرانی سے ادھر ادھر دیکھا پروانہ صاحب کی چارپائی پر نظر پڑی

تو چونک پڑیں۔ دیوار پر گھسی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا چھ بجے تھے ابھی یاالٰہی خیر۔ ان کے منہ سے نکلا اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ پروانہ صاحب تو جس رات مشاعرے میں ہوتے تھے تو واپس آنے کے بعد پورے دن خراٹے بھرتے رہتے تھے۔ رات کو بھی نجانے کب مشاعرے سے آئے تھے۔ یہ صبح ہی صبح جاگ کیسے گئے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔ شمع بیگم جلدی سے اٹھیں اور کمرے کے کھلے دروازے سے باہر نکل گئیں۔

کھڑکھڑاہٹ کی آوازیں باورچی خانے سے آرہی تھیں۔ حیران حیران سی باورچی خانے پہنچیں بتی جلی ہوئی تھی اور چائے کی خوشبو فضا میں بکھری ہوئی تھی پروانہ صاحب گنگناتے ہوئے چائے بنارہے تھے۔ شمع بیگم کی آہٹ انہوں نے سن لی، پلٹے اور شمع بیگم کو دیکھ کر مسکرادیئے۔

"خیر تو ہے۔ کیا بات ہے۔ طبیعت ٹھیک ہے؟"

"اگر ٹھیک نہ بھی ہوتی تو صبح ہی صبح آپ کی صورت دیکھ کر بھلا کوئی بیماری قریب رہ سکتی ہے۔"

"اے یہ ہوا کیا آپ کو۔ چار ساڑھے چار بجے تو سوئے ہوں گے اور ابھی چھ بجے ہیں۔ یہ نیند کیسے غائب ہوگئی؟"

"نیند اس کی۔ خواب اس کے ہیں۔ رات اس کی۔"

"خدا کے لیے شعر نہ پڑھیے۔ مجھے بتائیے کیا ہوگیا۔ سوئے کیوں نہیں آپ ویسے تو دن بھر سوتے رہتے ہیں۔"

"بھئی یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ بس کچھ مصروفیت تھی جاگ گئے۔ سوچا کہ آپ نیند پوری کرلیں ہم چائے بنا کر پیئے لیتے ہیں۔ چلیئے اچھا ہوا۔ اب یہ چائے بھی دو آتشہ ہوجائے گی۔ ویسے آپ کیسے جاگ گئیں۔"

"آپ ہانڈی جو بجارہے تھے۔"

"بجارہے تھے۔ نہیں بھئی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ چلیئے اب آپ آگئی ہیں تو اپنے دستِ نازک سے چائے کا بقیہ حساب کتاب طے کیجیئے گا۔" شمع بیگم ایک لمحے تک پروانہ صاحب کو دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"منہ پر ذرا پانی کے چھینٹے مار آؤں ابھی آئی۔"

"جی جی، ضرور ضرور۔" پروانہ صاحب خوش دلی سے بولے اور شمع بیگم واپس مڑگئیں۔ پروانہ صاحب بڑے بے چین تھے، ایک لمحے کے لیے جو بستر پر پلک جھپکی ہو۔ بس صبح کا انتظار تھا۔ جب وہ دونوں سخن فہم آئیں گے۔ اور شعر و شاعری کے دیوان کھل جائیں گے۔ کم از کم کوئی تو ملا جو پروانہ صاحب کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ نوجوان نے رات کو جس طرح مشاعرے میں انہیں داد دی تھی پروانہ صاحب اس کے پروانے بن گئے تھے۔ ایک ایک ادا بھارہی تھی اس کے چہرے کے نقوش یاد آرہے تھے۔ ناشتے پر بلالیا تھا۔ اور ناشتہ بڑے اہتمام سے کرانا چاہتے تھے۔ بے صبری سے صبح کا انتظار کررہے تھے۔

بہر طور ناشتے کا بندوبست بھی کرنا تھا۔ شمع بیگم کو ذرا احتیاط سے تفصیلات بتانی تھیں۔ بعض اوقات وہ اکھڑ جاتی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد شمع بیگم آگئیں۔ پیالیوں میں چائے بنائی اور پروانہ صاحب نے دونوں پیالیاں اپنے ہاتھ میں اٹھائیں اور اپنی پسندیدہ جگہ آبیٹھے۔ پھر احترام سے ایک پیالی شمع بیگم کے سامنے رکھ دی۔ شمع بیگم مسکرا رہی تھیں۔ کہنے لگیں۔

"رات کا مشاعرہ کیسا رہا؟"

"آہ کاش آپ بھی ہمارے ساتھ اس مشاعرے میں شریک ہوتیں۔"

"لگتا ہے غزل پسند کرلی گئی۔"

"پسند کرلی گئی۔ میں کہتا ہوں ہنگامہ ہوگیا تھا ہنگامہ، کچھ ایسے لوگ بھی تھے وہاں جو شعر و سخن کو صحیح معنوں میں سمجھتے ہیں اور ہماری شاعری تو شمع بیگم صرف سمجھنے کے لیے ہوتی ہے۔ آہ کیا بتاؤں کیسے بچے ہیں وہ۔"

"بچے؟" شمع بیگم نے کہا۔

"بس دیوانے ہوگئے تھے۔ ایک ایک شعر پر اتنی داد دے رہے تھے۔ شمع بیگم کہ سیروں خون بڑھ گیا تمہارے پروانے کا۔"

[...]ی بیگم ہنس پڑیں۔

"بچے جو تھے۔" انہوں نے کہا اور پروانہ صاحب ناراضگی سے انہیں دیکھنے لگے۔

"آپ ہی نے ایک ہمیں تسلیم نہ کیا دنیا تو مانتی ہے۔"

"لیجیئے۔ تسلیم نہ کرتی تو آپ کے گھر میں بیٹھی ہوئی ہوتی۔"

"کیا بات ہے۔ طبیعت میں بڑی شگفتگی ہے اس وقت تو....."

"آپ کو جو خوش دیکھ رہی ہوں۔"

"ہمیں یقین ہے کہ اس کائنات میں ہماری ساری خوشیوں سے خوش ہونے والی صرف آپ ہی ہیں۔"

"بچوں کا تذکرہ کررہے تھے آپ....."

"ہاں نوجوان ہیں۔ نوخیز ہیں مگر اللہ نے ذہانت سے مالامال کیا ہے۔ شعر و سخن کے پجاری ہیں۔ بس کیا بتائیں آپ کو [...]ی بیگم کیسے جی کو بھاگئے ہیں وہ دونوں ویسے بھی شمع بیگم ایسے بچے سب ہی کو پسند آتے ہیں۔ ہم نے بھی انہیں ناشتے پر بلالیا [...]ے اور اب ہوگا آپ کے ہاتھ کا زعفرانی حلوہ اس کے ساتھ ساتھ کچھ چیزیں بازار سے لے آئیں گے۔ آپ کو اعتراض تو نہیں ہے؟"

"ناشتے پر بلالیا ہے؟" شمع بیگم نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک پہنچ جائیں گے۔ یہ وقت بھی مجبوری کا تھا۔ ورنہ ہم تو انہیں ساتھ ہی لے آتے۔"

"خدا آپ پر رحم کرے لوگ بعد دوپہر کے کھانے پر بلاتے ہیں مہمانوں کو۔ شام کی چائے پر بلاتے ہیں رات کے کھانے پر [بلا]یا کرتے ہیں لیکن صبح کے ناشتے کی یہ نئی رت آپ ہی نے ڈالی ہے۔"

"کیا آپ ہماری عزت کا پاس نہیں کریں گی؟"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں! میں کونسا منع کررہی ہوں بتائیے کیا کیا تیار کرنا ہے؟" شمع بیگم نے محبت سے کہا اور پروانہ [صا]حب جھومنے لگے۔ پھر بولے۔

"بس آپ کے ہاتھ کا حلوہ ہوجائے کچھ پوریاں پکا لیجیئے جلدی جلدی۔ ہم بازار سے ڈبل روٹی مکھن وغیرہ لے آتے ہیں۔ [...]ون چیزیں ہوجائیں گی۔ شریف آدمیوں کا یہی ناشتہ ہوتا ہے۔ انڈے بھی ہاف فرائی کرلیجیئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسا آپ کہیں گے کردوں گی۔ مگر وہ بچے ہیں کون۔"

"بس شمع بیگم رات کو مشاعرے میں ہم اپنی غزل پڑھ رہے تھے۔ پہلے مصرعے سے جو سر دھننا شروع کیا انہوں نے تو [...]تک ایک ایک شعر پر وہ داد دی کہ بڑے بڑے پرانے شاعر منہ بنا کر رہ گئے۔ بعض نے تو الزامات لگانے بھی شروع کردیئے کہ انہیں کرائے پر لے آئے ہیں لیکن جتنے منہ اتنی باتیں پرانے شعراء کو اگر نئے شعراء کے مقابلے میں داد نہ ملے تو ظاہر ہے وہ [...]ن تو ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ ایک قدیم تنازعہ ہے جو نجانے کب سے چل رہا ہے۔ لیکن اللہ کی دین کسی سے بھلا کیا واسطہ۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ بہرحال آپ کی خوشی میں میری خوشی ہے۔ تو پھر میں تیاریاں شروع کرتی ہوں پلک جھپکتے [ص]بح جائیں گے۔ ویسے پہنچیں گے تو وہ ضرور۔"

"امید تو پوری پوری ہے۔ چہروں ہی سے شرافت ٹپکتی تھی اور جو شریف ہوتے ہیں وہ زبان کے پابند بھی ہوتے ہیں [...]ے خدا کا نام لے کر انتظامات شروع کیجیئے ہم ذرا بیکری کا چکر لگا آئیں۔ میرا خیال ہے بیکری کھل گئی ہوگی۔ بیکری والا صبح [...]ی بیکری کھول لیتا ہے۔ دودھ وغیرہ بھی فروخت کرتا ہے۔ ہاں دودھ تو ہے نا۔ یا ضرورت ہو تو لیتے آئیں تھوڑا سا۔"

"تھوڑا سا لیتے آیئے تو اچھا ہے۔" شمع بیگم نے کہا اور پروانہ صاحب گھر سے باہر نکل گئے۔

[...]اہتمام شروع ہوگیا شمع بیگم ہمیشہ تعاون کرنے والی خاتون تھیں۔ زندگی میں تعاون ہی کیا۔ پروانہ صاحب کے سوا۔ اولاد سے

محرومی دل میں کسکتی تھی۔ خاص طور سے بچوں کا تذکرہ سن کے توان کے دل کے گوشے بڑے نرم ہوگئے تھے۔ ویسے ہم مزاج تاتوان تھیں آپس ہی میں ہنسی مذاق بھی کرلیا جاتا تھا۔ اہل محلہ سے بھی کافی اچھے تعلقات تھے۔

انتظام ہوا۔ گرم گرم پوریاں تیار ہونے لگیں۔ تھوڑا سا میدہ اٹھاکر رکھ دیا گیا تاکہ مہمانوں کو مزید گرم پوریاں جاسکیں۔ حلوے کے علاوہ اس وقت اور کوئی بندوبست ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ اس میں کافی دیر لگتی ہے۔

ٹھیک آٹھ بجے دروازے پر دستک ہوئی۔ تو پروانہ صاحب خوشی سے اچھل پڑے۔

"دیکھا آپ نے، دراصل یہ ساری باتیں خون سے تعلق رکھتی ہیں۔ ذرا گھڑی پر نگاہ دوڑائیے ٹھیک آٹھ بجے شخص وقت کا پابند ہو بس یوں سمجھ لیجیئے اس نے زندگی پر فتح حاصل کرلی۔"

پروانہ صاحب دروازے پر پہنچے تو طاہر اور شعور صاف ستھرے لباس میں چاق و چوبند کھڑے نظر آئے پروانہ صاحب دونوں کو گلے لگایا اور پھر بڑی محبت سے اندر لے آئے۔ پہلے سے بیٹھنے کا انتظام کرلیا گیا تھا۔ شمع بیگم باورچی خانہ تھیں۔ پروانہ صاحب نے کہہ دیا تھا کہ ذرا لباس وغیرہ تبدیل کرلیں۔ طاہر اور شعور کا بڑا پر جوش استقبال کیا گیا تھا۔ پروانہ کہنے لگے۔

"میاں شعر و سخن کی دنیا تو ایک بالکل ہی الگ چیز ہے۔ آپ لوگوں نے میری غزل کو سمجھا، مجھے مسرت ہوئی لیکن یہ ہے کہ آپ دونوں میں کچھ ایسی کشش ہے کہ میں خود بھی دیوانہ سا ہوگیا۔ حالانکہ رات کو نیند نہیں آئی۔ لیکن صبح کی آمد کا منتظر ہوں۔"

"پروانہ صاحب آپ جیسے شاعر اگر اس گمنامی میں زندگی بسر کریں تو اس ملک کی تقدیر پر افسوس ہی کیا جاسکتا ہے"

"نہیں میاں۔ جملوں میں احتیاط برتنی چاہیئے۔ خدا ہمارے ملک کی تقدیر کو آسمان پر سورج کی طرح روشن رکھے۔ قدر دانوں کی ہے۔ جو سمجھتے نہیں ہیں۔ شعر و سخن کی دنیا بھی ایسی ہی ایک دنیا ہے۔ بس یہاں یوں سمجھ لیں کہ جس چڑھ گئی، چڑھ گئی لیکن ہم کسی کے لیے کتے کہاں ہیں۔ یہ تو یار لوگ زبردستی مشاعروں میں گھسیٹ لے جایا کرتے ہیں اپنی غزل اپنی حرم ہی میں رہے تو زیادہ اچھی لگتی ہے۔"

"اے سبحان اللہ۔ اے سبحان اللہ یہ بھی شعر ہوگیا۔ میاں شعور کیا بے شعوری کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ دیکھا پروانہ میں بھی شاعری کرتے ہیں "اپنی غزل اپنی حرم میں، واہ واہ۔ واہ واہ پروانہ صاحب۔" طاہر پھر اچھلنے لگا اور پروانہ صاحب جھک کر آداب کرنے لگے۔"

اسی وقت شمع بیگم ناشتہ سنبھالے ہوئے اندر داخل ہوئی تھیں۔ "عمر رسیدہ ہوچکی تھیں لیکن چہرے پر شر پاکیزگی تھی۔ پروانہ صاحب اکثر اپنے شاعر دوستوں کو گھر لے آتے تھے مگر وہ ایک حصے تک محدود رہتے تھے چائے ضرورت ہوئی تو اندر اطلاع کرادی تیار ہوئی تو خود آکر لے گئے۔ شمع بیگم کا کسی سے کوئی واسطہ نہیں تھا مگر شوہر شناس پروانہ صاحب کا مزاج جانتی تھیں وہ اندازے انہوں نے اتنا بچوں کا تذکرہ کیا تھا اس سے سمجھ گئی تھیں چنانچہ ناشتہ اندر آگئی تھیں مگر نگاہ جھکی ہوئی تھی۔"

دونوں نوجوان احترام سے کھڑے ہوگئے۔ طاہر نے جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا۔ "آداب عرض کرتا ہوں چچی؛ عرض کرتا ہوں۔"

"جیتے رہو بیٹے۔ اللہ خوش رکھے۔" انہوں نے ناشتہ رکھ کر نگاہ اٹھائی اور پھر چونک پڑیں۔ ان کے چونکنے سے اتر گیا مگر طاہر مسکراتا رہا تھا۔ شمع بیگم نے کہا۔ "آپ دونوں تو بیٹے....."

"دیکھا میں نہ کہتا تھا چچی جان ایک نگاہ میں پہچان لیں گی۔ یہ حضرت اس سے اختلاف کر رہے تھے کہنے لگے میں کون کسی کو یاد رکھتا ہے۔"

پروانہ صاحب حیران رہ گئے پھر بولے "گویا، شمع بیگم آپ کو جانتی ہیں؟"

شمع بیگم، گویا چچی جان کا نام شمع بیگم ہے۔ یہ گھر شمعدان کا ہے چچا جان پروانہ ہیں شعور تم اسے شعر و سخن کی جنت تسلیم ہے۔"

یہ ذوق واقعی کہاں ملتا ہے؟" شعور بولا۔

پروانہ صاحب نہال ہوگئے۔ بڑی محبت سے کہا "اور اس ذوق کو سمجھنے والے بھی تو عام نہیں ہوتے مگر شمع بیگم آپ

ہمیں بتانے دیجیئے پروانہ صاحب۔" طاہر جلدی سے بولا۔

بھئی جلدی بتاؤ مجھے خفقان ہورہا ہے۔" پروانہ صاحب نے کہا۔

وہ بس کیا عرض کروں پروانہ صاحب، شعور اور میں چچا اور تایازاد بھائی ہیں۔ شعور میاں ملازمت کرتے ہیں اور میں تلاش کررہا ہوں جس مکان میں ہم رہتے تھے وہ فروخت ہوگیا اور ہمیں مکان کی ضرورت ہوئی تلاش کرتے ہوئے ہم یہاں لے۔ چچی جان سے بات ہوئی اور وہ بس کچھ بات نہ بن سکی۔" طاہر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "رات کو بڑا لطف آیا۔ آپ سے دلی آپ نے پتہ بتایا تو اس وقت یاد ہی نہ آیا کہ ہم یہاں آئے تھے گھر پہنچ کر شعور کو ایک دم خیال آیا اور وہ اچھل پڑا کہنے پروانہ صاحب اسی مکان میں نہیں رہتے جسے ہم کرائے پر حاصل کرنے کے لیے دیکھنے گئے تھے تب مجھے بھی خیال آیا اور بس اتفاق پر دیر تک ہنستے رہے اور صبح کو ناک کی سیدھ میں یہاں چلے آئے۔"

میں نے آپ سے کہا تھا ناکہ دو لڑکے گھر دیکھنے آئے تھے۔" شمع بیگم نے کہا۔

پروانہ صاحب حیرت و دلچسپی سے یہ تفصیل سن رہے تھے۔ شمع بیگم خاموش ہوئیں تو جلدی سے بولے۔

تم لوگوں کو مکان کی ضرورت ہے؟"

وہ...... بس..... پرانا مکان خالی کرنا پڑا تھا۔ اسی وقت تلاش کرتے پھر رہے تھے۔"

اہل خاندان کتنے افراد ہیں۔"

جی والدین اس شہر میں کہاں وہ حیدرآباد میں رہتے ہیں بس ہم دونوں....." طاہر بولا۔

تم دونوں۔" پروانہ صاحب کے حلق سے پرمسرت آواز نکلی۔ "تم دونوں کو مکان کی ضرورت ہے؟"

ہے نہیں تھی، پروانہ صاحب اب بات ہوگئی ہے ایک جگہ پہلی تاریخ کو وہاں منتقل ہوجائیں گے۔" طاہر نے کہا۔

ناممکن۔ بخدا ناممکن۔ یعنی میں یہاں ہوں اور تم دونوں کہیں اور، یہ ممکن ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ غیر شاعرانہ عمل.....

پوریاں ٹھنڈی ہورہی ہیں میں اور بنا کرلاتی ہوں۔" شمع بیگم نے کہا اور وہاں سے چلی گئیں۔

چلو میاں شروع ہوجاؤ۔ شمعدان میں تکلف کیا تو بے حرمتی کے مترادف تصور کیا جائے گا۔ بسم اللہ۔" پروانہ صاحب رتالی برتن ان دونوں کے آگے لگادیئے۔

بارگاہ سخن کی بے حرمتی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔" طاہر علی نے کہا اور پوریوں پر حملہ کردیا۔ اس جملے پر پروانہ تڑپ اٹھے۔

بارگاہ سخن۔ آہ آسماں بنادیا تم نے واللہ طاہر میاں اس ایک لفظ نے وہ عزت بخشدی جو پوری عمر نہ مل سکی تھی۔ اس کیا صلہ دیں گے ہم۔" پروانہ صاحب تڑپتے رہے اور طاہر گرما گرم پوریاں ہڑپ کرتا رہا۔ شعور البتہ شرمیلا اور مہذب نوجوان فطرت میں وہ شوخی اور چلبلا پن نہیں تھا جو طاہر میں تھا اور اس کی وجہ یہی ہوسکتی تھی کہ وہ یتیم و یسیر تھا حالانکہ چچا احساس نہ ہونے دیا تھا کہ وہ طاہر سے جدا ہے مگر حقیقتیں منہ نہیں چھپا سکتیں جو تھا وہ تو تھا ہی۔ اس سے کیسے انکار

اتھا۔
دونوں کی عمر میں ایک سال کا فرق تھا، طاہر علی کے والد کا نام توقیر تھا اور ناصر علی ان کے بڑے بھائی تھے۔ کسی زمانے
وستان کے کسی شہر سے پاکستان منتقل ہوئے تھے، لیکن اس عالم میں کہ ناصر علی کی اہلیہ راستے ہی میں دم توڑ گئیں،
وقت تین سال کا تھا اور طاہر دو سال کا، توقیر علی کی اہلیہ نیک دل خاتون تھیں، انسانی ہمدردی اور محبت، رشتوں سے
تھی، شعور کو بھی انہوں نے اپنے سینے سے لپٹا لیا اور دونوں بچوں کی پرورش اسی انداز میں کرنے لگیں۔ جیسے دونوں
کی کوکھ سے جنم لیا ہو۔

ناصر علی بیوی کی جدائی سے دل برداشتہ ہوگئے تھے لیکن چھوٹے بھائی توقیر علی نے انہیں ہاتھوں کا چھپولا بنالیا اور ہر
ے بھائی کی دلجوئی کرتے رہے، ایک موقع تو ایسا بھی آیا جب ناصر علی سے کہا گیا کہ وہ دوسری شادی کر لیں تاکہ اپنی
ت پوری کرسکیں، ناصر علی نے توقیر کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا کہ یہ مذاق ان سے دوبارہ نہ کیا جائے ان کا دل
وجائے گا، بس یہ پہلی اور آخری بات تھی اس کے بعد ناصر علی سے کبھی یہ نہ کہا گیا، وقت نے زخموں پر مرہم رکھ دیا، کسی
ور شعور کو طاہر سے کم نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ بعض اوقات اسے طاہر پر فوقیت دی جاتی تھی اور اس طرح دونوں نے شعور کی
کا آغاز کیا۔

خدا نے توقیر علی کو ایک بیٹی کی نعمت سے بھی نوازا، کاروبار بھی بس ایسا ہوگیا کہ بآسانی گزارا ہوسکے، ناصر علی بھی
کار ہوگئے اور یوں انہوں نے حیدرآباد میں بود و باش اختیار کی اور وقت آہستہ آہستہ سرکنے لگا۔

دونوں نوجوان، جوانی کی سرحدوں میں داخل ہوئے اور اس وقت جب شعور کی عمر اٹھارہ سال تھی اور طاہر کی سترہ سال
اچانک ہی ناصر علی معمولی سے بیمار ہوئے اور اس کے بعد اس دنیا کو چھوڑ گئے، دونوں نوجوان تعلیم حاصل کر رہے تھے، یہ
شعور کو کچھ اور سنجیدگی بخش گیا، چچا نے اسی طرح شعور کو اپنے ساتھ رکھا اور اس کے مستقبل کے لئے ہمیشہ ہی متفکر رہے
طاہر پر اتنی توجہ نہیں دی گئی تھی، یہی وجہ تھی کہ جب ایک ایسی ملازمت علم میں آئی جو آئندہ چل کر بہت کارآمد
نی تھی، تو انہوں نے اس کے لئے طاہر کے بجائے شعور کا انتخاب کیا اور اپنی ان سفارشات سے شعور کو کراچی میں وہ ملازمت
اور شعور کو حیدرآباد سے کراچی آنا پڑ گیا۔ یہاں شعور نے ملازمت کے حصول کے بعد اپنی رہائش کے لئے ایک چھوٹے سے
تے میں جگہ حاصل کرلی لیکن طاہر کے بغیر اسے اپنی زندگی بے کیف معلوم ہوتی تھی، دونوں بی اے کرچکے تھے اور اس سے
پڑھنے کی نہ تو گنجائش تھی اور نہ ہی ان کے دل میں اس کا خیال تھا، توقیر علی بھی تھک چکے تھے، شعور کی ملازمت کے
ن کے دل کی آرزو تھی کہ طاہر کو بھی کوئی اچھی نوکری مل جائے تاکہ وہ باقی زندگی سکون سے بسر کرسکیں، بس خاندان ہی
تھا ان کا ایک بیٹی، بیوی، وہ خود اور یہ دونوں بچے، بچی کا مستقبل نگاہوں کے سامنے تھا، لیکن دو دو بھائی تھے اس کے، اس
توقیر علی نے کبھی بہت زیادہ فکر نہیں کی تھی بس یہی آرزو تھی ان کی کہ شعور کے بعد طاہر کی بھی کوئی اچھی ملازمت
جائے۔

اور پھر جب شعور نے اپنی ملازمت کا ڈیڑھ ماہ گزار لیا تو اس نے فوراً ہی طاہر کو بلا بھیجا اور خط لکھا کہ طاہر کے لئے وہ یہاں
اچھی ملازمت تلاش کرسکتا ہے اسے فوراً روانہ کردیا جائے، طاہر تو رسیاں تڑا رہا تھا، بھلا شعور کے بغیر بھی زندگی کوئی
ی ہے، جونہی اجازت ملی بھاگ نکلا اور شعور کے پاس پہنچ گیا، موجودہ صورت حال یہی تھی کہ شعور ملازمت کر رہا تھا اور
ملازمت تلاش کر رہا تھا۔

پروانہ صاحب سے طاہر نے جو کچھ کہا تھا وہ بھی غلط نہیں تھا جس مکان کا ایک چھوٹا سا پورشن شعور کو کرائے پر حاصل ہوا
کے مالک نے مکان فروخت کردیا اور جس شخص نے یہ مکان خریدا اس نے انہیں نوٹس دے دیا کہ چونکہ اس کی اپنی فیملی
وسیع ہے اس لئے وہ کرائے دار نہ رکھ سکے گا، یہ لوگ معقول طریقے سے اپنے لئے بندوبست کرلیں، اس میں کوئی شک نہیں

تھا کہ شعور کو اس سے سستا گھر نہیں مل سکتا تھا لیکن بہر طور دوسرے کا گھر دوسرے ہی کا ہوتا ہے، چنانچہ وہ لوگ کر مکان کی تلاش میں مصروف ہوگئے، دو افراد کے لئے ایک کمرہ غسل خانہ اور دوسری ضروریات زندگی کے لئے کافی تھ چوڑی جگہ تو درکار تھی نہیں، اس کے علاوہ یہ خواہش بھی تھی کہ کراچی جیسے مہنگے شہر میں جس قدر کم سے کم خرچ گزارلی جائے بہتر ہے، چنانچہ ایسے ہی کسی محلے میں وہ گھر چاہتے تھے جہاں گھر زیادہ مہنگے نہ ہوں اور اسی کوشش میں گلی نمبر سات میں آنکلے تھے، کسی نے اس گھر کے بارے میں بتایا تھا، پروانہ صاحب سے تو ملاقات نہیں ہوئی تھ پروانہ مل گئی تھیں اور انہوں نے کرایہ سات سو اور ایڈوانس پانچ ہزار بتایا تھا، کرایہ تو خیر ممکن تھا لیکن ایڈوانس مشکل تھا کہ ناممکن ہی نظر آتا تھا، ابھی حالات اس قدر بہتر نہیں تھے کہ پانچ ہزار ایڈوانس کی مد میں ادا کر دیئے جائیں

شعور کو اس مشکل کا احساس تھا، چنانچہ یہاں سے معلومات حاصل کر کے وہ مایوس ہوگیا تھا لیکن جس شخص کے بارے میں بتایا تھا اس نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ گھر ایک شاعر کا ہے اور پروانہ صاحب مست مولا قسم کے آدمی ہیں شعور کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا تھا کہ اگر یہی گھر پانچ سو روپے ماہانہ کرائے پر اور بغیر ایڈوانس کے اسے نہ دلائے تو طاہر نہیں، شعور ہنس کر خاموش ہوگیا تھا لیکن طاہر تاک میں رہا تھا، اور پھر اس نے آخر اس مشاعرے کا سراغ لگا ہی لیا تھ پروانہ صاحب بھی اپنی غزل پڑھ رہے تھے، شاعر کی کمزوری کو شعور سے زیادہ طاہر جانتا تھا، چنانچہ اگلی صفوں میں کر کے اس نے پروانہ صاحب کے اشعار پر داد کے وہ ڈونگرے برسائے تھے کہ پروانہ صاحب گردن گردن تک بوجھ تلے د اور موجودہ صورت حال اسی کے نتیجے میں تھی اور شعور کو یہ احساس ہوتا جا رہا تھا کہ شریر فطرت طاہر جو ہمیشہ ہی اپن میں کامیاب رہتا ہے اس بار بھی شاید کامیابی کے بالکل قریب ہے۔

پروانہ صاحب کے سوالات کے جو جواب اس نے دیئے تھے، شعور کے لئے وہ ذرا پریشان کن تھے، مگر طاہر مطم تھا، پہلی ہی کوشش میں اس نے پروانہ صاحب تک نہ صرف رسائی حاصل کرلی تھی بلکہ اب ٹھاٹ سے ناشتہ اڑا رہا ت مطمئن نظر آرہا تھا، جیسے اس نے میدان فتح کرلیا ہو، پروانہ صاحب تھے کہ بری طرح ان دونوں کی خاطر مدارات میں مص

شمع بیگم بھی اچھی خاتون معلوم ہوتی تھیں ان کی آنکھوں میں محبت کے سائے رقصاں تھے، اب یہ بات بھ جانتے کہ اولاد سے محروم یہ شاعر شوہر اور معصوم بیوی دل میں مامتا اور شفقت کے جذبے بھی رکھتے ہیں اور یہ جذب حیثیت کے حامل ہیں، شمع بیگم گرم گرم پوریاں لاتی رہیں اور شعو طاہر کو گھورتا رہا، کیونکہ طاہر شاید فیصلہ کرچکا تھا کہ کوٹہ اسی وقت پورا کرلیا جائے اور بعد میں فارغ البال ہوجایا جائے جبکہ شعور نے بہت تھوڑا سا ناشتہ کرنے کے بعد ہاتھ ر بالآخر طاہر کو بھی کچھ خیال آہی گیا اور اس نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"طویل عرصے کے بعد کمال ہے صاحب، یہاں تو یوں لگتا ہے جیسے ساری نعمتیں اسی جگہ اتر آئی ہوں، میں نے کھایا ہے پروانہ صاحب، معافی نہیں مانگوں گا آپ سے کیونکہ جو کچھ کھایا اس میں خلوص کو شیرینی لمحہ لمحہ لبوں کو ا رہی، بہرحال آپ کا بے حد شکریہ......" پروانہ صاحب مسکرا دیئے، چائے پی گئی اور اس کے بعد پروانہ صاحب نے کہا۔

"یہ ذوق سخن تم نے کہاں سے پایا صاحب زادے؟"

"یہ تو نہ کہہ سکوں گا کہ سو پشتوں سے ہے پیشہ آبا شاعری، لیکن یوں سمجھ لیجیئے کہ سخنوروں کی پرستاری خمیر ہوئی ہے اس وقت سے اچھی شاعری کا رسیا ہوں۔" جبکہ اسے سمجھنے کی تمیز بھی نہ تھی۔ جو دل سے کہا جائے وہ دل تک اور یہی ہوا آپ کے پہلے ہی مصرعے نے دیوانہ کردیا اور یہ دیوانگی بالآخر آپ کے در دولت تک لے آئی۔

"سبحان اللہ میاں خدا کی دین، خدا کی دین ہوتی ہے۔"

"حضور کچھ عنایت ہوجائے۔" طاہر نے کہا اور شعور کا چہرہ خوف سے سکڑ گیا تھا، اسے تو دفتر بھی جانا تھا، اس ش ہے بیکار ہے، جوتیاں چٹخاتا پھرتا ہے، اگر دیوان کھل گیا تو پھر بند نہیں ہوگا، مگر پروانہ صاحب خود بھی نفیس انسا

ہی سوچ رہے تھے کہنے لگے۔

"میاں یہ حسرت موہانی والی بات تو کچھ مناسب ہے، تمہیں یاد ہے ناں وہ لطیفہ جو مولانا حسرت موہانی سے منسوب ہے ں سے تانگے میں آرہے تھے، اپنے گھر کے دروازے پر اترے تو ایک آنہ تانگے والے کو عطا کیا تانگے والا بد معاملہ تھا، کہنے لگا ب ہم تو دو آنے لیں گے، حسرت موہانی نے عاجزی سے کہا کہ میاں تانگے والے روزانہ ہی آتے جاتے ہیں یہاں، شاید تم ہمیں تے نہیں، حسرت موہانی ہے ہمارا نام، تانگے والا آنکھیں پھاڑ کر بولا کہ اچھا آپ ہیں وہ بہت بڑے شاعر مولانا حسرت موہانی ں جی یہ رکھیں اکنی اور اب حضور ہوجائے ایک غزل، تو میاں فوراً ہی تو غزل نہیں ہونی چاہیئے کچھ اور بھی غم ہیں زمانے میں ری کے سوا۔"

شعور کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا تھا، بڑی چبھتی ہوئی بات کہہ گئے تھے پروانہ صاحب، طاہر نے گھور کر اسے ھا اور پھر پروانہ صاحب سے بولا۔

"بہرحال ہم تو آپ کے قدردان ہیں پروانہ صاحب کیا عرض کریں کہ کیا مقام بنالیا ہے آپ نے ہمارے دل میں۔"

"مقام تو ہم بھی بنانا چاہتے ہیں میاں اپنا آپ کے دل میں اب ذرا وہ مکان والی بات ہوجائے، کیا کہہ رہے تھے آپ کہ کسی ، بات ہوگئی ہے، بھئی اپنا گھر موجود ہے تو غیر کے دروازے پر قدم کیوں رکھے جائیں، اوپر والا کمرہ شاید تم نے دیکھ لیا ہو، ل خانہ، باورچی خانہ اور دوسری جگہ بھی ہے چھوٹا سا صحن بھی ہے، کوئی تکلیف نہ ہوگی تمہیں۔"

"یہ تو آپ نے درست فرمایا، دراصل اور کوئی بات نہیں ہے اگر میری بھی کہیں ملازمت ہوجاتی تو شاید اس جگہ ہر ت پر آپڑتا، لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ کی محبت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے، دراصل ہمارے پاس ایڈوانس دینے کے ، پیسے نہیں ہیں جن صاحب سے بات ہوئی ہے وہ تھوڑے سے شناسا ہیں شعور ناصر کے، بغیر ایڈوانس کے جگہ دینے پر تیار ہیں کرایہ بھی پانچ سو روپے ہوگا......"

"میاں پانچ سو روپے بہت ہوتے ہیں اس گرانی کے زمانے میں، اگر جیب میں نہ ہوں تو انسان کہیں سے انہیں حاصل ں نہیں کرسکتا اور تم اس نوجوانی کی عمر میں ہی فضول خرچ ہوئے جا رہے ہو، کوئی کرایہ ورایہ نہیں ادا کرنا تمہیں اور کوئی وانس نہیں ادا کرنا، سامان اٹھاؤ اور یہاں اپنے گھر میں آجاؤ، شمع دان کا اوپری حصہ تمہارے لئے ہے۔"

طاہر نے منہ پھاڑ کر شعور کو دیکھا مگر شعور اس حد تک جانے کے لئے تیار نہیں تھا پروانہ صاحب کی معصومیت کو محسوس چکا تھا، فوراً ہی سرد لہجے میں بولا۔

"پروانہ صاحب! حقیقت یہ ہے کہ آپ کی قربت ی نعمت ہمارے لئے اور کوئی نہیں ہوسکتی ں عمر میں یہ تیں یقیناً آپ اپنے بچوں کو بھی دینا پسند نہ کرتے کر ن محبت سے ناجائز فائدہ اٹھالیا جائے، اگر آپ عنایت کرنا ہی چاہتے ں، تو ہمیں اوپر کا وہ حصہ پانچ سو روپے ماہوار پر عنایت کردیں، ایڈوانس اگر آپ کی ضرورت ہے تو دو ہزار ہمارے پاس موجود ں اس سے زیادہ ممکن نہ ہوسکے گا، آپ کا حکم اگر مل جاتا تو ہمارے لئے آسانی ہوجاتی، پہلی تاریخ کا انتظار بھی نہ کرتے اور یہاں تقل ہوجاتے۔" پروانہ صاحب نے شعور کو دیکھا اور پھر بولے۔

"حساب دوستاں دل میں رہے تو زیادہ اچھا ہے اگر تم مجبور ہی کرتے ہو تو چلو ٹھیک ہے دے دیا کرنا میاں ہمیں پانچ سو پے ماہوار، مگر اب یہ بتاؤ کہ یہاں کب پہنچ رہے ہو؟"

"جب حکم فرمائیں۔"

"تو جانے کی ضرورت ہی کیا ہے، گھر حاضر ہے۔" پروانہ صاحب نے کہا اور شعور ہنس پڑا، پھر بولا۔

"ہم کل دن میں حاضر ہوجائیں گے، میں کل کی چھٹی لے لوں گا، آسانی سے یہاں سامان وغیرہ منتقل کردیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر طاہر میاں، یار زندہ صحبت باقی۔ کیا خیال ہے؟"

"جو حکم جناب، اجازت مرحمت فرمائیے۔" دونوں کھڑے ہوگئے، پروانہ صاحب انہیں دروازے تک چھوڑنے آئے ت
سلام دعا کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔

پروانہ صاحب پلٹے تو شمع بیگم پیچھے ہی موجود تھیں، جھجک کر ان کا چہرہ دیکھنے لگے تو شمع بیگم مسکرا دیں۔

"بس معافی چاہنے کے علاوہ آپ سے اور کیا کہہ سکتے ہیں؟"

"بچوں جیسی باتیں کرنے لگتے ہیں آپ بعض اوقات جو آپ کی خوشی ہوتی ہے، کیا میں اس سے کبھی منحرف ہوئی؟"

"بخدا اگر ایسا ہوتا تو زندگی اس قدر پر کیف نہ ہوتی تنہائی کے باوجود....."

دونوں دیر تک ان بچوں کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے۔ شمع بیگم نے کہا۔

"کسی اچھے گھر کے چشم و چراغ معلوم ہوتے ہیں کچھ پوچھا نہیں آپ نے؟"

"جی تو چاہا تھا مگر مصلحتاً خاموش ہوگئے۔"

"کیوں؟"

"سوچتے انٹرویو لے رہے ہیں شاید اس لئے کہ گھر کرائے پر دے رہے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔"

"مگر کوئی حرج نہیں ہے، اب تو ساتھ ہوگا بعد میں پوچھ لیں گے، ویسے ایک بات کہیں شمع بیگم۔"

"ضرور کہیں۔"

"اپنے اپنے سے نہیں لگے؟ پروانہ صاحب آہستہ سے بولے اور ان کی آواز بھرا گئی شمع بیگم کچھ نہ بولی تھیں۔ عمر گز
تھی دونوں نے ایک دوسرے کو چاہتے ہوئے بسر کی تھی لیکن کسی اور کو چاہے جانے کی آرزو دل سے نہ گئی تھی اب بھی ا
اپنے وجود کے پر تو کی تلاش تھی۔ ان کے کانوں نے کوئی معصوم تتلاتی نہیں سنی تھی لیکن طلب کہیں مرتی ہے۔ ؛
صاحب کو شاید شمع بیگم کی خاموشی کا احساس ہوگیا تھا فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور بولے۔ میرا مطلب ہے بڑی اپنائیت تھ
میں۔"

"ہاں۔ یہ تو ہے۔"

"ناشتہ بھی آپ نے خوب تیار کیا۔ بڑا اچھا تاثر لے کر گئے ہیں۔"

"آپ کو پسند آیا؟"

"ہماری پسند۔" پروانہ صاحب نے مسکرا کر ٹھنڈی سانس لی اور بولے۔ "ایک شعر سن لیں شمع بیگم۔"

"سنائیے۔"

"عرض کیا ہے۔"

جو الجھن تھی درپیش حل ہوگئی
تجھے دیکھتے ہی غزل ہوگئی
مرے دل میں جب سے مکیں تم ہوئے
یہی کوٹھری اک محل ہوگئی

"کیا خیال ہے؟"

"مجھے کیا معلوم؟" شمع بیگم نے شرماتے ہوئے کہا۔

"یہ سب حقیقت ہے شمع بیگم جب تک ہماری آرزوؤں کے چراغ روشن نہ ہوئے وہ نہ ملا ہمیں جو طلب فطرت ہے لیکن
ناآسودگیوں میں تنہا تو نہیں ہیں کتنے ہم جیسے ناآسودہ ہوں گے اور پھر جو آسودہ ہیں ان کے مسائل کچھ اور ہیں ان کی آسودگی کا
ودگیوں کا مسکن بن گئی ہے۔ جمیل احمد کو دیکھو اکلوتا بیٹا ہے مگر کیا نام روشن کرلیا ہے۔ جمیل احمد اس کے لئے کڑھتے کڑتے
ں اس کا اندازہ ہے مجھے۔"

"بے چاری فرزانہ گھر کا پورا بوجھ سنبھالے ہوئے ہے۔" شمع بیگم نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں اس معصوم سے اس کا مکان چھن گیا ہے گھر کی روشنی باہر کے اجالوں میں پھیل کر ختم ہوگئی ہے تو میں کہہ رہا
تھا..... ارے۔ افوہ کچھ بھول گئیں آپ شمع بیگم۔"

"کیا؟" شمع بیگم چونک کر بولیں۔

"یاد کیجیئے کچھ بھول گئیں۔"

"آپ یاد دلا دیجیئے!" شمع بیگم نے کہا۔

"غلام قادر کے بیٹے کا عقیقہ ہے شام کو! یاد ہے آپ کو؟" پروانہ صاحب بولے۔

"کیوں یاد نہ ہوگا!"

"واللہ۔ یاد ہے۔ چلیں گی آپ.....؟"

"ضرور چلیں گے۔"

"کچھ لینا دینا بھی تو ہوگا۔"

"میں نے بچے کے لئے دو جوڑے خرید لئے ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں۔" شمع بیگم نے کہا۔

"بہت خوب اور ہم پھر بھی قسمت کے شاکی ہیں بھئی انسان بڑا ناشکرا ہے جنت تو مختلف شکلوں میں ہوتی ہے۔
یب ہوتی ہے سامنے ہوتی ہے اور ہم اسے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔" پروانہ صاحب محبت بھری نظروں سے شمع بیگم کو دیکھنے
لگے اور ان کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا۔

فرزانہ نے کنگھا اٹھایا اور بالوں میں پھیرنے لگی۔ آئینے میں اس نے اپنے چہرے کو دیکھا۔ نجانے آج آنکھ اتنی دیر کیوں کھلی تھی حالانکہ ہمیشہ کی طرح وہ وقت پر سو گئی تھی۔ نیند بھی پرسکون ہی آئی تھی لیکن صبح نجانے کیوں دیر تک لگی رہ گئی۔ ویسے ابھی اتنا زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ فیکٹری جانے میں کوئی پریشان ہوتی لیکن صبح اٹھ کر تھوڑی بہت ستھرائی کر کے فریدہ بیگم کا ہاتھ بٹا دیا کرتی تھی۔ آج وہ نہیں ہو سکا تھا۔

فریدہ بیگم تو خیر ہمیشہ ہی منع کیا کرتی تھیں کہ ایک تو دن بھر فیکٹری میں محنت کرتی ہے پھر صبح ہی صبح گھر کے کارج بھی کرے لیکن فرزانہ مسکرا کر پیار سے انہیں ٹال دیا کرتی تھی۔

"اس سے کیا ہوتا ہے امی، ابھی تو میری عمر محنت کرنے کی ہے۔ آپ یقین کریں نہ میں ان چھوٹے موٹے کاموں سے تھکتی ہوں نہ فیکٹری میں ایسی کوئی تھکن ہوتی ہے۔ مجھے کون سے وزن اٹھانے پڑتے ہیں۔ آرام سے کام کرتی ہوں۔ بھی فیکٹری ائیر کنڈیشنڈ ہے۔ بڑا سکون رہتا ہے۔"

فریدہ بیگم تو اس سے شرمندہ رہتی تھیں کہ گھر کی ذمہ دار فرزانہ خواہ مخواہ بن گئی تھی۔ یہ اس کا کام تو نہیں تھا۔ فر کے لمبی لمبی انگلیوں والے سفید ہاتھوں کو دیکھتیں تو انہیں ان ہاتھوں پر مہندی رچی نظر آتی تھی لیکن پھر چشم تصور ان مہندی لگے ہاتھوں سے خون ٹپکتا دیکھتی تھیں یہ ان کا احساس تھا اور اکثر یہ احساس انہیں دن بھر پریشان رکھتا تھا کہ بے سہارا ہے فرزانہ، اتنا فاصلہ طے کر کے جاتی ہے کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ بارہا جی چاہا کہ فیکٹری کے ماحول کے بارے پوچھیں۔ یہ معلوم کریں کہ اسے کسی قسم کی ذہنی کوفت کا سامنا تو نہیں ہے۔ طرح طرح کے لوگ ہوتے ہیں لاکھ عورتیں کام کرتی ہیں مگر یہ وقت، یہ ماحول تو بڑا ہی عجیب ہے۔ ہر لمحہ خوف ذہن پر سوار رہتا ہے۔

شوہر سے تو خیر اس بات کی توقع ہی نہیں تھی کہ وہ کبھی فرزانہ کے تحفظ کے بارے میں سوچیں۔ شہباز بھی ایسا با ہوا تھا کہ اس نے اپنی شخصیت ہی مسخ کر کے رکھ دی تھی۔

بہر حال کوئی بات فریدہ بیگم کے بس میں نہیں تھی۔

فرزانہ کو اچانک ہی احساس ہوا کہ آج دیر سے آنکھ کھلنے کی وجہ کیا ہے۔ شہباز بڑی باقاعدگی سے اٹھ جاتا تھا۔ کبوتروں خدمت اس نے اپنا شعار بنا رکھا تھا اور کبھی انہیں انتظار نہیں کرنے دیتا تھا۔ آج درحقیقت اس کی آواز نہیں آئی تھی و جب سیٹی کی پہلی آواز فضا میں بلند ہوتی تو فرزانہ کتنی ہی گہری نیند سو رہی ہوتی جاگ جاتی۔ اول تو وہ خود صبح اٹھنے کی عاد تھی لیکن اگر کبھی ایسا ہوتا بھی تو شہباز اس طرح اسے جگا دیتا تھا۔ نجانے کیوں آج سیٹی نہیں بجی تھی اس کا دل بری طر دھڑکا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر شہباز کی خیریت معلوم کرنے کے لئے باہر نکلنا ہی چاہتی تھی کہ فریدہ بیگم اندر داخل ہو گئیں۔ چہر پر عجیب سے آثار تھے۔ وہ گھبرا کر بولی۔

"اماں بھیا کہاں ہیں؟"

"گیا ہوا ہے کہیں۔"

"کہاں؟"

"اب مجھے کیا معلوم کہاں گیا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کبوتروں کے چکر میں گیا ہوگا۔ شاید دانہ وغیرہ ختم ہو گیا ہے۔ یا تو بازار لینے گیا ہے یا پھر دانے کے لئے کسی سے پیسے ادھار لینے گیا ہوگا۔" وہ بیزاری سے بولیں۔

"آج مجھے ان کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔"

فریدہ بیگم نے کچھ نہ کہا فرزانہ نے انہیں غور سے دیکھا اور ایک دم چونک پڑی۔

"نہیں اماں کوئی اور بات ہے۔ خدا کے لئے بتائیے کیا بات ہے بھیا کہاں ہیں؟"

"ارے مجھے اس کے بارے میں تو کچھ نہیں معلوم۔ ایک مشکل آ پڑی ہے۔

"کیا اماں؟" فرزانہ نے ہولتے ہوئے پوچھا۔

"دراصل شام کو غلام قادر کے بیٹے کا عقیقہ ہے۔ سارے گھر کا بلاوا ہے اور ہمارے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ مہینے کا آخر ہے پیسے سارے خرچ ہو گئے ہیں بس سامان پڑا ہے تھوڑا بہت گھر میں کھانے پینے کا۔ سات تاریخ نکالنی ہے۔ تین دن یہ اور سات دن وہ۔ دس دن ہیں۔ چلو کھانے پینے کی تو جیسے اللہ کرے گا ہو ہی جائے گی۔ مگر عقیقے میں دینے کے لئے کچھ پیسے تو چاہیئے ہوں گے۔"

"کتنے پیسے اماں؟" فرزانہ نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کم از کم اکیس روپے۔" فریدہ بیگم نے کہا اور فرزانہ سوچ میں ڈوب گئی۔ چند لمحات خاموش رہی پھر بولی۔

"اماں میرے پاس تو بس بارہ روپے بچے ہیں اور آپ کو پتہ ہے کہ یہ بارہ روپے مجھے کیسے خرچ کرنے ہیں۔ اکیس روپے کا بندوبست ہم کیسے کریں گے۔ یہ شہباز بھیا کبوتروں کے لئے دانہ لینے تو چلے گئے مگر انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ گھر میں۔" فرزانہ کو اچانک ہی احساس ہو گیا کہ غلط باتیں کرنے بیٹھ گئی ہے۔ نتیجہ تو کچھ نہیں نکلے گا سوائے اس کے کہ شہباز کو کوسنے پڑیں گے کچھ بھی تھا اس کا بھائی تھا وہ اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسائل کا بوجھ ہر جذبے کو دبا لیتا ہے۔

فرزانہ خاموشی سے کچھ سوچنے لگی تو فریدہ بیگم نے کہا۔

"میرا یہ مطلب تھوڑی تھا کہ تم پریشان ہو جاؤ۔ اللہ مالک ہے دیکھوں گی کیا کر سکتی ہوں۔"

"اماں اگر ہو سکا تو اپنی کسی دوست سے مانگنے کی کوشش کروں گی۔ ہمارا لین دین تو چلتا ہی ہے۔"

"ارے نہیں بیٹی کبھی ایسا کیا تو نہیں ہے۔"

"نہیں اماں ڈر لگتا ہے مجھے۔ اپنی غربت سے۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا تو بھرم ٹوٹ جائے گا بلکہ پانچ دس روپے کسی کو دے ہی دیا کرتی ہوں۔ مانگے نہیں ہیں کسی سے آج تک۔"

فریدہ بیگم تڑپ کر بولیں۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ انتظام میں خود ہی کر لوں گی تم اپنے ذہن کو آزاد رکھو۔ یہ بتاؤ شام کے لئے کون سے کپڑے تیار کر دوں؟"

"میرا جانا ضروری ہوگا اماں۔"

"جانا تو چاہیئے فرزانہ۔"

"نہیں اماں، مجھے تو معاف رکھیئے آپ۔ اب دیکھیئے نا فیکٹری سے آنے میں ہی دیر ہو جائے گی۔ سارا موڈ تو وہیں چوپٹ ہو چکا ہوتا ہے۔ چھٹی والا دن ہوتا تو چلیئے کوئی بات نہیں تھی شریک ہو جاتی۔ آپ اور ابا چلے جائیے۔ شہباز جائیں تو انہیں بھی لے جائیے۔ میں واپس آنے کے بعد گھر کا تھوڑا بہت کام ہی کر لوں گی۔ بہت سے ایسے کام ہیں جو مجھے کرنے ہیں روزانہ سوچتی ہوں مگر رہ جاتے ہیں۔"

"تو تم نہیں چلو گی۔"

"نہیں اماں...... آپ چلی جائیے گا اور پھر اتنا کون سوچتا ہے مگر وہ اکیس روپے کا مسئلہ میرے ذہن میں دن بھر اٹکا رہے گا۔"

"تم سے تو میں زبان کھول کر پریشان ہو جاتی ہوں ایسے ہی پوچھ لیا تھا کہ شاید رکھے ہوں۔ حالانکہ حماقت ہے میری جو کچھ ہے تمہارے پاس، اس کا حساب میرے پاس ہوتا ہے۔ پیسے ہی کتنے ہوتے ہیں گنے چنے پیسوں میں سے جو خرچ تمہارا ہے وہ بھی میرے علم میں ہے۔"

"اچھا اماں چھوڑیئے تو آپ کر لیں گی بندوبست۔"

"اللہ مالک ہے۔ کچھ نہ کچھ کر دوں گی۔ جمن سے ادھار لے لوں گی۔ سات تاریخ کے وعدے پر۔ اب بیٹی خلے داری تو

نبھانی پڑتی ہے۔ حالانکہ اس دور میں اکیس روپے کوئی دینے کی چیز نہیں ہے لیکن ہم اپنی چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلا سکتے ہیں۔ چلو تم اپنا کام کرو میں چائے لاتی ہوں۔"

فریدہ بیگم باہر نکل گئیں۔ فرزانہ نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا بال پوری طرح درست نہیں ہوئے تھے۔ ہاتھ میں کنگھا پکڑے آئینہ دیکھتی رہی اس کے بعد کنگھا واپس رکھ دیا۔ گردن جھٹک کر میز پر رکھے پرس کے پاس آ بیٹھی۔ اسے کھول کر دیکھتی رہی تھی۔ اتنی دیر میں فریدہ بیگم چائے وغیرہ لے آئی تھیں۔ ماں کو دکھ نہ ہو اس خیال سے اس نے چہرے پر مسکراہٹ پیدا کی اور چائے کی جانب متوجہ ہو گئی۔

باہر سے شہباز کی آواز آئی تھی۔ غالباً جمیل احمد سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ فریدہ نے دونوں کی آوازیں سنیں تو "خدا خیر کرے" کہہ کر باہر نکل آئیں۔ شہباز ہاتھ میں بھورے رنگ کا لفافہ پکڑے اندر داخل ہوا تھا اور بدقسمتی سے جمیل احمد کا سامنا ہو گیا تھا۔ جمیل احمد نے کڑک دار آواز میں کہا۔

"رکو۔" اور شہباز کسی فوجی کی طرح اٹینشن ہو گیا۔

"ارشاد عالی" اس نے کہا۔

"بہت زیادہ مہذب بننے کی کوشش کر رہا ہے اس میں کیا ہے؟"

"ابا قسم لے لیجیئے کوئی ناجائز چیز نہیں ہے معصوم جانوروں کی خوراک ہے۔" شہباز نے بڑے مہذب انداز میں کہا۔

"اس گھر میں تیرے خیال میں کون رہتا ہے؟"

"بڑے عظیم لوگ ابا جن کی عظمت کو ہزاروں سلام کئے جا سکتے ہیں۔"

"ہماری بھی کچھ ضرورتیں ہیں شہباز۔ جانوروں کے لئے دانہ تو مہیا کر لیتا ہے تو، یہاں کی ضرورتوں پر بھی کبھی غور کیا؟"

"بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں ابا جن پر غور کرنے سے ان کا کوئی حل نہیں ملتا۔ ہم بلا ضرورت اپنے آپ کو اتنی گہرائیوں میں اتار دیا کرتے ہیں کہ پھر واپس اوپر آنا ہمارے بس میں نہیں ہوتا لیکن معصوم جانور انسانوں سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ بے لوث، بے غرض ہوتے ہیں۔ ہم اگر ان کا خیال نہ کریں تو ان کے پاس وسائل نہیں ہوتے ابا۔"

"غلام قادر کے بیٹے کا عقیقہ ہے اور ہمارے پاس دینے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ ہمیں پیسے چاہئیں۔"

"غلام قادر کے بیٹے کا عقیقہ ہے۔ ارے اوہو اچھا جبھی یہ سوزوکیوں پر سوزوکیاں آئی جا رہی ہیں کسی میں شامیانے کسی میں میزیں۔ کسی میں کرسیاں۔ ابا بڑے خوش نصیب ہیں یہ لوگ۔ خود بھی کھا لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلانے کا انتظام کر لیتے ہیں کچھ پتہ ہے آپ کو پک کیا رہا ہے؟"

"شہباز! میں نے تجھ سے کچھ کہا ہے۔"

"ہاں ابا، وہ کہا ہے آپ نے جو اس دور میں ممکن نہیں ہے مگر رک جائیے کچھ فرض ہے میرا۔ ٹھیک ہے میں کچھ انتظام کر دوں گا۔"

فریدہ بیگم دروازے میں کھڑی باپ بیٹے کی یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ شہباز کے الفاظ سے حیران ہو گئیں لیکن منہ سے کچھ نہ بولیں۔ جمیل احمد غالباً اس وعدے پر خاموش ہو گئے تھے۔ موڈ بہت زیادہ خراب نہیں ہوا تھا۔ شہباز نے دو ایک چبھتی ہوئی باتیں تو کہی تھیں لیکن قابل برداشت تھیں، خصوصاً ان الفاظ پر کہ اس نے کچھ نہ کچھ کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ کھڑکی کے راستے چھت کی بلندی پر پہنچ گیا۔ جمیل احمد صاحب اپنے کمرے کی طرف چل پڑے اتنی دیر میں فرزانہ تیار ہو کر باہر نکل آئی۔

"اچھا اماں خدا حافظ۔ ذرا گھر کے حالات کا خیال رکھیئے گا۔"

فریدہ بیگم نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ کم از کم بیٹی کو تو پر سکون طریقے سے رخصت کیا جائے۔ جمیل احمد کے سامنے تو کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ البتہ دبی دبی آواز میں شہباز کو پکارنے لگیں۔ شہباز نے منڈیر سے جھانک کر نیچے دیکھا۔

"کیا بات ہے اماں؟"

"چائے نہیں پیئے گا کیا۔"

"پی لی۔"

"کہاں؟"

"دوستوں میں۔"

"ہوں۔ کچھ کھائے گا؟"

"نہیں اماں۔ تمہارا شکریہ۔"

"وہ ابھی تو نے کچھ کہا تھا۔ انتظام وغیرہ کرنے کے لئے۔"

"تم بالکل فکر مت کرو اماں۔"

"نہیں بھئی مجھے تو فکر ہوگی آخر شام کو شرکت کرنی ہے۔ جب تک کچھ نہ کچھ دینے کے لئے ہاتھ میں نہ آ جائے میں کیسے اطمینان کر سکتی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے کچھ کرتا ہوں ذرا ہتھوڑی نکال دو نمبر ۴" شہباز نے کہا اور پھر کبوتروں میں مصروف ہو گیا۔ سیٹیوں کی آوازیں اب ابھرنا شروع ہوئی تھیں۔

دوپہر کے تقریباً ڈھائی بجے تھے فریدہ بیگم اس وقت تک شہباز سے کئی بار تقاضے کر چکی تھیں۔ یہ نیچے آ رہا تھا۔ ہتھوڑی لے کر اوپر گیا تھا، پھر تھوڑی دیر کے بعد بازار بھی گیا اور وہاں سے واپس [illegible] گیا۔ تقریباً تین بجے اس نے نیچے آ کر ایک چوکور بکس جمیل احمد کے سامنے فریدہ بیگم کو پیش کر دیا۔ بکس پر خوبصورت کاغذ چڑھا ہوا تھا۔

"کیا ہے یہ؟" فریدہ بیگم نے حیران نگاہوں سے شہباز کو دیکھا۔

"اماں تحفہ پیک کر دیا ہے میں نے۔ رکھ لو احتیاط سے [illegible] شاندار چیز ہے۔"

"کیا ہے؟" اس بار جمیل احمد نے سوال کیا۔

"ابا جو کچھ بن پڑا کر دیا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"لا نا دکھانا مجھے۔" جمیل احمد نے ڈبا ہاتھ میں لیا۔ پکڑا [illegible] اندر سے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی۔ جمیل احمد صاحب چونک پڑے۔ ایک لمحے تک سوچتے رہے اور پھر انہوں نے وہ خوبصورت کاغذ پھاڑ ڈالا جو بازار سے تین روپے کا لایا گیا تھا۔

"ارے ارے ابا..... ابا۔ کیا کر رہے ہیں یہ کیا کر رہے ہیں؟"

"کیا ہے اس میں؟" جمیل احمد صاحب نے پیٹیوں سے بنائے ہوئے چوکور ڈبے کا اوپری حصہ کھینچتے ہوئے کہا۔ جس میں ہلکی ہلکی کیلیں لگا دی گئی تھیں۔ جگہ جگہ اس میں ننھے ننھے چھوٹے سوراخ چھوڑے گئے تھے۔ کاغذ کے ریپر میں بھی ننھے ننھے سوراخ رکھے گئے تھے۔ جمیل احمد صاحب کو پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اندر کیا ہو سکتا ہے۔ جونہی اوپر کا ڈھکن کھلا۔ ڈبے میں بیٹھا ہوا کبوتر اندر کو دب گیا۔ جمیل احمد صاحب کی آنکھیں کبوتر کے خون ہی کی طرح سرخ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے خونخوار نگاہوں سے شہباز کو دیکھا اور پھاڑ کھانے والے انداز میں بولے۔

"اور یہ ڈبا میں غلام قادر کو پیش کرتا..... کیوں؟"

"باپ کی موجودگی میں بیٹے کی کیا مجال ہو سکتی تھی کہ تحفہ دیتا لیکن ابا تم نے یہ تین روپے کا کاغذ تو پھاڑ دیا۔"

جواب میں جمیل احمد صاحب نے ایک موٹی سی گالی دی اور غرا کر ڈبے میں ہاتھ ڈال کر کبوتر کو نکال لیا۔ خوبصورت سفید اور کتھئی رنگ کا کبوتر تھا دیوانگی کے عالم میں جمیل احمد صاحب نے اس کی گردن پکڑ کر مروڑ دی اور معصوم پرندے کی آنکھوں میں مردنی چھا گئی۔ شہباز کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی تھی۔ جمیل احمد صاحب نے ڈبا دیوار پر مارا اور کبوتر کو [illegible]

پھونک دیا۔ شہباز نے ایک نگاہ باپ کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں خون کا سمندر موجزن ہوگیا تھا۔ وہ جمیل صاحب کو دیکھتا رہا پھر اس کی نگاہیں کبوتر کی جانب اٹھیں۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور کبوتر کے مردہ جسم کو ہاتھوں میں اٹھالیا وہ نگاہیں جمائے کبوتر کو دیکھ رہا تھا اور فریدہ بیگم تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ شہباز کی آنکھوں کے خونخوار تاثرات انہوں نے دیکھ لئے تھے۔ پھر جب شہباز نے دوبارہ ان کی جانب دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو نظر آرہے تھے۔ وہ گلوگیر لہجے میں بولا۔

"خدا کی قسم ابا، آپ نے ہم سب کی گردن بھی اسی طرح مروڑ دی ہے ابا آپ نے ہم سب کو بھی اسی طرح مارڈالا ہے۔ کب تک یہ ظلم کریں گے۔ کب تک یہ تشدد کریں گے ہم پر ابا۔ کتنے کبوتروں کو ماریں گے آپ؟"

جمیل صاحب کی تو بس ایک ہی چلتی تھی گالیاں بکتے ہوئے اسفنج کی چپل اٹھائی اور تڑاتڑ شہباز پر شروع ہوگئے۔ عموماً ایسے موقعوں پر شہباز اگر کبھی پھنس بھی جاتا تو ایک آدھ ہی چپل کھالیا کرتا تھا اور اس کے بعد فرار ہوجاتا تھا۔ جمیل صاحب میں بھلا اتنا دم خم کہاں کہ اسے پکڑ سکتے۔ مگر اس وقت وہ گردن جھکائے کبوتر کو دیکھ رہا تھا اور جمیل صاحب اس کے شانوں پر سر پر چہرے پر چپل کے مسلسل وار کررہے تھے۔ فریدہ بیگم کے حلق سے بھنچی بھنچی آوازیں نکل رہی تھی۔ مگر شہباز نے اپنے جسم کو جنبش بھی نہ دی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چپلیں کسی دیوار پر پڑرہی ہوں۔ اس کی نظریں کبوتر پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے ابا آپ کا کیا خیال ہے جو کچھ آپ کررہے ہیں اس سے میری اصلاح ہورہی ہے۔ جو لوگ زندگی سے بیزار ہوجاتے ہیں وہ اذیت پسند بن جاتے ہیں۔ آپ کی یہ مار تو میرے جلتے ہوئے ذہن کو سکون دے رہی ہے ابا۔ اماں چھت پر جا رہا ہوں آج سارا دن اپنے اس کبوتر کا سوگ مناؤں گا۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ ہم انسانوں سے تو محبت نہیں کرسکتے۔ مگر ان معصوم جانوروں کے ساتھ بھی اس بے رحمی کا سلوک کرسکتے ہیں افسوس۔" وہ کبوتر کو سینے سے لگائے ہوئے کھڑکی کی جانب بڑھ گیا۔

فریدہ بیگم خاموش کھڑی ہوئی تھیں۔

"دیکھا تم نے اسے۔ میری ہنسی اڑوانے چلا تھا ارے میں تو یہی سمجھا تھا کہ اس ڈبے میں کوئی کام کی چیز ہوگی اور میں یہ کبوتر پیش کردیتا غلام قادر کے بیٹے کے عقیقے میں اور اس کے بعد کیا منہ دکھانے کے قابل رہتا اس گلی میں کسی کو؟"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ بالکل ٹھیک کہتے ہیں، واقعی وہ اس قابل ہے کہ اسے اسی کبوتر کی طرح ماردیا جائے۔ آپ نے چپل کا استعمال غلط کیا۔ کیا گھر میں دوسری چیزیں نہیں ہیں۔ پتھر کی وہ سل ہے اس کا بٹا ہے لوہے کا [illegible] ہوا پایہ ہے ہاتھ میں لیتے اور اتنا ہی مارتے اسے جتنا آپ نے اسے چپلوں سے مار" اسفنج کی چپلوں کی مار بھی کوئی مار ہے۔ یہ منافقت ہے فیصلہ کرنا چاہئیے آپ کو ٹھوس اور مضبوط فیصلہ ختم کردینا چاہئیے اس کے بے کار وجود کو۔ فریدہ بیگم [illegible] سے بولیں۔

"بس بس زیادہ منطقی بننے کی کوشش مت کرو میرے سامنے۔ پتہ نہیں تم ماں بیٹوں نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہل چلاڈالے ہیں میں نے تمہاری فصلوں پر۔ پتہ نہیں، پتہ نہیں۔" جمیل احمد صاحب غصیلے انداز میں [illegible] اور واپس نکل گئے جو کر بیٹھے تھے وہ تو جنون کے عالم میں کر ہی ڈالا تھا۔ لیکن شاید دل کے کسی گوشے میں معصوم کبوتر کی [illegible] چبھی تھی۔

فریدہ بیگم کافی دیر تک اسی طرح کھڑی رہیں۔ پھر وہاں سے ہٹیں اور ایک گوشے میں جاکر زاروقطار رونے لگیں۔ شہباز کے الفاظ انہیں یاد آرہے تھے۔ "خدا کی قسم ابا آپ نے ہم سب کی گردنیں بھی اسی طرح مروڑ کر رکھ دی ہیں۔" [illegible] ہی تو کہتا ہے وہ مگر اب کیا کیا جاسکتا ہے۔

بہت دیر تک روتی رہیں اس کے بعد خیال آیا کہ وقت کافی ہوچکا ہے عقیقے میں تو جانا ضروری ہے گھر کی باتیں گھر میں۔ باہر کے مسئلے باہر دیکھنے پڑتے ہیں۔ لوگ کیا سمجھیں گے لوگوں کو کیا معلوم کہ ہمارے گھر میں کیا ہورہا ہے۔ ہمارے حالات کیسے

ہیں۔ جانا پڑے گا۔

بہت دیر تک سوچتی رہیں پھر ججن بی یاد آئیں۔ ججن بی سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ آتی جاتی رہتی تھیں۔ محلے کی کہانیاں سناتی رہتی تھیں، کسی گھر کی کوئی تفصیل پوچھنی ہو بس ججن بی کو پان کا ایک بیڑا کھلا دو اور پھر جو جی چاہے معلوم کر لو۔ اچھی خاصی حیثیت کی مالک تھیں۔ لیکن رہن سہن ذرا نچلے درجے کا تھا۔ لیکن ایسے ہی لوگوں کے پاس پیسے ہوا کرتے ہیں۔ ایک ہی ترکیب رہ گئی تھی کہ ججن بی کے پاس جائیں اور ان سے پچیس روپے قرض مانگ لیں۔ سات تاریخ کے وعدے پر۔ چادر سر پر ڈالی خاموشی سے کسی سے کچھ کہے سنے بغیر دروازے سے باہر نکل گئیں۔ دل پر جو کچھ بیت رہی تھی، گم جو کچھ ہوا تھا اسے چہرے سے مٹانے کے بعد وہ ججن بی کے گھر کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ دروازے کی زنجیر بجائی تو دروازہ ججن بی نے کھولا تھا۔

"لے واری صدقے فریدہ بیگم۔ آؤ بھئی آؤ، خدا کی قسم اتنی لمبی عمر پائی ہے تم نے کہ بس کیا کہوں۔ ایک منٹ پہلے تمہارے ہی بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"خاک عمر پائی ہے ججن بی آپ تو دعا کیجیے کہ اللہ کسی کی آئی ہمیں آ جائے۔"

"لے بوا تمہیں کیا ہوا؟" ججن بی نے حیرانی سے منہ پھاڑ کر کہا۔

"بس زندگی بڑی تلخ ہو گئی ہے۔"

"آؤ آؤ اندر آؤ۔ بیٹھو پان کھاؤ گی۔"

"نہیں ججن بی، آپ کو معلوم ہے کہ میں پان نہیں کھاتی۔ دلہن کہاں گئیں؟"

"اندر بچوں کو صاف ستھرا کر رہی ہے۔ میں بھی نہانے جا رہی تھی۔ بس یوں سمجھ لو غسل خانے میں پانی گرم کر کے رکھ دیا ہے، لے بوا ساری زندگی گزر گئی ٹھنڈے پانی سے نہانا اپنے بس کی بات نہیں۔ سردی گرمیاں ہوں یا کڑے جاڑے ہمیشہ گرم پانی سے نہاتی۔ بہو نے پانی گرم کر کے رکھا ہے۔ صابن وغیرہ رکھ دیا ہے مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اماں نہا لو۔ لے شام کو عقیقے میں جانا ہے نا۔"

"ہاں ہاں۔ بالکل بالکل وہ آپ کے پاس ایک کام سے آئی تھی ججن بی۔"

"ہاں ہاں۔ جھجک کیوں رہی ہو۔ ہم کوئی غیر ہیں۔"

"کچھ پیسے چاہئیں تھے مجھے۔"

"ایں۔" ججن بی نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"جی ہاں۔ ایک پچیس روپے کی ضرورت ہے، سات تاریخ کو جیسے ہی فرزانہ کی تنخواہ ملی سب سے پہلے آپ کے پیسے واپس کر دوں گی۔"

"اے ... بی بی، فریدہ بیگم کیسی ... تم نے ... کیا بتاؤں کیا کہوں تم سے۔ بیٹا خرچ کے لئے جو دیتا ہے اسے بی بی وہ تو پندرہ دن میں ... پیسے ہیں، تم ذرا غور تو کرو موئے پنواڑی سے پان لینے جاؤ تو اول تو سادہ پان نہیں ہے لگا پان ... روپے کا بکتا ہے بھلا سادہ پان ... کا دے۔ بڑی مشکل سے دو چار روپے کے دو پان دے دیتا ہے اور چھالیہ، لے بی بی کو ... تو یوں ... کے بہانے ... رہا ہے۔ بس کتھے چونے چھالیہ میں پیسے خرچ ہو جاتے ہیں، چھوٹے بچے ... داری ہوں ... مانگ ... نے اٹھنی مانگ لی۔ بی بی چونی دونی کی تو کوئی چیز آتی ہی نہیں ہے ہمارا زمانہ تھا۔ دھیلہ لے کر نکل جاؤ جو جی ... ہائے ... کیا وقت آ گیا۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ... بہت تبدیل ہو گیا اب تو پیسے کی کوئی قدر ہی نہیں رہی مگر آپ پچیس روپے ... نہ کہیں سے مہیا کرنا ہی ... میں بہت کم ادھار مانگتی ہوں بس یوں سمجھ لیجیے ایسی ہی ضرورت

آ پڑی ہے۔"

"لے کیا ضرورت آ پڑی آخر تمہیں؟"

"بس ججن بی اگر ممکن ہو سکے تو آپ میرا یہ کام کر دیجیے بڑا احسان مانوں گی آپ کا۔ سات تاریخ سے یوں سمجھ لیجیے کہ پانچ بجے کے بعد ایک منٹ آگے نہیں ہو گا۔"

"لے بی بی میرے پاس ہوتے تو خدا قسم کبھی منع نہ کرتی، ہیں ہی نہیں۔ بس کیا بتائیں، یوں سمجھ لو عزت چھپائے ہوئے ہیں۔ بیٹے کی آمدنی کون سی زیادہ ہے بس یوں کہو اللہ روٹی پیٹ بھر کے دے دیتا ہے۔ بچتے کہاں ہیں پیسے۔" ہزاروں باتیں ججن بی نے بنا ڈالیں۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں آپ کے پاس ہوتے تو آپ ضرور دے دیتیں۔" فریدہ بیگم کے لہجے میں مایوسی رچی ہوئی تھی۔ بڑی دلبرداشتہ ہو گئی تھیں وہ۔ واپس مڑیں تو ججن بی کہنے لگیں۔

"لے بیٹھتیں کچھ دیر۔ ابھی نہا کر آ جاتی ہوں۔"

"نہیں ججن بی، جانا ہے۔" فریدہ بیگم واپس مڑیں تو اندر سے ججن بی کی بہو باہر نکل آئی۔ مسکرا کر بولی۔

"آہا۔ فریدہ باجی آئی ہیں۔ آئیے آئیے آپ چلیں کہاں؟"

"نہیں شاہدہ جانا ہے کچھ کام ہیں۔"

"ارے واہ بیٹھئے تو سہی ایک گلاس پانی تو پی لیجیے، بیٹھئے ناں فریدہ باجی۔" اس نے فریدہ کا بازو پکڑ کر اسے پلنگ پر بٹھا دیا۔ ججن بی نے کہا۔

"پانی ٹھنڈا ہو رہا ہو گا فریدہ تم بہو سے باتیں کرو میں ابھی نہا کر نکلی۔"

"نہیں ججن بی، بس اب جاؤں گی۔" فریدہ بیگم نے کہا۔

"ارے باجی۔ کمال ہے اول تو آپ گھر سے نکلتی نہیں ہیں پھر آئیں ہیں تو ہوا کے گھوڑے پر، ذرا ایک منٹ رکیں چائے تیار ہے، ایک پیالی چائے پی لیں۔"

"ارے نہیں شاہدہ خدا تمہیں بہت دے، اتنا وقت تو واقعی میرے پاس نہیں ہے بس ضد نہ کرو پھر کسی وقت آؤں گی پی لوں گی، میرا گھر ہے کیا تکلف کروں گی اپنے گھر میں۔" فریدہ نے ایک نظر ججن بی کی طرف دیکھا اسی وقت ججن بی نے غسل خانے سے منہ نکال کر کہا۔

"لے بہو، تھوڑا سا پانی اور گرم کرنے کو رکھ دیجیو کم نہ پڑ جائے۔"

"رکھ دیا ہے اماں آپ آواز دے کر مانگ لیں۔" شاہدہ نے وہیں سے کہا اور ججن بی نے غسل خانے کا دروازہ بند کر لیا، شاہدہ نے جلدی سے اپنی مٹھی فریدہ بیگم کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"فریدہ باجی! یہ پچیس روپے ہیں، رکھ لیجیے خاموشی سے، چپ چاپ رکھ لیجیے۔"

"ایں۔" فریدہ بیگم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"خدا کے لئے سوال جواب نہ کیجیے میں نے آپ کی بات سن لی تھی۔ بھلا اماں کسی کو کچھ دیں گی آپ بھی کس سے مانگنے بیٹھ گئیں۔ براہ کرم یہ رکھ لیجیے چپ چاپ اور آپ کو خدا کا واسطہ اماں کو نہ بتائیے میرا آپ کا حساب میں جانوں آپ جانیں۔"

"شاہدہ۔"

"ارے بابا، میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی ہوں کہ ایک لفظ بھی نہ کہیں بس مجھ سے یہ کہہ کر نکل جائیں کہ اس وقت آپ کے پاس وقت نہیں ہے، آپ کا احسان مانوں گی میں۔" فریدہ بیگم نے عجیب سی نظروں سے شاہدہ کو دیکھا اور اس کے بعد

گہری سانس لے کر پلنگ سے کھڑی ہو گئیں۔

"شاہدہ، چائے پھر کبھی پی لوں گی۔" انہوں نے شرمندہ شرمندہ سے لہجے میں کہا، شاہدہ کہنے لگی۔

"آپ کی مرضی ہے کبھی کبھی آجایا کریں ناں، آپ تو گھر سے نکلتی ہی نہیں ہیں۔"

"آؤں گی، ضرور آؤں گی۔" فریدہ بیگم بولیں اور دروازے کی جانب بڑھ گئیں، انہوں نے دروازے میں رک کر متشکر نگاہوں سے شاہدہ کو دیکھا، شاہدہ ان کی طرف دیکھ کر بڑے آسودہ انداز میں مسکرا رہی تھی اور پھر فریدہ بیگم خاموشی سے باہر آئیں۔

❀

گلی میں بینڈ کی آواز ابھری تو ثریا کے ہاتھ سے چینی کی پلیٹ گرتے گرتے بچی وہ برتن دھو رہی تھی۔ پروین اندر کمروں میں جھاڑو لگانے کے بعد پوچا لگا رہی تھی دوڑتی ہوئی باہر نکلی اور پھسل کر گرتے گرتے بچی، سامنے ہی سے فاطمہ آرہی تھیں۔ اور کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ پروین نے بڑی مشکل سے کواڑ کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے روکا۔ فاطمہ بیگم اسے گھورنے لگی تھیں۔

"لو پروین خدا، تجھے نیکی دے انسانوں کی طرح چلنا پھرنا سیکھ یہ کد کڑے لگانے سے ہاتھ منہ لوٹتے ہیں۔ لنگڑی لولی کو رشتہ بھی نہیں ملے گا اور حکمت علی کو ساری زندگی سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا۔ لے میں کہتی ہوں یہی سکھایا ہے ماں نے تجھے؟"

پروین فاطمہ بیگم سے کنی کترا کر باہر نکلی۔ اندازہ تھا کہ ثریا باورچی خانے میں موجود ہے وہ تو خیر فاطمہ بیگم کی بات انداز کر کے باہر نکل گئی لیکن فاطمہ بیگم کے الفاظ نسیم بیگم نے سن لئے کچھ کام ہی کر رہی تھیں۔ باہر نکلیں اور کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں اور کہنے لگیں۔

"اماں! بڑھاپے میں لوگ صرف اللہ اللہ کرتے ہیں۔ بڑے بڑے بزرگوں کو دیکھا ہے لیکن تمہارا واسطہ اللہ سے نہ ہو کر شیطان سے براہ راست تعلق ہو گیا تمہارا، لے میں کہتی ہوں اگر وہ تیز چلتی ہے تو میں نے اسے سکھایا ہے۔ مگر دل میں ہر وقت میری ہی آگ لگتی رہتی ہے۔ تلاش کرتی ہو کہ کہاں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر مجھے برا کہنے کے لئے کوئی موقع نکالو۔"

"تو میں نے کون سا تیر مار دیا تمہارے کلیجے میں، کیا کہا ہے میں نے، لو اچھی خاصی اپنے کام دھندوں سے لگی ہوئی تھی یہ سوچ کر نکل آئیں کہ چلو ذرا منہ کی بھاپ نکل لی جائے میں ہی رہ گئی ہوں تمہارے اس منہ کی بھاپ نکالنے کے لئے بی بی میاں کا چھوڑا کھاتی ہوں تمہارے میاں کا دیا نہیں کھاتی آخر کس بات پر تم مجھے اتنے نخرے دکھاتی ہو۔ ایں؟"

"میں نخرے دکھاتی ہوں، اچھی خاصی اپنے کمرے میں کام کر رہی تھی لیکن آپ کو صبر ہوتا ہے آپ تو ہر وقت تلاش کرتی رہتی ہیں" پروین بھاگ کر ثریا کے پاس پہنچ گئی اور بولی۔

"ثریا، اثریا سن رہی، ہو محلے میں بارات آئی ہے،"

"ہاں آواز تو میں بھی سن رہی ہوں۔"

"بس کیا کہیں ان دادی اماں کو، ایک سیڑھی نہیں لانے دی ابا کو، ابھی لگاتے چھت پر جاتے اور بارات دیکھتے محترمہ ہیں کہ صحن میں کھڑی ہوئی اماں سے لڑ رہی ہیں ارے کہیں ان کے لئے کوئی میدان جنگ بنا دیا جائے جس میں آرام سے لڑتی رہا کریں، خواہ مخواہ ہم کو بھی پریشان کرتی ہیں اب صحن میں نکل کر جائیں گے دروازے سے جھانکیں تو قیامت آجائے گی کیا کریں ثریا؟"

"مجبوری ہے چھت پر بھی نہیں جایا جاسکتا، دروازے پر وہ جانے نہیں دیں گی۔"

اور ابا جی تو گھر میں ہیں، خدا کرے ابا ان دونوں کے درمیان مداخلت کریں۔ اور ان کا جھگڑا ختم ہو جائے اماں

اندر لے جائیں تو ہمارا کام بن جائے۔"

"آؤ چلتے ہیں۔" ثریا نے کہا اور دونوں دبے قدموں باورچی خانے سے نکل آئیں۔

صحن میں معرکہ گرم تھا، بے چارے حکمت علی صاحب غسل خانے میں تھے اس لئے وہ ابھی تک اس معرکے میں دخل نہ دے پائے تھے۔ مورچہ بندی ہو چکی تھی اور دونوں غنیم ایک دوسرے پر مسلسل چوٹیں کر رہے تھے دونوں لڑکیاں ان کی نظروں سے بچتی ہوئی دروازے تک پہنچیں۔ دروازے میں ذرا سی جھری پیدا کی اور جھانک کر باہر دیکھنے لگیں۔ بینڈ باجہ بج رہا تھا درمیان میں گھوڑا موجود تھا جو ساز سے سجا ہوا تھا۔ گھوڑے کی پشت پر ایک چھوٹا سا بچہ بیٹھا ہوا تھا اسے سلمے ستارے کا بنا ہوا پہنایا گیا تھا۔ زرق برق کپڑے تھے ایک صاحب نے گھوڑے کی پشت پر اسے سنبھالا ہوا تھا اور گھوڑا اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ بینڈ باجے والے پوری جولانی کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے رہے تھے"

"کیا یہ دولہا ہے؟" پروین نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"نہیں کوئی اور چکر ہے؟"

"ارے وہی بچہ تو نہیں ہے جس کا عقیقہ ہو رہا ہے؟"

ثریا بولی۔

"وہی لگتا ہے بالکل وہی، یہاں ایسے علاقوں میں یہ سب کچھ بھی بڑی باقاعدگی سے ہوتا ہے۔"

"آتا تو مزہ ہے ہائے دادی اماں اگر گھر میں ایک سیڑھی لگ جاتی تو تمہارا کیا بگڑ جاتا، ویسے پروین ہماری دادی اماں بڑی خود غرض ہیں۔"

"دیکھو بھئی تم دادی اماں کی برائی میرے سامنے مت کیا کرو۔" ثریا بولی۔

"ارے تو حقیقت کہہ رہی ہوں کوئی غلط کہہ رہی ہوں۔"

"کیوں، دادی اماں نے کیا کیا ہے کون سی خود غرضی دکھائی ہے انہوں نے؟"

"تمہیں یاد نہیں کہہ رہی تھیں کہ اگر سیڑھی لگ گئی تو میرے کس کام کی، مجھ سے تو چڑھا بھی نہیں جائے گا اب تم دیکھو بزرگ بچوں کے لئے کیا نہیں کرتے۔ انہوں نے سیڑھی صرف اس لئے لگانے نہیں دی کہ خود اس کے ذریعے وہ چھت پر نہیں پہنچ سکتیں اگر صحن میں زینہ ہوتا پکا بنا ہوا تو ہماری دادی اماں بیگم چھت پر نہ جاتیں۔"

"جاتیں تو کیا ہوتا انہیں کون دیکھتا؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ ہے کہ دادی اماں کا چھت پر کھڑے ہونا کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں تھی۔"

"ہاں ہم ہی بس کوہ قاف کی پریاں ہیں کہ سب کی نظریں ہم پر ہی پڑیں گی، تم بھی بعض اوقات جانبداری سے کام لیتی ہو یار۔"

"ارے واہ تو تم مجھ سے لڑنے کیوں بیٹھ گئیں، اپنا کام کرو"

"میں لڑ رہی ہوں، تم سے بات کی تو تم نے خود مجھے الٹا سیدھا کہنا شروع کر دیا۔" دفعتاً ثریا ہنس پڑی اور بولی۔

"اسے کہتے ہیں" تخم تاثیر صحبت کا اثر" ہم لوگوں کو بھی امی اور دادی اماں کی طرح لڑنے کی عادت پڑتی جارہی ہے"

"ارے ذرا دیکھو تو لوگ کیا کیا تماشہ کر رہے ہیں ان صاحب کو دیکھو وہ کیسے کھڑے کھڑے ناچنے میں مصروف ہو گئے ہیں۔ ارے دروازہ اور کھول۔"

"مروائے گی مجھے، بابا میں تو جارہی ہوں باورچی خانے میں ان دونوں کی جنگ ابھی دو منٹ کے بعد ختم ہو جائے گی اگر دروازے پر دیکھ لیا گیا تو یوں سمجھو کہ.....کہ"

"ہاں کہہ تم ٹھیک رہی ہو، ذرا تھوڑا سا اور۔"

"ارے ارے یہ تو نے دروازہ پورا کیوں کھول دیا وہ دیکھ لوگوں کی نظریں اس طرف اٹھنے لگی ہیں بند کر دے کر دے۔ اور نکل چل یہاں سے صحیح مشورہ دے رہی ہوں۔" ثریا نے کہا اور پروین کا ہاتھ پکڑے ہوئے چپکے چپکے وہاں آئی اور باورچی خانے میں گھس گئی۔ کسی نے نہیں دیکھا تھا کیونکہ دلوی اماں اور اماں لڑ رہی تھیں اور حکمت علی نہیں پہنچے تھے۔ ظاہر ہے صلح صفائی کرانے والا کوئی نہ کوئی ہونا چاہئیے تھا اس دوران نجانے کیا کیا باتیں ہو چکی تھیں ا میں بہت سی نادر مثالوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ پھر ثریا اور پروین نے باہر ہونے والے امن کا اندازہ لگالیا شاید صلح ہو چکی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ اور شاید حکمت علی غسل خانے سے وقت سے پہلے ہی نکل آئے تھے۔ پروین نے ثریا

"ابا نے ہمارے حقوق تو بالکل ہی نظر انداز کر دئیے ہیں۔"

"اچھا۔" ثریا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

"صحیح معنوں میں بعض اوقات مجھے یوں لگتا ہے جیسے تُو میری بہن ہی نہیں ہے۔"

"آج تو بار بار لڑ رہی ہے مجھ سے آخر کیا قصہ ہے؟"

"تُو سنتی جو نہیں۔ صحیح بات کہتی ہوں اس پر بھی غور نہیں کرتی۔"

"بابا بہت سی صحیح باتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر غور کرنے سے کچھ نہیں ملتا بس ٹھیک ہے دیکھیں گے بات ہے۔ ویسے سیڑھی تو ضرور آنی چاہئیے گھر میں۔ دروازے سے جھانکنا تو ویسے بھی اچھا نہیں لگتا، دیکھا تُو نے لو ہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنا شروع کر دیا تھا ہمیں۔"

"ہاں یہ بات تو ہے چھت کی منڈیریں واقعی اتنی اونچی ہیں کہ وہاں سے جھانکا جاسکتا ہے"

"لڑائیں گے کوئی ترکیب۔"

"ثریا پروین! بھئی کہاں ہو تم دونوں؟"

کیا کر رہی ہو؟" حکمت علی کی آواز سنائی دی اور دونوں لڑکیاں باورچی خانے سے باہر نکل آئیں۔

"جی ابا۔" دونوں نے بیک وقت کہا۔

"ذرا دیکھ تو لو مجھے کیسا لگ رہا ہوں۔ تم لوگوں کی سند آخری سند ہوتی ہے، تمہاری اماں اور دلوی جان تو ل کمروں میں جا گھسی ہیں"

ثریا ہنس پڑی اور پروین مسکرانے لگی۔

"ابا بس نظر کا ٹیکہ اور لگوالیں"

"یقین تھا مجھے کہ تم میرا مذاق اڑاؤ گی"

"نہیں، اللہ قسم بہت اچھے لگ رہے ہیں آپ۔"

"اچھا میں چل رہا ہوں۔ ذرا دونوں غنیم کو سنبھالے رکھنا پھر سے فساد نہ ہو جائے۔"

"ابا فساد تو ہمارے ہاں ہر آدھے گھنٹے کے بعد ہوتا ہے آپ اس کی پروا کیوں کرتے ہیں؟"

"صرف اس لئے کرتا ہوں بیٹا کہ بعد میں مجھے زبردستی کا ثالث بنایا جاتا ہے ورنہ میں تو کچھ بھی نہ بولوں۔ چلتا ہوں۔" حکمت علی نے کہا اور گھر سے باہر نکل آئے۔

بینڈ تھوڑا سا آگے جا چکا تھا یہی وقت تھا عقیقے کا اور یہی وقت دیا گیا تھا۔ محلے کے تقریباً تمام ہی گھروں کے کھڑکیاں کھلے نظر آرہے تھے لوگ اس شان و شوکت کو دیکھ رہے تھے۔ غلام قادر کا بیٹا گھوڑے پر سوار تھا۔ بہت ساتھ تھے۔ بینڈ نغمہ سرائی کر رہا تھا اور گھوڑا کشاں کشاں شا...نے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

حکمت علی نے ایک گہری سانس لی اور خاموشی سے بینڈ باجے کے پیچھے ہو لئے، مہمان شامیانے میں پہنچ گئے بچہ مسلسل ے پر سوار تھا اور ایک شخص ناچ ناچ کر لوگوں سے پیسے وصول کر رہا تھا۔ ویلیں دی جا رہی تھیں اور نجانے کیا کیا الٹے ے تماشے ہو رہے تھے۔

اسی وقت ایک صاحب حکمت علی کی جانب بڑھے اور زوردار سلام کیا اور ان سے پرزور مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔

"مجھے پہچانا آپ نے؟"

"جی جی۔" حکمت علی صاحب کھیسیں نکال کر بولے

"نعمت علی ہے میرا نام، غلام قادر کے ساتھ آپ کے گھر بلاوا دینے گیا تھا۔"

"جی ہاں، فوراً ہی پہچان لیا میں نے آپ کو۔"

"آئیے آئیے ادھر آجائیے سارا ہی محلہ جمع ہے۔ غلام قادر نے خوب اپنے دل کی حسرت نکالی ہے دراصل پہلا پہلا بیٹا ہے اور کے چودہ سال کے بعد پیدا ہوا ہے۔"

"اچھا۔" حکمت علی نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑیں۔

"ہاں جی خدا کی دین ہے جب اس کا حکم ہوتا ہے تب ہی کچھ ملتا ہے انسان کو؟"

"جی ہاں، بے شک، بے شک۔" نعمت علی صاحب حکمت علی صاحب کے ساتھ ہی بیٹھ گئے تھے، کہنے لگے۔

"اچھا ہے، اس طرح محلے والوں سے یاری دوستی بھی ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کی خیر خبر بھی مل جاتی ہے. آپ کیا ہیں؟"

"بس جناب ملازمت کرتا ہوں۔"

اسی وقت ایک دھان پان سے آدمی، شیروانی میں ملبوس، پان کھائے، خوشبوئیں اڑاتے قریب پہنچے تو نعمت علی نے

"لوہو پروانہ صاحب، آئیے آئیے ادھر ہی آجائیے۔"

"اخاہ نعمت علی صاحب ہیں اور یہ حضرت؟" پروانہ صاحب نے حکمت علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور نعمت علی، حکمت مارف کرانے لگے۔

"اوہو گویا ایکسو گیارہ میں ظہور ہوا ہے آپ کا؟"

"جی جی، بس آپ لوگوں کا ہمسایہ بن گیا ہوں یہ سوچ کر کہ شاید مجھے قبول کر لیا جائے....."

"چشم ما روشن، دل ماشاد محلے میں ایک اچھے انسان کا اضافہ بھلا کیسے قبول نہ ہوگا..... لیجیئے وہ کلیم احمد صاحب تشریف لے، آئیے کلیم صاحب آئیے....."

حکمت علی نے ایک شریف صورت انسان کو دیکھا، بیساکھی ٹیکتا ہوا آرہا تھا۔ اس کا بھی پرجوش استقبال کیا گیا۔ پھر تب آئے امداد بیگ آئے اور آخر میں قدرت اللہ نظر آئے جو امداد بیگ کو دیکھ کر دوسری جانب رخ پلٹ گئے تھے۔

غلام قادر کا بیٹا گھوڑے سے اتر آیا تھا اور اب اسے شامیانے میں ایک خاص جگہ بٹھا دیا گیا تھا، نذریں گزاری جا رہی تھیں ، دعائیں دے رہے تھے۔ حکمت علی صاحب بھی اپنی جگہ سے اٹھے، اور اس طرف بڑھے، غلام قادر نے انہیں دیکھا، تو پھیلائے، حکمت علی سے گلے لگے۔ حکمت علی نے مبارکباد دیتے ہوئے لفافہ غلام قادر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

بچے کے لئے ایک حقیر سا نذرانہ ہے۔"

اماں اس کا تکلف کاہے کو کیا بڑے صاحب، قسم اللہ کی آپ کا آجانا ہی کافی ہے، ہم تو بڑے خوش ہوئے، محلے میں ایسے ، کو ہونا چاہئیے، جو ایک دوسرے کے دکھ اور سکھ کے ساتھی ہوں۔ مالک کی قسم سو پچاس روپے دینے سے کچھ تھوڑی ہو جاتا

ہے، اللہ نے بڑا دیا ہے ہمیں، اس کا بڑا شکر ہے۔ تشریف رکھیئے، تشریف رکھیئے، آپ کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی قدرت اللہ ذرا اِدھر تو آئیو.....“ غلام قادر نے قدرت اللہ کو آواز دی اور قدرت اللہ قریب پہنچ گیا۔

”جی جی، کہیئے غلام قادر صاحب.....“

”اماں مہمانوں کو سنبھالو، یہ کام تمہارا ہے میں تو بچے میں لگا ہوا ہوں۔“

”جی ہاں سنبھال رہا ہوں۔“ قدرت اللہ نے کہا اور حکمت علی سے بولا۔ ”آئیے بڑے صاحب اپنی جگہ آجائیے۔“

حکمت علی صاحب آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اسی جانب چل پڑے جہاں سے اٹھ کر گئے تھے۔ قدرت اللہ نے کہ

”اماں نئے آئے ہو نا اس محلے میں.....“

”بس میاں اچھے برے سب ہی لوگ ہیں یہاں پر، انہیں دیکھو، وہ جو ناک چڑھائے بیٹھے ہوئے ہیں، گھر میں کیا لگا ہوا ہے، دماغ آسمان پر پہنچا ہوا ہے، اماں پورے کا پورا گھر ایک جیسا ہے۔“

”اچھا اچھا ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں پاس پڑوس میں۔“

”ایسے نہیں ہوتے۔“ اسی وقت ایک لمبے چوڑے بدن کا جوان آدمی نوکیلی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا ان کے قریب

”یہ ایک سو گیارہ میں آئے ہیں نا.....؟“ اس نے کہا منہ سے بھپکے سے اڑ رہے تھے پان کھائے ہوئے تھا، الائچی ایک عجیب سی خوشبو میں شامل ہو کر فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔

”یہ جمال ہے، جمی، اپنا جمی۔ بس یوں سمجھ لیں محلے بھر کا محافظ..... ایک ذرا سا کسی سے کوئی جھگڑا ہوا، چاقو نکل آتا ہو جاتا ہے، بڑا رعب ہے اس کا، اپنا پکا ساتھی ہے۔“ قدرت اللہ نے جمی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”اماں پروامت کریو، کوئی سالا ٹیڑھی آنکھ سے دیکھے تو مجھے بتادیجیئو، بس ایک دفعہ کا بتانا کافی ہوگا، اس نہیں ہوگی کسی سالے کی کہ تمہاری طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے۔“ جمال عرف جمی نے اپنی خدمات حکمت علی کو پیش کرتے ہوئے کہا اور حکمت علی ہنسنے لگے، پھر بولے۔

”میاں میں تو امن پسند آدمی ہوں، ہر ایک سے محبت کرنے کا قائل، میرا کسی سے کیا جھگڑا ہوگا، لیکن اس کے لئے بے حد شکریہ.....“

سب سے ملاقاتیں ہوئیں، ایک دوسرے کے دکھ درد کی باتیں ہوتی رہیں۔ حکمت علی کا دل بھی لگ گیا تھا کے لوگ سامنے آئے تھے، محلے سے واقفیت ہو رہی تھی، پروانہ صاحب نے اپنا کوئی شعر نہیں سنایا تھا لیکن ان کی گفتگو میں بڑی متانت تھی جسے حکمت علی نے محسوس کیا، پھر غلام قادر بھی فرصت پا کر آبیٹھا۔

”کیا جی خوش ہو رہا ہے، سارے محلے والوں کو ایک جگہ دیکھ کر۔ اسلام نے بھی یہی حکم دیا ہے، سارے مسلمان ہیں، ویسے آپ کیا کرتے ہیں میاں صاحب؟“ غلام قادر نے حکمت علی سے پوچھا۔

”جی بس نوکری پیشہ آدمی ہوں، اللہ تعالیٰ دال روٹی عطا کر دیتا ہے کھا لیتا ہوں۔“

”بال بچے کتنے ہیں؟“ غلام قادر نے پوچھا۔

”والدہ ہیں، بیوی ہیں، دو بیٹیاں ہیں۔“

”بیٹا کوئی نہیں ہے.....؟“

”نہیں نہیں بیٹا ہے میرا.....“ حکمت علی نے آہستہ سے کہا۔

”ہے کہاں، نظر نہیں آیا؟“ غلام قادر بولا۔

”جی ہاں۔“ حکمت علی صاحب ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

”کوئی پریشانی ہے بڑے صاحب؟“ غلام قادر نے پوچھا۔

”بس میاں یہ دنیا تو پریشانیوں کا گھر ہے ملازمت پیشہ آدمی ہوں، لڑکے کی صحیح پرورش نہیں کر پایا اور وہ بُری صحبتوں میں پڑ گیا۔“

”ایں.....“ پروانہ صاحب نے حیرانی سے کہا، امداد بیگ اور جمیل احمد بھی متوجہ ہو گئے تھے۔ حکمت علی صاحب بولے۔

”جی ہاں بس کالج کے زمانے سے ہی برے دوستوں کی صحبت میں پڑ گیا اور ان کے ساتھ رہ کر نجانے کیا کیا کرتا رہا، ایک بار ڈکیتی کیس میں پکڑا گیا، کسی کو زخمی بھی کر دیا تھا۔ اس وقت تو میں نے کوششیں کر کے رہا کرا لیا تھا لیکن دوسری بار یہ کوشش نہ کر سکا۔“ حکمت علی صاحب نے ایک سسکی سی لی۔

”پھر کیا ہوا.....؟“

”بس سات سال کی جیل کاٹ رہا ہے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا، وہ تو شکر ہے کوئی عینی گواہ نہیں مل سکا جس کی وجہ سے سزائے موت سے بچ گیا، درجنوں کو زخمی کرتا رہا ہے ڈکیتیوں اور اسمگلروں کا ساتھی اور نجانے کیا کیا۔ ہر وقت پستول ہاتھ میں۔ مجھے تو بہت بعد میں پتہ چلا اب دیکھیئے کتنا عرصہ لگتا ہے اس کی رہائی میں، اکلوتا بیٹا ہے اس لئے دل دکھتا ہے ورنہ شاید میں تو پوری زندگی اسے جیل ہی میں رہنے دیتا۔ کیا بتاؤں، کیا کہوں، ایک طرف محبت ہے دوسری طرف امن کا خیال ہے۔ آخر شریف آدمی کو شریفوں ہی کی طرح جینا چاہئیے، خط آتے رہتے ہیں اس کے جیل سے مجھے۔ کہتا ہے ابا رہا ہو کر آجاؤں تقدیر نہ پلٹ دوں تو میرا نام نہیں ہے۔“

”برا ہوا، بہت برا ہوا، بڑا افسوس ہوا یہ سن کر۔“ غلام قادر نے نرم لہجے میں کہا۔ ایک لمحے کے لئے حکمت علی نے محسوس کیا تھا کہ اب غلام قادر کے لہجے کی وہ اکڑ باقی نہیں رہ گئی ہے۔

”بہر حال بہت بہت شکریہ غلام قادر صاحب، آپ نے مجھے بلایا، میرے بارے میں پوچھا.....“

”اماں کیوں نہیں، مالک کی قسم، بڑی خوشی ہوئی ہے آپ کے آنے سے.....“

”آپ کا کیا شغل ہے۔“ حکمت علی نے پوچھا۔

”بس جی سبزی منڈی میں کام کرتا ہوں، چھابڑے کا کاروبار ہے، ویسے نیلامی بھی دینے لگا ہوں اب.....“

”چھابڑے کا کاروبار؟“ حکمت علی نے پوچھا۔

”ہاں سبزی منڈی کو جو ٹوکرے سپلائی ہوتے ہیں وہ ہمارے غلام قادر صاحب ہی سپلائی کرتے ہیں اور اب انہوں نے نیا کاروبار بھی شروع کر دیا ہے، سبزی ترکاری اور پھلوں کی بوریاں لیتے ہیں، ٹھیکہ اٹھاتے ہیں اور وہیں کے وہیں بیچ دیا کرتے ہیں۔“

”میاں ہزار بارہ سو تو چٹکی بجاتے مل جاتے ہیں مالک کے کرم سے۔“ غلام قادر نے کہا۔

”بڑی خوشی کی بات ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید رزق عطا فرمائے.....“

”شکریہ۔ شکریہ۔“ غلام قادر ہاتھ ماتھے پر لے جا کر سلام کرنے لگا، اس وقت کسی نے اسے آواز دی وہ اٹھ کر چلا گیا۔

”عیش کر رہا ہے اپنا یار، عیش کر رہا ہے، ڈیڑھ دو ہزار روپے روز کما لینا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے، یہ سب کچھ ایسے ہی تو تھوڑی ہو جاتا ہے۔“ قدرت اللہ نے ساری چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور حکمت علی گردن ہلانے لگے۔

”بے شک، بے شک۔“ جمی کہنے لگا۔

”کیا نام ہے تمہارے لونڈے کا۔“ حکمت علی فوراً ہی بولے۔

”رفعت علی۔“

”میں معلوم کروں گا جیل میں میری بڑی سلام دعا ہے۔ بہت سے جاننے والے ہیں، جتنی آسانیاں اسے مل سکتی ہیں دلواں گا، تم پروامت کرنا بڑے میاں۔“

"جی بہت بہت شکریہ آپ کا لیکن وہ جیل میں سکون سے ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے میرے بارے میں کچھ علم نہ ہونے پائے۔"

"میاں پرواہ مت کرو جیسے وہ تمہارا لونڈا ویسے ہی ہمارا۔ تمہارے لونڈے کیا سمجھے۔" جمال عرف جمی نے خلوص سے کہا اور حکمت علی صاحب آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگے۔

"بے حد شکریہ بیٹے، آپ کا بے حد شکریہ۔"

کھانا ہوا اور ہر چیز میں دولت کا مظاہرہ کیا گیا، پیسہ ایسے ہی لوگوں کے پاس ہوتا ہے، بہر طور محلے والوں سے یہ شناسائی بری نہ رہی تھی، حکمت علی بھی جہاندیدہ تجربے کار آدمی تھے، اندازہ لگاتے رہے تھے کہ کون کس معیار کا آدمی ہے، کلیم احمد صاحب نہایت نفیس اور خوش اخلاق انسان نظر آئے تھے، جمیل احمد صاحب کچھ بیزار سے، امداد بیگ بھی برے آدمی نہیں تھے، غلام قادر، قدرت اللہ اور اس ٹائپ کے کچھ لوگ ایک مخصوص انداز رکھتے تھے لیکن ان سبھی کے ساتھ گزارا کرنا تھا انہیں۔ کھانے کے بعد انہوں نے اجازت طلب کرلی تھی۔

❀❀

شعور اور طاہر ٹیکسی سے نیچے اتر آئے اور سامان اتار کر شمع دان کے سامنے بار کرنے لگے، سامان ہی کتنا تھا ایک ہولڈال جس میں دونوں کے بستر ٹھنسے ہوئے تھے، ایک ٹین کا صندوق، ایک بڑا سا اٹیچی کیس ایک چھوٹا اٹیچی کیس، چٹائی کی بنی ہوئی ٹوکریوں میں برتن بھانڈے، دو جھاڑو، بس یہ تھا ان کا متاع حیات، پروانہ صاحب کے دروازے پر دستک دی، دروازہ پروانہ صاحب ہی نے کھولا تھا ان دونوں کو دیکھ کر خوش ہوگئے۔

"اماں اتنی دیر، یعنی ہم صبح سے منتظر ہیں اور حضور کو کوئی احساس ہی نہیں، چلیں چلیں اور سامان کہاں ہے؟"

"پیچھے ہے۔" طاہر نے شعور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور پروانہ صاحب، شعور کے عقب میں دیکھنے لگے، کچھ نظر نہ آیا تو حیرانی سے بولے۔

"شعور کے عقب میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"حضور شعور کے عقب میں تو پوری کائنات چھپی ہوئی ہے، آپ فرما رہے ہیں کہ کچھ بھی نہیں ہے۔"

"واہ واہ، سبحان اللہ سبحان اللہ، بھئی بڑی حسین بات کہی چلو اسی بات پر یہ ٹین کنستر اندر پہنچواؤ، اٹھاؤ اٹھاؤ میں کرتا ہوں۔" پروانہ صاحب نے ہولڈال طاہر کے بازو میں لٹکایا، ٹین کا صندوق اس کے سر پر رکھا تو طاہر بدک کر بولا۔

"حضور، یہ کائنات کا سارا بار مجھ پر ہی نہ لاد دیجیئے گا اس کا کچھ تعلق شعور سے بھی ہے۔" پروانہ صاحب ہنسنے لگے پھر بولے۔

"ہاں شعور ہی یہ بوجھ اٹھا سکتا ہے، باقی کسی کے بس کی بات کہاں، آؤ میاں شعور ہم پکڑوائیں تمہارے ساتھ یہ صندوق"

"بخدا، آپ رہنے دیجیئے پروانہ صاحب سب کچھ پہنچ جائے گا۔ ذرا سی زحمت دیں گے آپ کو۔" شعور نے صندوق دونوں ہاتھوں میں اٹھاتے ہوئے کہا اور پروانہ صاحب کے پیچھے پیچھے اندر آگیا۔

"کیسی زحمت؟" پروانہ صاحب بولے۔

"ہم دونوں بس ابھی ذرا جلدی سے اوپر جا کر صفائی ستھرائی کئے دیتے ہیں، اس وقت تک یہ سامان نیچے ہی پڑا رہے گا اسی زحمت کی معذرت۔"

"میاں ہمت کر کے اسے اوپر لے چلو، صفائی ستھرائی تمہاری چچی جان کر چکی ہیں، ویسے بھی انسان کو دم ہلا کر بیٹھنا نہیں ہم اس بات کا خیال رکھتے ہیں۔"

"جی ہاں میں نے تو کہا تھا، مگر یہ شعور جھاڑو خریدنے پر بضد ہوگئے، چچی جان نے یہ تکلیف کیوں کی، اماں اٹھاؤ صندوق یا یہ چار سیڑھیاں بھی اتنا سا وزن اٹھا کر طے نہ کر سکو گے۔" طاہر نے پہلی بات پروانہ صاحب سے اور دوسری شعور سے کہی

نے ہنستے ہوئے صندوق اٹھالیا۔

"احتیاط سے..... احتیاط سے، پکڑوا لو، میں کہتا ہوں پکڑوا لینا زیادہ مناسب رہے گا۔"

"اجی پروانہ صاحب چھوڑیئے، اس نے اس وقت بھی اسی لئے آپ کا سہارا نہیں لیا کہ خواہ مخواہ شرمندگی ہوگی ہم نے ٹیکسی ڈرائیور کو بھی یہ صندوق چھت پر رکھنے کے لئے نہیں کہا تھا تاکہ اس کا بھرم قائم رہ جائے، اس میں کچھ نہیں ہے دو لحافوں کے علاوہ ایک آدھ روئی بھرا ہوا گدا ہے اور بس پانچ پانچ سات سات سیر بھی وزن ہوا تو کل ملا کر اٹھارہ بیس سیر ہوگا، کپڑے وغیرہ ہمارے اسی اٹیچی کیس میں ہیں، کیا فائدہ اب آپ سے یہ باتیں چھپانے کا وہ جو کہتے ہیں ناں کہ نائی جی، نائی جی بال کتنے تو نائی جی جواب دیتے ہیں کہ میاں ابھی سامنے آئے جاتے ہیں، آپ سے کچھ چھپانے کا مقصد بیکار ہی رہے گا، چنانچہ بتادیا ہم نے آپ کو۔"

"بھئی بڑے منہ پھٹ ہو ویسے مجھے خوشی ہے کہ تم جیسے زبان آور نے میرے اشعار کی داد دی حالانکہ تم مجھے ان کی ناپسندیدگی پر گالیاں بھی دے سکتے تھے، گویا ہماری شاعری مستند ہوگئی۔"

دلچسپ گفتگو کے ساتھ ساتھ سامان بھی اوپر پہنچ گیا، شمع بیگم نے درحقیقت سب کچھ چمکا کر رکھ دیا تھا اور ان لوگوں کو ہر چیز صاف ستھری ملی تھی، پروانہ صاحب اوپر آگئے تھے، شمع بیگم اندر ہی تھیں، پروانہ صاحب کہنے لگے۔

"ہمیں حق تو نہیں ہے مشورے دینے کا، لیکن ایک بزرگ سمجھ کر یا ایک مداخلت کار سمجھ کر برداشت کر لینا، آؤ تمہارا سامان جموادیں۔"

چند ہی منٹ کے بعد شمع بیگم چائے کی پیالیاں ٹرے میں سجائے ہوئے اوپر آگئیں اور انہوں نے چائے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"بچو! پہلے چائے پی لو۔ اس کے بعد سامان وغیرہ۔ سب لگ جائے گا، آپ تو بلاوجہ انہیں ہلکان کئے دے رہے ہیں، سامان ہی کتنا سا ہے ان کا، میں سب سجادوں گی، یہ دیواروں میں جو الماریاں بنی ہوئی ہیں ناں بیٹے، یہ تمہارے کپڑوں کے لٹکانے کے کام آجائیں گی، جالے وغیرہ لگے ہوئے تھے اس میں، میں نے لکڑی میں کپڑا باندھ کر ایک ایک جالا صاف کر دیا ہے، ذرا دیکھو....."

"چچی جان! باقی ساری باتیں اپنی جگہ البتہ ایک درخواست ہماری آپ کو قبول کرنا پڑے گی۔" شعور کہنے لگا۔

"کہو میاں، چائے تو لو، ٹھنڈی ہو جائے گی۔" شمع بیگم نے پیالی اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا اور شعور نے شکریہ ادا کر کے چائے لے لی پھر کہنے لگا۔

"درحقیقت، ہم دونوں بڑی مشکل سے گھر کے کام کاج کرنے کے عادی ہوئے ہیں آپ ہمارا ہاتھ بٹائیں گی ناں تو پھر سے عادتیں بگڑ جائیں گی، میں تو خیر اچھا آدمی ہوں مگر یہ طاہر آپ یقین کریں ہل کر پانی نہیں پیتا کمبخت وہ بھی مجھ ہی سے مانگتا رہتا ہے، شروع میں تو میں یہ سوچ کر کہ چلیں میری اور اس کی عمر میں تھوڑا سا فرق ہے دے دیا کرتا تھا، مگر جب میں نے یہ محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں ہی بیکار ہوئے جا رہے ہیں تو یہ سب کچھ بند کر دیا آپ یقین کریں، آپ جو کچھ کریں گی اس کے حق میں نقصان دہ ہوگا، ڈاکٹر نے بھی منع کر دیا ہے۔"

"ایں، ڈاکٹر نے کیا منع کر دیا ہے؟" شمع بیگم نے منہ پھاڑ کر کہا۔

"یہی کہ اگر اس نے ہاتھ پاؤں نہ ہلائے تو دوران خون سست پڑ جائے گا اور اسے تو بلڈ پریشر کے حملے ہونے لگیں گے ہاتھ پاؤں ہلاتے رہنا انتہائی ضروری ہے۔"

"اب دیکھیئے چچی جان اگر کچھ کہوں گا تو یہ تصور کیا جائے گا کہ چھوٹا ہو کر بڑوں سے گستاخی کر رہا ہے۔ ڈاکٹر کے پاس میں زندگی میں ایک بار بھی نہیں گیا اور نہ ہی اس نے ایسی کوئی بات کہی ہے حالانکہ میں یہ الفاظ کہنا نہیں چاہتا تھا مگر مجبوری ہے

لب کیا کروں، خیر جہاں تک میرے کام کاج کرنے کا مسئلہ ہے تو آپ خود دیکھ لیں گی، کدو کی بھجیا مجھ سے اچھی پکانا اگر کوئی ہو تو میرے سامنے آجائے، سبزی ترکاری ایسی پکاتا ہوں کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ جاتے ہیں اور یہ سب کچھ یہیں آکر سیکھا ہے اپنے گھر میں تو راوی عیش ہی عیش لکھتا تھا، مگر کیا کروں بیروزگار ہوں، بھائی کی ٹکڑوں پر پڑا ہوا ہوں۔ یہ کام کاج کر کے کم از کم وہ رزق حلال کر لیتا ہوں جو اس کی کمائی میں سے میرے معدے میں پہنچتا ہے۔"

"دیکھا آپ نے چچی جان، باتیں بنانے میں اس سے بڑا ماہر آپ کو اور کوئی نہیں ملے گا۔"

شمع بیگم ہنسنے لگیں پھر بولیں "میں تو تم دونوں کے آنے سے بہت خوش ہوں یہ گھر بے رونقی کا شکار رہتا تھا بس ہم تھے جو ایک دوسرے سے باتیں کر لیا کرتے تھے اب کم از کم تمہارے آجانے سے رونق رہے گی خدا کے فضل سے، چلو ہٹو میں تمہارا سامان درست کر دوں۔"

"ارے چچی جان، شرمندہ پر شرمندہ کئے جا رہی ہیں، میں یہ سب کر لوں گا آپ بالکل اطمینان رکھیں۔" شعور نے کہا۔

"اماں پھر کہتے ہو کہ میں تمہیں بے شعور کہتا ہوں،" چچی جان کا ہاتھ جس چیز میں لگا اس کی شکل ہی دوسری نکلے گی بلاوجہ ہر کام میں ٹانگ اڑا دیا کرتے ہو۔

"جی نہیں چچی جان آپ کی ملازم نہیں ہیں۔"

"توبہ توبہ، کیسی غیر شاعرانہ باتیں کرتے ہو، لفظ چچی جان کہہ دینا کافی نہیں ہے اس کے بعد ملازمت کا کوئی تصور رہ جاتا ہے۔"

"اچھا تو پھر یوں کرو تم سارا سامان کھولو، صاف کر کر کے چچی جان کو دو چچی جان جس طرح سے بتائیں اس طرح سے درست کر دو۔" شعور نے کہا اور طاہر ادھر ادھر دیکھنے لگا، شعور نے سوٹ کیس کی چابی اس کے ہاتھ میں تھما دی تھی، پروانہ صاحب کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے شعور میاں ان دونوں کو کام میں لگا رہنے دو آؤ ہم بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں ویسے آج تو تمہاری چھٹی ہے نا۔"

"جی پروانہ صاحب۔"

"ایں، یہ کیا بھئی، یعنی ہم صرف پروانہ ہی رہ گئے اتنے ننھے منے نرم و نازک اور یہ ہو گئیں چچی جان، میاں تم ہم دونوں میں اس سلسلے میں جھگڑا مت کرا دینا۔"

"نہیں اگر اجازت ہو تو میں آپ کو چچا جان کہا کروں؟"

"جو دل چاہے کہہ لیا کرو میاں محبت کے سارے رشتے یکساں ہوتے ہیں ہم تو مذاق کر رہے تھے۔" پروانہ صاحب نے شعور کا ہاتھ پکڑا اور اسے ساتھ لئے ہوئے نیچے اتر آئے۔

شعور مسکرا مسکرا کر طاہر کو دیکھتا رہا تھا اور طاہر دانت پیس رہا تھا۔ کافی دیر تک پروانہ صاحب، شعور سے مختلف باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد شعور ہی نے کہا۔

"میں ذرا جائزہ لے لوں اگر آپ کی اجازت ہو تو؟"

"ہاں ہاں بھئی کیوں نہیں، کیوں نہیں جاؤ آرام کرو۔"

شعور سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچ گیا سامان ہی کتنا تھا چچی جان البتہ کہہ رہی تھیں۔

"بڑے برتن بھاڑے جمع کر رکھے ہیں تم لوگوں نے بالکل صاف نہیں ہو رہے کل انہیں جونا منگا کر مانجھ دوں گی مردوں کا ہاتھ کبھی ان کاموں میں ماہر ہو ہی نہیں سکتا۔"

"خاص طور سے یہ طاہر چچی جان، کچھ کرنے کے قابل نہیں ہے پتہ نہیں کیسے زندگی گزارے گا۔" شعور نے کہا۔

"جی ہاں۔ میں برتن بھاڑے دھوتے ہوئے ہی تو زندگی گزاروں گا، شعور میاں تمہاری بددعائیں کبھی پوری نہیں ہوں گی اسے یاد رکھنا۔"

"سلیقے کی کوئی ہدایت کر دو تو بددعائیں ہیں چچی جان اب آپ دیکھ لیجیئے۔ مجھے ہر وقت برا بھلا کہتا رہے گا آپ تھک جائیں گی میری برائیاں سنتے سنتے۔"

"نہیں بھئی ہم اس بات سے اختلاف کرتے ہیں۔" عقب سے پروانہ صاحب کی آواز ابھری شمع بیگم غالباً تمام کام ترتیب دے چکی تھیں کہنے لگیں۔

"چلئے اب نیچے چلئے، انہیں کچھ آزادی عنایت فرمائیے ورنہ سوچیں گے کہ کس جنجال میں آپھنسے یہ حضرات تو ساتھ ہی نہیں چھوڑتے۔"

"ارے نہیں چچی جان توبہ توبہ بھلا یہ گستاخی کر سکتے ہیں ہم۔" شعور نے کہا۔

"پھر بھی بیٹے، آئیے پروانہ صاحب۔" شمع بیگم نے پروانہ صاحب کا ہاتھ پکڑا اور سیڑھیاں اتر گئیں، طاہر غصیلی نگاہوں سے شعور کو گھورنے لگا تھا۔

"پیارے بھائی یہ تو سب مجلسی باتیں تھیں، اب یہ بتاؤ دوپہر کو پکاؤ گے کیا؟"

"زہر۔" طاہر نے دانت پیس کر کہا۔

"نہیں بھئی وہ تو بغیر پکے کھانے کی چیز ہے۔" اسی وقت شمع بیگم نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور پھر کہا۔

"بچو، دوپہر کو میں تمہارے لئے کھانا پکاؤں گی جو کچھ بھی پک رہا ہے ساتھ کھانا پینا ابھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کھانے پینے کے سلسلے میں۔"

طاہر نے مسکرا کر شعور کو آنکھ ماری شمع بیگم نیچے اتر گئی تھیں، شعور غالباً کچھ تکلفاتی الفاظ کہنے جا رہا تھا کہ طاہر آگے بڑھا اور اس نے جلدی سے شعور کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"لو بے شعور کبھی تو کام کی بات کر لیا کر بیچارے مالک مکان ہیں، پہلے وقت کا کھانا دے رہے ہیں اور تم غالباً تکلف کرنے جا رہے ہو۔" شعور مسکراتی نگاہوں سے طاہر کو گھورنے لگا۔

دوپہر کو شمع بیگم نے طاہری پکائی تھی، ہلکی ہلکی خوشبو منتشر ہو رہی تھی دونوں کو نیچے ہی بلا لیا گیا تھا، پروانہ صاحب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ہنس کر کہا۔

"بھئی یہ ہماری شمع بیگم بھی ذرا شاعرانہ اقدامات کرنے لگی ہیں، طاہر کے لئے طاہری پکا ڈالی ہے انہوں نے۔"

"واہ حقیقت یہ ہے پروانہ صاحب کہ ہمیں ایسی چیزیں کھانے کو کہاں ملتی ہیں، یہ تو سب گھر کے پکوان ہیں، ویسے

طائری کی تاریخ کیا ہے؟" شعور نے پلیٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ ہوئی ناں ذرا غور و فکر کی بات، دراصل اس کا نام کچھ غلط کر دیا گیا ہے اس کا اصل نام طہاری ہے، سمجھ رہے ہیں آپ دونوں حضرات؟"

"طہاری سے کیا مراد ہوئی؟" طاہر نے پوچھا۔

"دلچسپ واقعات ہیں، زمانہ قدیم میں کھانے کو بھی ایک اہمیت حاصل تھی۔ اب تو فاسٹ فوڈ کا دور ہے بس جو جی بناڈالا مرچ اور نمک کم کر دیجیئے گا، کسی بھی جدید کھانے میں شامل کر دیں کسی کو اعتراض نہیں ہوگا، نام کچھ بھی رکھ دو طہاری کے متعلق میری زیادہ معلومات تو نہیں ہیں لیکن اندازہ ہے کہ تعلق لکھنؤ ہی سے ہوگا، وہی اس قسم کے نزاکت پر نام رکھا کرتے تھے، میرا خیال ہے نہاری کے مدمقابل کوئی چیز پکائی گئی ہوگی اسے طہاری کہہ دیا۔"

"اعتراض قبلہ اعتراض ہم اہل لکھنؤ پر یہ الزام نہیں لگا سکتے چاول ان کی نگاہ میں ایک مقدس رزق ہے، میرا مطلب کہ انہوں نے ہمیشہ چاول کا احترام کیا۔ بڑے اہتمام سے موتیا پلاؤ پکایا گیا، دراصل ان کا اصل جھگڑا دلی والوں سے چلتا تھا، موتیا میں ایک ایک چاول کو نفاست سے صاف کر کے شامل کیا گیا، دلی والوں کو غصہ آیا تو انہوں نے اس میں سبزی ترکاری شامل کر اسے بریانی بنا دیا تو موتیا پلاؤ کی یہ مسخ شدہ شکل بریانی کہلائی، اہل لکھنؤ سے اس بات کی توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ چاول میں آلو ملا کر اس کا نام طہاری رکھ دیں گے، طہارت تو ایک الگ ہی چیز ہے۔"

"بھئی واہ اس کا مقصد ہے کہ تمہیں اس سلسلے میں خاصی معلومات حاصل ہے۔"

"ویسے تو لکھنؤ کا ماضی جو ہے وہ آج تک میرے ذہن میں مشکوک ہے۔" طاہر کہنے لگا۔

"وہ بھلا کیوں؟"

"اب دیکھئیے ناں اہل لکھنؤ سے معذرت کے ساتھ اور پھر بات چونکہ زمانہ قدیم کی ہے اس لئے کوئی برائی کی بات نہیں، لکھنؤ کا نام آپ کو پتا ہے لکھنؤ کیوں پڑا؟"

"اتفاق سے ہمیں نہیں معلوم۔" پروانہ صاحب بولے۔

"نائیوں کا شہر تھا، آبادی تقریباً ایک لاکھ تھی بس ایک لاکھ نائیوں کی مناسبت سے اس کو کہا گیا لاکھ ناؤ، یعنی ایک لاکھ نائی، نائی کو زمانہ قدیم میں ناؤ کہا جاتا تھا اس طرح نائیوں کا یہ شہر لکھنؤ کہلایا اس کے بعد آبادی آہستہ آہستہ تقسیم ہوتی چلی گئی مختلف علاقوں کے شرفاء نے لکھنؤ کو صحیح معنوں میں آباد کیا اور اسے تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنا دیا ورنہ اصل میں یہ قدیم، زمانہ قدیم نجانے کتنا قدیم لکھنؤ جو تھا ناں یہ نائیوں کی بستی تھی۔"

"خدا کے واسطے، کسی لکھنؤ والے کے سامنے یہ الفاظ نہ کہہ دینا ورنہ وہ زمانہ قدیم کا انسان بن جائے گا اور اس کے بعد خوبصورت بال بچانا مشکل ہوگا تمہیں۔"

پروانہ صاحب قہقہے لگا رہے تھے شمع بیگم بھی مسکرا رہی تھیں۔ یہ مسکراہٹیں ان کے دل میں دفن تھیں ہمیشہ ہی یہ آرزو رہی کہ کوئی اتنا اپنا ہو، کہ ساری خوشیاں اس پر نچھاور کر دیں یہ اپنی اولاد ہی ہو سکتی تھی، لیکن خدا نے اس نعمت سے محروم رکھا تھا۔ دونوں لڑکے شعور اور طاہر نجانے یہاں آکر کیا سوچ رہے تھے لیکن ان دونوں میاں بیوی کے دل میں محبتوں کے جو چراغ روشن ہوئے تھے ان کی نوعیت بالکل ہی مختلف تھی۔

☐☐

کلیم احمد کو جاڑا بخار چڑھا تھا۔ عمومی طور پر کلیم احمد صاحب بہت کم گو انسان تھے، پروقار اور سادہ سی شخصیت کے مالک ضرورت کی گفتگو کیا کرتے تھے اس سے پہلے کی عادتوں میں تھوڑی ہی بہت تبدیلی تھی، ہنستے بولتے زیادہ تھے لیکن جب حادثہ پیش آیا تھا اور ایک ٹانگ سے معذور ہونے کے بعد مسائل نے پورے گھر میں گھر کر لیا تھا، کلیم احمد صاحب کی عادتوں

میں بھی تبدیلیاں رونما ہو گئی تھیں، بیٹے کو ہمیشہ ہی نیکیوں کی تلقین کیا کرتے تھے، فطری طور پر شکیل بھی انہی کی تصویر تھا اور اس کے ذہن میں بھی برائیاں جنم نہیں لیتی تھیں،

لیکن کلیم احمد صاحب کو جب بھی کبھی بخار چڑھتا ان کی شخصیت میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو جاتی تھی، عالم بخار میں وہ اتنا بولتے تھے کہ سننے والے عاجز آجائیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ بھی طرہ تھا کہ اگر سننے والا کوئی موجود نہ ہو تو پھر انہیں غصہ چڑھ جاتا تھا اور صرف یہی موقع ہوا کرتا تھا جب کلیم احمد صاحب کو غصہ آئے ورنہ عام حالات میں وہ بالکل ٹھنڈے مزاج کے مالک تھے۔ کل عقیقے میں گئے تھے، مناسب ہی کھایا پیا تھا آرام سے سوئے تھے، کوئی خاص بات نہیں تھی، لیکن رات کے چار بجے انہوں نے رقیہ بیگم کو جگا دیا۔

"سنتی ہو۔" رقیہ بیگم ان کی ایک آواز میں جاگ گئیں۔

"خیریت کیا بات ہے، بہت وقت گزر چکا ہے، کیا نیند نہیں آئی؟"

"محترمہ، ایک ساتھ اتنے سوالات نہیں کیا کرتے مجھے شدید سردی لگ رہی ہے بدن ٹوٹ رہا ہے، کانوں اور آنکھوں سے آگ نکل رہی ہے سر بھاری ہو رہا ہے مطلب سمجھ گئیں آپ؟"

"ارے ارے، یہ کیسے ہوا؟"

"اب میں آپ کو یہیں کھڑے کھڑے یہ بھی بتاؤں کہ مجھ سے یہ غلطی کیسے سرزد ہوئی، ذرا اٹھئیے لحاف گدے تو تہہ کئے رکھے ہوں گے مگر مجبوری ہے آپ کے علاوہ اور کون نکالے گا انہیں؟"

"میں ابھی نکالتی ہوں آپ لیٹیئے وہیں سے آواز دے لیتے مجھے۔"

"جی جی، وہیں سے آواز دے لیتا تو اتنی تفصیل شاید آپ کو سمجھانہ پاتا۔"

"آئیے، آپ لیٹ جائیے لو ہو بدن گرم ہونے لگا ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بس رات کے تین بجے آپ سے مذاق کرنے کو جی چاہا تھا۔"

"ناراض نہ ہوں، لیٹ جائیے میں ابھی لوف نکال کر لاتی ہوں۔"

موسم لحاف کا نہیں تھا چنانچہ وہ تہہ کر کے لوہے کے صندوق میں رکھ دیئے گئے تھے، رقیہ بیگم نے جلدی سے صندوق کھولا اور اس میں سے تینوں لحاف نکال لئے، تین ہی لحاف تھے اس گھر میں رقیہ بیگم کا، کلیم احمد کا اور شکیل کا، اتنے ہی افراد بھی تھے۔ کلیم احمد صاحب پر ایک لحاف ڈالا گیا دوسرا اور پھر تیسرا۔

"یہ شکیل سو رہا ہے کیا؟"

"ہاں جگا دوں؟"

"بھئی میرا جی گھبرا رہا ہے باتیں کروں گا اُس سے بلا دیجیئے، جگا دیجیئے کوئی بات نہیں ہے۔" کلیم احمد صاحب نے کہا اور رقیہ بیگم شکیل کے کمرے میں پہنچ گئیں، بے سدھ سو رہا تھا انہوں نے اُسے جھنجوڑا تو تھوڑی دیر کے بعد جاگ گیا۔

"کیا ہوا امی؟"

"بیٹے ابو کو بخار چڑھ آیا ہے۔"

"لو ہو لو ہو اچھا سمجھ گیا ذرا منہ دھو لوں۔" شکیل نے کہا۔

"ہاں بیٹے، بلا رہے ہیں ورنہ میں تمہیں اس وقت نہ جگاتی۔"

"اچھا کیا آپ نے جگا دیا خواہ مخواہ اکیلی ہی پریشان ہوتیں، ابھی آیا بس دو منٹ میں۔" شکیل نے کہا اور رقیہ بیگم باہر نکل گئیں۔ لحاف کے نیچے سے کلیم احمد صاحب کی آواز ابھر رہی تھی۔

"زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب اور موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشان ہونا۔ زندگی اور موت کے درمیان کتنا فاصلہ

ہے، جانتی ہیں آپ؟"

"بہت تھوڑا سا" رقیہ بیگم نے کہا۔

اتنا تھوڑا کہ لوگ تصور نہیں کر سکتے یہ شاعر بھی بعض اوقات ایسا کہہ جاتے ہیں کہ دل سے چپک جائے شعر کہا ہے
شاعر نے کہ۔

آئے ہوئی اذان گئے جب ہوئی نماز
بس اتنا فاصلہ ہے موت و حیات کا

کیا سمجھیں؟"

"بہت خوبصورت کہا ہے، واقعی بہت خوب کہا ہے۔"

"اور اس فاصلے کے لئے انسان اپنے اوپر کتنے بوجھ لاد لیتا ہے ذرا غور کریں اس سے زیادہ احمق کوئی اور چیز ہو سکتی ہے آپ جانوروں کا تجزیہ کریں تو یقین کریں رقیہ بیگم آپ کو یہ جاندار کیڑے مکوڑے چرند و پرند سب کے سب انسان سے ز ذہین ملیں گے، انہوں نے اپنی زندگی میں اتنے الجھاوے نہیں پیدا کئے جتنی زندگی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اُسے اُس عنایت کی ہوئی صلاحیتوں کے مطابق صرف کر دیتے ہیں، انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر سوچ کا ایک ایسا خزانہ دے دیا گیا جو اگر صحیح استعمال ہوتا تو بے شک اُس خزانے سے بہت سے خزانے ترتیب پاتے لیکن انہی سوچوں میں شیطان شامل ہو گیا، آ سن رہی ہیں یا اونگھ رہی ہیں؟"

"نہیں نہیں، سن رہی ہوں۔"

"میری آواز آ رہی ہے؟"

"جی ہاں"

"تین لحافوں سے یہ آواز ذرا مدھم آ رہی ہوگی ایسا کریں سرہانہ ذرا سا کھول لیں کمبخت ہوا نہیں ہے مگر سردی ہے کہ میں آگ رہی ہے۔"

"ملیریا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"لیجیئے تعین بھی ہو گیا کہ یہ ملیریا ہے۔"

"سردی کا بخار ملیریا ہی کہلاتا ہے۔"

"اول تو یہ نیم حکیم اور نیم ڈاکٹر، نیم نیم نیم۔" کلیم احمد صاحب نیم کا لفظ بار بار دہرانے لگے اتنی دیر میں شکیل بھی کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"سردی لگ رہی ہے ابو؟"

"ہاں بیٹے سردی لگ رہی ہے اور بخار بھی آہستہ آہستہ چڑھتا جا رہا ہے اندر سے تو بالکل گرم ہو چکا ہوں، مگر نیم نیم تمہاری امی باہر چلی گئیں مجھ سے اکتا کر؟" کلیم احمد صاحب نے پوچھا۔

"لو کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ بیٹھی تو ہوئی ہوں آپ کے پاس؟"

"آہ آواز میں یہ جھنجلاہٹ انداز میں یہ جھلاہٹ جو کچھ کہہ رہی ہے اُسے لفظوں میں نہیں کہا گیا لیکن اُن کا مفہوم میرے دل میں اُتر رہا ہے۔"

"خدا کے لئے خدا کے لئے، اچھا یہ بتائیے چائے بناؤں آپ کے لئے؟"

"نہیں جانے نہیں بات ہو رہی تھی نیم کی غالباً نیم کا ذکر تھا کسی سلسلے میں، یہ نام کتنا غلط دیا گیا ہے اس درخت کو، آپ جانتی ہیں نیم کے فوائد شکیل میاں سن رہے ہو ناں؟"

"جی ابو۔"

"نیم کے بارے میں بڑے بڑے حکماء کا کہنا ہے کہ ایک ایسا درخت ہے جس سے جھڑنے والے پتے بھی بے حقیقت نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ نے ہزاروں بیماریوں کے لئے اسے اکسیر بنایا ہے نیم کی نمکولیاں کتنی افادیت کی حامل ہیں کسی ایسے حکیم سے پوچھو جو نیم حکیم نہ ہو، ہاں تو دراصل میں یہی بات کہہ رہا تھا کہ نیم کو نیم کیوں کہا جاتا ہے، نیم کا مطلب تو ہے آدھا، لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں شکیل میاں تم سن رہے ہو یا سوتے سے تمہاری امی جان اُٹھا کر لائی ہیں اور یہاں بیٹھ کر اونگھنے لگے ہو۔"

"نہیں ابو آپ کی حکمت بھری باتیں سن رہا ہوں۔"

"شکریہ بیٹے تو میں کہہ رہا تھا کہ یہ نیم نہیں اس سے زیادہ مکمل اور کوئی درخت ہی نہیں لیکن ہم کہتے ہیں اسے نیم، بعض اوقات اُردو زبان میں بھی ایسے الفاظ ٹھونس دیئے جاتے ہیں جن کا مفہوم بڑا غلط ہوتا ہے اب غور کرو تو ہزاروں ایسے لفظ نکل آئیں گے مگر میں اس وقت غور نہیں کروں گا کیونکہ بات نیم کی ہو رہی ہے، میری والدہ خدا اُنہیں جنت نصیب کرے پرانے لوگ تو جڑی بوٹیوں سے تمام بیماریوں کا علاج کر لیا کرتے تھے میاں یہ سائنس نے جس قدر ترقی کی ہے اُسے ہم ترقی کا نام تو بے شک دے دیتے ہیں لیکن اُس سے جتنی تنزلی ہوئی ہے ہمارے وجود میں اُس کا کہیں تذکرہ نہیں ہوتا کبھی کوئی یہ بھی تو پوچھے ان سائنسدانوں سے کہ انہوں نے زندگی کو کیا سے کیا بنا دیا اب تم خود بتاؤ یہ دوائیں وہ چاند سے لے کر آتے ہیں، مریخ سے لے کر آتے ہیں اور سیاروں سے لے کر آتے ہیں، زمین پر اُگنے والی انہی جڑی بوٹیوں سے دوائیں تخلیق کی جاتی ہیں، بس مشینی ذرائع سے اُنہیں مختصر کر لیا جاتا ہے میں کہتا ہوں آخر اس مصیبت میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے بات نیم کی ہو رہی تھی تو ہماری والدہ یہ کرتی تھیں کہ جب کبھی سردی سے بخار آ جائے کسی کو تو نیم کی یہ ٹہنیاں جو ہوتی ہیں، اماں وہ ٹہنیاں جن میں پتے لگے ہوتے ہیں ان کی جڑیں توڑ کر سل پر کچل لیتی تھیں پھر ان میں چند کالی مرچیں شامل کر کے پلا دیتی تھیں۔ آہ ملیریا غائب۔ کیوں کچھ پتہ ہے؟"

"نہیں ابو....... شکیل نے کہا۔"

"میاں کونین براہ راست معدے میں داخل ہو جاتی تھی، ریسوچن، ڈارا کیول، یا ڈارا پرم کی شکل میں ہیں جس میں بے مقصد اجزاء بھی شامل کر دیئے جاتے ہیں۔"

"جی ابو یہ تو درست ہے۔"

"ملیریا میں منہ کی بھاپ نکلتے رہنا ضروری ہے اس سے اس کے اثرات زائل ہوتے ہیں اس کا بہترین طریقہ ہے کہ بولتے رہو، لیکن شرط یہ ہے کہ سامنے کوئی سننے والا بھی ہو اور وہ سننے والا جو سننے کی اہلیت رکھتا ہو اور اہلیتوں کی حامل اہلیہ ہو سکتی ہے لیکن اگر بچے بھی سعادتمند ہوں تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے کیا لطف آ رہا ہے اس وقت گفتگو کرنے کا ویسے میاں شکیل

ہمیں تمہاری سعادت مندی پر پورا پورا اعتماد ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم بھی بڑے سعادت مند تھے اپنے ماں باپ کے
میرا مطلب ہے ہمارے ابو بھی اس عادت کا شکار تھے، بس ملیریا ہو جائے کبھی انہیں، دو چار مشغلے خصوصیت رکھتے تھے مثلاً
بخار چڑھ جائے تو سب سے پہلے ہمیں جگایا رات کا کوئی بھی وقت ہو، مجال ہے کہ انکار کر دیں حکم ہوتا....... "میاں منہ ہاتھ
آؤ، جوتے پہن لو....... جب رات کے کسی حصے میں یہ ہدایت ملتی تو ہم سمجھ لیتے کہ ابا جان کو جاڑا بخار چڑھا ہے۔ تیار تو ہو
ہوتا تھا، ایک ہاتھ میں ڈنڈا دوسرے ہاتھ میں لالٹین کیونکہ راستے اندھیرے ہوا کرتے تھے، بس چل پڑے، تمام شناساؤں
پاس۔ رات کے تین بجے ہیں گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس وقت تک بجاتے رہے جب تک کہ سونے والا پورا خاندان نہ جاگ
خاندان کے سرپرست کو بلایا اور نہایت دست بستہ ان سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ کہا کہ بس چل چلاؤ ہے جو کہا سنا
معاف کر دیا جائے کچھ لوگ جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے اور کچھ یہ سمجھ لیتے کہ ابا جان کو سردی سے بخار چڑھ گیا ہے، یوں معافیاں
جاتی تھیں اپنے شناساؤں سے، بعض جگہ تو ہماری بھی جان نکل جاتی تھی کیونکہ رات میں وہاں خونخوار کتے بھی ہوا کر
تھے....... ڈنڈا اسی لئے ہاتھ میں لے لیا جاتا تھا کہ ان کتوں سے بچاؤ ہو جائے لیکن مجال ہے کہ ہماری سعادت مندی میں کبھی
فرق آیا ہو۔"

کلیم احمد صاحب کو نجانے کون کون سی کہانیاں یاد آتی رہیں ماں بیٹے جانتے تھے کہ اب یہ کہانیاں صبح تک سننا پڑیں
چنانچہ سنتے رہے اور یہی کلیم احمد صاحب کا علاج ہوتا تھا لیکن تقریباً آدھے یا پونے گھنٹے کے بعد کلیم احمد صاحب کی آنکھ لگ
اور جب وہ گہری نیند سو گئے تو رقیہ بیگم نے انہیں ٹھیک سے کمبل اوڑھا دیا اور شکیل سے کہنے لگیں۔

"تم جاؤ سو جاؤ آرام سے، میں سنبھال لوں گی۔"

"نہیں امی اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے نیند تو کافی حد تک پوری ہو چکی ہے۔"

"میرا خیال ہے چلے جاؤ شکیل، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے بیٹے تمہیں اندازہ ہے اپنے باپ کی طبیعت کا۔"

"آپ اکیلی بیٹھی رہیں گی؟"

"نہیں اگر ان کی آنکھ نہ کھلی تو میں بھی سو جاؤں گی۔"

شکیل اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور رقیہ بیگم نجانے کب تک جاگتی رہیں پھر وہ بھی سو گئیں شکر تھا کہ کلیم احمد صا
صبح تک گہری نیند سوتے رہے تھے، صبح کو ان کے بخار میں کافی افاقہ تھا۔ شکیل کی آنکھ کچھ ایسی لگی کہ وہ بھی دیر تک سوتا
دن کے تقریباً ساڑھے نو بجے رقیہ بیگم نے اسے جگایا۔ ناشتہ تیار کر کے دیا اور شکیل چائے پیتے ہوئے یہ سوچتا رہا کہ آج کا دن
طرح گزارا جائے۔ ملازمتوں کی تلاش میں طویل وقت گزر چکا تھا گھر کے جو حالات تھے وہ اب بے بسی کی حد میں داخل ہو چکے
کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے کچھ آمدنی ہو۔

اپنی گلی میں رہنے والے زیادہ تر ایسے ہی لوگ تھے جو بچوں کو تعلیم وغیرہ کے سلسلے میں، بس اسکولوں تک ہی
کرانے میں دلچسپی رکھتے تھے کئی بار یہ کوشش کی تھی شکیل نے کہ اسے کچھ ٹیوشنز وغیرہ مل جائیں مگر یہ ممکن نہیں ہو
آج تک اپنے معیار کی تلاش میں تھا لیکن پچھلے کچھ دنوں سے سوچ کے دھارے رخ تبدیل کرنے لگے تھے، معیار کیا چیز ہوتا
ضرورت انسان کا سب سے بڑا معیار تخلیق کرتی ہے، خواہ مخواہ اپنے آپ کو ایک جگہ محدود کر لینا مسائل کو جنم دیتا ہے، تعلی
حصول بے شک بنیادی ضرورت ہے اس طرح انسان کو کچھ کرنا آجاتا ہے، سوچنا سمجھنا آجاتا ہے تعلیم کے حصول کے بع
ضروری تو نہیں ہے کہ ایک میز ہو ایک کرسی ہو سامنے فائل ہو اور ہاتھ میں قلم ہو اور بس تعلیم کا مقصد پورا ہو جائے زندگ
مختلف شعبوں میں تقسیم ہے اور ہر شعبہ اپنی جگہ ایک باعزت روزی مہیا کرتا ہے، بے عزت روزی وہی ہوتی ہے جس سے اپنا
مطمئن نہ ہو چوری، ڈاکہ زنی اسمگلنگ یا ایسے دوسرے کام جو انسانوں کو نقصان پہنچائیں بس انہیں ہی غلط قرار دیا جا سکتا
ورنہ محنت مزدوری کر کے روزی کمانے والا ہر شخص اتنا ہی باعزت ہوتا ہے جتنے دوسرے۔

ایک دو بار کلیم احمد صاحب سے اس موضوع پر گفتگو بھی ہوئی تھی کلیم احمد صاحب شکیل کی باتوں سے اختلاف نہیں
کرتے تھے لیکن اُن کا کہنا تھا کہ انتظار کر لیا جائے اگر شخصیت اپنے صحیح مقام تک نہ پہنچے تو پھر آگے چل کر وہ مسخ ہو جاتی ہے۔

بہر طور شکیل نے کلیم احمد صاحب سے کبھی کوئی اختلاف نہیں کیا تھا لیکن اب جو حالات نظر آرہے تھے وہ اس بات کا
تقاضا کر رہے تھے کہ قلم رکھ کر ہتھوڑا اٹھا لیا جائے کم از کم گھر میں پیٹ بھر روٹی تو آئے، ماں کے بدن پر کپڑے تو ہوں انسانوں
کی طرح زندگی بسر کرنے کا موقع تو ملے، ویسے تصورات تو انسان کو اپنی ذات سے نجانے کتنی دور لے جاتے ہیں، حقیقت اور
عمل کی دنیا بڑی مختلف چیز ہوتی ہے اور اگر اسے اپنا لیا جائے تو مشکلات میں کمی ہو جاتی ہے، شکیل نے یہ بھی سوچا تھا کہ والدین
کو بتانا ضروری تو نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے، اب جبکہ صورتحال یہاں تک پہنچ گئی ہے تو اس کے اپنے خیال میں اُسے اپنے
فرض کا آغاز کر دینا چاہیئے۔

ناشتہ کرتے ہوئے بہت سی سوچیں اس کے ذہن تک پہنچ رہی تھیں کہ باہر سے پوسٹ مین نے آواز لگائی اور رقیہ بیگم
دروازے پر پہنچ گئیں۔ لفافہ تھا ایسے لفافے اکثر آتے رہا کرتے تھے ان میں ان درخواستوں کے جواب ہوا کرتے تھے جو شکیل
اخبارات میں دیکھ کر ہمیشہ پوسٹ کر دیا کرتا تھا لیکن اُسے یہ بھی اندازہ تھا کہ ان درخواستوں کا نتیجہ کچھ نہیں نکلتا بس تھوڑے
بہت پیسے خرچ ہو جاتے ہیں گیس شیس ہو جاتی ہیں بس اس سے زیادہ کچھ نہیں، آخری انٹرویو اُسے ابھی تک یاد تھا اس کے بعد
سے کسی ایسی درخواست کا جواب نہیں ملا تھا جس کے لئے اُسے انٹرویو دینے جانا پڑتا۔

رقیہ بیگم نے لفافہ لا کر اُس کے سامنے رکھ دیا اور شکیل مطمئن انداز میں ناشتہ کرتا رہا۔ پھر جب اُسے فراغت حاصل ہوئی تو
اس نے لفافہ کھولا جانتا تھا کہ اس لفافے میں کیا ہوگا۔ لفافے سے کاغذ ہی برآمد ہوا تھا تبدیلی بس اتنی سی تھی کہ اس کاغذ پر
اوپری حصے پر کسی کمپنی وغیرہ کا نام نہیں لکھا ہوا تھا۔ لفافہ بھی سادہ ہی تھا لیکن خوبصورت تھا۔ شکیل نے پرچہ کھول کر پڑھنا
شروع کیا لکھا تھا۔

مسٹر شکیل احمد

آپ یقیناً مجھے نہیں جانتے ہوں گے لیکن میں آپ سے واقف ہوں کس طرح یہ بتانا فوری طور پر ضروری نہیں ہے مجھے
اس بات کا علم ہے کہ آپ ملازمت کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور آپ کو اس سلسلے میں بہت سی مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے
بہرحال میں ایک چھوٹی سی پیشکش کر رہی ہوں آپ کو، مجھے ایک تعلیم یافتہ شخص کی ضرورت ہے جو میرے چھوٹے موٹے امور
سرانجام دے دیا کرے اور اس کے لئے میری نگاہ انتخاب آپ پر پڑی ہے آپ اطمینان رکھیں آپ کی تعلیمی قابلیت کے مطابق
آپ کو تنخواہ دی جائے گی۔ کام بھی غیر معیاری نہیں ہوگا بس یوں سمجھ لیجیئے کہ اس کا تعلق کسی فرم یا کمپنی سے نہیں ہے یہ
بالکل پرائیوٹ نوعیت کا کام ہوگا اگر آپ ذہنی طور پر اسے قبول کرنے کو تیار ہو جائیں تو براہ کرم مندرجہ ذیل پتے پر مجھ سے
ملاقات کر لیں۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔ باقی تفصیلات یہاں آنے کے بعد ہی آپ کے علم میں آسکیں گی۔ پتہ ذہن نشین
کر لیجیئے شام کے چار بجے کا وقت ملاقات کے لئے بہت مناسب ہوگا۔ آپ کو یہ لفافہ جس دن بھی ملے آپ اُسی دن تشریف لا سکتے
ہیں کیونکہ ڈاک کے مسئلے میں کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا۔ شکریہ

نا تو کوئی نام تھا نیچے اور نا ہی کوئی اور اشارہ تھا، جو پتہ لکھا ہوا تھا وہی سب کچھ تھا۔ شکیل نے بار بار اس پرچے کی تحریر کو
دیکھا ہاتھ سے لکھا ہوا تھا اور رائٹنگ انتہائی خوشنما تھی یہ کوئی مذاق تو نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے مجھ سے ایسا مذاق کرنے والا کون
ہے اور اگر یہ مذاق نہیں ہے تو....... تو کیا تقدیر روشن ہو رہی ہے، کیا قسمت کے ستارے تاریکیوں کے بھنور سے آزادی
حاصل کر رہے ہیں کاش....... کاش ایسا ہی ہو۔"

دروازے پر دستک ہوئی اور پروین کمرے سے نکل بھاگی۔ فاطمہ بیگم صحن میں تھیں۔ فوراً ہی غرائیں۔
"اری او گھوڑی۔ او گھوڑی، رک جا، رک جا۔ بےلگام مت ہو۔ کون ہے دروازے پر کچھ پتہ ہے۔" پروین جلدی سے
گئی اس نے گھور کر فاطمہ بیگم کو دیکھا اور کہنے لگی۔
"کیا مجھے الہام ہوا ہے دادی اماں کہ دروازے پر کون ہے۔"
"تو پھر منہ اٹھائے بےلگام گھوڑی کی طرح بھاگی کیوں جارہی ہے۔ نیا محلہ ہے کوئی مرد بھی ہوسکتا ہے۔ دروازہ کھ
سامنا کرنے گی کیا؟"
"تو کیا مرد مجھے کھا جائے گا؟" پروین نے دادی اماں کو گھورتے ہوئے کہا۔ دراصل جن الفاظ میں دادی اماں نے فاط

نھا انہیں سن کر پروین کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔
"ٹھیک ہے بوا ٹھیک ہے۔ دیدوں کا پانی ایسے ہی تو مرجاتا ہے اور اس کے بعد ماں باپ سر پکڑ کر روتے ہیں۔ ارے یہی
دکھایا ہے نسیم بیگم نے تجھے۔ زبان درازی تو دیکھو۔ ہاتھ بھر لمبی زبان اور آنکھیں، توبہ توبہ ہم بھی کبھی جوان ہوئے تھے۔
ین گزرا تھا ہمارا۔ ماں باپ کے سامنے مجال ہے آنکھیں اٹھا کر بات کر جائیں اور یہاں، اللہ میری توبہ، اللہ میری توبہ۔"
یوریاں چڑھی ہوئی، آنکھوں سے انگارے برستے ہوئے۔ "اری چل اندر سمجھتی کیا ہے تو خود کو۔ اٹھاؤں گی ابھی جوتی۔ اور
رسادوں گی سر پہ۔"
پروین منہ بسورتی ہوئی اندر چلی گئی تھی۔ دادی اماں خود دروازے پر پہنچیں۔ نسیم بیگم نے پتہ نہیں فاطمہ بیگم کی یہ
ہاری باتیں سنی تھیں یا نہیں۔ اندر تھیں اور کمرے میں کچھ سی رہی تھیں۔ مشین چلنے کی آواز مسلسل ابھر رہی تھی اور شاید
ی وجہ تھی کہ انہوں نے فاطمہ بیگم اور پروین کے مکالمے نہیں سنے تھے۔ فاطمہ بیگم نے دروازہ کھولا۔ سر پر برقعہ رکھے ایک
ھاری بھرکم بدن کی خاتون کھڑی ہوئی تھیں۔ عمر فاطمہ بیگم سے تھوڑی ہی کم ہوگی۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ منہ میں پان کا
یڑا لگا ہوا تھا۔ باچھوں سے پیک باہر نکلی ہوئی تھی۔ بڑے ادب سے سلام کیا اور شاید یہی ادا دادی اماں کو بھا گئی۔ پیچھے ہٹ
ر بولیں۔"
"جیتی رہو۔ جیتی رہو۔ اندر آؤ۔ کون ہو۔ کہاں سے آئی ہو؟"
"لے بوا، اس گھر میں۔ تم جیسی کوئی بزرگ خاتون بھی ہوں گی۔ میں نے نہیں سوچا تھا لو، تو مجھے افسوس ہورہا ہے کہ
نی دیر کیوں لگائی۔ پہلے ہی مجھے آنا چاہیئے تھا۔"
"آؤ آؤ، اندر آؤ۔" دادی اماں نے کہا اور جب برقعہ پوش خاتون اندر داخل ہوگئیں تو دادی اماں نے دروازہ بند کردیا اور پھر
نا کے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتی ہوئی دالان کی چارپائی پر آبیٹھی۔
"بیٹھو، بیٹھو کہو کہاں سے آئی ہو۔ کون ہو؟"
"لے بوا، مجن بی کے نام سے سارا محلہ جانتا ہے مجھے۔ اسی محلے میں رہتی ہوں۔ وہ سامنے آٹھ گھر چھوڑ کر میرا گھر ہے۔ مجن
کہلاتی ہوں۔ سب عزت کرتے ہیں۔ اللہ کے کرم سے میری۔"
"اچھا، اچھا، بڑی خوشی ہوئی۔ چلو محلے والوں نے ہمارے دروازے کا بھی رخ تو کیا۔"
"لے سب بہت اچھے ہیں یہاں پر۔ بڑے ملنسار۔ اللہ کے پیارے سب ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اب تم ایک
گیارہ نمبر میں آئی ہو تو سارے کے سارے پوچھتے ہیں کہ مجن بی ایک سو گیارہ نمبر میں کون آیا ہے۔ کچھ پتہ لگا؟ دراصل سارے
ے کی خبر میں ہی رکھتی ہوں۔ ہر ایک سے ملنا جلنا، اے اللہ رکھے بیٹے کو۔ راج رجادیا ہے مجھے بس کہتا ہے اماں کھاؤ، پیو، عیش
د۔ کیا بتاؤں بہن اللہ نے ایک ہی دیا ہے مگر اس ایک نے پار لگادیا مجھے۔"
فاطمہ بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ کچھ سوچتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "اللہ اسے سلامت رکھے۔ ماں باپ کا خیال رکھنا
ن تو عبادت ہے۔"
"سبحان اللہ سبحان اللہ سچ بات کہی۔ ارے ہم اپنی اولاد پر اپنی ساری زندگی تو نچھاور کردیتے ہیں۔ جواب میں اگر وہ ہمارا
ماپا بھی نہ سنبھالیں تو میں کہتی ہوں...... میں کہتی ہوں۔" مجن بی جو کہنا چاہتی تھیں کہہ نہ سکیں۔ شاید الفاظ نہیں ملے
۔ فاطمہ بیگم بولیں۔
"ٹھیک کہتی ہو، ایک ہی بیٹا ہے تمہارا؟"
"ہاں۔ اللہ رکھے شمشاد نام ہے۔ نوکری کرتا ہے۔ اللہ خوب دے رہا ہے۔ بہو ہے، پوتی پوتے ہیں، بس میں تو انہی میں
ی رہتی ہوں۔ اے خدا ان کی زندگی رکھے۔ اماں کو بھول بیٹھے ہیں بس دادی دادی کرتے رہتے ہیں۔ ایک ایک کا خیال رکھنا

پڑتا ہے مجھے۔ کسی کے پیٹ میں درد تو کسی کے کان میں درد۔ سب دادی اماں ہی کی گود میں آکر بیٹھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے جمن بی، بڑھاپے میں پوتے پوتیاں ہی تو دوست ہوتے ہیں۔"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ خون ہوتا ہے ان میں اپنا۔ تمہارے کتنے بچے ہیں؟"

"میرا بھی ایک ہی بیٹا ہے۔ اللہ کے فضل سے حکمت علی نام ہے۔"

"اللہ جیتا رکھے۔ کیا کرتا ہے بیچارہ؟" جمن بی نے پوچھا۔

"ملازمت کرتا ہے۔ خدا اسے خوش رکھے۔"

"ہاں خدا اسے خوش رکھے۔ بہو ہے؟"

"ہاں بہو ہے۔ دو پوتیاں ہیں۔"

"اچھا اچھا۔ خدا خوش رکھے۔ کہاں گئیں یہ سب کی سب؟"

"میں لاتی ہوں ابھی، تم اور سناؤ اپنے محلے والوں کے بارے میں کون کون رہتا ہے یہاں محلے میں۔ ہمارا تو ا بھ
ے ملنا جلنا ہی نہیں ہوا۔"

"اے غلام قادر کے گھر عقیقہ تھا۔ سوچا تھا کہ ایک سو گیارہ نمبر والوں سے بھی ملاقات ہوگی مگر شاید تمہارا
لے میاں ہیں کیا تمہارے؟" جمن بی نے درمیان میں رک کر پوچھا۔

"نہیں اللہ کو پیارے ہو چکے۔"

"کیا کرتے تھے؟"

"فوج میں ملازم تھے۔ انگریزی فوج میں بڑے بڑے کارنامے ہیں ان کے۔ بس کیا بتاؤں تمہیں جمن بی ان
بھی آتی ہے دل تڑپنے لگتا ہے۔"

جمن بی کا چہرہ بھی مرجھا گیا۔ غالباً انہیں بھی کوئی یاد آگیا تھا۔ دیر تک سوچتی رہیں پھر ٹھنڈی سانس لے کر ب

"ہاں بوا بس اللہ کا حکم ہے۔ حالانکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ خوش قسمت وہی بیوی ہوتی ہے جس کا جنازہ شوہر کا ک
کرلے ورنہ شوہر گیا۔ ہزار بچے ہوں مگر شوہر جیسی بات بھلا کس میں ہوتی ہے۔ دل کی بات اسی سے تو کہی جاسکتی
دلایا تم نے بوا۔"

"بس اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کی مرضی ہے۔ ویسے تم نے بالکل سچ کہا۔ شوہر کے کاندھے پر آخری منزل تک پ
اس سے بڑی خوش قسمتی اور کوئی نہیں ہوسکتی۔"

"بالکل صحیح کہتی ہو۔" جمن بی نے ہاں میں ہاں ملائی۔ پھر ادھر اُدھر دیکھ کر بولیں۔

"کوئی سی رہا ہے کچھ؟"

"ہاں بہو سی رہی ہے۔ گھر کے کپڑے گھر ہی میں سلتے ہیں۔"

"تو اور کیا بوا۔ گھر کے کام گھر ہی میں اچھے لگتے ہیں۔ ہائے بس دنیا جہان کی باتیں تو تم رہنے دو۔ ہر گھر میں
کمائی کر کے مرجائے اور بیویاں توبہ توبہ چار چار ماسیاں گھر میں لگا لیتی ہیں۔ ایک جھاڑو کرے ایک پوچا کرے ایک بر
اور ایک ایک۔ بس میاں کی کمائی ایسی ہی تو لٹتی ہے۔ بیگم صاحبہ ہیں کہ ہاتھ ہلائیں نہ پیر۔ گھر میں پڑی رہیں۔ بیما
ہوجائیں۔ وہ جو کہتے ہیں کوئی کوئی چیز بڑھ جاتی ہے۔ بس وہ خون بڑھ جاتا ہے نا، خون نہ بڑھے تو کیا ہو۔ بس میاں دف
شام کو شکایتیں شروع ہوگئیں۔ یہ بیماری ہے، وہ بیماری ہے۔ لو دوڑے جارہے ہیں ڈاکٹر کے پاس۔ لے بوا کیا ب
کل کی عورتوں کی بات بس یوں سمجھ لو یہ بیماری بھی سیر و تفریح کا ایک بہانہ ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہا تم نے جمن بی۔ یہ تو تم نے میرے دل کی بات کہہ دی صحیح کہتی ہو۔ بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔

ا نہ ہلاؤ گے تو تندرستی کہاں رہے گی۔ یہ مٹی کا بدن تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ اسے چلاتے پھراتے رہو تو چلتا پھرتا رہتا ہے۔ ڈال
لے تو پھولتا تو ہے ہی پھر پھلتا نہیں اور میاں کی کمائی ڈاکٹروں کی نذر۔"

"بالکل ٹھیک، بالکل ٹھیک۔"

"لے پان نہیں کھاتی ہو کیا؟"

"کیوں نہیں، منگاتی ہوں ابھی پاندان۔ پروین۔ اری او پروین۔ ثریا۔ ذرا پاندان اٹھا لائیو میرا۔" فاطمہ بیگم نے آواز
۔ پروین نے تو اس کان سنا اس کان اڑا دیا۔ اس کا تو جھگڑا چل رہا تھا جمن بی کی نگاہیں اس کا جائزہ لینے لگیں۔

"لے ماشاء اللہ، ماشاء اللہ۔ جیتی رہو جیتی رہو بٹیا۔ لے دو انگلی کا سلام تو کرلیا کرو کسی آنے جانے والے کو۔"

"میں نے سلام کیا تھا آپ نے سنا نہیں ہوگا۔"

"ارے توبہ۔ کچھ اونچا بھی سننے لگی ہوں آج کل۔ معاف کرنا بٹیا برا مت ماننا ہم بوڑھوں کی باتوں کا۔ تم نے سلام کیا تو
م السلام۔" ثریا پاندان رکھ کر واپس جانے لگی تو جمن بی نے پوچھا۔

"چھوٹی ہے۔"

"ہاں یہ چھوٹی ہے۔ دوسری بھی اس سے ایک ڈیڑھ سال ہی بڑی ہے۔"

"اللہ جیتا رکھے۔ بڑی پیاری شکل پائی ہے۔ کہیں شادی بیاہ کی بات چیت ہوئی؟"

"ابھی کہاں۔ حکمت علی سوچتے رہتے ہیں بچیوں کے بارے میں کرنے دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کا
ہوگا۔"

"لے تم پروا مت کرنا۔ میں جو ہوں۔ اتنی شادیاں کراچکی ہوں کہ اب تو انگلیوں پر بھی نہیں گنی جاسکتیں۔ تم جب
کھوں گی لڑکے تلاش کردوں گی۔ اپنے محلے کے لوگ بڑے شریف ہیں۔ بڑے اچھے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ مگر ابھی ذرا بیٹے کا ہاتھ کھل جائے۔ اس کے بعد ہی سوچا جائے گا۔ ظاہر ہے ملازمت پیشہ ہے۔"

"لے لو بنی شمشاد کی تو بات ہی کچھ اور ہے کیا بتاؤں تمہیں بوا بس اماں کی صورت ہی دیکھتا رہتا ہے۔ کہتا ہے اماں پھل
۔ فروٹ کھاؤ۔ میوے کھاؤ۔ تندرستی خراب نہیں ہونی چاہیئے تمہاری۔ بس بھرے رہتے ہیں صندوق کے صندوق۔ یوں سمجھ
کھائے نہیں کھائے جاتے۔ محلے کے سارے لوگ کہتے ہیں کہ لے جمن بوا یہ پھل تمہارے دروازے پر کیوں پڑے سڑتے
۔ میں کہتی ہوں کیا کروں بیٹا شمشاد لاکر ہی اتنے دے دیتا ہے۔ میں کھاؤں، بچے کھائیں۔ اس کے بعد بھی بچ جائیں۔ پڑے
ے سڑ جائیں۔ میں کیا کروں۔" فاطمہ بیگم کچھ جلن سی محسوس کرنے لگی تھیں اور یہ احساس بھی ہو رہا تھا انہیں کہ جمن بی کچھ
ڑ ہی بولتی ہیں۔ کہنے لگیں۔

"بیٹا کرتا کیا ہے تمہارا۔"

"نوکری کرتا ہے نوکری۔"

"نوکری میں تو اتنی تنخواہ نہیں ملتی۔ بہت پڑھا لکھا ہے کیا۔"

"لے کہاں پڑھا لکھا تھوڑی ہے۔ ہمارے ہاں پڑھنے لکھنے کا رواج ہی نہیں تھا زیادہ مگر ہے بڑا ہنرمند۔ بس یوں سمجھ لو
میں ہاتھ ڈالتا ہے تو سونا نکال لیتا ہے۔"

"سنار ہے؟"

"لے بوا کیسی باتیں کرتی ہو۔ اچھا خاصہ نوکر ہے وہ۔"

"رشوت لیتا ہوگا؟"

"لیں۔" جمن بی کا منہ سکڑ گیا۔ فاطمہ بیگم نے پاندان کھول لیا اور پان کے پتے پر کتھا چونا لگانے لگیں۔ جمن بی البتہ یہ بات

سن کر کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی تھیں۔ اندر مشین چلنے کی آواز بند ہو گئی اور نسیم بیگم نے پکارا۔
"پروین۔ ثریا۔ کوئی آیا ہے کیا؟"
"کون ہے یہ؟" حجن بی نے پوچھا۔
"بہو ہے۔"
جواب نہ پا کر نسیم بیگم خود ہی باہر نکل آئی تھیں۔ ایک اجنبی خاتون کو دیکھا تو سلام کیا اور حجن بی مسکرا مسکرا دینے لگیں۔ پھر بولیں۔
"یہ ہوتے ہیں بہوؤں کے طریقے۔ دیکھو نا بوا، کس نام سے پکاروں تمہیں؟"
"فاطمہ بیگم ہے میرا نام۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔
"ہاں تو میں کہہ رہی تھی۔ دیکھو نا فاطمہ آپا ایسی ہوتی تھیں ہمارے زمانے کی بہوئیں۔ کسی بھی بڑے کو دعا کے بغیر نہ چھوڑا یہ دعائیں ہی ملتی ہیں۔"
"ہاں یہ تو ہے۔" فاطمہ بیگم نے کہا اور حجن بی نسیم بیگم سے کہنے لگیں۔
"آؤ بیٹا بیٹھو آؤ۔ حجن بی ہے ہمارا نام۔ محلے کے رہنے والے ہیں تمہارے۔"
"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر اماں چائے بنا لاؤں۔"
"ہیں۔" فاطمہ بیگم نے کڑی نگاہوں سے نسیم بیگم کو دیکھا یہ خواہ مخواہ کا خرچہ نکال رہی تھیں۔ کہنے لگیں۔
"پان بنا رہی ہوں میں حجن بی کے لئے۔"
"بعد میں کھا لوں گی پان۔ بنا لو بیٹا چائے بنا لو۔ صبح سے آج چائے ہی نہیں پی۔ بہو نے تین بار بنائی مگر ایسا موقع ہی نہ مل سکا۔ میں ذرا گرم چائے پیتی ہوں۔ ٹھنڈی ہو گئی، بہو گرم کر لائی میں نے کہا رکھو ابھی پیتی ہوں تو یاد آگیا تو اندر چلی گئی۔ تین دفعہ چائے ٹھنڈی ہوئی اور اس پر بھی بھول گئی۔" حجن بی قہقہہ مار کر ہنس پڑیں باورچی خانے کی جانب چلی گئی تھیں۔
"ہاں تو شمشاد کی بات ہو رہی تھی۔" فاطمہ نے کہا۔
"اے بوا تمہارے اپنے گھر کی کیا کیفیت ہے۔ کیا بیٹے کو رشوت نہیں ملتی۔"
"لعنت بھیجتا ہے میرا بیٹا۔ رشوت کی کمائی پر۔"
"تو پھر تم نے یہ کیوں سوچ لیا کہ میرا بیٹا رشوت کی کمائی لاتا ہوگا۔"
"نہیں، نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ دراصل وہ پھل فروٹ وغیرہ کی باتیں کر رہی تھیں اب دیکھیئے زمانہ ہے بچوں کو تنخواہیں ہی کتنی ملتی ہیں۔ مہنگائی تو آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ ایسی منہگائی میں بھلا پھل عام آدمی تو نہیں لاسکتا۔"
"تو تمہارا کیا خیال ہے میرا بیٹا ڈاکے ڈالتا ہوگا؟" حجن بی نے ناگواری سے کہا۔
"نہیں، نہیں، میں تمہاری ہی بات پر کہہ رہی تھی۔"
"زبان کو ذرا میٹھا رکھنا چاہیئے۔ میں تو بڑی محبت سے آئی ہوں تمہارے پاس۔"
"لو تو میں نے کون سی کڑوی بات کہہ دی۔" فاطمہ بیگم نے پان کا بیڑا حجن بی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"اے رک جاؤ۔ بہو چائے لا رہی ہوگی۔ چائے کے بعد کھا لوں گی۔" حجن بی نے کہا اور فاطمہ بیگم نے پان کا بیڑا پھینک دیا۔ پھر اٹھتی ہوئی بولیں۔
"ذرا دو منٹ میں آئی۔ کچھ کام ہے۔" دونوں کے درمیان کچھ ناخوشگوار سی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ حجن بی معنی

خیز نگاہوں سے فاطمہ بیگم کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں نسیم بیگم چائے کی پیالی لئے ہوئے آگئیں۔ انہوں نے بڑے ادب سے تپائی حجن بی کے سامنے رکھی اور حجن بی محبت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔
"تقدیر پھوٹ گئی بیٹی تمہاری تو۔" انہوں نے نسیم بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا اور نسیم بیگم چونک کر حجن بی کو دیکھنے لیں۔
"م۔ میں۔ میں سمجھی نہیں۔"
"ہم تو تجربے کار ہیں۔ ایک نظر میں بھانپ لیتے ہیں کہ ماحول کیا ہے۔ اے کیسے گزارا کرتی ہوگی ان پٹاخہ بیگم کے ساتھ۔"
"خدا کے لئے آہستہ بولیے۔ آپ کی اور میری دونوں کی جان کھا جائیں گی۔"
"نہیں بوا ہم کوئی لڑنے تھوڑی آئے ہیں۔ بس تمہیں دیکھ رہی تھی چاند سا چہرہ کملایا ہوا ہے۔ پیلاہٹ دوڑ رہی ہے ورے چہرے پر۔ اس کی وجہ میں جانتی ہوں میں بھی کبھی بہو تھی اور ساس سے واسطہ پڑا تھا۔"
"جی۔ جی۔ آپ چائے لیجیئے آپ کہہ رہی تھیں میں گرم چائے پیتی ہوں۔"
"اللہ خوش رکھے۔" حجن بی نے چائے کی پیالی اٹھالی اور نسیم بیگم بار بار پلٹ کر دیکھنے لگیں۔ لیکن فاطمہ بیگم مزاج کی بہت بُری تھیں حجن بی پہلے تو نہیں پسند آئی تھیں لیکن بعد میں ان کی شیخیاں فاطمہ بیگم کو کچھ ناگوار گزری تھیں۔ اس کے بعد جو ٹالے ہوئے وہ ذرا ناخوشگوار تھے۔ فاطمہ بیگم نے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔ زبان بھلا کہاں رکتی۔ محلے سے آنے والی پہلی خاتون جانے کیا تاثرات لے کر جاتیں اس لئے مصلحتاً اٹھ گئی تھیں۔ حجن بی نے کہا۔
"میں ہوں بیٹا۔ پریشان مت ہونا۔ تمہاری ماں کی طرح ہوں۔ نبھا کر دکھا دوں گی۔ آتی رہوں گی۔ اے میں دیکھوں گی تم پر یہ کیسے ظلم کرتی ہیں۔"
"جی۔ جی۔" نسیم بیگم نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے حجن بی کو دیکھا۔
"سب سمجھتی ہوں۔ تجربہ ہے پورا پورا۔ اچھا اب زیادہ نہیں بیٹھوں گی پھر آؤں گی۔ خبر لیتی رہوں گی تمہاری۔ پرواہ مت کرنا۔ تمہارے اماں باوا اگر نہیں ہیں تو میں تو ہوں۔ شمشاد تمہارا بھائی ہے۔ تمہاری بھاوج ہے۔ آؤں گی تم سے ذرا اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کروں گی۔ اے یہ کہیں آتی جاتی نہیں ہیں؟" حجن بی نے فاطمہ بیگم کے بارے میں پوچھا۔
"ج۔ جی۔ بعد میں۔ بعد میں بتاؤں گی آپ کو۔ اچھا پھر میں ذرا کچھ سی رہی تھی۔"
"وہاں تھالی میں سے پان اٹھا دو۔ پان کی طلب لگ رہی ہے۔" حجن بی نے گرم گرم چائے حلق میں انڈیلنے کے بعد اشارہ کیا اور نسیم بیگم نے جلدی سے پان کا بیڑا انہیں دیا۔ حجن بی نے برقعہ سر پر رکھا اور کہنے لگیں۔
"اچھا چلتی ہوں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔"
اور اس کے بعد نسیم بیگم حجن بی کو دروازے تک چھوڑنے آئی تھیں۔

❋❋❋

"پرچہ لفافے میں رکھ کر اس نے جیب میں رکھ لیا۔ رقیہ بیگم یہ جاننے کے لئے نہیں رکی تھیں کہ لفافہ کہاں سے آیا ہے۔ اکثر ایسے لفافے آتے رہا کرتے تھے اور وہ بھی سمجھتی تھیں کہ ان میں کیا ہوتا ہے لیکن شکیل نے کسی کو یہ بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ لفافے میں رکھے ہوئے پرچے کی تحریر کیا ہے۔ البتہ ناشتہ اس نے تیز رفتاری سے کیا تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد اس نے ایک بار پھر پرچے کو نکالا غور سے پڑھا دل اندر سے عجیب و غریب کیفیت کا شکار تھا۔ یہ ایک ایسی پیشکش تھی جس کے لئے نہ تو کسی انٹرویو کا معاملہ تھا اور نہ ہی کوئی ایسی بات جو اس کے لئے باعث تکلیف ہوتی۔ کون ہے جو اسے جانتا ہے اور کیا یہ سچ ہے؟ پھر اس نے سوچا کہ ایسے مذاق۔ تو عموماً ہوتے رہے ہیں۔ اگر یہ بھی کوئی مذاق ہے تو اس سے لطف اندوز ہونے میں کیا حرج ہے جو پتہ لکھا گیا تھا وہ ایک ایسے علاقے کا تھا جہاں اعلیٰ درجے کے لوگ رہا کرتے تھے۔ دفاتر بھی بنائے ہوئے تھے

لوگوں نے اپنے اپنے گھروں میں۔ لیکن زیادہ تر اعلیٰ قسم کی رہائش گاہیں ہی تھیں۔ اگر کسی کوٹھی میں کوئی دفتر بنایا گیا تھ بھی انتہائی معیاری قسم کا تھا۔

شکیل نے تیاریاں شروع کردیں اور کچھ دیر بعد معمول کے مطابق گھر سے نکل آیا۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے دو بسیر تھیں اور اس کے بعد اس پتے کو تلاش کرنا تھا۔ تاہم وہ اس مشقت کا عادی ہوچکا تھا۔ البتہ شہباز کے گھر کے سامنے سے گز ہوئے اسے فرزانہ یاد آئی۔ یقینی طور پر اس وقت تک اپنے دفتر جاچکی ہوگی۔ فرزانہ کے تصور کو ذہن میں لئے بس اسٹاپ اور بس کا انتظار کرنے لگا۔ بسوں کی مشقت کسی اور تصور کو ذہن میں نہیں آنے دیتی کیونکہ وہاں انسان مکمل طور پر حاض ہی سفر کرسکتا ہے۔ بس میں البتہ اسے خوش قسمتی سے بیٹھنے کی جگہ مل گئی تھی چنانچہ کھڑکی سے باہر دوڑتے ہوئے م دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر اپنا ذہن فرزانہ کی جانب منتقل کردیا۔

طویل عرصہ فرزانہ کے ساتھ گزرا تھا اور اس طویل عرصے میں بہت سے تصورات نے دلوں مین جگہ پائی تھی لیکہ حالات نے حقیقت کی دنیا میں لاکھڑا کیا تھا اور حقیقت کی دنیا اوپر سے بڑی بھیانک تھی۔ اس کے پس پردہ اگر کہیں م پوشیدہ ہوں تو ہوں بظاہر نظر نہیں آتی تھیں۔ یہ بات شکیل بھی اچھی طرح جانتا تھا اور فرزانہ بھی کہ وقت نے اپنے راستہ لئے ہیں۔ بچپن کی جو سوچیں تھیں، جوان ہوچکی ہیں اور جوانی نے انہیں الجھنیں دی ہیں۔ ان الجھنوں میں زندگیٔ مسرتوں کے لمحات نہیں نکل پارہے جن کے لئے خواب دیکھے گئے تھے۔

شکیل کے ذہن میں فرزانہ موجود تھی اور فرزانہ کی تو ہر جنبش سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شکیل کے علاوہ کسی اور کے میں سوچنے کی عادی نہیں ہے اور نہ ہی اس نے ان حالات سے شکست قبول کی ہے لیکن ان کا گھرانہ، چلو میرا مسئلہ تو مختلف ہے۔ ماں ہیں باپ ہیں اور میں تنہا ہوں اس کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے میرے اوپر لیکن لیکن فرزانہ ف اس گھر کی کفیل بن چکی ہے، اور اگر وہ اس گھر پر سے ہاتھ ہٹالے تو تو شکیل سے زیادہ اس گھرانے کے بارے میں کسی کو معلوم ہوسکتا تھا۔ فرزانہ نے اسے موقع ملنے پر ایک ایک بات بتائی تھی اور شکیل اس کے ساتھ بہت دیر تک سوچوں میر تھا۔ ان مشکلات کا حل تلاش کرنے کے لئے جن کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔

اور پھر وقت نے شکیل کو یہ احساس دلایا تھا کہ وہ تصور جو ان دونوں کے ذہنوں میں پروان چڑھ رہا ہے تکمیل تک کے لئے نہیں ہے۔ اس کے اپنے مسائل الگ ہیں اور فرزانہ کے الگ، دوسروں سے ہٹ کر تو نہیں سوچا جاسکتا۔ یہ دونوں ت ہوچکے ہیں اور اس طرح بھلا فرزانہ کے حصول کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔

ان سوچوں نے کم از کم اور کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو لیکن سفر بخوبی کاٹ دیا تھا۔ شکیل کو اندازہ بھی نہ ہوسکا کہ راستے میر نظر آیا تھا۔ بس کہاں کہاں رکی تھی۔ اپنے اسٹاپ پر البتہ وہ ہوشیار ہوکر نیچے اُتر گیا۔ یہاں سے اسے اس مخصوص علاقے میر کے لئے دوسری بس درکار تھی۔ اس دوسری بس میں البتہ اس نے سوچوں کو اپنے قریب نہ آنے دیا۔ اب اس کی سوچیں ا کی جانب منتقل ہوگئی تھیں جس کا پتہ اس کے پاس لفافے میں محفوظ تھا۔ نجانے کون ہے اور اسے کیسے جانتی ہے؟ صر الفاظ اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ جس شخصیت نے اسے طلب کیا ہے وہ کسی خاتون کی ہے۔ جملہ تھا کہ مجھ سے ملاقات میں آپ کا انتظار کروں گی۔ بس اسی سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ خط لکھنے والی کوئی خاتون ہے، ویسے خط کی تحریر سے بھی ہوتا تھا کہ رائٹنگ زنانہ ہے۔

انہی سوچوں میں یہ سفر بھی طے ہوگیا اور بالآخر شکیل اس جگہ اُتر گیا جہاں اسے یہ مکان تلاش کرنا تھا۔ اس نے ا پہلے بھی یہ علاقہ دیکھا تھا لیکن کبھی اس پر غور نہیں کیا تھا۔ آج وہ ان عمارتوں پر غور کررہا تھا۔ یہ بھی انسان ہی عمارتوں میں رہا کرتے ہیں۔ مصائب ان کے قریب سے ہوکر نہیں گزرتے، یا پھر یہ دور کے ڈھول سہانے والی بات۔ معلومات تو ایسی ہی ہوتی ہیں جن سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مسائل ان کے بھی ہوتے ہیں لیکن A ذرا مختلف قسم کے۔

بہرحال اسے اب اس سے غرض نہیں تھی۔ وہ پتہ جو پرچے پر تحریر تھا اسے تھوڑی سی کاوش کے بعد مل گیا۔ لوگوں کی تعداد تو یہاں نہ ہونے کے برابر تھی البتہ دروازوں پر چوکیدار قسم کے لوگ ضرور نظر آجاتے تھے لیکن اسے کسی سے یہ پتہ پوچھنے کی ضرورت نہیں پیش آئی، پیتل کی ایک بڑی سی تختی پر کوٹھی کا نمبر خوبصورت الفاظ میں آویزاں تھا اور اس کے اوپر ایس۔ آر جمالی لکھا ہوا تھا۔ گویا یہ کوٹھی کسی مسٹر ایس۔ آر جمالی کی ہے۔ کوٹھی کے دروازے پر چوکیدار بھی موجود تھا۔ شکیل نے اپنا حلیہ درست کیا اور چوکیدار کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے چوکیدار کو سلام کر ڈالا تھا۔ چوکیدار سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"مسٹر جمالی سے ملنا چاہتا ہوں۔" چوکیدار نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"مسز جمالی سے ملاقات کرسکتے ہو۔ مگر کیا تمہیں جانتی ہیں وہ؟"

"ہاں۔ انہوں نے مجھے طلب کیا ہے۔"

"کیا نام ہے؟" چوکیدار نے پوچھا۔

"شکیل احمد۔"

"اگر انہوں نے نہ بلایا ہوا ہو تو پھر میں تمہیں ان سے نہیں ملا سکوں گا۔ میرے ساتھ آؤ۔" چوکیدار حلیہ سے صرف چوکیدار معلوم ہوتا تھا۔ لیکن گفتگو بڑی صاف ستھری کررہا تھا۔ خاصہ فاصلہ طے کرنے کے بعد اصل کوٹھی کے دروازے تک پہنچا اور پھر اس نے شکیل کو وہیں رکنے کا اشارہ کردیا۔ سامنے ہی مالی کیاریوں پر کام کررہا تھا اور گردن گھما کر شکیل کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ دوسرے اکا دکا ملازم بھی نظر آرہے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر سرونٹ کوارٹر بنے ہوئے تھے جن کی تعداد بھی چار تھی، کوٹھی کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ کسی بہت دولتمند کا گھر ہے۔ چوکیدار اندر چلا گیا تھا اور پھر چند ہی لمحات کے بعد وہ واپس آیا اور شکیل کو اندر آنے کا اشارہ کردیا۔ شکیل بڑے سے خوبصورت دروازے سے اندر داخل ہوا۔ دروازے کے دوسری جانب ایک گول ہال بنا ہوا تھا۔ اس کے بالکل قریب داہنے ہاتھ پر غالباً ڈرائنگ روم تھا لیکن چوکیدار نے ڈرائنگ روم نہیں کھولا تھا بلکہ ہال ہی کے ایک صوفے پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ ویسے ہال میں جو قیمتی قالین بچھا ہوا تھا وہی اتنی قیمتی تھا کہ عام لوگ تصور نہیں کرسکتے تھے پھر دیواروں کے ساتھ ساتھ جو گولائی میں صوفے لگے ہوئے تھے۔ وہ بھی انتہائی نفیس تھے۔ دیواروں پر بہت اعلیٰ قسم کی تصاویر آویزاں تھیں، دیکھنے سے رعب پڑتا تھا۔

شکیل صوفے پر بیٹھ گیا۔ فطری طور پر وہ کسی قدر سرکش تھا اور اب اس نے کسی سے مرعوب ہونا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ابتدائی دور تھا جب کسی بڑے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہوجاتی تھی لیکن اتنے بڑے بڑے لوگوں کے سامنے جاچکا تھا کہ اب اسے ان بڑے لوگوں میں کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ایک ہی انداز، ایک ہی جیسی شخصیت، ایک ہی گفتگو کرنے کا طریقہ، جیسے ان کے سامنے موجود لوگ زمین پر رینگنے والے حقیر چیونٹے ہوں۔ جن سے بات کرنے کا ایک مخصوص طریقہ ہوتا ہے اور اس طریقہ میں کوئی تبدیلی ضروری نہیں ہے لیکن شکیل نے اپنے طور پر ان لوگوں سے گفتگو کرنے کے طریقے میں تبدیلی پیدا کرلی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اب تک اسے کوئی معمولی سی ملازمت بھی حاصل نہیں ہوسکی تھی۔

وہ دیواروں پر آویزاں تصاویر کو دیکھتا رہا، انتظار کرتا رہا لیکن زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اسی وقت ڈرائنگ روم کا وہ دروازہ کھلا جو بڑے دروازے کے بالکل قریب تھا۔ بہت خوبصورت دروازہ تھا۔ دروازے سے برآمد ہونے والی شخصیت بھی بس ٹھیک ٹھاک ہی تھی۔ عمر تقریباً اٹھائیس انتیس سال۔ لباس درمیانہ قسم کا۔ چہرہ میک اپ سے بے نیاز۔ شکیل اسے دیکھ کر احترام سے کھڑا ہوگیا اس نے شکیل کو اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آئیے۔" اس کا مقصد ہے کہ یہ نشست گاہ عارضی تھی اور اب اسے ڈرائنگ روم میں جانا ہے۔ وہ ڈرائنگ روم کے

دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ یہ اس کا اپنا تعین تھا کہ دروازے کے قریب والا کمرہ ڈرائنگ روم کی حیثیت رکھتا ہوگا کیونکہ ا
عالیشان کوٹھیوں کے ڈرائنگ روم بہرطور اتنے سادہ بھی نہیں ہوتے جتنے سادہ ہال کمرے میں وہ آیا تھا۔ ڈرائنگ روم
دروازے سے اندر داخل ہوکر اس کی اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ، کہنا ہی بیکار ہے اس سلسلے میں جو نفاست اور قیمتی اشیاء
آراستگی یہاں تھی وہ ایسی کوٹھیوں میں تصور کی جاسکتی ہے۔ اسے لانے والی عورت غالباً وہ نہیں تھی، جس نے اسے طلب
تھا کیونکہ اس کے انداز میں تھوڑی سی شرافت اور احترام پایا جاتا تھا۔ اس نے شکیل کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے کہا۔

"آپ تشریف رکھیئے مسز جمالی آرہی ہیں۔" اس کے الفاظ ختم ہوئے تھے کہ اندرونی دروازے سے ایک اور شخصیت
نکل آئی۔ شکیل نے اسے ایک نگاہ دیکھا اور ایک دم کھڑا ہوگیا۔ یہ چہرہ کسی قدر شناسا تھا۔ ایک لمحے تک تو یاد نہ آسکا اور اس
بعد سوچنے کی فرصت نہ مل سکی۔ اس نے آنے والی شخصیت کو سلام کیا اور آنے والی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
بڑی آنکھوں والی پروقار چہرے کی مالک عورت آگے بڑھی اور اس نے مسکراتے ہوئے شکیل کو خوش آمدید کہا اور پھر صو
طرف اشارہ کر کے بولی۔

"براہ کرم تشریف رکھیئے۔ میں دعوے سے نہیں کہہ سکتی کہ آپ نے مجھے پہچان لیا ہے لیکن میں نے آپ کو

پان لیا۔" آواز بہت دلکش تھی اور شخصیت بہت اعلیٰ۔ عمر بھی تیس سال سے کسی طور پر کم نہیں ہوگی لیکن رکھ رکھاؤ اور
غ البالی نے جو حسن بخشا تھا وہ اس کا حق محسوس ہوتا تھا۔ شکیل احتراماً اس وقت تک کھڑا رہا جب تک کہ آنے والی صوفے پر نہ
بیٹھ گئی۔

"میں مسز جمالی ہوں۔ کہیئے شکیل صاحب میں یاد آئی؟"

"اگر۔ ہاں کہوں تو جھوٹ ہوگا لیکن آپ کا چہرہ بہت مختصر عرصے پہلے کہیں دیکھا ہے۔ اوہو یاد آگیا۔ یاد آگیا۔"

مسز جمالی ہنس پڑیں اور اس نے اسی طرح ہنستے ہوئے کہا۔

"یاد آنا چاہیئے تھا آپ کو حالانکہ اس سلسلے میں آپ کا تجربہ وسیع ہے۔ اچھا بتائیے کہاں دیکھا تھا آپ نے مجھے؟"

"ایک انٹرویو کے دوران۔ آپ انٹرویو لینے والے افراد کے ساتھ تھیں۔"

"گڈ۔ آپ کی یادداشت اتنی اچھی ہونی چاہیئے کیونکہ بہت اچھی یادداشت کے مالک لوگ ہی اتنا شاندار تعلیمی ریکارڈ رکھتے
ں۔ درحقیقت میں نے آپ کا فائل دیکھا تھا اور آپ کے تعلیمی ریکارڈ سے بہت متاثر ہوئی تھی۔"

"بے حد شکریہ۔ میں آپ سے گفتگو کے سلسلے میں بالکل احتیاط رکھوں گا کیونکہ یہ جگہ میرے لئے اجنبی ہے۔ اس لحاظ
، یا ایسی کسی جگہ اور ان الفاظ کے ساتھ اس سے پہلے مجھے انٹرویو کے لئے طلب نہیں کیا گیا۔"

"اوہو خدا نہ کرے۔" مسز جمالی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں نے آپ کو انٹرویو کے لئے نہیں بلایا بلکہ صحیح معنوں
ں تو یہ ہے کہ میں خود اپنا انٹرویو آپ کو دینا چاہتی ہوں۔ اس غرض سے کہ آپ میرے ہاں کام کرنا پسند کریں گے یا نہیں۔"

شکیل نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھا پھر آہستہ سے ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ "اب دیکھیئے پھر کچھ کہہ بیٹھوں گا تو ناراض
ہو جائیں گی۔"

"بالکل ناراض نہیں ہوں گی۔ انہی باتوں کے لئے تو میں نے آپ کو زحمت دی ہے۔" اس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"تو صرف اتنا بتا دیجیئے کہ یہ مذاق کیسا ہے اور آپ اسے کیا حیثیت دیتی ہیں۔"

"مذاق؟"

"جی۔"

"مذاق کا تعین فرمائیے شکیل صاحب۔"

"آپ نے مجھے ملازمت دینے کے لئے طلب کیا ہے۔"

"ہاں۔ پھر۔"

"اور اس کے باوجود۔ آپ اتنے نرم اور سلیقے کے الفاظ استعمال کر رہی ہیں۔"

مسز جمالی کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہوگئی۔ اس نے گردن جھکائی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اس کیفیت میں اس
کے رخسار میں ننھے ننھے گڑھے نمودار ہوگئے تھے۔ جھکا ہوا سر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ شکیل اسے دیکھتا رہا۔ چند لمحات کے
بعد اس نے کسی قدر بھاری لہجے میں کہا۔

"بہت سی چیزیں افسردہ کر دیتی ہیں شکیل صاحب لیکن بد نصیبی سے ہم بہت سی باتوں پر افسردہ ہونے کے باوجود ان کو
کم نہیں کر سکتے۔ ان کی حقیقتیں اپنی جگہ موجود رہتی ہیں۔ بلاشبہ آپ کے جو خیالات ہیں ان سے میں پورا پورا اتفاق کرتی
ہوں۔ ہمارے ہاں بے روزگاری کی شرح بہت زیادہ ہے۔ نوجوان تعلیم حاصل کرتے ہیں بڑی لگن اور بڑی محنت کے ساتھ کچھ
بننے کے لئے اپنا مستقبل بنانے کے لئے، اور جب تعلیم ختم کر کے وہ عملی زندگی میں آتے ہیں تو انہیں بے شمار ذہنی
پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور یہ ذہنی پریشانیاں یقینی طور پر ان کے اندر تلخی پیدا کر دیتی ہیں حالانکہ بعض چہرے اتنے
دلکش ہوتے ہیں کہ ان کی آواز کی تلخی ذہن کو گراں گزرتی ہے لیکن ہم اس المیے سے انکار نہیں کر سکتے اور پھر وہ لوگ جو اس قسم

کی احمقانہ باتیں کرتے ہیں جن کا تذکرہ آپ نے اس دن انٹرویو کے دوران کیا تھا مزید قابل نفرت ہیں کیونکہ میری دانست
وہ ان مظلوم نوجوانوں کا مذاق ہی اڑاتے ہیں لیکن خدا کی قسم آپ یقین کر لیں شکیل صاحب میں آپ سے ایک لفظ مذاق
نہیں کروں گی۔ کم ازکم اس وقت تک جب تک کہ میرے اور آپ کے درمیان کچھ ضروری امور طے نہ ہوجائیں اور آپ اس با
یقین نہ کرلیں کہ میں اس معاملے میں بالکل سنجیدہ ہوں اور میں نے بہت غور کرنے کے بعد آپ کو یہاں بلایا ہے۔
صاحب کچھ روایات ہیں۔ جن کا نبھانا ضروری ہوتا ہے اگر ہم روایات سے بھی ہٹ جائیں تو بعض اوقات تصورات مختلف
اختیار کرلیتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ سے متاثر ہونے کی بنیاد پر میں خود آپ کا گھر تلاش کرتی ہوئی آپ کے گھر پہنچ جاتی تو آپ
کریں کہ نہ صرف آپ بلکہ بے شمار افراد یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتے کہ آخر ایسی کونسی خاص بات ہے جس کے لئے میں نے
تک پہنچنا ضروری سمجھا۔ ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں خود آپ کو آپ کے گھر جاکر اپنے ساتھ لے کر آتی۔"
"تب پھر آپ کا تجزیہ کیا جانا ضروری ہے کیونکہ آپ میں فرشتوں جیسی صفات پائی جاتی ہیں محترمہ۔"
"نہیں شکیل، ایسی بات نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو اس دنیا میں عجیب وغریب حالات کا شکار رہی ہوں۔ عام
سے کچھ ہٹ کر سوچنے کی عادی ہوں۔ آپ نے اس دن انٹرویو دیا میں آپ سے بہت متاثر ہوئی تھی اور اسی دن میں نے
کرلیا تھا کہ یہ ملازمت تو یقیناً آپ کو نہیں ملے گی کیونکہ جو لوگ میرے ساتھ تھے وہ ذرا مختلف ذہنیت کے مالک ہیں۔ تا
نے یہ سوچا تھا کہ میں آپ کو اپنے ساتھ کام کرنے کی پیشکش ضرور کروں گی اور یہ کام میں نے صرف آپ کے لئے نہیں
ہے بلکہ میں پچھلے دنوں سے ایسے ایک ساتھی کی اشد ضرورت محسوس کررہی تھی جیسے آپ ہیں۔ تفصیلات بعد میں بتاد
کہ یہ ضرورت کیوں محسوس کی جارہی تھی بس پھر یوں سمجھ لیجیئے کہ اپنے ذہن میں میں نے آپ سے متعلق فیصلہ کرلیا۔ آ
فائل سے آپ کے گھر کا پتہ دیکھا اور اس کے بعد گھر واپس آکر میں نے آپ کو یہ خط لکھ دیا۔ یقیناً دیر سے ملا ہوگا۔"
"جی آج ہی ملا ہے۔"
"ہاں محکمہ ڈاک ہمارے اوپر بہت سی عنایتیں کرتا ہے۔ شکر گزار ہیں ہم اس کے۔" مسز جمالی نے ٹھنڈی سانس
کہا پھر کہنے لگیں۔ "آپ کو اب تو اس بات کا اطمینان ہوگیا ہوگا کہ نہ تو یہ کوئی انٹرویو، انٹرویو کا کھیل ہے نہ ہی کوئی غیر
بات۔ میرے خیال میں تھوڑی دیر کے لئے ہم بالکل سنجیدگی سے ضروری امور پر گفتگو کرلیں۔ پہلی بات میں آپ سے
پسند کروں گی شکیل صاحب کہ یقیناً آپ اپنی زندگی کی پہلی ملازمت کررہے ہیں۔ آپ کے دل میں تصورات تو بہ
ہوں گے۔ آپ اپنے معیار کے مطابق نوکری چاہتے ہوں گے لیکن آپ تجربہ کرچکے ہیں۔ معیاری نوکری بہت مشکل سے
ہے۔ ایک پورا پراسس ہے اس کا اور یقیناً تجربات کرتے ہوئے آپ کو اس کا اندازہ ہوا ہوگا۔ میرا مطلب ہے کہ اب اس لا
پہلے عملی طور پر اپنی شناخت ضروری ہے۔ جب عملی طور پر آپ اپنی شناخت کرالیں گے ان لوگوں سے روشناس ہوجائیں گے
انوکھی دنیا کے کرتا دھرتا ہیں تو پھر آپ دیکھیئے بے شمار پیشکشیں ہوں گی آپ کو۔ آپ کے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہوجا
آپ ان میں سے کون سی پیشکش قبول کریں۔ اس سے پہلے آپ کیسی ہی صلاحیتوں کے مالک ہوں لیکن لوگ آپ ک
نہیں کریں گے، تسلیم نہیں کریں گے۔ بہت بڑا المیہ ہے۔ ہماری اس جدید انسانی زندگی کا۔ کہ آپ کے کہے ہوئے
سنجیدہ نہیں کیا جائے گا بلکہ جب آپ کر کے دکھائیں گے تو تب لوگ آپ کو تسلیم کریں گے۔ ہوتا ہے، ہر طرح کے م
ہوتے ہیں اور انہیں، انہی کے مطابق ہینڈل بھی کرنا چاہیئے۔ اگر آپ صرف میرے ایک دوست ہوتے جیسا کہ یقیناً آ
دوست ہوں گے۔ تو میں آپ کو یہی مشورہ دیتی کہ عملی زندگی میں آئیے تو سہی اور اس کے بعد وقت سے اپنی قیمت
کھینیئے۔ کسی گوشے میں بیٹھ کر وقت آپ کے ساتھ کبھی تعاون نہیں کرے گا۔"
شکیل بڑے غور سے مسز جمالی کو دیکھ رہا تھا۔ یہ عورت واقعی فرشتہ صفت ہے یا پھر ان الفاظ کے پس پردہ بھی
لیکن وہم کی دوا تو کہیں تیار نہیں ہوسکی۔ خواہ مخواہ کی حماقتوں میں پڑنے کے بجائے جس مقصد کے لئے آیا ہے اس کا آغا

اور اسی انداز میں کرے جو انداز ہونا چاہیئے۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو منفرد ظاہر کرنے کی کوشش ہمیشہ نقصان دہ ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ
اس نے فوراً ہی رویہ تبدیل کیا اور نرم لہجے میں بولا۔
"آپ کے الفاظ میری بڑی ہمت بندھا رہے ہیں مسز جمالی اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ راہنما جو زندگی کو صحیح راستہ دکھاتا
ہے بہت کم لوگوں کو ملتا ہے اور ملتا ہے تو ایسے مل جاتا ہے جیسے آپ مجھے ملی ہیں۔ بہرحال میں خوش دلی کے ساتھ آپ کی
ملازمت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اس وقت بھی کچھ الفاظ استعمال کئے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ گو ابھی وہ صرف الفاظ ہوں گے لیکن
میں انہیں اپنی ذمہ داری بنالوں گا۔ میں ہر طرح آپ کے لئے ایک وفادار ملازم ثابت ہوں گا۔"
"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، اس وقت آپ جو کچھ بھی چاہیں کہہ لیں بعد میں جب ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جان لیں
گے تو اپنے الفاظ تبدیل کرلیں گے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ نے میری پیشکش قبول کرلی۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں ضروری
اور طے ہوجائیں دراصل میرا یہاں بہت سی کمپنیوں میں سرمایہ لگا ہوا ہے۔ کاروباری شراکت ہے۔ میں نے اس کے لئے
قاعدہ کام کیا ہے۔ ان کمپنیوں کی ڈائریکٹر میں ہی ہوں میں۔ انہی میں وہ کمپنی بھی تھی جس میں میری آپ سے ملاقات
دی۔ پانچ پارٹنر ہیں اس کے۔ سب کے سب ٹھیک ٹھاک لوگ ہیں۔ کوئی برا آدمی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ایسے
ٹکڑے پالے ہوئے ہیں میں نے جن میں سرمایہ کاری کرکے میں اپنا کاروبار چلا رہی ہوں۔ یوں تو سارا عملہ ہے۔ ایک الگ
س بھی ہے میرا جس میں تقریباً دس آدمیوں کا اسٹاف ہے لیکن ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ میں یہ چاہتی ہوں کہ میرا ایک
پرائیویٹ سیکریٹری یا ساتھی ہو جو میرے لئے تمام معمولات سے ہٹ کر کام سرانجام دے۔ ان کمپنیوں کے حسابات اس انداز
ن چیک کرے جیسے میں کرتی ہوں۔ میں ایک الگ ساتھی کے ساتھ اپنے پورے کاروبار کی نگرانی چاہتی ہوں جس کا تعلق
رے دفتر سے بھی نہ ہو۔ ساتھ ہی اس ذاتی زندگی کے امور بھی ہیں جن میں، میں ایک معاون کی ضرورت محسوس کرتی ہوں۔
ا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ وہی الفاظ استعمال کرنا چاہیں جو اس ملازمت کے لئے کئے جاسکتے ہیں تو اپنے آپ کو میرا پرائیوٹ
کریٹری سمجھیں اب بتائیے ان الفاظ پر تو اعتراض نہیں آپ کو۔"
"قطعی نہیں۔ میں تو اس باعزت ملازمت کے حصول پر بے حد خوش ہوں۔"
"شکریہ میں اپنے سارے امور آپ کو سمجھادوں گی اور اس کے بعد آپ اپنی ذہانت سے بھی ان میں ترامیم کریں مجھے
ی ہوگی اور میں انہیں خوش دلی سے قبول کروں گی۔ ہم لوگ بحث کریں گے۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا میرا مطلب۔ ایک ایسی
سیت جو میرے ہر مسئلے میں دوسروں سے ہٹ کر میرا ساتھ دے۔"
"میں آپ کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا مسز جمالی۔"
"چاہیں تو مجھے سلطانہ جمالی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اصل میں میرا نام ساحرہ سلطانہ ہے۔ سلطانہ ہی کے نام سے سب لوگ
تے ہیں۔ جمالی صاحب میرے شوہر ہیں۔ طویل عرصے سے بیرون ملک میں رہتے ہیں۔ ان کا اپنا الگ کاروبار ہے۔ ذاتی زندگی
بارے میں تفصیلات بتاؤں گی لیکن جلدی نہیں، آپ اسے محسوس نہ کریں۔"
"نہیں مسز جمالی، حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس قدر نیک نفسی کا اظہار کیا ہے وہی میری اوقات سے بہت زیادہ ہے۔
حد سے بڑھنے کی کوشش کبھی نہیں کروں گا۔ آپ اس بات پر یقین رکھیں۔"
"درست، لیکن آپ کی حد میں مقرر کروں گی۔ آپ اپنے طور پر متعین نہ کرلیجیئے گا۔ شکیل صاحب۔"
شکیل نے ان الفاظ کو نہ سمجھتے ہوئے بغور مسز جمالی کو دیکھا لیکن اس کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں تھی۔ پھر اس
ہا۔
"شکیل صاحب! تنخواہ کا تعین آپ کریں گے یا میں کردوں؟"
"آپ۔" شکیل نے جواب دیا۔

"ابتدا چھ ہزار سے کرتی ہوں اور اس کے بعد جوں جوں صورتحال آپ نے اپنے کنٹرول میں لی آپ یوں سمجھ لیجیئے کہ آ
کے اس مشاہرے میں اضافہ ہوتا رہے گا۔"
شکیل کا دل دھک سے ہوگیا۔ چھ ہزار چھ ہزار، چھ ہزار اس کے ذہن پر ہتھوڑے پڑنے لگے۔ ہزار پندرہ سو ہی کی ملازم
مشکل ہوگئی تھی۔ وہ اپنی سماعت پر یقین کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر مسز جمالی نے وہی کہا تھا جو اس نے سنا تھا۔ مسز
نے چند لمحات خاموش رہنے کے بعد کہا۔
"میرا ایک نظریہ ہے۔ جب کسی کو اپنے ساتھ شامل کرو تو اس کے مسائل سے الگ نہ ہو جاؤ۔ میرا اپنا یہ خیال بھی ہے
شکیل کہ یہ تنخواہ آپ کو بہت مناسب محسوس ہوتی ہوگی۔ ابتدا میں لوگ اتنی تنخواہ نہیں دیتے لیکن میں ابتدا ہی اس پیما
کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کو اعتماد کا احساس ہو۔ یقین کیجیئے بہت اعلیٰ قابلیت کے حامل ہیں آپ لیکن کسی بھی ادارے
جائیں گے تو آپ کو اتنی تنخواہ کی پیشکش نہیں ہوگی مگر سوچنے سوچنے کا فرق ہے۔ آپ کو اگر مالی طور پر تھوڑا بہت بھی
محسوس ہوگا تو آپ کی تمامتر توجہ میرے کاموں کی جانب ہوگی۔ ذہن کسی اور سمت نہیں ہٹے گا اور اس طرح مجھے جو فائدہ
ہوگا وہ تھوڑے بہت پیسوں سے کہیں زیادہ حاصل ہوگا۔ دوسری بات میرا اپنا ایک معیار ہے میری اپنی ایک زندگی ہے
ماحول ہے۔ اس لئے میرے ساتھ جس شخص کو میرے رازدار حیثیت سے دیکھا جائے گا میں چاہتی ہوں کہ دیکھنے والی نگا
اس کے لئے ایک احترام ہو، اس کا ایک معیار متعین کرلیا جائے۔ چنانچہ شکیل صاحب اگر میں آپ کو کچھ مراعات دوں تو
انہیں یہ سمجھ لیجیئے گا کہ وہ آپ کے لئے نہیں بلکہ میرے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً انتہائی معذرت کے ساتھ آپ کو بہترین
پہنناہوں گے۔ بہترین چیزیں استعمال کرنا ہوں گی۔ اگر آپ اپنے ظرف کے مطابق یا اپنی انا کے مطابق انہیں غلط سمجھ
اسے اس طرح سمجھ لیجیئے گا کہ فوجیوں کو بھی یونیفارم دیئے جاتے ہیں۔ پولیس بھی سرکاری کپڑے پہنتی ہے اور ا
ایک شناخت رکھنا ہوتی ہے۔ آپ اپنے لباس کو میرا یونیفارم سمجھیئے گا اور اگر یہ نہ سمجھنا چاہیں تو پھر اسے دوستی کے کھا
ڈال دیجیئے گا۔ چونکہ لوگ جب آپ سے ملیں گے تو آپ کو نہایت اعتماد کے ساتھ میرے لئے ان سے کاروباری ڈیل کرنا
کہیں بھی آپ میری طرف نگاہ اٹھاکر نہیں دیکھیں گے۔ دراصل ساری وجوہات آج بتائے دے رہی ہوں تاکہ آپ
سے شکوک و شبہات نکل جائیں اور آپ مجھ پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے اپنے کام کا آغاز کریں میں ایک ایسا ٹھوس مضبو
چاہتی ہوں جس سے لوگ متاثر ہوکر یہ سوچیں کہ مسز جمالی کو آسانی سے کسی مسئلے میں زیر کرنا ممکن نہیں ہوگا اور یہ با
نے اس وقت اپنے تجربات کی بنا پر آپ سے منسلک کرلی تھی جب آپ میری کمپنی کے ڈائریکٹرز کے سامنے بیٹھے ان
انداز میں گفتگو کررہے تھے کہ وہ بغلیں جھانکنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ آپ کے دلائل آپ کے فراست آمیز گفتگو ان
تکلیف دہ تھی لیکن مجھ سے بہت سے فیصلے کرا رہی تھی۔ میرا خیال ہے اس سے زیادہ مجھے اپنے صفائی میں اور کچھ
چاہیئے۔ آپ کو میری ہر پیشکش بغیر کسی شک و شبہے کے اس ملازمت کے ساتھ کے لوازمات سمجھ کر قبول کرنا ہوگی۔"
"ساری باتیں میرے حق میں جارہی ہیں مسز جمالی، اور میں شاید بہت زیادہ نیک نفس انسان نہیں ہوں۔ ا
سنانے سے کوئی فائدہ نہیں بس یوں سمجھ لیجیئے کہ کچا ذہن مستقبل کے سلسلے میں جیسے جیسے ریت کے گھروندے بناتا
نے بھی سب بنائے لیکن پھر ہوش کی تیز ہواؤں نے ان گھروندوں کو مسمار کردیا اور میں نے وہ سنگلاخ زمین دیکھ
حقیقت ہوتی ہے اور میں اس سے متفق ہوں۔ چونکہ اس چٹانی زمین پر میں تنہا نہیں کھڑا ہوا بلکہ میرے ساتھ
کروڑوں بے روزگار نوجوان ہیں۔ آپ کا بے حد شکریہ۔ مجھے اور کیا خدمات سرانجام دینا ہوں گی؟"
"بس ایک مقررہ وقت پر آپ یہاں تشریف لے آئیے مثلاً نو بجے۔ یا اگر ناشتہ میرے ساتھ کرنا چاہیں۔ بلکہ پ
اس سے پہلے اور اس کے بعد پانچ یا چھ بجے تک آپ میرے ساتھ قیام کریں۔ لنچ آپ کو یہیں کرنا ہوگا۔ بس پھر چھٹ
کوئی اہم مسئلہ ہو اور اس کے بعد آپ کو میرے ساتھ اٹھنا پڑے اور آپ کو کوئی اہم کام نہ ہو تو اس کا معاوضہ الگ پیش کر

منظور ہے آپ کو۔"
"خوشی کے ساتھ۔" شکیل نے جواب دیا۔ اب رفتہ رفتہ اس کے وجود کی گہرائیوں سے مسرت کی لہریں اٹھنے لگی تھیں۔
یہ سب کچھ تو سچ ہی لگ رہا ہے۔ درحقیقت الہ دین کا چراغ اب ذرا مختلف شکل میں سامنے آنے لگا ہے۔ اس کی ہئیت وہ پیتل
کے چراغ کی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک لفافے میں بند ہوتا ہے ایک پرچے کی شکل میں جس پر ایک تحریر لکھی ہوتی ہے اور اس
کے بعد زندگی ایک دم بدل جاتی ہے۔ گھر والے یقین نہیں کریں گے اس بات پر۔ لیکن اگر یقین کر بھی لیں گے تو شدت
خوشی سے دیوانے ہوجائیں گے۔
مسز جمالی نے اپنے پرس سے سو سو کے نوٹوں کی ایک تازہ گڈی نکالی اور اسے شکیل کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔
"یہ دس ہزار آپ اپنے ابتدائی حالات کو سنبھالنے کے لئے استعمال کرلیں ان کا حساب اس اوور ٹائم میں سے ہوگا جو آپ
میرے ساتھ کام کرکے صرف کریں گے۔ لیکن آپ کی کوئی بھی ضرورت پوری کرنا میری ذمہ داری ہوگی۔ میں ایک فریش اور
طاقتور ذہن چاہتی ہوں جو دوسرے مسائل سے الگ ہوکر صرف میرے کاموں کے بارے میں سوچے اور یہ ذہن اسی صورت میں
تر و تازہ رہ سکتا ہے جب وہ دوسرے مسائل میں الجھا نہ ہو۔ نہ صرف مالی مسائل بلکہ گزرنے والے وقت کے ساتھ جب آپ کو مجھ پر
مکمل اعتماد ہوجائے تو ذاتی مسائل بھی مجھے بتادیجیئے۔ جن جن لوگوں سے میری شناسائی ہے وہ عموماً میرے کام کردیا کرتے ہیں۔
آپ کے کام بھی یقیناً کیا کریں گے۔ آپ چاہیں تو جاسکتے ہیں۔ آج کی نشست بس اتنی ہی کافی ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو
میرے ساتھ ایک کپ کافی پی لیں۔ منگواؤں؟"
شکیل نے نیازمندی سے گردن جھکادی۔ پھر کافی پینے کے بعد وہ اٹھ گیا پہلی گفتگو کے بعد مسز جمالی کا چہرہ کچھ سنجیدہ ہوگیا
تھا۔ اور اس کے بعد مسز جمالی نے اسے وہیں سے رخصت کردیا۔ وہی ملازمہ بلائی گئی جو اسے ڈرائنگ روم میں لائی تھی۔ اور اس
نے احترام کے ساتھ اسے باہر چھوڑ دیا۔ چلتے ہوئے مسز جمالی نے اس سے کہا تھا۔
"رانا شکیل احمد صاحب کل سے ہمارے ہاں کام پر آئیں گے میں آج ان کے لئے تمہارے ساتھ مل کر انتظام کردوں گی۔
تمہیں ساری تفصیلات بتادی جائیں گی ان کے بارے میں۔ شکریہ شکیل احمد صاحب۔"
شکیل لڑکھڑاتے قدموں سے بنگلے سے باہر نکلا تھا۔ ایسا ہی محسوس ہورہا تھا جیسے کسی نے غلطی سے اسے پوری بوتل پلادی
ہو ایسا نشہ پورے وجود پر طاری تھا کہ نہ صرف ذہن بلکہ بدن بھی سوئے جارہا تھا۔ اس عالم میں بہت دور تک چلنا اتنا مشکل لگ
رہا تھا کہ شکیل کو کسی ریسٹورانٹ کی تلاش میں نگاہیں دوڑانی پڑیں۔ کہیں بیٹھ کر اپنے ہوش و حواس پر قابو پاکر گھر کا رخ
کرنا چاہتا تھا۔ گھر میں داخل ہونے سے بہت پہلے بہت سے فیصلے کرنے تھے۔ بہت سے فیصلے۔
ریسٹورنٹ کی تلاش میں بہت دور تک چلنا پڑا اور کچھ دیر کے بعد اسے ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ نظر آگیا۔ چائے طلب
کرکے وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یقین نہیں آرہا تھا جو کچھ ہوا تھا ایک کہانی ایک افسانہ معلوم ہوتا تھا۔ افسانوں
میں تو ایسے کردار مل جاتے ہیں جو اچانک ہی تقدیر کی تاریکیوں میں روشنی بھر دیتے ہیں، حقیقت کی دنیا اس سے بہت مختلف
ہوتی ہے اور اگر حقیقت کی دنیا میں انہیں کوئی واقعہ پیش آجائے تو اس کے بارے میں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اس کے پس پردہ کیا
ہے۔ مسز جمالی نے بڑی صاف ستھری گفتگو کی تھی۔ وہ اس حیثیت کی مالک تھیں کہ اتنی تنخواہ دے سکیں اور اور دس ہزار
روپے ایڈوانس کی صورت میں فوراً ہی بغیر کسی معاہدے، بغیر کسی شناسائی کے ادا کردیں۔ بے شک ان کا اپنا ایک موقف تھا وہ
بہت سی فرموں میں شیئر ہولڈر تھیں اور انہیں ایک ایسے شخص کی ضرورت پیش آسکتی تھی جو کسی بھی فرم کا ملازم نہ ہو بلکہ
ان کی ذاتی دیکھ بھال کرسکے۔ مگر مگر کیا یہ سب کچھ پھر اس نے اپنے آپ کو ہی سنبھالا دیا۔ ایسی تو کوئی اہم بات نہیں ہے۔ دنیا
سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے یہ سب کچھ، ہوسکتا ہے بلاوجہ وسوسوں کا شکار ہونے سے کیا فائدہ، سب ٹھیک ہی تو ہے
اور پھر میں بھی تو موم کا بنا ہوا نہیں ہوں۔ کیا ہوسکتا ہے۔ ایک خاتون کی ملازمت ہے بس، لیکن وہی مسئلہ درپیش تھا۔ گھر

جاکر تفصیل بتاؤں گا تو نجانے کیا کیا سوالات ماں اور باپ کے ذہن میں پیدا ہوجائیں گے۔ اکلوتے بیٹے کو وہ دنیا کا سب سے معصوم انسان سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ میں کسی بھی جال میں پھنس سکتا ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے دنیا کو بہت قریب سے دیکھ رہا ہوں۔ اونہہ جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ کیا ہوسکتا ہے؟ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی بات ہی نہ ہو۔ سیدھا سادا کام کرنا پڑے۔ محنت اور دیانت داری کے ساتھ اور بس۔

لیکن کلیم احمد صاحب کی آنکھوں سے بہنے والا پانی اسے خوفزدہ کررہا تھا کچھ کہہ تو نہیں سکیں گے لیکن گھبرا جائیں گے تو آنکھوں سے پانی بہنے لگے گا اور ہونٹ کپکپانے لگیں گے۔ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ مطمئن رہیں تو زیادہ بہتر ہے۔ چاہے اس کے لئے مجھے ان سے جھوٹ بولنا پڑے۔ کوئی کہانی تراشنی پڑے اور اس کے بعد چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے اس نے ایک ہلکی پھلکی سی کہانی تراش لی۔ جیب میں رکھی نوٹوں کی گڈی تھپتھپائی اور پھر چائے کا بل ادا کرکے باہر نکل آیا۔ احتیاط سے گھر پہنچنا تھا۔ چونکہ جیب میں دس ہزار روپے کے نئے نئے کرارے نوٹ تھے۔

✤ چھٹی کا دن تھا۔ مہینے کی سات تاریخ تھی۔ تنخواہ ایک دن پہلے ہی مل گئی تھی۔ چنانچہ اس وقت حساب کتاب ہورہا تھا۔ جمیل احمد گھر پر موجود نہیں تھے۔ شہباز معمول کے مطابق چھت پر تھا اور اس کی ہاہا، ہوہو۔ سنائی دے رہی تھی۔ فرزانہ، فریدہ بیگم کے پاس آبیٹھی۔ پیسے فریدہ بیگم کے پاس تھے۔ فرزانہ کہنے لگی۔

"اماں ذرا دیکھ لو حساب کتاب۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ حالانکہ تنخواہ جب ملتی ہے۔ تو انسان کو پیسے آنے کی خوشی ہوتی ہے۔ لیکن یہاں تو جب پیسے آتے ہیں تو ان کے ساتھ ساتھ خوف بھی آتا ہے کہ سات تاریخ تو آگئی۔ ادائیگیاں ہوجائیں گی باقی مہینہ بس ادھار قرض پر ہی گزرے گا۔"

"خیر اماں یہ تو ہمیشہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ چلیں حساب کریں۔ رحیم بھائی کے کتنے پیسے ہوئے اس بار؟"

"کیا بتاؤں فرزانہ۔ یہ مہنگائی کلیجہ باہر نکالے دے رہی ہے ہر مہینے دیکھو رحیم بھائی بل میں چیزوں کے دام بڑھادیتے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ جہاں سے چاہو معلوم کرلو۔"

"نہیں اماں، ٹھیک کہتے ہیں وہ۔ مہنگائی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ ویسے رحیم بھائی بے ایمان آدمی نہیں ہیں۔ سارے محلے والے ان کے بارے میں یہی کہتے ہیں۔"

"اے بی بی تو پھر بے ایمان کون ہے آخر۔ کوئی داد فریاد تو ہو ان مہنگائی بڑھانے والوں کی۔ اخبارات کارٹون چھاپ دیا کرتے ہیں۔ چھوٹی موٹی خبریں اخلاقاً لگادی جاتی ہیں کہ مہنگائی میں اضافہ ہورہا ہے۔ کبھی کسی ذمہ دار آدمی کا کوئی بیان دیکھا۔ کبھی کسی نے آگے بڑھ کر کسی غریب کے دل پر ہاتھ رکھا۔ اب دیکھو ذرا ابھی تھوڑے دن پہلے ہی کی بات تو ہے کھانے کے پکانے والے تیل کا ڈبا ستاسی روپے کا ملتا تھا سو روپے کا ہوگیا کتنے بڑھے تیرہ روپے۔ چلو ہم تو تنگی ترشی سے خرچ کرلیا کرتے ہیں۔ بڑے خاندان والے گھروں میں تو کئی کئی ڈبے تیل استعمال ہوجاتا ہے۔ ہمارے ہاں تو ایک ہی ڈبے سے گزارا کرلیا جاتا ہے۔ پانچ کلو تیل پر تیرہ روپے۔ ٹھیک ہے دوسرے مہینے بھی سو روپے کا ڈبا مل گیا تیسرے مہینے بھی مل گیا۔ اللہ اللہ کرکے عادت ڈالی تو اچانک ہی رحیم بھائی کے ہاں سے آنے والے پرچے میں تیل کے پیسے ایک سو پندرہ لکھے گئے ایک سو پندرہ۔ تیرہ و پندرہ یہ بڑھے اور اس مہینے پتہ ہے پانچ کلو کے تیل کے ڈبے کی قیمت کیا ہے ایک سو پچیس روپے اور ایک سو اٹھائیس روپے۔ آٹے کی بوری کہاں سے چلی تھی۔ اس بار اس کی قیمت لکھی ہے ۹۰ نوے روپے۔ دالیں دو دو چار چار روپے کے حساب سے بڑھی ہوئیں۔ مرچ مسالوں پر قیمت زیادہ جاتی ہو اس چار افراد کے گھرانے پر مشتمل پرچون سودے کا بل کیا آیا ہے۔ چھ سو اٹھارہ۔"

"چھ سو اٹھارہ۔" فرزانہ نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ماں کو دیکھا خشک ہونٹوں پر زبان پھیری پھر آہستہ سے بولی۔

"آگے امی۔"

"ایک سو جتیس روپے دھوبی کے۔ سوا دو روپے کپڑے سے کم پر راضی نہیں ہوتا پچھلے دنوں ایک روپیہ پچھتر پیسے چل رہے تھے۔ کہنے لگا ایک روپیہ نوے پیسے کردں۔ مہنگائی بڑھ گئی ہے صابن کی قیمت آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ میں نے صبر کر لیا تمہیں معلوم ہے فرزانہ آدھے سے زیادہ کپڑے تو میں گھر پر ہی دھولیتی ہوں۔ بس ذرا ان دونوں باپ بیٹوں کا معاملہ ہے۔ کبھی کبھی تمہارے کپڑے چلے جاتے ہیں۔ بل بنا ہے ایک سو جتیس روپے سوا دو روپے سے ایک پیسہ کم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ اب بتاؤ کیا کروں۔"

"آگے چلیں اماں۔"

"دودھ آدھا کلو آتا ہے۔ بس ذرا اس کا بھی حساب لگالو۔ ان ساری چیزوں نے تو کلیجہ نکال کر باہر رکھ دیا ہے۔ فرزانہ ذرا حساب تو کرو۔ بچا کیا ہمارے پاس۔ پورے مہینے کا خرچہ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں بیماری سے بچا رکھا ہے ورنہ کیا کرتے سرکاری اسپتال میں بھی جاتے تو کم از کم دوا تو اپنے پاس سے خریدنا پڑے گی۔"

"خدا نہ کرے اماں اس کی ضرورت پیش آئے۔ مگر یہ تو گڑبڑ ہوگئی۔ سارے پیسے تو اس بار پرچون کے سودے میں خرچ ہوگئے۔ وہ پچیس روپے جو آپ نے شاہدہ بھابی سے لئے تھے ان کا کیا کریں گی؟ میں بس یہ تیس روپے سے کام چلالیتی ہوں۔ تب بھی کئی مسئلے رہ جاتے ہیں۔ چھوٹے موٹے کئی مسئلے۔"

"فرزانہ اچھا ہوا اس وقت کوئی نہیں ہے۔ ایک بات کہنا چاہتی ہوں تم سے۔ بڑی پریشان ہوں کئی دن سے تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سوچا کہ چھٹی کے دن بات کروں گی۔"

"خدا خیر کرے اماں کیا بات ہے؟" فریدہ خاتون چند لمحات پر تشویش انداز میں فرزانہ کا چہرہ دیکھتی رہیں پھر آہستہ سے ولیں۔

"یہ آج کل شہباز کے پاس بڑے پیسے نظر آنے لگے ہیں بڑا فراخدل ہو رہا ہے۔ بات اور کچھ نہیں ہے فرزانہ دراصل وہ جس راز میں سوچنے لگا ہے اس سے ڈر لگتا ہے۔ میرا خیال ہے پندرہ نئے کبوتر لے کر آیا ہے۔ دانے کا اچھا خاصہ ذخیرہ کر لیا ہے۔ گھر ن کھانے پینے کی چیزیں بھی دو تین بار لایا ہے۔ آخر اس کے پاس یہ پیسے کہاں سے آئے؟ اور تو اور ذرا یہ دیکھو۔" فریدہ خاتون ی جگہ سے اٹھیں صندوق میں سے کچھ کپڑا نکالا اور فرزانہ کے سامنے ڈال دیا۔

"یہ دوپٹے ہیں۔ پورے چار دوپٹے۔ دراصل میرے دوپٹے تو پرانے ہوگئے ہیں نا۔ سوراخ ہوگئے ہیں ان میں کمبخت کیڑا لگ ہے۔ سوراخ کر دیتا ہے۔ میرے سر پر نظر آنے والے سوراخ میں انگلی ڈال کر بولا۔

"اماں یہ دل کے سوراخ سر تک کیسے پہنچ گئے؟" میں نے ہاتھ جھٹک دیا تو مسکرا کر بولا۔

بہرحال سوراخ ڈالنے والا تمہارا سہاگ ہے اس لئے نہ تم کچھ کہہ سکتی ہو نہ میں اور اسی شام یہ چار دوپٹے لاکر میری گود میں دیئے۔ فرزانہ بات کچھ نہیں ہے۔ جوان لڑکا ہے ہاتھ پاؤں ہلائے تو سب کچھ ہو جائے۔ مگر بیٹی اس بات سے ڈرتی ہوں کہ کہیں اکو کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو جائے جو ہمارے چہرے کالے کر دے۔" فرزانہ سوچ میں ڈوب گئی۔ بہت دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ "شہباز بھیا ہیں کہاں؟"

"وہ جو کہتے ہیں نا کہ نام لو اور حاضر۔ اور پھر یہ مصرع بھی ہے۔ کہ میرا ذکر اور ان کی محفل میں کیسے خادم حاضر ہے۔" دروازے سے شہباز کی آواز سنائی دی۔ اور فرزانہ سنبھل گئی۔ شہباز ایک بڑا سا بادامی رنگ کا پیکٹ لئے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔ فرزانہ نے چور نگاہوں سے اس پیکٹ کو دیکھا پھر شہباز کے چہرے کو دیکھا بلاشبہ اس چہرے میں کچھ تبدیلیاں نظر آرہی تھیں ہمیشہ کی طرح مردنی نہیں چھائی ہوئی تھی۔ بلکہ رونق تھی اور فرزانہ کو بھائی کے چہرے کی یہ رونق بہت اچھی لگی۔ لیکن وہی خوف دامن گیر ہوگیا جس کا اظہار فریدہ بیگم نے کیا تھا۔ شہباز قریب آکر بیٹھ گیا۔

"کہو بھیا کیسے اڑ رہے ہیں کبوتر؟" فرزانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایسے نہیں اڑ رہے جیسے تم لوگوں کے اڑ رہے ہیں۔" شہباز نے ماں بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور فرزانہ پھیکے انداز میں مسکرا دی۔

"ہمارے کبوتر اڑ کہاں رہے ہیں بھیا۔ وہ تو زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"ہاں وقت کا انتظار کرو۔ دعائیں مانگو کہ یہ کبوتر اڑنے لگیں۔ خیر بھئی ہمارا ذکر ہو رہا تھا سو ہم آگئے۔ یہ کچھ سوغات ہے تمہارے لئے فرزانہ۔"

"کیا ہے؟" فرزانہ نے دلچسپی سے کہا۔ اور پیکٹ کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ شہباز مسکراتی نگاہوں سے فرزانہ کو دیکھتا رہا۔ فرزانہ نے پیکٹ کھولا ایک خوبصورت سا لیڈیز پرس تھا۔ اور ایک سوٹ کا کپڑا۔"

"کس کے لئے ہے یہ بھیا؟"

"بس بہن کے لئے ہے فرزانہ کے لئے ہے۔ اس دن تمہارا پرس دیکھا تھا کچھ پیسوں کی ضرورت تھی۔ تلاشی لے ڈالی تھی۔ مگر پیسے تو نہیں ملے صرف ساڑھے چار روپے پڑے ہوئے تھے البتہ پرس کی حالت بہت خراب تھی اندر سے تو بالکل پھٹ گیا ہے۔ سوچا کہ اگر کبھی کچھ پیسے کمائے تو تمہارے لئے ایک پرس ضرور خریدیں گے۔ اب یہ تمہاری ہی تقدیر ہے کہ اتنے پیسے ہاتھ آگئے کہ پرس کے ساتھ ساتھ تمہارے سوٹ کا ایک کپڑا بھی لے لیا۔ کتنا لگتا ہے ساڑھے چار میٹر نا۔ ویسے میں نے احتیاطاً پانچ میٹر لے لیا ہے۔ پورا ہو جائے گا نا۔"

"بھیا۔" فرزانہ کی آواز کپکپا گئی۔

"ہاں ہاں کہو۔ خیریت؟"

"نن۔ نہیں میرا مطلب ہے کہ کیا آپ نے کچھ کاروبار یا کام شروع کر دیا؟"

"ارے کبوتروں کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ کبھی کسی کبوتر کی اچھی خاصی قیمت مل جاتی ہے۔ لیکن شوقین مزاج اگر ہاتھ لگ جائے تو پچھلے دنوں کچھ کبوتر خریدے تھے میں نے بڑے سستے ہاتھ لگ گئے تھے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ادھار خریدے تھے۔ کہا تھا کہ پیسے کچھ دن کے بعد دے دوں گا۔ بس ابھی خریدے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک شوقین کو نظر آگئے۔ سوصالقا کا ایک جوڑا جو خالص اعلیٰ نسل کا تھا بس اس نے تو وارے نیارے کر دئیے۔ شوقین آدمی نے فوراً ہی کبوتر خرید لئے اور وارے عیش ہو گئے۔ ادھار کی رقم بھی ادا کر دی اور باقی پیسے اپنی جیب میں ڈال لئے عیش ہو رہے ہیں آج کل، بتاؤ کون کیا کھائے گا۔ ہم سے فرمائش کرو۔"

ماں بیٹیوں کے چہرے کھل اٹھے بلاوجہ کی تشویش کا شکار ہو گئی تھیں۔ فرزانہ نے کہا۔

"تو بھیا اگر کبوتروں کے کاروبار میں اس طرح کا منافع بھی ہو جاتا ہے تو آپ بجائے کبوتر اڑانے کے کبوتر بیچنا کیوں نہیں شروع کر دیتے۔"

شہباز نے ایک پرزور قہقہہ لگایا پھر بولا "وہ ہماری حیثیت کا تعین کر دیا گیا نا۔ ٹھیک ہے فرزانہ ٹھیک ہے سوچنے کا مقام ہے۔ اب ہم کبوتر فروشی ہی تو کریں گے۔"

"نہیں بھیا میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"فرزانہ! ضرورت دوسری چیز ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شوق بیچا نہیں جاتا۔ یہ کام اتفاقیہ طور پر ہو گیا سو ہو گیا۔ ورنہ ہم کبوتروں کی حرمت کو داغ دار نہیں کریں گے۔ تم نہیں سمجھتیں کہ ان سے ہمارا کیا جذباتی لگاؤ ہے۔"

فرزانہ پھیکے سے انداز میں ہنس دی اور بولی "معافی چاہتی ہوں بھیا اگر یہ بات آپ کو بری لگی ہے۔"

"کمال ہے پتہ نہیں کون سی دنیا کی باشندہ ہو تم۔ اتنی معمولی سی بات پر اگر احتجاج کر دیا گیا تو معافی مانگنے لگیں۔ بی بی

اس گھر میں ان ساری چیزوں کا رواج نہیں ہے۔ مت پڑو ان تکلفات میں خوامخواہ جذباتی کیفیتوں کا شکار ہو جاؤ گی۔ یہاں تو بات بات پر ہاتھ میں جوتا ہوتا ہے۔ اگر صحیح بات ہو اور جوتے پڑ جائیں تو معذرت تک نہیں کی جاتی۔ چلو چھوڑو۔ اماں کہیں گی کہ جب بھی دیکھو میرا دل دکھانے آجاتا ہے تو ہماری بہن نے ہمارا یہ حقیر سا تحفہ قبول کر لیا نا۔"

"بہت بہت شکریہ بھیا.... بہت بہت شکریہ، میں تو شاید سال بھر تک پرس نہ خرید سکتی۔ اور یہ سوٹ تو انتہائی خوبصورت ہے۔"

"ٹھیک ہے اب ہم اپنے کبوتروں کے پاس جاتے ہیں۔" شہباز باہر نکل گیا۔ ماں بیٹی ایک دوسرے کی صورت دیکھتی رہیں۔ پھر فریدہ بیگم نے کہا۔"

"تو میں تمہیں یہ بتا رہی تھی کہ شاہدہ کے پچیس روپے شہباز نے مجھے دئیے تھے پوچھ رہا تھا کہ اماں اس دن غلام قادر کے لئے عقیقے کے پیسوں کا کیا بندوبست ہوا میں نے بتایا تو جیب سے پچیس روپے نکال کر میرے حوالے کر دئیے اور کہا کہ یہ شاہدہ بھابی کو بہت بہت شکریہ کے ساتھ دے دو۔ مگر فرزانہ کیا تو مطمئن ہے؟"

"کس بات سے اماں؟" فرزانہ پوچھا؟"

"کبوتروں کا ایک جوڑا اتنے کا بک جائے گا"

"مجھے تو کبوتروں کا قیمتوں کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔"

"نہیں فرزانہ تو بہن ہے اس کی باتوں میں آگئی۔ ایک لمحے کے لئے تو میں بھی چکر کھا گئی تھی مگر ذرا سوچ ذرا غور کر کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے؟"

"آپ نے تو مجھے پھر ہولا دیا اماں۔ میں تو بھیا کی باتوں پر اطمینان کر بیٹھی تھی۔"

"مجھے اطمینان نہیں ہوا فرزانہ تو خود سوچ ذرا اتنی ساری قیمت کیسے مل سکتی ہے۔"

"تو پھر کیا کریں اماں؟"

"خیر چھوڑو۔ بعد میں سوچ لیں گے اس بارے میں۔ ہاں حساب کتاب کی بات کیا رہی"

"حساب کتاب تو برابر ہو گیا" اماں فرزانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے ویسے آپ نے مجھے بھی تشویش کا شکار کر دیا۔"

"وہ چھت پر ہے۔ کہیں جائے گا تو کچھ کریں گے فرزانہ۔"

"کیا؟" فرزانہ نے فریدہ بیگم کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے ٹرنک کی تلاشی لیں گے۔"

"اس سے کیا ہو گا؟"

"ہو سکتا ہے کچھ پتہ چلے۔"

"اور اگر بھیا کو پتہ چل گیا تو۔"

"ارے۔ تو کیا کر لے گا۔ زیادہ سے زیادہ شور مچائے گا۔ ہم کچھ چرائیں گے تھوڑی۔ اس کے ٹرنک میں سے۔ بس ذرا معلومات ہونا ضروری ہے۔ صرف کبوتر بیچ کے اتنے پیسے کما لینا تو مشکل ہے۔ اور........ اور۔"

"تو پھر بھیا کیا کر سکتے ہیں۔ ایک بات بتاؤ اماں جرائم پیشہ نہیں ہیں۔ جرم نہیں کریں گے۔ یہ بات تو طے ہے۔"

"بیٹی جب تقدیر اس طرح ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور انسانی سوچ میں کچھ نہیں باقی رہتا تو پھر قدم کسی بھی سمت سکتے ہیں۔ خدا نہ کرے شہباز کبھی ایسا کرے۔"

فرزانہ بھی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ باہر سے جمیل احمد صاحب کی آواز سنائی دی تو دونوں ماں بیٹیاں سنبھل

ساری چیزیں اٹھا کر اِدھر اُدھر رکھ دیں۔ جمیل احمد اس کمرے میں نہیں آئے تھے بلکہ شاید دوسری سمت چلے گئے تھے۔

دوپہر کو دو ڈھائی بجے کے قریب شہباز کہیں چلا گیا۔ جمیل احمد صاحب نماز پڑھنے چلے گئے تھے۔ فرزانہ اپنے کمرے میں اپنی اشیاء درست کر رہی تھی کہ فریدہ بیگم اندر داخل ہو گئیں۔

"فرزانہ موقع اچھا ہے میں نے باہر دروازے میں کنڈی لگا دی ہے۔"

"ہیں کیوں؟"

"بھول گئیں۔ ذرا آؤ دیکھو اکیلے تو میری ہمت نہیں پڑتی۔"

"اوہو سمجھ گئی۔ بھیا کے ٹرنک کی تلاشی لینی ہے۔"

"ہاں فرزانہ نجانے کیوں میرا دل ہول رہا ہے خدا خیر کرے۔"

"نہیں امی اب ایسی بات بھی نہیں۔ آپ تو ایک چیز اپنے ذہن پر سوار کر لیتی ہیں۔ تو بس پریشان ہوتی رہتی ہیں۔"

"پھر بھی فرزانہ دیکھتے تو ہیں آؤ شاید کچھ اندازہ ہو سکے۔"

فرزانہ تیار ہو گئی۔ دونوں شہباز کے صندوق کے پاس پہنچیں اور صندوق کے ڈھکنے کو کھولنے کی کوشش کرنے لگیں۔ تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ لیکن ڈھکنا زنگ زدہ تھا۔ جس کی وجہ سے ذرا طاقت لگا کر کھولنا پڑا۔ شہباز کے چند جوڑے کپڑے رکھے ہوئے تھے ایک شلوار قمیص کا نیا کپڑا بھی موجود تھا جسے ابھی سلوایا نہیں گیا تھا۔ احتیاط سے ایک ایک چیز اٹھا کر رکھی گئی تاکہ واپس اسی طرح رکھی جا سکے اور شہباز کو شبہ نہ ہو سکے پھر جب آخری کپڑے کی تہہ ہٹی تو ماں بیٹی کی دونوں کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ نیچے ایک چیک بک تھی جس میں شہباز احمد کا نام لکھا ہوا تھا۔ اور اس چیک بک سے جو رقمیں نکلوائی گئی تھیں ان میں سے ایک بارہ سو روپے کی تھی ایک ہزار کی تھی۔ ایک پانچ سو کی تھی۔ اتنی رقم چیک بک کے علاوہ جو چیز نظر آئی وہ تھوڑے سے نقد پیسے تھے۔ چار سو ستر روپے کے قریب اور سب سے زیادہ دہشت زدہ کرنے والی جو شے صندوق میں نظر آئی وہ ایک چوڑے پھل کا خنجر تھا۔ ماں بیٹی کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ فرزانہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر ماں کو دیکھا اور فریدہ بیگم نے بیٹی کو۔ لیکن خنجر کو ہاتھ لگانے کی ہمت دونوں میں سے کسی کو نہیں ہوئی تھی۔ بمشکل تمام فرزانہ کے منہ سے آواز نکلی۔

"اماں۔"

"ہاں۔"

"پاس بک نہیں ہے اس میں"

"ہاں۔"

"اور یہ خنجر"

"ہاں۔"

"تمہاری حالت کیسی ہو رہی ہے اماں پسینہ آ رہا ہے تمہیں چلو اسٹور کریں یہ سامان جو کچھ ہمارے سامنے ہے۔ بعد میں اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔ کہیں بھیا نہ آجائیں۔"

سامان فرزانہ نے رکھا اور اس طرح رکھا کہ شہباز کے فرشتوں کو بھی شبہ نہ ہو سکے۔ آخری کپڑا رکھنے کے بعد صندوق کے ڈھکنے کو اسی طرح فٹ کر دیا گیا اور اس کے بعد دونوں ماں بیٹیاں لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکل آئیں۔

فرزانہ فریدہ بیگم کو اپنے کمرے میں لے گئی تھی۔ .شہایا فریدہ کو مسلسل پسینہ آ رہا تھا۔ فرزانہ نے ان کا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی تو حالت بلاوجہ ہی خراب ہو گئی اماں۔ اب ایسی بھی کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑی ہے۔ دیکھیں گے، سوچیں

گے اس سلسلے میں کام کریں گے۔ میرا خیال ہے میں کچھ اور بھی کروں گی۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ میں نے وہ اکاؤنٹ نمبر
نوٹ کرلیا ہے جو بھیا کی چیک بک پر ہے۔ بینک کی برانچ کا بھی اندازہ ہوگیا ہے مجھے آپ اطمینان رکھیئے کچھ نہ کچھ کرلوں گی۔ پتہ
چلاؤں گی کسی نہ کسی طرح۔"

"ہوں مگر وہ خنجر؟"

"اماں کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ آپ کو اندازہ ہے کہ بھیا کچھ بھی ہے لیکن نرم دل کے مالک ہیں۔ کسی کو
نقصان پہنچا کر تو وہ کبھی کچھ حاصل کر ہی نہیں سکتے۔"
فریدہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ کہنے لگیں "تو مجھے کتنے ہی دلاسے دے۔ فرزانہ لیکن سکون نہیں آئے گا۔ ارے
اتنی بڑی بڑی رقمیں نکالی ہیں اس نے، آئی کہاں سے آخر اس کے پاس بینک میں اکاؤنٹ ہے اور اور پچھلے دنوں پچھلے دنوں۔"

"میں نے یہ بھی نوٹ کیا ہے اماں۔"

"کیا۔"

"بھیا نے جو یہ رقمیں نکالی ہیں یہ ان تاریخوں کے بعد کی ہیں جب غلام قادر کے بیٹے کا عقیقہ ہوا تھا۔"

"ہاں۔"

"چند ہی روز میں یہ رقمیں نکالی گئی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اس سے پہلے یہ رقمیں ان کے پاس موجود نہیں تھیں۔"

"اس کے بعد کہاں سے آگئیں؟"

"یہ تو پتہ چلانا پڑے گا۔"

"تم چلاؤ گی پتہ، تمہیں جو سر اٹھانے کی مہلت نہیں ہے۔"

"نہیں اماں، اس سلسلے میں تو کام کرنا ہی پڑے گا۔ ہمارے گھر کا معاملہ ہے، ہماری زندگی کا معاملہ ہے۔"

"میں شہباز کے ابا سے بات کروں؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں۔ گھر میں فساد کھڑا کریں گی بہت غلط ہوجائے گا۔ بھول کر بھی نہ کہیئے گا۔ ابا کے
فرشتوں کو بھی اس کا پتہ نہیں چلنا چاہیئے آپ آخر میرے اوپر اعتبار کیوں نہیں کرتیں۔ میں کچھ نہ کچھ کر کے رہوں گی۔ آپ
اطمینان رکھیئے میں کسی نہ کسی طرح پتہ چلالوں گی کہ بھیا یہ رقمیں کہاں سے لائے ہیں۔"

"ہائے کتنا بڑا خنجر تھا اس کے صندوق میں۔ آخر وہ اس سے کیا کرتا ہے۔ کہیں ڈکیتیاں ڈالنا تو نہیں شروع کردیں۔"

"آج کل خنجر سے ڈکیتیاں نہیں ڈالی جائیں اماں اس کے لئے کلاشنکوف درکار ہوتی ہے سمجھیں۔ خنجر دیکھ کر تو لوگ
ہنسنے لگتے ہیں۔ کون لفٹ دیتا ہے آج کل خنجروں کو۔ بس ایسے ہی کہیں سے مل گیا ہوگا بھیا کو۔ آپ نے بلاوجہ اپنے ا
مشکلات طاری کرلی ہیں۔"

"کیا کہوں فرزانہ، خدا ہم پر رحم کرے۔" فریدہ بیگم نے ٹھنڈی ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ پریشان فرزانہ بھی تھی ل
اس طرح سے اظہار کر رہی تھی جیسے کوئی اہم بات نہ ہو۔ بڑی مشکل سے فریدہ بیگم کو پرسکون کیا گیا۔ باہر سے دروازہ کھٹکھٹا
آواز سنائی دی۔ شاید باپ بیٹے یا دونوں میں سے کوئی ایک واپس آگیا تھا۔

☆

شعور اور طاہر کو اس مکان میں آئے ہوئے تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ دونوں ہی مطمئن اور مسرور تھے۔ ادھر پ
صاحب یا ان کی بیگم کو بھی ان دونوں سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ تصور بھی نہیں تھا کسی شکایت کا۔ دونوں ہی
مزاج نوجوان تھے بس طاہر کی فطرت میں ذرا شرارتیں تھیں۔ جب کہ شعور سنجیدہ تھا اس طرح توازن بھی قائم رہتا تھا۔ او
حصے کی حالت بھی بہت مناسب تھی۔ چھوٹے سے صحن سے دور دور تک کے مکانات نظر آتے تھے۔ گلی میں تو دونوں
تک ایک لمحہ بھی نہ ٹکے تھے۔ محلے والوں سے کوئی شناسائی نہیں ہوئی تھی حالانکہ اندازہ یہ ہوگیا تھا کہ یہاں سب چھیڑ چھیڑ کر

دوسرے سے ملنے کے عادی ہیں لیکن ابھی تک طاہر یا شعور نے کسی کے شناسائی نہیں حاصل کی تھی۔ بڑی دیکھ بھال کرنے کے
بعد ہی اس کا انتخاب کیا جاسکتا۔
صحن سے انہوں نے دور دور تک کا جائزہ لیا تھا۔ شہباز کبوتر باز کو بھی دیکھا تھا اور دوسرے مکانات بھی نظر آئے تھے۔
لیکن کوئی ایسی اہم بات نہیں ہوئی تھی جو باعث توجہ ہوتی۔ ادھر پروانہ صاحب پر بھی دونوں ہی کو حیرت تھی اس پورے ہفتے
میں انہوں نے ایک شعر بھی نہیں سنایا تھا۔ حالانکہ ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔ حالات حاضرہ پر تبصرے ہوتے تھے۔ سیاست پر
بھی گفتگو ہوجاتی تھی۔ عموماً شعور یا طاہر ہی چھیڑ چھیڑ کر پروانہ صاحب کو متوجہ کرتے تھے اور اس کی بھی کچھ وجوہات تھیں۔ جو
سو فیصد ہی طاہر کا کارنامہ تھیں۔ مثلاً پہلے دن شمع بیگم نے انہیں تاری کی دعوت دی تھی۔ رات کو ایک بڑے سے پیالے
میں آلو گوشت آگیا تھا اور بس روٹیاں باہر سے لانی پڑی تھیں۔ صبح کا ناشتہ دونوں بہت زیادہ اہتمام سے کرنے کے عادی نہیں
تھے۔ بس ڈبل روٹی آجاتی تھی۔ چائے بن جاتی تھی چائے بنانی پڑتی تھی۔ دوپہر کو شعور تو نکل جاتا تھا اپنی ملازمت پر اور طاہر
ملازمت کی تلاش میں بازار ہی میں کچھ کھا پی لیا سو کھا پی لیا، اب رات کے کھانے کا مسئلہ ہوتا تھا تو ایک آدھ دن تو بازار سے
کباب اور روٹیاں وغیرہ لے آئی گئیں۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ ایک دو دن میں باقاعدہ کھانا پکانے کا اہتمام کیا جائے لیکن وہ سالن کا پیالہ
کچھ ایسا بندھ گیا تھا کہ اب تو مسئلہ ہی حل ہونے لگا تھا۔ یعنی یہی سالن دونوں کے کام آجاتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ روٹیاں پکالیں یا
پھر طاہر بھاگ کر بازار سے چار روٹیاں خرید لایا۔ اس طرح ایک اور خرچ بھی بچ گیا تھا اور محنت بھی۔ پکانے کا کام ویسے عموماً
طاہر ہی کیا کرتا تھا جو ان دنوں بہت خوش تھا۔
شمع بیگم کے دل کا حال تو کسی کو کیا ہی معلوم۔ اب ایک ہفتے میں تو صورتحال نہیں کھل سکتی تھی۔ لیکن بہت ہی
نفیس اور اعلیٰ قسم کی خاتون تھیں۔ صبح ہی صبح آکر پورا گھر صاف کردیا کرتی تھیں۔ شعور نے ایک دن شام کو معذرت کے انداز
میں کہا۔

"یہ کیا چچی جان۔ آپ کے اوپر تو دوہری ذمہ داریاں پڑگئیں آپ براہ کرم ہمارے کمرے کی صفائی نہ کیا کریں۔ یہ کام
آسانی ہوجاتا ہے اور ہم لوگ تو اس کے عادی ہیں۔"

"بیٹا میرے اوپر کون سی مصیبت پڑجاتی ہے۔ ویسے بھی اوپر کا گھر صاف کیا کرتی تھیں۔ میں بھی عادی ہوں اور پھر
رہے ہی کتنا بڑا۔ نیچے کا تھوڑا سا حصہ اور اوپر اس کمرے کی صفائی۔ تمہیں اگر کوئی اعتراض ہو تو دوسری بات ہے۔"

"ارے نہیں نہیں چچی جان، اس میں اعتراض کا کیا سوال ہے۔ بس اس بات کا افسوس ہوتا ہے کہ آپ کو تکلیف کرنی
ی ہے۔"

"جس دن میں اسے تکلیف محسوس کروں گی تم سے کہہ دوں گی کہ بھیا اب اپنا کام خود سنبھالو۔"

"اور تو اور وہ آپ روزانہ سالن...... سالن۔"

"کمال کرتے ہو تم۔ اتنی چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر کیوں توجہ دیتے ہو؟" شمع بیگم نے شعور کو گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں چچی جان، وہ ایک دن کا کوئی مسئلہ ہو تو ہو۔ آپ کو ہماری وجہ سے بلاوجہ زیادہ پکانا پڑتا ہوگا۔ اصل میں آپ تو
ف دو افراد ہیں۔"

"اور تم جیسے چھ ہو۔ بس جو کچھ بھی پکتا ہے میں سوچتی ہوں تھوڑا سا بچے بھی کھالیں گے۔ اب یہ تو تکلف ہے تمہارا کہ
کھانا پینا اپنا الگ کرتے ہو۔ ورنہ میں تو کہتی ہوں کہ چار روٹیاں پکالینا کون سا مشکل کام ہوگا۔"

"نہیں چچی جان خدا کے لئے اس حد تک زیر بار نہ ہوں کہ ہمیں شرمندگی ہونے لگے۔"

"ویسے کوئی حرج بھی نہیں ہے ظاہر اپنے اپنے ہی ہوتے ہیں۔" طاہر نے شعور کو بالکل ہی پٹڑی سے اترتے دیکھ کر کہا۔

"ہاں چچی جان واقعی کوئی حرج نہیں ہے۔ کل جمعہ ہے۔ طاہر آپ کو اپنے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھلائے گا۔ اب ایک دن

ہمارے ساتھ بھی سہی۔"

پروانہ صاحب اچھل پڑے کہنے لگے۔ "واہ...... واہ...... یہ ہوئی خوشخبری کی بات...... بھئی طاہر میاں کیا پکار ہے ہو۔"

طاہر ہکا بکا ہو گیا تھا اس نے شعور کو گھورا تو شعور نے آنکھیں نکال دیں۔ طاہر مردہ سے لہجے میں بولا۔

"یہ تو طے کر لیا جائے گا۔ آپ فرمائش کر دیں کچھ۔"

"میاں کچھ بھی ہو۔ ارہر کی دال ضرور ہو۔" پروانہ صاحب نے فوراً ہی فرمائش بھی کر ڈالی اور طاہر کے دونوں گال پھول گئے۔ "ارہر کی دال۔ ارہر کی دال۔" وہ گھٹے گھٹے انداز میں دہرا رہا تھا۔

"ارہر کی دال تو طاہر ایسی پکاتا ہے کہ آپ انگلیاں چاٹتے رہ جائیں پروانہ صاحب۔"

"بھئی غلط بالکل غلط۔ یہ سالن میں انگلیاں ڈبونا مجھے بالکل ناپسند ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں میں کہتا ہوں انتہائی غلیظ فطرت کے مالک ہیں۔ میاں نفاست بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اب ضروری ہے کہ آپ پورا پنجا سالن میں گھسیڑ کر روٹی کا نوالہ اس میں ڈبو دیں۔ اس میں بھی نفاست ہو تو اچھا ہے۔ انگلیاں چاٹنے کے تصور سے ہی مجھے گھن آتی ہے۔"

"محاورے کی بات کی ہے۔" شعور نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں محاورتاً تو ہم پلیٹ بھی چاٹ لیں گے۔ تو پھر طاہر میاں کل کی دعوت میں ارہر کی دال ہماری فرمائش۔"

"اور چچی جان آپ بتائیے؟"

"بچوں کی جیسی باتیں مت کرو۔ کھانا پکاؤ گے ہمارے لئے اور ہم کھاتے ہوئے اچھے لگیں گے۔"

"بہت اچھی لگیں گی آپ۔ یہ ہم پر چھوڑ دیجیئے۔" بمشکل تمام شعور نے ان دونوں کو کھانے پر راضی کیا تھا۔ شمیم بیگم اور پروانہ صاحب کے چلے جانے کے بعد طاہر خونخوار انداز میں اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر شعور کا گریبان پکڑ لیا۔

"نہیں چھوڑوں گا، نہیں چھوڑوں گا۔"

"ابے، ابے، قمیص پھاڑے گا، کیا کر رہا ہے۔"

"دعوت دی ہے تم نے اور م۔ میں۔ میں۔ پکا کر کھلاؤں گا انہیں۔"

"ایک ہفتے سے کھا رہے ہو۔ شرم نہیں آتی۔"

"شش۔ شرم کی کیا بات ہے کھانے پینے میں۔"

"تو پھر کھلانے میں بھی شرم نہیں ہونی چاہیئے سنو کل کے لئے سامان لکھ لو۔ تمہیں یہ تمام سامان خرید کر لانا ہے۔"

طاہر برے برے سے منہ بنا کر شعور کو گھورنے لگا تھا۔ شعور مسکراتا رہا پھر بولا۔ "ویسے طاہر یہ سب کچھ واقعی اچھا نہیں ہے۔ ہمیں ان لوگوں کے حالات معلوم نہیں زیادہ اچھے بھی نہیں لگتے پھر کرایہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے انہیں زیر بار کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

"ایک پیالہ سالن ہی کا بار تو ہے۔ کونسا کھا رہے ہیں ہم ان کا۔"

"تم تو ڈھیٹ ہو۔ میں ہی کچھ سوچوں گا۔ خیر کل کے لئے انتظامات کر دو یہ تمہاری ذمے داری ہے۔"

طاہر برے برے منہ بنا رہا تھا۔

شکیل اب بھی سر زدہ تھا۔ ہر چند کہ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس سنہرے موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دے گا اور کلیم احمد صاحب سے غلط بیانی کرے گا۔ اگر صحیح صورتحال بتا دیتا تو نجانے وہ کیسے کیسے وسوسوں کا شکار ہو جاتے۔ بہتر یہی تھا کہ انہیں تاریکی میں رکھے۔ بظاہر کوئی ایسی بات نہیں تھی جو باعث تشویش ہو لیکن دل کے گوشوں میں نجانے کیوں ایک شبہ سا بیٹھ گیا تھا۔ یہ ساری عنایات بے مقصد تو نہیں ہوتیں کہیں ان کے پس پردہ کچھ اور نہ ہو۔ اپنے آپ کو لعنت ملامت بھی کر رہا تھا کہ وہ خواہ مخواہ کسی نیک اور شریف خاتون پر شبہ کر رہا ہے۔

بس ایسی ہی الجھنوں میں گھرا گھر میں داخل ہوا تھا لیکن گھر کے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی اس نے اپنے فیصلے کو آخری درجہ دے دیا۔ کلیم احمد صاحب بیٹھے بیساکھی میں لگی کیلوں کو ہتھوڑے سے ٹھونک رہے تھے۔ وہ جو شاید زیادہ استعمال کی وجہ سے ڈھیلی ہو کر باہر نکل آئی تھیں۔ بیٹے کو دیکھ کر خوش ہو گئے اور شکیل ان کے قریب پہنچ گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ ابو؟"

"کچھ نہیں بیٹے، ہو گیا۔ کیلیں نکل آئی تھیں۔ کپڑے پھٹ جانے کا خدشہ ہو گیا تھا۔"

"ابو آپ کی دعاؤں سے مجھے نوکری مل گئی۔" شکیل نے کہا اور کلیم احمد صاحب نے بے اختیار ہتھوڑا رکھ دیا۔ ان کے چہرے پر مسرت پھوٹنے لگی تھی شکیل کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"کہاں؟ کیسی نوکری ہے؟ کیسے ملی؟"

شکیل اب اپنے آپ کو پوری طرح تیار کر چکا تھا۔ سہارا دے کر کلیم احمد صاحب کو ان کی جگہ سے اُٹھایا اور سامنے پڑی ہوئی پرانے طرز کی آرام کرسی پر بٹھا دیا۔ خود ان کے قریب چھوٹا سا اسٹول گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"ابو ایک ایکسپورٹ فرم ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہر جگہ درخواستیں ڈال دیا کرتا ہوں۔ بس وہاں سے انٹرویو ہوا تھا اور انہوں نے مجھے سلیکٹ کر لیا۔"

"خوب، خوب، بہت خوب، کیا ایکسپورٹ کرتے ہیں وہ لوگ؟"

"لیدر گارمنٹس۔ اور ایسی بہت سی اشیاء جن کی مانگ دنیا کے کسی بھی ملک میں ہو۔ مالک ہیں ایس۔ آر۔ جمالی صاحب بہت اچھی فرم ہے۔ ابا ہر طرح کی آسانیاں فراہم کرتی ہے اور پھر آپ کے لئے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ مجھے اسسٹنٹ مینیجر کی پوسٹ دی گئی ہے۔ تنخواہ چھ ہزار ہے۔ ہر قسم کی آسانیاں فراہم کی جائیں گی اور کسی بھی نیو اپائنٹ کو ایڈوانس رقم بھی دی جا سکتی ہے بشرطیکہ اسے ضرورت ہو۔ دراصل فرم کی اپنی ایک ساکھ ہے اور وہاں اسسٹنٹ مینیجر جیسی پوسٹ پر ہونے والے شخص کو ویل ڈریس رہنا پڑے گا۔ اس کے لئے فرم الاؤنس دینے پر تیار ہے۔ ابو بہت اچھی ملازمت ہے۔"

"خدا کا احسان ہے بیٹے ہم اس کے احسان کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ اسے فضل کرنا تھا۔ کیونکہ وہ کریم ہے۔ ارے بھئی رقیہ بیگم کہاں ہو؟ ایسی خوشی کے موقع پر بھی تمہاری صورت نظر نہیں آ رہی۔ رقیہ! رقیہ" کلیم احمد صاحب نے آواز دی اور رقیہ بیگم جلدی سے باہر نکل آئیں۔ باپ بیٹے کو دیکھا کلیم احمد صاحب کا چہرہ مسرت سے سرخ ہو رہا تھا شکیل نے بھی اب اپنے چہرے پر خوشی طاری کر لی تھی۔ دونوں کو خوش دیکھ کر بولیں۔

"خیریت۔ کیا بات ہے بھئی؟ شکیل میاں کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے...... کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"بی اماں نوکر ہو گیا بالآخر۔ بہت اچھی تنخواہ ہے اور بہت اچھی ملازمت ہے۔"

رقیہ بیگم نے آنکھیں بند کر لی تھیں دل ہی دل میں شاید خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔ کلیم احمد صاحب پر مسرت لہجے میں بولے۔

"اسسٹنٹ مینیجر صاحب تنخواہ چھ ہزار روپے ماہوار، ہو سکتا ہے اعلیٰ کارکردگی پر اور بھی بہت سے اعزازات دیئے جائیں۔

بھئی رقیہ بیگم اور کچھ نہیں کریں گے ہم بس ذرا لوٹے میں پانی دے دو وضو کے لئے۔ نمازِ شکرانہ ادا کریں گے۔"
شکیل ان کی خوشیاں دیکھتا رہا۔ کتنے مسرور ہو گئے تھے دس ہزار روپے اس کی جیب میں تھے لیکن پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہتا تھا۔ کلیم احمد صاحب سے سرسری انداز میں ایڈوانس کا تذکرہ کر دیا تھا اور اس بات کا منتظر تھا کہ وہ اس سلسلے میں اپنی رائے دیں۔ حالانکہ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ یہ سب کچھ بالکل سچائی بھی ہو سکتی تھی اور آنے والے وقت میں اس بات کے امکانات تھے کہ اسے کسی قسم کی کسی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے لیکن پھر بھی نجانے کیوں احتیاط دامن گیر رکھی تھی غالباً اس لئے کہ معاملہ ایک خاتون کا تھا۔ کلیم احمد اور رقیہ بیگم تو خوشیاں مناتے رہے لیکن شکیل کے ذہن میں سوچیں رقصاں رہیں۔ پھر اس نے کلیم احمد صاحب سے ایڈوانس کے بارے میں سوال کیا تو وہ بولے۔
"ایڈوانس کی رقم کس شکل میں کٹے گی؟"
"اس کے بارے میں ابھی کوئی علم تو نہیں ہے ابو، لیکن اگر تھوڑے بہت کاٹ لیں تو کیا حرج ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟"
"بھئی کوئی حرج تو نہیں ہے۔ ملازمت ہے کسی سے بھیک تو نہیں مانگ رہے۔ جیسے وہ چاہیں تنخواہ میں سے کاٹ لیں۔ میرا خیال ہے یہ پیسے تم لے لو۔ کیونکہ لباس وغیرہ کا معاملہ بھی ہو گا۔"
"بہتر ہے ابو۔"
دوسرے دن وہ اپنی ملازمت پر پہنچ گیا۔ مسز جمالی نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا وہ کہنے لگیں۔
"انتظار کر رہی تھی میں تمہارا۔ دن کو ساڑھے گیارہ بجے نکل جاؤں گی، اپنا دفتر وغیرہ دیکھ لو۔ تمہیں، تمہارے کام سمجھا دوں۔ آج جو کچھ بھی بن پڑے کر لینا اور سنو میری واپسی کا کبھی انتظار مت کرنا۔ پانچ بجے اپنی جگہ سے اُٹھ جانا۔ دفتر کی ایک چابی تمہارے پاس ہو گی اور دوسری میرے پرس میں۔ اگر کوئی اہم ضرورت ہوئی تو تمہاری اجازت کے بغیر بھی میں یہ دفتر تمہاری غیر موجودگی میں کھول لوں گی۔ ورنہ اس کی مکمل ذمہ داری تمہارے سپرد ہو گی۔ آؤ۔"
جو دفتر مسز جمالی نے اس کے لئے بنایا تھا۔ غالباً اسے پہلے ہی دفتر کی حیثیت حاصل تھی۔ ائر کنڈیشنڈ کمرہ تھا۔ چار میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ جن میں سے دو میزیں انتہائی خوبصورت اور دو انتہائی وسیع تھیں۔ ریک الماریاں ہر چیز بڑی شاندار۔ ٹیلیفون میز پر موجود تھا۔ مسز جمالی نے اسے اس کی میز بتائی ان دونوں خوبصورت میزوں میں سے ایک تھی کہنے لگیں۔
"باقی میزوں پر کوئی نہیں ہوتا۔ مگر یہ میں نے اس لئے ڈال لی ہیں کہ ممکن ہے کبھی مزید اسٹاف کی ضرورت پیش آجائے ایک میز تمہاری ہے اور ایک میری اور اب میں تمہیں کام کی نوعیت سمجھائے دیتی ہوں۔ مختصر الفاظ میں میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے مختلف کاروبار میں سرمایہ لگایا ہوا ہے اور دوسرے بہت سے لوگ اس میں شامل ہیں۔ ایک طرح سے یہ مشترکہ کاروبار ہے۔ لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ اپنے طور پر بھی تمام کاروبار کا حساب کتاب رکھوں۔ میں تمہیں جو اعداد و شمار فراہم کروں گی ان کے تحت تم اپنے طور پر ان کے اندراجات کرو گے اور ان پر پوری پوری نگاہ رکھو گے۔ میں کسی پر شک کا اظہار نہیں کر رہی لیکن کاروبار میں بہت سے گھپلے ہوتے رہتے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ میں ان سے بے خبر رہوں۔ تمہیں یہ ذمہ داری سنبھالنا ہو گی۔ میں اپنے شناساؤں میں تمہارا تعارف ایک باوقار شخصیت کی حیثیت سے کراؤں گی اور ایک طرح سے تمہیں اپنا سیکریٹری ظاہر کروں گی۔ تم ان میں سے کسی سے کوئی بھی سوال کر سکتے ہو۔ میرا مطلب ہے کاروباری امور کے سلسلے میں اور وہ تمہیں جواب دینے کے پابند ہوں گے لیکن میرے مشورے کے ساتھ ساتھ ان سے سوالات کرنا۔
"جی میڈم۔"
"اب یہ پانچ فائل میں آج تمہارے حوالے کر رہی ہوں ان میں، میں نے اپنی بساط بھر کارروائی کی ہے۔ تم ذرا ان کا بھرپور جائزہ لے لو اور کوئی ایسی بات؟"

"میرا خیال ہے میڈم کچھ نہیں۔"
"خصوصاً تمہارے لئے میں نے یہاں ایک ملازمہ کو متعین کر دیا ہے۔ میں اسے طلب کرتی ہوں۔ ضرورت کی ہر چیز تم اس سے مانگ سکتے ہو۔"
جو ملازمہ سلطانہ جمالی نے شکیل کے سامنے پیش کی وہ ایک نوجوان عمر کی شوخ سی لڑکی تھی۔ مسز جمالی نے اسے شکیل کے سامنے ہدایات دیں اور اس نے بہت زیادہ جھک کر اپنی مستعدی کا اظہار کیا۔ سلطانہ جمالی کہنے لگیں۔
"اور اس کا نام ثمینہ ہے۔ تھوڑی سی بیوقوف ہے لیکن اچھی لڑکی ہے۔ ثمینہ تم جاؤ۔" مسز جمالی کی ہدایت پر ملازمہ واپس چلی گئی اور مسز جمالی نے شکیل سے کہا۔
"اور کوئی ایسا سوال تمہارے ذہن میں رہ جاتا ہے جو مجھ سے فوری طور پر کرنا ہو۔"
"نہیں میڈم میں سب کچھ سمجھ چکا ہوں۔" شکیل نے جواب دیا۔
"تو پھر اب میں چلتی ہوں۔ تمہارے پہلے دن کے آغاز پر تمہیں مبارکباد۔"
وہ باہر چلی گئیں اور شکیل دفتر کا جائزہ لینے لگا۔ تنہا، کوٹھی، دفتر، فائل، ملازمہ ماحول کچھ عجیب عجیب سا تھا۔ ملازمت کے ساتھ ایک الگ تصور ہوتا ہے ایک دفتر جہاں شور و غل ہنگامہ بہت سے ساتھی بہت سے دوست جو ابتدا میں دوست نہیں ہوتے لیکن رفتہ رفتہ دوستی ہوتی جاتی ہے اور پھر ایک ماحول بن جاتا ہے لیکن یہ ماحول اس سے بالکل مختلف تھا۔ بہر حال آہستہ آہستہ دل لگ جاتا ہی جائے گا۔ کیا کیا جائے کوششیں تو نجانے کیا کیا کر ڈالیں لیکن کوئی مجھے اپنے درمیان جگہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ شکیل نے سوچا اور پھر وہ ان فائلوں میں مصروف ہو گیا۔ ایک ایک فائل کو دیکھتا رہا۔ مسز سلطانہ جمالی بہت زیادہ تعلیم یافتہ نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ تاہم کام چلایا تھا انہوں نے اور بالکل بچکانہ انداز میں اپنے کاروبار کی تفصیلات لکھی تھیں۔ لیکن شکیل کو اس سے اس کاروبار کو سمجھنے میں فائدہ ہوا۔ اور اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ مسز جمالی کیا چاہتی ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے طور پر اس سلسلے میں کام شروع کر دیا۔
پہلا دن بڑا پر سکون گزر گیا۔ دوسرا تیسرا چوتھا اور پانچواں دن۔ مسز جمالی سے اس کی ملاقات ہوتی تھی۔ بہت زیادہ وقت صرف کرتی تھیں اس کے ساتھ لیکن عموماً آ کر بیٹھ جاتی تھیں۔ انہوں نے اس کے کام سے بڑے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اور کچھ نئے کام اس کے سپرد کئے تھے۔ غالباً ساتواں دن تھا۔ مسز جمالی کہیں گئی ہوئی تھیں کہ ملازمہ ثمینہ ایک اور خوبصورت لڑکی کو لئے ہوئے اندر داخل ہوئی لڑکی بہت حسین تھی اور قیمتی لباس میں ملبوس تھی۔ اس نے شکیل کے قریب پہنچ کر کہا۔
"میرا نام سدرہ اختیار بیگ ہے۔"
"جی۔ براہ کرم تشریف رکھیئے۔"
"آنٹی سے ملنے آئی تھی۔ لیکن آنٹی موجود نہیں ہیں۔ ثمینہ نے بتایا کہ آنٹی کے سیکریٹری دفتر میں موجود ہیں۔ کہیئے مسٹر سیکریٹری آپ کا کام کیسا چل رہا ہے؟"
"بالکل ٹھیک۔" شکیل نے کسی قدر جھجکتے ہوئے انداز میں کہا۔
"ثمینہ، تمہیں معلوم ہے کہ آنٹی کے پاس آ کر میں کافی ضرور پیتی ہوں۔ اب بھی پیوں گی۔ جاؤ" ثمینہ باہر نکل گئی۔ تو لڑکی نے کہا۔
"مسٹر سیکریٹری آپ نے اپنا نام نہیں بتایا؟"
"شکیل ہے میرا نام۔"
"خوب۔ بہت خوب۔ تو یہاں کب سے کام کر رہے ہیں آپ؟"
"زیادہ دن نہیں ہوئے۔"

ہاں میں تو اکثر آنٹی کے پاس آتی رہتی ہوں اس سے پہلے نہ کبھی آپ سے ملاقات ہوئی نہ آنٹی نے تذکرہ کیا۔ ویسے میرے ڈیڈی، میرا مطلب ہے اختیار بیگ صاحب آنٹی کے بزنس پارٹنر ہیں آپ نے یقینی طور پر اپنے فائلوں میں ان کا نام پڑھا ہوگا۔"

"جی۔" شکیل نے جواب دیا۔

"اور میں ان کی اکلوتی بیٹی ہوں۔"

"جی......."

"اور اکلوتی بیٹیاں آپ سمجھتے ہیں کس حیثیت کی حامل ہوتی ہیں؟" شکیل نے نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھا تو وہ ہنس پڑی۔

"کوئی رعب نہیں ڈال رہی آپ پر۔ بس یہ کہہ رہی ہوں کہ کہ۔ نجانے کیا کہہ رہی تھی خیر چھوڑیئے۔ آپ مجھے کافی اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کیا میں اکثر آپ کے پاس آسکتی ہوں؟"

"جی۔ میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔" شکیل نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ ابتدا میں یہی الفاظ کہے جاتے ہیں لیکن میں اکثر آتی رہوں گی آپ کے پاس، آنٹی سے بھی پوچھوں گی آپ کے بارے میں۔ تو کافی پی کر میں یہاں سے اُٹھ جاؤں گی میں نے آپ کا بہت وقت ضائع کیا ہے۔"

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" شکیل نے جواب دیا اور وہ پھر ہنس پڑی۔

"ہاں یہ بھی کہا جاتا ہے اخلاقاً۔" وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی، اس کی ہنسی بے حد دلکش تھی۔ شکیل اسے دیکھتا رہا۔ کافی آئی اس نے کافی پی اور کہنے لگی۔

"ویسے آپ مجھے شکل وصورت سے اتنے بور آدمی نہیں معلوم ہوتے جتنی بوریت کا آپ نے اظہار کیا ہے۔ ہوسکتا ہے دوسری ملاقات میں آپ اس قدر بور نہ ثابت ہوں۔ اس لئے دوسری ملاقات کے لئے خدا حافظ۔"

وہ باہر نکل گئی اور شکیل دروازے کو دیکھتا رہا۔ عجیب لڑکی تھی لیکن لیکن میں اس ماحول کو کیا جانوں۔ اس ماحول میں غالباً اسی قسم کے لوگ پروان چڑھتے ہیں۔ اس احساس کے ساتھ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک تصور ابھر آیا اور وہ چونک کر دروازے کو دیکھنے لگا۔ ہاں بہت دن ہوگئے کافی دن ہوگئے۔ بلکہ بہت زیادہ دن ہوگئے۔ فرزانہ سے ملاقات نہیں ہوئی حالانکہ مجھے اسے اپنی ملازمت کی خوشخبری سنانی چاہیئے تھی۔ اُفوہ بڑا غلط کام ہوگیا یہ تو۔ سنے گی تو ناراض ہوجائے گی۔ کوئی ایسی ترکیب ہو جس سے اسے ملازمت کا پتہ بھی چل جائے اور وہ ناراض بھی نہ ہو۔ شکیل کی آنکھوں میں فرزانہ کی تصویر اُبھر آئی۔ "صندل پری" اس کے ہونٹوں سے آہستہ سے نکلا۔

❀

حکمت علی کا ایک دفتری تنازعہ چل رہا تھا۔ تنخواہیں بڑھنے اور پرموشن ہونے کا سلسلہ تھا اور اس بارے میں کافی دن سے چکر چلا ہوا تھا۔ ملازمین کوششیں کر رہے تھے بالآخر ان کی کوششیں بارآور ہوگئیں اور تنازعہ حل ہوگیا۔ نتیجے میں حکمت علی کو پرموشن بھی ملی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی طے شدہ تنخواہ کا ایریر بھی۔ تقریباً ساڑھے سات ہزار روپے غیر متوقع طور پر ہاتھ آئے تو حکمت علی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ امید نہیں تھی۔ لوگوں سے سنتے چلے آئے تھے کہ ایسا ہونے والا ہے لیکن زمانے نے جو کچھ دکھایا تھا اس میں بنیادی تجربہ یہی حاصل ہوا تھا کہ جو چیز مٹھی کے اندر آجائے اسے ہی اپنا سمجھا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے کوئی مٹھی سے نکال کر نہ لے بھاگے۔ ورنہ مٹھی سے باہر کی چیز تو پھر باہر ہی کی ہوتی ہے لیکن اب یہ ساڑھے سات ہزار روپے ان کی ملکیت بن گئے تھے۔ بل پر دستخط کرکے روپے وصول کئے تھے انہوں نے۔ اور خوشی سے پھولے نہ سمائے تھے۔

چھٹی کے وقت میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔ لیکن اب بھلا دفتر میں کیسے رکا جاسکتا تھا۔ بہت سی دیرینہ خواہشیں دل ہوئی تھیں۔ بچیوں کے لئے دل میں نجانے کیا کیا آرزوئیں تھیں۔ بازار سے گزرتے ہوئے کبھی کبھی کچھ کپڑوں پر نگاہ پڑتی تو

دل مسوس کر رہ جاتے۔ چشم تصور سے یہ لباس پروین اور ثریا کے جسم پر دیکھتے اور اس کے بعد ایک سرد آہ بھر کر آگے بڑھ جاتے لیکن آج وہ لباس ان کی دسترس میں تھے اور بھلا اس سے زیادہ اور کیا بات ہوسکتی تھی ان کے لئے۔

چنانچہ وقت سے پہلے ہی دفتر سے نکل آئے۔ ظاہر ہے رقم ایسی ہی چیز ہے ہاتھ آجائے تو پھر اسے ٹھکانے لگائے بغیر سکون نہیں ملتا۔ چنانچہ حکمت علی بھی جیب پر ہاتھ رکھے بھرے پرے بازار میں داخل ہوگئے۔ وہ سوٹ لٹکے ہوئے تھے جو ہمیشہ ہی ان کی آرزوؤں کا مرکز رہے تھے۔ قیمتیں پوچھیں پیک کرالیا۔ ثریا اور پروین تو دیکھ کر دیوانی ہوجائیں گی۔ بہت دن سے فرمائشیں بھی کر رہی تھیں۔ ہلکے پھلکے کپڑے تو گھر میں بنتے ہی رہتے تھے لیکن قیمتی کپڑوں کے لئے پیسے کہاں سے آتے۔ لگی بندھی آمدنی میں کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہوتا جو ضرورت سے ہٹ کر کوئی کام کرلیا جائے۔ ماں اور بیوی بھی یاد آئیں۔ بیوی کے لئے بھی ایک لباس خریدا اور فاطمہ بیگم کے لئے بھی۔ یہ چاروں چیزیں خریدنے کے بعد وہ باہر نکلے پھر کچھ کھانے پینے کی اشیاء خریدیں اور پھل وغیرہ کے تھیلے لٹکاتے ہوئے گھر کی جانب چل پڑے۔ گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوئے تو فاطمہ بیگم اپنے کمرے میں تھیں۔ پروین صحن میں جھاڑو دے رہی تھی۔ ثریا نسیم بیگم کے ساتھ کسی کام میں مصروف تھی۔ پروین کی آواز اُبھری۔

"ارے ابو خیریت۔ یہ کیا لے آئے آپ۔ کیا ہے ان پیکٹوں میں اور تھیلے میں؟ ذرا دکھائیے تو۔" حکمت علی صاحب نے مسکرا کر ساری چیزیں بیٹی کے حوالے کردیں لیکن پروین کی آواز سن لی گئی تھی۔ چنانچہ ایک کمرے سے فاطمہ بیگم دوسرے کمرے سے ثریا اور نسیم بیگم باہر نکل آئیں۔ فاطمہ بیگم نے کہا۔

"الٰہی خیر۔ کیسے آگئے اس وقت حکمت علی؟"

"بس پیدل چل کر آیا ہوں۔ جیسے روزانہ آتا ہوں۔"

"یہ کیا ہے؟" فاطمہ بیگم آگے بڑھیں۔ نسیم بیگم ان سے پہلے حکمت علی کے پاس پہنچ گئیں اور انہوں نے تھیلا اپنے قبضے میں کرلیا۔ فاطمہ بیگم ایک دم رک گئیں اور گھور کر نسیم بیگم کو دیکھنے لگیں۔ پھر بولیں۔

"اے میں تو صرف دیکھنا چاہتی تھی کہ بیٹا کیا لایا ہے تم تو ایسی چیل کی طرح جھپٹیں جیسے میں جو کچھ بھی وہ لایا ہے لے کر کہیں بھاگ جاؤں گی۔" نسیم بیگم نے کچھ نہ کہا۔ تھیلا دیکھا پھل وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں چمک اُٹھیں پھر ان پیکٹوں کی جانب متوجہ ہوگئیں۔

"کیا ہے ان میں۔ اور یہ اور یہ آخر آیا کہاں سے؟"

"بھئی سوچا آج آپ لوگوں کی دعوت کر ڈالی جائے۔ اس لئے ذرا جلدی دفتر سے اُٹھ گیا اور یہ چھوٹی موٹی چیزیں خرید لایا۔"

فاطمہ بیگم منہ پھلائے کھڑی ہوئی تھیں۔ حکمت علی نے ان سے کہا۔

"اماں بی ذرا دیکھیئے۔"

"اے بیٹا، ہمیں اجازت کون دے گا۔ ہم ہیں کس گنتی میں۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔ پلٹیں اور دالان میں جاکر تخت پر بیٹھ گئیں۔ نسیم بیگم ہنس کر بولیں۔

"اماں کو تو ذرا دیکھیئے بچوں کی طرح روٹھ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ یہ لیجیئے آپ سب کچھ اپنے ہاتھوں میں لیجیئے۔ آپ کا پورا پورا حق ہے۔ میں بھلا آپ کا حق کیسے مار سکتی ہوں۔"

"اے بوا ان باتوں کو جانے دو۔ چکنی چپڑی کرنا کسی اور کے سامنے۔ میرے حق کی بات کر رہی ہو تم۔ کبھی کبھی مذاق کرنے لگتی ہو۔ ورنہ میں کیا اور میری اوقات کیا۔ اس گھر میں بھلا کوئی حق میرا چھوڑا ہے تم نے۔"

"آپ دیکھ رہے ہیں اماں بی کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ ہمیشہ ان کا خیال رکھتی ہوں۔ کون سی ایسی بات ہے جس کی

انہیں تکلیف ہوتی ہے لیکن ان کا منہ کبھی سیدھا ہی نہیں ہوتا۔"

"دیکھو بوا ذرا زبان سنبھال کر بات کرنا۔ میرے منہ کو کیا لقوہ مار گیا ہے جو ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ لے دیکھ رہے ہو حکمت علی کیسی کیسی باتیں کرتی ہے یہ۔۔۔۔۔۔۔"

"اماں بی۔ اماں بی۔ ذرا دیکھئے تو سہی کیا کیا لایا ہوں آپ کے لئے۔ آپ کی پسند کی چیزیں بھی ہیں۔ لیجیئے، لیجیئے۔"

"ہاں میاں ہماری پسند کی تو بہت سی چیزیں ہیں مگر ہماری تقدیر میں کوئی چیز نہیں ہے۔"

"آپ بلاوجہ بگڑے جا رہی ہیں یہ تھیلا آپ کے سامنے ہے اور یہ پیکٹ بھی آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے کھولئے۔"

"ہاں ہاں میں ہی بگڑے جا رہی ہوں۔ بیوی کے منہ سے تو جیسے پھول جھڑ رہے ہیں۔ لے زمانے کو کیا ہو گیا۔ اولاد یہ بات کیوں بھول جاتی ہے کہ ماں سینے پر بٹھا کر پالتی ہے۔ ہر وہ کام کرتی ہے جو دوسرے نہ کر پائیں لیکن اولاد جوان ہوئی بیوی گھر میں آئی تو سب کچھ دماغ سے نکل گیا۔"

"اماں، اب تو بیوی کو گھر میں آئے ہوئے بھی اتنا عرصہ گزر گیا کہ میں بھول ہی گیا کہ اک گھر میں آئی تھی۔ آپ ذرا یہ پیکٹ کھول کر تو دیکھیئے۔ لے پروین ذرا وہ نیچے والا پیکٹ نکالو۔ دیکھو اس میں کیا ہے؟"

پروین نے نیچے کا ڈبا کھولا تو اس میں سفید شلوار اور پھولدار قمیص اور دوپٹہ رکھا ہوا تھا۔ فاطمہ بیگم نے اس پیکٹ کو دیکھا اور حکمت علی نے پیکٹ نیازمندی سے فاطمہ بیگم کے قدموں میں رکھ دیا۔

"یہ آپ کے لئے ہے۔"

"ہیں۔" فاطمہ بیگم ایک دم چونکیں۔

"ہاں۔ میں نے یہ آپ کے لئے خریدا ہے۔"

"لے دیکھوں ذرا یہ پرنٹ تو بہت اچھا ہے قمیص کا۔ ذرا دیکھو نسیم بیگم۔"

"ہاں دیکھ رہی ہوں۔ اندھی نہیں ہوں۔ سب کچھ نظر آ رہا ہے۔"

"پروین! ذرا جلدی سے پیکٹ نمبر تین بھی کھول لو ورنہ یہاں پھر مہابھارت شروع ہو جائے گی۔" پروین نے ہنستے ہوئے پیکٹ نمبر تین کھولا۔ اس میں نسیم بیگم کے لئے سوٹ رکھا ہوا تھا۔

"ہائے کتنا پیارا ہے ابو یہ کس کے لئے ہے؟"

"بھئی پیاری پیاری چیزیں پیارے پیارے لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔" حکمت علی نے کہا اور جلدی سے دانتوں تلے زبان دبالی۔ ماں کو یہ جملہ بھلا کیسے پسند آسکتا تھا اور فاطمہ بیگم معاف کرنے والوں میں سے تھی بھی نہیں۔ اپنے ڈبے کا ڈھکن بند کرتے ہوئے بولیں۔

"ہاں بھئی پیارے، پیارے ہی ہوتے ہیں یہاں تو بس ایک طرح سے یوں سمجھ لو کہ بس بھگتان بھگتا جا رہا ہے۔۔۔ ہمارے لئے جو چیز آئے وہ بھگتان کے طور پر آئے اور پیارے پیارے لوگوں کے لئے پیاری پیاری چیزیں ہی آئیں۔ غنیمت ہے حکمت علی ٹھیک ہے۔"

نسیم بیگم کو یہ بات بڑی خشگوار لگی تھی کہ فاطمہ بیگم کے دل کو چوٹ لگی۔ جلدی سے ڈبا اٹھالیا اور سوٹ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگیں۔

"کیسا ہے؟" حکمت علی نے کہا۔

"بہت اچھا ہے مگر ان ڈبوں میں؟"

"ان میں ہمارے کپڑے ہوں گے امی۔" پروین اور ثریا نے کہا۔

"کھولو۔ کھولو۔" نسیم بیگم بولیں اور ثریا اور پروین نے اپنے اپنے پیکٹ کھول لئے۔

"ہائے ابو، کیا یہ ہمارے ہیں؟" دونوں بیک وقت بولیں۔

"تو اور کس کے ہو سکتے ہیں۔"

"دکھاؤ ذرا ادھر لاؤ۔ گھسی مت پڑو کپڑے خراب ہوتے ہیں۔" فاطمہ بیگم نے کہا اور جلدی سے دونوں پیکٹ اُٹھا کر اپنے ہنے میں کر لئے۔ نسیم بیگم نے تیکھی نگاہوں سے شوہر کو دیکھا اور انہوں نے آنکھیں بند کر کے بھیک مانگنے والے انداز میں ردن ہلادی۔ مقصد یہ تھا کہ خاموش رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ذرا سا دیکھ لیں گی تو کیا ہو جائے گا۔ فاطمہ بیگم دونوں سوٹ یکھنے لگیں اور بولیں۔

"یہ تو بڑے قیمتی ہیں۔ کتنے کتنے کے لئے حکمت علی؟"

"بس اماں بی لے لئے۔ جتنے کے بھی ملے۔ کیسے لگیں گے یہ ثریا اور پروین کو؟"

"بہت پیارے ہیں، بہت خوبصورت ہیں۔ مگر رکھ دو انہیں سنبھال کر۔"

"کیا؟"

"ہاں کچھ آگے پیچھے کی بھی سوچا کرو۔ اتنا قیمتی سوٹ ان گھوڑیوں کو پہننے کے لئے دے دو گے وہ کد کڑے لگائیں گی اور ماڑ پھوڑ کر پھینک دیں گی۔ آخر جہیز بھی جمع کرنا ہے تمہیں۔ ویسے اسی طرح ایک ایک دو دو کپڑے آتے رہیں گے تو کچھ بن ہی جائیں گے۔ ورنہ یہاں کا تو باوا آدام ہی نرالا ہے۔"

"دیکھ رہے ہیں آپ کہیں بھی زہر اگلنے سے باز نہیں آتیں، اے اماں بیگم آپ اپنا یہ سوٹ کب کے لئے رکھیں گی؟" سیم بیگم سے برداشت نہیں ہو سکا لیکن فاطمہ بیگم بری طرح اچھل پڑیں۔

"کفن بنوا دینا۔ بی بی کفن بنوا دینا۔ کیسا لگے گا حکمت علی ان کپڑوں میں میرا کفن؟"

"توبہ توبہ کریں۔ اماں بی توبہ کریں۔ ابھی تو آپ کو بہت عرصے جینا ہے۔"

"یہ جینے دیں گی تمہاری بیگم۔ مجھے جینے دیں گی۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"تو میں کونسی گردن دبائے دے رہی ہوں تمہاری اماں بی۔"

"ارے ارے بھئی تم لوگوں کو تو لڑنے کے لئے کوئی نہ کوئی موقع چاہیئے ہوتا ہے۔ بھلا دیکھو میں نے کتنی محنت سے یہ سب کچھ کیا ہے کر آیا اور یہاں لڑائی شروع ہو گئی۔"

"تو آپ کانوں میں تیل ڈالے کیوں بیٹھے رہا کرتے ہیں۔ بیٹیوں کو گھوڑیاں کہہ دیا۔ آخر یہی دن ہیں ان کے پہننے مانے کے، ابھی نہ پہنیں گی تو کب پہنیں گی۔ دیکھتے ہیں آپ ذرا صندوقوں میں جھانک کر دیکھیئے۔ کتنے کپڑے ہیں ان کے س۔ وہی کاٹن کے کھدر کے بنے ہوئے کپڑے ہیں۔"

"تو بی بی کمخواب کہاں سے لائے گا وہ۔ جو اس کی حیثیت ہے وہ کر دیتا ہے۔ بلکہ ہزاروں سے اچھا پال رہا ہے مگر تمہارا منہ بھی سیدھا ہی نہیں ہوتا۔"

"میں کہتی ہوں آپ سے تو نہیں مانگتی میں۔ جو کچھ کر رہا ہے میرا شوہر کر رہا ہے۔ آپ بیچ میں ہمیشہ ٹانگ کیوں اڑا تی ہیں۔"

"اس لئے اڑا دیتی ہوں بی بی کہ تمہارا شوہر بننے سے پہلے وہ میرا بیٹا تھا۔ تم نے تو سارے حق ہی چھین لئے ہمارے۔"

"توبہ توبہ۔ خدا کی پناہ، خدا کی پناہ۔ آپ لوگوں کو اتنے الفاظ کہاں سے مل جاتے ہیں۔ بات سے بات ایسے نکلتی ہے کہ یہ رابطہ ٹوٹتا ہی نہیں۔ بھئی اماں بی وہ کپڑے آپ کے ہیں یہ نسیم کے ہیں اور یہ دونوں بچیوں کے۔ اب میرے خیال میں میں کسی کے بولنے کی تو گنجائش ہی نہیں رہتی۔ آپ لوگوں نے بلاوجہ لڑنا شروع کر دیا۔"

"لے میری نظریں تو بہت دور تک دیکھتی ہیں حکمت علی۔ تمہارے ہی بھلے کی سوچتی ہوں۔ کل کلاں کو بیٹیوں کے

رشتے آئے تو سر پر ہاتھ رکھ کر میرے ہی سامنے بیٹھ جاؤ گے۔ ماں ہی کا کلیجہ دکھے گا۔ بیوی کی کیا ہے کہہ دے گی منہ کھول کر میاں جی جو کر سکتے ہو کرو۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"پھر بھی اماں بی آپ بچیوں کو دیکھیئے نا کتنی اداس ہو گئیں۔ واقعی نسیم بیگم یہ بات تو بالکل درست کہتی ہیں کہ کپڑے ہیں بیچاریوں کے پاس۔ یہ جوڑے بہت عرصے سے بازار میں دوکان پر لٹکے ہوئے دیکھ رہا تھا دل میں کئی بار آیا انہیں اپنی بیٹیوں کے لئے خرید لوں۔ مگر کچھ حساب ہی نہیں بن رہا تھا۔ آج موقع ملا تو لے آیا۔ خدا نے انہیں زندگی دی تو دوسرے مسائل بھی حل کرے گا۔ بس اب آپ کھائیں پئیں عیش کریں اور خواہ مخواہ کا لڑائی جھگڑا چھوڑیں۔"

"ٹھیک ہے میرا کیا ہے۔ خود بھگتو گے۔ غلط قدم اٹھاؤ گے تو غلط ہو گا۔ آگ کھاؤ گے تو انگارے ہی اُگلو گے میں ا[illegible] کہوں۔"

"اچھا بھئی اب بات ختم ہو گئی نا، تو پروین اور ثریا تم اپنے اپنے کپڑے پسند کر لو۔"

دونوں نے اتفاق رائے سے ایک ایک سوٹ کا ڈبا اٹھا لیا۔ فاطمہ بیگم اچانک ہی چونک کر بولیں۔

"اے حکمت علی ذرا ایک بات تو بتا؟"

"جی اماں بیگم۔"

"یہ۔ یہ سب کچھ آیا کہاں سے؟"

"بس اللہ نے دیا ہے۔ آگیا بچوں کی تقدیر سے۔"

"نا میاں نا۔ میں ایسے مطمئن نہیں ہونے کی۔ کہاں سے آیا یہ سب کچھ؟"

"اماں بی آپ کا کیا خیال ہے کیا میں چوری کر کے لایا ہوں۔"

"نہیں میاں نہیں۔ تم ایسے نہیں ہو۔ مجھے اپنے خون پر اعتبار ہے مگر پھر بھی میرے اطمینان کے لئے یہ ضروری ہے۔"

"بتائیے بتائیے۔ اب یہ بھی بتائیے کہ کہاں سے آگئے یہ پیسے۔ کہاں سے لے آئے یہ پیسے۔ کیا کہہ رہے ہیں یہ پیسے[illegible] بیگم نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"دیکھو نسیم بیگم میرے ہر معاملے میں مت بولا کرو۔ تم حد سے زیادہ بڑھتی جا رہی ہو۔"

"اے میں کون سی بولتی ہوں۔ اماں بی آپ نے تو بس الزامات لگانے کا ٹھیکہ لے لیا ہے میرے اوپر کام دھن[illegible] کوئی ہے نہیں آپ کے پاس۔ بیٹھی بیٹھی سوچتی رہتی ہیں کہ اب کونسا ایسا طریقہ نکالا جائے جس سے لڑائی ہو۔"

"بی بی میں ماں ہوں۔ ماں ہمیشہ پیٹ ٹٹولتی ہے اور بیوی ہمیشہ جیب۔ سمجھ رہی ہو نا تم۔ تمہارا کیا ہے کپڑے آ[illegible] پھل آئے۔ مٹھائی آئی۔ کھانے پینے کی چیزیں آئیں۔ خوشی سے باچھیں کھل اٹھیں۔ مگر مجھے تو یہ تشویش ہو گئی کہ آخر یہ آئے کہاں سے؟"

"بیوی جیب ٹٹولتی ہے" نسیم بیگم نے کہا۔

"تو اور کیا۔"

"ذرا پوچھیئے اپنے بیٹے سے میں نے کبھی ان کی جیب ٹٹولی اور پھر ٹٹولوں گی کیا مجھے پتہ ہے جیب میں کیا ہوتا ہے۔"

"بی بی ٹٹولے بغیر کیسے پتہ چلتا ہے کہ جیب میں کیا ہے۔" فاطمہ بیگم نے بڑا زبردست پوائنٹ پکڑا اور نسیم بیگم [illegible] رہ گئیں۔

"اماں بی میں جیب ٹٹولتی ہوں تو آج ٹٹولتی ہوں آپ نے تو جیبیں ٹٹول ٹٹول کر اماں میاں کو مار ہی ڈالا۔"

"ہیں۔ میں نے مار ڈالا۔" فاطمہ بیگم کی آنکھیں اُبل پڑیں اور پھر وہ آپے سے باہر ہو گئیں۔

"دیکھ حکمت علی، سنبھال لے اپنی بیوی کو۔ بے عزتی کی حد ہو گئی ہے۔ آخری حد تک پہنچ گئی ہے یہ سنبھال لے حکمت علی سنبھال لے اس کو ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

"اماں بی آپ اپنے کمرے میں چلیئے۔ آئیے آئیے میں آپ کو آپ کے کمرے میں پہنچا دوں۔"

"ہاں مجھے میرے کمرے میں ہی پہنچا دے تو اچھا ہے۔ کھانے پینے کا موقع مل جائے گا نا تیری بیوی اور بیٹیوں کو۔ پہنچا دے پہنچا دے حکمت علی۔ کمرے میں یا تجھ سے بن سکے تو مجھے دو گز زمین میں ہی پہنچا دے۔"

"اے اتنی آسانی سے نہیں جاؤ گی دو گز زمین میں۔" نسیم بیگم نے کہا اور بقیہ تینوں ڈبے اور پھلوں کے تھیلے وغیرہ اُٹھا کر کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ حکمت علی کسی نہ کسی طرح سمجھا بجھا کر فاطمہ بیگم کو ان کے کمرے میں لے آئے۔ فاطمہ بیگم کہنے لگیں۔

"حکمت علی دودھ دیا اور مینگنیوں بھرا اس سے کیا فائدہ۔ ہیں۔"

"اماں میں نے کیا کیا ہے؟"

"میاں تم نے یہ کیا ہے کہ اپنی بیوی کو سر پر بٹھا لیا ہے۔ سمجھے تم۔ کبھی کچھ نہیں بولتے۔ اس کے معاملے میں اور وہ میری بے عزتی کرتی رہتی ہے۔"

"اچھا اگر یہ بات ہے تو میں آئندہ بات کروں گا نسیم بیگم سے۔ بھلا اسے کیا حق پہنچتا ہے میری ماں کی بے عزتی کرنے کا۔"

"جانے دے، جانے دے حکمت علی۔ اس کے سامنے تو بھیگی بلی بن جاتا ہے۔ جورو کا غلام کہیں کا۔"

"اماں بی آپ کا بھی تو غلام ہوں۔"

"چھوڑ میاں چھوڑ۔ وہ وقت گئے جب اولادیں ماں باپ کی غلام ہوا کرتی تھیں۔"

"تو پھر بتائیے میں کیا کروں؟"

"کچھ نہیں۔ جا کر بیوی کے تلوے چاٹ اور کیا کرے گا۔ جا میاں جا وہ انتظار کر رہی ہو گی۔ نہ پہنچا تو رعنا بنا دے گی۔"

حکمت علی ایک ٹھنڈی سانس لے کر فاطمہ بیگم کے کمرے سے باہر نکل آئے۔ نسیم بیگم کے کمرے میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے لیکن یہاں امن تھا سب مسکرا رہے تھے پروین اپنا جوڑا شانوں سے لگا کر اسے دیکھ رہی تھی اور ثریا اپنا۔ یہ فیصلہ ہو رہا تھا کہ دونوں میں سے کون سا جوڑا سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ نسیم بیگم تھیلوں سے پھل اور مٹھائی وغیرہ نکال رہی تھیں۔ کہنے لگیں۔

"خیر باقی ساری باتیں تو اپنی جگہ۔ ذرا یہ بتائیے کہ یہ پیسے آئے کہاں سے؟"

"بھئی کمال ہے تم لوگوں کو ان باتوں سے کیا غرض۔ اُدھار نہیں لایا چوری کر کے نہیں لایا۔ بس ایک بل مل گیا ہے۔ کام بن گیا ہے۔ تم لوگوں کو آم کھانے سے مطلب یا پیڑ گننے سے۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ ظاہر ہے کچھ نہ کچھ کیا ہی ہو گا آپ نے۔ ویسے کافی پیسے خرچ کر ڈالے اور کتنے پیسے باقی ہیں آپ کے پاس؟"

"آگئیں وہ ہی اماں والی بات پر۔"

"دیکھیں حکمت علی جی نہ جلایا کریں میرا۔"

"ارے نہیں نہیں بھئی کون جی جلا رہا ہے۔"

"کتنے پیسے اور ہیں آپ کے پاس؟"

"کوئی کام ہو تو بتائیے۔"

"یہ گدا دیکھ رہے ہیں مسہری کا۔ سارے اسپرنگ نکل آئے ہیں۔ رات کو سوتے میں چبھتے ہیں۔ میں تو کہتی تھی کہ پلنگ ہی بدل دوں۔ لیکن کیا فائدہ پلنگ کا ڈھانچہ مضبوط ہے۔ ایک گدا کہیں سے خرید لیں یا پھر اسے مرمت کرالیں۔ سنا ہے بازار میں گدے نئے کر دیئے جاتے ہیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ معلوم کروں گا۔ اس بارے میں۔"

"اور اور کتنے پیسے ہیں آپ کے پاس؟"

"بھئی تم اور کوئی کام بتاؤ۔ وہ بھی کرادوں گا۔"

"ابامیاں میں بتاؤں؟" پروین کہنے لگی۔

"بتائیے بیٹے بتائیے" حکمت علی محبت سے بولے۔

"ابا ایک سیڑھی اور لادیجئے۔"

"ہیں۔"

"ہاں۔ بھئی بہت اچھا موقع ہے بڑے وقت سے یاد دلایا تم نے ورنہ پیسے ختم ہوجاتے۔ پھر تمہاری یہ فرمائش طویل عرصے کے لئے ٹالنی پڑتی۔"

"تو لائیں گے ابا آپ سیڑھی؟"

"ہاں ابھی لائیں گے تھوڑی دیر کے بعد لائیں گے۔"

فاطمہ بیگم کو ان تمام باتوں کا پتہ نہیں تھا ورنہ یقینی طور پر نیا ہنگامہ کھڑا ہوجاتا۔ بہر طور حکمت علی نے لباس وغیرہ تبدیل کیا پھر خوشامدانہ انداز میں بولے۔

"دیکھو نسیم بیگم ہمیں کبھی کبھی ہی خوشیاں ملتی ہیں ہم جیسے لوگوں کے مسائل ہی اتنے ہوتے ہیں کہ مسکرانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ یہ صرف اتفاق ہے کہ پرانا ایرئیر مل گیا جس کی وجہ سے یہ تھوڑے سے کام ہوگئے۔ اب اس میں کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم گھر کے صرف چند افراد مل جل کر بیٹھ جائیں۔ کھائیں پئیں۔ تھوڑی دیر خوش ہولیں۔ کیونکہ اس کے بعد انہی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

"تو میں کب منع کرتی ہوں اس سے۔"

"اچھا اب تم اُٹھو۔ جاؤ اماں بی کو جس طرح بھی ہو منا کر لے آؤ۔ سب مل کر کھائیں گے، پئیں گے، پروین اور ثریا ان تمام چیزوں کو پلیٹوں میں سجا کر رکھتی ہیں ذرا لطف آئے گا۔"

"ٹھیک ہے چلی جاتی ہوں آپ کے کہنے سے۔" نسیم بیگم نے تعاون کرتے ہوئے کہا۔ دروازے کے قریب رک کر بولیں۔

"وہ گدے کی کیا سوچی؟"

"ابھی کچھ نہیں سوچی لیکن تمہارا کام ہوجائے گا اطمینان رکھو۔"

"ہاں بڑی تکلیف ہوتی ہے رات کو کمر میں درد ہونے لگتا ہے۔"

"بالکل اطمینان رکھو۔ گدا یا تو بدل جائے گا یا مرمت ہوجائے گا بس اب تم جاؤ اور اماں بی کو ساتھ لے کر آؤ۔" پروین نے آہستہ سے ثریا کے کان میں کہا۔

"شک کرتی ہو؟"

"کس سلسلے میں؟" ثریا بولی؟

"کیا امی اماں کو منا کر لاسکتی ہیں۔"

"تم نہیں جانتیں بیگم پروین، ابھی وہ جائیں گی اور تھوڑی دیر کے بعد دونوں ہنستی ہوئی اندر آجائیں گی۔"

"کیا مطلب۔"

"بھئی ہم لوگ تو بہت بعد میں اس دنیا میں آئے ہیں ان کا ساتھ بہت پرانا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو جانتی ہیں۔ ...ں ایک دوسرے کو قابو میں کرنے کے گر بھی جانتی ہیں۔"

"تو پھر لگالو شرط۔"

"ہوگئی۔"

"کتنے کتنے کی؟"

"دس دس روپے کی۔"

"ہیں دس روپے تمہارے پاس؟"

"لو۔ کیا میں قلاش ہوں۔"

"نکال کر دکھاؤ۔"

"بیکار باتیں مت کرو شرط لگانی ہے تو لگاؤ۔"

"ٹھیک ہے ہوگئی۔"

"تمہارا خیال ہے دادی اماں نہیں آئیں گی؟"

"بالکل نہیں آئیں گی۔"

"اور میں کہتی ہوں ابھی دو منٹ کے بعد آجائیں گی۔"

دونوں میں شرط لگ گئی لیکن پھر پروین ہی یہ شرط ہار گئی کیونکہ چند ہی منٹ کے بعد نسیم بیگم دادی اماں کے ساتھ ...ہوئی اندر داخل ہوگئیں اور دادی اماں ٹھنڈا لگا کر بولیں۔

"...لو یہاں دسترخوان سج گئے۔ بھئی واہ یہ سب کچھ دیکھ کر جی خوش ہوگیا۔ آؤ میاں کہاں ہو۔ ارے حکمت علی۔ اے حکمت..."

پروین نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دادی اماں کو دیکھا اور ثریا ایک آنکھ دبا کر مسکرانے لگی۔ کھانے پینے کا سلسلہ جاری ہوگیا ...ٹ کر کھایا گیا۔ حکمت علی بھی اس ماحول سے بہت خوش تھے لیکن اب ایک مرحلہ رہ گیا تھا جس سے نمٹنا تھا۔ کچھ دیر ...وہ چپ چاپ گھر سے باہر نکل گئے۔ فاطمہ بیگم، نسیم بیگم سے باتیں کرنے لگیں۔

"...بیٹا میں کوئی برے کو تھوڑی کہتی ہوں۔ ظاہر ہے اس گھر کی بڑی ہوں۔ ہر طرف نظر رہتی ہے۔ بچیوں کے لئے واقعی ..."

"...سوچ رہی ہوں اماں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے اور پھر آپ تو بزرگ ہیں ہماری ہیں۔ اللہ اللہ کرتی رہتی ہیں آپ کی ...ی نہیں ہے ہمارے لئے۔"

"بس بی بی میرا دل تو یہی چاہتا ہے کہ اللہ خیریت کے ساتھ ان بچیوں کا بیڑا پار لگادے۔ اے حکمت علی۔ حکمت علی ..."

"...باہر گئے ہیں کسی کام سے۔"

"...یا کچھ خریداری کرنے گیا ہے؟" اے نسیم اک ذرا بات تو بتا مجھے۔

"...ی اماں۔"

"...یا تو نے پوچھا حکمت علی سے کہ پیسے کہاں سے آئے؟"

"...فتر میں کوئی دبا ہوا بل مل گیا ہے۔"

"کتنے پیسوں کا؟"

"یہ تو نہیں بتایا اماں۔"

"جھوٹ بول رہی ہے۔"

"آپ کے سر کی قسم۔"

"اچھا۔ پھر بھی بیٹا اس سے یہ بات کہنا کہ پیسہ دبا کر رکھے ضرورتیں تو ہمیشہ ہی منہ پھاڑے کھڑی رہتی ہیں۔ کوئی نہ
ئی ضرورت آ پڑتی ہے۔ ایسے موقعوں پر کس کا منہ دیکھا جائے۔ اے وہ نجمن بی تو نہیں آئیں پھر دوبارہ؟"

"نہیں۔"

"بڑی تیز۔ آفت کی پرکالہ خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ ذرا اس قسم کی عورتوں سے سنبھل کر رہنا چاہیئے۔ ایسی لگائی بجھائی
تی ہیں کہ گھر کے گھر اُجڑ جائیں۔"

"نہیں اماں بی ہمارا گھر انشاء اللہ باہر کا کوئی آدمی کبھی نہیں اُجاڑ سکے گا۔"

حکمت علی کی واپسی کوئی گھنٹے بھر کے بعد ہوئی تھی۔ گھر کا ماحول اس وقت تک بالکل پرسکون تھا لیکن جیسے ہی حکمت
ں نے گھر میں بانس کی لمبی سیڑھی لاکر رکھی فاطمہ بیگم کا پارہ چڑھ گیا۔

"یہ کیا ہے۔ حکمت علی؟" وہ غرائیں۔

"اماں اسے سیڑھی کہتے ہیں۔"

"حکمت علی، تونے وہی کیا ناجس کے لئے میں نے منع کیا تھا۔"

"اماں بی تو اس سے کیا ہوگیا۔ ویسے بھی خاصی پریشانیاں ہیں۔ کم ازکم اوپر الگنیاں باندھ لی جائیں گی۔ کپڑے پھیلانے کا
ہوگا اور کپڑے سوکھنے میں آسانی ہوجائے گی۔"

"مگر میں نہیں چاہتی کہ بچیاں چھت پر جائیں۔"

"نہیں اماں بی اب ایسی کوئی بات بھی نہیں ہے۔ اچھا ہے محلے میں شریف لوگ رہتے ہیں۔ دوسروں کی بھی بہو
اں ہیں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"سیڑھی میری مرضی کے خلاف آئی ہے حکمت علی۔"

"کوئی بات نہیں ہے اماں بی آپ ذرا نظر رکھیئے بچیاں بلاوجہ تو چھت پھر جاکر نہیں کھڑی ہوجائیں گی۔"

ادھر پروین اور ثریا نے بانس کی سیڑھی دیکھی تو خوشی سے دیوانی ہوگئیں۔ فاطمہ بیگم بری بری نگاہوں سے یہ سب کچھ
رہی تھیں۔ نسیم بیگم نے غالباً اس وقت کچھ سوچ کر مصلحتاً خاموشی اختیار کرلی تھی۔ ہو وہ ہی رہا تھا جو وہ چاہتی تھیں۔ بچیاں
ں نہیں۔ اگر فاطمہ بیگم بیچ میں بک بک جھک جھک کرلیتی ہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ بہرطور یہ مرحلہ غیر متوقع طور پر نرمی
ے طے ہوگیا۔ فاطمہ بیگم نے دوچار باتیں کہیں اور اس کے بعد خاموش ہوگئیں۔ ادھر ثریا نے سیڑھی لگانے کے لئے ایک بہتر
لاش کی اور پھر ڈنڈے پکڑ پکڑ کر اوپر چڑھنے لگی۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے پروین بھی اوپر آگئی تھی۔ چار چھ ڈنڈے چڑھنے کے
ریا بولی۔

"پروین ذرا میں اوپر پہنچ جاؤں تب آنا۔ ہائے کیسی ہے ہماری چھت ذرا آج دیکھیں گے۔"

"کیوں۔ میرے چڑھنے سے کیا ہوجائے گا؟"

"بھئی کہیں ٹوٹ نہ جائے۔" ثریا ڈر کر بولی؟"

"چھوڑو۔ بہت مضبوط ہے۔ اگر ہمارے سارے گھر والے بھی ایک ساتھ اس پر چڑھ جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

دونوں سیڑھی پر سے گزر کر چھت پر پہنچ گئیں۔ دلدی اماں کے لئے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ سیڑھی کے ذریعے

چھت تک جانے کا تصور بھی کر سکتیں۔ البتہ نسیم بیگم کے لئے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ چنانچہ سو فیصد یہ نشی چیز ان تینوں کے حق میں جاتی تھی۔ دونوں چھت پر پہنچ گئیں۔ چھت بری گندی پڑی ہوئی تھی۔ پہلی بار محلے کا فضائی جائزہ لیا۔ چار طرف اونچے نیچے گھر ایک دوسرے سے لپٹے پڑے ہوئے تھے۔ چھتیں بھی تھیں۔ کچھ فاصلے پر ایک کبوتر خانہ نظر آرہا تھا اور کبوتر خانے کے قریب ایک نوجوان بھی، جس کی پشت ان کی جانب تھی۔ سیدھے ہاتھ کی طرف دیکھا تو لمبی سی گلی کے ایک اور گھر آیا جس کی چھت پر کوئی کمرا ہوا تھا چاروں طرف نگاہیں دوڑائی گئیں اور دونوں خوشی سے نہال ہو گئیں۔

"ہمارا محلہ تو واقعی بہت اچھا ہے۔"

"اب روزانہ یہاں سے ہر سمت کا نظارہ کیا جائے گا۔"

"یقیناً یقیناً۔ پروین نے کہا۔ دونوں خوشی سے چھت پر چھلانگیں لگاتی رہیں اور چاروں طرف کا جائزہ لیتی رہیں۔ ا[س پاس] وجوار کے سارے ہی گھر نظر آرہے تھے۔ بڑا گھنا محلہ تھا اور دور تک بکھرا ہوا تھا۔ گلی کے اس پار جو چھت نظر آرہی تھی ا[س پر] انہوں نے ایک نوجوان کو دیکھا آنکھوں سے دوربین لگائے اسی سمت دیکھ رہا تھا۔ پروین نے فوراً ہی ثریا کو اشارہ کیا۔

"ثریا۔" پروین سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"کیا ہے؟"

"ذرا اس طرف دیکھو، اس کمبخت کو۔"

"کدھر؟"

"ارے اس طرف۔ وہ دوربین لگائے ہمیں دیکھ رہا ہے؟" ثریا نے اس طرف دیکھا اور اس شخص نے آنکھوں سے دو[ربین] ہٹالی ان دونوں کی تیز نگاہیں اس کا جائزہ لے سکتی تھیں۔ لمبی لمبی نوکیلی مونچھوں والا بدمعاش سی صورت کا نوجوان تھا[۔] ہی اس نے ہونٹ سکوڑ کر سیٹی بجائی۔ فاصلہ کافی تھا لیکن سیٹی کی مدھم مدھم لے سنائی دے رہی تھی۔ وہ سیٹی کی[...] سروں میں بجا رہا تھا۔

"تیری پیاری پیاری صورت کو کسی کی نظر نہ لگے چشم بددور۔"

"آجاؤ آجاؤ نظر لگ جائے گی۔" پروین نے ثریا سے کہا اور ثریا جلدی سے بولی۔

"چلو بھئی چلو۔ کوئی بدمعاش لفنگا معلوم ہوتا ہے۔"

دونوں آہستہ آہستہ سیڑھی کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

***

فوزیہ نے بستر پر انگڑائی لی۔ ہاتھ آگے بڑھایا اور فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔ انگلی ڈائل پر پہنچی لیکن [...] میں ٹون نہیں تھی۔ فوزیہ کریڈل کھٹکھٹانے لگی۔ لیکن کوئی آواز نہ ہوئی۔ فون ڈیڈ پڑا ہوا تھا۔ اس کا پارہ چڑھ گیا وہ چیخی۔

"امی۔ امی اس فون کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیجئے امی کہاں ہیں آپ۔"

غوثیہ بیگم باہر موجود تھیں۔ بیٹی کی چیخیں سن کر اندر آگئیں۔

"خیر تو ہے فوزی کیا ہوا؟"

"لعنت ہے اس گھر پر۔ خدا کی لعنت ہے سو بار لعنت ہے۔"

"ہوا کیا بھئی؟" غوثیہ بیگم نے فوزیہ کے ہاتھ میں ریسیور دیکھ کر کہا۔

"یہ فون پھر خراب ہو گیا۔ میں کہتی ہوں یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ ہمارے ہاں کوئی کام درست نہیں ہو سکتا۔ آ[...] بجلی غائب رہتی ہے، ٹیلیفون کا محکمہ تو بس کیا کہوں۔ کوسنے کو بھی جی نہیں چاہتا کیونکہ یہ مگر ہمارا ٹیلیفون می[ں]

ہوں کیا ہو گا آخر کیا؟"

"کیا شور مچا رہا ہے بھئی۔ کیا ہو گیا تم دونوں ماں بیٹی کو؟"

امداد بیگ نے دروازے سے آواز لگائی اور پھر اندر آگئے۔

"یہ دیکھ لیجئے۔ آپ خود دیکھ لیجئے۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ سارے تار وار اکھاڑ کر پھینک دوں۔ یہ ٹون پھر غائب ہے۔ ٹیلیفون بے جان پڑا ہوا ہے۔"

"لیں۔ دکھاؤ ذرا۔" امداد بیگ نے آگے بڑھ کر ریسیور فوزی کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہی سب کچھ کرتے رہے جو فوزی کر رہی تھی۔ پھر شانے ہلا کر بولے۔

"کمبخت پھر خراب ہو گیا۔ مین لائن ہی میں کوئی خرابی ہے۔ ابھی تو ٹھیک کر کے گیا تھا لائن مین۔ چلو میں جاتا ہوں کسی پی سی او سے کمپلینٹ لکھاتا ہوں۔" کچھ دیر کے بعد امداد بیگ صاحب باہر نکل گئے۔ فوزی بک بک جھک جھک کرتی رہی تھی۔

دوپہر کو تقریباً ڈھائی بجے ایک بار پھر محکمہ ٹیلیفون کے لوگ آگئے اور انہوں نے امداد بیگ صاحب کے دروازے پر دستک دی۔ امداد بیگ صاحب نے خود ہی دروازہ کھولا تھا۔

"کمپلینٹ آپ نے کرائی تھی؟"

"ہاں بھائی۔ یہ آخر ہو کیا رہا ہے۔ بار بار ٹیلیفون ڈیڈ ہو جاتا ہے کوئی ایسا فالٹ ہے جس کی وجہ سے۔"

"جناب آپ خود بتائیے کہ یہ ٹیلیفون کو بار بار ہو کیا جاتا ہے۔ پچھلی بار بھی آپ ہی نے بلایا تھا ہمیں۔ کنکشن درست کر کے گئے تھے۔ آپ کے پول پر جو بکس لگا ہوا ہے اس میں سے آپ کے ٹیلیفون کا کنکشن نکال دیا جاتا ہے۔ بار بار تو ہمارا آنا مناسب نہیں ہو گا۔ آخر ہوتا کیا ہے یہ تار کون کھینچ لیتا ہے۔"

"ہمارے پول سے؟"

"جی ہاں وہ جو مین کنکشن لگا ہوا ہے وہاں سے تار کھینچ جاتا ہے آپ کا ٹیلیفون کا تار تو کسی ایسی جگہ سے بھی نہیں گزرتا جہاں بچوں وغیرہ کے ہاتھ پہنچ سکیں۔ آپ خود خیال رکھیئے۔ اب ہم آپ ہی کے ٹیلیفون پر تو مصروف نہیں رہ سکتے۔" امداد بیگ صاحب نے شکریہ ادا کیا۔ ٹیلیفون چیک کرایا گیا اور اس کے بعد ٹیلیفون ڈیپارٹمنٹ کے لوگ چلے گئے لیکن امداد بیگ کے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال آیا اور ان کا چہرہ پریشانیوں کا شکار ہو گیا تھا۔ اندر آکر ٹیلیفون چیک کیا اور پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے۔

"کیا کہہ رہے تھے یہ ٹیلیفون والے؟"

"غوثیہ بیگم میں صورتحال کو سمجھ گیا ہوں۔"

"کیا سمجھ گئے ہیں ڈیڈی؟" فوزی نے ان دونوں کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"ٹیلیفون خود نہیں خراب ہوتا۔ بلکہ اسے خراب کر دیا جاتا ہے۔"

"میں کرتی ہوں؟" فوزی نے آنکھیں نکالیں۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ضرورت سے زیادہ بولنے لگی ہو۔"

"تو آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ ٹیپ لگا کر بیٹھ جاؤں ہونٹوں پر۔"

"بھئی میں سمجھ گیا ہوں کہ ٹیلیفون کیوں خراب ہو جاتا ہے۔"

"تو ہمیں بھی سمجھا دیجئے نا ڈیڈی۔" فوزیہ نے کہا۔

"اس قدرت اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ٹیلیفون والے بتا رہے تھے کہ کنکشن کھینچ دیا جاتا ہے۔"

فوزی کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ غوثیہ بیگم کا منہ حیرانی سے کھل گیا۔ امداد بیگ صاحب کے چہرے پر پریشانی کے آ گہرے ہوگئے۔ غوثیہ بیگم بولیں۔

"وہی مردود۔ وہی کمبخت دشمنی نکال رہا ہے۔"

"ہاں چیلنج کیا تھا اس نے مجھے کہ اب ذرا ٹیلیفون کر کے دکھادیں۔ بڑے آئے ٹیلیفون والے۔" فوزی نے آہستہ سے کہ

"تو یہ قدرت اللہ کا کارنامہ ہے۔ ٹھیک ٹھیک۔"

"بھئی گھٹیا آدمی ہے۔ لپا لفنگا ایسے ہی گر استعمال کر سکتا ہے وہ۔ ان لوگوں کے پاس زیادہ کام تو ہوتا نہیں ہے۔ گھر اخراجات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ جو کمالیتے ہیں اس میں سے پچھتر فیصد بچ جاتا ہے۔ باقی پچیس فیصد میں گزارہ کر ہیں اور اچھی خاصی حیثیت کے مالک بن چکے ہیں۔ یہ نہ اکڑیں گے تو کون اکڑے گا۔ میرا خیال ہے ایک دو افراد کو درمیان م ڈال کر معافی تلافی کئے لیتے ہیں خواہ مخواہ جھگڑا کرنے سے کیا فائدہ۔"

"ڈیڈی، ڈیڈی۔ ذرا میری طرف دیکھیئے۔" فوزیہ نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جی۔ حکم فرمائیے۔"

"آپ معافی مانگیں گے قدرت اللہ سے؟"

"بات کو درگزر کرنے کے لئے یہی کرنا مناسب ہوگا۔"

"اگر آپ نے ایسا کیا تو میں خودکشی کرلوں گی۔"

"کیوں آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟"

"آپ یہ کیس بس میرے سپرد کر دیجیئے میں اسے ٹھیک کرلوں گی۔"

"وہ کیسے؟" ارشاد فرمائیں گی آپ۔"

"بس ڈیڈی جو میں نے کہہ دیا ہے وہی کیجیئے آپ۔ آپ بالکل خاموشی اختیار کیجیئے۔ میں قدرت اللہ کو ایسا ٹھ کروں گی کہ دیکھنے والے دیکھیں گے۔"

"دیکھو بھئی میں امن پسند آدمی ہوں اور پھر جیسا بھی یہ محلہ ہے تم سب لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔ خواہ مخواہ جھگڑا میں پسند نہیں کرتا۔ محلے میں شریفوں کی طرح رہنا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔"

"تو پھر۔ وہ روزانہ آپ کا ٹیلیفون خراب کر دے گا۔ آپ کو یہ گوارہ ہے۔"

"اسی کے لئے تو کہہ رہا ہوں کہ اس سے معذرت کرلوں گا اور کہہ دوں گا کہ جب چاہے ٹیلیفون استعمال کرلیا کرے۔"

"میں نے آپ سے کہہ دیا ڈیڈی آپ اس سلسلے میں کچھ نہیں کریں گے۔"

"مگر تم کیا کرو گی؟"

"بس آپ دیکھ لیجیئے جو میں کرنا چاہوں۔ ممی آپ انہیں سمجھائیے نا۔ ان کی سمجھ میں کوئی بات ہی نہیں آتی۔ ہے یا جہنم، محلے میں لچے لفنگے رہتے ہیں۔ ایک کمینہ چھت پر چڑھ کر دن بھر سیٹیاں بجاتا رہتا ہے۔ کبوتر اڑاتا رہتا ہے۔ ٹیلیفون کے تار اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ گھر سے باہر نکلو تو بھونڈے اور بھدے گانوں کی آوازیں کانوں میں ابھرتی سب کچھ ہمارے ہی لو پر بیت رہی ہے میں کہتی ہوں آخر اس گھر میں کب تک رہا جائے گا۔"

"بھئی غوثیہ بیگم یہ کیا روز روز کی مصیبت میرے سر پر سوار ہوگئی ہے۔ تم دونوں ماں بیٹیوں کو شاید یہ عزت کی راس نہیں آرہی۔ مجھے ہی کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"آپ اس کے علاوہ اور سوچ بھی کیا سکتے ہیں۔ ہمارے جو مسائل ہیں ان کا تو کوئی حل ہے نہیں آپ کے پاس۔ دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔"

فوزی کو اپنے گھر جانا ہے۔ ہمیں ہمارے گھر میں رہنے دو بھئی جیسا بھی اچھا برا ہے ہم گزارہ کرلیں گے۔ تم ایک دن اس گھر سے چلی جاؤ گی ہمیں کیوں مصیبتوں میں ڈالے جاتی ہو۔ ساری زندگی یہاں گزر گئی بہت طویل عرصہ گزرا ہے۔ یہ لوگ اتنے برے بھی نہیں ہیں کہیں اور نکلے تو ہوسکتا ہے اس سے برے لوگوں سے واسطہ پڑجائے۔ تم تو عورتیں ہو۔ گھر کی چار دیواری میں محفوظ رہو گی۔ مصیبت تو ہم مردوں کی ہوتی ہے جو گھر سے باہر نکلتے ہیں اور حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ غوثیہ بیگم اپنی بیٹی کو آپ سمجھا دیجیئے گا۔"

"میں سب کچھ سمجھ رہی ہوں ڈیڈی لیکن ایک بات آپ بھی سمجھ لیجیئے۔ آپ قدرت اللہ سے معافی نہیں مانگیں گے۔ میں خود ہی اس کا کوئی حل تلاش کروں گی۔"

امداد بیگ گردن ٹیڑھی کر کے خاموش ہوگئے تھے۔ فوزی کو عارضی طور پر غصہ ہے سب ٹھیک ہوجائے گا لیکن فوزی کو عارضی طور پر غصہ نہیں تھا۔ وہ کوئی منصوبہ بنا چکی تھی۔

دوسرے دن دوپہر کو ساڑھے گیارہ بجے جب وہ فوکس ویگن میں واپس آرہی تھی تو دور سے جمی نظر آگیا۔ جمال عرف جمی۔ محلے کا بدمعاش اور بقول محلے کے لوگوں کے، محلے کا محافظ اور ٹھیکے دار پیدل چلا آرہا تھا۔ فوزیہ کے ذہن میں غالباً پہلے ہی سے کوئی منصوبہ تھا۔ گاڑی اس طرح جمی کے پاس لاکر روکی کہ وہ اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ فوزیہ مسکرادی۔

"ڈر گئے آپ جمی صاحب" جمال نے فوراً ہی فوزیہ کو پہچان لیا۔ بے پردہ تھی۔ اکثر نگاہوں میں آئی تھی اور پھر ویسے بھی محلے کی تھی۔ اکڑ کر بولا۔

"جی ہاں۔ اب ان ہلکی پھلکی گاڑیوں ہی سے تو ڈروں گا۔ ارے ہم تو ٹینک سے بھی نہیں ڈرنے والے۔ آپ نے سمجھا کیا ہے۔"

"کہاں جارہے ہیں؟"

"گھر ہی جارہا تھا۔"

"آئیے میں چھوڑ دوں۔"

"ایں۔" جمال کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

"گھر ہی جارہی ہوں۔ آپ آجائیں گے تو کیا ہوجائے گا۔ آخر ایک محلے میں رہتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بری بات تو نہیں ہے۔"

"نہیں بھئی بری بات کیسے ہے۔ سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔" جمال دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ خوشی سے اس کا سانس پھولا جارہا تھا۔ فوزی بہت سست رفتاری سے ڈرائیونگ کرنے لگی پھر بولی۔

"جمی صاحب! آپ کے ہوتے ہوئے اس محلے میں لوگ اگر ہمیں تنگ کرنے لگیں تو کم از کم مجھے تو اس کا بہت افسوس ہو گا۔"

"مجال ہے کسی کی۔ کون تنگ کر رہا ہے آپ لوگوں کو؟ نام لیجیئے اس کا۔"

"اب افسوس ہوتا ہے نام لیتے ہوئے سب اپنے ہی ہیں۔ کوئی غیر تو نہیں ہیں۔ وہ قدرت اللہ صاحب ہیں ایک دن ان کا ٹیلیفون آگیا تھا میں نے نیند کے عالم میں ریسیور اٹھالیا۔ اور فون کرنے والے کو کچھ الٹی سیدھی باتیں کہہ گئی۔ بس اس دن سے ناراض ہوگئے ہیں۔ ہمارے ٹیلیفون کے کنکشن بار بار اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور ہمیں مسلسل پریشان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہم تو واقعی تنگ آگئے ہیں جمی صاحب۔"

"قدرت اللہ..... ٹھیک ہے ٹھیک ہے تم بے فکر رہو آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ اگر وہ نہیں مانے تو دوبارہ مجھے گھر پر خبر کرلو بنا پھر ذرا انگلیاں ٹیڑھی کرلیں گے۔ مجال ہے کسی کی کہ کوئی امداد بیگ صاحب کو پریشان کر سکے۔" جمی نے اکڑ کر کہا۔

"میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا جی صاحب کہ آپ سے ضرور اس بارے میں بات کروں گی۔"
"تم نے بہت اچھا کیا بی بی۔ یہ سینٹ کون سا لگایا ہے تم نے بڑی اچھی خوشبو ہے اس کی؟"
"باہر کا ہے۔ میں آپ کو اس کی ایک شیشی دوں گی کسی وقت بھجوا دوں گی۔"
"ارے نہیں نہیں۔ بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ خوشبو بڑی اچھی آرہی ہے۔ آپ پڑھ رہی ہیں ابھی۔"
"ہاں جی صاحب۔ ابھی تعلیم پوری کر رہی ہوں۔"
"پڑھنا بڑی اچھی بات ہے جی۔ بس ہم تو بے پڑھے لکھے رہ گئے۔"
"نہیں ہزاروں سے اچھے ہیں آپ پتہ بھی نہیں چلتا کہ تعلیم حاصل کی بھی ہے یا نہیں۔"
"بس یہیں اتار دیں ہمیں۔ پھر ملاقات ہوگی۔ اگر خدا نے چاہا تو۔"
"ضرور ضرور۔ لیکن میرا یہ کام آج ہی ہو جانا چاہیئے۔"
"ہو جائے گا جی۔ ہم آپ کو خبر دیں گے اس کی۔"
"تھینک یو۔ جی صاحب تھینک یو۔ ویری مچ۔" فوزیہ نے کار کو بریک لگا دئے۔ جی اتر گیا۔ اور فوزیہ کار آگے بڑھا دی اس کے بعد ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔
اور اسی شام گلی میں تھوڑا سا ہنگامہ ہو گیا۔ قدرت اللہ اور جی کی لڑائی ہو گئی تھی۔ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی لیکن دیر کے بعد امداد بیگ صاحب پریشان پریشان سے اندر داخل ہوئے۔ اور انہوں نے غوثیہ بیگم سے کہا۔
"یہ جی سے قدرت اللہ کی شکایت کس نے کر دی۔ کہ وہ ٹیلیفون خراب کر دیتا ہے؟"
"کیوں خیریت کیا ہوا؟"
"سنا ہے خاصی ہاتھا پائی ہوئی ہے۔ جی اور قدرت اللہ کی۔ حالانکہ دونوں دوست تھے۔ ساتھی تھے۔ لیکن جی نے قدرت کو مارا ہے۔ اور کہا ہے کہ اگر اس نے امداد بیگ صاحب کے ٹیلیفون کو ہاتھ لگایا تو اچھا نہیں ہو گا۔ بلاوجہ کی دشمنی پڑ گئی قدرت اللہ بھی لفنگا آدمی ہے۔ کس نے آخر کہہ دیا۔ جی سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"
فوزیہ نے دور سے یہ باتیں سنیں اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اپنے سوٹ کیس سے وہ سینٹ کی آ[...] شیشی نکال چکی تھی جسے جی کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کرنا تھا۔

❀

اوپر کھانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ برتن کھڑکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شعور اور طاہر نے درخواست کی تھی کہ معزز مہمان دن کو ساڑھے بارہ بجے تشریف لائیں۔ اور پروانہ صاحب نے یہ درخواست منظور کر لی تھی۔ حالانکہ شمع بیگم نے بچوں سے کہا تھا کہ یہ پروانہ صاحب تو بس یونہی ہیں وہ خواہ مخواہ کہاں تکلیف کریں گے لیکن دونوں بچے تکلف کر رہے تھے۔ شمع نے پروانہ صاحب سے کہا۔
"کیسا عجیب سا لگتا ہے۔ ان بچوں سے چند ہی روز میں کیسی محبت ہو گئی ہے۔"
"ہاں محبت کو ترسے ہوئے لوگ تو بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔" پروانہ صاحب نے کہا۔ شمع بیگم شوہر کے لہجے کی اداسی پر غور کرنے لگیں۔ پروانہ صاحب کو یہ احساس ہو گیا کہ ان کے الفاظ نے شمع بیگم کو دکھ پہنچایا ہے۔ فوراً ہی موضوع بدل کر بولے
"دیکھو کیا پکا کر رکھتے ہیں۔"
"ہاں جو کچھ بھی پکائیں بہر طور یہ ان کی محبت ہے۔"
"ویسے آپ یقین کریں کہ ان کے آجانے سے گھر میں بڑی رونق ہو گئی ہے۔"
"یہ تو ہے۔"

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دروازے سے ایک آواز سنائی دی۔ آنے والی ممن بی تھیں۔ بس جدھر بھی رخ ہو جائے شمع بیگم نے ان کا استقبال کیا۔ اور ممن بی سر پر رکھا ہوا برقعہ اتار کر ہاتھوں سے لپیٹتی ہوئی بولیں۔
"لے بوا گرمی تو لوٹ لوٹ کر آرہی ہے۔ کبھی ایک دم سردی ہو جاتی ہے۔ اور یوں لگتا ہے جیسے موسم بدل گیا۔ اور دوسرے دن دیکھو تو تیز دھوپ ہی نہیں بلکہ لو بھی چلنے لگتی ہے۔"
سنائیے ممن بی خیریت سے ہیں آپ؟"
"لے اللہ رکھے میرے شمشاد کو رلج رجا دئیے ہیں مجھے تو میاں کہاں ہیں تمہارے؟"
"اندر موجود ہیں۔"
"لے وہی کر رہے ہوں گے شاعری۔"
"نہیں اس وقت تو شاعری نہیں کر رہے۔"
"کوئی کام دھندا کیوں نہیں کرتے شمع۔ یہ تمہارے میاں؟"
"اب اس عمر میں کیا کام دھندا کریں گے۔"
"پھر بھی گزر بسر تو مشکل ہی سے ہوتی ہوگی۔" ممن بی بیٹھتی ہوئی بولیں۔
"بس اللہ کا احسان ہے۔ پریشان نہیں ہونے دیتا وہ۔"
"کرائے دار کیسے ہیں۔ تمہارے؟"
"بہت اچھے ہیں۔ دونوں لڑکے ہیں۔"
"ہاں۔ وہ تو میں دیکھ چکی ہوں۔ حالانکہ محلے والے کچھ اعتراض کر رہے تھے۔"
"کیسا اعتراض؟"
"یہی کہ چھڑے چھڑے لڑکے رکھ لئے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ بہو بیٹیوں کا محلہ ہے۔"
"کیسی باتیں کر رہی ہیں ممن بی۔ وہ لڑکے میرے اپنے بچوں کی طرح ہیں۔"
"ہاں ہاں وہ تو بس ایسے ہی لوگوں کو تو کچھ نہ کچھ کہنا ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ دونوں شریف زادے لگتے ہیں بلکہ میرے دل میں تو ایک اور بات آتی ہے۔"
"کیا؟"
"بوا نیک کام ہمیشہ کرتے رہنا چاہیئے۔ محلے میں لڑکیاں ہیں۔ لڑکے شریف بچے ہیں۔ کہیں کوئی رشتے وشتے کی بات چلائی جائے۔ اب دیکھو نا ہم بڑے بوڑھوں کا تو یہی کام ہوتا ہے۔
"ارے نہیں، نہیں ان کے اپنے ماں باپ ہیں۔ گھر گرہستی ہے۔ وہ تو یہاں نوکری کرنے آئے ہیں۔"
"لے بوا ایک بات میں تمہیں سمجھا دوں۔ ذرا غور کر لینا۔"
"کیا؟"
یہ ایسے چھڑے چھوکرے بعض اوقات بڑے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ تمہارے ساتھ تو نہیں کھا پی رہے۔"
"نہیں ممن بی۔ بلکہ الٹا ہمیں کھلا رہے ہیں۔"
"ہوں یہ بات ہے۔ خیر تم لوگ خود بہتر سمجھتے ہو۔ ویسے میری رائے تو یہ ہے کہ کوئی بات چیت شروع کی جائے اے وہ گیارہ نمبر میں بھی دو لڑکیاں ہیں۔ اور پھر امداد بیگ کی بیٹی ہے۔ اور بھی بہت سی ہیں۔ بھلا آج کل رشتے ملتے کہاں ہیں۔"
"چھوڑیں ممن بی کہاں پریشان ہو رہی ہیں۔ سب لوگ اپنی اپنی خود ہی سنبھالتے ہیں۔"
"پھر بھی بوا محلے کا کچھ فرض تو ہوتا ہی ہے۔ یہ لڑکے کرتے کیا ہیں؟"

"ملازمتیں کرتے ہیں۔"

"کیا مل جاتا ہے انہیں۔"

"مجن بواوہ میرے کرائے دار ہیں۔ بھلا میں ان سے یہ سوال کیوں کروں گی کہ کون کیا کماتا ہے۔"

"نہیں نہیں ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ خیر اچھا چلوں۔ بس بہت دن ہو گئے تھے تم سے ملے ہوئے۔ میں نے سوچا کہ ذرا جھانکتی چلوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" شمع بیگم نے کہا مجن کی عادت کو جانتی تھیں اگر شربت یا چائے کے لیے پوچھ لیتیں تو مجن بی فوراً ہی بیٹھ جاتیں اور اس کے بعد نجانے کیا کیا فضول باتیں سننے کو ملتیں۔ بہر طور مجن بی چلی گئیں۔ غالباً پروانہ صاحب بھی یہ گفتگو سن رہے تھے کہنے لگے۔

"یہ عورتیں خصوصی طور پر تخلیق ہوتی ہیں اور اس کے بعد ان سب کا عمل ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ بلاوجہ ادھر کی اُدھر اور اُدھر کی ادھر۔"

"میں تو ویسے ہی کم ملتی ہوں۔"

اوپر سے طاہر کی آواز سنائی دی۔ "معزز مہمان تشریف لے آئیں۔ ساڑھے بارہ بج چکے ہیں۔" شمع بیگم ہنسنے لگیں۔ شعور بھی آگیا تھا۔ بڑے احترام سے وہ پروانہ صاحب اور شمع بیگم کو اوپر اپنے گھر میں لے گئے۔ اور پھر شعور نے پروانہ صاحب سے کہا۔

"چچا جان جس دن سے ہم اس گھر میں آئے ہیں۔ آپ کے کسی تحفے سے محروم ہیں۔ نہ کوئی مشاعرہ نہ کوئی غزل۔ نہ کوئی اور ایسی چیز جس سے ہمارے اس ذوق کی تسکین ہو۔" پروانہ صاحب مسکرانے لگے پھر بولے۔

"میاں شاعر ویسے ہی بدنام ہوتے ہیں۔ اور ان کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ جب تک یہ اپنی تازہ غزل کسی کو نہ سنالیں پیٹ کے درد کا شکار رہتے ہیں۔ حالانکہ ایسی بات نہیں، کلام تو میراث ہوتا ہے۔ اور اپنی میراث اپنی جاگیر میں خود ہی گھومتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ پھر ہم نے سوچا کہ کہیں تم اس سے گھر کو مہنگا نہ تصور کر لو۔ یہ نہ سوچو کہ کرائے کی جو رقم دے رہے ہو اس میں چند غزلیں سننا بھی شامل ہے۔"

شعور نے شرمندہ ہو کر کہا۔ "کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ پروانہ صاحب ہم اب اتنے بدذوق بھی نہیں ہیں۔"

"تو اور کیا چچا جان سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بس تحفے کے طور پر ایک غزل عطا ہو جائے۔"

"سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔ یا مذاق کر رہے ہو؟"

"بخدا نہایت سنجیدگی سے۔" شعور نے کہا اور پروانہ صاحب نے شانے ہلائے شمع بیگم سے بولے۔

"اجازت ہے۔"

"ہاں۔ ہاں جب بچے کہہ رہے ہیں تو پھر ضرور سنا دیجئیے کچھ۔"

"تو پھر میاں یوں سمجھ لو کہ تازہ تازہ ہی ہوئی ہے۔" پروانہ صاحب نے کہا آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے لگے۔ شعور اور طاہر سامنے بیٹھ گئے تھے۔

گو تجھ سے کوئی خاص تعلق نہیں مرا
لیکن پتہ نہیں تو مجھے کیوں عزیز ہے

"پروانہ صاحب نے پہلا شعر سنایا اور شعور داد دینے لگا طاہر نے ایک بار پھر سہنا کو بی شروع کر دی۔

"ہے ہے۔ کیا شعر ہے۔ کیا شعر ہے۔"

"دیکھو میاں مذاق اڑانے کی نہیں ہو رہی۔ اس دن کی بات الگ تھی۔ ہم تمہارے جال میں پھنس گئے لیکن اب اگر شعر

پسند آئے تو داد دو ورنہ ہم برا مان جائیں گے۔"

"بخدا پروانہ صاحب بڑا خوبصورت اور بڑا سادہ شعر ہے۔"

"غزل نہیں، نظم سنو۔"

تیرا ہر ایک غم مجھے اپنا ہی غم لگے
تیری ہر ایک خوشی مجھے مانوس سی لگے
کیوں تجھ سے ہے تعلق خاطر پتہ نہیں
اتنا مگر ضرور ہے کہ ایک آشنا مہک
جب تجھ کو دیکھتا ہوں میرے پاس آتی ہے
مبہم سے کچھ نقوش اجاگر سے ہوتے ہیں
دھندلی سی ایک شکل جھلک سی دکھاتی ہے
وہ چہرہ کس کا تھا مجھے اب یاد بھی نہیں
بس اتنا یاد ہے کہ مجھے تو عزیز ہے"

ہر مصرع اپنی جگہ ایک حسن رکھتا تھا۔ واقعی بات خوبصورت نظم تھی۔ دونوں نے نہایت سنجیدگی سے داد دی۔ شمع بیگم کہنے لگیں۔

"اب یہ سلسلہ جاری ہی نہ ہو جائے۔ لڑکو اب تو مجھے باورچی خانے میں جانے دو۔"

"آپ تشریف رکھئیے چچی جان اَرھر کی دال حاضر ہے۔ ہم ابھی آتے ہیں۔"

برتن لگائے گئے۔ پروانہ صاحب تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ اَرھر کی دال بے شک تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی شعور نے باہر سے بھی بہت سے لوازمات منگائے تھے۔ اور شمع بیگم دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"یہ تم نے اتنا خرچہ کیوں کر ڈالا۔ ہم دونوں کے لئے۔ ہم کوئی غیر نہیں ہیں۔ غیر سمجھتے ہو ہمیں۔"

"نہیں چچی جان بس یہ آپ سے محبت کا اظہار ہے۔ ہماری خوشیوں کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتیں اس وقت ہمیں یوں لگ رہا ہے جیسے اپنے ماں باپ کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے ہوں۔" شعور نے کہا۔ اور شمع بیگم کی آنکھوں سے آنسو نکل گئے۔

"دیکھئیے اس کی نہیں ہو رہی۔ ہم بس اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنی محبتوں کے سائے میں رکھیں۔"

"بس بیٹے کھانا شروع کرو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

پروانہ صاحب بولے اور اس کے بعد کھانے کا دور چل پڑا۔ لیکن ایک عجیب سا تاثر شمع اور پروانہ کے دل میں تھا۔ اور طاہر و شعور بھی اس احساس سے دور نہیں رہ سکے تھے۔

✾

شکیل نے دروازے پر دستک دی۔ اور فریدہ بیگم نے دروازہ کھول دیا۔ شکیل کو دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ اور پر تپاک لہجے میں بولیں۔

"ارے شکیل میاں آؤ آؤ بھئی۔ تم تو یوں لگتا ہے جیسے شہر چھوڑ کر ہی چلے گئے۔ شہر نہیں تو کم از کم محلہ چھوڑ کر ضرور چلے گئے کسی سے بھی تو ملاقات نہیں ہوئی۔ آؤ آؤ اندر آ جاؤ یہ کیا ہے ہاتھ میں؟"

"چچی جان تھوڑی سی مٹھائی ہے۔"

"لو ہو خیریت۔ سب خیریت ہے نا؟"

"جی ہاں۔ خیریت ہی کی مٹھائی ہے۔"

"کون ہے امی؟" کمرے سے فرزانہ کی آواز ابھری۔
"شکیل میاں ہیں مٹھائی لے کر آئے ہیں۔" فریدہ بیگم نے کہا اور فرزانہ دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔ باہر قدم رکھ کر ٹھٹک گئی۔ دوڑنے کے انداز کو ترک کیا۔ شکیل کو ایک لمحے تک عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔ شکیل نے مٹھائی کا ڈبہ فریدہ بیگم کے ہاتھ میں دے دیا۔
"یہ سب ہماری ہی ہے؟"
"جی چچی جان صرف آپ کی ہے۔" شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"آؤ آؤ بیٹھو بیٹھو۔ فرزانہ ذرا کرسی دو۔" فریدہ بیگم بولیں اور فرزانہ نے جلدی سے ایک کرسی نکال کر سامنے رکھ دی۔
"کوئی نظر نہیں آرہا چچی جان۔ شہباز میاں کہاں ہیں۔ کیا چھت پر ہیں اس وقت بھی اور چچا جان بھی نظر نہیں آرہے۔"
"جمیل صاحب باہر گئے ہوئے ہیں۔ اور شہباز شاید چھت پر ہی ہے۔ یا ممکن ہے گھر میں موجود نہ ہو۔"
"نہیں باہر گئے ہیں۔" فرزانہ نے جواب دیا۔
"ہاں بھئی تو اب ذرا اس مٹھائی کی وجہ بھی بتادو۔"
"چچی جان آپ کی دعاؤں سے بالآخر مجھے ملازمت مل ہی گئی۔"
"اللہ کا احسان ہے بیٹے۔ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ کیسی ملازمت ملی ہے۔ کیا تنخواہ ہے۔ اور تم خوش ہو نا؟"
"جی چچی جان بہت خوش۔ اسسٹنٹ منیجر کی ملازمت ہے ایک فرم میں، تنخواہ چھ ہزار ہے۔ بہت اچھی فرم ہے۔ بڑی اچھی ملازمت ملی ہے۔ حالانکہ بہت عرصے کے بعد ملی۔"
فرزانہ کے چہرے پر خوشی کے دیپ جل اٹھے تھے۔ نجانے کیوں اسے ایسا لگا تھا جیسے اس کی کوئی بہت بڑی تمنا پوری ہو گئی ہو۔ محبت بھری نگاہوں سے شکیل کو دیکھنے لگی۔ شکیل نے بھی نظر اٹھا کر فرزانہ کو دیکھا۔ اور اس کے چہرے پر جو کچھ پایا اس نے اسے سرشار کر دیا۔ فریدہ بیگم کہنے لگیں۔
"میں خود مبارکباد دینے آؤں گی۔ تمہارے گھر۔ بہت دن تک گھر سے دور رہے۔ ہماری طرف رخ ہی نہیں کیا یقین کرو بعض اوقات تو یہ سوچنے لگتے تھے ہم میرا مطلب ہے میں کہ کہیں کوئی ناراضگی تو نہیں ہو گئی۔"
"نہیں چچی جان اپنے آپ سے ناراض ہو گیا تھا۔" شکیل نے کہا۔
"سمجھی نہیں بیٹے۔"
"بس چچی جان اس دنیا میں مجھے میرا کوئی مقام ہی نہیں مل رہا تھا۔ بڑا بد دل ہو گیا تھا اپنے آپ سے اور یہ سوچنے لگا تھا کہ کیا میں کسی قابل نہیں ہوں کوئی مجھے قبول ہی نہیں کرتا تھا چچی جان۔ بس اسی بد دلی کا شکار تھا۔ پچھلے دنوں خدا کا شکر ہے اس نے مجھے ذلت کی زندگی سے بچا لیا۔"
"اللہ ترقی دے۔ اللہ عزت دے۔ کیسی باتیں کرتے ہو بیٹے۔ حوادثِ زمانہ تو نجانے کیا کیا دکھاتے ہیں۔ تم نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ ہمیں دیکھو کیسے حالات سے گزر رہے ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے بیٹے ہمارے گھر میں تم اس سے ناواقف نہیں ہو۔ بیٹیوں کی کمائی ایک گالی ہوتی ہے۔ اور ہم یہ گالیاں مسلسل کھا رہے ہیں۔"
"نہیں چچی جان انداز فکر تبدیل کیجئے۔ وہ دور گیا جب بہت سی باتوں کو برا سمجھا جاتا تھا آج کا زمانہ وہ ہے چچی جان کے گھر کا ہر فرد محنت کرے تب ایک بہتر زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ تو عارضی معاملات ہیں۔ اگر فرزانہ ملازمت کر رہی ہیں تو اپنا گھر بنا رہی ہیں۔ ضرورتیں پوری کر رہی ہیں۔ اس لئے کہ یہ بھی اس گھر کا ایک ستون ہی ہیں۔ باقی آپ دیکھ لیجئے ہم لوگ خود کن مشکلات سے گزر رہے تھے۔ ہمارے ہاں تو ایسا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا ابو کی ٹانگ کا مسئلہ پیش آگیا تھا۔ اور باقی جو کچھ ہمارے گھر میں ہے آپ کے علم میں ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ سب کچھ عارضی ہوتا ہے۔ اور ہم یہ سوچنے لگتے ہیں کہ یہی

ہماری زندگی ہے۔ لیکن حقیقتاً وہ زندگی نہیں ہوتی۔ چچی جان۔ بلکہ ایک لمحہ ہوتا ہے اور لمحہ بہرحال ٹل جاتا ہے۔ آپ دیکھ لی
وقت خود کوئی ایسا حل پیش کرے گا۔ جس سے آپ کی تمام مشکلات دور ہو جائیں گی۔"

خدا کرے ایسا ہی ہو۔ شہباز الگ بغاوت پر اُترا ہوا ہے۔ تم سے زیادہ اور کسے اندازہ ہو سکے کی ذہنیت کا۔ درحقی
جمیل صاحب نے جو کچھ کیا وہ اسے بھلا نہیں سکا ہے اور اس کی وجہ سے اس نے اپنی شخصیت ہی کر رکھ لی ہے۔
زندگی میں پہلے تو کبھی اسے کبوتروں کا شوق نہیں ہوا۔ اب تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ شہباز ہی نہیں ہے کے اندر
بری روح داخل ہو گئی ہے۔"

شکیل ہنسنے لگا پھر بولا۔

"نہیں چچی جان آپ وقت کا انتظار کیجیئے بالآخر شہباز صاحب کو احساس ہو گا آپ کتنا ہی احساس دلائیے انہیں، ک
نہیں مانیں گے لیکن جب خود ہی انہیں ان تمام باتوں کا خیال آئے گا تو، تو۔"

"خدا کرے..... خدا کرے ایسا ہو جائے۔ جوان بیٹے ماں باپ کی آخری امید ہوتے ہیں فرزانہ ہمارے ہاں کتنے دن کی۔
خدا جب بھی اسے اس کا گھر دے گا وہ اپنے گھر چلی جائے گی۔"

"آپ اطمینان رکھیئے اس سے پہلے شہباز میاں بالکل درست ہو جائیں گے۔ آپ مایوس نہ ہوں۔"

"بڑی ڈھارس ہوتی ہے تمہاری باتوں سے شکیل کون سی دعائیں دوں تمہیں۔ چائے بنا کر لاتی ہوں۔ پیو گے نا؟"

"ضرور پیوں گا چچی جان ہو سکتا ہے اس دوران چچا جان بھی آجائیں۔ بہت دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر میں کیا بتا
آپ کو کہ میں کن ذہنی اذیتوں سے گزر رہا تھا۔"

"امی میں لاتی ہوں چائے۔" فرزانہ نے کہا۔

"نہیں بھئی تم دن بھر کی تھکی ہوئی آئی ہو۔ گھر کے کام کاج سے باز بھی نہیں آتیں۔ اب یہ چھوٹا موٹا کام تو مجھے
لینے دو۔" فریدہ بیگم نے کہا اور چائے بنانے کے لئے چلی گئیں۔ فرزانہ نے مسکراتی نگاہوں سے شکیل کو دیکھا اور بولی۔

"دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں جناب"

شکریہ نہیں ادا کروں گا فرزانہ۔ کیونکہ کیونکہ۔" شکیل نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"او یہ بات تھی۔ میں سمجھی کہ جناب کی نگاہیں پھر گئی ہیں۔"

شکیل نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور کہنے لگا۔

"صنوبر، صندل پری کو کبھی بھول سکتا ہے۔"

"جناب صنوبر صاحب۔ صندل پری بہت پریشان تھی پچھلے دنوں۔"

"کیوں؟"

"یہ سوچ کر کہ شہزادہ صنوبر اپنے وعدے سے پھر گیا ہے۔"

"اگر ایسا ہوتا فرزانہ صاحبہ تو آپ کو میری موت کی اطلاع تو مل ہی جاتی۔"

"کیسی بے تکی باتیں کرتے ہو۔"

"نہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔ صنوبر "ص" سے شروع ہوتا یعنی "ص" سے صندل پری اور "ص" سے صنوبر۔ دونوں ای
ہی وجود کے دونوں نام ہیں پھر جب تک ان میں سے ایک وجود ختم نہ ہو جائے۔ دوسرا نام تنہا کیسے رہ سکتا ہے۔"

"بڑی باتیں بنانا آگئی ہیں آپ کو۔"

"نوکری جو مل گئی ہے۔"

"اچھی نوکری ہے؟"

بہت اچھی۔"

"اسسٹنٹ منیجر کی پوسٹ بہت بڑی ہوتی ہے نا؟"

"جی۔"

"بڑی سی ٹیبل ملی ہو گی؟..."

"ہاں۔ بہت خوبصورت۔"

"ٹیلیفون بھی ہو گا اس پر؟"

"بالکل۔"

"مجھے ٹیلیفون نمبر بتاؤ۔"

"نوٹ کر لو۔" شکیل نے کہا اور اپنا ٹیلیفون نمبر فرزانہ کو نوٹ کرا دیا۔

"آفس میں بڑے ٹھاٹ سے بیٹھتے ہوں گے جناب۔"

"ہاں بیٹھتا تو ہوں۔"

"ملازمین بھی ہوں گے۔ آفس کیا ائرکنڈیشنڈ ہے؟"

"ہاں۔"

"یقین کرو۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے اس سیٹ پر میں ہی بیٹھی ہوئی ہوں۔"

"یقیناً لگ رہا ہو گا۔ مجھے یقین ہے۔" شکیل نے کہا اور فرزانہ اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

"تم نے مجھے زندگی واپس دے دی ہے شکیل پچھلے دنوں میں واقعی تمہاری بے اعتنائی سے بڑی بددل ہو گئی تھی۔"

"کبھی بھول کر بھی نہ سوچنا فرزانہ کہ میرے اندر بے اعتنائی کی کوئی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ دراصل حالات نے اتنا
مایوس کر دیا تھا کہ الجھ گیا تھا۔"

"میرے سلسلے میں کبھی نہ الجھنا۔ شکیل۔" فرزانہ نے کہا۔

"کبھی نہیں الجھوں گا۔ اطمینان رکھو۔" اتنی دیر میں فریدہ بیگم چائے بنا کر لے آئیں۔ پلیٹ میں مٹھائی بھی نکال
لائی تھیں۔ پھر ہنستی ہوئی بولیں۔

"لو بھئی تمہاری مٹھائی تمہارے ہی سامنے رکھ دی۔ محسوس نہ کرنا۔"

"آپ ایسی باتیں کرتی ہیں تو مجھے محسوس بہت ہوتا ہے۔ چچی جان میرا کیا ہے اور آپ کا کیا ہے۔ آپ ہی اس میں فرق
کرتی ہیں۔"

"خدا تمہیں ہمیشہ ہمیشہ خوش رکھے۔" فریدہ بیگم نے کہا شکیل کہنے لگا۔

"اب آپ لوگ میرے سامنے ہی مٹھائی کا ایک ایک ٹکڑا اٹھا کر اپنے منہ میں رکھیں تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" فریدہ بیگم نے کہا۔ تینوں نے مٹھائی کھائی فرزانہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ دفعتاً فریدہ بیگم
چونک پڑیں۔ انہوں نے آہستہ سے فرزانہ سے کہا۔

"فرزانہ کیا ہم شکیل کو اپنی مشکل نہ بتا دیں۔"

"کون سی مشکل امی؟"

"بھئی وہی شہباز کا معاملہ۔ اچانک ہی یہ بات میرے ذہن میں آئی اور میں نے اکیلے میں تم سے مشورہ کرنا بھی مناسب
نہیں سمجھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم نے منع بھی کیا تو ہم شکیل سے منع کر دیں گے اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اب دیکھو نا
گھروں کے چند ہی رشتے تو ہوتے ہیں۔ شکیل تو بالکل ہی اپنے ہیں۔"

"ارے ارے امی میں نے آپ کو منع کب کیا۔ جو آپ کچھ اتنی باتیں کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ بلکہ میں تو سمجھ رہی ہوں آپ کے ذہن میں یہ بہت اچھا خیال آیا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ شکیل متجسس نگاہوں سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا

"کیا معاملہ ہے؟"

"شکیل، ہم چند روز سے بہت پریشان ہیں۔ دراصل شہباز کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو۔ تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت بالکل نہیں ہے۔ وہ ایک بھٹکا ہوا نوجوان ہے اور جس بنیاد پر بھٹکا ہے وہ بھی تم جانتے ہو اب جو ہوا بیٹے وہ تو ہو گیا لیکن شہباز سنبھلنے میں نہیں آتا۔ وہ ذہنی طور پر بالکل ہی دیوالیہ ہو گیا ہے۔

"ہم لوگ یہ باتیں ابھی تھوڑی دیر پہلے کر رہے تھے۔

"باقی تو اور جو کچھ چل رہا ہے سو چل رہا ہی ہے۔ لیکن ایک بڑا خوفناک انکشاف ہوا ہے۔ پچھلے دنوں۔"

"کیا؟" شکیل نے پوچھا۔

"شہباز کچھ کرتا دھرتا تو ہے نہیں کبوتر بازی کرتا ہے ان کے لئے دانہ دنکا جہاں سے بھی وہ لاتا ہے ہم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔ کچھ نہ کچھ کر لیتا ہوگا۔ اس چکر میں لیکن پچھلے دنوں اس کی مالی حیثیت بہت اچھی ہو گئی ہے۔"

"خوب۔" شکیل نے دلچسپی سے کہا۔

"اور بیٹے بھٹکا ہوا ذہن کسی بھی راستے پر نکل سکتا ہے۔ اگر اس نے کوئی ایسا ویسا قدم اٹھا لیا تو ہمارے پاس تو اتنا بھی نہیں ہے کہ ہم اس کی ضمانت ہی کرا لیں۔"

"ایسے ویسے قدم سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"میں بتاتی ہوں۔ شکیل صاحب دراصل بھیا کے صندوق سے ایک چیک بک نکلی ہے۔ جس میں سے تھوڑی تھوڑی رقمیں نکالی گئی ہیں۔ اور ایک خنجر بھی برآمد ہوا ہے۔ بس اس وقت سے ہم لوگ سولی پر لٹکے ہوئے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہوں تو آپ کا خیال ہے کہ کہ۔"

"اللہ نہ کرے ایسا ہو۔" اللہ نہ کرے ایسا ہو۔ لیکن تم خود سوچو کہ وہ کسی بھی جانب مائل ہو سکتا ہے۔ گھر سے تو بیزار ہے۔ بالکل۔"

"یہ تو واقعی تشویش کی بات ہے۔"

"شکیل صاحب! اب آپ سے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتی کہ آپ براہ کرم اس سلسلے میں ہماری مدد کریں" فرزانہ نے ملتجی لہجے میں کہا

"یقیناً کروں گا۔ یہ کوئی کہنے کی بات ہے۔ لیکن سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں۔"

"شہباز بھیا کی جو مصروفیات ہیں ان پر تھوڑی سی نظر آپ کو رکھنا ہوگی۔ کوئی ایسا ذریعہ نکالئے جس کے تحت آپ یہ کام کر سکیں حالانکہ یہ کہتے ہوئے مجھے بڑا عجیب سا لگ رہا ہے۔ کیونکہ آپ کو نئی نئی نوکری ملی ہے۔ آپ کی مصروفیت کا مجھے اندازہ ہے۔ لیکن کوئی ایسی تدبیر کیجئے جس سے آپ یہ پتہ چلا سکیں کہ شہباز بھیا ان دنوں کن سرگرمیوں میں مبتلا ہیں" فرزانہ نے وضاحت سے کہا

"پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ مجھے ان کا اکاؤنٹ نمبر دے دیں۔ ذرا جلدی سے بتائیں۔ کیا اکاؤنٹ نمبر ہے ان کا اور کس برانچ میں ان کا اکاؤنٹ ہے۔ کون سے بینک میں ہے؟" شکیل نے کہا۔

"وہ میں نے نوٹ کر لیا ہے۔ اسی خیال کے تحت کہ میں خود پتہ چلاؤں گی۔ لیکن اگر آپ یہ کام کر سکیں۔"

"یہ تو میں بہت آسانی سے کر سکوں گا۔ دوسری بات یہ کہ ذرا شکیل صاحب کو تھوڑا سا اپنے قبضے میں کرنا ہوگا اور انہیں دوستانہ طور پر معلومات حاصل کرنی ہوں گی۔ ویسے تو واقعی مجھے وقت نہیں مل سکے گا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام میں کسی

کے روز باآسانی کر لوں گا۔"

"ظاہر ہے شہباز اتنی آسانی سے تمہیں سب کچھ نہیں بتائے گا اب یہ تمہاری ذہانت ہے کہ جیسے چاہو اس کی زبان سے اگلوا لو۔"

"وہ نمبر لے آئیے آپ جلدی سے" شکیل نے کہا اور فرزانہ نے فوراً ہی اندر جا کر اپنے پرس سے اکاؤنٹ نمبر اور برانچ وغیرہ کا پتہ لا کر دے دیا۔

"گڈ۔ یہ بھی اچھا ہوا اس برانچ میں میرا ایک دوست کام کرتا ہے۔ اور منیجر کی پوسٹ پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے تفصیلات بتا دے گا۔"

"یہ تو واقعی بہت اچھا ہوا۔ تو پھر آپ یہ کام ضرور کر لیجئے ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ آپ کی یہ معمولی سی ذمہ داری پوری کر کے مجھے خوشی ہوگی۔" چائے پی لی گئی اور اس کے بعد شکیل نے اجازت طلب کی۔ فرزانہ اسے باہر تک چھوڑنے آئی۔ پھر کہنے لگی۔

"ایک تفصیلی ملاقات درکار ہے۔ لیکن اس کے لئے میں آپ کو ٹیلیفون کروں گی۔"

"ضرور۔" شکیل نے کہا اور وہاں سے باہر نکل آیا۔ فرزانہ سے ملاقات کی خوشی بھی تھی اور ان کے مسئلے پر تھوڑی سی تشویش بھی۔ شہباز کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کچھ عرصہ پہلے تو وہ بہت ہی اچھا نوجوان تھا۔ امیدوں اور آرزوؤں سے لبریز۔ لیکن جمیل احمد صاحب نے جو کچھ کیا تھا اس نے اسے باغی کر دیا تھا۔ ایک طرح سے اس کا باغی ہونا فطری تھا۔ کیونکہ جمیل احمد صاحب کی چھوڑی ہوئی ملازمت اسے ملنے والی تھی۔ نیز یہ کہ گھر کے حالات بھی اتنے برے نہیں تھے۔ سب کچھ تباہ کر دیا گیا تھا۔ اور وہ بھی نہایت جارحانہ انداز میں اس چیز نے شہباز کو بھٹکا دیا تھا۔ خود شکیل نے کئی بار شہباز سے گفتگو کی تھی لیکن وہ سنجیدہ ہی نہیں ہوتا تھا اور اب اس کی حالت بہت ہی بگڑ گئی تھی۔ محلے کے اکثر لوگ شکایتیں کرنے لگے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ شہباز لفنگا ہو گیا ہے اور اس نے محلے والوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا ہے جبکہ ایسی بات نہیں تھی۔ فطری طور پر وہ بہت نفیس آدمی تھا اور اس نے کبھی بھی کسی ایسی حرکت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جو قابل اعتراض ہوتی۔ بس کبوتر اڑاتا تھا اور اس میں ہی اسے جو برا بھلا کہا جا سکتا تھا۔

دوسرے دن شکیل ذرا جلدی گھر سے باہر نکل آیا۔ ویسے بھی مسز جمال کی طرف سے اسے کوئی ایسی خاص ہدایت نہیں تھی لیکن چونکہ ابتدائی دن تھے اس لئے ذرا محتاط رہنا چاہتا تھا پھر بھی یہ کام بہت ضروری تھا۔ بینک کی برانچ پر پہنچا تو اس کا دوست منیجر فوراً ہی آیا تھا۔ شکیل کو دیکھ کر اس نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔

"آہاہ شکیل صاحب، خیریت۔ کیسے کیسے مزاج ہیں۔ کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

"یار فرید ملازمت تو مل گئی ہے لیکن تم سے ایک اہم کام آ پڑا ہے۔ اس وقت مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"آؤ۔ آؤ اندر آؤ۔" فرید اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ بٹھاتا ہوا بولا۔

"خیریت تو ہے؟

"دراصل ڈیوٹی پر جا رہا تھا لیکن ایک اہم کام کرنا تھا اور وہ بھی بہت ضروری ہے۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"یار یہ اکاؤنٹ نمبر ہے اس کا اماؤنٹ اور ذرا تفصیل چاہیئے۔ کس کے نام سے ہے۔ کیا ہے؟"

"او ہو اچھا۔ کوئی اہم مسئلہ ہے؟"

"نہیں بس معلومات حاصل کرنا ہیں۔"

"دیر لگ جائے گی شکیل۔ متعلقہ افراد آجائیں تو معلومات کروں۔"

"تو پھر دوست تم ایک ترکیب کرنا مجھے اس نمبر پر ٹیلیفون کر کے اس کی تفصیل بتا دینا۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ اس طرح مجھے بھی آسانی ہو جائے گی۔"

شکیل نے اسے اپنا ٹیلیفون نمبر دے دیا۔ فرید نے اسے چائے وغیرہ کی پیشکش کی لیکن شکیل نے معذرت کر لی اور کہا۔

"ڈیوٹی پر جا رہا ہوں نئی نئی ملازمت ہے۔ تفصیل ٹیلیفون پر بتا دوں گا اگر موقع ملا تو۔ ورنہ پھر بعد میں کسی وقت ملاقات کروں گا۔ تم میرا یہ کام کر دو پلیز تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ اطمینان رکھو۔ حالانکہ تھوڑی سی گڑبڑ ہے اس سلسلے میں مگر میں تمہیں جانتا ہوں۔ تمہارے لئے یہ کام ضروری کر دوں گا۔" فرید نے کہا اور شکیل وہاں سے چل پڑا۔ سلطانہ جمالی کی کوٹھی میں داخل ہو گیا اور معمولات کے مطابق اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

سلطانہ جمالی کی کار نظر نہیں آئی تھی۔ غالباً آج صبح ہی صبح کہیں نکل گئی تھیں۔ شکیل ان فائلوں میں مصروف ہو گیا۔ بڑی محنت اور لگن سے کام کر رہا تھا وہ اس سلسلے میں سارے پرانے حسابات چیک کر رہا تھا اور درحقیقت کئی جگہ اس نے مختلف قسم کی گڑبڑ پکڑی تھی لیکن ابھی وہ اس کے لئے نوٹس تیار کر رہا تھا۔ سلطانہ جمالی نے بھی اس سلسلے میں ابھی تک تفصیلات نہیں پوچھی تھیں خود اس نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ اپنی مصروفیت میں گم ہو کر یہ بھی بھول گیا کہ اس نے فرید سے کچھ کہا ہے۔ دن کو تقریباً پونے بارہ بجے فرید کا ٹیلیفون اسے موصول ہوا۔

"ہیلو۔ شکیل صاحب ہیں؟"

"میں بول رہا ہوں فرید۔"

"ہاں ہاں بھئی۔ میں ہی ہوں کہو یار پتہ چل گیا؟"

"پتہ نہ چلنے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ یہ اکاؤنٹ شہباز احمد نامی ایک شخص کا ہے اور اس شخص نے کچھ عرصے قبل اخبارات میں کینسر کے مریض کی اپیل شائع کرائی تھی جو لب مرگ ہے اور اس کے علاج کے لئے کچھ نہیں ہے۔ مخیر حضرات سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے عطیات اگر اس بیمار شخص کے لئے دینا چاہیں تو اس اکاؤنٹ نمبر میں جمع کرا دیں۔ اس سلسلے میں تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار روپے کی رقم جمع ہو گئی ہے اور اس میں سے تھوڑی تھوڑی رقم نکالی بھی گئی ہے۔ یہ ہے تفصیل۔ اگر تم چاہو تو اس شخص کا پتہ بھی بتا دوں تمہیں۔"

"نہیں بس اتنا ہی کافی ہے۔" شکیل نے متحیر لہجے میں کہا۔

"کوئی ایسا ویسا مسئلہ تو نہیں ہے۔"

"نہیں دوست بالکل نہیں۔ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔" شکیل نے کہا اور تھوڑی سی گفتگو کرنے کے بعد فون بند کر دیا لیکن اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ شہباز اب ایسی حرکتیں پر اتر آیا ہے۔ کتنا دکھ ہو گا ان لوگوں کو لیکن حقیقت بتانا بھی ضروری تھا۔ اس طرح کم از کم ان لوگوں کے اس خوف کی تردید ہو جاتی تھی کہ شہباز اس خنجر کے ذریعے کچھ جرائم کر رہا ہے لیکن بہر طور یہ بھی ایک جرم تھا۔ بہت بڑا اخلاقی جرم۔ شکیل دیر تک سوچوں میں کھویا رہا تھا۔

ثریا اور پروین کسی اور بات پر آپس میں متفق ہوں یا نہ ہوں لیکن ایک بات پر دونوں میں ہمیشہ سے اتفاق تھا کہ دلاری اماں اور امی آگ اور پانی ہیں جو کبھی نہیں مل سکتے۔ ان دونوں کے درمیان اگر کبھی ٹھنی نہ ہوتی تو پریشانی کی بات ہوتی تھی اور ثریا و پروین یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی تھیں کہ دونوں میں سے کون بیمار ہو گیا ہے۔ ہر مسئلے میں ناک بھوں چڑھانا فاطمہ بیگم کا محبوب مشغلہ تھا۔ بشرطیکہ اس کا تعلق نسیم بیگم سے ہو۔ پتہ نہیں ابتدا کیسی تھی۔ نسیم بیگم بالآخر بہو تھیں۔ آئی ہوں گی

اس کے بعد دادی اماں کا رویہ دیکھا ہوگا۔ ویسے بھی درمیانے درجے کے گھرانے کی خاتون تھیں اور جو بھی تیزی طراری تھی
ہی کی تربیت سے ملی تھی۔ غالباً طویل عرصے تک تو ساس کی باتیں برداشت کیں اور جب یہ دیکھا کہ حکمت علی اچھے آدمی ہیں
اور صحیح وزن کرنا جانتے ہیں تو پھر نسیم بیگم نے بھی بقول شخصے ہاتھ پاؤں نکال لئے اور زبان کو کشادہ کر دیا۔ ایک بات ہوتی
دس وہ بھی سنا دیا کرتی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ دادی اماں ان دس کو دس ہی سے ضرب کرتی تھیں۔ پھر جب مقابلے میں
کمی کم سے کم ہوتی گئی تو دادی اماں کو احساس ہوا کہ مد مقابل طاقت پکڑ رہا ہے۔ لیکن اب پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں
نے اسی پر اتفاق کر لیا۔

حکمت علی اکثر کہا کرتے تھے کہ بہت سے تجزیئے کیے ہیں گھریلو زندگی پر ساس اور بہو کا معاملہ ایسا ہے کہ اگر دونوں ایک
دوسرے کی دوست بن جائیں تو دونوں کی زندگی محال ہو جائے۔ گھر میں بھلا کرنے کے لئے اور ہوتا ہی کیا ہے۔ اگر مل جل کر
بیٹھیں اور دوسری باتیں کریں تو طبیعت کوفت کا شکار ہو جائے۔ محبوب مشغلہ یہی ہے کہ ٹینشن رہے۔ اس طرح کم از کم دوران
خون سست نہیں پڑتا ہے اور ان کے خیال میں یہ دونوں خواتین ہمیشہ سے اسی طبعی نسخے پر عمل کرتی رہی ہیں۔

ثریا اور پروین کی پرواز بھی محدود تھی۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کر لی تھی اور اس کے بعد حکمت علی نے بچیوں سے کہہ دیا
تھا کہ اب وہ گھر میں بیٹھیں نہ ان کی حیثیت اتنی ہے کہ انہیں اس سے زیادہ پڑھا سکیں اور نہ معاشرہ اور ماحول اس بات کی
اجازت دیتا ہے، بات اگر ان اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیوں کی ہوتی ہے جو منظر عام پر ہیں تو پھر ان کا ایک پس منظر بھی ہوتا ہے اور
کام اپنی چادر کے مطابق کرنا چاہیئے۔ چنانچہ دونوں لڑکیوں نے چادر میں پاؤں سکوڑ لئے تھے۔ تعلیم ہی کی حد تک نہیں بلکہ زندگی
کے ہر شعبے میں۔ یہ ایک سچائی تھی کہ پروین اور ثریا دونوں ہی باپ سے تعاون کرتی تھیں اور کبھی انہوں نے ایسی
فرمائش نہیں کی تھی جو حکمت علی کے لئے حسرت و یاس کا سبب بن جائے۔

بہر حال سیڑھی آگئی تھی گھر میں اور دونوں لڑکیوں کے لئے یہ ایک محبوب مشغلہ تھا گو اس پہلے دن جب وہ سیڑھی
چڑھی تھیں چھت سے دنیا دیکھی تھی اور سامنے ہی ایک دوربین والا نظر آیا تھا۔ تو دونوں کسی قدر بدحواس ہو گئی تھیں
رات دیر تک اس موضوع پر بات ہوتی رہی تھی پہلا فیصلہ تو یہی کیا گیا تھا کہ کم از کم دادی اماں کو کبھی دوربین والے کی ہوا
نہ لگنے دی جائے۔ ورنہ سیڑھی جل کر خاک ہو جائے گی اور اس کے بعد دوبارہ کبھی اس گھر میں نہیں آئے گی۔ پروین نے
قدر تشویش سے کہا تھا۔

"لیکن ثریا بات تو ذرا پریشانی کی ہے۔ پتہ نہیں کون کمبخت ہے۔ کیسی ڈھٹائی سے دوربین آنکھوں سے لگائے
دیکھ رہا تھا۔"

"باجی! وہ ایک کبوتر باز بھی نظر آیا تھا۔ اب محلہ ہی ایسا ہے کوئی کیا کر سکتا ہے اور پھر سچی بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو
درست رکھا جائے وہ دوربین کے ذریعے پرواز کر کے ہم تک تو نہیں آسکتا۔" ثریا نے کہا۔

"ہاں بات تو کسی حد تک ٹھیک ہے۔ بہر حال دیکھیں گے، سوچیں گے اس بارے میں، ابھی تو خاموشی ہی اختیار
رکھنا۔"

تین چار دن گزر گئے۔ دادی اماں کا تو کلیجہ جلتا ہی رہتا تھا۔ بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ خود سیڑھی سے چڑھ کر اوپر نہیں
آسکتی تھیں یہ ان کے بس کی بات ہی نہیں تھی حالانکہ سیڑھی آنے سے پہلے ثریا اور پروین نے انہیں بڑے بڑے جھانسے
دیئے تھے بہت سی باتیں کہی تھیں۔ چھت کے بارے میں لیکن اب وہ اخلاقاً بھی دادی اماں کو کبھی چھت کی سیر کرانے نہیں
لے جا سکتی تھیں۔ حالانکہ مشکل کام نہیں تھا۔ اگر ثریا سیڑھی پکڑ کر کھڑی ہو جاتی دادی اماں کو چڑھایا جاتا پروین ان کو سہارا دیا
کرتی تو کسی نہ کسی طرح مارے باندھے دادی اماں اوپر آ ہی سکتی تھیں۔ لیکن دادی اماں کو اوپر لانے کا نتیجہ دونوں کو

طرح معلوم تھا۔

اس صبح بھی پروین اور ثریا بستر پر انگڑائیاں لے رہی تھیں کہ باہر سے کھٹ پٹ کی آواز سنائی دی تو ثریا نے پروین
سے کہا۔

"پتہ نہیں کیا وقت ہو گیا؟"

"خاصی دیر ہو گئی۔ میرا خیال ہے اُٹھ جانا چاہیئے۔"

"ہاں اس سے پہلے کہ صبح کا ناشتہ دادی اماں کے کوسنوں پیٹنوں کی شکل میں ملے باہر نکل چلنا زیادہ بہتر ہے۔" دونوں
ساتھ ساتھ ہی باہر نکلی تھیں اور باہر کا ماحول دیکھ کر انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ نسیم بیگم اور فاطمہ بیگم ساتھ
ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ فاطمہ بیگم کے چہرے پر کسی قدر تکلیف کے آثار نمودار تھے۔ دونوں آنکھیں مل مل کر انہیں
دیکھنے لگیں تو دادی اماں نے کہا۔

"اُٹھ گئیں بیگمات۔ چلو جلدی کرو منہ ہاتھ وغیرہ دھوؤ کتنی بار کہا ہے کہ بیٹیوں کو پرائے گھر جانا ہوتا ہے۔ ایسی عادتیں
نہیں ہونی چاہئیں۔ جن پر دوسروں کو اعتراض ہو۔ دیکھو بچیوں سوچتی ہو گی تم کہ یہ بڑھیا تمہاری جان کے پیچھے پڑی رہتی
ہے۔ بیٹی یہ بات نہیں ہے۔ بزرگوں کا فرض ہوتا ہے کہ بچوں کو اونچ نیچ سمجھائیں۔ اب دیکھو نا ہم تو تمہارے ساتھ تمہاری
سسرال جانے سے رہے۔ وہاں تکلیف ہو گی تو یہاں ہمارا دل دکھے گا۔ سسرال والے یہی کہیں گے کہ گھر میں کوئی اچھی بات
سمجھانے والا موجود نہیں تھا۔ ہائے" دادی اماں نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ غالباً درد کی کسی ٹیس نے یا چائے کے کسی گرم گھونٹ نے
ثریا اور پروین کی جان چھڑا دی تھی۔ نسیم بیگم نے ہمدردی سے کہا۔

"بہت درد ہے اماں؟"

"اے بہو کیا بتاؤں ساری رات گزر گئی۔ آنکھ لگتی تھی اور یہ کمبخت درد بے چین کر کے جگا دیتا تھا۔"

"گولی تو کھا لی ہے نا آپ نے؟"

"ابھی کہاں۔ نہار منہ گولی کھالوں گی۔"

"ارے ہاں۔ اچھا کیا۔ اچھا یہ بتائیے کہ ڈبل روٹی کے دو توس کھالیں گی؟"

"نہیں بہو، اس وقت بالکل نہیں کھائے جا سکیں گے۔ یہ کمبخت دانت نکلتے ہیں تو تکلیف دیتے ہیں، ٹوٹتے ہیں تو
تکلیف دیتے ہیں۔ ایسا درد ہے کہ تجھے بتا نہیں سکتی میں۔"

"ہاں دانت کے درد کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں ہوتا۔ کسی اور درد سے۔ مگر پھر گولی کیسے کھائیں گی۔ ایسا کریں ایک پیالی
دودھ پی لیں۔"

"لو ابھی تو چائے پی رہی ہوں اب دودھ بھی میں پی لوں۔"

"پی لیں اماں۔ دودھ پینے سے کم از کم کچھ فائدہ تو ہو گا۔ گولی تو کھالیں گی۔ دوپہر کو دلیے کی کھچڑی پکاؤں گی آپ کے
لئے۔"

"اے ہاں۔ دلیئے کی کھچڑی کھائے ہوئے بڑا عرصہ گزر گیا۔ ہو ہینگ سے بگھار دینا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہینگ تو ہے نا۔"

"کیوں نہیں۔ رکھی ہے میں نے اپنے پاس۔"

"دلیا منگا لیتی ہوں۔"

"ہاں دیکھو دکانیں کھل گئی ہوں گی شاید میں تو باہر جانے سے جھجکتی ہوں۔ کیا بتاؤں حکمت علی کو اللہ نے سب کچھ دیا

ایک بیٹا بھی دے دیتا تو، تو۔" حکمت علی سامنے ہی نظر آ گئے تھے۔

"کیوں اماں۔ میں بیٹا نہیں ہوں تمہارا؟" دادی اماں خاموش ہو گئی تھیں۔ نسیم بیگم نے کہا۔

"سنیئے۔" دفتر جانے سے پہلے کسی کھلی ہوئی دکان سے دلیئے کا ایک پیکٹ لے آئیے، اماں کے دانتوں میں بڑی تکلیف ہے۔ کوئی سخت چیز تو کھا نہیں سکیں گی۔"

"ٹھیک ہے لادوں گا۔" حکمت علی نے بغور ماں اور بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا، پھر ثریا اور پروین کی طرف دیکھا ثریا اور پروین منہ دبا کر اندر چلی گئی تھیں۔ خوب ہنس لیں تو باہر آئیں اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ حیرانی کی بات تھی۔ باورچی خانے میں ثریا نے پروین سے کہا۔

"آج پھر ستاروں کی چال الٹی ہو گئی ہے۔" پروین ہنس پڑی پھر بولی۔

"ستارے زیادہ دیر الٹے نہیں رہتے۔ یہ واقعات تو بہت سی بار ہو چکے ہیں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یہ دوستی تھوڑی دیر کے بعد ختم ہو جائے گی ہو سکتا ہے دونوں نے رات کو برے برے خواب دیکھے ہوں۔ کوئی ایسی چیز دیکھ لی ہو جو ایک دوسرے سے محبت پر آمادہ کرے۔ ابھی خوابوں کے اثرات میں چل رہی ہیں۔"

"ایک بات بالکل سچ ہے باجی۔"

"کیا؟"

اگر یہ دونوں خواتین نہ لڑیں تو گھر کا ماحول اتنا برا ہو جائے کہ اس ماحول میں جینا ہی مشکل ہو جائے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔"

"بہر حال اچھا ہے۔ تھوڑی بہت دیر کے لئے کچھ تبدیلی بھی ہونی چاہیئے۔"

حکمت علی دلیے کا پیکٹ لا کر دے گئے تھے اور دفتر چلے گئے تھے۔ دادی اماں نے دودھ پی کر گولی کھالی تھی مگر شاید درد بڑھتا جا رہا تھا۔ نسیم بیگم نے کئی بار ہمدردی سے پوچھا۔ آج دوپہر تک حیرت انگیز طور پر جنگ بندی قائم رہی اور ثریا اور پروین کو در حقیقت بوریت ہونے لگی۔ دادی اماں کے دانت کا درد شاید آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ یہ تبدیلی غالباً دانت کے درد ہی کی وجہ سے تھی اور جب درد ٹھیک ہو گیا تو پھر بھلا اس بوریت کی کیا تک تھی۔ لیکن ابھی تک شاید کوئی جواز نہیں ملا تھا۔ نسیم بیگم پر بھی ہمدردی کا دورہ پڑا ہوا تھا اور انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی۔ جو لڑائی کی وجہ بن جائے۔ طریقہ ایک ہی تھا۔ کم سے کم سامنے آیا جائے ورنہ بات کہنے کی ضرورت کہاں پیش آتی تھی ہر جنبش پر، صورت پر، نگاہوں کے زاویوں پر تبصرہ آرائی فروع ہو جاتی تھی اور یہ تبصرہ آرائی ہی وجہ جنگ بن جاتی تھی۔

دوپہر کو نسیم بیگم نے بڑے اہتمام سے دلیئے کی کھچڑی لہسن کی چٹنی کے ساتھ ٹرے میں رکھ کر فاطمہ بیگم کو دی اور ایک نگاہ میں اندازہ لگالیا کہ فاطمہ بیگم کے دانت کا درد ختم ہو گیا ہے۔ فاطمہ بیگم نے بڑے نخروں سے دلیئے کا ایک چمچہ لیا اور "آخ تھو۔ آخ تھو۔" کرنے لگیں۔ نسیم بیگم چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگیں انہوں نے کہا۔

"اماں خیریت، کیا ہو گیا؟"

"یہی سوچ رہی تھی بی بی کہ خیریت کیوں ہے۔"

"کیا ہو گیا اماں؟"

"وہی جو توقع تھی۔"

"کچھ بتائیے تو سہی؟"

"نمک چکھا تم نے۔ کھچڑی میں؟"

"ٹھیک ہے۔"

"یہ نمک ہے یا زہر ہے۔"

"اماں میں آپ کی کھچڑی میں زہر کیوں ملاؤں گی۔"

"خیر بی بی اس کے تو بہت سے جواز ہیں۔ یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔

"آپ پھر غصے سے اکھڑ گئیں اماں بی۔"

"پاگل جو ہوں۔ دیوانی جو ہوں۔ یہی کہنا چاہتی ہو نا۔"

"نہیں کہنے کو تو بہت کچھ ہے میرے پاس مگر چھوڑیے کیا کہوں۔ اللہ نے آپ کو اس کی توفیق ہی نہیں دی۔"

"اے بوا کس کی؟ ذرا کھل کر تو بولو۔" دادی اماں تیوریاں چڑھا کر بولیں۔ دور کھڑی پروین نے ثریا سے کہا۔

"موٹر چالو ہو گئی۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"سنو سنو آوازیں آ رہی ہیں۔ کیا تمہیں گھر گھراہٹ کی آواز نہیں آ رہی؟" دونوں کان لگا کر سننے لگیں۔ نسیم بیگم نے

"ہو سکتا ہے دلیے میں نمک تیز ہو گیا ہو۔ اب میں کیا کر سکتی ہوں اس سلسلے میں۔"

"بڑی معصومیت سے کہہ رہی ہو بی بی یہ بات حالانکہ میں جانتی ہوں۔ بچھو کا کام ڈنک مارنا ہے۔ سو مارے گا۔ چاہے کوئی دریا پار ہی کرا رہا ہو۔"

"بچھو ہوں میں۔"

"چھوٹی بات ہے۔ وہ تو بیچارہ بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔"

"اماں ایک بات میں جانتی ہوں۔"

"جی کیا؟" فاطمہ بیگم نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"آپ کے لئے اگر کوئی اپنی جان بھی نکال کر رکھ دے تو آپ کبھی اس پر توجہ نہیں دیں گی۔ میں نے کتنی محبت سے دلیا پکایا ہے اتنا پریشان تھی آپ کے دانت کے درد کے لئے اور نتیجہ یہ ملا ہے مجھے۔"

"بی بی اس سے کہو جو تمہیں جانتا نہ ہو۔ حرفوں کی بنی ہوئی ہو۔ طبیعت میں سازش ہے۔ بھلا کیسے چوکو گی۔ سوچا کہ صبح کمبخت بڑھیا چین سے ہے چلو کوئی ایسی ترکیب کی جائے کہ اس کا چین برباد ہو۔"

"آپ کا چین تو اللہ برباد کرے گا سمجھیں آپ۔ کسی کا کیا دھرا کچھ نہیں حیثیت رکھتا آپ کے لئے۔"

"دامن پھیلا پھیلا کر کوسو۔ آسمان کی طرف منہ کر کے کوسو۔ مگر تمہارے کوسنے سے ہو گا کچھ نہیں بی بی، بہت جیوں گی، بہت جیوں گی۔"

"ہاں آپ جیسے لوگوں کی عمریں ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

"کہا تو ہے کئی بار میاں سے کہو۔ زہر لا دے اور مجھے دے دے۔ اے بوا اس دلیے میں ہی زہر ملا دیتیں کوئی سوچ بھی نہ کہ بڑھیا کیسے مر گئی۔ کیا سمجھیں میاں تمہاری مٹھی میں ہے۔ کہیں کوئی سنوائی تھوڑی ہوتی اس بات کی۔"

"میری جوتی دیتی ہے آپ کو زہر۔"

"جوتی..... اب جوتیوں پر اتر آئیں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے اسی قابل ہوں میں۔ ارے کیا سمجھا ہے تم نے مجھے خدا

تمہیں، تمہیں۔" فاطمہ بیگم کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"ہاں ہاں کوسیئے، کوسیئے۔"

"اے کیا کوسوں۔ ہر کوسا میرے بیٹے پر ہی پڑتا ہے۔"

"کیسے شرم کی بات ہے اماں اپنے بیٹے کے لئے دل میں اتنی نرمی اور جو آپ کے گھر اپنا گھربار چھوڑ کر آگئی سب کچھ زندگی بتادی آپ کے ساتھ اس کے لئے آج بھی آپ کے دل میں نرمی پیدا نہیں ہوئی۔"

"اے بوا، یہ تو میں ہی ہوں جس نے تمہیں برداشت کرلیا کوئی اور ہوتی میری جگہ تو بیٹے کو بھڑکا کر اب تک سودا تمہیں طلاق دلواچکی ہوتی۔"

"شرم کریں اماں۔ شرم۔"

"دیکھو مجھ سے زبان مت لڑانا زیادہ۔"

"میں آپ سے کیا زبان لڑاؤں گی آپ تو ہیں ہی کرائے کی لڑنے والی۔"

"ڈومنی کہا تم نے مجھے ڈومنی۔ ہیں۔ آنے دے حکمت علی کو۔ ارے ڈومنی ہوں میں۔ ڈومنیوں کے خاندان سے ہوں"

"میں نے ڈومنی کب کہا۔"

"کرائے کی لڑنے والی۔"

"اماں ڈومنیاں کرائے پر لڑتی نہیں تھیں وہ تو گیت گاتی تھیں۔ پھول برساتی تھیں اپنے منہ سے۔"

"اور میں آگ برسا رہی ہوں۔ اژدھا ہوں۔ یہی کہنا چاہتی ہو نا تم۔"

"خدا جانے آپ کیا ہیں۔"

"لے جاؤ اٹھا کر اس کھچڑی وچڑی کو۔ میں نہیں کھاتی سمجھیں۔"

"ٹھیک ہے آپ خود اٹھا کر باورچی خانے میں رکھ دیجیئے نوکر نہیں لگی ہوئی ہوں آپ کی۔" نسیم بیگم نے کہا اور دند ہوئی کمرے سے باہر نکل آئیں۔ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ ثریا، پروین سے کہہ رہی تھی۔

کہا تھا نا میں نے کہ صورتحال بہت تھوڑی دیر کے لئے ایسی ہوگئی ہے۔ ورنہ اللہ نے چاہا تو ہمارے گھر کی رو لوٹ آئیں گی سو دیکھو۔ دم بھر کے اندر ہی اندر لوٹ آئیں۔"

پتہ نہیں دادی اماں نے کھچڑی کھالی تھی یا لے جاکر واپس باورچی خانے میں رکھ دی تھی۔ بہر طور جنگ کا آغاز پھر ہوگیا تھا یہ دوسری بات ہے کہ شام کو چار ساڑھے چار بجے تک کوئی ایک دوسرے کے سامنے نہیں آیا۔ یہی ایک طریقہ تھا جھڑپ خاصی زبردست ہوچکی تھی اور بہت سے خوبصورت لفظوں کا تبادلہ کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ نیا اسلحہ حاصل کیا جارہا ہوگا۔

شام کو تقدیر کی ماری، حجن بی دروازے پر آگئیں۔ ہمیشہ کی عادت تھی سات گھر جھانکنا ان کے لئے ضروری تھا۔ ورنہ ہضم نہیں ہوتا تھا۔ سر پر برقعہ رکھے دروازے پر نظر آئیں اور اتفاق سے دروازہ نسیم بیگم نے کھولا تھا۔ معاملات ان کے بیگم سے ہی چل رہے تھے اور دونوں کے درمیان بڑی اچھی چل رہی تھی اس لئے آنے کا راستہ عزت کے ساتھ مل گیا۔ ورنہ فاطمہ بیگم تو اس وقت اس کا موقع نہ دیتیں اپنے کمرے میں تھیں باہر صحن میں صفائی ہوچکی تھی۔ چارپائی بچھادی گئی سرہانے تکیہ رکھ دیا گیا تھا حجن بی کو وہیں بیٹھنے کی پیشکش کی گئی۔ برقعہ اتار کر سر سے نیچے رکھا اور کہنے لگیں۔

"ماشاءاللہ بڑا صاف ستھرا گھر رہتا ہے تمہارا۔ بیٹیوں کا گھروں میں یہی فائدہ ہے۔ تم یقین کرو جس گھر میں نہیں ہوتیں اس گھر میں چاہے کچھ بھی ہو مگر جھاڑو ہی پھری نظر آتی ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔ واقعی بیٹیاں نعمت ہوتی ہیں۔ گھر کی رونق ہوتی ہیں۔"

"اگر بیٹے ہوں تو اس وقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے جب تک بہو آجائے اب اللہ رکھے میرا اشمشاد ہے بڑا ہی ہونہار بچہ ہے۔ ر تو جان دیتا ہے۔ کہتا ہے اماں اکیلا ہوں تو کیا۔ تم بتاؤ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ بہو بھی اچھی ہے بری نہیں ہے ی۔ بڑا بڑا خیال رکھتی ہے میرا.....۔"

"آپ جیسی ساس بھی تو ہو۔" نسیم بیگم نے کہا اور یہی الفاظ غالباً فاطمہ بیگم نے سن لئے۔ باہر نکل آئیں۔ دونوں کو گھورا ولیں۔

"ہاں ہاں ان جیسی ساس بھی تو ہو، انہیں دیکھو حجن بی بڑی بدنصیب ہیں یہ کہ انہیں مجھ جیسی ساس ملی ہے۔"

حجن بی نے گھبرائی ہوئی نظروں سے فاطمہ بیگم کو دیکھا، برابر رکھا ہوا برقعہ اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔ اندازہ ہوگیا تھا کہ اب ناپڑے گا دو دشمن ایک دوسرے کے سامنے نبرد آزما ہوگئے تھے۔ نسیم بیگم نے چمک کر کہا۔

"دیکھ لیا آپ نے خود ہی اندازہ ہوگیا ہوگا مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"ہاں ہاں اب محلے والے ہی تو دیکھیں گے ہمیں آکر۔ دیکھ لو حجن بی بہت اچھی طرح دیکھ لو کیسے مظالم ہو رہے ہیں میری ۔کیا سوکھ کر کانٹا ہوگئی ہے۔"

"سوکھ کر کانٹا ہوں میرے دشمن۔ میں بھی اب میدان میں آگئی ہوں۔ کسی کی نہیں سن سکتی۔ سمجھیں تم۔"

"بوا جس گھر سے آئی ہونا اس گھر میں یہی سب کچھ ہوتا ہوگا۔ جو وہاں سے ملا وہ یہاں خرچ کرنا شروع کردیا۔"

"دیکھیں اماں بی آپ میرے گھر والوں تک نہ پہنچ جایا کریں۔"

"اے غلطی تو یہی ہوئی تھی کہ تمہارے گھر والوں تک پہنچ گئی تھی اور تمہیں اپنے گھر لے آئی تھی اس غلطی ہی کو آج یٹ رہی ہوں۔"

"تو اب اور کتنا پیٹیں گی۔ پیٹ پیٹ کر آپ کا دل نہیں بھرا۔"

"دل۔ دل ہی تو بھر گیا ہے میرا اب اس دنیا سے۔ اب تو محلے والوں سے میری شکایتیں کی جانے لگی ہیں۔"

"نہ نہ۔ بہن نہ۔ کوئی شکایت نہیں کری آپ کی بہو نے، یہ تو یہ تو بس ایسے ہی تذکرے کررہی تھیں۔"

"کسی کے گھر میں آکر اس کے بیچ میں بولنا کوئی اچھی بات ہے۔ آپ کو یہ نہیں سکھایا آپ کے کسی بڑے نے کہ ا کے گھروں میں جاکر ان کی ٹوہ لینا اور ان کے بارے میں ادھر ادھر کی باتیں کرنا اچھا نہیں ہوتا۔" فاطمہ بیگم حجن بی پر یں۔

"دیکھو بوا، زبان کی میں بھی بڑی خراب ہوں۔ مجھے کوئی ایسا ویسا مت سمجھ لینا۔ کوئی آئے ہمدردی کرنے اور اس سے بیٹھ جاؤ۔ اندازہ تو مجھے پہلے ہی ہوگیا تھا تمہارے بارے میں اے خدا کا غضب میں تو ایک نیک جذبہ لے کر آئی تھی۔ ہم کہنے بھی نہ پائی تھی کہ یہ مجھ پر ہی جوتے پڑنے شروع ہوگئے۔ توبہ توبہ اس گھر کی بیٹیاں کسی گھر میں جائیں گی تو کیا ں جہاں یہ تربیت مل رہی ہے۔" حجن بی کو بھی تاؤ آگیا تھا۔

"ہیں....." اب نسیم بیگم بھی چونکیں۔ "یہ بیٹیوں کی بات کہاں سے نکل آئی؟" حجن کو گھورنے لگیں اور آہستہ سے

"آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی کچھ۔"

"اے بہن، اب کیا سمجھاؤں تمہیں۔ جو کہنا تھا وہ تو بھول ہی گئی۔ محلے میں دو بچے ہیں بڑے اچھے بڑے نیک بڑے ا پروانہ صاحب کو جانتی ہو تم؟"

"نہ

"پروانہ صاحب کے کرائے دار ہیں۔ ایسے ہی شمع بیگم سے بات ہو رہی تھی، میں نے کہا بچیاں میری نظر میں ہیں کیوں نہ ان بچوں کا رشتہ وہاں کروا دیا جائے۔ میں نے سوچا چھیڑ کر دیکھوں تمہیں، کیا ارادے ہیں، کیا خیالات ہیں اور اس کے بعد ان بات کروں۔"

"ہوں، آپ جیسی عورتوں کا یہی کام ہوتا ہے۔ مگر کان کھول کر سن لیجیئے ہمارے ہاں یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ بر لوگ آپ آنے جانے میں ذرا احتیاط رکھا کریں۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"اے میں تو تھوکتی بھی نہیں ہوں ایسے گھروں پر تم سمجھتی کیا ہو؟" حجن بی نے کھڑے ہو کر برقعہ سر پر رکھتے ہو کہا۔

"ارے ارے نہیں حجن بی! اماں کی تو عادت ہی ایسی ہے آپ بیٹھیئے۔ چائے پی کر جایئے گا۔"

"لعنت بھیجتی ہوں ایسی چائے پر۔" حجن بی نے غصے سے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"تو بھیج کر اب تک گئی کیوں نہیں باہر۔" فاطمہ بیگم بولیں۔

"جا رہی ہوں۔ جا رہی ہوں۔"

"آپ ہرگز نہیں جائیں گی حجن بی۔ ہرگز نہیں جائیں گی میرے بھی تو کچھ تعلقات ہونے چاہئیں لوگوں سے۔ ان ہے یہ تو میری جان کے پیچھے پڑی رہتی ہیں یہ تو سوچتی ہیں کہ سب ہی کو دبا لیں گی۔ ارے واہ آپ بیٹھیئے چائے پیئے گئیں تو اچھا نہیں ہوگا۔ آپ آئیں ہزار بار آئیں۔ سر آنکھوں پر آئیں۔ یہ نہیں ملتیں آپ سے نہ ملیں۔" نسیم بیگم نے غ کہا اور حجن بی کچھ نرم ہو گئیں۔ کہنے لگیں۔

"نہیں نسیم بیگم، جانتی ہوں کہ تمہارے اوپر کیا بیت رہی ہے۔ ہائے افسوس کیسا کیسا لوگ سلوک کرتے ہیں اپنے میں معصوم لوگوں کے ساتھ تم فکر مت کرو۔ آؤں گی تمہارے پاس آؤں گی۔ ہزار بار آؤں گی۔ مگر اس وقت جائے کا چکر مت میں کسی سے گئی گزری نہیں ہوں۔ کیا سمجھ رکھا ہے انہوں نے۔"

"ارے تو جاؤ جاؤ کھڑی کیوں ہو اب تک۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"ہاں ہاں جا رہی ہوں۔ جا رہی ہوں۔ مگر تمہارے کہنے سے نہیں جا رہی۔ اپنی مرضی سے جا رہی ہوں۔" حجن بی نے ک فاطمہ بیگم دونوں ہاتھوں کو جھٹک کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نسیم بیگم حجن بی کے پیچھے دروازے تک آئی تھیں۔ انہوں کہا۔

"دیکھیئے آپ ان کی باتوں کا برا نہ مانیئے۔ انہوں نے تو ہمیشہ ہی مجھے دوسروں سے دور رکھا ہے کسی سے دل کی بات کے قابل نہیں چھوڑتیں یہ ان کی سازش ہے۔"

"ایں۔" حجن بی نے چونک کر نسیم بیگم کو دیکھا۔

"ہاں۔ اس طرح سے لڑ جھگڑ کر لوگوں کو بھگا دیتی ہیں تاکہ میں اکیلی کی اکیلی رہ جاؤں اور یہ مجھ سے خوب نمٹ سکیں" حجن بی کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ کہنے لگیں۔

"تو یہ قصہ ہے اب تم پروا مت کرو۔ ہزار بار آؤں گی، لاکھ بار آؤں گی۔ دیکھوں گی ذرا بلکہ مجھے اجازت دے دو کہ تنہا میں ان سے لے لوں۔ ذرا دیکھو ان کا کیا حال کرتی ہوں۔"

"خیر میں جیسے بھی نمٹ رہی ہوں نمٹ لوں گی مگر آپ آتی جاتی رہا کریں۔"

"ہاں آؤں گی۔ اب ذرا اطمینان سے آؤں گی۔ فرصت سے آؤں گی۔" حجن بی دروازے سے باہر نکل گئیں۔ نسیم بیگم نے دروازہ بند کیا اور گھور کر اس کمرے کو دیکھنے لگیں، جو فاطمہ بیگم کا کمرہ تھا۔

❊

"جمال عرف جمی اپنے دو دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔ درمیانی انگلی میں جلتی ہوئی سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ مٹھی بند ہو گئی تھی اور جمی کے تیور بڑے اچھے تھے۔" مقصود نے پوچھا۔

"اور سناؤ جمی بھائی آج کل تو سنا ہے بڑے اونچے اڑ رہے ہو۔"

"ابے اس سے پہلے کیا زمین پر چلتے ہوئے دیکھا ہے تو نے ہمیں۔"

"نہیں تمہاری تقدیر واقعی شاندار ہے۔ جمی بھائی جانتے ہو راز چھپتے نہیں ہیں۔ لاکھ تم چھپاؤ یاروں سے مگر یاروں کی نگاہیں بڑی تیز ہوتی ہیں۔"

"کیا ہوا ہے؟" جمی نے پوچھا۔

"یہ قدرت اللہ بھائی سے جھگڑا کیوں مول لیا تم نے۔"

"ابے یار قدرت اللہ کچھ زیادہ ہی بننے لگا ہے۔ اپنے آپ میں تیری آمدنی اچھی ہے بھائی۔ تیرے سے کوئی مانگتا تو نہیں ہے اپنا کھاتا ہے اپنا پہنتا ہے، بھلا محلے میں بدمعاشی۔ ابے ہم سے بڑا بدمعاش ہے تو۔ ہمیں دیکھ محلے میں کبھی کوئی غلط کام لیا۔ وہ اتنا شریف آدمی ہے امداد بیگ صاحب ان کے ٹیلیفون میں گڑبڑ کرتا رہتا ہے۔ بس ایک بار بگڑ گیا تھا اس بات پر کہ اس کا کوئی ٹیلیفون آیا تھا تو امداد بیگ کے گھر والوں نے اس کے گھر والوں کو بلایا نہیں۔ یہ کوئی بگڑنے کی بات ہے چوبیس گھنٹے تو کوئی کسی کے لئے تیار کھڑا نہیں رہتا۔" دلارے نے ایک آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"بات صرف امداد بیگ سے ہمدردی کی نہیں ہے جمی بھائی۔ یاروں سے چھپا رہے ہو۔ پیٹ پھول جائے گا۔ غبارے کی طرح پھٹ جائے گا۔ کیا سمجھے۔"

"ابے ہاں۔ کبھی دائی سے پیٹ چھپا ہے۔" مقصود بولا۔

"ابے بک کیا رہے ہو تم دونوں کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"بس یاروں نے دیکھ لیا کہ ہمارے جمی بھائی ایک فوکس ویگن میں ایک لونڈیا کے ساتھ اڑے چلے جا رہے ہیں۔ اڑے چلے جا رہے ہیں۔ کسی کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے ہیں اور کہتے ہو کہ بات محلے کی ہے۔" جمی نے سگریٹ کا کش لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابے بہت تیز ہوتے جا رہے ہو تم لوگ۔ حد سے زیادہ تیزی اچھی نہیں ہوتی بیٹا۔ بہت سی باتیں پیٹ میں رہنی چاہئیں منہ تک آتی ہیں تو خوامخواہ منہ لوٹ جاتا ہے۔ کیا سمجھے۔"

"اماں تو یار ہیں تمہارے۔ خوش ہونے والے ہیں۔ تمہاری خوشی میں کوئی کسی سے کہنے کو تو نہیں جا رہے۔ کیا قصہ تھا جمی بھائی۔ ہمیں بھی بتا دو۔"

"پیارے قسم لے لو میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں تو محلے میں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ بس کیا بتاؤں جا رہا تھا سڑک پر گاڑی روک لی امداد بیگ صاحب کی بیٹی کہنے لگی۔ آؤ بیٹھو محلے کی لڑکی تھی بیٹھ گیا یہ سوچ کر کہ پتہ نہیں کیوں بٹھا رہی ہے۔ مگر وہ وہاں تو معاملہ کچھ دوسرا ہی نکلتا معلوم ہو رہا ہے۔"

"کیا؟" مقصود اور دلارے نے بیک وقت پوچھا۔

"ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا بس آخر سڑک پر گاڑی روک کر کسی کو بٹھانا اور پھر اپنی کسی پریشانی کا کہنا کوئی عام بات تو ۔ کوئی کسی کو اپنا سمجھتا ہے جبھی تو کوئی بات کہتا ہے۔ بتانے لگی کہ قدرت اللہ نے امداد بیگ سے دشمنی شروع

کردی ہے ٹیلیفون خراب کردیا ہے ان کا مجھ سے مدد مانگی اب تم خود سوچو۔ ویسے بھی محلے کی بات تھی اور محلے کے ایک فر
آدمی کی، بھلا مجھ سے کیسے برداشت ہوتا قدرت اللہ بھائی کو پہلے تو شرافت سے ہی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر بھیا ان
اکڑ ہی ختم نہ ہوئی پھر یاروں نے بھی ہاتھ دکھادیئے۔ یاد کریں گے زندگی بھر۔"

"خیر دشمنی تو اچھی نہیں ہوتی جمی بھائی مگر بات قدرت اللہ کی بھی بری تھی۔ محلے میں ایسی حرکتیں تھوڑی
چاہئیں۔ یہ تو سب باہر کے کام ہوتے ہیں۔"

"تو اور کیا۔ یہی تو سمجھانے کی کوشش کی تھی میں نے مگر سمجھ میں نہ آئی۔ تو پھر دوسری زبان میں سمجھادی۔"

"خیر کبھی کسی وقت بیٹھ کر قدرت اللہ سے بات کریں گے ہم لوگ۔"

"اب چپ ہوجاؤ تمہیں کیا پڑی ہے بات کرنے کی۔ قدرت اللہ کو خود ہی ضرورت ہو تو آجائے میرے پاس۔ مع
کردوں گا۔"

"چلو چلو چھوڑو قدرت اللہ کی باتیں۔ تو یہ بتاؤ اور کیا باتیں ہوئیں؟"

"قسم لے لو اور کوئی بات ابھی تک نہیں ہوئی اور اس نے مجھے پرفیوم دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

"لوہو۔ لوہو سینٹ دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

"ہاں دیکھو وعدہ کب پورا ہوتا ہے۔"

"چلو ابھی سینٹ ملے گا اور اس کے بعد دوسرے تحفے ملیں گے۔ یار جمی بھائی تمہاری قسمت پر رشک آتا ہے۔ ا
خوبصورت ہے۔"

"دیکھو بے ابھی سے بے فضول باتیں مت شروع کردو تم لوگ اور خبردار حلق سے نکلی فلک تک پہنچی۔ یہ با
تمہارے منہ سے کہیں اور نکلی تو سمجھ لو پیارے جمی کی دشمنی مول لینا پڑے گی۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جمی بھائی۔ تم منع کردو ہم اور کہیں کہیں۔ مگر خوش ہیں۔ اب ذرا ہوشیاری سے قدم آ
بڑھاؤ۔"

"بڑھائیں گے، بڑھائیں گے، ہوشیاری ہی سے بڑھائیں گے۔ کوئی ڈھول تھوڑی بجائیں گے اس بات کا۔" جمی اکڑ
بولا۔

درحقیقت اس دن فوزی کی اس اپنائیت نے جمی کو بہت سے خواب دیکھنے پر مجبور کردیا تھا۔ ویسے فطری طور پر بہ
زیادہ برا انسان نہیں تھا۔ بس صحبت کا اثر اور کچھ گھریلو حالات ذہنی طور پر بھٹک گیا تھا۔ بری صحبتوں میں پڑ گیا تھا۔ لیکن ا
والوں کو اس سے کوئی بڑی شکایت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ محلے کی بہو بیٹیوں کو کوئی نقصان
پہنچنے پائے۔ خود بھی ہمیشہ احتیاط برتتا تھا۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ عمر کے کچھ تقاضے بھی تھے۔ اس دن چھت پر چڑھا
تھا کہ گیارہ نمبر میں چھت پر اس نے دو لڑکیوں کو دیکھا۔ پھرتی سے بھاگ کر دوربین لایا اور دوربین میں انہیں فوکس کرا
اچھی خوبصورت لڑکیاں تھیں اور جمی نے سوچا تھا کہ ان کے بارے میں ذرا معلومات حاصل کی جائے لیکن درمیان میں فوز
آگئی تھی اور جمی نے اپنی تمامتر توجہ اس کی جانب مبذول کردی تھی اور اس وقت وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔
دوستوں سے گفتگو کے دوسرے دن دوپہر کی بات ہے کہ وہ پھر سڑک پر جارہا تھا اور تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ پیچھے
فوزی فوکس ویگن میں اس کے نزدیک سے گزری۔ گاڑی روکی۔ ہارن بجایا۔ جمی نے چونک کر دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق
میں آگیا۔ مسکرا کر وہ آگے بڑھا۔ بڑی ادا سے سلام کیا اور فوزی نے برابر کا دروازہ کھول دیا۔ جمی اکڑ کر اندر بیٹھ گیا۔
"کہیئے جناب کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" فوزی نے پوچھا۔

"لو بھئی اپنے مزاج کہاں۔ ہم تو غریب آدمی ہیں۔ فوزی صاحب۔"
"فوزی صاحب۔" فوزی ہنس پڑی۔
"ہاں کیوں۔ کوئی ہنسنے کی بات کہہ دی ہم نے۔"
"نہیں نہیں۔ کہاں جارہے ہیں آپ؟"
"بس یہ تو شہر ہی اپنا ہے۔ جدھر نکل جاؤ لوگ جمی بھائی، جمی بھائی کر کے جان کو آجاتے ہیں۔ کوئی چائے پلا رہا ہے،
کوئی کھانا کھلا رہا ہے، کوئی کچھ کر رہا ہے، کوئی کچھ، یہی کرتے ہیں اور کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔"
"واہ آپ نے چائے کا نام خوب لیا جمی صاحب میرا دل بھی چائے پینے کو چاہ رہا ہے۔"
"ایں۔" جمی نے آنکھیں پھاڑ دیں۔
"آیئے کسی ہوٹل میں چل کر چائے پیئیں گے۔"
"ایں۔" جمی کا سانس پھولنے لگا۔ کسی لڑکی کے ساتھ اس نے زندگی میں کبھی کسی ہوٹل میں چائے نہیں پی تھی۔ کہنے
لگا۔
"ارے نہیں نہیں، چائے تو گھر میں ہی ٹھیک ہوتی ہے۔ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔"
"کون لوگ؟"
"میرا مطلب ہے ہوٹل میں تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔" فوزی نے قہقہہ لگایا اور بولی۔
"ہوتے ہیں۔ لیکن ہم ایسے ہوٹل میں چلیں گے جہاں سب لوگ ساتھ بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔
"اچھا اچھا کسی بڑے ہوٹل میں۔ وہ جو کہتے ہیں فائیو اسٹار فائیو اسٹار۔"
"ہاں یہ۔ آیئے آپ کو فائیو اسٹار میں لے چلوں۔" فوزی نے کہا اور درحقیقت اس نے ایک بہت شاندار ہوٹل کے سامنے
کار روکی۔ جمی صاحب نیچے اترے۔ چہرہ اتر رہا تھا۔ حلیہ خراب ہوگیا تھا۔ کسی بڑے ہوٹل میں داخلے کا یہ پہلا موقع تھا۔ بھٹکتے
قدموں سے فوزی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ فوزی ایک شاندار ہوٹل میں داخل ہوئی تھی۔ چنانچہ راہداری سے گزرتی ہوئی وہ
ایک سنسان سے گوشے میں جا بیٹھی جہاں انتہائی قیمتی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جمی بری طرح بدحواس نظر آرہا تھا۔ فوزی
نے ویٹر کو بلا کر چائے لانے کے لیے کہا اور جمی چور نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔
"بڑی خوبصورت جگہ ہے۔"
"آپ اس سے پہلے کبھی......؟"
"کبھی نہیں۔ فوزی صاحب کبھی نہیں۔" جمی نے کہا
"ٹھیک ہے کوئی بات نہیں ہے۔ ارے ہاں وہ آپ کی ایک امانت میرے پاس رکھی ہوئی ہے۔ کئی دن سے پرس میں
رکھی ہوئی تھی۔ ساتھ ساتھ لیئے پھرتی تھی کہ آپ کہیں نظر آجائیں تو آپ کو پیش کردوں۔"
"کک۔ کیا امانت؟" جمی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور فوزی نے پرس سے پرفیوم کی انتہائی خوبصورت شیشی
نکال کر جمی کے حوالے کردی۔ جمی نے پیکٹ کھول کر اندر سے شیشی نکالی اور اسے دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔
"بہت خوبصورت ہے۔"
"آپ ذرا اسے لگا کر دیکھیئے۔ کتنی بہترین خوشبو ہے اس کی۔"
"ہاں وہ۔" اور جمی پرفیوم کا اوپری حصہ کھینچنے لگا تو فوزی نے جلدی سے ہاتھ روک دیا۔
"ایسے نہیں یہ اسپرے ہوتی ہے۔"

"کک۔ کیا مطلب۔ اسپرے پینٹنگ۔" جمی نے حیرت سے کہا۔

"نہیں اس سے پینٹنگ نہیں ہوتی پرفیومنگ ہوتی ہے سمجھ رہے ہیں آپ۔"

"تو کیوں نہیں سمجھیں گے۔"

"دیکھیئے ایسے۔" فوزی نے پرفیوم کی پھواریں جمی کے بدن پر مارتے ہوئے کہا اور جمی مست ہو گیا۔ اس نے ناواقفیہ اظہار نہیں کیا تھا کہنے لگا۔

"بڑا قیمتی تحفہ دیا ہے آپ نے مجھے اس کے جواب میں، میں آپ کو کیا دوں گا؟"

"آپ تو مجھے بہت کچھ دے چکے ہیں اس دن سنا ہے آپ نے میرے لیے جھگڑا کر ڈالا۔"

"ہاں بس قدرت اللہ کو سمجھانے کی بات کی تھی۔ نہیں سمجھا تو دو چار ہاتھ جھاڑ دیے ہم نے اب کیا کرتے اس کے اور کیا، کیا جا سکتا تھا۔"

"میں آپ کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ چائے آگئی۔ فوزی نے چائے بنا کر ایک پیالی جمی کے سامنے رکھی دوسری کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ اس نے سر جھکا لیا تھا اور جمی چائے پیتے ہوئے اپنے آپ کو نجانے کیا سمجھ رہا تھا کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ لیکن ذرا احساس کمتری کا شکار تھا۔ ساری اکڑفوں ہوا ہو گئی تھی۔ فوزی نے کچھ دیر بعد کہا۔

"ایک بات کہوں آپ سے؟"

"سو باتیں کہیں۔ آپ کو پوری اجازت ہے۔" جمی نے اکڑ کر کہا۔

"مان لیں گے؟"

"کیوں نہیں۔"

"میرے سر پر ہاتھ رکھیئے۔" فوزی نے سر جھکا کر کہا اور جمی نے بڑے خلوص سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ فوزی جمی کے ہاتھ پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیے تھے۔ اس نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ جانتے ہیں سر پر ہاتھ کون رکھتا ہے؟" فوزی نگاہیں اٹھا کر بولی اور جمی پریشانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر آہ سے بولا۔

"پپ۔ پتہ نہیں۔ میں نہیں جانتا۔"

"بزرگ۔ باپ۔ بھائی۔ بڑے بھائی۔" جمی نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں فوزی کا چہرہ دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"ہم سمجھے نہیں فوزی صاحب۔"

"جمی بھائی! بہنوں کے سر پر بھائیوں کا ہاتھ ہوتا ہے یا بیٹی کے سر پر باپ کا ہاتھ اور جو بیٹی کسی باپ کی شفقت محروم ہو یا جو بہن اپنے بھائی کی محبت سے محروم ہو وہ بہت بد نصیب ہوتی ہے۔ میرے ابو ہیں۔ لیکن میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ اکیلی ہوں اور یہ اکیلا پن بہت برا لگتا ہے۔ آپ نے صرف میری بات سے متاثر ہو کر قدرت اللہ سے جھگڑا مول لیا۔ تحفظ کیا یہ ایک بھائی کا کام ہوتا ہے۔ جمی بھائی میں دل میں آپ کو بڑا بھائی سمجھنے لگی ہوں۔ کیا میرے سر پر رکھے ہوئے ہاتھ کی لاج رکھیں گے۔"

جمی کے پورے وجود میں زلزلہ آگیا تھا نجانے اس نے کیا کیا محل تعمیر کیے تھے۔ یہ سارے محل گر پڑے تھے۔ فوزی نے اسے انتہائی کمزور ہوتے ہوئے اسے پوری قوت سے اُلٹ دیا تھا۔ دیر تک پریشان نگاہوں سے فوزی کو دیکھتا رہا۔ دوسرے خیا

آیا جن میں نجانے کیا کیا اڑا چکا تھا۔ اور اب...... اب کیا کرنا چاہیے؟ کیا کرنا چاہیے۔ ایک بار پھر اس کی نگاہیں فوزی کے چہرے پر پڑیں۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر جھلک رہا تھا۔ پھر جمی کو اس سر کے لمس کا خیال آیا جس پر اس نے ابھی ہاتھ رکھا تھا نرم نرم ریشم جیسے بال گڑیا جیسا چہرہ فطری اچھائی ابھر آئی اور اس نے اپنے دل کے دروازوں کا رخ تبدیل کر دیا۔ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے فوزی۔ ٹھیک ہے۔ تم نے مجھے بڑا بھائی کہا ہے تو آج سے میں بھی تمہیں چھوٹی بہن کہتا ہوں اور اب اٹھ جاؤ یہاں سے فوراً اٹھ جاؤ۔ چھوڑ دو یہ چائے، پیسے دے دو اس کے بلکہ میں دیتا ہوں۔" جمی نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"ا، ارے نہیں۔ کیوں کیوں سنیئے تو سہی جمی بھائی سنیئے تو سہی۔"

"دیکھو میں غریب آدمی ہوں بہت زیادہ پیسے نہیں ہوتے میرے پاس مگر چائے کے پیسے میں دوں گا بڑے بھائیوں کی موجودگی میں چھوٹی بہنیں خرچہ نہیں کرتیں۔"

"مگر چائے تو پی لیں پوری۔"

"نہیں بڑے بھائیوں کے ساتھ چھوٹی بہنیں ایسے ہوٹلوں میں چائے نہیں پیتی ہیں چلو اٹھو، فوراً اٹھو۔" فوزی

مسکراتی ہوئی اٹھ گئی تھی جب ہوٹل سے باہر آئے تو جمی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں جارہی تھیں؟"

"بس اپنی ایک سہیلی کے پاس جارہی تھی۔ مگر کوئی بات نہیں اب گھر واپس چلتے ہیں۔"

"نہیں تم جاؤ۔"

"ارے نہیں جمی بھائی گھر چلیں گے دونوں۔"

"سنو فوزی میری بات سنو۔ دنیا بہت بری ہے۔ میں تمہارے ساتھ گلی میں داخل ہوؤں گا تو لوگوں کی نگاہیں اٹھیں گی نجانے کس کی زبان سے کیا بات نکل جائے۔ قتل ہوجائے گا میرے ہاتھوں سے، ہم لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب بہن کہہ دو تو بہن کی عزت اپنی آبرو بن جاتی ہے۔ جاؤ اور خبردار اکیلی گاڑی مت چلایا کرو۔ اپنے ابو کو ساتھ رکھا کرو۔ ماحول اچھا نہیں ہے۔" فوزی حیران نگاہوں سے جمی کو دیکھنے لگی۔ جمی نے پرفیوم اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہم جیسوں کے لئے نہیں ہوتا۔ رکھو اسے۔"

"ارے نہیں جمی بھائی یہ میں آپ کو دے چکی ہوں۔ اگر یہ آپ نے واپس کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"خیر ٹھیک ہے اس کے بدلے میں ہم تمہیں کچھ اور دے دیں گے بس اب جاؤ۔ جاؤ۔"

فوزی حیران سی آگے بڑھ گئی اور جمی سڑک پر کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"دھت تیرے کی۔ مگر کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ برائی تو ہمیشہ ہی کرتے رہے ہیں ایک نیکی بھی کرنی چاہئیے۔" یہ کہہ کر وہ واپس مڑ گیا۔

❁

شکیل کو تمام صورتحال معلوم ہوچکی تھی۔ ہنسی بھی آرہی تھی۔ تھوڑا سا افسوس بھی تھا۔ بچپن سے ساتھ پلے بڑھے تھے، شہباز کے بارے میں شکیل اچھی طرح جانتا تھا۔ اتنا برا آدمی نہیں تھا اور ابتدا میں تو اچھا خاصہ شارپ نوجوان تھا لیکن بعد میں جمیل احمد صاحب کی کارروائی نے اسے بدل کر دیا تھا۔ لیکن اس کی بددلی نے جو روپ دھارا تھا وہ یقینی طور پر حیرتناک تھا۔ یہ حرکت جو اس نے کی تھی کافی حد تک بے ضرر تھی۔ لیکن بہرطور ایک اخلاقی جرم تھا اور اگر بات کسی شکل میں آگے بڑھ جائے تو قابل گرفت تھی اور شہباز کچھ قانونی پریشانیوں کا شکار ہوسکتا تھا۔

فرزانہ اور فریدہ بیگم اس سلسلے میں جس قدر پریشان تھیں ان کے تحت تفصیل معلوم ہونے کے بعد شکیل کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ بے پرواہی برتے۔ چنانچہ اسی شام مغرب کے بعد واپس آکر اس نے تھوڑی دیر گھر میں گزاری اور پھر جمیل احمد صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ ہوسکتا ہے شہباز اور جمیل احمد صاحب اس وقت موجود ہوں لیکن یہ بھی خوش بختی تھی کہ دونوں میں سے کوئی نہیں تھا۔ شہباز اس وقت چھت پر بھی نہیں تھا۔ فرزانہ ہی نے دروازہ کھولا تھا اور شکیل کو دیکھ کر اس کے چہرے پر وہ رونق آگئی تھی جو ہمیشہ ہی آجایا کرتی تھی۔

"زہے نصیب۔ یہ نعمت بار بار ہمیں کیسے حاصل ہورہی ہے؟"

"معاف کیجئے گا آج میں خالی ہاتھ ہوں۔" شکیل نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"آپ نے نعمت مٹھائی کو سمجھا ہے۔"

"تو پھر۔"

"آئیے، اندر آجائیے۔ بڑے معصوم ہوگئے ہیں آپ آج کل۔" فرزانہ نے کہا۔ اندر سے فریدہ بیگم کی آواز آئی۔

"کون ہے فرزانہ؟"

"شکیل ہیں امی۔"

"لو ہو شکیل آؤ۔ آؤ۔ بیٹے آؤ۔"

اندر داخل ہوکر شکیل نے جمیل احمد، شہباز کے بارے میں پوچھا۔ تو فریدہ بیگم نے بتایا کہ دونوں میں سے کوئی نہیں ہے۔ فرزانہ نے شکیل کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور یقینی طور پر آپ کی اتنی جلدی آمد اس بات کا اظہار ہے کہ آپ نے وہ ذمہ داری پوری کرلی ہے جو امی نے آپ کے سپرد کی تھی۔"

"خیر آنے جانے کا تو ایسا معاملہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے فرصت ملتی ہے تو میں آتا ہی ہوں۔ لیکن مجھے اندازہ تھا کہ امی پریشان ہیں۔ میرا مطلب ہے چچی جان۔ چنانچہ یہ کام مجھے کرنا ہی تھا۔"

"بیٹھو بیٹے، بیٹھو۔ کیا ہوا معلوم کرلیا تم نے اکاؤنٹ نمبر سے۔"

"ہاں چچی جان معلوم ہوگیا ہے۔" شکیل نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا پتہ چلا؟" فریدہ بیگم تشویش بھرے لہجے میں بولیں۔ شکیل ایک لمحے گردن جھکا کر کچھ سوچتا رہا فرزانہ اس کے چہرے سے اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کررہی تھی۔ شکیل نے گردن اٹھا کر کہا۔

"کوئی ایسا کام نہیں ہے چچی جان جو قانون کی گرفت میں آتا ہو لیکن آ بھی سکتا ہے۔ غلط بیانی اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اسے اخلاقی جرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کیونکہ۔"

"تم بتاؤ تو سہی کیا کیا ہے اس نے؟" فریدہ بیگم نے کہا۔

"اخبار میں اشتہار دیتے ہیں کہ کینسر کے ایک مریض کو مالی امداد کی ضرورت ہے۔ اکاؤنٹ کھول دیا ہے۔ مخیر حضرات اس میں اپنے عطیات جمع کرائیں۔ لوگ اب ایسے اشتہاروں پر فوراً ہی جذباتی نہیں ہوجاتے۔ غور کرتے ہیں اس کے بعد عمل کرتے ہیں۔ لیکن بعض ایسا نہیں کرتے۔ بہرحال شہباز کے اکاؤنٹ میں تقریباً آٹھ ہزار روپے جمع ہوئے ہیں اور وہ انہیں سے کام چلا رہے ہیں۔ یہ بات عام نہیں ہوتی لیکن کچھ تعلقات کی بنیاد پر مجھے یہ علم ہوگیا ہے۔"

فرزانہ کا سر شرم سے جھک گیا تھا۔ فریدہ بیگم منہ پھاڑے حیران نگاہوں سے شکیل کو دیکھ رہی تھیں کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔

"تو وہ اپنے آپ کو کینسر کا مریض بتاتا ہے۔"

"جی چچی جان اور اسی کی بنیاد پر عطیات مانگتے ہیں اب آپ دیکھیے نا۔ خیر یہ بات دہرانا تو تقریباً بے مقصد ہی ہے کہ ہمارے اس ملک میں بے پناہ غربت ہے اور سچی بات یہ ہے کہ یہ غربت سب سے بڑا کینسر ہے۔ لاتعداد افراد ایسے ہیں جنہیں واقعی انتہائی مجبور حالات کا سامنا کرنا پڑرہا ہے اور انہیں ایسے عطیات کی ضرورت ہے لیکن اگر ایسے اشتہارات کا اصل معلوم ہوجائے تو لوگ ان پر بھی رحم کھانا چھوڑ دیں گے۔ ورنہ بعض دل والے بے لوث امداد کردیا کرتے ہیں ضرورت مندوں کی۔ بس چچی جان دکھ کا یہی ایک پہلو ہے۔ وہ اخلاقی جرم کررہا ہے۔ باقی اور کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"کیا کروں میری سمجھ میں نہیں آتا، کیا کروں؟"

"میری رائے ہے چچی جان پریشان ہونا چھوڑ دیجیئے وقت اسے خود راہ راست پر لے آئے گا۔"

"پتہ نہیں وقت اسے راہ راست پر لے آئے گا یا کہیں اور لے جائے گا اکلوتا ہے شکیل۔ یہ دو ہی بچے ہیں میری زندگی بھر کی کمائی۔ ایک لٹ چکی ہے ایک لٹ رہی ہے۔" فریدہ بیگم کا اشارہ فرزانہ کی جانب تھا۔ فرزانہ نے کہا۔

"اس قدر جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے امی۔ شکیل صاحب ہمارے کوئی ایسے رشتے دار نہیں ہیں جسے خون کا رشتہ کہا

جاسکے۔ یہاں ہمارا بچپن کا ساتھ ہے۔ ہم اگر ان پر کوئی ذمہ داری ڈالتے ہیں تو یہ ہمارا حق ہے اور شکیل صاحب خدا کے لئے آ[illegible] شہباز بھائی کو سمجھائیں۔ بھیا بالکل ہی بھٹک گئے ہیں۔ آج انہوں نے ایک جھوٹ سے کام لے کر یہ تھوڑی سی رقم حاصل کر[illegible] ہے ان کے لئے بہت ہے۔ حوصلہ بڑھے گا تو اور نئے نئے طریقے سوچیں گے اور اس کے بعد یہ بات کہاں تک جاسکتی ہے [illegible] خیال ہے مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔"

شکیل نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سوچ میں گم تھا کہنے لگا۔

"فرزانہ سچ جانو اب سے کچھ عرصے پہلے، بہت مختصر وقت پہلے کی بات ہے میں جس انداز میں سڑکوں پر بھٹک رہا تھا بعض اوقات میرے ذہن میں بھی بغاوت پیدا کردیتا تھا اور میں سوچنے لگتا تھا کہ بے شمار افراد ایسے ہیں جنہیں زندگی کا آ[illegible] کرنے میں کوئی بڑی مشکل پیش نہیں آتی اس کا مقصد ہے کہ یا تو میں بالکل ناکارہ ہوں اور قطعی بیوقوف ہوں۔ یا پھر اس [illegible] میں رہنے کے قابل نہیں ہوں میں آسمانی باتیں کرتا ہوں۔ آسمانوں کی کہانیاں میں نے اپنے سینے میں بسالی ہیں کیو[illegible] حقیقت کی دنیا میں واپس آجاؤں اور حقیقت کی دنیا ذرا مختلف ہے فرزانہ۔ تم لڑکی ہو میں کہتا ہوں بہت سے مسائل سے ناآش[illegible] ٹھیک ہے اس وقت تم ایک لڑکی کا کردار نہیں ادا کررہی ہو بلکہ اس خاندان کی سرپرست بنی ہوئی ہو لیکن اس کے با[illegible] تمہارے راستے اتنے مشکل نہیں ہیں۔ تمہاری اڑان محدود ہے۔ تمہارے ذہن میں بے شک اپنے مستقبل کا ایک تصور ہوگا [illegible] اس تصور میں بھی پاکیزگی ہوگی۔ یہ مسائل نہیں ہوں گے جو ہم سڑکوں پر بھٹکنے والوں کو پیش آتے ہیں بہرحال خدا کا اح[illegible] ہے کہ اس نے خود میرے اندر کی بغاوت کو اپنے کرم اور اپنے فضل سے ختم کرادیا مجھے ایک ایسی جگہ مل گئی جہاں میں کم [illegible] ابھی تک بالکل مطمئن ہوں لیکن شہباز کے سینے میں یہ تصورات جاگ اٹھیں تو میں انہیں غیر حقیقی نہیں سمجھتا۔ بہ[illegible] بات شاید بہت لمبی ہوگئی۔ مجھے افسوس ہے اگر چچی جان یہ کہنا چاہتی ہیں کہ میں شہباز کو سمجھاؤں تو آپ یقین کریں چچی میں انتہائی کوشش کروں گا۔ شہباز برا انسان نہیں ہے۔ بس اس کا دل زخمی ہوگیا ہے۔ اندر کسک ہے اس کے۔ یہ اندر کی [illegible] ختم ہوجائے تو وہ پھر پہلے جیسا شہباز بن سکتا ہے۔"

"میرا ذکر اور ان کی محفل میں خوب خوب، شکیل بھائی آئے ہیں۔ بھئی شکیل، ہماری طرف سے بھی مبارکباد [illegible] کریں۔ سنا ہے آپ کو نوکری مل گئی۔"

"خوب" شکیل نے شہباز سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور شہباز مسکرا کر بولا۔

"یقین کریں شکیل بھائی یہ ہاتھ وغیرہ ملانے کا سلسلہ جو ہے ناہمارے تو ذہن سے ہی نکل چکا ہے۔ لوگ ہمارا ہاتھ [illegible] میں شان محسوس کرتے ہیں۔ بس آپ ہی جیسے لوگ ہیں جو آج بھی شہباز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے محبت سے دبا[illegible] نہیں سمجھتے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو شہباز اور وہ کون احمق ہیں جو تم سے ہاتھ ملانا برا سمجھتے ہیں۔ میں تو انہیں کوئی اچھا انسان سمجھ سکتا۔ سناؤ تمہارے کبوتر کیسے ہیں؟"

"واہ کیا موقع کی بات کہی ہے۔ سمجھ گیا شکیل بھائی سمجھ گیا۔" شہباز نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ فرزانہ اور فریدہ بیگم اسے گھ[illegible] تھیں۔

"کیا سمجھ گئے بھئی۔"

"زمانہ سازی آگئی تمہیں بھی شکیل بھائی اور سچی بات یہ ہے کہ انسان زمانے سے دور رہے تو پھر انسانیت ہی ہوجاتا ہے۔ پتہ نہیں کیا بن جاتا ہے۔"

"بڑا فلسفہ بیان کرنے لگے ہو۔"

"نہیں شکیل بھائی، کسی بھی سچائی کو فلسفہ کہہ دینا مناسب نہیں ہے۔ اب آپ خود دیکھئیے کبوتروں سے آپ کا کبھی دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ آپ تو کھری کھری یہ بات کہتے کہ لعنت ہے تجھ پر شہباز یہ دن بھر کیا سیٹیاں بجاتا رہتا ہے چھت پر، اور خواہ مخواہ تو نے یہ کبوتر کیوں پال رکھے ہیں تو وہ بات سچی ہوتی شکیل بھائی اور دل سے کہتے تم۔ اگر تم میرے کبوتروں کی خیریت پوچھ رہے ہو تو اس کا مقصد ہے کہ مفاہمت اور دوستی کی فضا قائم رکھنا چاہتے ہو۔ بہرحال سر آنکھوں پر کوئی کسی بھی راستے سے ہم سے دوستی کا اظہار کرے ہمارے بازو کشادہ ہیں اس کے لئے۔"

"اور آپ لوگ کہتی ہیں کہ یہ بھٹک گیا ہے۔" شکیل نے فرزانہ اور فریدہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ شہباز نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"ہاں ان لوگوں کا کہنا برحق ہے۔ میں واقعی بھٹک گیا ہوں شکیل بھائی۔ پہلے میں ان کا تھا اب کبوتروں کا ہوں۔ بھٹک کر چھت پر پہنچ گیا ہوں۔"

"شہباز تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔ اس وقت اگر سنجیدگی سے سن لو تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"دو تھپڑ لگائیے اسی طرح جیسے بچپن میں آپ میری پٹائی کیا کرتے تھے۔ بڑا مزہ آئے گا شکیل بھائی بڑا جی چاہتا ہے پٹنے کو۔ قسم خدا کی دل چاہتا ہے کہ کوئی کمرے میں بند کرکے اتنا مارے، اتنا مارے کہ بدن پر زخم پڑجائیں پھر میں لیٹ جاؤں، کراہوں اور کچھ دیر کے بعد امی پلیٹ میں ہلدی چونا لے کر آئیں میرے ان زخموں پر رکھیں، پنکھا جھلیں، کیا بتاؤں شکیل بھائی زندگی کی ایک ایسی آرزو ہے یہ کہ بتا نہیں سکتا آپ کو۔ صحیح ترجمانی نہیں کرسکتا اپنی اس کیفیت کی۔"

شکیل پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہباز کو دیکھ رہا تھا۔ شہباز نے ران پر ہاتھ مارا اور بولا۔

"چھوڑیئے اب سچ مچ میں فلسفہ بولنے لگا۔ یا ہوسکتا ہے یہ فلسفہ نہ ہو۔ اس صنف کو کوئی اور نام دیا جاتا ہو۔"

"میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں شہباز۔"

"تو کیجیئے نہ بھئی میں کب منع کررہا ہوں۔ ویسے وہ میرے پیارے ابا جان کہاں ہیں؟ کہیں پیچھے سے کچھ کھینچ نہ ماریں۔"

"وہ گھر پر نہیں ہیں۔" شکیل نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"تو پھر جو دل چاہے کہیں۔ آزادی ہے ہماری طرف سے ویسے یہ محترمہ فرزانہ چائے نہیں پلائیں گی آج۔ چینی پتی ہے؟" شہباز نے پوچھا۔

"ہاں فرزانہ چائے بنالو بیٹے۔" فریدہ بیگم نے چونک کر کہا اور فرزانہ اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

"یہ لوگ پریشان تھیں۔ کیونکہ پچھلے کچھ دنوں سے تمہارے پاس کچھ پیسے دیکھے جارہے ہیں۔ خوب اخراجات کررہے ہو۔ یہ لوگ پریشان تھیں کہ کہیں تم کسی جرم کی راہ پر تو نہیں نکل گئے۔ شہباز ظاہر ہے انہیں پریشان ہونا چاہئیے تھا۔"

"پھر؟" شہباز نے سنجیدگی سے پوچھا۔ فرزانہ چائے کا پانی چڑھا کر واپس آگئی تھی۔

"انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ میں نے معلومات حاصل کیں۔"

"کیا پتہ، چلا؟" شہباز نے پوچھا۔

"کینسر کے مریض کا وہ اشتہار اکاؤنٹ نمبر۔ ساری باتیں پتہ چل گئیں سمجھے۔"

"گڈ..... ویری گڈ..... یار شکیل بھائی نوکری کہاں ملی ہے؟" شہباز نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کیا مطلب.....؟"

"کہیں پولیس ڈیپارٹمنٹ میں تو جگہ نہیں مل گئی میرا مطلب ہے محکمہ جاسوسی واسوسی۔"

"سنجیدگی اختیار کرو۔" شکیل نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور شہباز ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔
"جی شکیل بھائی۔"
"یہ سب کچھ بظاہر قانونی جرم نہیں ہے۔ بلکہ ایک اخلاقی جرم ہے اور اسے مزید آگے بڑھایا جائے تو یقینی طور پر یہ قانونی جرم کی شکل اختیار کر جائے گا۔ گویا ان لوگوں کی تشویش درست تھی۔ تم نے مجرمانہ انداز میں دولت بٹورنے کا طریقہ کار اختیار کیا ہے۔"
"نہیں، ہرگز نہیں۔"
"کیوں؟" شکیل نے شہباز کو گھورتے ہوئے کہا اور شہباز شکیل کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے عجیب سے کرب بھرے انداز میں کہا۔
"میں نے غلط نہیں کیا۔ شکیل بھائی میں نے غلط نہیں چھاپا وہ اشتہار۔ میں نے سچ کہا ہے میں کینسر کا مریض ہوں۔ سمجھ رہے ہیں آپ۔ کینسر میری روح میں ہے۔ میں حرام خور بن چکا ہوں۔ میں۔ میں ریاکار اور فریب کار بن چکا ہوں۔ یہ بھی ایک کینسر ہے میں سر سے پاؤں تک کینسر کا مریض ہوں۔ میرے اندر یہ کینسر پلتا جارہا ہے شکیل بھائی اور میں مرنا نہیں چاہتا۔ میری اپنی ضرورتیں ہیں کہاں سے پوری ہوں گی وہ کہاں سے پوری ہوں گی بات اگر جرم کی ہے تو آپ ابا جان کے اس جرم کو جرم کیوں نہیں قرار دیتے جس نے ایک گھرانے سے اس کی زندگی چھین لی ہے اور اب وہاں آہوں اور آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سب سے پہلے اس جرم کو جرم قرار دیجیئے شکیل بھائی۔"
"وہ وقت گزر چکا ہے شہباز۔ لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ؟"
"وہ وقت گزر رہا ہے۔ ابھی گزر رہا ہے ہم سب پر سے گزر رہا ہے اور ہم سب اس کے ساتھ گزر رہے ہیں۔ بہہ رہے ہیں شکیل بھائی اس منحوس سیلاب کے تیز دھارے پر بہہ رہے ہیں ہم، جو ہمارے ابا جان اس گھر میں لائے تھے اور نجانے کب تک بہتے رہیں گے۔ ہوسکتا ہے اسی دھارے پر بہتے بہتے ہماری زندگی کا یہ سفر ختم ہوجائے۔"
"نہیں شہباز، اس انداز میں کیوں سوچتے ہو؟"
"مجبوری ہے شکیل بھائی، مجبوری ہے آپ جن مسائل کو سمجھتے ہیں ان کا تعلق آپ کے اپنے گھر سے ہے اس گھر کی کہانیاں گھر کے رہنے والے ہی جانتے ہیں۔ آپ مجھے پستیوں کا مسافر کہتے ہیں اخلاقی طور پر میں پست ہوگیا ہوں مانتا ہوں لیکن میں تو ابھی ان پستیوں کی سطح پر سفر کر رہا ہوں۔ گہرائیاں تو میں نے ابھی دیکھی ہی نہیں، میں، ذرا گہرائیوں تک پہنچ لوں۔ نیچے قدم جما کر یہ سوچوں گا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ ذرا مزہ تو چکھ لوں ان تمام راستوں کا۔ جن سے ہم گزر رہے ہیں۔ میں گزر رہا ہوں۔ چھوڑو شکیل بھائی کس چکر میں پڑ گئے۔ آؤ میرے ساتھ بلندیوں پر چلتے ہو۔"
"بلندیوں پر؟" شکیل نے نہ سمجھ کر پوچھا۔
"میں۔ میرا مطلب ہے چھت پر۔ تمہیں اپنے نئے کبوتر دکھاؤں۔"
"چھت پر جانے کے لئے سیڑھی تک تو رکھی نہیں ہے تم نے۔ کھڑکی پر سے میں نہیں چڑھ سکتا بھئی۔" شکیل نے کہا اور ہنسنے لگا۔ لیکن شہباز کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں تھی اس کی آنکھیں ایک دم چمکنے لگی تھیں اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔
"ابا جان چھت پر چڑھ جائیں گے۔ شکیل بھائی اگر میں نے سیڑھی لگائی تو اوپر پہنچ کر جانتے ہیں وہ کیا کریں گے؟" شکیل نے عجیب سے لہجے میں کہا "وہ ڈربوں کو آگ لگادیں گے۔ زندہ جلادیں گے میرے کبوتروں کو ان معصوم جانوروں کو۔ جن کی معصومیت کی قسم کھائی جاتی ہے۔ گردن مروڑدی تھی انہوں نے میرے سامنے ایسی بے بسی کی موت مار ڈالا تھا، یہ سب گواہ ہیں اس بات کے اور، اور، تم کہتے ہو کہ انہیں اپنے جرم کا احساس ہے۔ شکیل بھائی مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ ابھی تو میں پستیوں

کی سطح پر چل رہا ہوں گہرائیوں میں پہنچوں گا تو سوچوں گا کیا کرنا چاہیئے مجھے۔"
"ارے ارے اٹھے کہاں۔ چائے پی لو۔"
"نہیں شکیل بھائی، تشویش ہوگئی ہے۔ ذرا دیکھ لوں اپنے ان مونسوں کو اپنے پیاروں کو نجانے کس حال میں ہیں وہ۔ ان میں سے ایک کی گردن مروڑدی تھی ابا جان نے۔ گردن مروڑدی تھی۔" شہباز اپنی جگہ سے اٹھا۔ صحن کی کھڑکی سے اوپر چڑھا اور پھر چھت پر پہنچ گیا۔ شکیل ٹھنڈی سانس لے کر فرزانہ کو دیکھنے لگا تھا جس کی آنکھوں میں آنسو ٹپکنے کو تیار تھے۔ پھر اس نے دوپٹہ چہرے پر رکھا اور سسکنے لگی۔

❖

"طاہر کو نوکری مل گئی۔ درحقیقت یہ بڑا عجیب واقعہ تھا جس پر شعور نے طاہر کا مذاق اڑایا اور طاہر نے ان لوگوں کا جنہوں نے دھوکے میں اسے نوکری دے دی تھی۔ پروانہ صاحب بھی بے حد خوش تھے اور شمع بیگم نے دونوں کو ہزاروں دعائیں دے ڈالی تھیں۔ بڑا پر لطف قصہ تھا یہ اور طاہر مزے لے لے کر شعور کو ستا رہا تھا۔
"انہیں ایک دن اپنی بے شعوری کا احساس ہوگا اور اسی دن وہ مجھے میری تنخواہ دے کر دفتر سے نکال دیں گے۔"
"میاں نجانے کیوں تم اس احساس کمتری کا شکار ہو۔ ماشاللہ تمہاری شخصیت ہے۔ ایک حیثیت ہے تمہاری ملازمت دینے والے قطعی بے شعور نہیں ہوں گے۔"
مہینے کی تاریخ آگئی تھی۔ شعور نے کرائے کی رقم لفافے میں رکھ کر پروانہ صاحب کو پیش کی تو انہوں نے چونک کر شعور کو دیکھا۔
"کوئی خط آیا ہے ہمارا۔ ہوسکتا ہے کسی مشاعرے میں طلبی کا دعوت نامہ ہو۔"
"جی نہیں پروانہ صاحب۔ وہ آج پہلی تاریخ ہے۔"
"ہاں ہاں ہے۔"
"وہ کیا عرض کروں۔ بس یہ کرایہ۔"
پروانہ صاحب کو جیسے کرنٹ سا لگا۔ شمع بیگم کی طرف دیکھا۔ شمع بیگم نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ پروانہ صاحب کے چہرے پر سنجیدگی ابھر آئی تھی۔ چند لمحات پیشانی مسلتے رہے پھر بولے۔
"بیٹے کرایہ دو گے؟"
"جی۔" شعور نے چونک کر انہیں دیکھا۔ پروانہ صاحب کے چہرے پر افسردگی نظر آرہی تھی۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔
"کرایہ دو گے؟"
"ج۔ جی۔ کیوں۔ کیوں نہیں۔"
"ہوں۔ اچھا۔ ٹھیک ہے۔ بس ذرا دکھ ہورہا ہے۔"
"کیوں پروانہ صاحب آخر کیوں؟"
"احمق ہیں میاں اور کوئی بات نہیں ہے۔ بھئی شمع بیگم ہر مسئلے میں ہماری مدد کرتی ہو اس میں تنہا چھوڑ دو گی ہمیں۔"
"میں کیا کہوں۔"
"یہ بچے اپنے اپنے سے نہیں لگتے۔ کیا ان چند دنوں میں یہ احساس نہیں ہونے لگا ہے ہمیں کہ ہم تنہا نہیں ہیں۔ یہ ہمارے اپنے ہیں ٹھیک ہے خدا نے ہمیں اولاد سے محروم رکھا ہے۔ مگر کبھی کبھی انسان اس طرح بھٹک جاتا ہے کہ ساری تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ بھئی شعور میاں خواہ مخواہ فلسفہ نہیں بگھار رہے ہم یہ خیال دل سے نکل گیا تھا کہ ہمارے تمہارے درمیان مالک

مکان اور کرائے دار کا رشتہ ہے۔ بھئی اتنی محبت کیوں دی تم نے ہمیں کہ ہم غلط فہمیوں کا شکار ہوگئے۔"

طاہر نے مسکرا کر شعور کو آنکھ ماری۔ مگر شعور پھٹی پھٹی نظروں سے پروانہ صاحب کو دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

"تو کیا آپ کرایہ نہیں لینا چاہتے چچا جان؟"

"میاں دل سے یہ خیال نکل گیا تھا بھول گئے تھے اب کیوں یاد دلا رہے ہو یہ بات۔ نہ دو بھئی۔ کرایہ دار مت بنو۔ اپنے بن جاؤ تو زیادہ اچھا ہے۔"

"پروانہ صاحب! ہماری وجہ سے آپ جس قدر زیر بار ہو رہے ہیں میں تو اسی سے شرم سے گردن نہیں اٹھا سکتا۔ اکثر طاہر کو ڈانٹتا رہتا ہوں۔ بے دھڑک آتا ہے اور چچی جان سے فرمائش کر کے چلا جاتا ہے۔ پھر آپ کو بھی پریشان ہونا پڑتا ہے اور چچی جان کو بھی۔"

"کچھ کہنا چاہتے ہیں آج تم سے شعور میاں۔ دو میاں بیوی تھے ہمیشہ ہی اولاد کی خواہش رہی۔ اللہ کا حکم نہیں تھا۔ نہیں دی اس نے بہت سوں سے شناسائی ہوئی۔ بہت سوں سے چاہتوں کا اظہار کیا۔ دوستوں نے مشورے دیئے کہ کہیں سے کوئی بچہ لے کر پال لو۔ دل نہیں چاہا۔ نہیں کیا ایسا گزر گئی ہم لوگ ایک دوسرے کو اپنا سب کچھ سمجھنے لگے۔ زندگی کا کوئی بڑا ہنگامہ نہیں تھا۔ جو پکا کھا لیا۔ مشاعرے اٹینڈ کر لئے بس شمع بیگم کے ساتھ ہنس بول لئے۔ کوئی ہوتا اگر ہمارا شمع بیگم اس کے لئے اہتمام کرتیں جب سے تم دونوں آئے ہو نا بخدا بھوک کھل گئی ہے۔ نئی نئی چیزیں کھانے کو جی چاہتا ہے۔ فرمائش تمہاری ہوتی ہے خواہش ہماری اس طرح بن جاتی ہے نہ تمہارے لئے کوئی اہتمام ہوتا ہے نہ کوئی ایسا الجھن کا مسئلہ پیش آتا ہے۔ بیٹے کسی کو کچھ دے دینا بہت بڑی بات ہے۔ تم بھی اگر ہمیں یہ احساس دے دو کہ ہمارے اپنے ہو تو ہمیں خوشی مل جائے گی تھوڑی سی۔ ورنہ تمہاری مرضی۔ دے دو یہ لفافہ۔"

"مگر پروانہ صاحب۔ یہ تو آپ لے ہی لیجیئے۔ میں کیا کہوں اس بارے میں۔ کیا یہ تمام چیزیں زندگی کی ضرورتوں سے تعلق نہیں رکھتیں۔"

"لے لو شمع بیگم۔ ہمارا ہاتھ تو آگے نہ بڑھ پائے گا۔ بڑا دکھ ہوگا ہمیں اپنے اس رشتے کے کھو جانے کا۔"

"نہیں پروانہ صاحب نہیں۔ خدا کے لئے آپ ایسی بات نہ کہیں۔" شمع بیگم کہنے لگیں۔

"تو پھر واپس رکھ لو شعور۔ کبھی ہم کو کوئی ضرورت ہوئی تو مانگ لیں گے تم سے کچھ پیسے کام تو چل ہی رہا ہے اچھا ہے تمہیں اپنا سمجھیں گے تو زندگی کے یہ کچھ دن خوشگوار گزر جائیں گے۔ رکھ لو بیٹے انہیں۔ واقعی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔"

شعور عجیب سی کشمکش کا شکار ہو گیا تھا۔ طاہر نے لفافہ اس کے ہاتھ سے جھپٹتے ہوئے کہا۔

"محبتوں کو ٹھکرانا گناہ ہے شعور اور محبتوں کے سائے میں پلنا عبادت۔ تم اس عبادت سے گریز کر رہے ہو۔"

شعور نے گھور کر طاہر کو دیکھا طاہر نے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ باہر سے مچھلی والے کی آواز سنائی دے رہی تھی طاہر چونک کر کہنے لگا۔

"چچی جان اسی بات پر مچھلی ہو جائے۔"

"ارے ہاں بہت دن سے مچھلی نہیں پکی بھئی۔ ذرا دیکھو کون سی ہے؟" شمع بیگم دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔ مچھلی کی خریداری ہوئی اور شمع بیگم باورچی خانے میں چلی گئیں پروانہ صاحب کو بھی کہیں جانا تھا کہنے لگے۔

"برا تو نہیں مانیں گے ہماری بات کا سوچتے تو ہوں گے کہ بعض اوقات ایک چھوٹی سی غلطی کیسی کیسی الجھنوں کا باعث بن جاتی ہے۔"

شعور کے منہ سے آواز نہیں نکلی۔ پروانہ صاحب نے پھر کہا۔

"ذرا جار ہے ہیں ویسے اس وقت طاہر میاں نے بڑی خوش ذوقی کا ثبوت دیا ہے مچھلی بھی اچھی مل گئی ہے۔ پہلے تو ہمارا خیال تھا کہ جہاں جار ہے ہیں وہیں ذرا دیر تک جم جائیں گے تاکہ وہ حضرت کھانے کے لئے پوچھ لیں کھانے کا وقت ہو جائے تو کھانا کھا کر ہی آئیں۔ لیکن اب یہ گئے اور وہ آئے۔ گھر میں مچھلی پکی ہو تو باہر کی کوئی شے بھلا کیا حیثیت رکھتی ہے اور پھر شمع بیگم تو خود بھی سمندری مخلوق رہ چکی ہیں۔ مچھلی کی پہچان ہے انہیں۔ بڑی اچھی پکاتی رہتی ہیں۔ اچھا تو میاں ذرا چلتے ہیں۔ خدا حافظ۔"

طاہر اور شعور اوپر چلے گئے تھے۔ شعور کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار تھے۔ طاہر نے کہا۔

"حضرت بے شعور آپ کو خدا نے اگر تھوڑا بہت عقل سے نواز دیا ہوتا تو کیا حرج تھا۔ بعض اوقات والدین بھی ایسا مضحکہ خیز نام رکھتے ہیں کہ انسان سر پیٹ کر رہ جائے اب بھلا غور فرمائیے نام ہے شعور اور شعور سے دور دور تک کا واسطہ نہیں ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" شعور نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"بھیا! میری تنخواہ سولہ سو روپے لگی ہے اور ابھی اس کے ملنے میں مہینہ بھر پڑا ہوا ہے۔ یعنی پانچ سو روپے جو ہوئے میری تنخواہ کا تینتیس فیصد ہوئے اور تم ان پانچ سو روپوں کو ایسے ضائع کر رہے ہو دولت اگر آئے تو اسے ٹھکرانا اچھا نہیں ہوتا۔ جاتی ہے تو ایسے چلی جاتی ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

"زندگی میں طاہر شاید مجھے تمہاری کوئی اور بات اتنی بری نہیں لگی جتنی یہ۔" شعور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے باپ رے۔ کک۔ کیا ہو گیا بھائی۔ کیا ہو گیا؟"

"محبت، خلوص اور پیار کو دولت کے ترازو میں تولتے ہو۔" شعور کہنے لگا۔

"کون سی فلم کا ڈائیلاگ ہے یہ اور کس نے ادا کیا تھا؟"

"طاہر! انسان بہت چھوٹی سی بات سے نگاہوں سے گر جاتا ہے۔ مذاق میں بھی کوئی ایسی بات مت کہو کہ مجھے دلی صدمہ پہنچے۔"

"اب بلاوجہ سنجیدہ ہوا جارہا ہے۔ جا بھائی جا دے آ۔ میں نے کوئی منع کیا تھا۔ کمال ہے جیسے یہ لفافہ تو میری جیب میں رہنے ہی دے گا۔ لے پکڑ۔" طاہر نے لفافہ نکال کر شعور کی جانب پھینک دیا۔ شعور کہنے لگا۔

"اب یہ بتاؤ کہ ہم کیا کریں؟"

"لفافہ اٹھائیے اور شمع بیگم کے منہ پر مار آئیے۔ کہیئے کہ ہم کوئی ایسے ویسے ہیں۔ کیا سمجھ رکھا ہے ہمیں۔ پیسے دے سکتے ہیں بھیک نہیں مانگتے۔ فقیر نہیں ہیں۔"

"اس کے علاوہ تم اور کیا مشورہ دے سکتے ہو۔"

"سر پیٹ لوں اپنا یا تمہارا۔ ارے پھر کیا کروں میں۔ مجھے بتاؤ۔ میں نے تو نہیں رکھ لیے پیسے۔ نہیں لے رہے وہ نہیں لے رہے۔ تم دینا چاہتے ہو دے آؤ کہ وہ جو کہتے ہیں نا کہ بندر کی بلا..... یار پتہ نہیں کیا کہتے ہیں طویلہ طویلہ۔ ہیں۔"

شعور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔ وہ سنجیدگی سے سوچ رہا تھا پروانہ صاحب اور شمع بیگم کی محبتوں کا جو اظہار تھا وہ بے شک بہت زیادہ تھا طاہر تو خیر لاابالی فطرت کا مالک تھا لیکن شعور اکثر سوچتا تھا کہ پتہ نہیں دونوں بیچارے کس طرح گزارہ کر رہے ہیں۔ ان پر اتنا بار ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ مگر طاہر ان تمام باتوں سے بے نیاز روزانہ نت نئی فرمائشیں کر دیتا تھا گو یہ فرمائشیں کھانے تک ہی محدود ہوتی تھیں لیکن بہرحال کیا کرتا تھا وہ اور شمع بیگم اسے ایک ایسا فرض بنالیتی تھیں کہ جب تک پورا نہ ہو کھانا ہی نہ ہضم ہو۔ ان تمام محبتوں کا کوئی بدل آج تک انہیں نہیں دیا جاسکا تھا اور بڑی مشکل تھی اگر کچھ کرتا

پروانہ صاحب فوراً ہی کہہ دیتے کہ بدلا اتارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ لیکن یہ سب مناسب نہیں تھا۔

بہرحال وقت گزر گیا کچھ اور دن گزر گئے۔ اب طاہر بھی اپنی ڈیوٹی پر چلا جاتا تھا شام کو پروانہ صاحب کے ساتھ نشست جمتی تھی کھانا اس اہتمام سے تیار کیا جاتا تھا کہ وقت پر ان لوگوں کو مل جائے اور یوں لگتا تھا جیسے درحقیقت وہ دو کماؤ بیٹے ہوں۔ شمع اور پروانہ کے اور دونوں ماں باپ اپنی اولادوں کے لئے بہتر سے بہتر اہتمام کرتے ہوں۔

طاہر کی گھڑی کے سیل ختم ہو گئے۔ نئے سیل ڈلوانے کے لئے قریب ہی گھڑی ساز کی دکان پر پہنچا۔ سیل ڈلوائے تھے ای ساز کی دکان پر رکھی ایک جیبی گھڑی پر نظر پڑی تو طاہر چونک پڑا۔ پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔ جیبی گھڑی پروانہ صاحب کی جیب میں کئی بار دیکھ چکا تھا۔ چونک کر پوچھا۔

"یہ گھڑی مرمت کے لئے آئی ہے؟" گھڑی ساز نے گھڑی کو دیکھا پھر طاہر کو پھر بولا۔

"نہیں خریدی ہے۔ میں نے کیوں خیریت؟"

"اوہو کتنے کی خریدی؟"

"ڈھائی سو روپے کی۔"

"اچھی ہے۔ مجھے ایسی گھڑیاں پسند ہیں۔"

"تین سو روپے کی بیچ دیں گے۔ چاہو تو خرید لو۔"

"مگر چچا! پیسے پہلی تاریخ ہی کو مل سکتے ہیں۔ آپ ایسا کریں یہ پچاس روپے ایڈوانس رکھ لیں۔ تین سو روپے میں یہ گھڑی ہماری ہوئی۔" طاہر کے کہنے پر دکاندار تیار ہو گیا۔ طاہر نے اسے تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ نے یہ ہزار روپے کی بھی بیچ دی تو آپ یہ سمجھ لیجیئے کہ آپ سے ہزار روپے وصول کرلوں گا۔"

"نہیں بھائی اب یہ تمہاری ملکیت ہے۔ تمہاری وجہ سے ہم نے یہ قبول بھی کرلیا۔ ورنہ پرانی گھڑیاں بھی بک جاتی ہیں کوئی شوقین لے جاتا۔"

"اب یہ میری ہوئی۔ ڈھائی سو روپے آپ کو ادا کر کے پہلی تاریخ کو میں اسے خرید لوں گا۔" دکاندار نے اسے اطمینان دلا دیا۔ لیکن طاہر کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات نظر آرہے تھے۔ فطرتاً شوخ تھا۔ شام کو پھر وہی موضوع نکل آیا۔ دونوں اپنے کمرے میں تھے۔ چچی جان کھانا دے کر گئی تھیں طاہر کہنے لگا۔

"یار شعور، بعض اوقات تقدیر کس طرح ساتھ دیتی ہے۔"

"کیوں خیریت، کیا ہوا؟"

"اب ذرا دیکھو یہ مسئلہ کیسے حل کر دیا۔ کوئی بھی گھر لیتے کرائے پر، کرایہ الگ دینا پڑتا بجلی گیس کا بل الگ اور اس کے بعد کھانا پکانے کی مصیبت ہوٹلوں کا کھانا تو خیر معدے کا ستیاناس کر ہی دیتا ہے لیکن اگر گھر میں بھی کھانا پکایا جائے تو ایک الگ برداری کی مصیبت آجاتی۔ میری اس نوکری کے بعد تو بھلا بتاؤ کھانا پکاتے یا نوکری کرتے؟ مجھ سے بھائی ایمانداری کی بات ہے کچھ نہ ہو پاتا۔ تم الگ اپنی نوکری سے تھکے ماندے آتے ہو۔ دو ہی کام کرنے پڑتے۔ یا تو نوکری کرتا یا پھر گھرداری کیا خیال ہے تمہارا۔"

"تمہارا انداز فکر بڑا غلیظ ہے طاہر۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری فطرت میں یہ چیز کیوں شامل ہے۔ چچی جان اور چچا جان اولاد سے محروم ہیں۔ محبتوں کو ترسے ہوئے۔ تنہائیوں کے شکار اپنی حیثیت سے بڑھ کر کر رہے ہیں ہمارے ساتھ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کا ذریعہ آمدنی کیا ہے۔ کہاں سے گزارہ ہوتا ہے۔ پوچھنے کی ہمت بھی نہیں پڑتی۔ میں تو بڑا شرمندہ ہوتا ہوں۔"

طاہر نے ایک عجیب سا قہقہہ لگایا کہنے لگا۔

"اس دنیا میں صرف اپنے بارے میں سوچنے والوں کی گنجائش ہے۔ شعور صاحب جو دوسروں کے لئے سوچنے میں لگ جاتا ہے اپنی زندگی بہتر نہیں گزار سکتا۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو مل جائے اسے غنیمت جانو بلکہ تھوڑے ملے کو بہت جانو۔ زندگی عیش سے گزارو۔ اب دیکھو نا مکان کا کرایہ بچا کھانے پینے کا خرچہ بچا اور رہ کیا جاتا ہے دو ایک جوڑی کپڑے اور بس"

"اگر تم نے یہ بکواس جاری رکھی تو خدا کی قسم میں یہ گھر چھوڑ دوں گا۔" شعور نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کمال ہے یار تم کبھی اپنا گھر نہیں بناسکتے۔ ٹھیک ہے بھائی چپ ہوا جاتا ہوں کچھ نہیں کہتا۔ بس خاموش ہو جاؤ۔"

"میں واقعی پریشان ہوں ان دنوں طاہر۔"

"آخر کیوں؟"

"تم ذرا غور کرو ہم لوگ اس طرح آکر ان پر پڑ گئے ہیں کرایہ بھی نہیں لیا جاتا۔ کھانے پینے کا خرچہ بھی تقریباً ختم ہی ہو گیا ہے کیا کروں۔ کیسے کروں۔ کوئی ترکیب ہی ذہن میں نہیں آتی کچھ دوں گا تو فوراً ہی بدلہ سمجھ لیا جائے گا۔"

"بولوں گا تو پھر بگڑ جاؤ گے۔"

"کوئی ڈھنگ کی بات بولو تو کیوں بگڑوں۔"

"بس بھیا ڈھنگ کی بات تم خود سوچو، میں تو کہتا ہوں کہ اللہ کی نعمت ہے یہ فائدہ اٹھاتے رہو۔ جب تک مل رہا ہے کھاؤ پیو۔ دونوں قلاش ہو جائیں گے تو پھر خود ہی بغلیں جھانکیں گے ہمیں کیا۔"

"بہت بے رحم ہو تم طاہر بہت بے رحم ہو۔"

پہلی تاریخ آگئی شام کو طاہر واپس لوٹا تو شعور آچکا تھا۔ پروانہ صاحب شمع بیگم اور شعور نیچے ہی کرسیاں ڈالے بیٹھے ہوئے تھے۔ طاہر کی واپسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ باورچی خانے میں چائے دم ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک موٹر رکشہ باہر آکر رکا۔ طاہر ہمیشہ بس سے آیا کرتا تھا۔ کسی نے موٹر رکشہ پر توجہ نہیں دی اور چند ہی لمحات کے بعد دروازے پر دستک ہوئی تو شعور ایک دم ہنس پڑا۔ پروانہ صاحب نے چونک کر اسے دیکھا اور بولے۔

"کیوں میاں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"طاہر ہی ہوگا۔ یقیناً طاہر ہوگا۔" شمع بیگم دروازہ کھولنے چلی گئی تھیں۔

"کیا مطلب؟"

"آج اسے تنخواہ ملی ہوگی چچا جان اور تنخواہ ملے اور طاہر صاحب بس سے سفر کریں ناممکن۔" دروازے سے شمع بیگم کی آواز چیخ کی شکل میں سنائی دی۔

"ارے ارے کیا ہوا؟" شعور اور پروانہ صاحب چونک پڑے۔ ذرا سی تشویش کا احساس ہوا طاہر اگر رکشہ میں آیا ہے تو خدانخواستہ اس کی کوئی خاص وجہ تو نہیں ہے۔ بیمار ہو گیا کچھ زخمی ہو گیا کیا بات ہے۔ شعور نے دروازے کی جانب دوڑ لگائی پروانہ صاحب بھی پیچھے لپکے۔ لیکن طاہر کو عجیب حلیے میں دیکھ کر شعور اپنی ہنسی پر قابو نہیں پاسکا۔ بڑے بڑے تین تھیلے اس نے سنبھالے ہوئے تھے دو شانوں سے لٹکائے ہوئے تھے ایک ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں چٹائی کی لوکری تھی۔ اس شان سے رکشے سے اتر کر اندر آرہا تھا شعور کو گھورتے ہوئے بولا۔

"دانت نکالے جارہے ہو۔ یہ لوکری اور تھیلا سنبھالو میرے کندھے ٹوٹ رہے ہیں۔"

"کیا کسی جنرل اسٹور میں ڈاکہ مار کر آئے ہو؟" شعور نے دونوں چیزیں اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

"میاں یہ کیا اٹھا لائے؟ کیا دفتر کا کچھ سامان ہے۔"

"جی ہاں۔ دفتر والوں نے اسے اسٹیشنری بیچنے کی ذمہ داری سونپ دی ہوگی۔" شمع بیگم بولیں۔

"مگر یہ ہے کیا؟"

طاہر نے برآمدے میں پہنچ کر تھیلے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھ لیجئے ایک ایک چیز نکال کر چیک کر لیجئے یہ پرچہ ہے۔"

"آٹا تین بوری۔ چاول پندرہ کلو۔ چینی پندرہ کلو۔ مرچ۔ مسالے۔ صابن۔ سر میں ڈالنے کا تیل۔ گرم مسالہ۔ وہ پرچہ پڑھ پڑھ کر حیرانی سے طاہر کی صورت دیکھنے لگیں۔" طاہر نے کہا۔

"کوئی چیز کم رہ گئی ہو تو مجھے بتا دیجئے۔"

"م۔ مگر۔ یہ۔ یہ۔"

"ارے تو یہ۔ گھی کے ڈبے رہ گئے۔ شعور گھی کے ڈبے تمہیں لانے ہیں کل۔ سمجھے لو یہ پیسے رکھو۔"

"مگر یہ۔ مگر یہ؟" شمع بیگم کی آنکھیں حیرت سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

"مہینے بھر کا راشن ہے اور کیا ہے۔"

"کیوں لائے ہو؟"

"کمال کرتی ہیں آپ چچی جان۔ کھانا نہیں پکے گا کیا؟" پروانہ صاحب عجیب سی نظروں سے طاہر کو دیکھ رہے تھے اور شعور کی آنکھیں بھی حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ طاہر کا یہ انوکھا روپ سامنے آیا تھا اس کے۔ شمع بیگم کہنے لگیں۔

"مگر بیٹے یہ اتنا سارا تم کو اور تمہیں آخر ضرورت کیا پڑی تھی۔"

"دیکھ رہے ہیں آپ چچا جان۔ اب ان باتوں پر کچھ نہیں بولیں گے آپ۔ کیوں؟"

"چپ ہو جاؤ شمع چپ ہو جاؤ۔" پروانہ صاحب نے آہستہ سے کہا اور شمع بیگم معصومیت سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"مگر اتنا سارا سامان۔"

"چار آدمیوں کے لئے زیادہ نہیں ہے چچی جان۔ اب پہلی سے پہلی تک پورا ہو جائے گا۔ براہ کرم جو چیزیں باقی رہ گئی ہیں آپ مجھے پرچے پر لکھ کر دے دیجئے۔ گھی کے ڈبے تو رہ ہی گئے۔ دو کافی ہوں گے نا پانچ پانچ کلو کے۔"

"ارے خدا کی پناہ۔ کیا کیا۔"

"تنخواہ ملی تھی مجھے۔ یہ سامان لانا ضروری تھا نا۔"

"بھئی کیوں اس سے الجھ رہی ہو۔ ہاں وہ طاہر میاں چائے کی پتی بھی شامل کر لو اس میں۔" پروانہ صاحب بولے۔

"گڈ گڈ۔ چائے کی پتی چائے کی پتی۔" طاہر نے دہرایا اور شمع بیگم جلدی سے اٹھ گئیں۔

"ارے چائے کا پانی تیار ہو گیا ہوگا۔" وہ باورچی خانے کی طرف دوڑ گئیں۔ شعور مسکراتی نگاہوں سے طاہر کو دیکھ رہا تھا۔ طاہر خاموشی سے پروانہ صاحب کو گھور رہا تھا۔ پھر اس نے جیب سے گھڑی نکالی اور پروانہ صاحب کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"یہ آپ کی گھڑی بھی مرمت ہو گئی ہے۔ گھڑی ساز سے لے آیا ہوں میں۔"

پروانہ صاحب اچھل پڑے۔ چونک کر باورچی خانے کی طرف دیکھا پھر چور نظروں سے شعور کی طرف اور اس کے بعد گھڑی چپ چاپ طاہر کے ہاتھ سے لے کر جیب میں رکھ لی۔

▽ غلام قادر سمجھ نہیں پایا تھا کہ امداد بیگ صاحب نے اسے شام کو پونے چھ بجے اپنے گھر کیوں بلایا ہے۔ بہرطور ایک بار تھی اس نے ہو سکتا ہے اس سلسلے میں امداد بیگ صاحب آئے ہوں۔ وعدہ کرایا تھا۔ امداد بیگ صاحب اس کا انتظار ہی کر تھے۔ غلام قادر ٹھیک پونے چھ بجے ان کے گھر پہنچا تھا۔ امداد بیگ نے اس کا پرجوش استقبال کیا۔

"بھائی غلام قادر آپ کو تو میری پوری زندگی کا علم ہے۔ یہیں گزری ہے۔ کچھ عرصے یہاں سے باہر رہا۔ لیکن پھر اپنی آباد کرلی آپ ہی لوگ میرے عزیز و اقارب ہیں۔ آیئے آیئے اندر آجایئے ارے فوزی غوثیہ بیگم کہاں ہیں آپ لوگ تو نہ آئیں۔ بھلا غلام قادر بھی کوئی ملنے کی چیز تھا۔ لیکن فوزی آگئی اس نے غلام قادر کو سلام کیا اور غلام قادر شرمندہ سی نظر سے اسے دیکھنے لگا۔

"اور فوزی بیٹا خیریت سے تو ہو۔"

"ہاں چچا بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنایئے سب لوگ کیسے ہیں؟"

"تمہیں کیا بیٹا۔ کبھی ہمارے گھر آتی بھی ہو۔"

"ضرور آؤں گی چچا۔ بس ذرا پڑھائی وغیرہ میں لگی ہوئی ہوں آیئے اندر آجایئے۔" فوزی انہیں لیے ہوئے ایک کمرے پہنچ گئی۔ کمرے کے درمیان ایک بڑی سی کھڑکی تھی۔ جس میں پردہ لٹکا ہوا تھا۔ یہ کھڑکی دوسرے کمروں میں کھلتی تھی۔ فوزی کھڑکی کھول دی اور پردہ برابر کردیا۔ اب دونوں کمرے میں ایک دوسرے کی آوازیں باآسانی سنی جاسکتی تھیں۔

"غلام قادر چچا ابھی تھوڑی دیر آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔ آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"کوئی خاص بات ہے۔"

"پتہ نہیں۔ آپ یقین کریں مجھے نہیں معلوم۔" امداد بیگ صاحب بولے۔ غلام قادر بیٹھ گیا۔ فوزی چائے لے آئی غلام قادر کچھ پریشان سا نظر آرہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی امداد بیگ صاحب بولے۔

"ذرا دیکھوں تو سہی کون ہے۔ آپ بیٹھیں۔" غلام قادر خاموشی سے بیٹھا رہا۔ امداد بیگ صاحب دروازے پر پہنچے اور سامنے ہی جمی نظر آیا۔ جمی کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پیکٹ دبا ہوا تھا۔ سلام کیا اور کہنے لگا۔

"ٹھیک چھ بجے آگئے ہیں جی چچا میاں۔ کوئی دیر تو نہیں ہوئی ہمیں۔"

"نہیں بھئی آؤ۔" آؤ فوزیہ اس دوسرے کمرے میں تھی جس کی کھڑکی کے دوسری جانب غلام قادر بیٹھا ہوا تھا۔ امداد صاحب فوزیہ کے کہنے کے مطابق جمی کو اس کمرے میں لے آئے فوزیہ نے اس کا استقبال کیا۔

"آؤ جمی کہو کیسے ہو۔"

"بالکل ٹھیک ہیں فوزیہ بہن۔ آپ نے بلایا تو ہم آگئے ورنہ ہماری ہمت تو کبھی نہ پڑتی یہاں آنے کی۔"

"ارے یہ ہاتھ میں کیا ہے؟" فوزیہ نے پوچھا۔

"چوڑیاں لائے ہیں تمہارے لئے غریب آدمی ہیں۔ بہن کے لئے اور کیا لے جاسکتے تھے۔ امداد چچا سچی بات یہ ہے کہ زندگی بری صحبتوں میں رہے۔ برے لوگوں کا ساتھ رہا تو برے بن گئے ہم نے کبھی اپنے آپ کو اچھا نہیں کہا۔ لیکن فوزیہ بہن کو اپنی سگی بہن مانتے ہیں اور ان کی اتنی ہی عزت کرتے ہیں۔ اتنی کہ کوئی سگی بہن کی کرتا ہے۔ ہم غریب آدمی ہیں جی کوئی بڑا کر نہیں سکتے۔ ہم نے سوچا کہ بہن کے گھر جارہے ہیں۔ خالی ہاتھ کیسے جائیں تو یہ چوڑیاں لے آئے۔ فوزیہ بہن انہیں قبول ہمیں خوشی ہوگی۔"

"خلوص دل سے میرے بھائی نے مجھے کچھ دیا ہے میں کیوں نہ قبول کروں گی۔" فوزیہ نے کہا۔ امداد بیگ صاحب کا ذہن گیا تھا۔ برابر کے کمرے میں غلام قادر بیٹھا ہوا یہ ساری باتیں سن رہا ہے۔ جمی نے جس انداز میں فوزیہ کو بہن کہا تھا خلوص خلوص تھا۔ امداد بیگ صاحب کہنے لگے۔

"بھئی جمی میاں دیکھو بری صحبتیں مل بھی جاتی ہیں مگر انسان جب بھی اچھا بننا چاہے تو اس میں وقت تھوڑی ہوتی ہے۔"

"کوئی رہنمائی تو کرے جی۔ کوئی کہنے سننے والا تو ہو۔ جو دل چاہتا ہے کرلیتے ہیں۔ لاوارث ہیں بے آسرا ہیں۔ بس جس کا کہہ دیا اور ہم لڑ مرے۔ اگر کوئی سر پر ہاتھ رکھنے والا ہو تو ہم بھی اپنا سدھار کرلیں۔ ہم اگر کریں تو کس کے لیے کریں

دوست ہیں انہی کے درمیان زندگی گزرتی ہے۔"

"نیکیوں کی طرف۔ جو بھی کبھی جب بھی کبھی آنا چاہے اسے وقت نہیں ہوگی۔ جمی۔"

"اچھا جمی بھیا میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔"

"نہیں تم نے بلایا ہم آگئے۔

چائے وغیرہ نہیں پئیں گے۔"

"ارے واہ چائے کے بغیر کیسے جائیں گے آپ" چائے تو پینی پڑے گی آپ کو۔ فوزی نے کہا اور باہر نکل گئی۔ دوسری چائے کی پیالی اس نے جمی کے سامنے لا کر رکھ دی۔ پھر کہنے لگی۔

"بس دل چاہا تھا۔ میں نے سوچا کہ ڈیڈی سے بھی آپ کو ملا دیا جائے۔"

"ہماری عزت بڑھائی ہے آپ نے فوزی بہن۔ ہماری جان بھی حاضر ہے آپ کے لئے فوزی بہن۔ کبھی کوئی محلے میں الٹی سیدھی بکواس کرے تو ہمارے کان میں بتا دینا۔ سب ٹھیک کردیں گے۔ قدرت اللہ نے پھر تو کوئی گڑبڑ نہیں کی۔"

"نہیں نہیں۔ ویسے مجھے افسوس ہوا کہ آپ کا قدرت اللہ سے جھگڑا ہوگیا۔"

"بات اسی نے بڑھائی تھی۔ ہم نے تو محلے داری میں اسے سمجھانا چاہا تھا نہیں سمجھا۔ لڑنے جھگڑنے لگا۔ تو ہم نے بھی سیدھا کرکے رکھ دیا۔ آپ کی طرف کوئی بھی آنکھ اٹھائے امداد چچا ہمیں بتا دیجئے۔ محلے میں ہمارے جیسا بھی ایک ہونا ضروری ہے۔ اگر ہم بھی سدھر گئے تو بس بہت سے معاملے ٹیڑھے ہو جائیں گے۔" امداد بیگ صاحب کچھ نہ بولے۔ جمی چائے پینے کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر اٹھ گیا۔ چوڑیوں کا پیکٹ وہیں چھوڑ گیا تھا۔ فوزیہ نے چوڑیوں کا پیکٹ اٹھایا اور جمی کے جانے کے بعد دوسرے کمرے میں آئی۔ غلام قادر چور سا بنا ہوا بیٹھا تھا۔ فوزیہ نے چوڑیوں کا پیکٹ اٹھا کر غلام قادر کے منہ پر دے مارا۔

"اگر کچھ شرم آئی ہو تو آئندہ خیال رکھئے گا۔ دنیا میں اور بھی رشتے ہوتے ہیں۔ غلام قادر صاحب۔"

"وہ۔ وہ امداد بیگ صاحب وہ۔ دراصل۔۔۔ وہ۔ وہ دراصل۔" غلام قادر ہکلانے لگا۔ امداد بیگ صاحب غراتے ہوئے بولے۔

"فوزی کیا بدتمیزی ہے۔ کتنے بڑے ہیں تم سے غلام قادر تمہارے چچا ہیں۔"

"ٹھیک ہے چچا ہی کو سمجھا رہی ہوں۔ کیا فائدہ جمی سے کہہ کر اس کے ذریعے چچا کو بھی سمجھانے کی کوشش کر ڈالوں۔"

غلام قادر نے گردن جھکائی اور پھر خاموشی سے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ امداد بیگ صاحب دروازے تک اس سے معذرتیں کرتے ہوئے آئے تھے۔ غلام قادر نے کہا۔

"نہیں امداد بیگ صاحب غلطی میری بھی ہے۔ منہ کھول کر مجھے یہ سب کچھ نہیں کہہ دینا چاہیے تھا۔ معافی چاہتا ہوں۔ فوزی بیٹا سے بھی میری طرف سے معافی مانگ لیجئے گا۔ غلام قادر چلا گیا۔ امداد بیگ صاحب کی دوہری کیفیت ہو رہی تھی۔ ایک طرف تو فوزیہ نے اپنی پوزیشن صاف کرلی تھی۔ دوسری جانب بدتمیزی بھی کی تھی۔ غوثیہ بیگم بھی آگئیں اور فوزیہ انہیں ساری تفصیلات بتانے لگی۔

"تو اپنے ان ابا جان سے بات کرو۔ جنہیں دنیا ہری ہری ہی نظر آتی ہے۔ اے میں کہتی ہوں خدا نے آپ کو بھی عقل دی ہے۔"

"نہیں امی ابو کا ان چیزوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ سیاست کیا چیز ہوتی ہے۔ اب یہ جاہل آدمی غنڈہ لچا لفنگا میرا بھائی بن گیا ہے۔ آپ یقین کیجئے بڑے بڑے آدمی ایک غنڈہ ضرور پالتے ہیں۔ دولت کے بل پر تعلقات کے بل پر میں نے صرف محبت کے بل پر ایک غنڈہ پال لیا ہے جو مجھے بہن کہتا ہے اور میرے لئے چوڑیاں دے کر گیا ہے۔" امداد بیگ صاحب بری طرح اچھل پڑے۔ انہوں نے غراتے ہوئے کہا۔

"فوزی فوزی تم انسان ہو یا شیطان۔"

"ارے ارے میں نے اور کوئی غلط بات کردی ڈیڈی حضور۔"

"تم ایک ایسے شخص کو اپنا پالتو غنڈہ کہہ رہی ہو جو تمہیں خلوص دل سے بہن کہتا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ کوئی اس کے سر پر ہاتھ

رکھ دے تو وہ اچھا آدمی بن جائے۔"

"یہ کام ہم ہی لوگوں کا رہ گیا ہے کیا۔ جو کام آپ نہیں کرتے ڈیڈی وہ میں نے کر ڈالا۔ آپ قدرت اللہ سے معافی مانگنے جا رہے تھے نا۔ معافی مانگتے اور پھر دیکھتے ہر تیسرے دن معافی مانگنی پڑتی اس سے۔ یہ صرف میری اس کھوپڑے کا کمال ہے۔ آپ اس پر ناز کیجئے اور آئندہ کبھی کسی ایسے معاملے میں ٹانگ نہ اڑایئے۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔"

"بھئی۔ میں۔ میں لعنت بھیجتا ہوں۔ کیا کہوں اس سے زیادہ کیا کہوں۔"

"ارے چھوڑیئے آپ کیا کہیں گے۔ چھوڑ فوزی کس کے منہ لگ رہی ہو۔ انہوں نے کبھی کوئی ڈھنگ کی بات کی۔"

"اب یہ تو خلوص دل سے اسے میرا بھائی ہی سمجھ بیٹھے۔ امی وہ اور میرا بھائی۔ ہوں" فوزی نے نفرت سے کہا۔ اور امداد بیگ صاحب اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ آج ان کے دل میں فوزی کے لئے نفرت کا ایک عجیب سا جذبہ ابھرا تھا۔ باقی ساری باتیں تو ٹھیک ہیں۔ فوزی نے اپنا کردار صاف کر لیا تھا۔ لیکن غلام قادر کے منہ پر جوتیوں کا ڈبا مارنا اور اس کے بعد جمی کے خلوص کو ٹھکرانا بڑا قابل نفرت عمل تھا اور اس بات پر وہ کبھی متفق نہیں ہو سکتے تھے۔ اپنی بیٹی اور بیوی کو انہوں نے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا تھا۔"

☆☆——○——☆☆

سلطانہ جمالی کا رویہ شکیل کے ساتھ بہتر سے بہترین ہوتا جا رہا تھا۔ ادھر گھر کے حالات میں بھی تبدیلی آتی جا رہی تھی۔ برسوں کی رکی ہوئی ضرورتیں پوری ہو رہی تھیں اور ماں باپ کے مرجھائے چہرے نکھرے جا رہے تھے۔

"تمہیں مجھ سے اتفاق نہیں تھا شکیل میاں۔" قلیم احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کس بات پر ابو۔"

"اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ شکر خورے کو شکر ہی دیتا ہے۔"

"نہیں ابو۔ میں اللہ کی دین سے منکر تو نہیں ہوں۔"

"بعض اوقات تم مجھے بھٹکے بھٹکے لگتے ہو۔"

"ہاں ابو۔۔۔ حالات سے گھبرا جاتا تھا۔ ہر جگہ سے ناکامیاں ہی مل رہی تھیں کہیں کام ہی نہ بنتا تھا۔"

"صبر کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور میٹھے پھل کا وعدہ کیا گیا ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

بہرحال سب خوش تھے شکیل اس لئے بہت خوش تھا کہ اس کی مالکہ اس کی کارکردگی سے بہت مطمئن تھی۔ اس نے بھی بڑی محنت سے سارے کام کئے تھے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سلطانہ جمالی کروڑپتی عورت ہے۔ اور اس کے کاروبار بہت پھیلے ہوئے ہیں کبھی کبھی کچھ حیرتوں کا بھی کرنا پڑتا تھا۔ خصوصاً مسٹر ایس آر جمالی کے سلسلے میں۔ کوٹھی کے دوسرے حصوں کا جائزہ لینے کا موقع بھی ملا تھا مگر ایس آر جمالی کے نشانات کہیں نہیں ملتے تھے۔ نہ ان کی کوئی تصویر تھی نہ کوئی اور ایسی چیز جس سے۔۔۔ کوئی احساس ہوتا۔ سلطانہ جمالی بھی کبھی کوئی تذکرہ نہیں کرتی تھیں۔

آج بھی وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ روشن نے چائے کے برتن لا کر رکھے اور وہ گردن اٹھا کر روشن کو دیکھنے لگا پھر حیرانی سے بولا۔

"خیریت روشن یہ چائے پلانے کی کیوں سوجھ گئی تمہیں؟" اس نے برتنوں کی طرف دیکھا۔ دو کپ رکھے ہوئے تھے۔ روشن نے کہا۔

"نہیں صاحب جی۔ بی بی صاب نے کہا تھا کہ آپ کے لئے اور ان کے لئے چائے آپ کے کمرے میں پہنچا دوں۔ وہ آ رہی ہیں ابھی۔"

"او ہو اچھا اچھا۔ شکیل سمجھ گیا۔ روشن نے اپنا یہ جملہ ابھی پورا ہی کیا تھا کہ سلطانہ جمالی اندر آ گئیں۔ شکیل احتراماً کرسی سے کھڑا ہوا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر روشن کی طرف دیکھا اور روشن باہر نکل گئی۔ سلطانہ جمالی گھریلو لباس میں تھیں اور کچھ بکھری بکھری سی نظر آ رہی تھیں۔ کہنے لگیں۔

"شکیل مجھے اس طرح کھڑے ہو کر احترام نہ دیا کرو۔ اس سے غیریت کا احساس ہوتا ہے۔ جبکہ تم نے میرے دل میں اتنی ہرائیوں میں اپنا گھر بنا لیا ہے کہ اب تم مجھے غیر نہیں لگتے۔"

"جواب میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں میڈیم۔ لیکن ہمت نہیں پاتا۔"

"یہ بھی غیریت کا ثبوت ہے۔ ہمت ان کے سامنے نہیں کی جاتی جنہیں اپنا تسلیم کرنے میں دقت ہوتی ہے۔"

"یہ بات نہیں۔ اگر آپ حکم دیتی ہیں تو دل کے الفاظ زبان تک لے آتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات احترام کے بوں کے پیچھے اور بھی بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔"

"اچھا۔" سلطانہ جمالی نے بالوں کی لٹ چہرے سے ہٹا کر پیچھے کرتے ہوئے کہا یہ دلکش عورت عمر میں بے شک شکیل سے کچھ ی ہو گی لیکن دلکشی میں بے مثال تھی۔ آگے بڑھی چائے دانی سے چائے کی پیالیوں میں چائے انڈیلی۔ خود ایک پیالی لے جا کر یل کے سامنے رکھی اور دوسری سینٹر ٹیبل پر رکھ کر صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔

"جی اب بات ہو رہی تھی احترام کے کچھ اور جذبوں کی تو ذرا ان کی وضاحت چاہتی ہوں۔ جناب شکیل صاحب۔"

"میڈم بعض اوقات انسان زندگی میں اتنا کچلا جاتا ہے کہ پھر اسے مایوسیاں گھیر لیتی ہیں اور وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ اب اس کی ندگی میں روشنی کی کوئی جھلک نہیں آئے گی اور پھر اچانک اگر کوئی شخصیت اس کی زندگی کو روشن کر دے تو وہ شخصیت ایک عام میت نہیں رہتی۔ بلکہ اس کے لئے عقیدت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ میڈم آپ کو خوش کرنے کے لئے یہ الفاظ نہیں کہہ رہا۔ یہ رے دل کی گہرائیاں ہیں۔"

"ارے نہیں شکیل حقیقت یہ ہے۔ چائے پیو بھئی ٹھنڈی ہو جائے گی۔ خوشبو بہت عمدہ ہے۔ پلیز چائے پیو۔" شکیل نے ے کی پیالی سے دو چھوٹے چھوٹے سپ لئے اور پیالی دوبارہ پلیٹ میں واپس رکھ دی۔

"حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات کچھ فیصلے اتنے مکمل ہوتے ہیں کہ انسان کو خود بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ جو قدم وہ اٹھا رہا ہے وہ اس کے لئے اتنا فائدہ مند ثابت نہیں ہو گا۔ شکیل سچی بات بتاؤں تمہیں۔ بالکل سچائی سے کہہ رہی ہوں۔ بہت عرصے سے بات محسوس کر رہی تھی کہ مجھ سے کاروباری شرکت رکھنے والے لوگ یہ سوچ کر میرے ساتھ جعل سازی کر رہے ہیں کہ میں رت ہوں۔ تنہا ہوں اور وہ ذہین ہیں مرد ہیں۔ جو کچھ وہ کریں گے میں انہیں کبھی پکڑ نہیں پاؤں گی۔ بہت عرصے سے یہ بات میرے ن میں تھی اور میں انہیں درست بھی سمجھ رہی تھی۔ اپنے اندر یہ صلاحیتیں نہیں پاتی تھی میں کہ ان لوگوں کی جعلسازیوں کو ڑ سکوں۔ بہرحال صبر کر رہی تھی اور اس وقت میرے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ کوئی میرے لئے اس قدر کارآمد ثابت سکتا ہے۔ بس تم اس دن انٹرویو دینے کے لیے بھی آئے تو میرے دل میں ایک دوسرا جذبہ پیدا ہوا اور میں نے یہ سوچا کہ تمہیں دزگار ملنا چاہیے۔ میں جہاں بھی چاہتی تمہیں رکھوا سکتی تھی۔ لیکن اچھی شخصیتوں کو محفوظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ پتہ یں جہاں میں تمہیں ملازم رکھواتی وہاں تم مطمئن ہوتے یا نہ ہوتے۔ پھر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ وہ کام جو میرے پنے خیال میں، میں کبھی نہیں کر سکتی تمہارے ذریعے کراؤں اور یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ البتہ اس میں کچھ نکات تھیں وہ یہ کہ تم میرے معیار پر پورے اترو گے یا نہیں۔ وہ سب کچھ کر پاؤ گے یا نہیں جو میں چاہتی ہوں۔ میں نے سوچا اکہ تجربہ کر کے دیکھ لیتی ہوں۔ اگر تم میرے لئے کارآمد ثابت ہوئے تو یہ سلسلہ جاری رکھوں گی۔ ورنہ اپنے منصوبے کے طابق تمہیں کسی بھی جگہ ایڈ جسٹ کر دوں گی۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات مگر بعد میں مجھے یہ احساس ہوا کہ تم تو شاید پیدا ہی یرے اس مقصد کی تکمیل کے لئے ہوئے تھے۔ جس طرح تم نے ان جعلسازوں کا کچا چٹھا کھول کر میرے سامنے رکھا ہے میں ہیں بتا نہیں سکتی شکیل کہ میری ذہنی کیفیت کیا ہو گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جن لوگوں نے دن رات میری قصیدہ خوانی کی ی اور جو مجھے بس کہتے تھے اتنا تعاون کا یقین دلاتے تھے کہ میں شرمندہ ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات وہ در حقیقت اپنے مفاد کے لئے یہ سب کچھ کر رہے تھے اور انہوں نے اپنے ان الفاظ کی اتنی قیمت وصول کی تھی مجھ سے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ جن چند راد کا حساب کتاب مکمل کر کے تم نے میرے سامنے پیش کیا ہے اگر میں ان سب سے وصولیابی کرنے بیٹھ جاؤں تو تم خود جانتے کہ کیا وصول ہو گا مجھے۔ غالباً" یہ وصولیابی ایک کروڑ روپے تک پہنچ جائے گی اور یہ میں کبھی نہ کر پاتی۔ بات ایسے ہی نہیں ہوتی کیل جب انسان کو کسی سے کچھ رزلٹ ملتا ہے تب ہی وہ اس کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ جو کچھ تمہارے

ذریعے وصول ہو گا اس میں تمہارا کمیشن بھی ہونا چاہیے۔"

"آپ کی عظمت ہے میڈم۔ ورنہ مجھے جو تنخواہ مل رہی ہے اس میں سب کچھ شامل ہے۔ اور ظاہر ہے میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کی تنخواہ بھی مل رہی ہے مجھے۔"

"اچھا چھوڑو ہم لوگ بہت جذباتی ہو گئے۔ بہر حال اتنا کہہ دینا کافی ہے اور میرے خیال میں نہایت اطمینان بخش بھی کہ تم سے مطمئن ہوں اور میں تم سے۔ شکیل آج میں نے چھٹی کی ہے۔ سب سے کہہ دیا ہے کہ میں کسی سے نہیں ملوں گی نہ کسی سے فون پر بات کروں گی۔ دراصل آج کا دن میں تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ فیصلے کرنا چاہتی ہوں کہ اب مجھے دوسرے اقدامات کرنے چاہئیں کئی دن سے سوچ بھی رہی تھی اس موضوع پر تم سے بات کرنے کے لئے اور آج کا دن میرے خیال میں نہایت مناسب ہے۔ دیکھو شکیل جو تفصیلات تم نے میرے سامنے ظاہر کی ہیں ان کے تحت یہ چند افراد جو میرے سب سے زیادہ قریب ہیں اور مجھ سے کاروباری شراکت رکھتے ہیں جعلسازوں میں ملوث ہیں۔ کاروباری لوگ ہیں اور اس وقت دنیا کا رنگ ڈھنگ کچھ ایسا ہے کہ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہر شخص اپنے اپنے طور پر کچھ کرتا ہی ہے انہوں نے جعلسازی کی ہے۔ اگر میں ان پر مقدمات قائم کردوں تو یہ مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ ڈیفنس کریں گے اپنا اور اس کے بعد کچھ دشمنیاں بھی شروع ہو جائیں گی میں اس بنیاد پر کام نہیں کرنا چاہتی۔ بلکہ پہلے ہم ان کی تصویریں ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان سے بات کرتے ہیں یا بھئی حساب کتاب درست کر لیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بحالت مجبوری قانون کا سہارا لینا پڑے گا۔ وصولیابی تو کرنی ہے۔ ہم اپنا روپیہ احمق بن کر دوسروں کو کیوں دیں۔ تو میں یہ چاہتی تھی کہ آج اس سلسلے میں تم سے تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد اس کام کا آغاز کر دیا جائے۔ ایک شخص جب پھندے میں پھنسے گا تو دوسرے سب ہوشیار ہو جائیں گے اور اپنے اپنے طور پر کوششیں کریں گے کہ اپنے آپ کو چھپائیں ہمیں سارے کھونٹے مضبوط کر لینے ہوں گے۔ تاکہ ہم ان کے جال میں نہ آئیں جو وہ سمجھ رہے ہوں۔"

"جی میڈم۔"

"میں نے تمہاری تفصیل بغور دیکھی ہے اور میرے خیال میں اس سلسلے میں ہمارا سب سے پہلا قدم لائق حسین کے خلاف ہونا چاہیے۔ لائق حسین صاحب بظاہر تو بڑے نفیس انسان ہیں۔ میں اس بات کی گنجائش رکھتی ہوں کہ ہو سکتا ہے کچھ معاملات ان کے علم میں نہ ہوں۔ لیکن اگر انہوں نے اس سلسلے میں کوئی گڑبڑ کی تو پھر مجبوراً ہمیں قانون کا سہارا لینا پڑے گا۔ میرے بھی قانونی مشیر ہیں یہ دو ہیں جن کا رابطہ ان تمام افراد سے ہے اس لئے میں اس مسئلے میں ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ڈالنا چاہتی بلکہ میں یہ چاہتی ہوں کہ کسی نئی شخصیت سے رابطہ قائم کر کے تمام تفصیلات اس کے حوالے کر دیئے جائیں اور اس کے لئے میرے ذہن میں ایک بیرسٹر صاحب ہیں جن سے میرے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ وہ ہیں بھی بڑی نفیس شخصیت کے مالک ان کا نام بیرسٹر اشتیاق حسین صاحب ہے ان سارے معاملات کو بآسانی ڈیل کر لیں گے۔"

"یقینی طور پر آپ ان سے آشنا ہوں گی۔ اور یہ سمجھتی ہوں گی کہ وہ یہ کام بآسانی کر لیں گے۔"

"میں نے انہیں لنچ پر بلایا ہے۔ ہم لوگ لنچ ساتھ ہی کریں گے اور اس پر یہ تمام تفصیلات ان کے سامنے لے آئیں گے۔"

"اگر مجھ سے اتفاق کریں میڈم تو میں سمجھتا ہوں کہ تمام ہی تفصیلات فوراً سامنے لانا مناسب نہیں ہے۔ اگر ہم لائق حسین صاحب کے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہیں تو پھر انہی کے کاغذات بیرسٹر حسین کے سامنے لائے جائیں البتہ اتنا انہیں بتا دیا جائے کہ مستقبل میں ہمیں ایسے اور بھی کیس ان کے سپرد کرنے ہیں۔" سلطانہ جمالی نے چائے کے کئی بڑے بڑے گھونٹ لئے۔ چائے کی پیالی میں موجود چائے کو دیکھتی رہیں۔ پھر گردن اٹھا کر بولی۔

میں تم سے سو فیصد اتفاق کرتی ہوں۔ بلاشبہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اب تم چائے کے بعد یوں کرو کہ لائق حسین کا فائل لو۔ ہم ان تمام کوائف پر نظر ڈالے لیتے ہیں جو ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ بیرسٹر صاحب دوپہر تک پہنچ جائیں گے۔ اور ان سے تمام باتیں کرنی جائیں گی۔"

"بہتر ہے میڈم۔ میں یہ کارروائی کئے لیتا ہوں۔" شکیل نے اپنے حصے کی چائے پی اور پیالی ایک طرف رکھ کر الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ الماری کھول کر اس نے فائل نکالا۔ سلطانہ جمالی نے بھی اپنی چائے ختم کی اور ایک طرف بیٹھ کر کرسی اٹھا کر

لائی اور شکیل کی میز کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کے بدن سے بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی اور شکیل کو اس کا یہ فلیور ہمیشہ سے تھا۔ بہرحال دونوں فائل پر جھک گئے۔ اور شکیل سلطانہ جمالی کو ایک ایک نکتہ سمجھانے لگا اس نے وہ واؤچر بھی نکال کر سا رکھ دیئے جو اس سلسلے میں بہت اہم حیثیت کے مالک تھے۔ انہی کے ذریعے رقومات کا لین دین ظاہر ہوتا تھا۔ چیک بکس م مشترکہ اکاؤنٹس ظاہر کرتی تھیں تمام تفصیلات اس خوش اسلوبی سے اکٹھی کی گئی تھیں کہ سلطانہ جمالی ششدر رہ گئی تھی اور وقت بھی اس نے کافی دیر تک تمام تفصیلات کا جائزہ لینے کے بعد متاثر انداز میں گردن اٹھاتے ہوئے کہا۔

"حیران کن بات یہی ہے۔ سب سے زیادہ حیران کن بات یہی ہے کہ تم کہتے ہو کہ پہلی بار تم نے ملازمت کی ہے اور اس کوئی کام کیا ہے لیکن تم نے جس قدر تجربہ کاری سے ان تمام چیزوں کو اکٹھا کیا ہے میں تو بس اس پر حیران ہوں۔ یوں لگتا ہے ایک کہنہ مشق اکاؤنٹنٹ یا آڈیٹر یہ کام کرتا رہا ہے۔ ورنہ اس طرح سے بال کی کھال نکال لینا آسان کام نہیں تھا۔۔۔۔"

"آپ کی یہ باتیں میرا دل اتنا بڑھاتی ہیں میڈم کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے زندگی میں کبھی یہاں کوئی غلطی ہی نہ ہو اور ریکارڈ یہی رہے۔ سلطانہ جمالی نے نگاہیں اٹھا کر شکیل کو دیکھا اور ایک لمحے کے لئے کھو سی گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے د حاضر ہو گئی ہو شکیل نے بھی اس بات کو محسوس کیا لیکن اس کی نظریں جھک گئیں۔ سلطانہ جمالی بھی چونکی اور اس سے کہا۔

"یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ یقیناً ایسا ہی ہوگا تو پھر یوں کرو شکیل کہ یہ فائل دوسرے فائلوں سے الگ کرلو۔ اور ہاں اب یہ ضرو ہو جاتا ہے کہ ہم یہ ریکارڈ کہیں اور منتقل کر دیں۔ ایسی جگہ جہاں سے اسے چرایا نہ جاسکے۔"

"بالکل درست میڈم میں یہ تمام فائل آپ کے حوالے کر دیتا ہوں۔ باقی اس وقت ہمیں صرف یہی فائل سامنے رکھنا جس پر کام شروع ہوگا۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ نے پاس ایسی جگہ موجود ہے جہاں میں ان فائلوں کو محفوظ رکھ سکتی ہوں۔" شکیل فوراً ہی کھڑا ہو گیا سلطانہ جمالی مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ شکیل نے تمام فائل اور ان سے متعلق ریکارڈ لفافوں میں پیک کر کے فا کے ساتھ الگ الگ کر دیا لفافے پر اور فائل پر نمبر ڈال دیئے گئے اور سلطانہ جمالی اس کی یہ کارروائی دیکھتی رہی پھر اس نے کہا

"اور اب بار بار یہ بات کہنا کہ تمہاری کارکردگی مجھے حد سے زیادہ مطمئن کرتی ہے مجھے خود بھی مضحکہ خیز لگنے لگا ہے چھوڑو اچھا شکیل اس کے علاوہ بھی کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ محسوس تو نہیں کرو گے۔"

"نہیں میڈم۔ بالکل نہیں۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"دیکھو برا مت ماننا میری باتوں کا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میرے ساتھ کچھ اوور ٹائم بھی کیا کرو۔"

"اوور ٹائم"

"ہاں۔"

"میڈم اگر کچھ اور کام ہے اس کے علاوہ کوئی ایسا کام جو رہ گیا ہو یا اس سے متعلق نہ ہو آپ بے دھڑک مجھے دے دیجئے۔ اپنی ڈیوٹی کے انہی اوقات میں ان سارے کاموں کو سرانجام دے لوں گا۔ اوور ٹائم کی ضرورت کیا ہے اور ہاں اگر آپ کا یہ ذ ہے کہ ضرور میں کچھ دیر آپ کے ساتھ رکوں تو اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن یہ اوور ٹائم کا لفظ درمیان سے نکال چاہیے۔"

"گڈ۔۔۔ اوور ٹائم کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ آمدنی زیادہ تنخواہ۔ اس کا مسئلہ اب واقعی میرے اور تمہارے درمیان نہیں۔ کچھ میں مناسب سمجھوں گی کروں گی اس سلسلے میں تمہیں یقیناً اعتراض نہیں ہوگا۔ ابھی میں نے تمہارے بہت زیادہ معاملا کریدنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ کیونکہ اس سے تھوڑی سی الجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اوور ٹائم سے میرا مقصد یہ تھا کہ میں تم اپنے حلقوں میں متعارف کرانا چاہتی ہوں۔ مثلاً یہ کہ اگر ایسی کوئی پارٹی ہو جس میں تمہارا لے جانا ضروری ہو میرے لئے تو تمہیں لے جاؤں۔ سیکریٹری کی حیثیت سے نہیں۔ ملازم کی حیثیت سے نہیں۔ ایک دوست کی حیثیت سے۔ اور اس کی و ہے شکیل کہ لوگ مجھے بے آسرا اور بے سہارا نہ سمجھیں۔ انہیں یہ احساس ہو جائے کہ میرے ساتھ کوئی موجود ہے۔ یہ ضروری ہے شکیل خاص طور سے اس لئے کہ ہم جس کام کا آغاز کر رہے ہیں اس میں بھی دوسروں کی کڑی نگاہوں کا کرنا پڑے تو یوں سمجھ لو کہ تم اس لحاظ سے بھی میرے لیے ضروری ہو جاتے ہو۔ بولو کیا یہ وقت نکال سکتے ہو۔"

"میڈم میں تو خلوص دل سے آپ کی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

"تو بس ایک طرح سے یہ موضوع ختم۔ میں تم سے آخری اجازت اور چاہتی ہوں اور وہ یہ ہے شکیل کہ میں جس طرح تمہیں استعمال کرنا چاہوں مجھے اس کی اجازت دو۔ یہ سب کچھ ضرورتوں کے تحت ہوگا اور اب تم میرے مفادات کے برابر کے ساتھی ہو۔ سمجھ رہے ہو نا۔"

"جی میڈم"

"کسی بات پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا تمہیں۔"

"نہیں میڈم۔ بالکل نہیں" شکیل نے خلوص سے کہا وہ سلطانہ جمالی کے الفاظ کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

"او کے شکیل۔ تھینک یو۔ تھینک یو ویری مچ۔ دوپہر کے کھانے پر بیرسٹر اشتیاق صاحب سے ملاقات ہوئی شخصیت ہی متاثر کرنے والی تھی۔ لمبے چوڑے جسم کے مالک عمر تقریباً پچپن اور ساٹھ کے درمیان۔ خوبصورت سی کار میں پہنچے تھے سلطانہ جمالی نے شکیل کے ساتھ ان کا استقبال کیا تھا۔

"بیرسٹر صاحب یہ شکیل احمد ہیں میرے دست راست میرے معاون کار اور انہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ میں کچھ ایسے کام آپ کے سپرد کر رہی ہوں جو آپ کو بڑی محنت سے سرانجام دینے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر شکیل۔ میرا نام اشتیاق حسین ہے۔"

"سر آپ کا مکمل تعارف تو مجھے پہلے ہی حاصل ہو چکا ہے۔"

"شکریہ میڈم سلطانہ جمالی۔ لنچ بڑا پر تکلف تھا۔ شکیل کو تھوڑی سی جھجک ضرور محسوس ہو رہی تھی لیکن سلطانہ جمالی نے جو الفاظ کہے تھے وہ بھی اس کی سمجھ میں آ گئے تھے اور اسے جھجک کا مظاہرہ نہیں کرنا تھا۔ چنانچہ وہ بے تکلفی سے لنچ میں شریک ہوا اور اس کے بعد شکیل ہی کے دفتر میں بیرسٹر اشتیاق حسین سے گفتگو کا آغاز ہوا۔ سلطانہ جمالی نے فائل ان کے سامنے رکھ دیا اور بیرسٹر اشتیاق حسین کو اپنے مسائل سمجھانے لگی۔ کافی دیر اس میں صرف ہو گئی تھی اس دوران چائے آتی رہی تھی اور وہ لگ پوائنٹس تیار کرتے رہے تھے۔ بیرسٹر اشتیاق نے کہا۔

"آپ نے تو ایک اتنا مکمل کیس بنا کر میرے حوالے کیا ہے کہ مجھے یہ بات صرف عدالت تک لے جانی ہے۔ اور میرے خیال میں مزید کسی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ ساری کارروائی آپ نے بڑی محنت سے کی ہے میڈم۔"

"شکیل کا نام میں چھپا نہیں سکتی بیرسٹر صاحب ان کی معاونت اور تعاون سے میں نے یہ سب کچھ کیا ہے۔"

"شکیل صاحب واقعی اس سلسلے میں بہت تجربہ کار معلوم ہوتے ہیں۔ خیر تو اس کا مقصد ہے کہ لائق صاحب کے سلسلے میں کارروائی شروع کر دی جائے۔"

"آپ یہ فائل اپنی تحویل میں لے لیجئے گا اور فوراً ہی اس پر کارروائی شروع کر دیجئے گا۔"

"میں اجازت چاہتا ہوں آپ سے میڈم کہ اس سلسلے میں کام کا آغاز عدالتی سطح پر کیا جائے یا پہلے میں لائق حسین صاحب کو ڈسکس کروں۔"

"میں سمجھتا ہوں جناب کہ پہلے ہم آپ کی موجودگی میں لائق حسین صاحب کے ساتھ ایک نشست رکھ لیں اور ان سے گفتگو کریں اور انہیں یہ تفصیلات بتائیں اس کے لئے ہمیں ایک الگ کاغذ تیار کرنا ہوگا۔ لائق حسین صاحب اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں اگر بات نوٹس اور عدالت تک نہ جائے اور وہ ہماری ادائیگی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو میرے خیال میں معاملہ اسی شکل میں نمٹ سکتا ہے۔ وہ دوسرا مرحلہ ہوگا جب آپ انہیں قانونی نوٹس بھیجیں گے اور اگر انہوں نے اس پر بھی کوئی تفصیلی گفتگو نہ کی اور ہمیں مطمئن نہ کیا تو پھر ان پر مقدمہ دائر کر دیا جائے گا۔" اشتیاق حسین صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہت موزوں بات ہے۔ مگر اس کارروائی کا آغاز آپ لوگ براہ راست کریں گے یا میں کروں۔"

"نہیں آپ۔" سلطانہ جمالی سے پہلے شکیل نے کہا اور سلطانہ جمالی نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔

"بالکل مناسب ہے۔ بہت مناسب تو پھر مجھے آپ اجازت دیجئے میں کاغذات تیار کئے لیتا ہوں اور اس کے بعد لائق حسین صاحب سے ٹیلیفون پر گفتگو کر کے کوئی وقت متعین کر لیتے ہیں۔ تاکہ ان سے بات کر لی جائے۔"

"سر مجھے آپ کے ساتھ چلنا ہوگا ذرا میں کسی مناسب جگہ سے ان تمام کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کرانا چاہتا ہوں تاکہ یہ ہمارے پاس محفوظ رہے۔" شکیل نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ بلکہ یہ نہایت ضروری ہے۔ میں نے سوچا تھا شاید آپ نے ایسا کرلیا ہو۔ لیکن آپ کرلیجئے کوئی حرج نہیں ہے ویسے اگر آپ چاہیں تو انہیں ساتھ لے جائیں میں آپ کو اس کی نقل بھجوادوں گا۔"

"نہیں سر۔ مجھے فوری طور پر اس کی نقول درکار ہیں تاکہ میں اپنے ریکارڈ میں رکھ سکوں اور اس سے واقف رہوں۔"

"بہتر ہے۔"

"میڈم کچھ دیر کی اجازت چاہتا ہوں۔" شکیل نے کہا۔

"ہاں ہاں ضرور۔ آپ جایئے شکیل گاڑی لے جایئے۔" "اپنی ہی گاڑی میں واپس آجایئے۔ سلطانہ جمالی نے کہا اور شکیل نے جھجکے ہوئے انداز میں اسے دیکھا لیکن سلطانہ جمالی نے اپنے پرس سے چابی نکال کر اس کی طرف بڑھادی تھی۔

"ڈرائیونگ تو کرلیتے ہیں نا آپ۔"

"جی" شکیل نے جواب دیا اور پھر وہ بیرسٹر صاحب کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سلطانہ جمالی کی شاندار ایئرکنڈیشنڈ کار بیرسٹر صاحب کی کار کے پیچھے چلاتے ہوئے شکیل کا ذہن ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ زندگی میں کامیابیوں کا سفر اچانک اور اس طرح شروع ہوجائے گا" اس نے خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا۔ ایئرکنڈیشنڈ کار میں اسے بازار تک جانا اور پھر واپس آنا اسے اتنا دلکش لگا تھا کہ اتنا لطف اس نے کبھی اور نہیں محسوس کیا تھا۔

☆☆___○___☆☆

" جمن بی سیانی خاتون تھیں۔ گھر سے نکل پڑتی تھیں اور پھر رخ جدھر بھی ہوجائے۔ اس دن شمع دان کی طرف سے گزریں دروازہ نظر آیا تو وہیں کھڑی ہوگئیں دروازہ کھٹکھٹایا۔ شمع بیگم نے دروازہ کھول تھا۔

"اوہو جمن بی۔ آیئے آیئے خیریت بڑے دن کے بعد ادھر سے گزر ہوا۔" شمع بیگم مخلص خاتون تھیں۔ ہر ایک سے محبت سے گفتگو کرتی تھیں۔ جمن بی نے بہت سی دعائیں دی۔ اور اس کے بعد اندر پہنچ گئیں۔

"اے بوا کیا بتاؤں کبھی کبھی انسان سوچتا کچھ ہے ہو کچھ جاتا ہے۔ تمہاری بیماری کے دوران کوئی چکر لگائے اور ایسا ایسا دل تڑپا کہ بس لفظوں میں نہیں کہہ سکتی ظاہر ہے ہسپتال تک پہنچنا تو ذرا مشکل کام تھا۔ ہر ایک سے پوچھتی رہتی تھی کہ اے کوئی مجھے شمع کا حال تو بتادو پتہ چل جاتا تھا کہ اللہ نے خیر کی ہے۔ ہر نماز میں دعا مانگتی تھی شمع بیگم تمہارے لئے اور اللہ نے میری دعائیں کیسے پوری کیں۔ قربان جاؤں اس کی شان کریمی کے۔"

"آپ ہی لوگوں کی دعاؤں ہی سے تو مجھے نئی زندگی ملی ہے جمن بی۔ بس آپ ہی لوگوں کی محبت نے دوبارہ زندہ کردیا ہے۔"

"خدا کرے سینکڑوں برس کی عمر پاؤ۔ خوشبو کے جھولے جھولو بہت خوش ہوئی ہوں میں تمہاری صحتیابی کا سن کر۔"

"بس جمن بی کیا بتاؤں اللہ نے مجھے کیسی کیسی نعمتوں سے نواز دیا ہے۔ میرے پاس تو شکر کرنے کے الفاظ بھی نہیں۔ اب بتایئے چائے پئیں گی یا کوئی ٹھنڈا شربت وغیرہ۔"

"اے بوا میں تو چائے کی شوقین ہوں۔ بس کیا بتاؤں بہو بیٹے نے ایسا عادی بنادیا ہے چائے کا کہ چائے کے بغیر منہ ہی نہیں کھلتا۔ اے دو ہی چیزیں تو ہیں مجھے زندہ رکھنے کے لئے چائے اور پان۔ پان تو تم کھاتی نہیں ہو۔ چائے ضرور پیئیوں گی تمہارے گھر کی۔ بس شمع بیگم اللہ نے میرے شمشاد کو دنیا کی ہر خوشی دی۔ بہو بھی اچھی ہے۔ بیٹا بھی دونوں بڑا خیال رکھتے ہیں میرا۔ شمشاد کا تو منہ سوکھتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ اماں تمہیں کیا چاہیے۔ کبھی تو مجھ سے کوئی فرمائش کردیا کرو۔ میں کہتی ہوں بیٹا بال بچوں والا ہے میں کیا فرمائش کروں۔ جو ضرورت ہوتی ہے کہنا ہی نہیں پڑتا۔ خود خیال نہیں کرتا تو بہو خیال کرلیتی ہے۔ بس میں تو کہتی ہوں کہ اللہ سب کا بڑھاپا ایسے ہی گزروائے جیسے میرا گزر رہا ہے۔"

"آمین۔" شمع بیگم نے کہا اور پھر انہیں احترام سے بٹھاتے ہوئے بولیں۔

"آپ بیٹھے میں پانی چڑھا آؤں چائے کا۔"

"ارے پروانہ صاحب گھر میں نہیں ہیں کیا۔

نہیں گئے ہوئے ہیں کہیں دوستوں میں۔"

اچھا اچھا جاؤ تم پانی رکھ آؤ پھر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ جمن بی نے اطمینان سے برقعہ سمیٹ کر ایک سمت رکھتے ہوئے شمع بیگم فوراً ہی چائے کا پانی چڑھا کر آگئی تھیں۔

سنایئے کیا حال ہیں آپ کے پوتے پوتیوں کے۔ بہو بیٹوں کے۔"

اللہ کا بڑا احسان ہے سب ٹھیک ہیں سب مزے میں ہیں۔ سب خیریت سے ہیں۔"

پڑوسیوں کے حال سنایئے۔ آپ کی ملاقاتیں تو رہتی ہیں۔"

ہاں بوا محلے داری انسانیت کا سب سے بڑا فرض ہے ہر ایک کی خبر گیری کرو۔ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہو اللہ تعالیٰ اس کو بہت پسند کرتا ہے۔ سب ہی ٹھیک ہیں بس ہر ایک کے اپنے اپنے معاملات ہیں بس اب کسی کے گھر کے معاملات کو کیا کریدا سب ٹھیک ہی چل رہا ہے۔ ارے ہاں سنا ہے تمہارے کرائے داروں نے تمہاری بیماری کے دوران بڑا ساتھ دیا۔ پروانہ بتا رہے تھے کسی کو۔ شمشاد نے بھی سن لیا۔ گھر میں تذکرہ کررہا تھا۔"

جمن بی انہیں کرائے دار کہنا کچھ اچھا نہیں لگتا میں تو یہ کہتی ہوں کہ نجانے ہم لوگوں نے کونسی نیکی کی تھی جس کے صلے میں نے ہمیں دو جوان بیٹے عطا کردیئے ہیں۔ میں کس منہ سے بتاؤں آپ کو جمن بی کہ ان بچوں نے ہم دونوں کو کس طرح اپنے ں میں لے رکھا ہے۔ بس یہ سمجھ لو جمن بی کہ اپنی اولاد بھی ہوتی تو اس سے زیادہ نہ کرتی اب تو یہ کہتے ہوئے بھی دل دکھتا ہے اپنی اولاد نہیں ہیں" حالانکہ دعائیں ہی دیتی ہوں کہ اللہ ان کے ماں باپ کو سلامت رکھے۔ انہیں دنیا کی ہر خوشی نصیب ے اپنی اولاد مگر میرے لئے تو وہ اولاد سے کم نہیں ہیں۔ جمن بی پرخیال نگاہوں سے شمع بیگم کو دیکھتی رہیں پھر آہستہ سے بولیں۔

تم نے بڑی تعریفیں کی ہیں بوا ان کی لیکن زمانہ بڑا خراب ہے۔ تمہاری بزرگ ہوں تم دونوں اتنے سیدھے سادھے اور م ہو کہ ڈر لگتا ہے دنیا کا رنگ ڈھنگ دیکھتے ہوئے۔ پتہ نہیں تم کس انداز میں سوچو لیکن میری بات کا برا نہیں ماننا۔ جو کچھ رہی ہوں ہمدردی سے کہہ رہی ہوں۔"

کیا مطلب جمن بی۔"

بوا اس خراب زمانے کا تذکرہ کررہی ہوں۔ لوگ اتنے برے ہیں کہ اب تو اچھوں پر بھی شک کی نظر ڈالنی پڑتی ہے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں جمن بی۔"

بوا تم ٹھریں بے اولاد۔ لڑکے تیز طرار ہیں کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ کرائے دار بن کر تمہارے گھر میں گھسے ہیں اور تمہیں ن تاڑ لگا کر تمہارے مکان پر قبضہ کرلیں۔"

"خدا کے لئے جمن بی خدا کے لئے۔ شمع بیگم نے دونوں ہاتھ جوڑ لئے اور جمن بی چونک کر ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔"

"اے بوا کیا ہوا؟"

"ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہیں یہ مکان کیا چیز ہے۔ اگر انہیں ہماری زندگیوں کی ضرورت بھی پیش آجائے تو خدا کی قسم ہم دریغ نہیں کریں گے۔ اتنے اچھے بچے ہیں وہ جمن بی کہ میرا دل ان کے لئے کوئی ایسا لفظ سنتے ہوئے بری طرح دکھ جاتا کیا بتاؤں میں آپ کو کہ انہوں نے کس طرح ہم میاں بیوی کو سنبھالا ہے۔ یہ مکان کوئی حیثیت نہیں رکھتا جمن بی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر ایک بار وہ منہ کھول کر کہہ دیں تو آپ یقین کریں کہ نہ صرف میں بلکہ پروانہ صاحب فوراً یہ مکان ان کے نام لکھ دیں گے۔"

"اچھا بوا۔ برا نہیں ماننا میری بات کا۔ تمہاری ہمدردی میں یہ جملے کہہ دیئے تھے۔ در اصل زمانہ بھی اتنا ہی خراب ہے۔ مگر ابھی نہیں کہ تم دونوں کو بالکل کچھ نظر نہیں آتا ہو۔ یقیناً ہی کوئی ایسی بات ہوگی جس نے تمہارے دل میں اپنا گھر کرلیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو خدا انہیں خوشیاں نصیب کریں ہر طرح سے سکون سے رہیں۔ ویسے اگر بات یہاں تک پہنچ چکی ہو تو شمع پھر تو تم پر بھی بہت سے فرض پڑجاتے ہیں۔"

"کیا جمن بی۔؟ ذرا ایک منٹ رکیں۔ پانی میں پتی ڈال آؤں۔" شمع بیگم نے کہا اور باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔ جمن بی ان کے لئے دل میں کوئی خاص برائی نہیں رکھتی تھیں بس کچھ نہ کچھ بکنا ہوتا تھا سو بک لیا کرتی تھیں ویسے غور کررہی تھیں اس

بات پر۔ اگر اتنے اچھے لڑکے ہیں تو پھر ان کے لئے تو کچھ ہونا ہی چاہیے۔ شمع بیگم واپس آگئیں۔"

"ہاں کیا کہہ رہی تھیں آپ مجن بی۔"

"میرا مطلب ہے جب انہوں نے تمہیں اپنا ماں باپ سمجھ لیا ہے تو تم بھی ماں بن کر ہی دکھا دو۔"

"آہ کاش میں ایسا کر سکتی۔"

"لو۔ یہ کون سی ایسی مشکل بات ہے۔ اے بوا گھر بساؤ ان کا ہر طرح سے خیال رکھو ان کا۔ ایسا موقع تقدیر ہی دیتی ہے کہ آ[illegible] کسی کا اتنا اپنا ہو جائے اور جب اتنا اپنا ہو جائے تو پھر اپنائیت ہی تو دکھانی چاہیے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"خدا آپ کو خوش رکھے مجن بی۔ بس جہاں بھی کہیں مجھے موقع ملا ان کی بہتری کے لئے ضرور کچھ سوچوں گی۔"

"میں نے تم سے ایک دفعہ ذکر تو کیا تھا گیارہ نمبر والوں کا۔"

"ہاں کیا تھا نہ وہ ہیں نام ہے ان کا شاید حکمت علی۔ ہاں یہی نام ہے۔ بیوی کا نام تسیم بیگم ہے اور ایک ساس بھی ہے ان آفت کی پرکالہ۔ بس بوا چاند میں گرہن ہوتا ہے نا یا داغ کہتے ہیں شاید اسے تو وہ ساس جو ہے نا ان کی فاطمہ بیگم بس یوں سمجھ کہ چاند کا داغ ہیں۔"

"کیوں کیا ہوا" شمع بیگم نے پوچھا۔

بوا بس یہ کہو کیا نہیں ہوا۔ بڑی بی حرفوں کی بنی ہوئی ہیں بہو کو ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں ایک منٹ جو چین لینے دے۔ او[illegible] پوتیاں ہیں دونوں کی دونوں عاجز ہیں اپنی دادی سے۔ وہ تو یوں کہو کہ شریف زادیاں ہیں۔ گھر کی بات گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتیں ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ شمع بیگم ایک منٹ جو چین لینے دیں۔ بہو کو اور پوتیوں کو بات بات پر ناک چڑھی رہتی ہے بات بات طعنے دیتی ہیں مگر آفرین ہے اس بہو پر کبھی جو منہ ٹیڑھا کر جائے پوتیاں بھی ہنستی ہی رہتی ہیں۔ دادی اماں دادی اماں کہتے منہ سو[illegible] ہے۔ ارے بڑے شریف لوگ ہیں۔ کیا بتاؤں صرف بڑی بی کے۔ مگر ہمیں بڑی بی سے کیا لینا۔ نیک کام کرنا ہے تو دوسروں کو دی[illegible] کی ضرورت ہی نہیں ہے تم کہو تو میں بات چلاؤں اس دن بھی پوچھا تھا تم سے بلکہ شاید ذکر بھی کیا تھا میں نے ان لوگوں سے بڑی بیچ میں آگئیں ورنہ اس دن کوئی ڈھنگ کی بات ہوتی۔"

"نہیں مجن بی۔ ابھی کہاں۔ بچوں کا ابھی تو کوئی اہم کاروبار بھی نہیں ہے۔ تنخواہوں پر گزارہ ہو رہا ہے اور پھر اللہ رکھے ا[illegible] کے ماں باپ ہیں اس شہر میں نہیں ہیں کہیں دوسری جگہ ہیں ظاہر ہے یہ سارے کام وہی لوگ کریں گے۔ ہاں اگر کبھی بچوں۔ اس سلسلے میں کوئی رائے ظاہر کی تو پھر میں آپ سے ضرور کہوں گی۔"

"ضرور کہنا بوا۔ مجھے ایسے کام کر کے دلی خوشی ہوتی ہے۔ ویسے وہ فاطمہ بیگم۔ ارے بس کیا بتاؤں میں۔"

چائے لاتی ہوں شمع بیگم نے کہا اور اس کے بعد مجن بی کے لئے چائے لے آئیں۔ مجن بی نے چائے پی کافی دیر تک بیٹھی ا[illegible] ادھر کی باتیں کرتی رہیں اور اس کے بعد اجازت لے کر اٹھ گئیں ان کے جانے کے بعد شمع بیگم دیر تک مسکراتی رہی تھیں کیا [illegible] ان مجن بی کو جنہیں دنیا کا اور کوئی کام تو تھا نہیں بس ایسی ہی باتوں میں ان کی زندگی گزرتی تھی۔

*

فرزانہ بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی اور اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ باہر فریدہ خاتون جاگ چکی ہیں۔ شہباز کی سیٹیاں بھی ابھر ر[illegible] تھیں اور وہ ان سیٹیوں کو سن رہی تھی۔ شہباز اتنہا پسند تھا۔ اور کوئی چیز اسے اس کے ارادوں سے نہیں روک سکتی تھی۔ لیکن فرزانہ کے ذہن میں امید کی ایک شمع تو روشن ہو گئی تھی اور وہ اس شمع کی روشنی میں آگے قدم بڑھانا چاہتی تھی کہ آج چھ[illegible] کرے گی۔ باہر سے فریدہ بیگم کی آواز سنائی دی۔ تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ رات کو فریدہ بیگم سے چھٹی کا تذکرہ نہیں ہوا تھا فریدہ بیگم نے اسے پکارا۔

"اے فرزانہ بٹی۔ اٹھو گی نہیں بٹی۔ آج آنکھ کیسے لگی رہ گئی۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے تمہیں۔" کہتی ہوئی وہ اندر آگئیں۔ فرزانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اماں چھٹی لے لی ہے آج کی۔ چھٹی کروں گی آج۔"

"ارے مجھ سے کل کیوں نہ کہا۔ خواہ مخواہ جگا دیا۔"

"کبھی کبھی تو دیر تک سونا نصیب ہوتا ہے اگر چھٹی لے لی تھی تو مجھ سے کل ہی کہہ دیتیں"

"نہیں اماں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ بس یونہی آج آرام کرنے کو دل چاہا چھٹی کر ڈالی۔ ویسے دیر تک نیند آ بھی کیسے سکتی ہے۔ یہاں تو صبح کو زندگی بیدار ہو جاتی ہے اس سے مردے بھی قبر میں جاگ اٹھیں۔ ہم تو زندہ ہے۔"

"بس کیا بتاؤں فرزانہ سمجھ رہی ہوں۔ کیا کہنا چاہتی ہو۔ مگر کون روکے شہباز کو۔"

"ارے چھوڑیں چھوڑیں شہباز بھیا کی بات نہیں کر رہی میں چاروں طرف بھی تو شور ہوتا ہے گلی میں اپنی گلی ہے ہی زیادہ بارونق۔" فرزانہ نے ہنستے ہوئے کہا پھر بولی۔

"آج پورے گھر کی صفائی کروں گی آپ آرام سے بیٹھیں۔ کھانا وغیرہ سب میں پکاؤں گی۔"

"لے کمال کرتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چھٹی آرام کرنے کے لئے کی ہے۔ اور لگ جاؤ گھر کے کام کاج میں۔ بیٹا صفائی تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"آج چھٹی میں نے آپ کے آرام کے لئے کی ہے۔ بس کچھ دیر کے لئے محلے پڑوس میں جاؤں گی۔ شکیل کے گھر جاؤں گی کتنے دن ہو گئے وہاں گئے ہوئے اور بھی کئی لوگوں سے ملوں گی۔ لیکن گھر کے کام کاج کرنے کے بعد۔ اچھا یہ بتائیں ابو کیا کر رہے ہیں۔"

"کچھ نہیں۔ باہر بیٹھے ہوئے ہیں اور وہی کوسنے پیٹنے"

"شہباز بھیا کو کوس رہے ہوں گے۔"

"ان کے لئے ایک ہی کانٹا ہے جو ہمیشہ ان کے دل میں کھٹکتا رہتا ہے۔"

"ارے چھوڑیئے اماں یہ تو روز کی باتیں ہیں کبھی ہنسی خوشی کی باتیں بھی کر لیا کریں۔"

"ہاں بیٹی دل تو چاہتا ہے۔ روز ہنستے کے لئے مگر کیا کریں۔ تقدیر ہنسنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ بلکہ دوسروں ہی کو ہم پر ہنساتی رہتی ہے۔"

"اماں میں نے چھٹی اس لئے نہیں کی کہ دکھ بھری باتیں سنوں۔ خدا کے لئے آج کچھ ہنس بول لیجئے۔ آپ کی عنایت ہو گی۔" فرزانہ نے کہا۔

"معافی چاہتی ہوں واقعی ہی تم درست کہہ رہی ہو۔" فریدہ خاتون کو اچانک ہی احساس ہو گیا اور فرزانہ ہنستے لگی پھر اپنی جگہ سے اٹھی۔ محبت سے ماں کے گلے میں ہاتھ ڈالے اور کہنے لگی۔

"میں نے کوئی اس لئے تھوڑی کہا تھا کہ آپ مجھ سے معافی مانگنے لگیں۔ اچھا چلئے ذرا بتایئے مجھے ناشتے وغیرہ کی کیا کیفیت ہے۔" باہر نکلی تو جمیل احمد صاحب سر پکڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ نجانے کس سوچ کا شکار تھے غالباً باہر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ فرزانہ محبت سے ان کے قریب پہنچ گئی۔

"ابو۔ جمیل احمد صاحب نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولے۔

"کیا بات ہے بیٹے۔ آج تیاریاں وغیرہ نہیں کیں جانے کے لئے۔"

"ہاں ابو آج چھٹی کر لی ہے میں نے آج کچھ باتیں کرنی ہیں آپ سے۔"

"مجھ سے خیریت۔"

"کوئی ایسی بات نہیں ہے ابو جو آپ کے لئے پریشان کن ہو۔ بس ایسے ہی دل چاہا تھا کہ آج آپ لوگوں کے ساتھ کچھ دیر بیٹھوں۔"

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔ بیٹھو تم۔ فریدہ خاتون نے کہا اور باورچی خانے کی طرف چل پڑیں فرزانہ محبت سے باپ کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ جمیل احمد صاحب کس قدر بے چین نظر آ رہے تھے۔ پتہ نہیں فرزانہ ان سے کیا باتیں کرنا چاہتی ہو۔ کچھ دیر کے بعد فریدہ خاتون تین پیالی چائے لے آئیں پہلی پیالی فرزانہ کو دی دوسری جمیل احمد صاحب کو اور پھر تیسری خود لے کر بیٹھ گئیں۔ فرزانہ نے چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لئے۔ جمیل احمد صاحب بے چین نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"آپ تو پریشان ہو گئے ابو۔ میں کوئی ایسی ویسی بات تھوڑی کرنے والی تھی آپ سے بس یونہی سوچا کہ آج چھٹی کی ہے تو

کچھ گپیں ہیں سبیں رہیں۔ سب سے پہلی بات تو آپ مجھے یہ بتایئے کہ آج دوپہر کو کھانے میں کیا کھائیں گے۔ اپنی پسند کی کوئی چیز اب دیکھئے کوئی تلخ و ترش بات نہیں کی جائیگی آپ مجھے سیدھے سیدھے اپنی پسند کی چیز بتائیں گے اور میں اپنے ہاتھوں سے اسے پکاؤں گی۔ جمیل احمد صاحب نے عجیب سی نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولے۔

"نہیں فرزانہ جو مناسب سمجھو پکاؤ۔ تمہیں علم ہے کے طویل عرصے سے میں نے فرمائشیں کرنا چھوڑ دی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کے مجھے اس کا حق بھی نہیں ہے۔"

"ابو کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ کیوں حق نہیں ہے آپ کو اپنے گھر پر حکمرانی کرنے کا حق نہیں ہے کس نے چھین لیا ہے آپ سے یہ حق۔" جمیل احمد شاید اس وقت دوسری کیفیت میں تھے آہستہ سے بولے۔

"ہاں یہ حق چھین لیا ہے مجھ سے۔"

"کس نے ابو۔"

"میں نے خود میں نے۔" جمیل احمد آہستہ سے بولے فرزانہ کا دل بھر آیا۔ ایک ہوک سی اٹھی تھی دل میں پھر اس نے آہستہ سے کہا۔"

"آپ اس انداز میں کیوں سوچتے ہیں ابو"

"فرزانہ بچوں کی سی باتیں مت کرو۔ تم مجھ سے کہہ چکی ہو کہ میں ایک بھی تلخ و ترش جملہ نہیں کہوں گا۔ میں نے تمہاری اس بات کو مان لیا تھا لیکن اب اس سے زیادہ کچھ کہوں گا تو تلخی تو خود بخود ابھر آئے گی دل میں۔"

"ابو میں یہ چاہتی ہوں کہ یہ تلخیاں اب اس گھر میں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔ مجھے ایک بات بتایئے کبھی میں نے آپ سے کچھ کہا۔ امی نے آپ سے کچھ کہا۔ بھیا بھی بس چڑچڑے ہو گئے ہیں حالات کے ستائے ہوئے اور غلط سوچیں اپنالی ہیں انہوں نے آپ کا حق تو کسی نے آپ سے نہیں چھینا۔"

"نہیں میں نے اپنا حق خود اپنے آپ سے چھن لیا ہے تم۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ دنیا میں غلطیاں کرنے والا میں پہلا انسان ہو۔ اگر تم لوگوں کے سامنے گڑگڑا کر معافی نہیں مانگی میں نے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے خود کو مجرم نہیں تسلیم کیا۔ مگر مجھے اس بات کا جواب دو فرزانہ کہ کیا اچھے وقت میں میں نے تم لوگوں کو اچھے سے اچھا نہیں کھلایا۔ اچھے سے اچھا نہیں پہنایا۔ یہ کیا طریقہ زندگی ہے۔ کہ اگر ایک شخص اپنی حماقتوں سے اور حماقتیں بھی ایسی نہیں جو دوسری نوعیت رکھتی ہوں اگر میں جواری ہوتا تو اپنی ساری رقم جوئے میں ہار چکا ہوتا تو بے شک مجرم تھا۔ اگر میرا اور مزاج ہوتا اور عیاشیوں میں میں نے یہ سب کچھ خرچ کر ڈالا ہوتا تو بے شک میں مجرم تھا۔ جو کچھ میں نے کیا تھا غلط نظریئے کے ساتھ کیا تھا لیکن اپنے لئے نہیں سب کے لئے' سب کے لئے تمہارا کیا خیال ہے فرزانہ اگر میں کامیاب ہو جاتا تو کیا تنہا عیش کرتا۔ یہ تمہاری والدہ تمہارے سامنے بیٹھی ہوئی ہیں ان سے پوچھو کہ کبھی میں نے تنہا رہ کر کچھ سوچا ایک غلطی کی ہے میں نے مجھے اس کا اعتراف کرنا ہے اس غلطی کے نتیجے میں تم لوگوں کو تکلیفوں کا سامنا کرنا اور مجھے مجرم بنا دیا گیا۔ یہ غلطی ہم میں سے کوئی بھی کر سکتا تھا کسی بھی شکل میں کر سکتا تھا۔ تو کیا باقی سب اسے مجرم سمجھنے لگ جاتے۔"

"بس ابو آپ نے ذرا انحراف کیا سب سے بھیا نے بھی آپ کو سمجھایا تھا میں نے بھی دبی زبان سے اظہار کیا تھا اس بات کا کہ آنکھیں بند کر کے سب کچھ جھونک دینا اچھا نہیں ہوگا۔ اس وقت آپ نے ہم لوگوں کو احمق کہہ کر ہماری بات تسلیم نہیں کی تھی۔ اگر شکایت ہے تو بس یہی ہے۔"

"اس کے نتیجے میں میری سزا کی مدت کیا ہے فرزانہ کتنی طویل ہوگی یہ سزا۔"

"کون مردود آپ کو سزا دینا چاہتا ہے ابو میں میری بات کرتے ہیں آپ تو میں آپ کی دل و جان سے عزت کرتی ہوں۔"

"شہباز کے بارے میں کیا کہتی ہو؟"

"کہہ چکی ہوں کہ بھیا بھٹک چکے ہیں۔ غصہ ہے انہیں حالات پر لیکن وقت انہیں راہ راست پر لے آئے گا۔"

"اس وقت جب میں قبر کی تاریکیوں میں پہنچ چکا ہوں گا۔"

"خدا نہ کریں ابو ہمیں آپ کے سائے کی ضرورت ہے۔"

مگر فرزانہ میرے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا ہے شہباز نے۔ مجھے ذلیل کرنے کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی اس نے۔ ہر وہ عمل رتا ہے جس سے مجھے دکھ پہنچے۔"

"ابو بھیا کو بھی سمجھا رہی ہوں آہستہ آہستہ۔ آپ بھی سمجھ جائیں۔ تھوڑا سا طریقہ کار تبدیل کیجئے اپنا میں آپ کو بتاؤں ابو۔ تو نہیں مانیں گے۔"

"بتاؤ بتاؤ میں تو شاید برا ماننے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں میں اعتراف کر چکا ہوں اور مجھ سے غلطی ہوئی ہے لیکن اگر یہ طی غلطی نہ ہوتی بلکہ بہتری ہوتی تو سب کبھی مجھے برے ذہن کا مالک تسلیم نہ کرتے۔"

"ابو دیکھئے آپ اصل میں جھنجھلائے ہوئے ہیں۔ آپ اپنے آپ سے جھنجھلائے ہوئے ہیں آپ نے سب کچھ کیا پوری مدگی کیا۔ آپ نے اپنی کمائی ہوئی دولت اپنے ہاتھوں سے جس شکل میں خرچ کر دی یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے کوئی حیثیت جائے۔ لیکن اس کے بعد آپ نے اپنی اس جھنجھلاہٹ پر اپنے آپ کو معطل کر کے رکھ دیا ہے ابو اور یہ اچھی بات نہیں ہے ۔ کچھ ہو گیا ہو جانے دیجئے۔ آپ پہلے جو ملازمت کرتے تھے اب بھی کر سکتے ہیں۔ نئے طرح سے اپنے آپ کو شروع کر سکتے ہیں ا کا شکر ہے کہ آپ سلامت ہیں' تندرست ہیں۔ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ آپ خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ آپ نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے۔ جھنجھلاہٹوں کے علاوہ آپ کی زندگی میں کچھ نہیں رہا ہے۔ ابو یہ جھنجھلاہٹیں ختم کر دیں۔ نوکری

شروع کردیں کہیں ملازمت کریں۔ آخر بھیا کو ایک نہ ایک دن غیرت آئیگی۔ آپ کو سنبھال لیں گے کیا وہ اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتے۔"

"مشکل ہے بالکل مشکل ہے وہ ایک ماہر کبوتر باز بن چکا ہے اور اب اس کے بعد جعلسازی اور مجرمانہ زندگی پر اتر آیا ہے۔ آج جو اس نے قدم اٹھایا ہے کل اس میں کچھ اور جدت پیدا کرے گا اور بالآخر ایک دن ایک بہترین مجرم کی حیثیت سے سامنے آئیگا۔"

"ناممکن ہے ابو ناممکن ہے۔ یہ ساری باتیں وقتی ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے میں آپ کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوں بے اوقات ہوں بالکل آپ کی ذہانت اور تجربے کے سامنے۔ لیکن ایک بات ضرور کہہ سکتی ہوں کہ واپسی ہو جائے گی۔ بھیا کی واپسی ہو جائیگی۔ آپ اپنے طور پر کچھ کیجئے ابو خدا کے لئے کچھ سوچئے یہ نہ سمجھیں کہ میں کسی اور جذبے کے تحت یہ بات کہہ رہی ہوں ابو اس گھر کو ایک بار پھر بہتری کی جانب سفر کرنا چاہئے۔

"ہوں۔ تو تم یہ چاہتی ہو کے میں کہیں ملازمت کرلوں۔"

"ضرور کرلیں ابو اپنی انا کو کچل کر آپ کہیں ملازمت کرلیں یہ بہت ضروری ہے ابو جو کچھ بھی ملے ہمیں اس بات کی پروا نہیں ہے۔ اصل میں آپ کے مصروف ہونے کے بعد ایک عمل کا آغاز ہو جائیگا وہ عمل جو پچھلے بہت عرصے سے معطل ہے۔ بھیا آپ کی کمائی کھا کر صرف کبوتر نہیں اڑاتے رہیں گے ابو جب آپ تھکے ہارے دفتر یا ملازمت کی جگہ سے واپس آئیں گے تو ان کی ایک نگاہ آپ پر ضرور پڑے گی۔ بے غیرت نہیں وہ ابو بے غیرت نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو بے غیرت بنانے کے لئے سخت کوشش کررہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے اگر تمہاری یہ رائے ہے تو میں کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس میں ناکام نہیں رہوں گا۔ فرزانہ کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اس نے آگے بڑھ کر جمیل احمد صاحب کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا اور کہنے لگی۔

"ابو اگر آج کا دن ہمارے گھر میں نئی خوشیوں کا آغاز بن سکتا ہے تو میں میں خوشی سے پھولی نہیں سما رہی۔ جمیل احمد صاحب کا ہاتھ بیٹی کے سر پر رینگنے لگا اور فریدہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے جمیل احمد صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے فرزانہ مجھے اجازت دو اور۔ بالکل جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ کھانے پینے کا مسئلہ تو چلتا ہی رہے گا۔ بلکہ پھر کبھی فرمائش کرلیں گے اچھا بیٹے۔"

جمیل احمد صاحب اٹھ کر باہر نکال گئے۔ فریدہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے نے فرازنہ انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں امی روتے نہیں ہیں بری بات ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارے گھر میں پھر ایک نئے دن کا آغاز ہو رہا ہو" کافی وقت گزر گیا۔ دوپہر تک فرزانہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہی۔ سارا گھر الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ صاف ستھرا کردیا اور اس کے بعد دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔ جمیل احمد صاحب واپس نہیں آئے تھے البتہ شہباز کھانے پر موجود تھا۔

"واہ۔ تم روز چھٹی کرلیا کرو فرزانہ۔" شہباز نے کہا۔

"کیوں بھیا"

"کم از کم کھانے پینے کو عمدہ عمدہ چیزیں مل جاتی ہیں۔ ارے ہاں یہ ابو حضور کہاں ہیں ہمارے۔"

"بس گئے ہوئے ہیں بھیا کہہ رہے تھے کے گھر کہ حالات بڑے خراب پریشان کن ہوگئے ہیں کچھ کرنا چاہئے مجھے۔"

"اوہو۔ اوہو تو تم لوگوں نے منع نہیں کیا انہیں۔" شہباز نے کہا اور فرزانہ چونک کر شہباز کو دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب بھیا۔"

"بھئی خطرناک آدمی ہیں پھر کسی جھگڑے میں پھنس گئے تو کہیں سر چھپانے کا یہ ٹھکانہ بھی نہ چھن جائے۔"

"بھیا ایک بات کہوں آپ سے برا تو نہیں مانیں گے۔"

"برا۔ اور ہم ارے چھوڑو فرزانہ۔ جو جی چاہا کرے کھول کر کہہ دیا کرو میرا خیال ہے ہمارے اندر برا ماننے کی حس اب بالکل ختم ہو چکی ہے۔"

"بہرحال آپ کا ذاتی معاملہ ہے بھیا۔ لیکن اگر آپ ان کے بیٹے ہیں تو میں بھی ان کی اولاد ہوں۔ سنا یہ ہے میں نے کہ اگر ماں

باپ کو برا کہا جائے تو اولاد کو دکھ ہوتا ہے بلکہ غیرت مند بچے تو ماں باپ کے لئے لڑ مرتے ہیں۔ جان دے دیا کرتے ہیں۔ میں آپ سے صرف اتنا کہوں گی کہ ابو کی عزت نہ کرسکیں تو کم از کم ان کی بے عزتی بھی نہ کیا کریں۔ مجھے یہ سب کچھ ناپسند ہے۔ آپ اگر ایسا کرتے رہیں گے بھیا تو میں خوش کبھی نہیں ہوں گی۔ آپ سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن لیکن میرا دل دکھتا رہے گا۔"

"یہ جذبات فرزانہ یہ جذبات انسان کو زندگی میں کچھ نہیں دیتے۔"

"دیں یا نہ دیں۔ ہر انسان کو اپنی زندگی میں ہر ایک سے سب کچھ درکار نہیں ہوتا بھیا۔ بہرحال آپ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔" شہباز خاموش ہو گیا۔ فرزانہ نے جو لہجہ اور رویہ اختیار کیا تھا اس نے شہباز کو بھڑکنے نہیں دیا تھا بہرحال کچھ اور وقت گزرا شہباز وہاں سے چلا گیا۔ فرزانہ نے کہا۔

"امی میں پڑوسیوں سے ملاقات کروں گی کوئی اور کام تو نہیں ہے مجھ سے۔"

"نہیں نہیں کہاں جاؤ گی۔"

"بس ایسے ہی سب سے رابطے ٹوٹے ہوئے ہیں پہلے ملاقاتیں ہو جایا کرتی تھیں۔ دوستیاں بھی تھیں۔ لیکن اب اس کا موقع ہی نہیں ملتا۔"

"ہاں فرزانہ تم ہم سب سے زیادہ مصروف ہو۔"

"کوئی بات نہیں امی۔ یہ تو گھر کو سنبھالا دینے کی ایک کوشش ہے۔ خدا کرے ہمارے گھر میں ایک بار پھر سے خوشیاں واپس آجائیں۔ تو میں چلی جاؤں۔"

"ضرور کیا فرق پڑتا ہے۔" فریدہ بیگم نے کہا۔ فرزانہ نے تھوڑی بہت تیاریاں کیں۔ بس ایک صاف ستھرا سادہ سا لباس پہنا اور اس کے بعد گھر سے باہر نکل آئی۔ دو جگہ جانے کا منصوبہ تھا۔ ایک تو گیارہ نمبر اور دوسرے شکیل کے گھر ایک جگہ بھائی کی دلداری کا سامان کرنے جا رہی تھی تو دوسری جگہ اپنی آرزوؤں کا مرکز یہ جانتی تھی۔ کہ اس وقت شکیل گھر پر نہیں ہوگا لیکن یہی وقت مناسب بھی تھا تاکہ کسی کو یہ احساس نہ ہوسکے کے وہ شکیل کی وجہ سے آئی ہے پہلے گیارہ نمبر کے دروازے پر پہنچی۔ دروازے پر دستک دی اور چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا۔ نسیم بیگم نے دروازہ کھولا تھا۔ لڑکی کو دیکھ کر مدہم سے انداز میں مسکرائیں اور کہنے لگی۔"

"آؤ بیٹے کون ہوں۔ خیریت کس سے ملنا ہے۔"

"آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔ آپ سے تھوڑے سے فاصلے کے ایک مکان میں رہتی ہوں۔"

"اوہو اوہو۔ اچھا آؤ آجاؤ۔ آجاؤ" نسیم بیگم نے محبت سے کہا اور فرزانہ اندر داخل ہو گئی۔

"کون سے مکان میں رہتی ہو تم"

"بس چچی جان تھوڑے فاصلے پر ہے ہمارا گھر۔ آپ اسے سترہ نمبر کہہ سکتی ہیں۔"

"خوب۔ خوب آؤ بیٹھو۔ نسیم بیگم نے کہا اور تخت پر بیٹھ گئی۔ اندر سے پروین کی آواز آئی۔۔"

"کون ہیں اماں"

"باہر آؤ۔ آکر دیکھو کون ہے۔ نسیم بیگم نے کہا۔ پروین اور ثریا باہر نکل آئیں۔ ایک اجنبی شکل کو سامنے دیکھا پسند آئی۔ سلام کیا مسکرائیں اور قریب آگئیں فرزانہ نے اٹھ کر دونوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہاں۔

"میرا نام فرزانہ ہے اور میں سترہ نمبر کے مکان میں رہتی ہوں۔"

"پڑوسی ہے ہماری۔ میں ثریا ہوں اور یہ پروین ہیں۔"

"خوب بڑی خوشی ہوئی آپ لوگوں سے ملکر۔ بھلا فاطمہ بیگم کیوں پیچھے رہ جاتیں۔ باہر باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اندر سے نکل آئیں۔ فرزانہ تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فاطمہ بیگم کو دیکھا کھڑی ہوئی اور جھک کر انہیں سلام کیا۔ ان کے سامنے سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ فاطمہ بیگم نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"جیتی رہو۔ بھئی۔ کون ہو کس سے ملنے آئی ہوں۔"

"آپ کی پڑوس کی لڑکی ہوں۔ بہت دن ہوگئے آپ لوگوں کو یہاں آئے ہوئے۔ بہت عرصے سے سوچ رہی تھی کہ آپ کی

خدمت میں حاضری دوں گی لیکن بس مصروفیت۔"

"اچھا اچھا بیٹھو بیٹی۔ بہت اچھی طبیعت کی مالک لگتی ہو۔ ایک ہماری گھوڑیاں ہیں نہ کسی سے سلام نہ دعا۔ بس ہنسی ٹھٹھا مار۔ اس کے علاوہ اور کوئی کام بھی نہیں ہے ان کو۔ اب دیکھو ایسی بچیاں ہوتی ہیں منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔

"نہیں۔ نہیں دادی اماں یہ تو مجھے بڑی اچھی لڑکیاں معلوم ہوتی ہیں فرزانہ نے کہا۔"

"ہاں دو چار بار ملاقاتیں کرلو۔ پھر بتا دینا ہمیں۔"

"آپ لوگ آپس میں کیا رشتہ رکھتے ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"بیٹی تمہیں اندازہ نہیں ہو سکتا۔ دشمنی کا رشتہ ہے ان کا۔ ہم سب سے تین افراد کی دشمن ہیں یہ اس گھر کے۔" نسیم بیگم کو فاطمہ بیگم کے الفاظ بہت برے لگے تھے۔

"ہاں بوا ٹھیک کہتی ہیں یہ۔ دشمنی ہی کی بنیاد پر میں انہیں اپنے بیٹے کے لئے بہو بنا کر لائی تھی۔ اور اس کے بعد سے آج تک دشمنی نبھا رہی ہوں ٹھیک ہے۔ بس یہ ہیں ان کی دو بیٹیاں ہیں بیٹا صبح کو میرے اوپر چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور میں دن بھر ان کی کسر نکالتی رہتی ہوں دل کے پھپھولے ایسے نہ پھوٹیں گے تو اور کیسے پھوٹیں گے۔"

"اپنے آپ کو نہیں دیکھتیں اماں تم۔ ایک نئی بچی آئی ہے گھر میں اور تم نے میری بیٹیوں کو گھوڑیاں کہہ کر مخاطب کیا ہے اور انکی برائیاں شروع کر کر دیں۔"

"تو حقیقتیں بتانا تو ضروری ہے نا بوا۔ جیسی تربیت دو گی ویسی اولاد اٹھے گی۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ دیکھنے والوں کی نظر میں نہیں ہوتیں کیا۔" فرزانہ گھبرا سی گئی تھی اس نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ بہرحال یہ بالکل الگ موضوع ہے میں تو میں تو آپ لوگوں سے ملنے آئی تھی۔" پروین ہنس کر بولی۔

"آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں فرزانہ یہ اس گھر کا خصوصی پروگرام ہوتا ہے اور صبح سے شام تک جاری رہتا ہے کبھی کبھی دل چاہا کرے تو اس پروگرام میں شرکت کیا کریں۔ کم از کم لطف ہی رہتا ہے ورنہ اگر جذباتی طور پر اس سے متاثر ہوں تو کبھی نہ ہوں کیونکہ ہم لوگ پروگرام کی پروا نہیں کرتے بلکہ آئندہ اس پروگرام کو جاری رہنے دیجئے۔ ہم لوگ اپنے کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔

"نہیں سب ہی سے ملنے آئی تھی دادی اماں بھی مجھے تو بہت اچھی لگتی ہیں اور چچی جان' چچا جان آپ لوگ' میرا مطلب یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی سی باتوں کو کبھی بنیاد نہیں بنانا چاہئے بزرگوں کی تو زبان تلخ ہی ہوتی ہے۔ لیکن اس تلخی میں جس قدر محبت چھپی ہوتی ہے اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا اگر دادی اماں کوئی لفظ کہہ دیتی ہیں تو آپ یقین کریں کہ ان کے دل میں برائی نہیں ہوتی ہوگی یہ میرا تجربہ ہے۔"

"نہیں بی بی۔ انہیں میرے منہ سے نکلی ہوئی آواز بھی بری لگتی ہے۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"نہیں دادی اماں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں بھئی ثریا اور پروین تم لوگوں کے کیا مشاغل ہیں۔ ذرا مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

یہاں ایک بات بھی منہ سے نکلی تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آسمان کی طرف پرواز کر جائیگی۔ اگر ہم لوگوں کے مشاغل اور ہمارے بارے میں معلومات درکار ہیں تو ہمارے کمرے میں چلیں۔"

"ہاں ان کے کمرے میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ یہاں تو سچائیاں ہی سننے کو ملیں گی اس کے مشاغل میں بتاؤں تمہیں۔ دوپہر تک پڑی سوتے رہنا۔ اس کے بعد گھر میں کوکڑے لگاتے رہنا۔ پھر چھت پر چڑھ جانا۔ یہی کام ہے ان کا اور کوئی کام ہے نہیں۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"ہاں یہ بڑی بی جھاڑو برتن کرتی ہیں۔ صفائی کرتی ہیں کپڑے دھوتی ہیں۔ کھانا پکاتی ہیں اور اس کے بعد رات تھک کر آرام کی نیند سو جاتی ہیں۔ نہ کھانا نہ پینا۔" نسیم بیگم نے کہا۔

"کیوں کروں میری کرے جوتی۔ میں نے تم لوگوں کو بانس کی طرح بڑا کر کے یہاں کھڑا کر دیا اور یہ سارے کام میں کروں گی۔" فاطمہ بیگم بولیں۔

"تو پھر کون کرتا ہے۔ کہہ تو ایسے ہی رہی ہیں۔ اگر آپ نہیں کرتیں تو کوئی نہ کوئی تو کرتا ہی ہوگا۔" دیکھ رہی ہو بیٹی ان کی باتیں۔

"ارے ہاں سب دیکھ رہی ہیں سب دیکھنے والے سب دیکھتے ہیں۔ آنے تو ذرا محلے والوں کو ایک ایک کر کے پھر سارے تمہارے کرتوت انہیں نہ بتاؤں تو میرا نام بھی فاطمہ بیگم نہیں ہے فاطمہ بیگم اپنے کمرے کی جانب چل پڑیں۔ نسیم انہیں گھورتی رہی تھیں۔ ثریا اور پروین نے فرزانہ کو آنکھ ماری اور ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ فرزانہ نے کہا۔

"چچی جان اگر آپ اجازت دیں تو میں تھوڑی دیر ان لوگوں سے کچھ باتیں کرلوں۔"

"ہاں بیٹی بڑی خوشی ہوئی ہوگی یہاں تمہیں۔ جاؤ باتیں کرلو۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" نسیم بیگم کہنے لگیں اور فرزانہ پروین اور ثریا کے ساتھ ان کے کمرے میں جا گھسی۔

"خدا کی پناہ یہاں تو مہابھارت چھڑی رہتی ہوگی۔"

"چھوڑیئے مہابھارت کو کیوں بدنام کر رہی ہیں۔ بھلا وہ بھی کوئی لڑائی تھی۔ جو ہمارے ہاں ہوتی ہے اسے کبھی دیکھئے آپ صبح سے شام تک۔ مزہ نہ آجائے تو دام واپس۔" ثریا ہنس کر بولی اور فرزانہ بھی ہنس پڑی۔ پھر کہنے لگی۔

بھئی تم دونوں تو بڑے مزے کی لڑکیاں ہو۔ مجھے تو یہ افسوس ہے کہ اب سے پہلے تم سے ملاقات کیوں نہ ہوئی۔"

"ہمارا پورا گھر ہی مزے کا گھر ہے۔ فرزانہ صاحبہ آپ اپنے گھر کی سنایئے۔ کون کون ہے آپ کے گھر میں۔"

"میرے بھیا ہیں' ابو ہیں' امی ہیں' اور میں ہوں' بس ہم چار افراد ہیں۔"

آپ پڑھتی ہیں۔" پروین نے پوچھا۔

"اب نہیں پڑھتی کچھ بھی۔"

"خوب خوب آپ کے بھیا کیا کرتے ہیں۔"

"ابھی تعلیم مکمل کر کے فارغ ہوئے ہیں۔ اب کہیں ملازمت وغیرہ کی کوششیں کریں گے۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر فرزانہ صاحبہ ویسے آپ کا مکان کس طرف ہے۔ کیا یہاں سے نظر آسکتا ہے؟"

"اس کمرے سے۔" فرزانہ نے ہنس کر پوچھا۔

"اس کمرے سے۔" فرزانہ نے ہنس کر پوچھا۔

"نہیں نہیں چھت سے۔ ابھی چھت پر چلیں گے۔ آپ ہمیں اپنا مکان دکھایئے گا۔"

"چھت پر سے دیکھ کر کیا کرو گی بھئی۔ کبھی ہمارے ہاں آؤ۔"

"آپ کے ہاں آئیں۔ پروین نے ثریا کی طرف دیکھا اور ثریا ہنس پڑی پھر بولی۔"

"ہم لوگ قیدی ہیں۔ فرزانہ صاحبہ 'قیدی آزاد قیدی میرا مطلب ہے اس گھر کی چار دیواری میں ہم بے شک آزاد رہتے ہیں لیکن باہر۔"

"کیوں؟" فرزانہ نے حیرت سے پوچھا!

"بس ہمارے ہاں کہیں آنے جانے کا رواج ہی نہیں ہے دادی اماں پرانے محلے میں چلی جاتی ہیں امی گھر سے نکلنے کی شوقین نہیں ہیں۔ ابو دفتر چلے جاتے ہیں اور ہم بس کیا کہیں آپ سے۔ ہماری پرواز صرف چھت تک ہے۔ فرزانہ ہنسنے لگی پھر بولی۔"

"کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کوشش کروں گی کہ آپ کو آپ کے گھروں سے نکالا جائے۔"

"آپ کوشش کریں گی۔ کس حیثیت سے؟"

"بھئی پڑوسی کی حیثیت سے۔ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

مشکل ہی ہوگا آپ کے لئے۔ بہرحال چھوڑیں۔ آیئے چھت پر چلیں۔ آپ ارے ہاں۔ پہلے یہ بتایئے آپ کو چائے پلائی جائے یا ٹھنڈا۔"

"اگر اس قسم کی کوئی بات کی تو آئندہ یہاں آنے سے گریز کروں گی۔

"کیوں۔۔۔"

اپنائیت کا تقاضہ یہی ہے کہ گھر میں بے تکلفی سے آیا جائے۔ نہ چائے کا جھگڑا نہ ٹھنڈے کا۔ چلیں چھت پر چلئے۔ فرزانہ نے کہا اور تینوں باہر نکل آئیں۔ نسیم بیگم بھی شاید اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد سیڑھی کے ذریعے سب چھت پر پہنچ گئیں اور فرزانہ دونوں لڑکیوں کو پورے محلے سے روشناس کرانے لگی۔ محلے والوں پر اس نے کوئی تبصرہ آرائی نہیں کی تھی بلکہ لوگوں نے نام پتے اور گھروں کے نمبر بتاتی رہی تھی۔ اچانک پروین نے پوچھا۔۔۔

"وہ جو سامنے کبوتروں کے ڈربے آرہے ہیں وہ کس کا گھر ہے۔۔۔؟"

"محترمہ پروین صاحبہ میں آپ کو اسی گھر کی جانب متوجہ کرنا چاہتی تھی وہ کبوتر خانہ خادمہ کا ہے۔"

"آپ کا۔" پروین نے حیرت سے پوچھا۔۔۔

"جی"

"مگر وہاں سے تو ایک صاحب اکثر سیٹیاں بجاتے اور کبوتر اڑاتے آتے ہیں۔"

"وہی میرے بھیا ہیں۔۔"

"اچھا اچھا۔" پروین نے آہستہ سے کہا۔ اور فرزانہ ہنسنے لگی۔

دیکھا ہے آپ نے یہاں سے میرے بھیا کو۔ پروین صاحبہ۔۔"

"ہاں۔ کئی بار دیکھا ہے۔ مگر ظاہر ہے فاصلہ اتنا ہے کہ غور سے نہیں دیکھ سکی۔ میں تو یہ سمجھی تھی کہ کوئی بزرگ ہیں جو کبوتر بازی کے شوقین ہیں۔"

"نہیں جناب وہ میرے بھیا ہیں۔"

"اچھا۔ اور وہ جو پیچھے مکان آرہا ہے وہ اس طرف۔۔۔ وہ کس کا ہے؟"

"وہاں جمی رہتا ہے۔"

جمی کون صاحب ہیں؟"

"بس محلے ہی کا ایک نوجوان ہے۔ ایک کمرہ لے رکھا ہے اس نے۔ اوپری حصہ میں۔ اس میں رہتا ہے۔ نیچے کا گھر شاید کرائے پر اٹھا ہوا ہے۔"

"اس کا اپنا ہے؟"

"ہاں اپنا ہی ہے۔ کسی زمانے میں یہاں اس کے والدین رہا کرتے تھے۔ مگر اب اکیلا ہے بیچارہ۔ اچھا انسان ہے؟"

"ہاں دوربین بھی ہے ایک اس کے پاس۔" ثریا بولی۔

"کیا مطلب۔"

"اکثر دوربین آنکھوں سے لگائے نجانے کدھر کدھر دیکھتا رہتا ہے۔"

"او ہو اچھا اچھا۔ بہرحال انسان کو خود ہی اپنے طور پر محتاط رہنا چاہئے۔"

"ارے لڑکیوں چھت پر چلی گئیں۔ میں نے چائے بنالی ہے۔" نیچے سے نسیم بیگم کی آواز سنائی دی۔۔۔

"او ہو چلیں نیچے چلیں۔ میرا خیال ہے ویسے بھی ہم نے کافی وقت گزار لیا ہے۔ دھوپ بھی ہو رہی ہے تینوں نیچے آگئیں۔" نسیم بیگم نے چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ وغیرہ بھی رکھے تھے۔ بیگم فاطمہ اپنے کمرے میں گھسی ہوئی تھیں کافی دیر تک فرزانہ یہاں رکی۔ پروین اور ثریا اسے بہت پسند آئی تھیں اس نے ابھی انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ ملازمت کرتی ہے۔ ایک ملاقات میں سب کچھ بتا دینا بھی ضروری نہیں تھا۔ چائے وغیرہ پی اور اس کے بعد فرزانہ نے اجازت طلب کرلی۔

"ارے فرزانہ بیٹی بیٹھو ابھی۔ اتنی جلدی کیا ہے۔"

"بس چچی جان جانا چاہئے۔ بہت دیر ہو گئی آئے ہوئے۔ چچی جان کیا آپ پروین اور ثریا کو کبھی ہمارے گھر نہیں بھیجیں گی۔"

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔ جب تعلقات ہوتے ہیں تو پھر آنا جانا تو ہوتا ہی ہے۔ پہلی ملاقات ہوئی ہے تم سے ضرور آؤں گی میں ان دونوں کو لے کر کبھی تمہارے گھر۔۔۔"

"میں بھی حاضری دوں گی اس دوران بلکہ آتی رہوں گی اگر آپ کی اجازت ہو تو۔"

"بھئی کیوں نہیں ہم تو خود محلے والوں سے ملنے کو ترسے ہوئے ہیں بس تعارف ہی نہیں ہو سکا آج تک۔ ایک بیچاری مجن بی ہیں جو کبھی کبھی ملنے آجاتی ہیں۔"

"اچھا اچھا۔ مجن بھی ملنے آجاتی ہیں یہاں پر۔"

"ہاں ہاں۔ اچھی خاتون ہیں۔"

"محلے بھر کی رونق ہیں وہ تو چچی جان۔ سب ہی کے رابطے انہیں کے ذریعے قائم ہوتے ہیں۔ اچھا تو مجن بی آتی ہیں یہاں پر۔"

"ہاں 'کیوں کوئی خاص بات ہے۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ میں ایسے ہی پوچھ رہی تھی اور کسی سے تعارف نہیں ہوا آپ کا۔"

"بس محلے کے مردوں کا ملنا جلنا ہو گیا ہے لیکن پروین اور ثریا کے ابا بیچارے دفتر سے آتے ہیں گھر میں تھکے ماندے پڑ جاتے ہیں۔ بہت کم ہی باہر نکلنا ہوتا ہے ان کا بھی۔"

"ہاں ظاہر ہے مردوں کی مصروفیات تو ہوتی ہی ہیں۔ اچھا چچی جان پھر خدا حافظ۔ انشاء اللہ تعالیٰ پھر حاضری دوں گی دوبارہ۔" فرزانہ نے کہا اور اس کے بعد کہنے لگی۔

"ذرا دادی اماں کو سلام کر آؤں۔ کمرے سے باہر نہیں نکلیں اپنے۔"

"ہاں کر لو۔ ورنہ تم بھی مردود قرار پاؤ گی۔" نسیم بیگم نے کہا اور فرزانہ ہنستی ہوئی دادی اماں کے کمرے میں پہنچ گئی۔

اندر آسکتی ہوں دادی اماں؟"

"کون ہے؟ دادی اماں چونک کر بولیں۔

"میں ہوں فرزانہ۔"

"آؤ بیٹی آؤ۔" دادی اماں پلنگ پر لیٹی ہوئی تھیں۔

"جا رہی تھیں؟"

"آپ کو سلام کئے بغیر تو نہیں جا سکتی تھی۔" دادی اماں نے اسے دیکھا اور دعائیں دینے لگیں۔ پھر بولیں۔

"بھئی بڑوں کی عزت کرو گی ہمیشہ اچھے نصیب پاؤ گی۔ کیا کروں پوتیاں ہیں میری مگر ماں نے ایسا بگاڑا ہے کہ نہ سلام نہ دعا بس کیوں۔"

"پھر بھی دادی اماں آپ سے بے پناہ محبت کرتی ہیں وہ۔"

"کون کہتا ہے؟"

"دادی اماں آپ یقین کیجئے ابھی ہم لوگ چھت پر تھے۔ آپ ہی کی باتیں ہو رہی تھیں۔"

"کیا باتیں ہو رہی تھیں۔" میری دادی اماں تیوری چڑھا کر بولیں۔

کہہ رہی تھیں کہ دادی اماں فرشتہ صفت ہیں ہمارے گھر میں ان کے دم سے جو برکت اور رونق ہے وہ کسی اور کے دم سے نہیں ہو سکتی۔ خدا انہیں زندہ سلامت رکھے۔"

"کون کہہ رہی تھی۔ پروین یا ثریا؟"

"دونوں ہی کہہ رہی تھیں۔"

"ارے باتیں بنا رہی ہوں گی دوسروں کو دکھانے کے لئے۔ ورنہ جس ماں کی وہ بیٹی ہیں نا بس میں جانتی ہوں۔ میرا جی جلتا ہے۔"

"ہمارے گھر آیئے نا دادی اماں آپ بھی۔"

"ایں۔ بٹی کسی دن خود اپنے ساتھ لے جاؤ۔ تو چلوں گی۔ مجھے تو کچھ معلوم ہی نہیں ہے پھر اکیلی کہاں جاؤں۔"

"اچھا تو پھر ٹھیک ہے۔ جمعہ کو آپ ہمارے ہاں ضرور تشریف لے چلئے۔ بلکہ سب تشریف لے چلیں۔"

"سب لوگوں کو ساتھ لے جانا تو پھر مجھے مت لے جانا جاؤں گی تو اکیلے جاؤں گی۔"

"اچھا تو پھر ٹھیک ہے۔ جمعہ کو آپ چلئے۔ اس کے بعد اگلے جمعہ کو باقی لوگوں کو بھی بلا لیں گے۔ اچھا پھر چلتی ہو۔" فرزانہ اس کمرے سے نکل آئی۔ بڑی دلچسپ ملاقات تھی یہ اور وہ بہت دیر تک اس پہ مسکراتی رہی تھی۔ اسی طرح مسکراتی ہوئی وہ شکیل کے گھر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ رقیہ خاتون نے دروازہ کھولا تھا۔ کلیم احمد صاحب بھی گھر میں موجود تھے۔ رقیہ خاتون نے فرزانہ کو دیکھا اور محبت سے مسکرا دیں۔

"ارے فرزانہ۔ تم آؤ آؤ کیا آج چھٹی کر ڈالی تم نے دفتر سے۔"

"جی چچی صاحبہ کیا کروں۔ دفتر جاتی ہوں دفتر سے واپس آتی ہوں اتنا وقت ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد کہیں نکلنے کی ہمت نہیں ہوتی آپ سب سے ملے اتنا اتنا عرصہ گزر جاتا ہے۔ دل تڑپتا رہتا ہے مگر مجبوریاں راستے روک لیتی ہیں۔"

"ہاں بیٹی۔ زندگی اب اتنی کٹھن ہو گئی ہے جتنی پہلے کبھی نہیں تھی۔"

"آپ سنایئے چچی جان کیسے مزاج ہیں۔ کیا کیا ہو رہا ہے۔"

"بس اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ شکیل کی ملازمت سے دل کو تسلی ہوئی ہے وہ بھی بہت اچھے لوگوں سے رابطہ ہوا ہے۔ بہت کرتے ہیں خیال رکھتے ہیں ہر طرح کا شاید شکیل کی تنخواہ میں بھی کچھ اضافہ ہو جائے۔ ویسے بھی ماشاءاللہ اچھی تنخواہ ہے۔ تو یقین نہیں کر پا رہے کہ اللہ نے ہمارے حالات اس طرح تبدیل کر دیئے۔"

"چچی اللہ کے ہاں دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں ہوتا۔ یہ وقت تبدیل ہونا تھا۔ خدا کا احسان ہے کہ جلد ہی ہو گیا۔ آپ یقین کیجئے۔ چچی جان شکیل کی نوکری لگ جانے سے مجھے جتنی خوشی ہے شاید ہی کسی اور کو ہو۔ آپ لوگوں کے علاوہ۔"

"کیوں نہیں بیٹی۔ ظاہر ہے بچپن کا ساتھ ہے۔ اور پھر اور پھر تمہیں غیر تو کسی نے سمجھا ہی نہیں۔ اپنے ہی اپنوں کے سکون سے خوش ہوتے ہیں۔ ہم تو یقین کرو تمہارے گھر کے لئے بھی اتنی دعائیں کرتے ہیں کہ بس کیا بتائیں۔"

کیوں نہیں چچی مجھے یقین ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ بہت مختصر وقت جا رہا ہے جب ہمارے گھر میں بھی ایک بار پھر خوشحالی کا دور دورہ ہو جائیگا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" بہت دیر تک فرزانہ ان لوگوں سے باتیں کرتی رہی۔ اسے دلی مسرت نصیب ہو رہی تھی۔ چلتے وقت کہنے لگی۔

"شکیل صاحب سے کہہ دیجئے گا میں آئی تھی۔ سلام کہہ دیجئے گا میرا۔"

ارے رکو ابھی اتنی جلدی کیا ہے جانے کی۔"

"نہیں چچی جان اب گھر کے کچھ کام کاج سنبھالوں گی۔ بس آج چھٹی کر ڈالی تھی اور سوچا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضری ضرور دوں گی۔" بہت سی دعائیں لے کر وہ وہاں سے چل پڑی۔

دل شاد تھا۔ نجانے کیوں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ آج کا دن بہت سی مسرتوں کے آغاز کا دن ہے۔ گھر واپس آئی۔ فریدہ بیگم باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ وہ خود بھی ان کے پاس پہنچ گئی۔ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولیں۔

"کہاں کہاں ہو آئیں۔"

"بس امی گیارہ نمبر کے نئے کرائے داروں کے ہاں گئی تھی اور کلیم چچا کے گھر۔ گیارہ نمبر والے تو بڑے دلچسپ لوگ ہیں۔" وہ حکمت علی کے ہاں کے قصے سنانے لگی۔ کبھی کبھی پڑوسیوں سے بھی ملنا چاہئے امی اچھا لگتا ہے۔"

"ہاں پہلے ملتے تھے مگر اب۔" فریدہ بیگم ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔

"اب دیکھ لیجئے امی 'میرا دل کہتا ہے 'دن بدلنے والے ہیں۔ بہت جلد۔" بہت ہی جلد۔" دونوں ماں بیٹیوں کی آنکھوں میں مستقبل کے خواب چمکنے لگے۔

شکیل حسب معمول دفتر پہنچ گیا۔ روشن سے معلوم ہوا کہ میڈم گھر پر موجود ہیں کچھ دیر کے بعد سلطانہ جمالی گھر یلوں لباس میں اس کے پاس پہنچ گئی۔ شکیل نے احتراماً کرسی چھوڑ دی تھی۔

"کہوں کیا ہو رہا ہے؟"

"فرائض کی بجا آوری" شکیل مسکرا کر بولا۔

"آج تمہیں میرے ساتھ بازار چلنا ہے۔"

"بہتر۔ کچھ خریداری کرنی ہے؟" شکیل نے پوچھا۔

"ہاں۔ کچھ کپڑا خریدیں گے مارکیٹ سے اور سوٹ سلنے کے لئے دے دیں گے۔ ارجنٹ سوٹ سلوا لیتے ہیں۔ ویسے بھی سوچ رہی ہوں کہ چار چھ ریڈی میڈ سوٹ خرید لئے جائیں۔ شکیل یہ دنیا بڑی مصنوعی دنیا ہے۔ دکھاوے کرنا پڑتے ہیں اس کے کہیں جا کر بات بنتی ہے۔"

"جی اس میں کوئی شک نہیں ہے میڈم۔" شکیل نے جواب دیا۔

"بناوٹ زندگی کا ایک حصہ بن چکی ہے۔ لباس عمدہ ہونا چاہئے جو شخصیت بناتا ہے۔ باقی ساری باتیں پس منظر میں چلی ہیں۔ میں نے طے کیا ہے کہ اب کاروباری دنیا میں تمہیں پوری طرح روشناس کرا دیا جائے تاکہ لوگ تمہیں اچھی طرح جان اور اس کے بعد جب تم آگے بڑھو تو لوگوں کے لئے تم اجنبی نہ ہو۔۔۔۔"

"جی میڈم۔ اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔۔"

"نہیں بھئی میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے اتنا بڑا ذہنی سہارا دیا ہے کہ بتا نہیں سکتی میں۔ رات کو بہت دیر سوچتی رہی تمہارے بارے میں۔ میں نے سوچا کہ تم جیسے کار آمد نوجوان کو کس طرح مس کیا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ تم ہر ایک کے لئے اتنے ہی شاندار ثابت ہو سکتے تھے اس دنیا کے اصولوں سے مجھے بھی بہت اختلاف ہے شکیل مگر کیا کیا جائے۔ دنیا کا رنگ ہو چکا ہے۔"

شکیل خاموشی سے میڈم کو دیکھتا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر کے بعد اٹھتی ہوئی بولیں۔

"کوئی ایک گھنٹے کے بعد چلیں گے۔ بازار وغیرہ کھل جائیں گے۔"

سلطانہ جمالی چلی گئی اور شکیل عجیب سے انداز میں سوچنے لگا کہ واقعی سلطانہ جمالی کا کہنا بالکل درست ہے۔ حلیہ اہم لوگ یہ نہیں سوچتے شخصیت کیا ہے۔ اور یہی ماحول شکیل کو بار بار آواز دیتا رہا تھا۔

کلیم احمد صاحب اس بات سے خوفزدہ تھے کہ چمک دمک کی دنیا صرف برائیوں کی دنیا ہوتی ہے۔ اور اس تک پہنچنے کا مطلب ہے کہ انسان برائیوں کی جانب قدم بڑھا رہا ہے لیکن وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت نے اسے ایک ایسا راستہ فراہم کر دیا کوئی برائی سامنے نہیں آ رہی بلکہ اچھی بات یہ ہے کہ برائیوں کے خلاف قدم اٹھانا پڑ رہا ہے نیکی کے راستے روشن ہوتے ہیں۔ تقدیر نے جس طرح سنبھالا دیا تھا۔ شکیل اس کے لئے بہت مسرور تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد بیگم جمالی اس کے ساتھ اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑیں۔ ڈرائیونگ انہوں نے شکیل کو ہی دی تھی گئے۔۔۔

"لائسنس ہے تمہارے پاس؟"

"نہیں میڈم۔ بس گاڑی چلانا سیکھ لی تھی دوستوں کے درمیان رہ کر۔ لائسنس کی ضرورت اس لئے پیش نہیں آئی کہ گاڑی کا تصور ہی ذہن میں نہیں ابھرا تھا۔"

"خیر کوئی بات نہیں ہے۔ تصویریں تو ہوں گی تمہارے پاس۔ اگر نہیں ہیں تو بنوا لینا۔ مجھے دے دینا میں کسی کو ٹیلی فون کر دوں گی وہ لائسنس بنا کر دے جائے گا۔۔"

"جی میڈم۔"

ایک بہت ہی قیمتی بازار میں پہنچنے کے بعد ایک درجن سوٹوں کے لئے کپڑے خریدے گئے۔ اتنی ہی قمیصیں بازار سے لی گئیں۔ ایک ریڈی میڈ اسٹور سے چھ اعلیٰ درجے کے سوٹ خریدے گئے جن کی مالیت اتنی تھی کہ شکیل کی کئی ماہ کی

تنخواہ کے برابر نہ ہوتی۔ ایک اور اسٹور سے جوتے خریدے گئے۔ اور ٹائیاں، موزے، بنیائن وغیرہ۔ سلطانہ جمالی دل کھول کر خریداری کر رہی تھی۔ شکیل سناٹے میں ڈوبا رہا۔ ایک دوبار اس نے دبی زبان سے میڈم سلطانہ جمالی سے اظہار بھی کیا کہ بہت قیمتی اشیاء ہیں اور یہ اس کے لئے نہ خریدی جائیں۔ میڈم نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں شکیل یہاں اس مسئلے میں تمہارا کچھ کہنا مناسب نہیں ہے۔ خاموش رہو۔"

اتنی خریداری کی گئی تھی شکیل کے لئے کہ وہ انتہائی بوجھ تلے دب گیا تھا۔ اس کے بعد سلطانہ جمالی واپس آ گئیں۔ انہوں نے دو سوٹ کیس بھی خریدے تھے۔ جو گاڑی کی ڈکی میں رکھے ہوئے تھے۔ کہنے لگیں۔

"میرے خیال میں عارضی طور پر یہ سب کچھ مناسب ہے۔ ناپ نہیں دیا ہے میں نے لیکن کوئی ضروری نہیں ہے۔ ٹیلر کو ٹیلی فون کر کے گھر پر بلا لیا جائے گا۔ وہ ناپ لے جائے گا اور سوٹ سی کر دے جائے گا۔"

"جی میڈم۔۔"

"تم کچھ بجھے بجھے سے نظر آ رہے ہو بات کیا ہے؟"

"میڈم میں نے آپ سے عرض کیا تھا مجھ پر بہت زیادہ خرچ کیا جا رہا ہے۔ میرے اپنے خیال کے مطابق۔"

"نہیں شکیل اس انداز میں کیوں سوچ رہے ہو تم۔ یہ تم پر نہیں میں اپنے آپ پر خرچ کر رہی ہوں۔ کبھی اس انداز میں مت سوچو۔ غور کرو تمہیں میرے لئے کیا کیا کچھ کرنا ہے۔"

میں تمہاری شخصیت کو وہی شکل دینا چاہتی ہوں جو اس کارکردگی کے لئے ضروری ہے۔ یہ تم پر احسان نہیں بلکہ میرے اپنی ذاتی اخراجات ہیں جو میں اپنے کاروبار کے لئے کر رہی ہوں۔ اس لئے تم اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہو گے اور نہ کچھ سوچو گے۔ سوٹ کیس لے آئی ہوں۔ احتیاط سے اپنے ساتھ لے جانا۔ یہ سارے کپڑے ان میں سنبھال کر رکھ لو۔ تمہیں اب بہت زیادہ اپ ٹو ڈیٹ رہنا ہے۔"

"میڈم میں یہ چیزیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔"

"کیوں؟"

"بس اگر آپ اس بات کو رہنے ہی دیں تو زیادہ بہتر ہے۔"

"اگر تم یہ مناسب سمجھتے ہو کہ مجھے کسی سلسلے میں غیر مطمئن رکھو تو رہنے دو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"نہیں میڈم۔ غیر مطمئن رکھنے کی بات نہیں ہے۔ آپ نے کبھی میرا گھر نہیں دیکھا۔ میرا ماحول نہیں دیکھا۔ اگر اس گھر سے میں یہ قیمتی سوٹ پہن کر نکلوں گا تو تماشہ بن جاؤں گا۔"

"اوہو کیا کسی بہت پسماندہ علاقے میں رہتے ہو؟"

"پتہ تو میری درخواست پر درج تھا ہی اور آپ نے اسی پتے پر خط بھی بھیجا ہے۔"

"یقین کرو بس ایڈریس لکھ دیا تھا۔ یہ غور نہیں کیا تھا کہ کون سا محلہ، کون سی جگہ ہے۔ اچھا تو یہ بات ہے۔ چلو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ جتنے معاملات شروع ہوں گے دفتر ہی سے شروع ہوں گے کہ اگر ہمیں کہیں آنا جانا ہو گا تو یہیں سے چلا کریں گے۔ تم بس اپنا لباس وغیرہ تبدیل کر لیا کرو۔ گھر سے جس طرح بھی چاہو نکل آیا کرو کوئی حرج نہیں ہے۔ بعد میں اس مسئلے کو بھی دیکھ لیں گے۔ کتنے افراد ہیں تمہارے گھر میں؟"

"بس والدہ اور والد ہیں۔"

"اور کوئی بھائی بہن؟"

"نہیں اور کوئی نہیں ہے۔۔"

"بہت مختصر فیملی ہے بھئی۔ اس کوٹھی میں بھی ان لوگوں کو جگہ مل سکتی ہے۔"

"نہیں میڈم۔ خدا کے لئے بھول کر بھی یہ بات نہ سوچیں۔"

"کیوں؟"

"میں آپ کو ابھی بتا نہیں سکتا اس بارے میں۔ ویسے جی وہاں ہماری بہت پرانی رہائش ہے اور ہم ہمیشہ سے وہیں رہتے چلے

آئے ہیں ابو اور امی کبھی وہ گھر چھوڑنا پسند کریں گے۔"

"خیر یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے جسے ہم زیر بحث لائیں۔ اب ایسا کرتے ہیں کہ آج شام کو کلب چلتے ہیں۔"

"کلب؟"

"ہاں میں یہاں کئی کلبوں کی ممبر ہوں۔ آتی جاتی رہتی ہوں تھوڑا سا اس ماحول سے بھی روشناس ہونا ضروری ہے۔"

"بہت بہتر۔ جیسا آپ پسند کریں۔"

"گھر پر کہنے سننے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"نہیں' میں نے اپنے گھر والوں کو بتا دیا ہے کہ ہو سکتا ہے اب مجھے شام کو زیادہ دیر تک مصروف رہنا پڑے۔"

"یہ بہت اچھا کیا۔ کام' کام کی صورت میں ہونا چاہئے شکیل اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ سامنے نہیں آنی چاہئے۔"

"جی میڈم آپ اس کا اطمینان رکھیں۔"

"بس تو پھر آج ہم شام کو سات بجے چلیں گے۔ دس گیارہ بجے تک میں تمہیں واپس تمہاری رہائش گاہ پر چھوڑ دوں گی۔"

"بہت بہتر" شکیل نے جواب دیا۔

آج دن بھر وہ عجیب سی کیفیات کا شکار رہا تھا۔ بدن اور ذہن بوجھل بوجھل ہو رہا تھا۔ جو خریداری اس کے لئے کی گئی تھی اس نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ زندگی میں کبھی اتنے قیمتی کپڑوں کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ یہ سوٹ سب اس کے لئے ہیں۔ جوتے' ٹائیاں' موزے اس طرح خریداری کی تھی بیگم سلطانہ جمالی نے جیسے کسی دولہا کے لئے خریداری کی جاتی ہے۔ اسے بنانے سنوارنے کے لئے ہر چیز ہی تو لے ڈالی تھی انہوں نے شکیل کے علاوہ کوئی بھی ہوتا وہ ان کیفیتوں سے آزاد نہیں رہ سکتا تھا۔

بہر طور سلطانہ جمالی کا کہنا تھا کہ یہ کاروباری مسئلہ ہے اور اس میں شکیل کو مداخلت نہیں کرنی چاہئے لیکن اپنے ذہن کا کیا کرتا کوئی پانچ بجے کے قریب روشن نے کہا۔

"شکیل صاحب' چائے کے بعد غسل کر لیجئے۔ بیگم صاحبہ نے حکم دیا ہے کہ آپ سات بجے تک تیار ہو جائیے اور یہ ایک سوٹ بھیجا ہے انہوں نے اسے استعمال کرنا ہے آپ کو۔ یہ اس کے ساتھ جوتے' ٹائی اور موزے وغیرہ ہیں۔"

شکیل نے گردن ہلا دی آج اس پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ ملازمت بہت شاندار تھی اور میڈم سلطانہ جمالی کا رویہ بھی کسی بھی طور کہیں سے بھی قابل اعتراض نہیں تھا چنانچہ شکیل نے ان پر عمل ہی کرنا مناسب سمجھا۔

شام کو سات بجے وہ پوری طرح تیار ہو گیا تھا۔ پہلی بار یہاں غسل خانے میں غسل کیا۔ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اس کی اپنی ہی کوٹھی ہو اور اس قیمتی غسل خانے میں غسل کرتے ہوئے اس نے ایک ایک چیز کو غور سے دیکھا تھا۔ اتنا بڑا غسل خانہ تھا کہ اس کے گھر کا کوئی کمرہ بھی اتنا بڑا نہیں تھا۔ شاندار سفید ٹائل لگے ہوئے تھے۔ ہر چیز اتنی قیمتی کہ بس دیکھنے کی تھی اور اس کے بعد جب اس نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو خود بھی دنگ رہ گیا لباس کے استعمال کا سلیقہ تو تھا لیکن اس پر اتنا نکھار آ جائے گا۔ یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔

سلطانہ جمالی ایک خوبصورت ساڑھی میں ملبوس ہو کر اس کے سامنے پہنچیں تو اسے دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

"مائی گاڈ۔ یہ تم ہو شکیل۔"

شکیل کے چہرے پر ایک شرگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔ سلطانہ جمالی ہنس پڑی۔

"خدا کی قسم اب تو بہت سے مسائل سامنے آ جائیں گے میرے۔"

"جی۔"

"ہاں بھئی۔ ایسی کوئی شخصیت کلب میں پہنچے گی تو میرا خیال ہے۔ واہ شکیل واہ یہ ایک الگ تفریح ہوگی۔ بھئی واہ۔ لطف آ جائے گا۔" سلطانہ جمالی بے اختیار ہنسنے لگیں۔

شکیل شرماتا رہا۔ سلطانہ جمالی بولیں۔

"اور تمہاری یہ شرماہٹیں تو بہت سی لڑکیوں کو اور پریشان کر دیں گی۔"

"میڈم۔ آپ براہ کرم آپ۔۔۔"

"اچھا اچھا بھئی چلو۔ اب چلتے ہیں۔ وقت ہوگیا ہے آؤ۔" سلطانہ جمالی نے کہا اور شکیل قدم اٹھاتا ہوا ان کے ساتھ بڑھ گیا۔ سلطانہ جمالی نے اس وقت ڈرائیور کو ساتھ رکھا تھا۔ ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولا تو سلطانہ جمالی اندر بیٹھ گئیں۔ اگلے دروازے کی جانب بڑھا تو انہوں نے کہا۔

"پیچھے بیٹھ جاؤ شکیل یہی مناسب ہوگا۔"

شکیل مودبانہ انداز میں سر جھکا کر ان کے برابر بیٹھ گیا۔ سلطانہ جمالی بہت نفیس خاتون تھیں۔ بہت بڑا درجہ دے رہ اسے۔ ان کے جسم سے جس سینٹ کی بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی وہ شاید دنیا کا سب سے قیمتی سینٹ تھا۔ اتنی خوش کن انسان مسرور ہو جائے۔ شکیل خوابوں میں ڈوب گیا تھا۔ درحقیقت ایسے خواب بھی نہ دیکھے تھے اس نے جن کی یہ تعبیر ہوتی نارمل آدمی تھا اور ہمیشہ نارمل رہا تھا اور اپنی تقدیر سے ہمیشہ شکایت کرتا رہا تھا۔ شکیل کو یوں لگتا تھا کہ جیسے تقدیر اس کی شکایتیں دور کرنے پر تل گئی ہو۔ سلطانہ جمالی کے ساتھ اس اعلیٰ قیمتی کار میں سفر کرتے ہوئے اس کے ذہن میں نجانے کیا کیا خیا آتے رہے تھے۔ سلطانہ جمالی خاموشی سے سامنے مناظر دیکھتی رہی تھیں۔ درمیان میں انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ کار ایک شاندار عمارت کے پارکنگ لاٹ پر جاکر رک گئی۔ تو سلطانہ جمالی نے کہا۔

"شکیل اپنے آپ کو سنبھالو۔ تمہیں ایک اسمارٹ اور تیز طرار آدمی نظر آنا چاہئے۔ ابھی سے اپنے آپ کو سنبھالو سمجھتی ہوں کہ یہ وقتی کیفیت طاری ہے تم پر اس ماحول کے عادی ہو جاؤ گے تو کوئی احساس نہیں ہوگا۔ لیکن پہلے ہی مرحلے پر اپنے آپ کو اس ماحول کا شناس ثابت کرنا ہے۔"

"جی" شکیل نے ہستہ سے کہا اور سلطانہ جمالی کے ساتھ قدم سے قدم ملاتا ہوا کلب کی شاندار عمارت کے عظیم دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

✣

امداد بیگ نے بہت سے دوستوں سے ملازم کے لئے کہہ رکھا تھا۔ ادھر غوثیہ بیگم نے اپنے بھائی اور بھاوج سے بھی کہا چنانچہ غوثیہ بیگم کے بھائی نے فون پر بتایا کہ ایک ملازم بھیج رہے ہیں آنے والا درمیانی عمر کا ایک مضبوط کاٹھی کا آدمی تھا چرب زبان اور شاطر سا لگتا تھا۔

"اس سے پہلے کہاں کام کرتے رہے ہو؟"

عمر گزاری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔"

"کیا مطلب؟" امداد بیگ چونک کر بولے۔

"مطلب یہ عالی جناب کہ ہمیشہ کہیں نہ کہیں کام کیا۔ کہاں کہاں بتائیں۔"

"چھوڑتے کیوں رہے۔"

"بس عزت نفس پر ضرب نہیں کھا سکتے۔ روٹی پیٹ بھر نہ دیں عزت دیں۔ کبھی نہ جائیں گے؟"

"کیا نام ہے ــــــ"

"اختر دلیپ"

"یہ دلیپ کیا ہے؟" امداد بیگ صاحب نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اعتراف۔ فن کا اعتراف۔ پسند۔ دلیپ کمار کا عاشق ہوں۔ کیا پرفارمنس ہوتی ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے اپنے آپ کو منسوب کر رکھا ہے۔ اس عمر میں بھی جو قیامتیں ڈھاتا ہے ناقابل یقین ہیں۔ ایسے فنکار صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں مگر صدیا کم انہیں پہچان پاتی ہیں۔"

امداد بیگ صاحب نے غوثیہ بیگم کی طرف دیکھا۔ حیرت سے منہ پھاڑے بیٹھی ہوئی تھیں البتہ فوزی کے ہونٹوں پر مس تھی۔ امداد بیگ صاحب نے پوچھا۔

"تعلیم کتنی ہے۔"

"حضور، علم کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔ علم مجلس اگر نہ ہو تو کالج اور یونیورسٹیوں میں ساری عمر گزار دی جائے۔ کچھ نہ

الکل جاہل ہوں۔ لیکن آپ جیسے لوگوں کی صحبتوں میں بیٹھا ہوں چنانچہ بولنا آگیا ہے ــــ"

"میاں بولتے ہی رہتے ہو یا کام وام بھی کرتے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ جتنی ملازمتیں چھوٹیں اسی وجہ سے چھوٹی ہوں۔"

"حضور تعین فرما دیجئے گا کہ کیا کام کرنے ہیں اور اس کے بعد انسان کی حیثیت دے دیجئے گا۔ انسان سمجھتے رہیں گے تو کبھی خلاف نہ ہوگا۔"

"کیا کر لیتے ہو؟"

"جب اس گھر کی ساری ذمہ داریاں دی گئی ہیں تو یوں سمجھ لیجئے کہ ہر کام کیا جائے گا۔ صفائی ستھرائی ہوگی۔ کھانا پکایا جائے گا۔ ں ایک درخواست ہے۔ جوتے پالش نہ کرائیے گا۔ اس سے زخم لگتے ہیں دل پر ــــ"

"کپڑے استری کر لیتے ہو۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" ملازم نے غوثیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"امی رکھ لیں۔ دلچسپ آدمی ہے۔"

نتیجے میں بات چیت طے ہوگئی اور اختر دلیپ صاحب نے گھر کا چارج سنبھال لیا۔ فوزیہ خوش تھی۔ غوثیہ بیگم بھی خوش تھیں بلن امداد بیگ کسی حد تک پریشان نظر آتے تھے۔ بعد میں کہنے لگے۔

"یہ آدمی کچھ عجیب نہیں لگتا۔ فلسفہ زیادہ بگھارتا ہے اور کام کم کرتا ہے۔"

"لیجئے آپ نے کام بھی دیکھ لیا۔"

"خیر میں نے تو نہیں دیکھا۔ تم دیکھ لینا۔ کیا خیال ہے رکھ لیا جائے اس کو؟"

"لیجئے ساری بات چیت طے ہوئی تنخواہ وغیرہ کا مسئلہ حل ہو گیا اب نہ رکھنے کا کیا سوال ہے اور پھر آپ تو وہی لکیر کے فقیر بنے رہنا چاہتے ہیں۔ بھائی جان نے بلاوجہ ہی تو اس کا انتخاب نہیں کیا ہوگا۔ آپ سمجھتے نہیں ہیں۔ گھر کے ملازم سے بھی گھر کے اسٹینس کا پتہ چلتا ہے اگر کوئی نعوذ باللہ خیراتی رکھ لیتے تو وہی سب کچھ ہوتا جو اس سے پہلے ہوتا رہا ہے۔"

"ہاں بھئی آپ کے بھائی جان کا بھیجا ہوا ملازم ہے۔ اس کے اندر ساری خوبیاں نہ ہوں گی تو کیا کسی اور میں ہوں گی۔"

"یہ جلی کٹی باتیں تو آپ کی زندگی کا حصہ بن چکی ہیں میں کیا کہوں ان کے بارے میں۔ اس لئے اختلاف ہے آپ کو کہ بھائی جان نے بھیجا ہے۔ کتنا عرصہ ہوا ملازم تلاش کرتے کرتے۔ اب ایک ملا ہے تو اس میں کیڑے تلاش کئے جا رہے ہیں۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ جانیں آپ کا کام۔ کہاں کہاں مداخلت کرتا رہا ہوں آپ کے کام میں۔" امداد بیگ صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے اور یوں اختر دلیپ صاحب جن کا ماضی نامعلوم تھا اور جن کی شخصیت پراسرار تھی' اس گھر میں ملازم کی حیثیت سے تشریف لے آئے۔ ہرفن مولا قسم کے آدمی تھے۔ ہر معاملے میں مداخلت کے شوقین لیکن اس دن جو کھانا انہوں نے ان لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اس نے سارے شکایتیں دور کر دیں۔ ہر چیز میں سلیقہ' ہر کام میں سلیقہ۔ البتہ اختر دلیپ صاحب کو اس گھر میں بدسلیقگی نظر آرہی تھی۔ غوثیہ بیگم سے کہنے لگے۔

"میڈم! اگر آپ برا نہ مانیں تو آپ سے کچھ عرض کروں۔"

"کیا بات ہے؟"

"گھر میں جو سیٹنگ ہوئی ہے' جو ترتیب آپ نے کی ہے معاف کیجئے گا اس میں نفاست نہیں ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔ صاحب کے سامنے ایسی بات نہ کہہ دینا۔"

اختر دلیپ آنکھیں بند کر کے مسکرا کر بولا۔ "یہ معاملات چونکہ بیگمات سے متعلق ہوتے ہیں' صاحب کے سامنے بھلا اس کا ذکر کر کے مجھے اپنے لئے دشواریاں مول لینی ہیں ــــ"

"کیا خرابی ہے اس سیٹنگ میں؟"

"دیکھئے' اول تو معاف کیجئے گا اس گھر ہی سے مجھے اختلاف ہے۔ یہاں آپ کچھ بھی کر لیں لیکن لوگ یہاں کے بارے میں ت اچھے انداز سے نہیں سوچ سکتے۔ بس یہی سوچیں گے کہ درمیانہ درجے کے لوگ ہیں۔ تھوڑے بہت پیسے ہیں شوقین مزاج بلہ اس لئے زندگی گزار رہے ہیں۔ دو چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں بیگم صاحب۔"

"ڈریس اور ایڈریس۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ' اگر یہ دونوں چیزیں بہتر ہوں تو باقی سب چل جاتا ہے۔"

"کہہ تو سچ ہی رہے ہو۔ مگر ہم یہ گھر نہیں چھوڑ سکتے۔"

"نہیں نہیں معاف کیجئے گا۔ اپنی اوقات سے بڑھ کر بول رہا ہوں لیکن اس کا قائل ہوں کہ نمک بہرطور ایک چیز ہوتی ہے اور صدیوں سے نمک کا قصہ اہمیت رکھتا رہا ہے۔ یعنی یہ کہ جس کا نمک کھاؤ اس کے بارے میں ہمیشہ محبت بھری انداز میں سوچو۔"

"خیر اگر یہاں ترتیب میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتے ہو تو آہستہ آہستہ کر لینا۔ ہمیں اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اس اعتماد کے لئے شکر گزار ہوں۔" اختر دلیپ نے جواب دیا۔ اور بات ختم ہو گئی۔ بہرطور یہ اظہار کر دیا تھا اس نے کہ وہ آدمی باسلیقہ ہے اور کارآمد رہے گا۔ باقی اور کون کون سی خوبیوں کا مالک ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنا بعد کی بات تھی۔

حجن بی تو ٹھہری ہی گھر گھر جھانکنے والی اور ہر گھر کے لئے اپنے دل میں ایک تصور رکھنے والی۔ چنانچہ اس دن پھر نازل ہو گئیں۔ غوفیہ بیگم کو ان کی آمد ضرورت کے اوقات میں ناپسند بھی نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت بھی امداد بیگ صاحب بیٹھے ہوئے غوفیہ بیگم سے باتیں کر رہے تھے کہ اختر دلیپ نے آکر اطلاع دی۔

"سر سے پاؤں تک مثل کفن' ایک برقعے میں ملبوس خاتون دروازے پر ستون کی مانند کھڑی ہوئی ہیں۔ اندر آنا چاہتی ہیں نام حجن بی بتایا ہے اور مجھے دیکھ کر کئی بار ناک پر انگلی رکھی ہے۔ اجازت ہو تو اندر آنے دیا جائے؟"

"بلاؤ بلاؤ" غوفیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر امداد بیگ کی طرف دیکھ کر بولیں۔ "اگر گھر میں کچھ مہمان آئیں اور اس شخص کو ایسی باتیں کرتے ہوئے دیکھیں تو کیسا محسوس کریں گے ہمارے بارے میں۔ کہتا ہے پڑھا لکھا نہیں ہے مگر گفتگو سے بقراط لگتا ہے۔"

امداد بیگ صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ اتنی دیر میں حجن بی اپنا شٹل کاک نما برقعہ ہاتھ میں لپیٹے ہوئے اندر آ گئی تھیں۔

"اے کیا ہو رہا ہے۔ امداد میاں بھی موجود ہیں۔ بھئی ماشاء اللہ تم لوگوں کو دیکھ کر جی بڑا خوش ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے قدرت نے تمہاری تقدیر میں عیش ہی عیش لکھ دیئے ہیں۔ اللہ یہ عیش قائم رکھے۔"

بیٹھئے حجن بی۔ کیسے مزاج ہیں آپ کے۔؟

"بی بی ہم مزاج والے نہیں ہیں۔ بس محبت والے ہیں۔ جہاں عزت و محبت سے دیکھا جاتا ہے وہاں جانے کو جی مچلتا رہتا۔ اور پھر تم لوگ تو فرشتہ صفت ہو اکثر تمہارے بارے میں جب کہیں تذکرہ ہوتا ہے تو میں کھلے دل سے کہتی ہوں کہ بھیا پچی بات۔ اچھا خون اچھا ہی خون رہتا ہے۔"

"شکریہ حجن بی۔۔۔"

"اے بوا یہ مردوا کون تھا۔ دروازے پر کھڑا نجانے کیا کیا بک رہا تھا۔ مجھے اندر آنے سے روک دیا۔ کہنے لگا کہ آداب میز اور آداب مہمانی ایک اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ آداب مہمانی ادا کریں ہم آداب میزبانی ادا کریں گے۔ پہلے اجازت پھر داخلہ۔"

"اے توبہ۔۔۔۔ ملازم ہے' بھائی جان نے بھیجا ہے۔ بہت پڑھا لکھا آدمی ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ وقت نوکری کرا رہا ہے ورنہ حجن بوا کسی اچھے گھر کا ہی لگتا ہے۔"

"اے ہے ملازم مل گیا تمہیں۔ چلو اچھا ہے۔ بڑی مشکل میں وقت گزر رہا تھا۔ ویسے ایک بات کہوں امداد بھیا تم بھی گھر ہو ہم تو ٹھہرے بزرگ لوگ اور بزرگوں کے بارے میں لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ آخری عمروں میں ایک ہی شوق ہوتا ہے۔"

"کیا؟" غوفیہ بیگم نے مسکرا کر پوچھا۔

"بچیوں کے ہاتھ پیلے کروا دیں۔ ویسے سنا ہے اللہ کو بڑی پسند ہے یہ بات جوڑے بسا دیئے جائیں تو جنت کے راستے کھل جاتے ہیں اور بھیا اب ہمارا یہی کام ہے کہ ادھر ادھر نظریں دوڑاتے رہیں اور اپنی بچیوں کے لئے ٹھکانے تلاش کریں۔"

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں حجن بوا۔ آپ بزرگ ہیں ہماری۔ رشتہ نہیں تو کیا ہوا۔ بزرگی کا تو اپنا رشتہ الگ ہوتا ہے۔" امداد بیگ نے کہا۔

"بھیا جیتے رہو جن کے چہرے پر نور ہوتے ہیں ان کے بارے میں یہ کہتے ہوئے دقت نہیں ہوتی کہ اشراف میں سے ہیں

یا امداد بیگ پہلے بھی بہو سے تذکرہ کر چکی ہوں کہ فوزی بیٹا کے لئے اب نگاہیں دوڑایئے۔ دیکھو بھیا بچیوں کی یہی عمر ہوتی ہے۔ ب اچھے رشتے مل جاتے ہیں عمر نکلتی جائے تو یوں سمجھ لو رشتے ختم ہوتے چلے جاتے ہیں اور پھر ہمیشہ حد سے زیادہ چھان پھٹک رکری ہی نکلتی ہے۔ سمجھ رہے ہو نا؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔"

"ایک رشتہ فوزی کے لئے میرے دماغ میں۔ ہر طرح سے اچھا تھا۔ ذرا معلوم کرو محلے میں کیسے بچے ہیں۔ دو ہیں۔"

"وہی شمع پروانہ والے۔" غوفیہ بیگم کا منہ بگڑ گیا۔

"ہاں ایک کا نام شعور ہے' دوسرے کا طاہر دونوں کے دونوں نوکریاں کرتے ہیں۔ پروانہ صاحب کے اوپری کمرے میں رہتے ں۔ اے بوا انداز ہی نرالے ہیں کہاں کا کرایہ اور کہاں کے کرائے دار۔ شمع بیگم کے گھر کا سارا خرچہ سنبھال رکھا ہے۔ انہوں نے سنا تو ہوگا ہی کہ شمع بیگم بڑی بیمار ہو گئی تھیں۔ بچوں نے وہ تیمارداری کی وہ روپیہ بہایا کہ شمع بیگم بھلی چنگی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور ب دونوں ہیں کہ ان کے گن گاتے نہیں تھکتے خدا جو بھی دیتا ہے اپنی پسند سے دیتا ہے۔ اولاد نہ دی شمع پروانہ کو لیکن جوان بیٹے ے دیئے دو کے دو۔ میں یہ کہتی ہوں امداد بیگ صاحب کہ دیکھ لیں بچوں کو مل لیں۔ کام دھندے سے لگے ہوئے ہیں۔ چھڑے ہانٹ ہیں۔ گھر داماد بنا کر بھی رکھیں گے تو رہ جائیں گے۔ کسی ایک کا انتخاب کر لیں ان میں سے۔"

غوفیہ بیگم نے امداد بیگ صاحب کو بولنے کا موقع نہیں دیا خود ہی غرا کر بولیں۔

"اے حجن بوا! کیا ہو گیا ہے آپ کو آپ کو جتنی عزت دیتے ہیں آپ کو آپ سر پر ہی چڑھی چلی جاتی ہیں۔ آپ پر کیا خدا کی ار پڑی ہے کس نے کہا آپ سے کہ فوزیہ مجھ پر بھاری ہے۔ اپنی اوقات میں رہ کر بات کریں۔ بے اوقات ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ ہم آپ کی وہ عزت نہیں کر سکیں گے جو آج تک کرتے رہے ہیں۔ جو دوبارہ آپ نے کوئی فضول بات یہاں پر آکر کی آپ پنے معیار کی بات کریں کہ آپ کو ہم لوگ اتنے ہی گرے پڑے نظر آتے ہیں کہ ادھر ادھر منہ مارتے پھریں گے۔ حجن بوا کہے یتی ہوں آپ سے۔ آپ آئیں ہزار بار آئیں' سر آنکھوں پر لیکن ایسی کوئی فضول بات آئندہ آپ ہمارے ہاں نہ کریں۔"

حجن بوا کا منہ بگڑتا چلا گیا۔ ایک طرف رکھا ہوا برقعہ اٹھا کر ہاتھ میں لیا اور غصے سے کھڑی ہو گئیں۔

"اے لو۔ دیکھا تم نے امداد میاں۔ یہ ہوتا ہے بیویوں کو سر پر بٹھانے کا نتیجہ۔ نہ بزرگوں کی تمیز نہ بڑوں کا خیال۔ اے خلوص سے کہہ رہی تھی بات مجھے کون سا بیچ میں سے کمیشن کھانا ہے۔ یا کون سی میں بیچ کی نائن بنی ہوئی ہوں۔ کہ ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر کروں۔ بزرگوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ بیٹیوں پر نظر رکھیں اور ان کے لئے اچھی دعائیں مانگیں کہ میں نے تو یہ سب خلوص سے کہا تھا۔ ذرا رویہ دیکھو ان کا بوا۔ کیا سمجھتی ہو اپنے آپ کو بہت بڑی رئیس زادی ہو۔ ہو گی اپنے گھر کی بات ذرا تمیز سے کیا کرو۔ ہر آدمی اپنے گھر میں دو روٹی کھاتا ہے۔ کوئی کسی کے ہاں مانگنے نہیں جاتا۔ کیوں امداد میاں میرے خلوص میں کوئی شک ہے تمہیں؟"

"نہیں نہیں' حجن بی بات اصل میں یہ نہیں ہے۔ ذرا ان کے کہنے کا انداز غلط ہو گیا۔ وہ دراصل۔"

"چھوڑوں میاں یہ دراصل' دراصل خود سنبھالوں انہیں اپنے سر پر بیٹھاؤ۔ دوسروں سے ایسی بدتمیزی کریں گی تو جواب بھی ایسے ہی ٹیڑھے ملیں گے۔ دیکھیں گے کہ کہاں سے کوئی رئیس زاد تلاش کر کے لاتی ہیں۔ یہ اچھے خاصے بچے تھے میں نے تو بس یونہی منہ ڈال دیا تھا کہ بچی اپنی جانی پہچانی ہے' بچوں کی بھی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ خدا کی مار تمہاری شکل پر۔ اے کون تھوکنے آئے گا تمہارے گھر میں آئندہ سمجھتی کیا ہو خود کو۔ سارے محلے میں تھوڑی تھوڑی نہ کرا دوں تو میرا نام بھی حجن بی نہیں۔ سمجھیں۔"

"ارے ہاں ہاں جایئے۔ کرا دیجئے۔ آپ لوگوں کو اور کام ہی کیا ہوتا ہے اس کے سوا۔"

"دیکھو غوفیہ بیگم' اگر شمشاد سے کہہ دیا نہ میں نے تو ساری کی ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ سمجھ رہی ہو نا ماں کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکے گا۔ تمہاری مرضی ہے جہنم میں ڈالو ہمیں کیا۔ توبہ توبہ ہمیں کیا" بکتی جھکتی باہر نکل گئیں۔ امداد بیگ عجیب سی نظروں سے دروازہ کو دیکھ رہے تھے۔ غوفیہ بیگم کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ فوزی خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ امداد بیگ نے کہا۔

"بات کرنے کا واقعی ایک طریقہ ہوتا ہے۔ رشتے تو ہر قسم کے آتے ہیں گھروں میں۔ انہیں عزت سے منع کر دیا جاتا ہے۔ آپ نے بلاوجہ انہیں ناراض کر دیا۔"

"ہاں ہاں جائیے۔ پاؤں پکڑ لیتے ان کے آپ تو اس سلسلے میں ماہر ہیں۔ ہر ایک کی خوشامد کر کے زندگی گزرتی رہی ہے۔"

"اور کوئی بدکلامی کر سکتی ہیں تو آپ ضرور کر لیجئے گا لیکن میرا معاملہ مختلف ہے۔ وہ ذرا نخریں دوسری قسم کی خاتون۔"

"تو کیا کریں گی میرا۔ وہی ہوا نا جس کے بارے میں ہمیشہ سے ڈرتی تھی اور سوچتی تھی زمین کی خاک منہ کو آ رہی ہے اور یہ سب برے حوالی ہیں۔ جو علاقہ ہم نے اپنے رہنے کے لئے منتخب کیا ہے جہاں آپ کا شجرہ نسب شروع ہوا ہے وہاں اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"دیکھئے غوثیہ بیگم، آپ کی بدکلامی بدتمیزی کی حد میں داخل ہو گئی ہے۔ لگام دیجئے اپنے منہ کو آخر رشتے کی بات تھی۔ کہیں نہ کہیں تو کرنا ہی ہو گا۔ کچھ نہ کچھ تو کریں ہی گی نا۔"

"ہاں ہاں میں کر لوں گی۔ اپنے معیار کے مطابق کروں گی۔ بھلا ان جیسی فضول عورتیں میری بیٹی کا رشتہ لے کر آئیں گی۔ اونہہ۔"

کر لیجئے، کر لیجئے مجھے کیا اعتراض ہو گا اس سلسلے میں کیا میں اس کا برا چاہتا ہوں۔ میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ حجن کو ٹالنے کا لہجہ کچھ اور بھی ہو سکتا تھا۔

"ہو گا ہو گا۔ ٹھیک ہے۔ دیکھ لیں گے ہم بھی سب کو کون کیا کرتا ہے ہمارا۔"

"خدا نے اگر آپ کو اتنی عقل دی ہوتی تو کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا۔" امداد بیگ صاحب نے کہا اور اٹھ کر دروازے سے باہر نکل گئے۔ غوثیہ بیگم منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی رہی تھیں۔

☆

شہباز نے کبوتروں کا ڈربہ کھولا اور باجرہ ڈالنے لگا۔ پھڑپھڑاتے کبوتر فضا میں بلند ہو کر اس کے شانوں پر بیٹھنے لگے۔ وہ اسی انداز میں اپنی محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ اور شہباز پر مسرت نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ایک عجیب سی دنیا آباد ہو گئی تھی اس کے دل میں۔ ماں بہن باپ سے رغبت بے شک تھی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ باپ سے لاتعداد شکایتیں دل میں رکھتا تھا لیکن بہر طور ان کی حیثیت اپنی جگہ مسلم تھی۔ بہن جو کچھ بھی کرتی تھی اس کا احساس بھی دل میں پیدا ہوتا تھا لیکن پھوپھی جھنجلاہٹ وہی جنون طاری ہو جاتا تھا اور یہ جنون اسے بہت سے احساسات سے بے نیاز کر دیتا تھا۔ کبوتر اسے اپنی زندگی کا حصہ محسوس ہونے لگے تھے اور وہ سوچتا تھا کہ کم از کم ان کے پاس محبت کے جواب میں محبت ہے سچائی ہے۔

کبوتروں پر توجہ دیتے دیتے اچانک ہی اس کی نظر سامنے والے گھر کی جانب اٹھ گئی۔ جہاں اکثر اس نے دو لڑکیوں کو چھت پر دیکھا تھا اور خصوصاً ایک لڑکی کو دیکھ کر اس کے ذہن میں کچھ عجیب سے تاثرات پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت اتفاق سے وہی لڑکی دھلے ہوئے کپڑے الگنی پر پھیلا رہی تھی۔ وہ کپڑوں کو زور زور سے جھٹکتی اور اس کے بعد انہیں الگنی پر ڈال دیتی۔ شہباز محویت کے عالم میں اسے دیکھنے لگا۔ بڑی خوبصورت لگ رہی تھی وہ بادلوں کی چھاؤں میں۔ آسمان پر ہلکے ہلکے کجلائے ہوئے بادل بکھرے ہوئے تھے اور فضا بے حد حسین ہو گئی تھی۔ اس ماحول میں شہباز کو وہ بہت ہی خوبصورت لگی۔ پھر اچانک ہی لڑکی کی نظر اس کی جانب اٹھ گئی۔ وہ ایکدم بوکھلا سی گئی۔ پھر بے اختیار اس کا ہاتھ سلام کے لئے اٹھ گیا۔ اور شہباز دھک سے رہ گیا۔ کیا یہ سلام اسے کیا جا رہا ہے اس کے آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا اس کا مطلب ہے..... وہ ساکت کھڑا رہ گیا۔

کچھ دیر کے بعد دوسری لڑکی اوپر آئی اور پہلی لڑکی جلدی سے کام میں مصروف ہو گئی۔ شہباز نے بھی رخ بدل لیا۔ لیکن اس کا سر چکرا رہا تھا۔ کبوتروں کو دانہ دے کر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ دل عجیب سے انداز میں دھڑک رہا تھا کئی بار دیکھا تھا اس لڑکی کو۔ نئے کرائے دار تھے ایک سو گیارہ میں آئے تھے کون تھے؟ کیا تھے؟ نہ کبھی سوچا، نہ کسی سے معلوم کیا لیکن اک لمحے میں تعلق ہو گیا تھا۔

دن بھاری ہو گیا تھا۔ کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا اچانک ہی ایک خلا کا احساس ہوا تھا۔ ایک عجیب سا خلا۔ دل پہ گھاؤ تھے لیکن انتقام کا راستہ نکال لیا تھا اس نے۔ کبوتر پال لئے تھے۔ پہلے یہ صرف ایک ضد تھی ایک جنون تھا بعد میں دلچسپی ہو گئی تھی جمیل احمد صاحب اگر لاتعلقی کا اظہار کرتے تو شاید یہ دلچسپی چند روز کے بعد ختم ہو جاتی مگر وہ بری طرح بپھر گئے تھے۔ خوب ہنگامہ کیا تھا انہوں نے اور شہباز کو دلی سکون ملا تھا۔ اور یہ سکون اس کی زندگی بن گیا۔ بعد میں ان معصوم کبوتروں سے محبت ہو گئی اور وہ ان

میں کھو گیا۔ کیونکہ کھو جانے کے لئے اور کچھ نہیں تھا۔ لیکن اچانک اس کو دھکا لگا تھا۔ کیا میں اتنا بے حقیقت ہوں؟ کیا میری شخصیت یہی ہے؟ میری زندگی یہی ہے؟ شاید ایسا نہیں۔

پورا دن گھر پر ہی گزار دیا۔ چھت پر بیٹھا رہا تھا۔ لڑکی دوبارہ نہیں نظر آئی تھی۔ کئی بار نظریں اس طرف اٹھیں تھیں۔ شام کو نیچے آ گیا۔ فرزانہ کے کمرے میں گھس گیا۔ ایک عرصہ کے بعد خود کو آئینے میں دیکھا' چونک پڑا۔ اسے ایک اجنبی چہرہ نظر آیا تھا۔ بالکل اجنبی چہرہ۔ یہ میں ہوں۔۔۔ یہ واقعی میں ہوں؟ کچھ عرصہ قبل کا شہباز یاد آ گیا۔ ایسا تو نہ تھا۔ وہ شہباز تو ایک شخصیت رکھتا تھا۔ ایک مقام رکھتا تھا۔ اگر دوسری چھت کی لڑکی اس شہباز کو دیکھ لیتی تو۔ تو۔ تو؟

وقت کا اندازہ نہیں تھا۔ یہ وقت فرزانہ کے آجانے کا تھا وہ آ گئی۔ جمیل صاحب گھر میں موجود نہیں تھے۔ دروازے کا رخ آئینے کی سمت نہ تھا اس لئے وہ فرزانہ کو نہ دیکھ سکا۔ فرزانہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ خود سے چونکا تو فرزانہ نظر آئی۔ اچھل پڑا۔

"ارے۔ وہ۔ وہ!"

"کیا ہو رہا تھا جناب؟" فرزانہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور شہباز سنبھل گیا۔

"تم بتاؤ۔" اس نے کہا۔

"جی میں کیا بتاؤں۔"

"بتاؤ فرزانہ۔ پلیز بتاؤ۔"

"ارے ارے مجھے علم غیب ہے کیا؟" فرزانہ نے اپنا پرس ایک طرف ڈال کر کہا۔ شہباز گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ فرزانہ اس کے سامنے آ گئی۔ "ارے کیا دیکھ رہے ہیں بھیا۔"

"فرزانہ۔۔۔ آج تمہارے سچ کی ضرورت ہے سچ بولو گی میرے لئے۔"

"ضرور بھیا۔"

"اس وقت مجھے یہاں دیکھ کر تم نے کیا سوچا۔"

"کیا سوچتی آپ کے خیے ہال میں۔"

"تم نے یہ نہیں سوچا کہ ہو سکتا ہے میں کچھ چرانے کے لئے یہاں آیا ہوں۔"

"شہباز بھیا۔" فرزانہ کا مسکراتا چہرا سکڑ گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہباز کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا "میں یہ سوچ سکتی ہوں تمہارے لئے بھیا۔ شہباز بھیا کیا تم نے۔ تم نے مجھے بھائی کی نظر سے دیکھنا ہی چھوڑ دیا کیا مجھ سے تمہارا پیار چھن گیا۔"

فرزانہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"فرزانہ' میرا کردار ایسا ہی مسنح ہو گیا ہے۔"

"یہ ہمارا گھر ہے بھیا۔ ہمارا گھر ہے یہ۔ ہم سب ایک دوسرے کے ہیں ہم سب ایک دوسرے کے نام سے جیتے ہیں۔ بھیا اس کمرے میں کیا ہے۔ جو کچھ ہے سب لے لو۔ بھائی ہو تم میرے' میری پشت کی دیوار ہو۔ میرا مان ہو' میرے لئے خدا کی نعمت ہو تم میں ایسے سوچوں گی تمہارے بارے میں۔"

"پشت کی دیوار ایسی ہوتی ہیں فرزانہ۔" شہباز نے کرب سے کہا۔

"یہ سوچنا تمہارا کام ہے بھیا۔ میری سوچ یہی ہے۔"

"قصور میرا ہے فرزانہ؟"

"نہیں"

"بتاؤ کس کا قصور ہے۔ بتاؤ مجھے۔"

"ابو کا۔ ان کے غلط فیصلوں کا اپنے حق کے غلط استعمال کا۔"

"کسی نے اس سے کہا؟"

"ہاں کہا۔ وقت نے' حالات نے' ماحول نے ہم کہہ کر کیا کرتے۔ مگر غلطی انسان سے ہوتی ہے۔ ہم چار اس گھر کے چار کو۔ ہیں۔ ایک دوسرے سے نفرت تو نہیں کر سکتے۔ کہہ کر کچھ ملتا۔ بتاؤ بھیا کچھ ملتا؟"

"مجھے تعجب ہے فرزانہ۔"

"کس بات پہ۔۔۔؟"

"میں تو سمجھتا تھا کہ۔۔۔ تم سب ہم سب مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ مجھ جیسے ناکارہ انسان سے صرف نفرت کی جا سکتی ہے۔"

"تب تم نے گھر کے مفہوم پر غور نہیں کیا بھیا غور نہیں کیا۔"

"ہاں شاید۔۔۔؟" شہباز نے آہستہ سے کہا دروازہ سے فریدہ بیگم کی آواز ابھری۔

"فرزانہ۔ ہاتھ منہ دھو لو۔ چائے" انہوں نے شہباز کو دیکھا۔ پھر بولیں۔ "شہباز چھت پر نہ جانا ابھی تمہاری چائے بھی لا رہی ہوں" شہباز خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

*

چھٹی کا دن تھا۔ شعور اور طاہر گھر پر ہی تھے۔ تمام گھر کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ اب نہ اوپر کا معاملہ تھا نہ نیچے کا۔ پورا گھران دونوں کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔ پروانہ صاحب خود بھی سادہ دل انسان تھے اور شمع بیگم حد سے زیادہ معصوم' دونوں نے اپنی زندگی بڑی سادگی سے گزاری تھی۔

شعور اور طاہر کی شکل میں تو انہیں در حقیقت فرشتے ہی مل گئے تھے۔ دونوں لڑکے انتہائی نیک دل تھے۔ شعور کے اندر سنجیدگی اور طاہر کی فطرت میں شوخی تھی۔ لیکن بالکل بے ضرر۔ شمع اور پروانہ صاحب سے بے حد محبت کرنے لگے تھے۔ اور انہوں نے اس گھر کی شکل بدل کر رکھ دی تھی۔ پروانہ صاحب زندگی کی اس منزل میں تھے جہاں جدوجہد ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ گھر کی حالت بس ایسی ہی تھی۔ لیکن جب سے طاہر کی ملازمت لگی تھی اس گھر کی شکل بدلنے لگی تھی۔ نیا رنگ و روغن کرایا گیا تھا۔ اور بہت سی نئی چیزیں لا کر گھر میں رکھی گئی تھیں جو ضرورت کے مطابق تھیں۔ حالانکہ حجن بی نے ایک دفعہ اس بات کا خدشہ ظاہر کیا تھا کہ کہیں یہ دونوں لڑکے گھر پر قبضہ کرنے کی فکر میں تو نہیں ہیں۔ جانتے ہیں کہ لاولد لوگ ہیں۔ اور مرنے کے بعد کوئی والی وارث نہیں ہو گا۔ چنانچہ چلو اس طرح دل میں گھر کر کے گھر پر قبضہ کیا جائے لیکن شمع اور پروانہ کتنے ہی سادہ مزاج ہوں اس بات کا جواب انہوں نے حجن بی کو بڑی ترشی سے دے دیا تھا اور حجن بی اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھیں۔

اس وقت بھی چھٹی کے دن کی وجہ سے سارے گھر کی صفائی کی گئی تھی۔ سیٹنگ تبدیل کی گئی تھی۔ شمع بیگم ساتھ ساتھ تھیں اور پروانہ صاحب اپنی فطرت کے مطابق جملے بازی کر رہے تھے۔ شام کے کوئی ساڑھے چار بجے تھے صفائی کے بعد نہا دھو کر سب بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور پروانہ صاحب نے جلدی سے کہا۔

"کوئی شعر آ گیا۔"

"شش شیر۔" شمع بیگم اچھل پڑیں۔

"خدا کی پناہ زندگی کا بیشتر حصہ اشعار کی کمائی پر بسر کیا لیکن ش۔ ع۔ ر اور ش۔ ی۔ ر کا فرق نہیں محسوس کر سکیں آپ۔ دیکھیے کون ہے۔"

شمع بیگم جھینپ کر دروازے کی جانب بڑھیں۔ دروازہ کھلا تو حجن بی نظر آئیں۔ شمع بیگم ہمیشہ کی پر اخلاق ٹھہریں۔ مسکراتے ہوئے انہیں اندر آنے کی دعوت دی۔ اور حجن بی اپنا غلاف نما برقعہ اتار کر بغل میں دباتی ہوئی اندر داخل ہو گئیں۔ انہوں نے گہری نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لیا اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پروانہ صاحب نے سلام کیا۔ اور ان کی دیکھا دیکھی شعور اور طاہر نے بھی۔ حجن بی کا ایک دو بار پہلے بھی ساتھ ہو چکا تھا اور وہ دونوں بھی انہیں پہچان چکے تھے۔ حجن بی کے بیٹھنے کے لئے کرسی پیش کی گئی تو بیٹھتی ہوئی بولیں۔

"اللہ نظر بد سے بچائے اس گھر کی تو تقدیر ہی بدل گئی ہے ان دونوں کے آنے سے۔ اے شمع بیگم یہ رنگ و روغن کب کرایا؟"

"بس حجن بی یہ بچے جو جی چاہتا ہے کرتے رہتے ہیں ہم تو اب اس گھر میں معطل ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"اے خدا ماؤں کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے جن کی یہ اولاد ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اشراف کا خون ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ کسی اچھے ماں باپ کے بچے ہیں اپنی اچھائیوں کو کہاں لے جائیں گے۔ مگر شمع بیگم بڑی خوش نصیب ہو تم اس میں کوئی شک نہیں ہے ورنہ ایسے محبت کرنے والے کہاں ملتے ہیں۔ میں تو محلے بھر میں ان بچوں کے گن گاتی رہتی ہوں۔ تم سوچو گی کہ کتنی پن کر رہی ہوں مگر سچی بات

یہ ہے کہ میرے دل میں بھی ان کے لئے بڑی محبت ہے۔ میرے شمشاد کی طرح لگتے ہیں مجھے۔ اے بچوں! ابھی اپنے ماں باپ کو یہاں نہیں بلایا تم نے۔ اکیلے رہتے ہوں گے بیچارے۔ بلا لو اولاد کا ماں باپ کے ساتھ رہنا بے حد ضروری ہے۔ ان کی بھی خدمت کرلو گے۔ جنت ہی جنت پاؤ گے۔"

"ہاں حجن بی۔ آئیں گے وہ لوگ بھی۔" شعور نے جواب دیا۔

"بھیا! بڑا جی خوش ہوتا ہے اس ماحول کو دیکھ کر۔ لگ رہا ہے کہ بچے ماں باپ کے ساتھ بیٹھے چائے پی رہے ہیں۔"

شمع بیگم نے فوراً ہی چائے کی پیالی بنا کر حجن بی کو پیش کردی تھی۔ ساتھ ہی بسکٹوں کی وہ پلیٹ اور میٹھی ٹکیاں جو شمع بیگم نے پکائیں تھیں۔ حجن بی کے سامنے رکھ دی گئیں۔

"اے جیتی رہو شمع بیگم، تمہارے ہاں آکر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اپنوں میں آئی۔ ارے ایسے ایسے نک چڑھے ہیں اس محلے میں کہ بس خدا ہی انہیں سمجھے۔ ابھی تھوڑے دن پہلے کی بات ہے وہاں گئی تھی امداد بیگ کے ہاں۔ بوا میری عادت تو تم جانتی ہی ہو جس سے پیار کروں اس پر جان نچھاور کردوں یہ بچے ایسے جی کو بھائے ہیں کہ جی چاہتا ہے ان کے لئے کچھ کرکے رہوں۔"

طاہر نے خوفزدہ انداز میں آنکھیں مٹکائیں۔ شعور کو دیکھا اور شعور نے کڑی نظروں سے اسے۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ کوئی فضول بات منہ سے نہ نکلے۔ ورنہ سارے محلے میں پھیل جائے گی۔ حجن بی کہنے لگیں۔

"تو بتا رہی تھی میں ایسا لگتا ہے جیسے کسی ریاست کے نواب ہوں اور از راہ کرم ہمارے محلے میں آبسے ہوں اے بوا اگر ایسے ہی مال و دولت والے تھے تو کسی ایسی جگہ کوٹھی بنوالی ہوتی جہاں ان کے معیار کے لوگ رہتے ہوتے ہم غریب غرباء میں گھسنے کی کیا ضرورت تھی۔ اے دماغ ہی نہیں ملتے کسی کے۔ بیٹی ہے تو اس کا سر آسمان کو چھو رہا ہے۔ ابا جان ہیں تو ایسی سڑی شکل بنائے رہتے ہیں جیسے دنیا کے سب سے بڑے مدبر ہوں اور وہ غوثیہ بیگم توبہ توبہ۔ بوا اسی کو کہتے ہیں نو دولتیا پن۔ چار پیسے جیب میں آگئے تو انسانوں کو انسان سمجھنا چھوڑ دیا گیا۔ وہ کیا کہتے ہیں بس کچھ کہتے ہیں مجھے یاد نہیں آتا۔ انگریزی میں کہتے ہیں۔ انگریزی تو جیسے ان کے باپ دادا کی زبان ہے۔ اس سے کم تو بات ہی نہیں ہوتی۔ اے پڑھے لکھوں سے انگریزی بولیں تو پتہ چلے کہ کتنی غلط بول رہے ہیں اور کتنی صحیح ہم سے انگریزی بولتے ہیں۔ گٹ پٹ۔ گٹ پٹ۔ تو میں نے کہا کہ غوثیہ بیگم بچی جوان ہوگئی ہے۔ کچھ رشتے ناتے کی فکر کرو۔ پھر میں نے ان بچوں کا تذکرہ کیا۔ لو بوا جیسے بھس میں چنگاری پڑ گئی ہو۔ ایسی بھڑکیں ایسی بھڑکیں کہ شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ بھلا میں کوئی نائن ہوں کہ ادھر کی ادھر کرتی پھروں۔ محلے کے بچے بچیوں کو اچھا سمجھتی ہوں۔ بس اس لئے دل میں کبھی کبھی کوئی بات آجاتی ہے تو زبان پر لے آتی ہوں۔ مگر بھیا ان کے دماغ کہاں ٹھکانے۔ کسی رئیس زادے سے بیاہیں گی بیٹی کو۔ ہاں یاد آگیا اسٹیٹس ۴ سٹیٹس۔ ایسا ہی کچھ کہہ رہی تھیں۔ تو ان کو تو اسٹیٹس ہوگیا ہے۔ مگر میں بھی حجن بی ہوں۔ جو سوچ لیتی ہوں کرکے دکھا دیتی ہوں۔ ارے سمجھتی کیا ہیں دونوں بچوں کی شادی محلے میں نہ کرائی تو میرا نام حجن بی نہیں ہے۔"

طاہر نے ایک بار پھر پہلو بدلا تھا اور شعور نے بمشکل ہنسی روکی تھی۔ اور پروانہ صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر شمع بیگم کو دیکھا تھا۔ اور شمع بیگم نے میٹھی ٹکیوں کی پلیٹ حجن بی کی جانب بڑھا دی تھی۔

"لیجئے نہ حجن بی۔ کھائیے۔"

"ارے ہاں کیوں نہ کھاؤں گی۔ اپنا گھر سمجھ کر آتی ہوں۔ کیوں نہ کھاؤں گی۔" حجن بی نے میٹھی ٹکیا اٹھا کر منہ میں رکھی اور پھر اس کی تعریفوں کے پل باندھنے لگیں۔

"یہ ہوتا ہے سلیقہ۔ یہ ہوتا ہے گھڑ پن۔ گھر کے گھر میں ایسی ایسی چیزیں تیار کرلو کہ باہر کی ساری چیزوں پر لعنت بھیجنے کو جی چاہے۔ کیسی اچھی ٹکیاں پکائیں ہیں۔ منہ میں رکھیں گھل گئیں اور یہ آج کل کی بہو بیٹیاں ہیں اور خاص طور سے وہ امداد بیگ کی بیگم۔ بیٹی سے کہو کہ چائے بنا لا تو بوا اس سے ایک پیالی نہ بنائی جاسکے۔ کیا گھر چلائیں گی۔ یہ کیسے چلائیں گی؟ اور غوثیہ بیگم کو تو تو کر کے بغیر چین ہی کہاں۔ ارے توبہ توبہ۔ گھر میں گئی تو ایک سڑی شکل کے مردوئے نے دروازہ کھولا۔ میں تو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ سمجھی کہ کوئی چور ڈاکو گھر میں گھسا ہوا ہے امداد بیگ کے۔ پتہ چلا ملازم ہے بوا ایسے ہی اندھے لوگ منہ کے بل گرتے ہیں سڑکوں پر۔ جوان جہان بیٹی گھر میں بیٹھی ہوئی ہے۔ غوثیہ بیگم بھی کون سی بڑھیا ہیں۔ مگر جوان ملازم کو رکھ چھوڑا ہے گھر میں۔ اس جیسے سینکڑوں قصے سنے ہیں میں نے۔ یہ نوکر قسم کے لوگ پہلے گھروں میں گھستے ہیں۔ ادھر ادھر چھان بین کرتے ہیں۔ پھر سارا سامان

اندھا کر لے جاتے ہیں۔ گھر میں مرد نہ ہو۔ بیوی بچے ہوں۔ تو باندھ کر غسل خانے میں بند کردیتے ہیں اور اگر اس پر بھی بات نہ بنے گردن تک کاٹ دیتے ہیں، توبہ توبہ۔ مگر ایسے ہی اندھے لوگ ہوتے ہیں۔ جو ہر بڑے چھوٹے کو گھر میں گھسیڑ لیتے ہیں، ملازم کے نام پر۔ تو میں کہہ رہی تھی کہ ان بچوں کا کچھ نہ کچھ کرکے رہوں گی۔ ایسے نیک بچے اس زمانے میں ملتے کہاں ہیں۔ میاں تمہارا نام کیا ہے؟" حجن بی نے شعور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شعور ہے میرا نام حجن بی۔"

"اللہ ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے۔ اتنی ترقی ہو کہ افسر بن جاؤ۔ میاں تنخواہ کتنی ہے تمہاری۔"

"یہ اپنی تنخواہ کا حساب کہاں رکھتے ہیں حجن بی۔ سارا حساب تو میرے پاس رہتا ہے۔" طاہر سے اب برداشت نہیں ہوسکا تھا۔

"ارے ہاں میاں۔ بڑے تم ہو کہ یہ؟" حجن بی نے طاہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیجئے حجن بی۔ آپ نے اتنی دنیا جہان دیکھی ہوئی ہے یہ اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ بڑا کون ہے۔ میں بڑا ہوں۔" طاہر بولا۔

اور پروانہ صاحب مسکراتے ہوئے چھت کی جانب دیکھنے لگے۔ طاہر کی شرارتوں سے اب وہ بھی واقف ہوگئے تھے۔ اور سمجھ گئے تھے کہ آگئی حجن بی کی شامت۔

"اچھا اچھا۔ مگر پتہ نہیں چلے ہے بھیا۔ ایک ہی عمر کے لگے ہو مجھے تو اے میں تو پہلے ہی یہ سمجھی تھی کہ جڑواں ہیں دونوں۔"

"ارے آپ کو کیسے پتہ چل گیا۔ حجن بی؟" طاہر چونک کر بولا۔

"کیا؟"

"یہی کہ ہم جڑواں ہیں۔"

"اے کیا مطلب؟"

"بس بس میں ان سے پچیس منٹ بڑا ہوں۔" طاہر نے کہا۔

"ایں۔" حجن بی سر کھجانے لگیں۔

"اور آپ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ ہم دونوں جڑواں ہوئے تھے۔ ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا گیا تو دونوں مرجائیں گے۔ مگر خاندان والوں نے مجبور کیا کہ ہمارا آپریشن کردیا جائے۔ چنانچہ بڑی مشکل سے آپریشن کرکے ہمیں الگ کیا گیا۔"

"اے خدا کی پناہ۔ سچ کہہ رہے ہو بھیا۔"

"جی حجن بی۔ مگر آپ بھی کمال کی شخصیت معلوم ہوتی ہیں۔ ایک نظر میں پہچان لیا ہمیں۔ حالانکہ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہماری شکلیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔"

شعور مسلسل طاہر کو گھور رہا تھا۔ آنکھیں نکال رہا تھا۔ مگر طاہر نے اس کی طرف دیکھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ حجن بی کو بھلا وہ کیسے نظرانداز کرسکتا تھا۔ پروانہ صاحب بمشکل تمام مسکراہٹیں روک رہے تھے۔ شمع بیگم بھی ضبط کیئے ہوئے بیٹھی تھیں۔ حجن بی طاہر کی جانب متوجہ تھیں۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

"پھر کیا ہوا بھیا؟"

"بس حجن بی ہونا کیا تھا۔ ہم دونوں الگ ہوگئے۔ لیکن ہماری عادتیں، ہماری خصلتیں، بالکل ایک جیسی ہیں۔ ویسے یوں سمجھ لیجئے کہ عجیب و غریب واقعات ہوتے رہے ہیں اس سلسلے میں جس پر اب ہم لوگ بھی حیران ہیں۔"

"کیا۔؟"

"مثلاً بھوک مجھے لگتی ہے۔ کھا یہ لیتے ہیں اور میرا پیٹ بھر جاتا ہے۔ بیمار میں ہوتا ہوں دوا یہ پی لیتے ہیں اور میں ٹھیک ہوجاتا ہوں۔ بس اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔"

"ارے ہاں بھیا۔ میں نے بھی سنی ہیں۔ رات کو ایک ساتھ سوتے ہیں دونوں ایک ساتھ جاگتے ہیں۔"

"اس سلسلے میں تو بڑی گڑبڑ ہوگئی۔ حجن بی بس میں آپ کو کیا بتاؤں۔ شرم آتی ہے۔"

"اے نہیں نہیں بیٹا سناؤ۔ مزہ آرہا ہے۔" حجن بی نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"بس ایک مسئلہ ہو گیا تھا حجن بی۔ شعور بھیا کی شادی ہو گئی۔"

"ایں؟" حجن بی نے چائے کو پیالی سے چھلکنے سے بچایا۔

"ہاں۔ ماں باپ نے ان کی شادی کر دی۔ بیگم صاحبہ آ گئیں۔ مگر وہی مسئلہ کہ مجھے ان کے بغیر چین کہاں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیگم صاحبہ ناراض ہو گئیں۔ اور مجبوراً میری وجہ سے انہیں طلاق دینی پڑی۔"

"آئے توبہ توبہ۔ یہ بچہ اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے۔"

"دوسری کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ حالانکہ ان لوگوں کو پہلے بتا دیا گیا تھا کہ بھئی یہ معاملہ ہے۔ یہ جڑواں بھائی ایک دوسرے سے دور نہیں رہ سکتے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی مسز کو اعتراض ہو۔ پہلے تو انہوں نے مان لیا۔ مگر میں لاکھ کوشش کرتا ہوں کہ ان سے دور رہوں۔ لیکن نہیں ہو پاتا۔ حالانکہ میری بیوی نے مجھے کبھی ان کے ساتھ رہنے سے منع نہیں کیا۔"

"کک۔ کیا؟" حجن بی کا منہ بھاڑ کی طرح کھلا رہ گیا۔

"ہاں۔ وہ نیک بخت بہت اچھی طبیعت کی مالک ہے۔ اب دیکھیے اتنے عرصے سے اپنے شہر سے دور یہاں رہ رہا ہوں مگر مجال کہ شکایت کا ایک لفظ زبان پر لائی ہو۔"

"تت۔ تم۔ شادی شدہ ہو؟"

"ہاں۔ دو بچے بھی ہیں میرے تو۔" طاہر نے کہا اور شعور کو پھندہ لگ گیا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر منہ پر رکھ لیا۔ ہنسی روکے نہ رک رہی تھی۔ پروانہ صاحب، شمع بیگم سے ایک منٹ کا کہہ کر اٹھ گئے۔ حجن بی ان سب سے بے پرواہ آنکھیں پھاڑ کر طاہر کو دیکھ رہی تھیں۔

"دو بچے ہیں تمہارے۔ اور میاں بیوی بچوں کو چھوڑ کر گھر سے باہر پڑے ہوئے ہو۔"

"تو کیا کیا جائے حجن بی۔ یہ پاپی پیٹ بھی تو لگا ہوا ہے ساتھ ساتھ۔ اب آپ دیکھیے نا انہیں بھی تو خرچہ بھیجتا ہوں۔ اور یہاں پر بھی اپنا گزارہ کر رہا ہوں۔ شعور کی کسی سے شادی کا مسئلہ چل رہا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے کہ ان کی منگیتر اس بات پر راضی ہو جائے کہ میں ہر حالت میں ان کے ساتھ رہوں گا۔"

"اے بھیا اس کا مطلب ہے میری تو اللہ نے عزت رکھ لی۔ میں تو تم دونوں کی شادی کا چکر چلا رہی تھی' ایک سو گیارہ نمبر۔ میں نے تو دل میں یہ سوچا تھا کہ ذرا منہ پر جوتے لگاؤں امداد بیگ صاحب کے' اور تم دونوں کی شادی کرا کے رہوں حکمت علی ہاں۔ اے کیا پیاری بچیاں ہیں دونوں کی دونوں۔ منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ سگھڑ ایسی کہ گھر میں چلے جاؤ مجال کیا ماچس کی تیلی صحن میں پڑی نظر آ جائے۔ بس ذرا ایک عورت خراب ہے اس گھر میں اور وہ ہے فاطمہ بیگم۔ حکمت علی کی ماں۔ بہو کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ شمع بیگم حالانکہ میں بھی ساس ہوں۔ ذرا میری بہو شاہدہ سے جا کر پوچھو کبھی کوئی ایسی ویسی بات ہوئی ہو۔ مگر ادھر فاطمہ بیگم ہیں کہ توبہ بھلی۔ وہ بیچاری نسیم ہی ہے جو انہیں برداشت کر رہی ہے۔ ورنہ چوٹی کاٹ کر باہر نکال دیتی گھر سے اور ہوتی تو۔ اے بیٹا تم دونوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔"

"اس کی تو تیسری ہو رہی ہے۔ میں تو پہلی ہی پر گزارہ کر رہا ہوں۔" طاہر نے بسورتے ہوئے کہا۔ اور اب شمع بیگم کو بھی وہاں سے اٹھنا پڑا۔

"بھئی یہ ایک ایک کر کے بھاگ کیوں رہے ہو یہاں سے سارے؟" حجن بی نے کہا۔

"نہیں۔ میں ذرا ابھی آئی۔ ہاتھ دھو لوں۔" شمع بیگم نے کہا۔ اور غسل خانے میں جا کر خوب ہنسیں۔ جب ہنسی رک گئی تو نکلیں۔ حجن بی چائے پی کر ابھی تک بسکٹوں وغیرہ پر ہاتھ صاف کر رہی تھیں۔ اور طاہر انہیں طرح طرح کی کہانیاں سنا رہا تھا۔ انہوں نے مایوسی سے گردن ہلا کر کہا۔

"اے بیٹا' بیوی بچوں کا خیال رکھا کرو۔ کچھ بھیجتے رہا کرو انہیں مجھے تو یوں لگتا ہے کہ سارا سب کچھ تم یہیں اسی گھر پر خرچ کر رہے ہو۔"

"ارے کہاں حجن بوا۔ آپ کو تو کچھ پتہ نہیں ہے۔ کیسی محلے دار ہیں آپ۔" طاہر نے کہا۔

"کیا۔ کیا پتہ نہیں ہے؟"

"یہ سب کچھ جو تمہارے نام سے منسوب کیا جا رہا ہے' پروانہ صاحب کی جمع پونجی ہے۔ نکال رہے ہیں خرچ کر رہے ہیں۔ ہمارے تو عیش ہی عیش ہیں۔ بس نام ہمارا کر دیا ہے انہوں نے ورنہ تمام خرچ یہ خود ہی کر رہے ہیں۔ کہتے تھے پروانہ صاحب کہ یہاں اکیلا آدمی تھا۔ کہاں کہاں کیا کیا کرتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ من مار کر بیٹھا رہتا تھا۔ اب تمہارا سہارا مل گیا ہے تو پیسہ کون سا میری قبر میں جائے گا۔ کس کام آئے گا۔ خرچ کروں عیش کرو۔"

حجن بی کا سر چکرا کر رہ گیا تھا۔ اٹھتی ہوئی بولیں۔

"اے شمع بیگم' اے شمع بیگم۔ کہاں چلی گئیں۔ بھئی چلتی ہوں اب میں۔ اچھا خدا حافظ۔"

حجن بی گھر سے باہر نکل گئیں اور پروانہ صاحب قہقہے لگاتے ہوئے اندر آ گئے کہنے لگے۔

"بھئی طاہر میاں آفت کے پرکالہ ہیں آپ بیچاری حجن بی کو اتنا پریشان کر دیا آپ نے کہ اب نجانے ان کی کیا حالت ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تین دن تک بستر سے لگی رہیں گی۔ کیا سوچ کر آئیں تھیں۔ اور کیا کیا لے کر گئی ہیں یہاں سے۔ ہماری دولت تمہارے بیوی اور بچے۔ اور شعور کی تیسری منگیتر۔" پروانہ صاحب قہقہے لگانے لگے۔ شمع بیگم ہنس رہی تھیں۔

"خدا کی قسم' طاہر تم تو بہت شریر ہو۔"

طاہر آداب کرنے لگا تھا اور شعور نے اسے غصہ دکھا کر کہا۔

"اب تیرا مسئلہ تو تھا جو تھا میرا مستقبل کیوں خراب کردیا۔"

"تم لوگ فکر کیوں کرتے ہو۔ میں کیا مرگئی ہو۔ اور پھر اللہ طاہر کے ماں باپ کو سلامت رکھے۔ سب کچھ مل جل کر ہی کر گے۔ کسی کا مستقبل خراب نہیں ہوگا۔" پروانہ صاحب ایک ایک بات سوچ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ اور ماحول بڑا خوشگوار رہا تھا۔

❀

شکیل سلطانہ جمالی کے ساتھ کلب کی خوبصورت عمارت میں داخل ہوگیا۔ عمارت باہر ہی سے اس قدر شاندار تھی کہ ا میں قدم رکھتے ہوئے شکیل کو ایک ہلکی سی کپکپی کا احساس ہوا۔ لوگ اس طرح بھی زندگی گزارتے ہیں۔ اس کا اندازہ باہر نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ شکیل نے آج تک دیکھا تھا۔ وہ صرف ایک طائرانہ نگاہ سے دیکھا تھا۔ گہرائی میں جانے کا موقع ہی نہیں تھا۔ حسین ترین ماربل کے فرش پر آگے بڑھتے ہوئے اس کی جھکی ہوئی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ بے شمار افراد زندگی سے معمور چمکتے دمکتے چہروں والے دولت کی فراوانی نے ان کی شکلیں ہی بدل دی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی اجنبی دنیا لوگ ہوں۔ جہاں حسن ہی حسن ہوتا ہے حسین لباس فخرو غرور سے اکڑے ہوئے چہرے' زندگی کی روشنی سے چمکتے ہوئے۔ سلطانہ جمالی انہی میں سے ایک تھی۔ لیکن شکیل کو اپنی اجنبیت کا احساس ہورہا تھا۔ سلطانہ جمالی کے بے شمار آشنا ساتھی بے تکلفی اس سے مل رہے تھے۔ شکیل پر بھی نگاہیں پڑ رہی تھیں۔ بہت سے لوگوں نے شکیل کا تعارف حاصل کیا تھا اور سلطانہ جمالی نے تھا۔

"یہ میرے دست راست شکیل ہیں۔"

"اہو۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کے داہنی سمت دو ہاتھ اگ آئے ہیں۔" ایک صاحب نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ لیکن آپ کیوں پریشان ہوگئے اس بات سے؟" سلطانہ جمالی نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بھئی کچھ وضاحت نہیں ہوسکی سلطانہ صاحبہ۔ دست راست سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"میں تفصیل میں جانا پسند نہیں کرتی۔" سلطانہ جمالی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔ تو یہ آپ کی تفصیل ہے۔" ایک اور صاحب نے کہا اور قہقہے بکھر اٹھے۔ سلطانہ جمالی ایک میز کی جانب بڑھ گ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"تم سے کوئی سوال کرتے ہوئے شکیل بعض اوقات مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ کہیں تم اس سوال کو کوئی غلط رنگ نہ دو۔"

"نہیں میڈم۔ آپ کے کسی سوال کو میں کبھی کوئی غلط رنگ نہیں دے سکتا۔"

"اتنا اعتماد ہے مجھ پر۔" سلطانہ جمالی نے محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی یقیناً"۔

"کیوں؟"

"اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے۔"

"ہاں ہے تو۔ لیکن ہمارے' تمہارے درمیان مجبوریوں کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ نہ دینا چاہو تو نہ دو۔" سلطانہ جمالی نے آ ویٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر بولی۔

"کیا پیئو گے؟"

"یہاں میں صرف آپ کے رحم و کرم پر ہوں۔"

"خیر میں ایک مشروب منگوائے لیتی ہوں۔" سلطانہ جمالی نے کہا۔ اور ویٹر کو آرڈر دے کر پھر شکیل کی جانب متوجہ ہوگئی۔

"یہ رحم و کرم کا کیا مطلب ہوا؟"

"میرا مطلب ہے کہ آپ مجھے اس ماحول سے روشناس کرائیے۔ میں نے آپ کو پہلے بھی بتا دیا ہے کہ ایک پسماندہ بستی رہنے والا غریب سا آدمی ہوں۔ اور اس دنیا سے ناواقف۔"

"یہی سوال کرنا چاہتی تھی میں تم سے کہ اس سے پہلے کبھی کسی کلب میں آئے ہو یا نہیں۔ میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم یہ سو

غلط رنگ میں نہ محسوس کرو۔"

"بہتر یہ جواباً عرض ہے کہ میں اس سے پہلے کبھی کسی کلب میں نہیں آیا۔ حالات نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔"

"تب تو پھر میں تمہیں یہاں سے روشناس کرادوں۔ یہ دنیا بڑی انوکھی دنیا ہے رکھ رکھاؤ کی دنیا' مصنوعی چیزوں سے بنی ہوئی جتنے چہرے ہنستے مسکراتے نظر آرہے ہیں ان کے پس پردہ بھی کچھ تحریریں ہیں۔ لیکن یہاں نمایاں نہیں ہوتیں۔ ان میں سے ایک دوسرے کے بدترین دشمن ہیں اور انہیں کاروباری دنیا میں شکست دینا چاہتے ہیں۔ لیکن جب یہ ملتے ہیں تو اس طرح کہ ں ہو کہ ان سے بڑا دوست روئے زمین پر کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ سب سے ملو سب سے ہنس کر باتیں کرو۔ میں نے تمہیں دست راست کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔ تنہائی میں کوئی تم سے پوچھے کہ میرے کون ہو تو کہہ دینا کہ سیکرٹری ہو۔ اور ے لئے سب کچھ کرنے پڑتا ہے۔ غلط تو نہیں کہا میں نے؟"

"بالکل نہیں۔"

"نہ جھجکنے کی ضرورت ہے نہ شرمانے کی۔ ہر ایک سے کھل کر ملو جو تمہاری جانب بڑھے۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد یہاں ، تفریحات شروع ہوجائیں گی۔ ہم بھی ان میں حصہ لیں گے تم اپنی پسند کے مطابق یہاں کی تفریحات میں حصہ لے سکتے ہو نہ ہو تو صرف جائزہ لو۔"

مشروب آگیا اور شکیل کے اندر کسی قدر اعتماد پیدا ہوگیا۔ اس احساس کے ساتھ کہ مسز جمالی ہر طرح سے اس کی معاون ہیں جمالی کو ایک ویٹر نے ایک پیغام دیا اور وہ شکیل سے معذرت کرکے اٹھ گئیں۔ دو مرد اور دو عورتیں ایک میز پر بیٹھے ہوئے تھے دیں کرسی پر مسز جمالی جا بیٹھیں۔ شکیل اپنی میز پر تنہا رہ گیا تھا۔ لیکن فوراً ہی ایک صاحب ہاتھ میں گلاس لئے اس کے قریب گئے۔

"ہیلو۔"

"ہیلو۔"

"اجازت؟" انہوں نے کرسی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھیے۔"

"میرا نام سالک ہے۔ اور میں بھی یہاں چھوٹا موٹا کاروباری ہوں یہ مسز سلطانہ جمالی آپ کا تعارف کچھ عجیب سے انداز میں ہی ہیں۔ لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ وضاحت کرلوں۔ بتانا پسند کرو گے؟"

"فرمایئے۔"

"بھئی یہ سلطانہ جمالی بڑی پرسرار عورت ہے۔ معاف کرنا شاید میرا لہجہ تمہیں ناگوار گزرے۔ لیکن ہم لوگ بے تکلف ت ہیں۔ میرا مطلب ہے میں اور سلطانہ جمالی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے درمیان پھر بھی بہت سے تکلفات ہیں۔ تمہارا ے کیا رشتہ ہے۔"

"انہوں نے دست راست کہا ہے مجھے۔ مطلب تو خیر صاف ہے میں ان کا سیکریٹری ہوں۔"

"اوہو۔ اچھا اچھا۔ مگر بڑی شاندار شخصیت ہے تمہاری بھئی۔ ایسے سیکریٹری ذرا کم ہی دیکھے ہیں۔"

"اب یہ آپ کی کم نگاہی ہے۔ میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔" شکیل بہر طور احمق نہیں تھا۔ بات کرنا جانتا تھا۔

"شکریہ۔ بس یہی پوچھنا تھا۔"

لوگ ایک دوسرے میں گھلے ملے ہوئے تھے۔ شکیل سحرزدہ نگاہوں سے اس دنیا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک ہوک سی رہی تھی۔ اس کے ہم وطن تو ہیں یہ لوگ اسی شہر کے رہنے والے۔ جس کلب میں وہ زندگی کی تفریحات میں مشغول ہیں وہ ' ان کے ایوانوں سے مختلف نہیں ہوگا۔ وہ ایسے ہی قیمتی گھروں میں رہتے ہوں گے۔ کچھ وہ ہیں جو ورثے میں ملی ہوئی دولت پر کر رہے ہیں کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنے بازو سے یہ دولت کمائی ہے لیکن وہ کونسا ذریعہ ہے۔ جس سے دولت کے یہ انبار ان کے ے لگ جاتے ہیں۔ کہ ان کی زندگی ہی بدل جائے۔ ایک اس کی بستی ہے' اس کی اپنی گلی ہے۔ جس میں لاتعداد فاقہ کش لوگ تھے۔ اپنی دنیا میں مست کسی نے ایک نیا جوتا خرید لیا تو پہن کر پوری گلی کے چکر لگا رہا ہے کسی نے سائیکل خرید لی۔ تو گویا

آسمان کا سفر کر رہا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں، چھوٹی چھوٹی دلچسپیاں گلی میں لگے ہوئے شامیانے۔ تمام چیزیں اس کی اپنی دنیا کی تھیں اور ایک دنیا یہ تھی لوگ اسے اجنبی نگاہوں سے نہیں دیکھ رہے۔ بلکہ اپنا ساتھی سمجھ رہے ہیں۔ لیکن وہ ذہنی طور پر ان سے مختلف ہے۔ وہ ان سب کو حسد بھری نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ کیوں آخر کیوں؟ زندگی میں یہ تضاد کیوں ہے؟ انسان ایک دوسرے سے اتنا فاصلہ کیوں رکھتا ہے۔ پسماندگی تو انتہا کو پہنچی ہوئی اور بلندی تو انتہا کو پہنچی ہوئی۔ بڑا فرق ہے۔ دولت اس قدر کہاں سے حاصل ہو جاتی ہے؟

شکیل نجانے کن کن احساسات کا شکار تھا کہ ایک دراز قامت دلکش اور خوبرو عورت جس کی عمر بتیس اور پینتیس کے درمیان ہوگی اس کے قریب پہنچ گئی۔

"ہیلو۔"

شکیل نے چونک کر اسے دیکھا اور کسی قدر گھبرا سا گیا۔

"بھئی آپ اس طرح اکیلے کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یعنی کمال کی بات ہے یا نہیں کہ کلب کی ایک سب سے خوبصورت شخصیت جسے بے شمار نگاہیں دیکھ رہی ہیں۔ لیکن تنہا۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ یہ مسز جمالی کی زیادتی ہے۔ بلکہ ایک طرح سے حماقت اس نے اپنا اتنا قیمتی سامان اس بے پرواہی سے رکھ چھوڑا ہے۔ بیٹھنے کے لئے نہیں کہو گے۔"

"نن۔ نہیں شش۔ شکریہ۔ مم۔ میرا مطلب ہے تشریف رکھئے۔"

"واہ۔ کیا بات ہے۔" نو وارد خاتون نے دونوں سمت گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔ کرسی پر بیٹھ کر وہ عجیب سی نگاہوں سے شکیل کو دیکھنے لگیں۔ بس یوں لگتا تھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جائیں گی۔

"بہت نو عمر ہو۔ مسز جمالی کے سیکریٹری کیسے بن گئے؟"

"سیکریٹری کیسے بنا جاتا ہے۔" شکیل نے سوال کیا؟

"گڈ گڈ۔ مگر بھئی بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ ہیرے جوہریوں کے پاس نہیں پہنچ پاتے۔ میرا نام رخسانہ الٰہی ہے۔ لوگ مسز احسان کہتے ہیں۔ تم چاہو تو رخسار کہہ لو۔ نہ چاہو تو مسز احسان۔ تمہاری مرضی ہے۔ ویسے تم جیسا ایک سیکرٹیری مجھے چاہئے۔"

"اگر ملا تو پیش کردوں گا۔" شکیل نے جواب دیا۔

"جلدی۔"

"بہتر۔ شرط مل جانے پر ہے۔"

میرا ٹیلیفون نمبر لکھ لو۔ ہو سکتا ہے کبھی میری ضرورت پیش آجائے۔ ویسے ایک آخری سوال ضرور کروں گی تم سے کیونکہ تم نے مجھ سے کسی خاص رغبت کا اظہار نہیں کیا ہے۔"

شکیل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ مسز احسان الٰہی نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔

"واقعی سیکریٹری ہو۔ یا؟"

"جی یا۔"

"بس۔ یا کے آگے صرف سمجھنے کی بات ہوتی ہے۔ سمجھانے کی نہیں۔"

"جی ہاں صرف سیکرٹری ہوں۔"

"ویسے میرا اندازہ ہے کہ ایک سادہ کتاب ہو۔ بالکل سادہ۔ جس پر ہر تحریر لکھی جا سکتی ہے۔ ملنا پڑے گا تم سے۔" مسز جمالی کے علاوہ اور کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"فی الحال اور کہیں نہیں۔"

"دیکھا نا چور پکڑا گیا۔"

"کیسے؟"

"وہیں رہتے ہو نا۔ مسز جمالی کے ساتھ؟"

"بہت سی باتیں بتانے کی تو نہیں ہوتیں میڈم۔"

"محتاط آدمی ہو۔ پڑھنا پڑے گا تمہیں۔۔۔ پڑھنا پڑے گا۔"

"ہیلو مسز الٰہی۔" ایک موٹے اور بھدے شخص نے پیچھے سے مسز احسان الٰہی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اوہو مسٹر فرغام۔ ارے آپ۔ کب واپس آئے بھئی کینیڈا سے۔"

"آیئے نا بات کرنی ہے آپ سے۔" فرغام صاحب نے کہا اور بے تکلفی سے مسز احسان کا بازو پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ مسز احسان ان کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھیں۔

شکیل تھوڑی دیر تک اپنی جگہ بیٹھا رہا سلطانہ جمالی اس میز سے بھی اٹھ کر کہیں اور چلی گئیں تھیں شکیل اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ اور کلب کے مختلف علاقوں کا جائزہ لینے لگا۔ ایک نوجوان لڑکی اس کے قریب پہنچی اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"مسٹر شکیل!" شکیل نے چونک کر اسے دیکھا۔ بالکل اجنبی چہرہ تھا۔ وہ ہنس پڑی۔ کہنے لگی۔

"سلطانہ جمالی نے شکیل ہی نام بتایا تھا آپ کا۔ سوچ رہی تھی کہ سچ بول رہی ہیں یا جھوٹ۔ لیکن آپ کے چونک کے دیکھنے سے یہ اندازہ ہو گیا کہ آپ کا نام واقعی شکیل ہے اور آپ واقعی شکیل ہیں۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"مسز جمالی جھوٹ کیوں بولیں گی آپ سے؟" شکیل کہنے لگا۔

"اس لئے کہ یہ جھوٹ کی دنیا ہے ہر شخص اپنی اپنی قیمتی اشیاء چھپائے چھپائے پھرتا ہے۔"

"میں کوئی قیمتی شے تو نہیں ہوں۔"

"ہائے پتھر کب بولتے ہیں۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔ اسی وقت پیچھے سے سلطانہ جمالی آگئیں۔

"اہو" مس شکیب بھئی کیا ڈورے ڈال رہی ہیں میرے سیکریٹری پر؟"

"افسوس ڈورے ساتھ نہیں لائی ورنہ ضرور ڈالتی۔ مسز جمالی حقیقت یہ ہے کہ آج آپ نے محفل لوٹ لی۔ ملنے آنا پڑے گا آپ سے۔"

"منہ دھو رکھنا۔ اس خیال سے کبھی نہ آنا۔"

"کوچہ جاناں کے چکر تو لگانے ہی پڑتے ہیں۔ چاہے کتنی ہی بے عزتی کیوں نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے آکر دیکھ لینا۔" سلطانہ جمالی نے ہنس کر کہا اور شکیل کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گئی۔ ایک گوشے میں پہنچ کر مسکرائی اور بولی۔

"کہو۔ کیسا لگا؟"۔

"ایسا کہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"گڈ۔ ویری گڈ۔ اچھے معنوں میں یا برے معنوں میں۔"

"نہیں ایسی حسین دنیا دیکھنے کی آرزو کون نہیں کر سکتا۔" شکیل نے بے اختیار کہا اور سلطانہ جمالی اس کو دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

"یہ دنیا تمہاری ہے سمجھے۔ یہ دنیا تمہاری ہے۔ وعدہ کرتی ہوں بشرطیکہ تعاون کرو۔"

شکیل سلطانہ جمالی کے الفاظ میں کھو گیا۔ سلطانہ جمالی کو ایک اور شخص نے مخاطب کر لیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ایک ہی خاندان کے تمام افراد ہوں۔ ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں۔ شکیل سحر زدہ سا تھا اور سحر کا یہ عالم بہت دیر تک طاری رہا۔ سلطانہ جمالی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"جہاں تک میرا اندازہ ہے جانے کو جی نہیں چاہ رہا ہوگا تمہارا۔ یہاں بارہ ایک بجے تک یہ رونق رہتی ہے۔ لیکن آج تمہارا پہلا دن ہے۔ میں تمہاری وجہ سے واپس چل رہی ہوں۔۔۔ چلیں؟"

"اگر آپ پسند کریں۔ تو مجھے اجازت دے دیں۔ مم۔ میرا مطلب ہے کہ۔"

"نہیں بھئی۔ ایسے نہیں۔ ساتھ آئے ہیں ساتھ چلیں گے۔ چلو چلتے ہیں۔ یہ دنیا ہر وقت ہماری مٹھی میں ہے۔ روزانہ آسکتے ہو یہاں۔ جب جی چاہے آسکتے ہو آؤ چلو۔"

...پٹ پڑی۔ قار میں انھی۔ وہی انداز رہا تھا۔ ڈرائیور آگے تھا۔ شکیل اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت سلطانہ جمالی مزید بے تکلف ہو گئی تھی۔ پہلے تو یہ ہوا تھا کہ اس نے اپنی شاندار گاڑی کا ایک گوشہ اختیار کیا تھا اور شکیل دوسرے گوشے میں بیٹھا ہوا تھا شکیل نے اس وقت بھی بیٹھنے کی ترتیب وہی رکھی ہوئی تھی۔ لیکن سلطانہ جمالی اس کے بالکل قریب آبیٹھی۔

"میرا اندازہ بالکل درست تھا۔ لوگوں نے تمہیں اس طرح خوش آمدید کہا جس طرح میں چاہتی تھی۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا ایک ایک شخص تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ کیا مرد کیا خواتین۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس دنیا میں کسی سیارہ کا اجنبی آگیا ہو اور حقیقت یہ ہے کہ تم سیارے کے اجنبی ہی لگ رہے تھے۔"

"ایسی کون سی بات ہے؟ مسز جمالی۔ میں نہیں سمجھ سکا۔"

"غور نہیں کیا تم نے۔ غور کرنا یہ دلچسپ مشاہدوں کی دنیا ہے۔ یہاں ہر چیز نقابوں میں چھپی ہے۔ لیکن ہر چیز بے نقاب ہے لوگ ایک دوسرے کو اندر سے دیکھ لیتے ہیں۔ پہچان لیتے ہیں سنو۔ اس دنیا میں کوئی کسی کا غلام نہیں ہے۔ کوئی کسی کا ملازم نہیں ہے۔ کھل کھیلو یہاں۔ لطف آئیگا۔ جب بھی جی چاہے بتا دینا۔ میں تو تقریباً ہر دوسرے تیسرے دن کلب آتی رہتی ہوں۔ تم چاہو گے تو روزانہ آجاؤں گی۔" "پر لطف جگہ ہے۔"

"جی اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"اچھا اب یہ بتاؤ تمہیں کہاں اتار دوں؟"

"میڈم۔ گھر جانا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے آپ کی کوٹھی۔"

"اوہو۔ سمجھ گئی۔ اچھا ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔"

کوٹھی پہ پہنچنے کے بعد شکیل نے اپنا لباس پہنا۔ سلطانہ جمالی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

جب وہ ایک خوبصورت ساڑھی میں ملبوس جو گھریلو استعمال کی ساڑھی تھی۔ شکیل کے سامنے پہنچی تو اس کے چہرے کی کیفیات عجیب ہو رہی تھیں۔ شکیل نے کہا۔

"اجازت چاہتا ہوں۔"

"جاؤ گے۔" سلطانہ جمالی نے اسے دیکھا اور سنبھل کر بولی۔

"ہاں جاؤ۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ کل ذرا آرام سے آجانا۔ جلدی نہیں ہے۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ تم وقت کی بے پناہ پابندی کرتے ہو۔ ان تکلفات میں نہ پڑا کرو۔ اگر کوئی مسئلہ ہوا کرے تو بے دھڑک کہہ دیا کرو۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ یہاں اپنے آپ کو ملازم نہ سمجھنا۔"

"یہ الفاظ میں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں مسز جمالی!" "سلطانہ۔ سمجھے۔ اس وقت تم ڈیوٹی پر نہیں ہو۔" سلطانہ نے کہا اور پھر بولی۔ "اچھا بھئی جاؤ۔ پتہ نہیں کیا کہہ بیٹھوں۔"

شکیل وہاں سے واپس چل پڑا۔ ٹیکسی کرنا پڑی تھی۔ ویسے جو کچھ ذہن پر طاری تھا اس سے نشے کی سی کیفیت تھی۔ یوں لگتا جیسے کسی خلائی راکٹ میں بیٹھ کر کسی سیارے پر پہنچا ہو۔ اور اس انوکھی دنیا سے واپس آیا ہو۔ ٹیکسی نے جب اسے اس کی گلی کے کونے پر اتارا تو ایک دم ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آگیا۔ اس گلی میں داخل ہوتے ہوئے اس کے قدم عجیب سے انداز میں اٹھ رہے تھے۔ تاریکی میں ڈوبے ہوئے مکانات جن کی کھڑکیوں سے کہیں کہیں روشنی جھانک رہی تھی۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں۔ بیمار سا ماحول۔ بیمار بیمار سی زندگی۔ اسے یہ سب کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا بہت عجیب۔

ہاف ڈے تھا دوپہر کے دو بجے دفتر سے چلے ویگن میں بیٹھے اور گھر سے کچھ فاصلے پر جہاں ویگن کا اسٹاپ تھا ویگن سے اترے۔ ویگن تیزی سے آگے بڑھی تو توازن برقرار نہ رکھ سکے۔ دو قلابازیاں کھائیں۔ پیچھے سے ایک گاڑی آرہی تھی۔ قلا بازی کھا کر سنبھلے بھی نہیں تھے کہ گاڑی نے ٹکر ماری اور اچھل کر دور جا پڑے۔ ویگن سے گرتے ہوئے تو شاید اتنی چوٹیں نہیں آئیں تھیں لیکن گاڑی نے جو ٹکر ماری اس سے کافی چوٹیں لگیں۔ لیکن بیہوش تو نہیں ہوئے تھے لیکن حواس معطل ہو گئے تھے اور اسی وقت جمی نے انہیں دیکھ لیا۔ دوسرے لوگ بھی دوڑے لیکن جمی سب سے آگے تھا ہنگامہ ہوا شور مچنے لگا۔ جمی نے سب کو ہٹایا حکمت علی کو رکشہ میں ڈالا اور ہسپتال لے گیا۔ ہسپتال میں اس نے خاصہ شور مچایا اور شاید لوگ اس کے رعب میں آگئے۔ حکمت عملی ساری کارروائیاں دیکھ رہے تھے۔ چوٹوں نے حواس گم کر دیئے تھے۔ بہرحال ٹھیک ٹھاک مرہم پٹی ہو گئی۔ ایکسرے وغیرہ لئے گئے۔ کوئی ہڈی تو نہیں ٹوٹی تھی لیکن جسم کے کئی حصے معتوب ہو گئے تھے۔ جمی تھا کہ واری نثار ہو رہا تھا۔ ایک ایک کام کر رہا تھا حکمت علی کا لیکن حکمت علی اسے پہچان نہیں پائے تھے۔ جو کچھ وہ کر رہا تھا اور جس انداز میں کر رہا تھا اس نے حکمت علی کو بہت متاثر کیا تھا۔ ہسپتال میں عارضی طور پر بیڈ پر لٹا دیا گیا تھا اور جمی حکمت علی کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد حکمت علی نے کہا۔

"صاحبزادے آپ فرشتے ہی معلوم ہوتے ہیں جو کچھ آپ نے میرے لئے کیا ہے میں اس کا احسان کبھی نہیں اتار سکتا۔"

"اماں چچا کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہارا بچہ ہوں پہچانے نہیں شاید مجھے۔"

حکمت علی ذہن پر زور دینے لگے یاد نہیں آسکا کسی قدر شرمندہ لہجے میں بولے۔

"واقعی نہیں پہچان سکا میاں۔ دراصل عمر کی اس منزل میں ہوں کہ یادداشت اتنی طاقتور نہیں رہی ہے تعارف کرا دو تو بڑا احسان ہو گا۔"

"اپنا نام جمی ہے چچا میاں۔ وہ وہ غلام قادر کے لونڈے کے عقیقے میں ملاقات ہوئی تھی نا۔ تعارف کرایا تھا ہمارا۔ محلے ہی کے رہنے والے تو ہیں۔"

"اوہو اوہو یاد آگیا۔ جمی میاں بھئی آپ نے تو ہمیں اپنا غلام بنا لیا۔"

"ہو توبہ توبہ چچا میاں کہیں بزرگ غلام ہوتے ہیں۔ غلام تو ہم ہیں آپ کے حد ہو گئی بس محبت کا فرض پورا کیا ہے۔ ذمہ داری تھی ہماری اب ایسی بھی کیا بات ہے آپ تو شرمندہ کئے جا رہے ہو۔"

حکمت علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیر تک سوچتے رہے پھر بولے۔

"گھر والوں کو تو ابھی پتہ بھی نہیں ہو گا۔"

"بس خوش قسمتی تھی ہماری۔ ادھر سے گزر رہے تھے آپ ویگن سے گرے اور پھر پیچھے سے وہ کم بخت ٹکر مار گیا۔ اگر آپ کی طرف توجہ نہ ہوتی اور آپ کو فوراً ہی اسپتال لے جانے کا خیال دل میں نہ ہوتا تو گاڑی ہی الٹ دیتے سسرے کی۔ نکل گیا۔ آپ کی وجہ سے نمبر بھی نہیں دیکھ سکے۔ کسی اور نے بھی نمبر نہیں دیکھا۔ چلو اللہ نے بچا لیا۔ یہی کافی ہے۔"

"ہاں واقعی۔ اگر تم نہ ہوتے اس وقت جمی میاں تو نجانے مجھ پر کیا بیتتی۔ ویسے خدا کا شکر ہے ہڈیاں نہیں ٹوٹیں۔ مگر چوٹیں کافی لگ گئی ہیں۔ کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔"

"پرواہ ہی مت کرو چچا میاں۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"ذرا ڈاکٹروں سے بات کرو جمی میاں۔ اگر گھر جانے کی اجازت مل جائے تو اچھا ہے۔ آج آدھے دن کی چھٹی ہوتی ہے۔ ابھی تک گھر نہیں پہنچا سب ہول رہے ہوں گے۔"

"میں بات کرتا ہوں۔" جمی نے کہا۔ اور ڈاکٹروں کے پاس پہنچ گیا باتیں کیں اور ایک ڈاکٹر نے کہا کہ آخری انجکشن دینے کے بعد چھٹی دے دی جائے گی۔ جمی ہر مسئلے میں پیش پیش تھا بلکہ اب یہاں ہسپتال میں تو وہی حکمت علی کا مختار دار تھا۔ خرچ بھی اپنے پاس سے کر رہا تھا۔ بالآخر انجکشن لگایا گیا۔ ڈاکٹروں نے ہدایات دیں اور اس کے بعد جمی رکشہ لے آیا۔ حکمت علی کو رکشہ میں بٹھایا اور خود ان کے پاس بیٹھ گیا۔ رکشہ گلی میں داخل ہوا اور ایک سو گیارہ نمبر کے پاس رک گیا۔ جمی نے سہارا دے کر حکمت علی کو نیچے اتارا۔ گھر کے دروازے پر دستک دی۔ نسیم بیگم نے دروازہ کھولا اور ہائے کر کے رہ گئیں۔ حکمت علی کے سر

پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ بازوؤں وغیرہ پر بھی تھی۔ جمی سے پردہ نہ کر سکیں۔ شوہر کو اس حالت میں دیکھ کر ہی چیخ ماردی۔ پروین اور ثریا بھی دوڑی چلی آئیں اور پیچھے پیچھے فاطمہ بیگم بھی۔ فاطمہ بیگم نے تو سینہ کوٹنا شروع کردیا۔

جمی نے حکمت علی کو سہارا دے کر اندر داخل کرایا اور پھر دروازے پر لات ماردی۔ نسیم بیگم کا منہ بند ہوگیا تھا لیکن فاطمہ تڑپ تڑپ کر پوچھ رہی تھیں۔

"میرے لعل۔ میرے کلیجے۔ میرے بچے ہوا کیا۔ ہوا کیا؟"

"چارپائی بچھا لیٹاتا ہے بڑی چوٹیں لگی ہیں۔ وہ تو اللہ کا کرم ہے کہ ہڈی نہیں ٹوٹی کہیں کی۔"

ثریا اور پروین دوڑیں۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ غیر آدمی گھر میں تھا۔ کچھ کہہ تو نہیں سکتی تھیں۔ پردہ وردہ بھی بھول گئی تھیں۔ ویسے بھی کوئی خاص پردہ نہیں کرتی تھیں وہ۔ لیکن یہ بھی نہیں کہ گھر سے باہر بھاگتی پھریں۔

چارپائی بچھائی گئی۔ دری اور چادر بچھائی تکیہ رکھا گیا۔ جمی ہر کام میں پیش پیش تھا۔ حکمت علی کو چارپائی پر لٹا دیا۔ فاطمہ بیگم بدستور زاروقطار رو رہی تھیں اور نسیم بیگم کی آنکھوں میں ویرانی اتر آئی تھی۔ پورے گھر کا ایک ہی تو سنبھالنے والا تھا اللہ کے بعد۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر دل پر جو بیت رہی تھی زبان پر نہ آپا رہا تھا۔

فاطمہ بیگم تو دل کی بھڑاس نکالے جارہی تھیں۔ ثریا اور پروین ایک کونے میں کھڑی ہوئی تھیں۔ جمی نے کہا۔

"چچا میاں ڈاکٹر نے کچھ دوائیں لکھ کردی ہیں ابھی لے کر آتا ہوں اور آپ لوگ چچا میاں کو ایک پیالی چائے پلا دیجئے۔"

"مم۔ مگر میرے بچے ذرا مجھے یہ تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟"

"اب تو آپ کو چچا میاں ہی بتائیں گے۔ میں ابھی آیا۔"

"سنو تو جمی۔ سنو بیٹے بات سنو۔" حکمت علی نے کمزور آواز میں جمی کو پکارا۔" اور جمی رک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"بیٹے پیسے تو لیتے جاؤ۔"

"چچا میاں چھوٹی چھوٹی سی باتیں کررہے ہو آپ۔ لو حد ہوگئی 'ابھی آتا ہوں۔" جمی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا نسیم بیگم نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کردیا۔ شوہر کے پائنتی زمین پر بیٹھ گئیں۔ حکمت علی کہنے لگے۔

"بھئی تم لوگ پریشان تو بے شک ہو رہے ہو گے لیکن زیادہ پریشان نہ ہوں۔ ہڈی کوئی نہیں ٹوٹی ہے۔ چوٹیں اچھی خاصی لگی ہیں۔ بس پتہ نہیں کیوں تقدیر میں یہ لکھا ہوا تھا۔ ویگن سے اترا تو پاؤں مڑ گیا ویگن تو آگے بڑھ گئی۔ کمبخت ایسے اندھا دھند چلاتے ہیں خدا انہیں غارت کرے۔ ایک لمحے کے لئے انتظار نہیں کرتے' خود تو جہاں دل چاہتا ہے آدھے آدھے گھنٹے روکے رکھتے ہیں مسافروں کو اتارنا ہوتا ہے تو آندھی اور طوفان بنے ہوتے ہیں۔ پاؤں لڑکھڑایا گر پڑا۔ پیچھے سے ایک گاڑی نے ٹکر ماردی۔ یہ بیچارہ بچہ نہ ہوتا تو یقینی طور پر کوئی بڑی بات ہوجاتی۔ لوگ کسی کے پھڈے میں ٹانگ کہاں اڑاتے ہیں لیکن محلے کا بچہ تھا میں تو پہچان بھی نہیں سکا۔ ایسی خدمت کی ہے میری اماں بی کہ سگا بیٹا ہوتا تو نہ کرتا۔ ایک ٹانگ سے کھڑا رہا ہے۔ ڈاکٹروں سے لڑتا جھگڑتا رہا ہے۔ دبنگ آدمی ہے۔ سب ہی کو اس کی بات ماننی پڑی اور یہ میرا سہارا بن گیا۔ اللہ کی طرف سے۔ کیا دعائیں دوں اس بچے کو۔ پتہ نہیں کس ماں کا لعل ہے۔"

"اسے کلیجے میں بھرلوں گی اسے۔ میرے بچے کے ساتھ یہ سب کچھ کیا۔ میری گردن پر احسان ہوا ہے اس کا۔" فاطمہ بیگم نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا اور اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ نسیم بیگم کے جیسے اعضاء شل ہوگئے تھے۔ فاطمہ بیگم نے انہیں گھور کر دیکھا اور بولیں۔

"جاؤ بی بی! کام دھندے پڑے ہوں گے گھر کے کرو۔ یہاں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔ چوٹ لگ گئی ہے ٹھیک ہوجائے گی۔"

نسیم بیگم نے ویران نگاہوں سے فاطمہ بیگم کو دیکھا کچھ نہ بولیں۔ چارپائی کی پٹی پر سر رکھ دیا۔

"اے یہ کیا نحوست پھیلا رکھی ہے۔ اللہ اس کی زندگی رکھے جان کا صدقہ نکل گیا ہے۔ بڑے پیر صاحب کی نذر کراؤں گی۔ ثریا پروین جاؤ بیٹا چائے بناؤ باپ کے لئے۔ جاؤ جاؤ پریشان نہ ہو۔ اے نسیم سر اٹھاؤ پٹی سے یہ منحوس شگون ہوتا ہے۔ کیوں سر پٹی پر لگائے بیٹھی ہوئی ہو؟" فاطمہ بیگم حرکتوں سے باز نہ آنے والی تھیں۔ حالانکہ حکمت علی نسیم بیگم کی کیفیت سمجھ رہے تھے۔ نڈھال ہوگئی تھیں۔ منہ سے کیا کہتیں۔ ایک لمحے کے لئے انہوں نے شکایت بھری نگاہوں سے ماں کو دیکھا پھر گہری سانس لے

کر خاموش ہوگئے۔ ماں کی حالت بھی بہتر نہیں تھی۔ مگر عادت سے مجبور تھیں۔ نجانے یہ ساس بہو ایک دوسرے سے کبھی مل کر کیوں نہیں رہ پاتی تھیں۔

جمی واپس آگیا دروازے پر دستک ہوئی تو ثریا ہی نے جاکر دروازہ کھولا تھا اور جمی کی آنکھوں کو اپنے چہرے پر گڑے ہوئے پایا تھا۔

"آپ اندر آجائیں تو دروازہ بند کردوں۔"

"لو۔ ہم کیا مرگئے ہیں۔ جاؤ مرد ہیں ہم بند کردیں گے۔" جمی نے سینہ تان کر کہا اور ثریا مڑ کر آگے بڑھ گئی۔ جمی کو اس نے پہچان لیا تھا۔ چھت پر سے دیکھا تھا ایک دوبار۔ وہی دوربین والا تھا۔ یقینی طور پر پروین نے بھی پہچان لیا ہوگا لیکن اس وقت حکمت علی نے جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل مختلف بات تھی باپ کے ساتھ کئے ہوئے احسان کو دونوں لڑکیاں بھی محسوس کررہی تھیں۔ جمی دوائیں لے آیا تھا۔ چائے بن گئی تھی۔ پہلے اس نے چائے پلائی۔ پھر دوائیں کھلائیں۔ سہارا دے کر حکمت علی کو اٹھایا اور سہارا دے کر لٹا دیا۔ کہنے لگا۔

"چچا میاں! جب تک کہ گھوڑے کی طرح یوں چلانگیں نہ لگانے لگو گے جمی پیچھا نہیں چھوڑنے کا کیا سمجھے۔"

"جمی میاں! باربار ضد سے کچھ نہ کہلواؤ۔ تمہارے لئے دعاؤں کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے میرے منہ سے۔"

"ہاں جمی بیٹے۔ مجھے تو اس بات کا خیال ہے کہ تم ملے بھی تو ایسے 'میرے کلیجے کا ایک ہی ٹکڑا تھا لیکن آج سے میں تمہیں اپنے کلیجے کا دوسرا ٹکڑا سمجھتی ہوں۔"

"قدموں پر جان نچھاور کردیں گے اماں جی۔ جمی ہے ہمارا نام سمجھیں۔ اشراف میں سے ہیں۔ کھرا اور سچا خون ہے۔ بس سمجھ لو کہ ایک بار اپنا کہہ دیا تو پیچھا چھڑانا مشکل ہوجائے گا۔"

"بیٹا تم سے پیچھا کون چھڑائے گا۔ اپنوں سے کہیں کوئی پیچھا چھڑاتا ہے اور بیٹا اپنا تو وہی ہے جو وقت پر کام آئے۔"

"ارے اماں جی۔ ہم کیا کام آئے۔ بس ٹھیک ہے اب ایسی باتیں کرکے ہمیں شرمندہ مت کرو۔! ایک پیالی چائے ہمیں بھی دیجئے۔" جمی نے بڑی اپنائیت سے پروین سے کہا۔

"ہاں ہاں پروین اور وہ جو رس ملائی رکھی ہوئی ہیں وہ بھی اٹھا کر لے آؤ۔"

"نہیں 'نہیں اماں جی۔ رس ملائی تو ہم کھلائیں گے آپ کو آکر جب اپنے چچا میاں ٹھیک ہوجائیں گے سمجھیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔ لیکن پہلی بار ہمارے گھر میں آئے ہو۔ کچھ تو کھا کر جاؤ۔"

"لو اماں جی بھگا رہی ہو۔ جا کون رہا ہے۔ چچا میاں کے ساتھ رہیں گے کوئی ضرورت ہوگی ان کی تو پوری کریں گے۔"

"نہیں جمی میاں۔ اپنا پتہ ٹھکانہ بتا جاؤ۔ جب بھی ضرورت ہوئی بلوالوں گا۔ بلکہ تم خود آتے رہنا۔ اب اتنا بھی پریشان نہیں کرسکتا تمہیں۔" حکمت علی نے نحیف آواز میں کہا۔

"چھوڑئے چچا میاں۔ کیا تکلف کی باتیں کررہے ہیں۔"

پروین چائے لے آئی تھی جمی نے مسکراتی نگاہوں سے پروین کو دیکھا اور چائے کی پیالی اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"رس ملائی نہیں لائیں پروین"

"لاتی ہوں اماں بی۔" پروین نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ سنو۔ سنو بات سنو۔ رس ملائی اس وقت بالکل نہیں کھائیں گے۔ بس چائے پی رہے ہیں کافی ہے منہ سے مانگ کر کھالیں گے اماں بی۔ جب اپنا بنا ہی لیا ہے پھر جمی کبھی تکلف نہیں کرے گا۔" جمی نے کہا اور اس بعد اس کے لئے ایک اسٹول لا دیا گیا۔ ٹل نہیں رہا تھا۔ حالانکہ نسیم بیگم شوہر سے باتیں کرنا چاہتی تھیں۔ ثریا اور پروین جمی کو دیکھ رہی تھیں 'مسکرانا چاہتی تھیں لیکن حیا راستہ روک رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ وہاں سے چلی گئیں۔ نسیم بیگم ابھی تک بیٹھی ہوئی تھیں۔ اماں بی بھی سرہانے موجود تھیں۔ پروین نے ثریا سے کہا۔

"ثریا! یہ وہی آدمی ہے نا دوربین والا۔"

"ہاں۔ بالکل وہی ہے۔"

"گھر میں آگھسا۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ اگر وہ نہ ہوتا تو پتہ نہیں ابا میاں!" ابا میاں۔" ثریا کی آواز لرز گئی۔

"ہاں۔ یہ تو ہے۔ مم۔ مگر ڈھیٹ بن کر بیٹھ گیا ہے۔ جانے کا نام نہیں لیتا۔"

حکمت علی خود بھی یہی چاہتے تھے کہ اب جمی چلا جائے۔ احسان تو بے شک کیا تھا اس نے لیکن غیر تھا گھر والوں سے ہزاروں باتیں کرنی تھیں۔ پروگرام بنانے تھے کہ کیا کرنا پڑے گا اب آگے لیکن جمی تھا کہ ٹل ہی نہیں رہا تھا۔ ایک ہی ترکیب ذہن میں آئی۔ سو گئے۔ آنکھیں بند کر لیں۔ اور ہلکے پھلکے خراٹے لینے لگے۔ اب جمی کے لئے مجبوری ہو گئی تھی۔ کہنے لگا۔

"چچی جی آپ وہ۔ سامنے والی دکان پر جب بھی چاہیں مجھے آواز دے لیں۔ وہی گلی کے سامنے جو کلن خاں کی دکان ہے۔ وہاں ہی اپنا بسیرا ہے۔ کسی کو بھی بھیج دیں۔ دروازہ کھولیں اشارہ کر دیں۔ آ جائیں گے۔ کوئی فکر مت کرنا اور جس چیز کی ضرورت ہو منگوا لینا۔ محلے داری کا معاملہ ہے اور پھر آپ لوگ تو اب اپنے ہی ہو گئے ہیں۔"

"جی۔" نسیم نے آہستہ سے کہا۔ جمی گیا تو نسیم بیگم نے دروازہ بند کر دیا۔ شوہر کے پاس آئیں۔ حکمت علی نے آنکھیں کھول دیں۔

"بہت مخلص آدمی ہے۔ اس کی باتوں پر مت جانا۔ جاہل معلوم ہوتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ محبت ایسے ہی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ ذرا سے پڑھ گئے تھوڑی بہت پڑھنے لکھنے میں شدھ بدھ حاصل کر لیں۔ آسمان پر دماغ پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن ایسے سادہ دل لوگ بہت کم ملتے ہیں۔"

"اے اللہ اس کو زندہ سلامت رکھے۔ میرے بچے کے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہے میرے لئے تو جی جان ہو کر رہ گیا ہے آتا ہے تو کون سی ایسی بات ہے۔ مگر بیٹا اب یہ بتاؤ کرو گے کیا۔"

"اماں جی۔ مجبوری ہے۔ اسی لڑکے کا سہارا لینا پڑے گا۔ ہم تو تنہا ہی ہیں۔ بچیاں کوئی دفتر تھوڑی ہی جائیں گی۔ درخواست لکھوں گا۔ میڈیکل سرٹیفکیٹ لگاؤں گا اس کے ساتھ اور بھجواؤں گا۔ چھٹی کا تو خیر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اب تقدیر میں یہ لکھا تھا ہو گیا کیا کروں۔" حکمت علی کہنے لگے۔ نسیم بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حکمت علی نے ان کی کلائی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں نسیم بیگم۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو زندگی کے معمولات ہیں۔ خدا کا یہی احسان مانئے کہ اس نے زندگی بچا دی۔ ورنہ کار کچلتی ہوئی بھی گزر سکتی تھی۔"

نسیم بیگم خاموش ہو گئیں۔ فاطمہ بیگم نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ لئے۔ پروین اور ثریا کی حالت بھی آج کافی خراب ہو گئی تھی۔ باپ کی یہ حالت دیکھ کر دل میں لاکھوں وسوسے جاگ اٹھے تھے۔ لیکن رات کو جب حکمت علی سو گئے تو پروین نے ثریا سے کہا۔ "ثریا وہ یاد ہیں تمہیں جمی صاحب۔"

"مذاق اڑاؤ گی۔ نہ اڑاؤ پروین میں بہت اداس ہوں۔"

"چھت پر نہیں گئیں آج۔ ہو سکتا ہے دور بین لئے انتظار کرتے رہے ہوں۔"

"میں نے کہا نا بیکار باتیں مت کرو۔ مجھے ہنسی نہیں آ سکتی۔" ثریا نے اداسی سے کہا اور پروین خاموش ہو گئی۔

❀❀❀

کلیم احمد صاحب بھی جاگ رہے تھے۔ رقیہ بیگم تو دروازے پر نگاہیں جمائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ گھر میں داخل ہوا تو کلیم احمد صاحب نے اپنی بیساکھی سنبھالی اور کھڑے ہو گئے۔ رقیہ بیگم جلدی سے آگے بڑھیں۔ خیالوں میں اور خوابوں میں ڈوبے ہوئے شکیل نے ان دونوں کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ دنیا ایک طرف لیکن ماں اور باپ دنیا بھر سے زیادہ قیمتی تھے جلدی سے آگے بڑھ کر بولا

"ارے کیا آپ لوگ پریشان ہو رہے تھے۔"

"نہیں بیٹے۔ انتظار کر رہے تھے۔" کلیم احمد صاحب نے جواب دیا۔

"سو جاتے ابو میں دروازہ بجا لیتا۔ امی دروازہ کھول دیتیں۔ مجھے افسوس ہوا ہے اس بات پر۔"

"نہیں، نہیں بیٹے۔ افسوس کی کیا بات ہے۔ تم جانتے ہو ہمارے گھر کا ایک طریقہ زندگی ہے۔ سب مل کر سوتے ہیں سب مل کر جاگتے ہیں۔ سب مل کر کھاتے پیتے ہیں۔ اب تمہارے مشاغل ملازمت کی وجہ سے کچھ تبدیل ہوئے ہیں۔ تو ہمیں تھوڑی سی تبدیلیاں کرنی پڑی ہیں۔ لیکن بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ تم محنت مزدوری کر رہے ہو اور ہم یہاں آرام سے پاؤں پھیلا کر سو جائیں۔" کلیم احمد صاحب بولے اور شکیل ہنسنے لگا۔

"نہیں ابو۔ محنت مزدوری نہیں۔ بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ نے قسمت میں عیش ہی عیش لکھ دیئے ہیں ابو آپ یقین کیجئے بہت کم وقت جا رہا ہے جب اس گھر کی تقدیر ہی بدل جائے گی۔"

"انشاء اللہ۔ کھانا کھا چکے ہو۔"

"ہاں امی۔ کھا کر گیا تھا۔"

"چلو کپڑے تبدیل کر لو۔"

"آپ لوگ لیٹ جائیے نا۔ کتنی دیر ہو گئی آپ کو میری وجہ سے۔"

"ارے نہیں بھئی۔ کیسی بچوں جیسی باتیں کرتے ہو۔ یعنی تکلف ہو رہا ہے۔ گھر کے گھر میں۔" کلیم احمد صاحب ہنستے ہوئے بولے۔ شکیل بھی لباس تبدیل کر کے خوش خوش ماں باپ کے پاس آ بیٹھا۔

"دراصل ابو۔ اب تو مجھے روزانہ ہی اتنا وقت ہو جایا کرے گا۔"

"بیٹے اتنا کام کرو گے تو بیمار نہیں ہو جاؤ گے۔"

"نہیں ابو۔ اس وقت مجھے کوئی ایسا کام نہیں ہوتا آپ یقین کیجئے دن بھر کوئی ایسا محنت کا کام نہیں ہوتا۔ بہت شاندار آفس ملا ہے مجھے۔ چپراسی ملا ہے۔ ہر طرح کی سہولتیں فراہم ہیں۔ جب چاہوں چائے طلب کر لوں۔ جب چاہوں کھانا' جو چاہوں کھا لوں۔ اب آپ دیکھئے مجھے اس ادارے کا ایک اہم رکن سمجھ لیا گیا ہے چنانچہ ہر میٹنگ میں میری شرکت ضروری ہو جاتی ہے۔ آپ لوگ بس میرے لئے دعائیں کرتے رہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ تنخواہ تقریباً" ڈبل ہو جائے گی اور آپ خود غور کر لیجئے کہ اس کے بعد ہمارے حالات کیسے ہو جائیں گے۔"

کلیم احمد صاحب نے شکر گزار نگاہوں سے آسمان کی جانب دیکھا اور کہنے لگے۔

بیٹے بس یوں سمجھ لو۔ اللہ تعالیٰ جب دینے پر آتا ہے تو ایسے ہی دیتا ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا بد دل نہ ہونا۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ ویسے جن لوگوں نے تمہیں یہ عزت و احترام دیا ہے میں ان کے لئے بھی دعائیں کرتا ہوں۔"

"اے شکیل میاں۔ اب روز اتنی ہی دیر ہو جایا کرے گی۔" رقیہ بیگم نے پوچھا۔

"امی ممکن ہے۔ اس سے بھی زیادہ۔"

"چھٹی وہی ایک دن کی ہوا کرے گی۔"

"آپ جس دن حکم دیں گی ہو جائے گی بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے مالکان پر اپنی کارکردگی کا سکہ بٹھا دیا ہے اور یوں سمجھ لیجئے کہ وہ ایک طرح سے میرے ضرورت مند ہو گئے ہیں بڑے ناز نخرے اٹھاتے ہیں میرے۔ جو چاہتا ہوں مان لیتے ہیں۔ یہ پوزیشن ہے۔"

کلیم احمد صاحب خوشی سے گردن ہلانے لگے۔ پھر بولے۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم تھکن نہیں محسوس کرتے تو پھر کوئی بات نہیں ہے۔"

"تھکن کس بات کی ابو۔ بس میٹنگ میں شرکت کرنا ہوتی ہے کاروباری امور پر گفتگو ہوتی ہے۔ مالکان سامنے بیٹھے ہوا کرتے ہیں اور میری تعریفیں ہوتی ہیں۔ میری کیا۔ یوں سمجھ لیجئے آپ کی۔" شکیل نے ان لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا۔

سب آرام کرنے لیٹ گئے۔ شکیل اپنے بستر پر آلیٹا اور بند آنکھوں میں رنگین خواب مچلنے لگے رنگ و نور کی وہ دنیا کس قدر مطمئن لوگوں کی بستی ہے اپنی گلی میں داخل ہوتے ہی یوں محسوس ہوتا جیسے جہنم میں داخل ہو گئے ہوں۔ کوئی زندگی ہے یہ؟ کیا تضاد ہے۔ انسانوں کی آبادیوں میں ایک جانب پر سکون عیش گاہیں دوسری طرف یہ بوسیدہ مکانات جن میں سے جگہ جگہ کھانسیوں کی آوازیں بچوں کے رونے کی آوازیں لڑائی جھگڑے کتے بھونکتے ہوئے اور اور وہاں کھنکتے ہوئے قہقہے اس کے کانوں

میں بہت سی آوازیں گونجنے لگیں۔ نجانے سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا۔ بس آوازیں اس کے کانوں کو چھو رہی تھیں۔

ہر شخص اپنی اپنی قیمتی اشیاء چھپائے چھپائے پھرتا ہے اور پتھر کب بولتے ہیں وہ آنکھیں وہ اندازہ وہ ساری باتیں مسز احسان اور نجانے کون کون۔ انہی خیالات میں نیند آ گئی۔ خوابوں میں اس نے وہی سارا ماحول دیکھا اور اس میں ہر جگہ سلطانہ جمالی موجود تھیں اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اسے سہارا دیئے ہوئے سوتے جاگتے رات گزر گئی اور جونہی آنکھ کھلی جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گھڑی میں وقت دیکھا ابھی تو ساڑھے چھ ہی بجے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اسے بے چینی سے انتظار کرنا ہو گا گھر والوں پر کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی زندگی میں کوئی ایسی الجھن نہیں پیش آئی تھی جس سے کوئی پریشانی ہوتی یا بد دلی کا احساس ہوتا۔ سلطانہ جمالی تو بہت ہی نفیس خاتون تھیں۔ لوگ کس طرح انہیں تنہا سمجھ کر ان کی دولت کو اپنے تصرف میں لائے ہوئے ہیں۔ کیسی بری بات ہے۔ ایک ایک کا کچا چٹھا کھولوں گا۔ ایک ایک کو منظر عام پر لے آؤں گا۔ ضروری ہے یہ سب میری ذمہ داری ہے۔ بولا میری موجودگی میں کسی کی مجال کہ سلطانہ جمالی کو اس طرح تنہا سمجھ لے۔ بڑی محبت بڑی اپنائیت کا احساس ہوا تھا ان سے اور اسی احساس کے لئے گھر سے باہر نکلا تھا اور بالآخر وہاں پہنچ گیا تھا۔

روشن نے استقبال کیا اس نے سلطانہ جمالی کے بارے میں پوچھا ہی تھا کہ عقب سے سلطانہ نمودار ہو گئی۔

"ہم حاضر ہیں جناب۔" سلطانہ جمالی کی آواز نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ سفید لباس میں دھلے دھلے چہرے والی یہ عورت اس وقت اس کائنات کی سب سے حسین عورت محسوس ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"روشن چلو چائے لے آؤ۔ ہم لوگ اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔" سلطانہ جمالی اس کے سامنے بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے بالوں کو پیچھے کی طرف سمیٹنے لگیں۔ شکیل کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان سے گفتگو کیسے شروع کرے۔ سلطانہ جمالی خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔ شکیل نے سائڈ ریک کھول کر ایک فائل نکالی تو سلطانہ جمالی ہاتھ اٹھا کر بولیں۔

"نہیں جناب ہمارے جانے کے بعد چائے کے بعد۔ آپ کے انتظار میں چائے نہیں پی ہے میں نے۔"

"جی۔" شکیل نے سعادت مندی سے کہا۔ سلطانہ جمالی خاموش اور سنجیدہ نظر آ رہی تھیں۔ شکیل نے اس کی سنجیدگی میں دخل نہیں دیا۔ حالانکہ رات کی باتیں کرنا چاہتا تھا وہ بہت دلکش تھی وہ گفتگو کہ اس احساس کے ساتھ کے اس میں اس کی پذیرائی کی گئی تھی۔ خود سلطانہ جمالی کے الفاظ بھی بڑے حوصلہ افزاء تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ تم حقیقت ہو تم سچائی ہو اور وہ جو اس کلب میں آتے ہیں جھوٹے بے نقاب' جبکہ تمہارے چہرے پر کوئی نقاب نہیں ہے۔ تم جو کچھ ہو نگاہوں کے سامنے ہو اور ایسے ہو کہ جو دیکھے دل پکڑ کر رہ جائے۔ مسز احسان الٰہی کا رویہ نگاہوں کے سامنے تھا۔ کیا واقعی میں ایسی شخصیت کا مالک ہوں اسے خود ہی اپنے احساسات سے شرمندگی ہونے لگی۔

روشن کی آمد نے سوچوں کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ چونکہ سلطانہ جمالی نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی اس لئے وہ خود بھی رات کی کہانی دہرا کر خود کو ہلکا ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

چائے پینے کے بعد مسز جمالی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"جی شکریہ کس بات کا"

"بھئی آپ نے ہمیں چائے پلائی۔ یہ آپ کا دفتر ہے نا اور سنئے آپ اپنے دفتر میں اپنے ملازموں کو خود ہی مخاطب کیا کریں۔" سلطانہ جمالی یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔ شکیل اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔ عجب بانکپن تھا اس عورت میں۔ چال میں ایک مستانہ سی کیفیت تھی۔ بدن بڑا متناسب اور سانچے میں ڈھلا محسوس ہوتا تھا۔ فوراً" ہی شکیل کو اپنے ان خیالات پر ندامت ہونے لگی۔ بے شک ذہن میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں لیکن احترام برقرار رکھنا ہو گا۔ پرواز اتنی ہونی چاہئے کہ مسلسل جاری رہے۔ یوں نہ ہو کہ پرواز کی حدیں ختم ہو جائیں۔

اس نے فائل اپنے سامنے رکھ لی اس کے بعد وہ صرف کام میں کھو گیا۔ یہ ضروری ہوتا ہے۔ حالانکہ بار بار ذہن بغاوت کر رہا تھا۔ کچھ اور سوچوں کی سمت راغب ہونا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ تقریباً" سوا گیارہ بجے ہوں گے جب مسز سلطانہ جمالی کی آواز سنائی دی۔

"آ سکتے ہیں مسٹر شکیل"

وہ چونک پڑا۔ گھبرا کر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ مسز جمالی کے ساتھ اس نے اختیار بیگ کو دیکھا تھا اور اسے دوسری بار سنبھلنا پڑا تھا۔

"تشریف لائیے میڈم۔ تشریف لائیے۔ آئیے سر۔" وہ مودبانہ انداز میں بولا۔ اختیار بیگ نے کچھ نہیں کہا تھا۔ خاموشی سے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ مسز جمالی بھی بیٹھ گئیں۔

"شکیل صاحب! میں نے ٹیلیفون کر کے اختیار بیگ صاحب کو بلایا ہے۔ آپ جو کچھ بھی معاملات ہیں ان کے سامنے پیش کر دیں میرا مطلب ہے وہ نوٹس جو آپ نے بنا کر رکھے ہیں۔"

اختیار بیگ نے گہری نگاہوں سے شکیل کے چہرے کا جائزہ لیا اور بولا۔

"جی شکیل صاحب! سلطانہ جمالی کے دربار میں ہماری یہ طلبی کس سلسلے میں ہوئی ہے۔"

"جناب عالی! میں فرم کے اور کاروبار کے تمام کاغذات چیک کر رہا ہوں۔ بہت پہلے سے' شروع سے میں نے ان کاغذات کی دیکھ بھال کی ہے اور مجھے ان میں خاصی گڑبڑ محسوس ہوئی ہے۔ یہ تمام تفصیلات میں نے نوٹ کر لیں ہیں۔ براہ کرم ان کی تصدیق فرما دیجئے گا۔" شکیل نے مودبانہ انداز میں وہ کاغذ جو ایک فائل میں لگے ہوئے تھے اختیار بیگ کے سامنے رکھ دیئے۔

اختیار بیگ نے کسی قدر سراسیمہ سے انداز میں کاغذات وصول کئے اور اس کے بعد وہ ان کاغذات میں ایسے کھو گئے تھے کہ روشن کے چائے لانے کی خبر بھی انہیں نہیں ہوئی۔

سلطانہ جمالی نے ایک بار خفیف سے انداز میں مسکرا کر شکیل کو دیکھا تھا اور اس کے بعد چائے بنانے لگی تھی۔ چائے کی ایک پیالی اس نے اختیار بیگ کے سامنے رکھی۔ دوسری اپنے سامنے تیسری شکیل کے سامنے اور اس کے بعد اختیار بیگ کو متوجہ کئے بغیر وہ چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ اختیار بیگ آخری کاغذ پر پہنچ گئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے فائل بند کر دی اور مسز جمالی کی صورت دیکھنے لگے پھر بولے۔

"مسز سلطانہ جمالی! تمہیں بھی جانور پالنے کا شوق ہے۔ مگر جانوروں کے انتخاب میں بھی احتیاط برتنی چاہئے۔"

سلطانہ جمالی نے چائے کی پیالی میز پر رکھ دی اس کی بھنویں تن گئی تھیں اس نے اختیار بیگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون سے جانور کی بات کر رہے ہیں آپ براہ کرم وضاحت فرما دیجئے۔"

"یہ کل کے لڑکے کیا اتنے ماہر ہیں کہ اس قسم کے حسابات چیک کریں۔ یہ جو لغویت میرے سامنے آئی ہے اس پر مجھے کس طرح کا اظہار کرنا چاہئے۔"

"سب سے پہلے آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے اختیار بیگ صاحب۔ شکیل سے معافی مانگئے۔ وہ میرے باعزت سیکریٹری ہیں اور انہیں وہ مقام حاصل ہے یہاں پر جو ایک معزز آدمی کو ہو سکتا ہے۔ جواب میں اگر اس سے بھی زیادہ بدترین الفاظ وہ آپ کے لئے ادا کریں گے تو میں کبھی بھی ان سے بازپرس نہیں کروں گی۔ آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔"

"کیا فضول باتیں کرتی ہو۔ مجھے جانتی ہو میں کون ہوں۔" اختیار بیگ نے کہا۔

"ان کاغذات کی رو سے آپ ایک بددیانت پارٹنر ہیں اور ایک بددیانت شخص کی نہ تو عزت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے کوئی اہمیت دی جا سکتی ہے۔ ٹھیک ہے آپ نے اپنے الفاظ واپس نہیں لئے۔ یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ مروت کی ساری حدیں توڑ دیں اور اب آپ کان کھول کر سنئے میں آپ کو وارننگ دے رہی ہوں۔ شکیل! کتنی رقم ان کے ذمے واجب الادا ہے۔ انہیں تفصیل بتاؤ تم نے تفصیل الگ نوٹ کی ہے۔"

"جی میڈم۔ تقریباً" ڈھائی کروڑ روپے۔" شکیل نے جواب دیا۔

"پندرہ دن کے اندر اندر اختیار بیگ صاحب ڈھائی کروڑ روپے کی ادائیگی کر دیجئے گا۔ ورنہ پہلے میں آپ کو قانونی نوٹس دوں گی۔ اس کے بعد آپ پر کیس کر دوں گی سمجھ رہے ہیں آپ پندرہ دن میں نے دے دیئے ہیں آپ کو۔ اتنی طوالت میں نہیں دینا چاہتی۔ لیکن پرانے تعلقات کی بنا پر میں نے پہلے ہی یہ فیصلہ کیا تھا۔ اب اس فیصلے میں آپ کے ان الفاظ کے بعد یہ ردوبدل ہو سکتا ہے کہ میں ان پندرہ دن کو صرف آٹھ دن کر دوں سمجھے آپ اگر اپنے الفاظ واپس نہیں لیں گے شکیل صاحب سے معافی نہیں مانگیں گے تو یہ وقفہ آٹھ دن کا ہو گا ورنہ اس کے بعد آپ سمجھ لیجئے گا کہ کیا ہو سکتا ہے۔"

اختیار بیگ صاحب غصیلے انداز میں کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے مسز جمالی آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں اس سلسلے میں کوئی بکواس سننا پسند نہیں کروں گا۔ اگر آپ آٹھ دن ضائع ہیں تو اپنے بل پر کیجئے گا۔" اختیار بیگ صاحب یہ کہہ کر باہر نکل گئے۔ انہوں نے اپنی چائے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ سلطانہ نے دور تک انہیں دیکھا پھر شکیل کی جانب متوجہ ہو گئیں مسکرا کر بولیں۔

"بہت اچھے آدمی ہیں اختیار بیگ صاحب درحقیقت میں نے اخلاقی حدود کو قائم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ یہ بتا کر خوش کر گئے ہیں کہ وہ ایک ہفتے کے اندر اس رقم کی ادائیگی نہیں کریں گے۔ شکیل اب آپ دوسرا کیس نکال لیجئے گا۔ میرا ہے دوسرا کیس فخرالدین صاحب کا چیک کیا تھا میں نے یا کوئی اور۔"

"کسی کو بھی شروع کیا جا سکتا ہے میڈم۔" شکیل نے جواب دیا۔

"فخرالدین صاحب کو دیکھ لیجئے گا میرا خیال ہے وہ مناسب رہیں گے۔"

"بہت بہتر۔"

"اور میں اشتیاق حسین صاحب سے آج ہی بات کئے لیتی ہوں۔ دو دن کے اندر یہ نوٹس اختیار بیگ کو پہنچ جانا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔" شکیل نے جواب دیا۔ مسز جمالی نے ٹیلی فون سامنے سرکا لیا تھا اور اس کے بعد وہ اشتیاق حسین کو ہدایات رہی تھیں۔ بیرسٹر اشتیاق حسین نے کہا کہ وہ اعلیٰ پیمانے پر کارروائی کر کے یہ نوٹس پہنچوا دیتے ہیں۔ سلطانہ جمالی ان سے لو کرنے کے بعد اٹھ گئی تھیں۔

تقریباً" پونے ایک بجا تھا کہ روشن آ گئی۔

"صاحب آپ کو اندر بلایا جا رہا ہے۔"

"کہاں۔"

"اندر کوٹھی میں۔ آیئے میرے ساتھ۔" شکیل روشن کے ساتھ اندر چل پڑا۔ ظاہر ہے بلانے والی سلطانہ جمالی ہی ہو سکتی ہے۔ کار بھی کھڑی ہوئی تھی۔ روشن نے ایک کمرے کی طرف راہنمائی کی اور ایک وسیع و عریض کشادہ بیڈ روم میں اسے لے نچ گئیں۔ کہنے لگی۔

"بیگم صاحبہ نے یہ آپ کے لئے درست کیا ہے۔ یہ آپ کے آرام کرنے کی جگہ ہے۔ وہ غسل خانہ ہے آپ کے کپڑے خانے میں پہنچا دیئے گئے ہیں۔"

"کک۔ کک" شکیل نے حیران نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اتنا خوبصورت بیڈ روم تھا کہ کبھی خواب میں تصور نہیں کیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

روشن باہر چلی گئی تھی۔ اس کی نظر ایک الماری کی جانب اٹھ گئی۔ بہت ہی قیمتی اور خوبصورت الماری تھی جس کے سامنے مر شیشے کا بنا ہوا تھا۔ بٹن دبانے سے یہ شیشہ بے آواز کھل جاتا تھا اور اس کے عقب میں شکیل کے تمام لباس سلیقے سے ٹنگے ئے تھے وہ جو مسز جمالی نے بازار سے خریدے تھے اور باقی ابھی درزی کے پاس سے نہیں آئے تھے۔

شکیل چند لمحات سوچتا رہا۔ پھر لرزتے قدموں سے وہ غسل خانے کی جانب بڑھ گیا جتنا بڑا یہ غسل خانہ تھا اتنا بڑا تو اس کے رکا سب سے بڑا کمرہ بھی نہیں تھا۔ اور پھر پورا غسل خانہ سفید ٹائل سے آراستہ۔ اتنا روشن کہ آنکھوں میں چکاچوند پیدا نے لگے۔ ساری کی ساری فٹنگ غیر ملکی تھی۔ نہانے کے ایسے ایسے سامان موجود تھے کہ شکیل نے کبھی تصور بھی نہیں کئے ۔ اس کے گھر میں جو غسل خانہ تھا وہ تو بس ایک چوکور ڈبے کی شکل میں تھا۔ جہاں لکڑی کا ایک پائیدان رکھا رہتا تھا۔ ایک ب بالٹی ذرا سا اور پر لوٹے کی جالی پر صابن اور اس کے برابر ہی ٹنگا ہوا مگا یہ تھی اس غسل خانے کی کل کائنات بہرحال بیگم ہ کا حکم تھا۔ غسل کیا کپڑے ایک جانب ٹنگے ہوئے تھے۔ اس نے پہلے آئینے میں بال سنوارے کیا ہی پرلطف غسل تھا۔ ح تک خوش ہو گئی تھی۔ باہر نکلا تو روشن موجود تھی۔

"آیئے۔" اس نے کہا اور اسے ساتھ لئے ہوئے ایک اور کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ یہ ڈرائنگ روم تھا۔ کھانے کے رے میں پہنچ کر اس نے سلطانہ جمالی کو دیکھا جو میز پر کہنیاں ٹکائے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ روشن کو حکم دیا۔

"کھانا لگادو۔" روشن چلی گئی شکیل نے عجیب سی نظروں سے بیگم صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"میڈم کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"
"جی فرمائیے۔"
"یہ سب کچھ۔ یہ سب کچھ میڈم آپ یقین کیجئے میرے تصور سے بھی باہر ہے۔ میں اس احسان سے پاگل ہو جاؤں گا۔ آپ کی مہربانیوں کے بوجھ سے ویسے ہی دبا ہوا ہوں۔ یہ سب کچھ براہ کرم۔"
"شکیل ذرا سا غور کریں آپ اپنے حالات پر اپنی کارکردگی پر آپ کیا سمجھتے ہیں شکیل۔ اس دن جب آپ انٹرویو کے آئے تھے تو میں نے آپ پر غور نہیں کیا تھا میں نے اسی لمحے دل میں طے کرلیا تھا کہ آپ جیسے ہونہار نوجوان کو بام عروج پہنچاؤں گی اور اب جبکہ میں نے یہ کام شروع کردیا ہے تو آپ تکلفات کر رہے ہیں۔ نہیں شکیل زندگی میں سب کچھ لینا ہی نہیں کچھ دینا بھی ہوتا ہے۔ میں جس قابل ہوں آپ کے لئے کام کر رہی ہوں اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ بھی میرے لئے بڑے فیمتی ثابت ہوئے ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو اس لگن اور اس دلچسپی سے کام نہیں کرتا۔ شکیل آپ ان چیزوں کو اپنا سمجھئے میں نے جو کچھ کیا ہے اپنی خواہش اور اپنی مرضی اور آپ کے بارے میں اپنے تصورات سے تعاون کرتے ہوئے کیا۔ وہ بیڈ روم آپ کا ہے۔ ایک بجے آپ میرے ساتھ لنچ کریں گے۔ میں اگر گھر پر نہیں ہوں گی تب بھی آپ یہاں لنچ کریں۔ تین بجے تک آرام کریں گے اس کے بعد دو گھنٹے کام۔ پانچ بجے اگر آپ چاہیں تو گھر جا سکتے ہیں ڈرائیور سمیت گاڑی آپ کو لے جا سکتی ہے۔ یا اگر آپ خود ڈرائیو کر کے لے جانا پسند کریں تو خود لے جایا کریں اس کے بعد ساڑھے سات بجے آپ میرے پاس واپس آجائیں۔ یا اگر وہاں جانا پسند نہ کریں تو یہ وقت بھی میرے ساتھ ہی گزاریں یہ آپ پر منحصر ہے۔ میرا خیال ہے آپ کو اب باقاعدہ کلب جانا ہوگا۔ لوگوں میں ملنا جلنا ہوگا۔ سب لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہے گا۔ یہ سب کچھ بہت ضروری۔ آپ کے لئے نہیں میرے لئے میرا مطلب ہے میرے کاروبار کے لئے بتائیے آپ اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کریں گے نہیں۔"
"میڈم آپ کے کسی بھی حکم سے انکار کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"
"یہ بات نہیں۔ آپ بتائیے آپ خوشی سے یہ سب کچھ کرنا پسند کریں گے۔"
"آپ کے حکم سے ناخوش ہونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"
"کیوں نہیں سمجھتے شکیل میں تم سے کہتی ہوں تم مجھے سلطانہ کہو۔ میں تم سے کبھی تم سے مخاطب ہوتی ہوں اور جب تمہاری طرف سے پذیرائی نہیں پاتی تو مجبوراً" آپ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہوں۔ پتہ نہیں تم میرے اور اپنے درمیان یہ فاصلے کیوں رکھنا چاہتے ہو شکیل پلیز جو کچھ میں کہتی ہوں اسی انداز میں سوچو اسی انداز میں کرو۔"
شکیل ہنسنے لگا۔
"تو میں نے منع تو نہیں کیا ہے۔ سلطانہ صاحب۔"
"شکریہ شکیل۔ شکریہ چلو کھانا کھاؤ۔"
شکیل نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ سلطانہ جمالی نے اسے اس کے کمرے کے دروازے پر چھوڑ دیا۔ اور وہ آرام کرنے کے لئے آگیا۔ اس بستر پر لیٹ کر وہ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے خوش نصیب انسان سمجھ رہا تھا۔ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔
اور اس کے بعد دہی رات وہی سب کچھ۔ اس دن ایک نئے کلب میں داخلہ ہوا تھا۔ سلطانہ جمالی ہر جگہ جانی پہچانی تھیں۔ اور شکیل کی دہاں بھی وہی عزت افزائی ہوئی تھی کچھ سلطانہ کی وجہ سے اور کچھ دل پھینک خواتین کی وجہ سے۔ جو کے اردگرد منڈلاتی رہی تھیں۔

⁂

"فوزیہ بدحواس ہوگئی۔ بریک پر پاؤں رکھنا چاہتی تھی لیکن بدحواسی میں ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھ گیا اور اس کے بعد گاڑی کے قابو سے باہر ہو گئی۔ وہ تو شکر تھا کہ سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ گاڑی سڑک سے تقریباً" ڈیڑھ دو فٹ نیچے اتر گئی اچانک ہی بند ہو گئی۔ یہ فوزیہ کی خوش بختی ہی تھی کہ ایسا ہو گیا تھا ورنہ اور دور تک چلی جاتی اور اس کے بعد نجانے کیا ہ

فوزیہ بری طرح نروس ہو گئی تھی۔ پیچھے آنے والی گاڑی اس کے قریب ہی رک گئی۔ اکا دکا افراد ادھر ادھر آجا رہے تھے۔ غنڈے صورتحال کا جائزہ لینے لگے۔ پھر نیچے اتر آئے۔ وہ صورت ہی سے لفنگے معلوم ہوتے تھا۔ فوزیہ نے گھبرائی ہوئی سے انہیں دیکھا ان میں سے ایک نے کہا۔
"میڈم ڈرائیونگ اتنی آسان چیز نہیں ہے اور پھر میرا تو یہ نظریہ ہے کہ خواتین کو ایسے کام کرنے ہی نہیں چاہئے مگر آپ کے۔"
فوزیہ کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔
"اب آپ کا یہ کھٹارا تو خاصہ ناکارہ ہو گیا۔ یہ دیکھئے غالباً" کوئی ایسا پرزہ خراب ہو گیا ہے اس میں سے تیل الگ گرنے لگا دیکھئے کتنی مقدار میں تیل جمع ہو گیا۔ اتر آئیے ہم جو خدمت گار موجود ہیں۔"
فوزیہ نے دونوں ہاتھوں سے اسٹیئرنگ پکڑ لیا اور اس کے دانت بھنچ گئے۔ اس وقت ساری تیزی طراری رخصت ہو گئی یہ لوگ کئی دن سے اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ کالج تو وہ فوکس ویگن میں ہی آتی جاتی تھی اور فوکس ویگن ڈرائیو کرتے اپنے آپ کو بہت ماڈرن سمجھتی تھی۔ بارہا مختلف واقعات پیش آئے تھے۔ لیکن ایسا کوئی واقعہ اس سے پہلے پیش نہیں آیا دونوں نوجوان نجانے کون تھے۔ کئی دن سے انہوں نے اسے تاک رکھا تھا۔ کالج تک ساتھ جاتے تھے اور جب کالج سے ہوتی تھی تو اس کے پیچھے پیچھے ہی اپنی گاڑی لگائے چلے آتے تھے۔ ان کی گاڑی فوزیہ کی فوکس ویگن کے برابر ہی کھڑی ہوئی اور فوزیہ یہ سوچ رہی تھی کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے کہ ایک نوجوان ان کے قریب پہنچ کر رک گیا۔
"کیا ہوا۔ کیا بات ہے۔ کوئی حادثہ ہو گیا ہے کیا"
"میاں جاؤ۔ اپنا کام کرو۔ ایسے حادثے ہوتے نہیں کرائے جاتے ہیں۔" نوجوانوں میں سے ایک نے کہا۔
"سمجھا نہیں۔" نئے آنے والے نوجوان نے حیرانی سے فوزیہ کو دیکھا پھر ان دونوں نوجوانوں کو۔"
"سمجھ کر ہی جاؤ گے۔ ایسے ہی چلے جاؤ پیارے بھائی۔ زندگی بڑی قیمتی شئے ہے۔"
"اوہو سمجھا۔ آپ وہ ہونہار نوجوان ہیں جو سڑکوں پر لڑکیوں کو پریشان کرتے ہیں۔ آیئے پھر میں وہ فلمی ہیرو ہوں جو ایسے پر نوجوانوں کی پٹائی کرتا ہے۔ بسم اللہ ہو جائے۔" آنے والے نوجوان نے آستین چڑھا کر کہا اور دونوں ایک دوسرے صورت دیکھنے لگے۔ کافی فاصلے پر پولیس کی ایک جیپ آرہی تھی۔ یا شاید صرف گزر رہی تھی۔ نوجوان نے مسکراتے ہوئے طرف اشارہ کیا۔
"وہ آپ کے بقیہ رشتے دار بھی آرہے ہیں۔" دونوں نوجوانوں نے جیپ آتے ہوئے دیکھ لی اور ان کے چہرے تاریک ہو وہ پھرتی سے اپنی گاڑی کی جانب بھاگے اور اس میں بیٹھ کر ہوا ہو گئے۔ پولیس جیپ قریب آکر رک گئی تھی۔ نوجوان کو فوزی سے باتیں کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا کہ پولیس جیپ بالکل قریب آگئی۔ انسپکٹر اور دو کانسٹیبل بیٹھے ہوئے تھے۔
"کیا ہوا" انہوں نے نوجوانوں کو اور فوزیہ کی فوکس ویگن کو گھورتے ہوئے کہا۔ فوزیہ کی جان میں جان آگئی تھی۔ نئے والے نوجوان نے درحقیقت اس وقت اسے بدترین حالات سے بچا لیا تھا۔ اس نے فوراً" اپنے آپ کو سنبھالا اور پولیس کی طرف رخ کر کے بولی۔
"کچھ نہیں جناب۔ بریک فیل ہو گئے گاڑی سڑک پر اتارنی پڑی تاکہ کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔"
"اور تو کوئی بات نہیں ہے۔" پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔
"نہیں بالکل نہیں۔ بہت بہت شکریہ۔"
پولیس انسپکٹر نے ایک نظر نئے آنے والے نوجوان پر ڈالی اور اس کے بعد جیپ آگے بڑھ گئی۔ فوزیہ دروازہ کھول کر نیچے آگئی۔
"آپ کا انتہائی شکریہ جناب۔ درحقیقت اس وقت آپ میرے محسن بن کر آئے ہیں اور سچویشن بھی کچھ فلمی ہو گئی ہے۔ ایسے مناظر فلموں میں دکھائے جاتے ہیں اور ہم انہیں نظرانداز کر دیتے ہیں۔ لیکن اس وقت میں آپ کے اس احسان کو یاد رکھوں گی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ مجھے باقاعدہ فلمی ہیرو نہیں بننا پڑا۔ آستین تو چڑھالی تھی مگر ان دونوں کا تن و توش دیکھ کر لگ رہا
کہیں سچ مچ ہی لڑائی پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ مجھے فلمی ہیرو جیسی فائٹنگ بالکل نہیں آتی۔" نوجوان نے مسکراتے ہوئے
فوزیہ ہنس پڑی۔ پھر بولی۔
"براہ کرم اب میری کچھ مدد کیجئے۔ یہ بتائے گاڑی کو یہاں سے کیسے ہٹاؤں۔"
"افسوس میں ڈرائیونگ نہیں جانتا۔ ورنہ آپ کو ضرور مشورہ دیتا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ گاڑی یہیں چھوڑئے اور
جائیے" کسی مرد کو بھیج کر مکینک وغیرہ سے رابطہ قائم کیجئے۔ وہی اب اسے لے جا سکتا ہے۔ دیکھئے موبل آئل بہہ رہا
نوجوان نے سڑک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ فوزیہ نے خود بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کا کہنا بالکل درست ہی تھا۔ لرزتے
لہجے میں بولی۔
"لیکن سڑک دیکھ رہے ہیں آپ کیسی سنسان ہے وہ کمبخت آگے جا کر پھر مجھے مل سکتے ہیں۔"
"تو پھر میں آپ کو اس فلمی ہیرو کی طرح یہ پیشکش کروں کہ گا آیئے میرے ساتھ آئے میں آپ کو آپ کے گھر پہ
ٹیکسی وغیرہ تھوڑے بہت فاصلے پر مل ہی جائے گی۔"
"چلئے اس وقت آپ بے حد قیمتی ہیں میرے لئے۔ خدا کے لئے میری مدد کیجئے۔" فوزی نے کہا۔ اور نوجوان اس کے
چلنے لگا۔ فوزی بولی۔
"آپ اس سمت جا رہے تھے۔"
"جی ہاں۔ گھر ہی واپس جا رہا تھا۔ میں ایک کمپنی میں ملازمت کرتا ہوں۔ ہاف ڈے ہوتا ہے آج۔ اس لئے جلدی
گئی۔ واپس گھر جا رہا تھا ادھر کبھی کبھی چہل قدمی کرتا ہوا نکل آتا ہوں۔ اب یہاں سے آگے جانے کے بعد جو چوراہا ملے
سے بس بھی مل جاتی ہے اور بس مجھے میری منزل پر پہنچا دے گی۔ کوئی جلدی نہیں تھی گھر جانے کی۔ اس لئے ٹہلتا ہوا ادھر
نکل آیا تھا۔"
"کہاں رہتے ہیں آپ" فوزی نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ نوجوان نے جو پتہ فوزی کو بتایا اسے سن کر اچھل
"ارے یہ تو ہمارا محلّہ ہے میں بھی تو وہیں رہتی ہوں۔"
"اچھا۔" نوجوان کے لہجے میں بھی حیرت تھی۔ پھر دونوں ایک دوسرے سے سوالات کرنے لگے۔ نوجوان نے اپنا
بتایا اور اپنی رہائش گاہ شمع پروانہ کا مکان یعنی شمع دان۔ فوزی نے چونک کر نوجوان کو دیکھا۔ پھر ہنس کر بولی۔
"آپ ان دونوں نوجوانوں میں سے ایک ہیں جو پروانہ صاحب کے اوپری منزل کے کرائے دار ہیں۔"
"اب یوں لگتا ہے جیسے آپ کچھ دیر کے بعد مجھے اپنا رشتہ دار بھی بنا لیں گی۔"
"رشتہ تو میرے اور آپ کے درمیان قائم ہو گیا ہے۔ شرافت اور انسانیت کا رشتہ۔ احسان کا رشتہ میں مکان نمبر
دو میں رہتی ہوں۔ میرے والد کا نام امداد بیگ ہے اور میں ایک کالج میں پڑھتی ہوں۔ کبھی ادھر سے گزرتے ہوئے ہمار
دیکن پر تو نظر پڑی ہوگی آپ کی۔"
شعور نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔"
"ہاں۔ اب کچھ یاد آ رہا ہے۔ آپ کا گھر بھی دیکھا ہوا ہے ہم نے آپ کا کیا نام ہے۔"
"فوزیہ۔ والدین مجھے فوزی کہتے ہیں۔"
"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر مس فوزی۔" شعور نے کہا۔ فوزیہ کو ججن بی کی باتیں یاد آ گئیں تھیں۔ جن باتوں
ڈانٹ کر گھر سے باہر نکال دیا گیا تھا۔ آدمی تو خوبصورت ہے۔ لمبا تڑنگا ہے۔ شریف معلوم ہوتا ہے۔ ظاہری شکل و
واقعی قابل قدر ہے لیکن مالی حیثیت پروانہ صاحب کا مکان ہی کتنا سا ہے کہ اس کی اوپری منزل میں یہ لوگ رہتے ہیں
فوزی اس احساس کو دل سے نہیں نکال سکتی تھی جو اس کے بروقت مدد کرنے سے پیدا ہو گیا تھا ساتھ چلتے ہوئے اس نے
"آپ کے ساتھ کوئی اور بھی رہتا ہے۔ میرا مطلب ہے آپ کا بھائی۔"
"ہاں طاہر! آپ کو تو خاصی معلومات ہیں ہمارے سلسلے میں" شعور نے مسکرا کر کہا۔

ہاں ہمارے محلے میں ہی ایک محکمہ اطلاعات رہتا ہے ججن بی کے نام سے مشہور ہے ایک گھر کی باتیں دوسرے گھر تک
کا فرض اولین ہے کسی کے بارے میں پوچھ لیجئے اتفاق ہے کہ آپ کی ملاقات نہیں ہوئی ورنہ آپ مجھے بخوبی جانتے

رے کیوں نہیں ہوئی ہے ملاقات۔ ہوئی ہے۔ بڑی دلچسپ خاتون ہے۔ واقعی دلچسپ باتیں کرتی ہیں۔"
کل بالکل انہی کی بات کر رہی ہوں۔"
ب اتفاق ہے کہ آپ سے اس طرح ملاقات ہو گئی ویسے معاف کیجئے گا کیسا محلّہ ہے آپ کا کس قسم کے لوگ ہیں آپ
ں تو آج تک کسی سے کوئی ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے۔ البتہ شمع بیگم اور پروانہ صاحب بڑے دلچسپ اور پرخلوص لوگ

ں نے تو سنا ہے کہ آپ نے ان کی فرزندی سنبھال رکھی ہے۔"
ہیں فوزی صاحبہ ہم کیا اور ہماری اوقات کیا۔ نیک اور محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ اولاد سے محروم ہیں۔ بس میرا
کہ ہر کسی سے محبت سے ملتے ہوں گے۔ محبت تو انسان کی پہلی ضرورت ہے فوزی صاحبہ۔"
چھا" فوزی نے شوخی سے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا۔"
ت سی باتیں وقت آنے پر معلوم ہوتی ہیں" شعور نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
سکتا ہے ابھی وقت نہ آیا ہو۔ مگر محترم ٹیکسی کرنا پڑے گی۔"
ں آپ کو ٹیکسی لئے دیتا ہوں۔ دیکھئے وہ عقب سے ایک ٹیکسی آ بھی رہی ہے۔"
پ گھر نہیں جا رہے۔"
تو میں گھر ہی رہا ہوں لیکن آپ کے ساتھ بیٹھنا مناسب نہ ہوگا۔"
ں کے باہر اتر جائیں گے۔ بلکہ کچھ پہلے اتر جائیں گے۔ میں وہاں سے پیدل چلی جاؤں گی۔"
ں میں کہہ رہا تھا۔ محلے کے بارے میں جو سوال کیا تھا میں نے وہ اسی مقصد سے کیا تھا۔"
ب۔ دقیانوسی لوگ ہیں۔ غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ایک دوسرے کی کھوج میں رہتے ہیں بس کیا بتاؤں
"

ر نے ٹیکسی روک لی تھی۔ اس نے آگے بیٹھنے کی کوشش کی تو فوزی نے آہستہ سے کہا۔
یں براہ کرم پیچھے ہی بیٹھ جائے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔" شعور بیٹھ گیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ تو فوزی نے کہا
یقت یہ ہے کہ ہم لوگ بڑے کشادہ ذہن ہیں۔ میرے ڈیڈی بھی تعلیم یافتہ ہیں۔ ممی بھی مگر بس ڈیڈی کی ایک ضد ہے
جہ سے ہم اس محلے میں رہ رہے ہیں۔"
ا۔"
ں کہ ہم اپنے آبائی گھر میں رہیں گے۔ میرا تو پورا خاندان شاندار علاقوں میں رہتا ہے۔ ہمارے ذرائع آمدنی بھی بہت
ں۔ مگر بس وہ جو ہوتی ہے نا قدامت پرستی ڈیڈی کے ذہن میں وہی ہے۔ حالانکہ ممی ان سے بالکل مختلف ہیں۔"
ر آپ"
ئی اچھی زندگی کون نہیں چاہتا شعور صاحب آپ خود غور کیجئے صاف ستھرا ماحول ہو صاف ستھرے لوگ ہوں تو دل بھی
رتا ہے۔ اب اگر میں آپ کو اس وقت اپنے ساتھ گلی میں لے جاؤں اپنے گھر میں لے جاؤں تو بے شمار نگاہیں مجھ پر
لوگ ایک دوسرے کو اشارے کریں گے۔ فضول بیکار بکواس ماحول ہے یہ۔"
ں اس حد تک نہیں ہونا چاہئے۔ بہرحال فوزی صاحبہ آپ کچھ بھی کہیں لیکن مجھے آپ سے مل کر واقعی مسرت ہوئی

لئے گا بعد میں بھی بلکہ بے دھڑک آ جائے کسی دن ہمارے ہاں۔ بلکہ ایسا کیجئے کل شام آ جائے۔ کل تو ہاف ڈے نہیں ہو

"نہیں۔"

"تو پھر یوں کریں کہ ساڑھے چھ سات بجے تک آجائیں چائے ہمارے ساتھ ہی پیئں۔ ڈیڈی سے آپ کا تعارف جائے گا۔ ویسے بھی میرا خیال ہے کہ بلکہ آپ کہہ بھی چکے ہیں کہ پڑوس میں کسی سے متعارف نہیں ہیں۔"

"جی جی حاضری دوں گا۔" شعور نے کہا۔

"رسمی طور پر نہیں حقیقتاً" آئے۔ دیکھئے ہمارا گھر کتنا خوبصورت سجا ہوا ہے اور ہم لوگ کس طرح اس محلے میں زند رہے ہیں۔" فوزی کے لہجے سے غرور نہیں جاتا تھا۔ بہرحال شعور نے اس بات پر کچھ محسوس نہیں کیا فوزی نے گلی فاصلے پر ٹیکسی رکوالی۔ اپنے پرس میں ہاتھ ڈالا تو شعور نے کہا۔

"یہ سب کچھ کر کے آپ میری شخصیت کو داغ دار نہ کریں۔ بل مردوں کی جیب سے ادا ہونا چاہئے۔"

"ادا کر دیجئے۔ میں آپ کو نہیں روکوں گی۔" فوزی نے کہا اور اس کے بعد دونوں نیچے اتر گئے۔ ٹیکسی آگے بڑھی کہنے لگی۔

"دیکھئے شعور صاحب انتظار کروں گی کل۔ بھول نہ جائے گا۔ چلتی ہوں خدا حافظ۔" اور فوزی تیز تیز قدموں سے آ گئی۔ شعور نے رخ تبدیل کر لیا تھا اور دوسری سمت مڑ گیا تھا۔ گلی کے کونے پر پہنچ کر فوزی نے گردن گھما کر اسے دیکھا نظر آرہا تھا ایک لمحے تک وہ اسے دیکھتی رہی پھر گلی میں داخل ہو گئی۔

گھر آکر امداد بیگ صاحب کو ساری صورتحال بتائی ایک لفظ بھی نہیں چھپایا تھا۔ امداد بیگ صاحب پریشان سے ہو گئے۔

"یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ اب کیا کرو گی"

"میں خود پریشان ہوں ڈیڈی۔ ایک تو گاڑی اچھی خاصی خراب ہو گئی اور پھر اب کالج کیسے جایا کروں گی۔"

"بہت زیادہ شوق ہے آپ کو ڈرائیونگ کا میڈم۔ یہ تو ایک کھٹارا سی فوکس ویگن تھی آپ کسی اور عمدہ سی گاڑی دیکھئے زیادہ اسٹینڈرڈ کے لوگ آپ کا تعاقب کریں گے۔"

"مگر ڈیڈی۔ آپ دیکھئے نا گزارہ تو کرنا ہی ہوتا ہے۔ آخر دوسری لڑکیاں بھی گاڑی چلاتی ہیں۔"

"پتہ نہیں کس کس کو کیسی کیسی مصیبت سے گزرنا پڑتا ہو۔ میں کہتا ہوں اگر میں تمہیں کالج چھوڑ آیا کروں اور کروں تو اس میں کیا مصیبت آجائے گی۔"

"سوری ڈیڈی۔ آئندہ ایسا ہی کروں گی۔ اسی وقت اختر دلیپ کمار اندر تشریف لے آئے اور کہنے لگے۔"

"کوئی الجھا ہوا مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔"

"تم کہاں سے آگئے۔"

"میری وفاداریاں مجھے کھینچ لائی ہیں۔ کسی قسم کی کوئی الجھن ہو تو مجھ سے مدد لی جائے۔ آپ لوگوں کو یہ سن کر خوشی میں ڈرائیونگ بھی بہت عمدہ کر لیتا ہوں۔"

"کیا" امداد بیگ صاحب چونک پڑے۔

"جی ہاں۔ فدوی اس سلسلے میں بھی خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔"

"لائسنس ہے تمہارے پاس۔"

"جی۔ تقریباً" دس سال پرانا۔"

"اچھا تو پھر چلو میرے ساتھ۔ گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ مکینک کو لے کر چلتا ہوں۔"

اختر دلیپ کمار امداد بیگ کے ساتھ باہر نکل گیا اور غوثیہ بیگم فوزی سے تفصیلات پوچھنے لگیں۔ فوزی ہنس ہنس ساری کہانی سنا رہی تھی۔

"بعد میں شعور کہہ رہے تھے کہ اچھا ہوا وہ لوگ لڑے بھڑے بغیر نکل گئے ورنہ وہ لڑنا بھڑنا نہیں جانتے آپ کو یاد نے ان کے بارے میں ہمیں بتایا تھا۔"

"ارے ہاں لو۔ مجھے تو یاد ہی نہیں آیا۔ بیچاری جمن بی کو ہم نے بے عزتی کر کے نکال دیا تھا۔ مگر بات تو وہی ہو گئی نا فوزیہ ہے اپنے معیار کے لوگوں ہی سے ملنا مناسب ہوتا ہے۔"

"ممی! میں نے کل انہیں چائے پر بلا لیا ہے۔"

"کیوں۔" غوثیہ بیگم نے کہا۔

"بھئی دیکھئے نا احسان تو اتارنا ہی ہوتا ہے۔"

"کہیں یوں نہ ہو کہ گلے ہی پڑ جائے۔" غوثیہ بیگم نے کہا۔

"نہیں اب ایسا بھی کیا۔"

"چلو ٹھیک ہے احسان اتار رہی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کل انتظام کر لینا۔"

لیکن فوزی رات کو بہت دیر تک شعور کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ اس نے اپنے دل سے سوال کیا تھا کہ یہ صرف کیا ں اتارنے کا معاملہ ہے یا بات کچھ اس سے آگے بڑھ گئی ہے۔ کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی وہ لیکن اس نے کئی بار خواب میں و دیکھا تھا۔ روشن چہرہ دراز قد خوبصورت بال ہونٹوں پر قدرتی سرخی۔ "آدمی خوبصورت ہے۔"

✓

شہباز نے عجیب سی نظروں سے کبوتروں کو دیکھا۔ سیٹی بجانے کے لئے ہونٹ سکوڑے لیکن ہونٹوں کا زاویہ اسی طرح رہ وہی لڑکی چھت پر آرہی تھی۔ کئی دن سے شہباز نے سیٹیاں نہیں بجائی تھیں۔ کبوتر نہیں اڑائے تھے۔ بس دانہ ڈالتا تھا دلی سے انہیں دیکھتا رہتا تھا۔ عجیب سا احساس ہونے لگا تھا اسے۔ جانتا تھا کہ یہ شغل اچھا نہیں ہے۔ کوئی سلیقے کی بات ہے۔ کبوتر اڑانا یہ تو ایک ضد تھی۔ ایک جنون تھا جو جمیل احمد صاحب کی وجہ سے اس کے دل میں بیدار ہوا تھا اور کچھ تو ں پایا تھا۔ بس کبوتر پال لئے تھے تاکہ جمیل احمد صاحب کو تکلیف ہو۔ انہیں احساس ہو کہ وہ کیا کر بیٹھے ہیں اور گھر کس لڑ رہا ہے کچھ ایسا جنون طاری ہوا تھا اس پر کہ اس نے ہر بات کو نظر انداز کر دیا تھا لیکن نجانے کتنے دن ہو گئے تھے کبوتروں میں بیٹھے ہوئے۔ ان کا خیال ضرور رکھتا تھا کیونکہ ان بے زبان پرندوں کی زندگی اس کی توجہ سے منسلک تھی۔

لیکن اب اسے خود ہی شرم آنے لگی تھی سیٹیاں بجاتے ہوئے۔ ویسے اس نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ جب وہ گلی میں نکلتا وگ حیرانی سے اسے دیکھتے ہیں۔ غالباً" سیٹیوں کی آواز نہ سن کر وہ اس کے سلسلے میں پریشان ہو گئے ہیں۔ البتہ چھت پر وہ آتا تھا اور اس نے دیکھا تھا کہ وہ لڑکی بھی دن میں ایک مخصوص وقت پر چھت پر ضرور پہنچتی ہے۔ اسے سلام کرتی ہے اور اتر جاتی ہے۔ بعض اوقات دیر تک گردن جھکائے کھڑی رہتی ہے اور آہستہ آہستہ چور نگاہوں سے اسے دیکھتی ہے۔

شہباز کے دل میں بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ اس وقت بھی وہ چھت پر آئی۔ شہباز کو محسوس ہوا کہ اس کے ہونٹوں ائی کی مسکراہٹ پھیل گئی ہے۔ لیکن شہباز ساکت اسے دیکھتا رہا۔ لڑکی نے سلام کے لئے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور پھر الگنی پر ہوئے کپڑے سمیٹنے لگی۔ جو پچھلے دن لٹکائے گئے تھے اور دھوپ سے خشک ہو گئے تھے۔ اس نے کئی بار اس کام کے دوران کی جانب دیکھا۔ شہباز پتھرایا ہوا سا کھڑا رہا۔ کپڑے سمیٹنے کے بعد لڑکی نے ایک نظر پھر اس پر ڈالی اور اس کے بعد خاموشی پس مڑ کر غالباً" اپنے گھر کے صحن میں اتر گئی۔

شہباز نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور رخ تبدیل کر کے کھڑا ہو گیا۔ بڑے عجیب سے احساسات پیدا ہو رہے تھے اس کے دل ڈھال سا ہو رہا تھا وہ۔

س کیفیت کو کافی دن گزر گئے تھے۔ آج چھٹی کا دن تھا فرزانہ بھی گھر پر ہی تھی۔ فرزانہ میں بھی کچھ تبدیلیاں پیدا ہونے لگی ۔ کچھ خوش خوش سی نظر آنے لگی تھی وہ۔ پچھلے طویل عرصے سے جو مردنی اس کے چہرے پر چھائی رہتی تھی اب آہستہ دور ہو رہی تھی۔ گھر کے معمولات میں واقعی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ کافی دن سے جمیل احمد صاحب جو ساڑھے دس بجے گھر سے نکل جاتے تھے۔ پتہ نہیں کہاں جا کر بیٹھتے تھے وہ۔ ویسے انہوں نے اپنے بہت سے ٹھکانے بنا رکھے تھے۔ انہی ے کسی پر چلے جاتے ہوں گے۔ لیکن پہلے دوپہر کو کھانا کھانے بھی آجایا کرتے تھے۔ اب دوپہر کا کھانا بھی گول کر دیا تھا۔ کئی ہ بیگم نے اس بارے میں پوچھا تھا کہ دوپہر کو کھانا وہ کہاں کھانے لگے ہیں۔ تو جمیل احمد صاحب ٹال دیا کرتے تھے اور کہتے

تھے کہ کہیں نہ کہیں مل ہی جاتا ہے۔
آج وہ بھی گھر پر ہی تھے اور نجانے کیا کر رہے تھے۔ اس دوران چونکہ شہباز سے ان کا براہ راست کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے کوئی ایسی ویسی بات بھی نہیں ہوئی تھی۔
شہباز کافی دیر تک چھت پر پتھرایا ہوا سا کھڑا رہا۔ اور اس کے بعد نیچے جانے کے لئے منڈیر کے اس حصے کی جانب پہنچ گیا جہاں سے لٹک کر کھڑکی پر اور پھر کھڑکی سے نیچے پہنچ جاتا تھا۔ اس نے نیچے قدم رکھے ہی تھے کہ برابر کے کمرے کی کھڑکی سے جو فریدہ بیگم کے کمرے کی کھڑکی تھی اسے جمیل احمد صاحب کی آواز سنائی دی۔
"یہ کچھ پیسے رکھ لو فریدہ۔"
"پیسے۔"
"ہاں۔"
"کتنے ہیں۔"
"غالباً" تین سو اٹھاسی روپے ہیں۔"
"اتنے پیسے کہاں سے آئے ہیں آپ کے پاس؟"
"رکھ لو بھئی کیوں پوچھ گچھ کرتی ہو؟" جمیل احمد صاحب کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔
"بتانا چاہیں تو بتا دیجئے۔ ضد تو کر نہیں سکتی۔"
"بھئی نوکری کرلی ہے میں نے۔"
"کیا؟" فریدہ بیگم کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔
"ہاں۔ کب تک بیکار پھرتا۔ لیکن بھئی نوکری بڑا مشکل مرحلہ ہوگیا ہے اب تو۔"
"کک۔ کک کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ کہاں نوکری کرلی ہے۔ کتنے دن ہوگئے اور یہ پیسے۔ مم۔ میرا مطلب ہے یہا یہ مہینے بھر کی تنخواہ ہے۔"
جمیل احمد صاحب آہستہ سے ہنسے بہت دن کے بعد ہنسے تھے کہنے لگے۔
"اب اتنا بھی ناکارہ نہ سمجھو ہمیں۔ تین سو اٹھاسی روپے مہینہ کی نوکری بھلا کوئی عقل کی بات ہے۔"
"نن۔ نہیں، ایسے ہی پوچھ لیا تھا میں نے۔ کہاں کرنے لگے ہیں نوکری اور یہ بات مجھ سے کہی بھی نہیں۔ دوپہر کا کھانا مستقل گول کردیا ہے۔ کھانا لے ہی جاتے اپنے ساتھ۔ بھوکے رہتے ہوں گے دوپہر کو۔"
"ساری باتیں بالکل بیکار ہیں۔ بھوکا نہیں رہتا بلکہ کھانا دوپہر کو بندرگاہ پر ہی مل جاتا ہے۔"
"بندرگاہ پر؟"
"ہاں بھئی۔ میں نے بندرگاہ پر ملازمت کرلی ہے۔ ٹیلی کلرک کہلاتا ہوں۔ یہ کام ہوتا۔ جہازوں پر سے جب مال اترتا ہے نا تو ایک فہرست کے مطابق اسے چیک کرنا ہوتا ہے۔ یہ مال مختلف کمپنیوں کا ہوتا ہے۔ بعض کمپنیاں اپنا یہ مال ٹھیکے پر دیتی ہیں۔ ٹھیکیدار اپنے ساتھ آدمی رکھتے ہیں لیکن روزانہ اجرت پر اور ہفتے کے ہفتے حساب کردیا کرتے ہیں۔ کام ایسا مشکل نہیں ہے۔ یہ مت سوچنا کہ بوجھ اٹھانے کا کام کرتا ہوں۔ بس فہرست کے مطابق کرین سے اترنے والا سامان چیک کرنا ہوتا ہے اور چیک کرکے ٹھیکیدار کے حوالے کردینا پڑتا ہے۔ روزانہ اجرت کے حساب سے ایک ہفتے کی اجرت ملی ہے۔ اب ہر ہفتے آپ کو یہ رقم دی جایا کرے گی۔ میں نے کچھ پیسے اپنے پاس رکھ لئے ہیں۔ حساب لگا کر میرا مطلب ہے کرائے وغیرہ کا حساب لگا کر سمجھ رہی ہیں نا۔ محترمہ فریدہ؟"
جمیل احمد صاحب مسکرائے بھی تھے۔ فریدہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور پھر یہ آنسو رخساروں پر بہہ کر نیچے ٹپکنے لگے۔

شہباز کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ ایک عجیب سی تھرتھری اس کے بدن پر طاری ہوگئی تھی۔ جمیل احمد صاحب کی آواز سنائی دی۔

"ارے ارے یہ یہ نہیں فریدہ بیگم۔ دیکھو۔ پلیز رو نہیں۔ کوئی بری ملازمت نہیں ہے۔ بس ذرا تنخواہ کم ہے مستقل جاؤں گا تو باقاعدہ ماہانہ تنخواہ ملے گی۔ دیکھو فریدہ بیگم مجھے حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے رو کر بددل مت کرو۔ سمجھ رہی ہو نا۔ میں اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن کہہ نہیں سکتا۔ ذہن ساتھ نہیں دے رہا میرا۔ بہت سی باتیں میرے دل میں ہیں۔ کروں گا مناسب وقت آنے پر کروں گا۔"

جمیل احمد صاحب شاید دروازے کی سمت بڑھے تھے۔ شہباز فوراً وہاں سے اٹھ گیا۔ باہر کا دروازہ کھلا فرزانہ جو باہر گئی ہوئی تھی اندر آ گئی۔ عجیب سے تاثرات تھے اس کے چہرے پر۔ شہباز کو دیکھا جمیل احمد کو دیکھا۔ ٹھٹک کر رکی۔ پیچھے سے فریدہ بیگم نکل آئی تھیں۔ اسے دیکھتی ہوئی بولیں۔

"کیوں کیا ہوا؟ آئی نہیں ایک سو گیارہ نمبر والی۔"

"نہیں امی۔ ان کے گھر حادثہ ہو گیا ہے۔ وہ جو لڑکیاں تھیں نا ان کے والد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ بیچارے کے خاصی چوٹیں آئی ہیں۔ آج تیسرا دن ہے۔ کسی نے تذکرہ بھی نہیں کیا۔ کوئی معلومات ہی نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے فاطمہ بیگم یا دادی اماں نہیں آ سکیں۔ معذرت کر لی مجھ سے۔"

"او ہو اچھا۔ دیکھنے جانا چاہئے۔" فریدہ بیگم نے فرزانہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ شہباز ایک سو گیارہ کا نام سن کر ہی سنک گیا تھا۔ فرزانہ کہنے لگی۔

"جانا تو چاہئے مگر میں ہوں آئی ہو ابھی۔ ایسا کریں کل آپ ہو آئیں کسی بھی وقت جب بھی موقع ملے۔ پڑوس کا معاملہ ہے اچھے لوگ ہیں امی اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ دونوں بچیاں ایک کا نام پروین ہے دوسری کا ثریا۔ نسیم بیگم ہیں جو لڑکیوں کی والدہ ہیں۔ حکمت علی صاحب ان کے والد ہیں اور فاطمہ بیگم دادی اماں ہیں۔ امی بڑا دلچسپ گھرانہ ہے۔ جو کچھ وہاں دیکھیں آپ کو لطف آ جائے گا۔ مگر لوگ اچھے ہیں برے نہیں ہیں۔ سب اداس ہیں کیونکہ حکمت علی صاحب بیچارے بستر سے لگے ہوئے ہیں۔"

"ارے دوا دارو ہو رہی ہے کیا؟" فریدہ بیگم نے پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں کیوں نہیں۔"

"ٹھیک ہے میں کل دیکھ آؤں گی اور فرزانہ تم ذرا میرے ساتھ آؤ۔ شہباز تم کہاں جا رہے ہو؟"

شہباز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ فرزانہ نے آہستہ سے گردن جھٹکی اور فریدہ بیگم اسے لے کر اندر داخل ہو گئیں۔ جمیل احمد صاحب بھی باہر نکل گئے تھے۔

جمی نے واقعی حد ہی کر دی تھی۔ خیر اس کے دل میں جو کچھ تھا وہ تو ان لوگوں کو معلوم نہیں تھا لیکن سب ہی اس کے شکر گزار ہوتے چلے گئے تھے۔ ایک بار بھی اسے بلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ دن بھر چکر لگاتا رہتا تھا۔ کبھی کچھ لایا ہے کبھی کچھ۔ الٹی سیدھی چیزیں کتنی ہی بار لایا۔ ہر طرح سے منع کیا لیکن باز نہیں آ رہا تھا۔ حکمت علی صاحب کے لئے پھلوں کے انبار لگا ڈالے تھے اس نے۔ یہی نہیں اصرار کر کے اپنے ہاتھ سے کاٹ کر کھلاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

"اماں چچا میاں! جمی ہے ہمارا نام۔ طے کر لیا ہے کہ جب تک گھوڑے کی طرح نہ دوڑا دیں گے سانس نہیں لیں گے۔ پھل کھانے سے جان بنتی ہے اور بڑی ضرورت ہے آپ کو پھلوں کی۔ اتنا سارا خون نکل گیا ہے۔ آخر کہیں نہ کہیں سے تو بنے گا۔"

دادی اماں کی پسندیدہ چیز گرم گرم شیرے میں ڈوبی ہوئی جلیبیاں تھیں اور جمی ان کے لئے جلیبیاں ضرور لے کر آتا تھا۔ دادی اماں تو صدقے واری ہو گئی تھیں۔ جمی ان کا چہیتا بن گیا تھا۔ لیکن نسیم بیگم خاموش سی تھیں۔ سارے احساسات اپنی جگہ۔ لیکن نوجوان لڑکا تھا دور دور تک سوچتی تھیں۔ گھر میں جوان لڑکیاں تھیں دیکھنے والے دیکھیں گے تو فوراً انگلی اٹھا دیں گے۔ حکمت علی بھی نسیم بیگم کا مطلب سمجھ رہے تھے مگر ہمت ہی نہیں کر پا رہے تھے۔ جمی سے لاکھ حیلے بہانوں سے بہت کچھ کہا لیکن اس کی سمجھ میں آتا تب نا۔ اندر آتا تو دادی اماں دادی کہتا ہوا اندر آتا۔ دیکھ چکا تھا کہ گھر میں دادی اماں کی کیا حیثیت ہے ان

کا ہاتھ سر پر رہے تو کسی مشکل کا تصور بھی نہیں تھا۔ بہرحال یوں جمی نے اس گھر میں ڈیرہ جما لیا تھا۔ شام کو بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا۔

"کیا پک رہا ہے اماں جی؟ باورچی خانے سے خوشبو تو بڑی بڑھیا آ رہی ہے۔"

"دال بگھو رہی ہوں جمی۔"

"ارے بی دال بھی کوئی پکانے کی چیز ہوتی ہے۔ دادی اماں نہاری کھاؤ گی قسم اللہ کی ایسی بڑھیا نہاری ملتی ہے یہاں سے تھوڑے فاصلے پر کہ بس کھاؤ تو کھاتی رہ جاؤ۔"

"نہیں بیٹا جی۔ کیا بیوقوفی کی باتیں ہیں۔ اتنے پیسے خرچ کر رہے ہو ہم پر۔ ہم تمہارا قرض ادا کہاں سے کریں گے؟"

"دیکھو بڑا مان جاؤں گا قسم اللہ کی۔ لے کر آتا ہوں نہاری۔ بس دال پکا لینا اماں جی روٹی دوٹی مت پکائیو۔ ابھی آتا ہے نہارا بیٹا سب کچھ لے کر۔"

دادی اماں ہنسنے لگیں۔ جمی باہر نکل گیا تھا۔ نسیم بیگم سے برداشت نہیں ہو سکا۔ باہر آ گئیں کہنے لگیں۔

"آپ اس کا کوئی حل نہیں تلاش کریں گے؟" مخاطب حکمت علی سے تھیں۔

"کس کا حل؟"

"یہ جو کچھ ہو رہا ہے آپ کے خیال میں ٹھیک ہو رہا ہے؟"

"ٹھیک تو نہیں ہو رہا ہے مگر مجھے بتاؤ نسیم میں کیا کروں؟"

"اے کیا ہو رہا ہے کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے؟" دادی اماں نے کہا۔

"اماں جی! آپ تو پرانے زمانے کی ہیں۔ دنیا دیکھی ہوئی ہے آپ نے جوان لڑکا گھر میں اتنی اتنی چیزیں لے کر داخل ہو تو ‑گ کچھ کہیں گے نہیں۔ اور پھر بارہ گھنٹے میں دس گھنٹے وہ ہمارے گھر میں گھسا رہتا ہے۔ لڑکیاں بالیاں ہیں بدنام کرا کے چھوڑیں ‑ی انہیں۔"

"سن لیا حکمت علی۔ سن لیا۔ بدنام کرا کے چھوڑیں گی انہیں۔ یعنی میں۔ میں بدنام کراؤں گی اپنی پوتیوں کو۔ اور وہ جو دن بھر ‑مت پر دوڑ لگائے رکھتی ہیں اس سے کبھی نہیں روکا نسیم بیگم نے۔ بلکہ سیڑھی منگوا کر دی میری ضد میں۔ اور اب ایک بچہ گھر ‑ں گھس آیا ہے تو اتنے ناز نخرے دکھا رہی ہیں۔ اے بوا کبھی انسانوں میں رہیں کسی سے محبت کی اپنے علاوہ۔ بن ماں باپ کا بچہ ‑ے۔ دادی اماں دادی اماں کرتا ہوا گھس آتا ہے تو کون ایسا کافر ہوگا جو ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دے۔ اے بی بی اسے صرف اپنا ‑ھر سمجھتی ہو تو اس خیال کو دل سے نکال دینا۔ میرے بیٹے کا گھر ہے میں نے اسے بھی بیٹا کہا ہے نبھا کر دکھاؤں گی۔"

اماں بی! میں جانتی ہوں کہ آپ تو لڑنے کے بہانے تلاش کرتی رہتی ہیں۔ اپنی پوتیوں کا کوئی خیال نہیں ہے آپ کو۔"

"اے بوا۔ کون کھائے جا رہا ہے پوتیوں کو۔ نگاہیں نہیں دیکھتیں اس کی۔ آتا ہے مجھ سے باتیں کرتا ہے تم سے باتیں کرتا ہے۔ مخاطب ہوا ایک بار بھی ان سے براہ راست۔"

"آپ کو نظر ہی کب آتا ہے۔ بینائی خراب ہو گئی ہے آپ کی۔ میں نے اس کی نگاہ دیکھی ہے۔ اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا ‑یہ بات میں کہے دے رہی ہوں آپ سے حکمت علی صاحب گھر کا سارا معاملہ سنبھالنا آپ کا کام ہے۔ یہ ضد میں جو کچھ ہو رہا ‑چھا نہیں ہے۔"

"اے کیا ہو رہا ہے۔ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ۔ کھانے کو سب بیٹھ جاتے ہیں سب کے سب ٹھونسنے میں لگ جاتے ہیں۔ بچہ اتنا ‑یہ خرچ کر رہا ہے اور تم ہو کہ اس کی جان کے پیچھے پڑ گئی ہو۔ میں جانتی ہوں نسیم بیگم۔ کیوں؟ اس لئے کہ تمہیں جو تھا اس تمہیں ‑ی۔ تمہیں کچھ کھلایا پلایا نہیں جاتا۔ حالانکہ سب کچھ ٹھونستی ہو۔ کون منع کرتا ہے تمہیں بوا۔ اے حکمت علی دیکھ رہے ہو۔ ‑ہے اس گھر کا حال۔ بس اگر نسیم بیگم سے دل لگا لیتا وہ تو سمجھ لو بیڑا پار ہو گیا تھا اس کا۔ وہ جن بوا آتی تو ہیں خوب کھاتی ہیں ‑رب پیتی ہیں۔ نسیم بیگم سے کونے کھدروں میں بیٹھ کر کھسر پھسر کرتی ہیں دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے ایک مل گئی ہیں۔ نسیم بیگم ‑نے انہیں کبھی برا بھلا نہیں کہا۔"

"فرق ہے اماں ان میں اور اس لڑکے میں اور یہ آپ دل لگانے کی بات کیوں کہہ رہی ہیں۔ آپ کے حواس اپنی جگہ قائم

ہیں۔یا بالکل ہی خراب ہو گئے ہیں۔"

"اے حواس خراب ہوں تمہارے۔ تمہارے ہوتوں سوتوں کے۔مجھ سے زبان لڑا رہی ہو نسیم بیگم اچھا نہیں ہو گا۔"

"میں کہتی ہوں اسے منع کر دیجئے یہاں آنے سے۔" نسیم بیگم غرائیں۔

"کون مائی کا لال منع کرے گا۔ میرے جیتے جی۔ سمجھ رہی ہو نا؟"خبردار جو اس کی طرف کسی نے ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھا۔"

"حکمت علی صاحب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے ساری باتیں برداشت کرلوں گی یہ نہیں کروں گی۔"

"آپ لوگ بات تو سنیں میری۔ لڑنے کا تو موقع چاہئے آپ دونوں کو۔ میری یہ حالت ہے اور آپ لوگوں کو اپنے لڑائی جھگڑے سوجھ رہے ہیں اماں بی، نسیم بیگم ٹھیک کہتی ہیں اس مسئلے میں۔ سمجھ رہی ہیں آپ۔ اچھی بات نہیں کسی کا اس طرح بلا روک ٹوک گھر میں آنا جانا۔ اتنا خرچ کر رہا ہے وہ ہم پر۔ چھوٹی جگہ ہے معمولی سے لوگ ہیں ہم۔ ہر ایک سے کہتا پھرے گا۔ لوگ سوال کریں گے کہ میاں آخر یہ کس حساب میں ہو رہا تھا کوئی جواب دے سکیں گی آپ؟"

"اے تو میں کب کہتی ہوں نکال دو گھر سے پکڑ کے کمبخت مارے کو۔ میری اپنی اوقات کیا کہ میں تمہارے معاملے میں بولوں حکمت علی۔"

"اچھا بس چپ ہو جائے آتا ہو گا وہ۔"

"آتا ہو گا وہ۔ آنے دو اسے کہوں گی کہ بیٹا کیوں لٹا رہا ہے ان ناشکروں پر۔ کبھی تسلیم نہیں کریں گے تیری محبت کو۔ لو بیچارے بچے پر الزام لگا دیا۔ میں کہتی ہوں تم لوگوں کو خدا کا خوف ہے یا نہیں۔"

حکمت علی نے آنکھیں بند کرلیں۔ نسیم بیگم نے آہستہ سے کہا۔

"آپ خود دیکھ لیجئے۔ خود سوچ لیجئے۔ اگر اس گھر میں میری بچیوں کا تحفظ بھی ختم ہو گیا تو میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر۔ کہیں نہ کہیں نکل جاؤں گی۔ بچیوں کو لے کر۔ ماں بیٹوں نے مل کر گھر کو جہنم بنا رکھا ہے۔"

"نسیم بیگم کہہ تو رہا ہوں کچھ کرلوں گا مجھے تو کھڑا ہو لینے دو اپنے پیروں پر۔"

اتنی دیر میں جمی واپس آگیا۔ کرتے پر نہاری ٹپک گئی تھی۔ بڑے سے برتن میں نہاری اٹھائے ہوئے تھا۔ اوپر روٹیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ گرم گرم پھولی پھولی روٹیاں۔ فاطمہ بیگم کی تو رال ٹپک گئی۔ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر بہو اور بیٹے کی طرف دیکھا اور جلدی سے اپنی جگہ بیٹھ گئیں۔ جمی اندر آیا۔

"ارے پکڑو۔ ارے یہ لڑکیاں کہاں گئیں۔ ارے میرا ہاتھ جل رہا ہے۔ برتن گرم ہو رہا ہے کپڑا لیتی آئیو۔ ساری نہاری کرتے پر ٹپک گئی دادی اماں ذرا کھول کر دیکھو۔ چار بھیجے ڈلوائے ہیں۔ نلیاں الگ دیکچی بھر ڈالی ہے نہاری کی۔ قسم اللہ کی ناک تک بھرتی رہو ہاتھ رکنے کا نام نہیں لے گا۔ اماں چچا میاں اٹھ جاؤ۔ آپ بھی کھاؤ۔ نہاری نقصان کی چیز نہیں ہوتی۔ بکری کا بھیجا چودہ روپے کا دیتے ہیں۔ میں نے چار ڈلوا لئے۔ نلیوں کی قیمت الگ اور نہاری بس ذرا کھا کر دیکھو۔ ارے کوئی لے ہی نہیں رہا۔ میں کہتا ہوں پلیٹیں نکال کر لاؤ۔ نہاری کا مزا تو گرم گرم کھانے میں ہے۔" جمی چیختے جا رہا تھا۔ حکمت علی نے آواز دی۔

پروین۔ ثریا جلدی آؤ بھئی کہاں گھسی ہوئی ہو؟"

دونوں دوڑی چلی آئی تھیں۔

"ارے بی پکڑو میرا ہاتھ تو دیکھو سرخ ہو رہا ہے۔ پکڑو پکڑو۔ کپڑا رکھ لینا نیچے۔ دوپٹہ لگا لو۔ ذرا چولہے پر رکھ دو۔ تاکہ گرم گرم ہی رہے۔ اتنی دیر میں دسترخوان بچھ جائے گا۔ چچا میاں آپ کے لئے تو چارپائی پر ہی منگوا لی جائے تو اچھا ہے۔ ہم بھی ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے۔ ذرا کھا کر بتاؤ کیسی ہے؟"

"میں تو بہت کچھ کھا چکا ہوں۔ تم نے خود ہی اتنے سارے پھل کھلا دیئے تھے جمی اب نہاری بھی کھلاؤ گے۔"

"اماں چچا میاں کیسی باتیں کرتے ہو۔ نہاری نہ کھائی تو قسم اللہ کی جنت میں کیسے جاؤ گے اور پھر ایسی نہاری چار بھیجے ہیں پورے بکری کے۔ چودہ روپے کا ایک کیا سمجھے۔"

"ارے بیٹا بکری کے ہیں؟" دادی اماں جو کتنے ہی گھونٹ پانی کے منہ ہی منہ میں پی چکی تھیں۔ بولے بغیر نہ رہ سکیں۔

"لو دادی اماں تو کیا بھینسے کے ہوتے۔ بکری کے ہی بھیجے پڑتے ہیں۔"

"چودہ روپے کا ایک۔" دادی اماں نے کہا۔

"اور کیا مہنگائی کا کوئی ٹھکانہ ہے دادی اماں۔"

"بیٹا پہلے چودہ روپے میں بکری آجاتی تھی۔" دادی اماں نے کہا اور جمی منہ پھاڑ کر ہنس پڑا۔

"اب تو چودہ روپے میں بکری کے سینگ بھی نہیں دیتے دادی اماں کھوپڑی میں ذرا سا بھیجہ ہوتا ہے وہ ہے چودہ روپے کا۔"

نسیم بیگم کمرے میں چلی گئی تھیں۔ پروین اور ثریا باورچی خانے میں قہقہے لگا رہی تھیں۔ پروین جمی کی نقل کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"چودہ روپے کا ایک چھپن روپے کے چار۔ نلیوں کے پیسے الگ۔ نہاری کے پیسے الگ۔ اور روٹی کے الگ۔ میں کہتی ہوں ثریا یہ شخص کیا کماتا ہے کتنے پیسے خرچ کر چکا ہو گا اب تک؟"

"افوہ۔ وہ باہر شور مچا رہا ہے چلو پلیٹیں ٹرے میں رکھو۔"

"ہم تو نہیں کھائیں گے اس کے ساتھ۔" پروین نے کہا۔

"ہم کیسے کھائیں گے؟"

"بس بس زیادہ سے زیادہ دادی اماں کھالیں۔ ابا میاں کھالیں۔ ہم نہیں کھائیں گے زیادہ دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔

"ہاں بالکل نہیں۔" ثریا نے پروین کی تائید کردی۔ جمی لاکھ چیختا رہا مگر نہ تو نسیم بیگم نے اس وقت نہاری کھائی تھی نہ ثریا اور پروین نے بحالت مجبوری حکمت علی کو کہنا پڑا تھا۔

"میاں جمی نہاری ٹھنڈی ہو گئی تو مزا خراب ہو جائے گا۔ آیئے اماں جی آپ بھی آجایئے۔"

ساری لڑائی سارا جھگڑا اپنی جگہ۔ لیکن فاطمہ بیگم بھی اس شاندار نہاری کو چھوڑ سکتی تھیں چنانچہ دونوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ جمی بڑی بڑی ہانک رہا تھا۔

"سچی بات یہ ہے دادی اماں کہ کھایا پیا ہی کام آتا ہے۔ اب مجھے دیکھو لوگ جمی صاحب کہتے ہیں ارے کیا نہیں کیا میں نے بڑی جان بنائی ہے۔ ورزش کرتا تھا ایک زمانے میں بس لوگ دیکھتے تھے اور دانتوں میں انگلیاں دبا دبا کر رہ جاتے تھے۔ وہ تو دادی اماں آپ میری بزرگ ہیں بس کیا بتاؤں یہ ہاتھ دیکھ رہی ہیں آپ۔ ارے دیوار میں گھونسہ ماردوں تو دیوار ہل جاتی ہے اپنی جگہ سے۔ بہت سے جھگڑے ہو چکے ہیں میرے۔ چار چار چھ آدمیوں کو ہاتھ گھما کر پھینک دیتا ہوں اور کس لئے اس لئے کہ یہ سب کھاتا ہوں میں۔ کیا سمجھیں آپ۔ ابھی دکھاؤں گا آپ کو اپنی جان۔"

پروین اور ثریا نے منہ پر کپڑا رکھ لیا تھا۔ جمی جب تک نہاری کھاتا رہا۔ طرح طرح کی چھوڑتا رہا۔ بیچارے حکمت علی بھی اخلاقاً اس کی باتوں میں حصہ لے لیتے تھے اور اس کی کہی ہوئی باتوں میں سے ایک آدھ پر سوال کرلیا کرتے تھے۔

کھانا ختم ہو گیا۔ لڑکیاں برتن اٹھا لے گئیں۔ جمی کہنے لگا۔

"چچا میاں! بس کھڑے ہو جاؤ پیروں پر۔ جمی آپ کے شانے کا سہارا ہے آپ کا جو بیٹا جیل میں ہے نا بس یوں سمجھ لو یوں چٹکی بجاؤں گا۔ دو دفعہ اور وہ جیل سے باہر آجائے گا۔ بڑے تعلقات ہیں میرے۔ آج کل کا زمانہ تو تم سمجھتے ہی ہو چچا میاں۔ یہ

بڑے بڑے دولت مند لوگ جو ہوتے ہیں نا سیٹھ وغیرہ یہ ایک نہ ایک طاقتور آدمی کو ساتھ رکھتے ہیں تاکہ وقت پر کام آجائے۔ بڑے کام کئے ہیں میں نے ان کے لئے۔ بس جس دن کہو میں آپ کے لونڈے کو نکال لاؤں گا جیل سے۔ ویسے ہوئی کتنے سال کی ہے۔؟"

"اے بیٹا جو اللہ کی مرضی ہوتی ہے وہی ہوتا ہے۔ لیکن نہاری واقعی شاندار تھی۔"

"دادی اماں پھر سے جوان بنا دے گی۔ بس اپنے جمی کے سر پر ہاتھ رکھ دو۔ دیکھو یہ ہوتی ہے مردانگی۔" جمی نے کہا اور جذبات میں آکر قریب کی دیوار پر ایک زوردار گھونسہ رسید کردیا۔ پتہ نہیں کیا سوجھ گئی تھی۔ آنکھوں میں تاریکی آگئی۔ سوچا یہ ہوگا کہ آہستہ سے گھونسہ مارے گا۔ لیکن داہنے ہاتھ کی تمام ہڈیاں دیوار پر لگی تھیں اور جان نکل کر رہ گئی تھی۔ کمر لچکا کر رہ گیا۔ چہرے پر تکلیف کے آثار منجمد ہوگئے تھے۔ مسکرایا اور بولا۔

"دادی اماں! یہ اینٹیں بجری کی بنی ہوئی ہیں نا۔ اگر وہ والی اینٹیں ہوتیں جو پکی ہوتی ہیں میرا مطلب ہے بھٹی میں پکائی جاتی ہیں تو تم دیکھتیں دو چار اینٹیں باہر نکل گئی ہوتیں۔ اچھا تو اب میں ذرا تھوڑی دیر کے لئے چلتا ہوں۔ اجازت دو۔"

جمی تو شاید کئی گھنٹے نہ جاتا مگر ہاتھ کا جو حشر ہو رہا تھا اس نے اسے وہاں سے اٹھنے پر مجبور کردیا تھا۔ چہرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ کہیں ہڈیاں ہی نہ ٹوٹ گئی ہوں۔ اجازت لے کر باہر نکل آیا دروازے سے نکلتے ہی دوسرا ہاتھ پہلے ہاتھ سے پکڑ لیا تھا۔

❀ "شعور بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ کسی پل چین ہی نہیں آرہا تھا۔ زندگی میں دل پر پہلا نقش ثبت ہوا تھا اور اسے ایک بات یاد آرہی تھی۔ ٹیکسی میں آگے بیٹھنے لگا تو پیچھے بیٹھنے کے لئے کہا۔ صاف ستھری گفتگو تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آج تک شعور نے محلے کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ سادہ سادہ سے انداز میں گھر سے نکلتے تھے دونوں اور گلی سے باہر چلے جاتے تھے۔ پھر اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر واپس آجاتے تھے۔ ویسے بھی ان کے مشاغل بہت زیادہ نہیں تھے۔ نہ ہی طاہر نے ہاتھ پاؤں نکالے تھے۔ شعور تو خیر تھا ہی دوسری فطرت کا مالک۔

لوگوں نے ان سے کہا بھی تھا کہ اپنے گھر پر مدعو کریں لیکن دونوں ہی ہنس کر ٹال دیا کرتے تھے۔ یہ جانتے تھے کہ اگر کبھی کسی کو بلا لیا جائے تو شمع پروانہ نثار ہو جائیں گے۔ جو کچھ بن پڑے گا کر ڈالیں گے۔ لیکن مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ پھر لوگوں کا آنا جانا شروع ہو جائے گا۔ محتاط انداز میں گھر میں رہنا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ اسی لئے شعور بھی مختلف قسم کی فضولیات سے بچا ہوا تھا لیکن یہ واقعہ ایسا ہو گیا تھا کہ اس کا چین رخصت ہو گیا تھا۔ بڑی باتیں سوچ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس سمت غور کرنے کا موقع ملا تھا۔ شریک حیات بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ ہر پروانے کو شمع کی ضرورت ہوتی ہے۔ شمع پروانہ صاحب نے محبت کے ساتھ زندگی گزار دی تھی اور آج بھی ایک دوسرے کو اتنا ہی چاہتے تھے۔ یہ چاہتیں رفتہ رفتہ ہی تو پیدا ہوتی ہیں۔ بیوی سے عشق تو دنیا کا سب سے مقدس عشق ہوتا ہے۔ وہ جو سڑکوں اور گلیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں اچھے لوگ نہیں مانے جاتے۔ لیکن زندگی کا کوئی ساتھی اگر اپنی پسند کے مطابق ہو تو۔

شعور جب اس طرف ذہن دوڑاتا تو اسے فوزی ہی کی شکل نظر آتی۔ ایک ایک بات پر غور کر رہا تھا وہ۔ لیکن اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ طاہر بڑی دیر سے اپنے پلنگ پر لیٹا اس کا جائزہ لے رہا ہے اور جب طاہر سے برداشت نہیں ہو سکا تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ شعور کو اندیشہ نہیں تھا کہ طاہر جاگ رہا ہوگا ایک دم چونک پڑا۔ فوراً ہی احساس ہو گیا تھا کہ طاہر جاگ رہا ہے۔ طاہر اسے عجیب سی نظروں سے گھور رہا تھا۔ شعور کسی قدر بوکھلا گیا۔ طاہر نے آہستہ سے کہا۔

کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں یار۔ کوئی بات بالکل نہیں ہے۔" شعور نے کسی قدر بدحواسی سے کہا۔ طاہر اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"کیا بات ہے؟ جواب چاہئے مجھے۔"

"شش۔ شاید پلنگ میں کھٹمل ہو گئے ہیں۔" شعور نے بازوؤں میں کھجاتے ہوئے جواب دیا۔

شعور نے دیوانہ وار طاہر کو جھنجوڑ ڈالا۔ طاہر کی آنکھوں سے خاموشی سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس وقت اس کی یہ حرکت شرارت بھی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ آخر اسے کیا ہوگیا؟ اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"تو جانتا ہے طاہر میں تیرے آنسوؤں پر اپنا خون نچھاور کر سکتا ہوں۔ دیکھ طاہر میرے دل پر زخم نہ لگا۔ کم از کم یہ تو بتا دے کہ اچانک تجھے کیا ہوگیا۔ ارے بھائی تیری چارپائی میں تو کھٹمل بھی نہیں ہیں۔" طاہر نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہو شعور کہ میں نے اپنے آپ کو' تمہارے وجود میں ضم کردیا ہے۔ کبھی بھی میں نے اپنے آپ کو تم سے الگ رکھ کر نہیں سوچا میں صرف اس بات پر رو پڑا ہوں کہ آخر دنیا میں ایسی وہ کونسی بات ہے جس کے لئے تم پریشان ہو اور میں اس سے بے خبر۔ بس اس بات پہ دل بھر آیا تھا معذرت چاہتا ہوں یار۔ کبھی کبھی انسان نجانے کیسی کیفیات کا شکار ہو جاتا ہے۔ سوری یار سوری۔"

"ابے تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ یعنی یہ کہ میں تجھ سے کوئی بات چھپاؤں گا۔" طاہر نے آنسو بھری آنکھوں سے شعور کو دیکھا اور بولا۔

"نہیں چھپا رہے۔"

"یار وہ دراصل حقیقت یہ ہے بڑی احمقانہ بات ہے تجھ سے کہوں گا تو مذاق اڑا اڑا کر ستیاناس کردے گا۔ بھائی تجھ سے زیادہ میں اس دنیا میں کسی اور سے نہیں ڈرتا۔"

"کیا میں کبھی تمہارے لئے کسی طرح نقصان دہ ثابت ہوا ہوں شعور۔"

"ابے میں کہتا ہوں آخر یہ سنجیدگی تو نے کیسے اختیار کرلی۔ تو اور اتنا سنجیدہ۔ کیسے یقین کروں؟"

"میں تم سے معذرت کرچکا ہوں۔ سو جاؤ تمہاری بھی نیند خراب کی میں نے۔ بس اس وقت احمق ہوگیا ہوں تھوڑا سا۔"

"تو سنجیدگی ختم نہیں کرے گا۔"

"تم نے مجھے وہ بات بتا دی جس کے لئے تم بے چین ہو۔" طاہر نے کہا۔

"یار طاہر' مجھے محبت ہوگئی ہے۔" شور نے آنکھیں نیچی کر کے کہا۔ طاہر کا منہ پھیلا مگر اس نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھالا اور اس طرح بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بکواس کر رہے ہو۔"

"تیری قسم۔ تیرے سر کی قسم۔ یہ سچ ہے۔ یہ حقیقت ہے۔" شعور نے کہا طاہر نے اسی طرح افسردہ لہجے میں کہا۔

"اور تم نے مجھ سے چھپایا۔"

"یار زیادہ دن تھوڑی ہوئے ہیں۔"

"کب کا واقعہ ہے؟"

"آج ہی کا تو ہے۔"

"تازہ تازہ ہوئی ہے؟" طاہر نے کہا۔

"مذاق اڑانا شروع کردیا میرا۔"

"جواب دو مجھے میری بات کا۔"

"ہاں بس یہی سمجھ لے۔"

"واقعہ سنا۔" طاہر بولا اور شعور ہکلاتے ہوئے اسے فوزیہ کے بارے میں بتانے لگا۔ آخری حد تک پہنچا تو طاہر کا حلق پھاڑ قہقہہ فضا میں بلند ہوگیا اور شعور سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ طاہر پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہا تھا اور شعور کا منہ آہستہ آہستہ بنتا جا رہا تھا۔ وہ جھلا کر اٹھا اور اس نے زمین پر پڑی ہوئی چپل اٹھالی۔

"اتنی ماروں گا تیرے سر پر خدا کی قسم کہ درست ہو کر رہ جائے گا۔ ابے تو رو رہا ہے اور اب ہنس رہا ہے۔"

طاہر نے چارپائی سے دوسری جانب چھلانگ لگا دی۔ وہ مسلسل پیٹ پکڑ پکڑ کر لوٹ رہا تھا۔ شعور جھلائے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"بیٹے مجھے مجبور مت کر کہ میں بھی تجھ سے چار سو بیسی کرنا شروع کر دوں۔" کمینے یہ آنکھوں میں مصنوعی آنسو نکال کر تو نے۔ تو نے۔ تو نے۔"

"محبت عشق۔ ارے باپ رے اور وہ بھی بالکل فلمی قسم کا عشق۔ ارے توبہ توبہ۔ ارے توبہ توبہ۔" ہنستے ہنستے بھی آنکھوں میں آنسو ہی بھرے ہوئے تھے۔ شعور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"جانتا ہوں۔ جانتا ہوں طاہر۔ اس کے علاوہ تو کر بھی کیا سکتا ہے۔"

"ابے ابے عشق ہو گیا ہے۔ ہا ہا ہا ہا۔ ہی ہی ہی ہی۔ ہو ہو ہو ہو۔" طاہر اس کی طرح ہنستا ہوا بولا اور شعور چارپائی پر لیٹ گیا۔ اس نے کروٹ بدل لی تھی۔ طاہر آہستہ آہستہ اپنے آپ کو سنبھالنے لگا پھر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"شعور۔"

"طاہر پلیز۔ کمال ہے یار میں سنجیدہ ہوں اور تو اس طرح مجھے ذلیل کر رہا ہے۔"

"ارے میرے پیارے بھائی۔ یہ۔ یہ کون سی فلم دیکھ ڈالی تھی تو نے نامراد۔ جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا۔"

"نہیں طاہر' تیرا خیال غلط ہے۔ میں زندگی میں خوشیوں سے محروم ایک انسان ہوں۔ بہت کم مجھے اپنی زندگی میں ایسے مواقع نصیب ہوئے ہیں جب میں نے اپنے بارے میں اپنی شخصیت کے بارے میں سوچا ہو۔ تیرے ساتھ رہ کر تیری شرارتوں میں بھی شریک ہو گیا ہوں۔ وہی سب کچھ کیا ہے میں نے جس سے تیرے ہونٹوں پر مسکراہٹ قائم رہے لیکن بس ہو گیا یار جو کچھ ہونا تھا۔ اب تو چاہے مذاق اڑا لے یا کچھ بھی کر لے۔"

"نہیں' نہیں' اتنا سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شعور بلکہ میرے لئے تو میری جان اس سے زیادہ خوشی کا کوئی لمحہ اور نہیں ہو سکتا۔ یہ اپنے محلے ہی کے لوگ ہیں نا۔"

"مت بکواس کر۔"

"تجھے میری جان کی قسم۔ اب میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ میرا یار کسی مشکل میں پڑ جائے اور میں صرف ہنس کر ٹال دوں۔ جواب دو۔"

"ہاں بھئی وہ امداد بیگ صاحب ہیں۔ بڑے نفیس لوگ ہیں۔ طاہر۔ یقین کر' واقعی بہت اچھے لوگ ہیں۔ پتہ نہیں اس محلے میں کیوں رہ رہے ہیں۔ حیثیت تو کافی اچھی ہے ان کی۔ کار ہے۔ ٹیلیفون ہے۔ گھر بھی بڑا صاف ستھرا ہے۔ کل چائے پر بلایا گیا ہے۔"

"ایں۔ ایں۔ ایں۔"

"پلیز طاہر سنجیدہ ہو جاؤ۔ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔"

"نابدولت بھی چلیں گے۔ چائے پر۔ اکیلے نہیں جا سکو گے۔"

"تو چلنا نہ یار منع کون کر رہا ہے۔ دیکھو ذرا احتیاط رکھنا۔ عزت دار لوگ ہیں۔ ہم نے اگر کوئی ہلکا پن کیا تو ذلیل ہو جائیں گے خواہ مخواہ بات بالکل احمقانہ ہے میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی تھی طاہر مگر یار پتہ نہیں کیا ہو گیا۔ بس۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ۔ کیسے پتہ چلا کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔"

"بس اب میں سو رہا ہوں۔ تم بکواس نہ کرو۔"

"نہیں۔ نہیں۔ دیکھو یار اب میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ قسم کھا چکا ہوں تمہاری۔"

"بس یار میں نہیں سمجھتا کہ کہ کیسے پتہ چلا ہے مجھے لیکن جو ہونا تھا ہو چکا ہے۔"

"ہوں۔ چلو ٹھیک ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔ وہ بھی متاثر ہوئیں تم سے۔"

"فوزیہ۔ فوزیہ نام ہے اس کا۔ فوزی فوزی کہتے ہیں۔"

"جی۔ جی۔ جی سمجھ گیا اچھی طرح سمجھ گیا۔"

"اب مجھے کیا معلوم کوئی میری اتنی زیادہ گفتگو تھوڑی ہوئی ہے۔ ساری بات تمہیں تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ وہ تو بس ایک حادثہ تھا اور یقین کرو۔"

بس بس' سمجھ رہا ہوں لیکن کچھ اس قسم کی باتیں تو ہوئی ہوں گی جیسے شکریہ۔ آپ نہ ہوتے تو نجانے کیا ہوتا وغیرہ وغیرہ۔"

نہیں کوئی اہم بات نہیں ہوئی۔ وہ بھی خاصی سنجیدہ اور صاف ستھری قسم کی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔"

ساری خوبیاں ہوں گی اب تو ان میں۔ خیر ہماری بھابی۔ میرا مطلب ہے ہونے والی بھابی ہیں۔ خوبیاں نہ ہوں گی تو بھابی ئیں گے۔ آخر طاہر کی بھابی بننے والی ہیں۔"

ب کہانیاں سب قصے۔"

یہ طاہر صاحب جو ہیں نا شعور انہوں نے زندگی بھر ہمیشہ پھکڑپن کیا ہے لیکن یار ہیں بڑے کام کی چیز اس بات کو ذہن میں پھر کل کا کیا خیال ہے۔ دفتروں سے چھٹی کی جائے۔"

دماغ خراب ہوا ہے تمہارا۔"

بھئی چھ بجے وہاں پہنچنا ہوگا۔ آخر تیاریاں بھی کرنی ہوں گی۔"

جانا تو ضرور ہے کیونکہ میں وعدہ کر چکا ہوں لیکن کوئی تیاری ویاری نہیں کرنی۔"

ابے چھوڑ۔ اب معاملہ تیرا نہیں ہے۔ آخر ہم بزرگ کس کام آئیں گے۔ ایسا کریں شمع بیگم اور پروانہ صاحب کو بھی ل۔"

طاہر۔"

یار اس میں بھی کوئی گڑبڑ ہے۔ بھئی ہمارے بزرگ ہیں' ہمارے اپنے ہیں۔ ان سے زیادہ ہمارے لئے اور کون ہو سکتا

ابھی بالکل نہیں۔ ذرا دیکھیں تو ان لوگوں کا رویہ کیا ہوتا ہے۔ یہ تو خواہ مخواہ مجھ پر حماقت طاری ہو گئی ہے۔ یہ تھوڑی کہہ کہ وہاں بھی کچھ ایسا ہی سوچا جا رہا ہو۔"

اچھا اچھا' ویسے ایک بات کہوں۔ مجن بی کا معاملہ ہم نے خراب کر دیا۔ یاد ہے نہ مجن بی کا معاملہ تمہیں۔"

ہاں یار اب یہ احساس ہو رہا ہے کہ جو کچھ میں نے ان سے کہا یا تم نے ان سے کہا پورے محلے میں پھیل چکا ہوگا اگر یہ ں گھر میں بھی پہنچ گئی تو سمجھ لو بیٹے لٹیا ڈوب گئی۔" طاہر پر خیال انداز میں رخسار کھجانے لگا۔ پھر اس نے چٹکی بجاتے ا۔ "بھلا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ طاہر صاحب بہت بڑی چیز ہیں۔ مجن بی کے بارے میں صاف صاف کہہ دیں گے کہ ے دن ایک رشتہ لے کر آیا کرتی تھیں اور ان سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا تھا چنانچہ ہم نے یہ کہانی گھڑ کر انہیں سنا شعور مسکرانے لگا پھر بولا۔

ہاں طریقہ تو یہ اچھا ہے۔ بہرحال کل چلتے ہیں ذرا دیکھیں کس انداز میں پیش آتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ صرف نیاز مندی ہو اور انہوں نے ایک پیالی چائے پلا لینا ضروری سمجھا ہو۔"

ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' ابتدا ایسے ہی ہوتی ہے ان معاملات میں۔ باقی معاملات ہم خود دیکھ لیں گے۔ نجانے کب تک باتیں کرتے رہے تھے۔ طے یہ کیا گیا کہ ابھی شمع بیگم اور پروانہ صاحب کو اس معاملے میں شریک نہ کیا جائے۔ پہلے ایک کا لئے جائیں ان کے گھر تک۔ ذرا تعلقات بڑھائیں جائے' اس کے بعد مسئلے کو ان لوگوں کے علم میں لے کر آئیں

ن نجانے کیسا گزرا تھا۔ طاہر اپنی جگہ پریشان تھا اور شعور الگ عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ بہرحال دونوں گھر واپس پہنچے۔ ری پہنچ گئے تھے۔ تیاریاں ہوئیں۔ پروانہ صاحب اور شمع بیگم نے معلوم بھی کیا کہ اتنی جلدی واپسی کیا معنی رکھتی ہے طے شدہ پروگرام کے مطابق انہوں نے انہیں ٹال دیا۔ شعور نے بہت اچھا لباس پہنا تھا۔ طاہر بھی بن سنور کر تیار ہو گیا ور نے بڑی خوشامدیں کی تھیں کہ وہ سنجیدہ رہے اور اس کے بعد وہ لوگ امداد بیگ کے گھر کی جانب چل پڑے تھے۔

گھر پہنچ گئے۔ بیل بجائی تو دروازہ کھلا۔ سامنے ہی اختر دلیپ نظر آیا تھا۔ سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر شعور کو ر بولا۔

آہا۔ باشعور صاحب۔ بڑی مسرت ہوئی ہے آپ کو دیکھ کر۔ بعض لوگوں کے چہرے ان کے ناموں کی مناسبت سے ڈھل

جاتے ہیں۔ شعور مجسم شعور۔ مکمل شعور۔"

طاہر نے حیرت سے اختر دلیپ کو دیکھا تھا۔ پھر سوالیہ نگاہوں سے شعور کی جانب اور شعور نے شانے ہلا دیئے تھے۔ نے کہا۔

"امداد بیگ صاحب گھر پر تشریف رکھتے ہیں؟"

"جی نہیں۔ امداد بیگ صاحب ان کی اہلیہ اور ان کی صاحبزادی اپنے ماموں کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔ میرا مطل صاحبزادی کے ماموں۔ وہاں کوئی تقریب تھی اور ہاں آپ چونکہ شعور ہیں اس لئے آپ کی چائے تیار ہے۔ کہہ گئی ت صاحبہ کہ شعور صاحب چائے پر آئیں گے ان سے معذرت کرلی جائے اور انہیں چائے وغیرہ پلا کر احترام سے رخ جائے۔"

شعور کی آنکھوں کی قندیلیں بجھ گئی تھیں۔ طاہر کا منہ بگڑ گیا تھا۔ تاہم شعور نے فوراً کہا۔

"شکریہ بھائی۔ آپ کون ہیں۔"

"اختر دلیپ۔" اس شخص نے پوز بناتے ہوئے کہا۔

"یہ دلیپ پر کیا قیامت ٹوٹی تھی؟" طاہر نے پوچھا۔

"ذرا تفصیل طلب معاملہ ہے جناب آپ آیئے چائے پیجئے کچھ اور بھی اہتمام کیا گیا ہے آپ کے لئے ہم بتا دیں گ کہ اختر دلیپ کیسے ہوا۔"

"نہیں شکریہ۔ امداد بیگ صاحب کو سلام کہہ دیں اور ان سے کہہ دیں کہ ہم لوگ آئے تھے۔ ان کے نہ ملنے ک شکریہ۔ آؤ طاہر۔"

"سنئے... بات تو سنئے۔" اختر دلیپ انہیں آوازیں دیتا رہ گیا لیکن طاہر اور شعور واپس لوٹ پڑے تھے۔ طاہر در حقی وقت رنجیدہ ہو گیا تھا۔ امداد بیگ صاحب نے جو رویہ اختیار کیا تھا اس پر اسے افسوس تھا۔ ویسے تو اس کا جواب بھی ا دیا جا سکتا تھا کہ امداد بیگ صاحب زندگی بھر دور رکھیں لیکن شعور کی دلی کیفیت اسے معلوم ہو چکی تھی اس لئے سنجیدگی کی اور دونوں گھر جانے کے بجائے سامنے والے حصے کی جانب چل پڑے۔ گھر جاتے تو شمع پروانہ کے سوالات ان کا ناک کر دیتے۔

سیٹیوں کی آوازیں کافی حد تک کم ہو گئی تھیں پتہ نہیں کسی نے یہ بات محسوس کی تھی یا نہیں لیکن اس میں کوئی ش تھا کہ آج کل شہباز چھت پر زیادہ نظر نہیں آتا تھا۔ نجانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا تھا۔ ابھی تک کسی کو اس بات ک نہیں ہو سکا تھا۔ جمیل احمد، فرزانہ یا فریدہ خاتون نے بھی ابھی اس پر غور نہیں کیا تھا۔

"آج بھی وہ صبح ہی صبح نیچے اتر آیا تھا۔ کبوتر کو دانہ وغیرہ ڈالنا تو بے حد ضروری تھا۔ بے زبان جانور تھے۔ انہیں بھوکا نہ سکتا تھا تھوڑی دیر کھولا بھی تھا چھت پر اور اس کے بعد نیچے اتر آیا تھا۔ پھر خاموشی سے گھر سے باہر نکل گیا۔ اس کے گھر جانے یا واپس آنے پر نہ کبھی پہلے توجہ دی گئی تھی اور نہ ہی اب دی جاتی تھی۔ بس اپنی مرضی کا مالک تھا جیسے چاہتا جمیل احمد صاحب بھی صبح ہی صبح نکل جاتے تھے اور بعض اوقات تو انہیں رات میں واپسی میں بھی کافی دیر ہو جاتی تھی۔

شہباز بس میں بیٹھا اور اس کے بعد سبزی منڈی پر اتر گیا۔ سبزی منڈی پہنچنے کے بعد وہ تقریباً پینتالیس منٹ تک ادھر گھومتا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں اور پھر پورے پون گھنٹے کے بعد اسے غلام قادر نظر آیا۔ محلے کی بہت بڑی شخصیت تھی۔ مالی طور پر بہت مطمئن اور آسودہ حال، جانتے تو سب ہی ایک دوسرے کو تھے۔ یہ دو ہے کہ کچھ کی کچھ سے زیادہ ملاقاتیں تھیں اور باقی بس ایک دوسرے کے شناسا سے تھے۔ شہباز نے غلام قادر کے قریب سلام کیا اور غلام قادر وعلیکم السلام کہہ کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم چونک پڑا۔

"ارے شہباز، تو یہاں کیا کر رہا ہے۔ کچھ خریدنے آیا تھا کیا؟"

"نہیں غلام قادر چچا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔"

"خدمت میں۔ میرا مطلب ہے۔ اچھا آجا آجا میں ابھی ابھی فارغ ہوا ہوں۔ سبزی منڈی کا کام جان جوکھوں کا کام ہے۔ ائی تھوڑی ہوتی ہے یہاں۔ بڑی مشکلوں سے اللہ روزی دیتا ہے۔ آ، چائے پلاؤں تجھے دودھ پتی کی۔ اپنے کبوتروں کی خبر سنا۔ ے کے سارے ٹھیک چل رہے ہیں نا۔"

"جی غلام قادر چچا۔ بس آپ کی دعائیں ہیں۔"

"ابے بھتے اپنی دعائیں اپنے کام نہیں آتیں تو تیرے کبوتروں کے کیا کام آئیں گی۔" غلام قادر اسے لئے ہوئے ہوٹل پر یا اور ایک بینچ پر بیٹھ کر ہانک لگائی۔

"چل بے فقیرے، بنا دو دودھ پتی کی۔ ابے ادھر نکل کیسے آئے شہباز۔ تم تو یار بس چھت پر کبوتروں کے ساتھ ہی دیکھے تے ہو۔"

"کیا بتاؤں غلام قادر چچا، بس عجیب سے احساسات کا شکار تھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے آپ کو تو تمام صورتحال معلوم ہی ہے۔ وں سمجھ لیجئے میرے ذہن پر جھنجلاہٹ سوار ہو گئی تھی اور میں نے کبوتر پال لئے تھے۔"

غلام قادر منہ پھاڑ کر ہنس پڑا۔ "یہ اچھی سمجھائی تو نے۔ یعنی کسی کے دماغ پر جھنجلاہٹ سوار ہو جائے تو وہ کبوتر پال لے۔"

"نہیں غلام قادر چچا۔ مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔"

"تو کیا کبوتر بازی چھوڑ رہے ہو۔" غلام قادر نے پوچھا۔

"جی چچا۔"

"ویسے یار ایمان کی کہیں فیصلہ اچھا کیا ہے تم نے۔" کچھ جچتی نہیں تھی بات۔ شریف آدمی ہو، شریف آدمی کے بیٹے ہو، یل احمد بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ وہ برے آدمی ہیں۔ محلے میں کبھی کسی سے کوئی ان بن نہیں ہوئی۔ سب سے جھک کر الے، تمہارا کبوتر اڑانا کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ چلو خیر وہ جو کہتے ہیں نا کہ صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو بڑا اچھا ہوتا ہے۔ کام دھندہ کرو یار۔ جوانی کی عمر ہے اور یہی عمر ہوتی ہے کہ آدمی کچھ کرلے۔"

"جی غلام قادر چچا۔ اسی لئے حاضر ہوا ہوں۔"

"ہمارے پاس۔"

"جی۔ کئی دن غور کرنے کے بعد میں نے آپ کے پاس آنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"مگر ہمارے پاس کیا ملے گا تمہیں؟"

"غلام قادر چچا یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی کسی کو منزل سمجھ کر آتا ہے۔ تو اسے ٹھکرانا نہیں چاہئے۔"

"بات بڑھیا کہی تم نے۔ وہ جو ہے جو بسوں میں لکھا ہوتا ہے نا پیچھے کہ خدا اس مسافروں کی ہمت بڑھائے جو منزل کو ئے منزل سمجھ کر۔ یہی ہوتا ہے نا۔"

"جی یہی ہوتا ہے غلام قادر چچا۔"

"مگر پیارے ہم تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ اماں ایک بات بتاؤ ڈلیوری آتی ہے میرا مطلب ہے گاڑی چلانا۔"

"جی چچا چلا لیتا ہوں۔"

"لائسنس ہے۔"

"لائسنس تو نہیں ہے۔ کبھی اپنی گاڑی تو ہوئی نہیں کہ اپنا لائسنس وغیرہ لیتا۔"

"لائسنس بننے میں ٹائم لگے گا۔ اماں ہاں تم تو اچھے خاصے پڑھے لکھے ہو۔ ابے آگئی۔ آگئی۔"

"کون غلام قادر چچا۔" شہباز نے پلٹ کر دیکھا اور غلام قادر نے قہقہہ لگایا۔

"کوئی چھوکری نہیں یار۔ ترکیب آگئی دماغ میں۔"

"میرے لئے۔"

"ہاں۔ پڑھے لکھے آدمی ہو۔ کھاتے لکھو گے۔"

"ضرور لکھوں گا۔" شہباز خوش ہو کر بولا۔

"تو پیارے چائے سڑکو جلدی سے' اتفاق کی بات ہے کہ تمہارا کام آج ہی ہو جائے گا۔ وہ اپنا نور الٰہی تھا نا کھاتے لکو ٹھیکیداروں کے۔ میں تمہیں سمجھا دوں۔ ٹھیکیدار تو دوسرے ہوتے ہیں۔ آڑتی ٹرکوں میں مال لے کر آتے ہیں اور مال ا اپنا اپنا مال ٹھیکیدار کو لکھوا دیتے ہیں۔ ٹھیکیدار کا اپنا منشی الگ ہوتا ہے لیکن آڑتی کسی ایسے چلتے پھرتے آدمی سے کام لے ہیں۔ دس بیس روپے دے دیتے ہیں۔ یہ کام بہت بڑھیا ہے شام تک سو پچاس روپے آرام سے کمال لوگے۔ ویسے ڈھائی بجے تک مال آتا ہے اور سارے آڑتی اسی وقت کام کراتے ہیں۔ مال تو خیر اترنا شروع ہو جاتا ہے رات ہی رات میں لیکن گننے کے بعد سب اپنی اپنی پرچی الگ بنواتے ہیں۔ تو پرچی والے کے ہاں بیٹھا دوں تمہیں؟"

"آپ کی بے حد مہربانی ہوگی۔ غلام قادر چچا۔"

"چائے پی۔" غلام قادر چچا نے کہا اور خود بھی اپنی چائے جلدی سے معدے میں اتار لی اور اس کے بعد شہباز کو۔ آگے بڑھ گیا۔ ایک ہوٹل ہی تھا وہ بھی۔ بینچ پڑی ہوئی تھی۔ میز پڑی ہوئی تھی۔ چند لوگ وہاں بیٹھے نجانے کیا کیا باتیں کر تھے۔ غلام قادر چچا نے آواز دی۔

"او بھائی۔ ارے او چمن خان۔ ذرا ادھر آ میرے یار۔ تو نے بڑے اچھے وقت میں مجھ سے کہا کہ فوراً کسی منشی کا بند کروں۔ لے آگیا اپنا منشی۔"

"کون ہے یہ چھوکرا؟" چمن خاں نے پوچھا۔

"بھتیجا ہے اپنا۔ ساری ذمہ داری ہم لیں گے اگر تیرا نقصان ہو جائے تو غلام قادر کی گردن پکڑ لیجیو۔"

"تو پھر دیکھ کیا رہے ہو۔ سارا کام ٹیڑھا پڑا ہوا ہے آجا بیٹا' بیٹھ جا' اس بینچ پر۔ چلو بھئی چلو لائن لگاؤ۔" چمن خان نجانے کیا قصہ تھا۔ فوراً ہی حکم ملا تھا۔ سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن غلام قادر نے درحقیقت بڑا احسان کیا تھا۔ خود بھی بینچ پر بیٹھ گئے اور بولے۔

"دیکھ بیٹا' آرام سے لکھیو۔ اس جگہ نام لکھیو۔ اس جگہ مال لکھیو اور اس جگہ تعداد۔ بس ایک لائن میں یہ چیزیں صحیح صحیح لکھیو اور دستخط کروا لیجیو ان لوگوں سے اور اپنے بھی دستخط کر دیجیو کہ تو نے چیک کر لیا۔ باقی کی پرواہ مت دیکھ لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"لائن لگ گئی۔ کوئی بارہ تیرہ آدمی تھے اور اپنا اپنا مال لکھوا رہے تھے۔ پھر انہیں پرچی کاٹ کر دینی پڑی اور یہ تھوڑی ہی دیر میں مکمل ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر کام شروع ہو گیا اور اب شہباز زیادہ اعتماد سے یہ سب کچھ کرنے کوئی ڈھائی تین بجے تک اس نے تمام لوگوں کا کام نمٹا لیا۔ جو اس سمت کے تھے اور جن کا کام یہاں ہوتا تھا۔ پھر ادائیگی آیا۔ کسی نے دس دیئے کسی نے پانچ۔ پینسٹھ روپے جمع ہو گئے تھے۔ غلام قادر نے کوئی تین ساڑھے تین بجے آ کر کہا۔

"بس بیٹا اٹھ جا' ہو گیا کام تیرا کتنی کمائی ہوئی آج کی۔"

"پینسٹھ روپے۔ غلام قادر چچا۔"

"برے تو نہیں ہیں۔ روز کے روز پیسے ملیں گے اب ادھر آ' سالوں سے مال دلواتا ہوں تجھے' کوئی تھیلا ہے تیرے پا

"نہیں غلام قادر چچا۔"

"ایک ٹوکری خرید لے۔ آٹھ دس روپے کی مل جائے گی جا چٹائی کی ٹوکری لے کر آجا۔"

تھوڑی دیر کے بعد شہباز چٹائی کی ٹوکری لے کر غلام قادر کے پاس پہنچ گیا اور غلام قادر اسے ساتھ لے کر چل پڑ

"چلو بھئی' چلو۔ بھئی نکالو۔"

"کسی نے ٹماٹر' کسی نے مولیاں۔ کسی نے گاجریں اور پھر تھوڑے سے پھل وغیرہ جن لوگوں کے کام کئے تھے ا اپنے اپنے آئٹم میں سے کچھ نہ کچھ دیا اور ٹوکری بھر گئی۔ شہباز کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا یہ تو واقعی دنیا کے بہت سے اچھا دھندہ ہے۔ بڑے بڑے دفاتر میں جا کر سیوں اور میزوں پر بیٹھنے والے کلرک جن کی زندگی ایک مخصوص دا گھومتی ہے۔ فائل' جھڑکیاں' دو اور دو چار۔ چار اور چار آٹھ اس کے بعد ایک مخصوص تنخواہ اور پھر مہینے کا آخری د

سے گزارنا۔ یہی زندگی ہوتی ہے کلرکوں کی۔ اس کے برعکس یہاں صورتحال مختلف تھی۔ یہاں اگر رہ کر کام کو سمجھا جائے اس کو ذرا مختلف انداز میں کیا جائے تو بات کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے۔ شہباز کو یہ سب کچھ بہت بہتر معلوم ہوا تھا۔ اپنے کو کسی خول میں بند کئے رکھنا بیکار ہی ہے۔ بے شک صاف ستھری اور باعزت زندگی بڑی قیمتی شے ہوتی ہے لیکن جب راستے ہو جائیں' وقت اور ماحول چیخ چیخ کر کہے کہ اپنے خول سے باہر آجاؤ تو باہر آجانا ہی بہتر ہوتا ہے۔

جمیل صاحب ٹیلی کلرک کا کام کر رہے تھے۔ جہازوں سے اترنے والا مال تیزی سے گننا اور اس کے بعد اس کی فہرست ۔ یہ بھی روزانہ کی آمدنی کا کام تھا اگر اس طرح سے صورتحال کچھ بہتر ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ واقعی بے شمار مسائل دور ہو ہیں۔ جو کچھ اس کے ذہن میں تھا اسے تو ابھی اس نے بند ہی رکھا تھا۔

کوئی چار بجے وہاں سے واپسی ہوئی۔ ٹوکری میں اچھا خاصہ وزن تھا۔ نجانے اندر سے کیسی کیفیت ہو رہی تھی۔ دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔ کیا سوچیں گے گھر کے لوگ خوشی تو ہوگی انہیں اور فرزانہ۔ کتنے عرصے سے کام کر رہی ہے وہ۔ سے حقوق ہیں اس کے مگر ابو نے تو سب سے سب کے حق چھین لئے تعلیم مکمل ہو جاتی۔ ابو ریٹائر نہ ہوتے ان کو نوکری مل تو زندگی کتنی پرسکون ہو جاتی۔ کوئی مشکل نہ ہوتی۔ نوکریاں ملنا کتنا دشوار ہوتا ہے لیکن ابو نے اپنی ضد میں اپنا نہیں ہم کا مستقبل تاریک کر دیا۔ کیا کرتا تعلیم مکمل کر کے۔ اس پر اتنی اکڑ فوں جیسے اپنے گھر والوں کے خدا ہوں۔ ظلم زیادتی گالی ج آخر تھک گئے۔ اور اب جو کچھ کر رہے ہیں وہ۔ وہ ان کی عمر سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ہار مان لی ہے انہوں ٹھیک ہے ابو۔ جاؤ معاف کر دیا تمہیں۔ جاؤ تم سے لڑائی ختم۔ دل خوشی سے اچھل رہا تھا لیکن یہ سوچ لیا تھا اس نے کہ ابھی کو کچھ بتائے گا نہیں۔

بس سے اتر کر اپنی گلی میں داخل ہو گیا' دروازے پر پہنچ گیا' دروازہ کھلا ہوا تھا' اندر داخل ہو گیا سامنے ہی دالان میں فریدہ جن بی سے باتیں کر رہی تھیں' پتہ نہیں موضوع کیا تھا' وہ خاموشی سے باورچی خانے کی طرف گیا' ٹوکری اندر رکھی اور اس بعد منہ ہاتھ دھو کر کھڑکی کے ذریعے چھت پر پہنچ گیا' بس اتنا کافی تھا' جن بی کے سامنے تو ویسے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا' کبوتر تھے وہ ایک گوشے میں بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگا پھر اس نے سوچا کہ اب انہیں بھی آزادی دے دینی چاہئے' قیمتی جانور تھے نے کیسے کیسے جتن سے پروان چڑھایا تھا انہیں' لیکن اب انہیں قید رکھنا مناسب نہیں ہے کیونکہ جس نئی زندگی کا آغاز میں کیا ہے اس میں توجہ کسی اور سمت نہیں ہونی چاہئے۔ اپنے ان قیمتی نوادرات کو فروخت کرنا بھی اس کے بس کی بات نہیں اونے پونے نہیں بیچ سکتا تھا انہیں' بڑی دیر تک حسرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا پھر گردن جھٹک کر بولا۔

"تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا ہے دوستو! لیکن وقت بدلتا ہے' انسان بہت طوطا چشم ہوتا ہے' اپنی پسند سے جیتا ہے پسند سے ہر ایک سے الفت کا اظہار کرتا ہے اور جب جی بھر جاتا ہے تو اس طرح آنکھیں پھیر لیتا ہے کہ تم جیسے معصوم جانور ج بھی نہیں سکتے' جاؤ میں تمہیں آزاد فضائیں دے رہا ہوں' باقی تمہاری تقدیر' کوئی اور تمہیں قید کر لے گا بہتر ہے اور پھر ں نہ آنا۔"

اس نے کبوتروں کے کابک کھول دیئے اور کبوتروں کو ہاتھ سے نکال نکال کر فضا میں اڑانے لگا' کبوتر معمول کی پرواز پر چل ے تھے' ایک ایک خانہ خالی کر دیا اس نے اور پھر انہیں فضاؤں میں بلند ہوتے دیکھتا رہا پھر اس کی نگاہیں خالی خانوں پر آجمیں اس کے بعد ایک سو گیارہ کی چھت پر جہاں الگنی پر کپڑے لٹک رہے تھے' لیکن چھت اس وقت خالی ہی پڑی ہوئی تھی' وہ گوشے میں بیٹھ کر خالی خالی نگاہوں سے اس خالی چھت کو دیکھنے لگا۔ نیچے جن بی فریدہ بیگم سے کہہ رہی تھی۔

"اے بوا! تمہارا بیٹا تو ہاتھ سے گیا' یہ کبوتر بازی موئی اچھی چیز تھوڑی ہوتی ہے' تمہارے گھر کو کسی بد نظر کی نظر لگ گئی' ے کیا اچھا زمانہ تھا' کیا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں' دھن برستا تھا اس گھر پر سب کے سب سکون چین سے سوتے تھے رکھا گئی کسی کی' بچی بیچاری گھر کی مرد بن گئی ہے' وہی پیٹ پال رہی ہے' اے میں پوچھتی ہوں آگے کیا کرو گی' شادی بیاہ کرنا ہے کا یا نہیں' لڑکے کی تو خیریات ہی دوسری ہو گئی ہے' کہیں رشتہ ڈالو گی تو محلے والے برائیوں کے سوا اور کوئی بات نہیں کہیں ' سب ایک ہی آواز میں کہیں گے کہ لڑکا نکھٹو ہے' کبوتر باز ہے اور کوئی کام دھندہ نہیں کرتا' میں تو کہتی ہوں فریدہ بیگم بچی پر اس کا اثر پڑے گا' ارے میں کہتی ہوں کرو گی کیا آگے چل کر؟"

"جن بوا' اللہ کا فضل ہے جمیل احمد صاحب پھر نوکری سے لگ گئے ہیں' شہباز بھی بس ٹھیک ہوتا جا رہا ہے' باپ سے بل
اختلاف ہو گیا تھا' وہ جو کمپنیوں کو روپیہ دے دیا تھا اس پر' بس ضد میں آکر کبوتر بازی شروع کر دی تھی' مگر اب اللہ اسے سمجھ
دے رہا ہے' سب ٹھیک ہو جائے گا مجھے تو فکر نہیں ہے' اچھا اب ذرا مجھے اجازت دیں باورچی خانہ دیکھنا ہے' فرزانہ تو دیر سے
لی آئے گی۔"

"ہاں بوا! گھر کی ساری ذمہ داری تمہارے کندھوں پر ہی آپڑی ہے' اے میں پوچھتی ہوں' کہاں نوکری لگی جمیل بھیا کی۔"
"پھر بتاؤں گی کبھی تفصیل سے آپ کو' اچھا چلوں۔" جن بوا سمجھ گئیں کہ اب فریدہ بیگم انہیں بھگانا چاہتی ہیں' برقعہ سر
رکھا اور باہر نکل آئیں۔

فریدہ بیگم باورچی خانہ کی طرف چل پڑی تھیں سچ مچ کھانا وغیرہ تیار کرنا تھا' شہباز کو ٹوکری لے کر آتے ہوئے تو دیکھا تھا اور
دل میں کھلبلی مچ گئی تھی کہ کیا لایا ہے' کیا رکھ کر چلا گیا ہے' ٹوکری کو قریب سے دیکھا' سبزیاں' ترکاریاں' پھل فریدہ بیگم حیران رہ
گئیں یہ شہباز کو گھر کی فکر کب سے ہو گئی' اچھی خاصی سبزی تھی پھل بھی خاصے ہی تھے اس زمانے میں پھل اور سبزیاں قیمتیں
آسمان سے باتیں کر رہی ہیں' اچھی خاصی مہنگی لایا ہو گا' پتہ نہیں کیا چکر چلایا ہے۔

صحن میں آکر شہباز کو آوازیں دیں لیکن اوپر سے کوئی جواب نہیں ملا تو پھر جلدی سے باورچی خانے میں چلی گئیں۔ کچھ دیر
کے بعد فرزانہ بھی نوکری سے واپس آگئی فریدہ بیگم نے اسے ان چیزوں کے بارے میں بتایا تھا' فرزانہ نے کہا۔

"امی ہر بات پر نہ ٹوکا کریں آخر وہ بھی انسان ہیں' انہیں بھی اپنی عزت پیاری ہو گی' بلاوجہ تشویش کا اظہار کر رہی ہیں۔"
"نہیں فرزانہ' میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ گھر سے کبھی پہلے تو دلچسپی رکھی نہیں اس نے نجانے کہاں سے لے آیا ہے یہ' کیا
سچ کر لایا ہے؟"

"چھوڑیں اپنا کام کریں' کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے' زیورات یا کرنسی نوٹ تو نہیں لائے ہیں جو آپ یہ سوچیں کہ ڈاکہ
ڈال کر لائے ہیں' ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری تقدیر بدل رہا ہو' آخر ابو کو نوکری کا خیال آ ہی گیا' وہ لگ گئے ہیں نوکری سے' اس
سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ کم از کم ذہن تو راغب ہوا گھریلو معاملات کی جانب' بھیا اگر سبزیاں اور پھل لے
آئے ہیں تو میری تو رائے یہ ہے کہ ان کی پذیرائی کی جائے' ہو سکتا ہے ان کا ذہن بھی اسی طرح تبدیل ہو جائے جس طرح ابو کا
ہوا ہے۔" فرزانہ کے سمجھانے پر بات فریدہ بیگم کی سمجھ میں آگئی تھی چنانچہ شہباز سے اس معاملے میں کوئی باز پرس نہیں کی
گئی۔

دوسرے دن بھی شہباز صبح ہی صبح نکل کر منڈی پہنچ گیا تھا اور اس کے بعد غلام قادر کو تلاش کئے بغیر اپنی جگہ پر' باقی
معاملات پہلے دن کے مطابق تھے' آج اس نے زیادہ اعتماد سے ذمہ داری کے ساتھ اپنا کام شروع کیا۔ چھوٹے چھوٹے لوگ
ہوتے تھے' چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے تھے' کوئی ٹیڑھی میڑھی بات بھی بول جاتا تھا لیکن شہباز نے نہایت خندہ پیشانی سے اپنا کام
کیا۔ غلام قادر سے کوئی ڈھائی بجے کے قریب ملاقات ہوئی تھی' شہباز کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا' شہباز نے بھی غلام قادر کو
بڑے ادب سے سلام کیا تھا۔

"کہو چندا' کیسی چل رہی ہے تمہاری دکانداری؟"
"بس چچا غلام قادر' آپ نے تو سچ مچ میری زندگی ہے۔ بڑا دلچسپ کام ہے یہ۔"
"ابے ابھی تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو ساری افسریاں نہ بھول جاؤ تو ہمارا نام بھی غلام قادر نہیں ہے' یہاں بڑی دولت
ہے مزے کرو گے مزے' تیر جاؤ سبزی منڈی میں چچا غلام قادر کی پشتوں کو دعائیں دو گے۔"

"دعائیں تو میں اب بھی دے رہا ہوں چچا غلام قادر آپ کو' اللہ تعالیٰ آپ کو خوب ترقی دے۔" غلام قادر ہنسنے لگا اور پھر
شہباز کا شانہ تھپتھپا کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ وہی معمول تھا' کام ختم ہو گیا' شہباز کو آج پھر پھلوں اور سبزیوں سے نوازا گیا
تھا' ٹوکری گھر سے لانا بھول گیا تھا' روزانہ ٹوکری لے کر آنا ذرا اچھا نہیں لگتا تھا' پلاسٹک کا بڑا سا تھیلا ایک روپے میں خریدا اور
بس ضرورت کی چیزیں لے کر واپس گھر پہنچا' کسی سے کچھ کہنا ضروری نہیں تھا' پہلے بھی کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا' پلاسٹک کا
تھیلا باورچی خانے میں رکھا تو فریدہ بیگم نے پوچھ ہی لیا۔

"بیٹا! سبزی تو بہت ہو گئی کل ہی کی رکھی ہوئی ہے' کیوں خرید کر لاتے ہو یہ؟"
"اماں اگر کسی کو ضرورت ہو تو دے دینا۔"
"اے لو! کوئی مفت کی آجاتی ہے آج کل تو سبزی ویسے بھی بڑی مہنگی ہے' کیوں خرید کر لاتے ہو اتنی؟"
"بس اماں کہہ دیا نا جتنی ضرورت ہو تم رکھ لینا باقی کسی ضرورت مند کے حوالے کر دینا اپنی گلی میں بہت سے لوگ سچ مچ
ضرورت مند ہیں یا اگر چاہو تو تھوڑی سی سبزی ایک سو گیارہ میں بھجوا دینا۔"
"ایک سو گیارہ میں' ارے ہاں وہ حکمت علی صاحب کے ہاں وہ بیچارے تو حادثے کا شکار ہو گئے ہیں' چارپائی پر پڑے ہیں ان
"

"ایں۔" شہباز چونک پڑا۔
"ہاں بھئی کئی دن سے بیمار ہیں۔"
شہباز کا دل تڑپنے لگا وہ چند لمحات سوچتا رہا اور اس کے بعد کھڑکی کے راستے چھت پر پہنچ گیا' خالی کابک منہ چڑانے لگے'
اس کی نگاہیں چھت کا طواف کر رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح وہاں پہنچ جائے' حکمت علی کی خیریت کے بہانے
ہی' اس کا دیدار تو ہو جائے' پتہ نہیں دن میں کس وقت چھت پر آتی ہو' ادھر دیکھتی ہو' مجھے نہ پا کر مایوس ہو جاتی ہو۔
بہت دیر تک انہی خیالات میں گم بیٹھا رہا تھا۔ کبھی اس سمت نہیں گیا تھا' کوئی شناسائی نہیں ہوئی تھی' اچانک ہی کسی کے
ہاں جانا بھی تو عجیب سی ہی بات ہے' چنانچہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش بیٹھا اس سمت دیکھتا رہا۔
تیسرا دن بھی گزر گیا' اس رات بھی جب جمیل احمد صاحب کے سامنے کھانے کے بعد پھل رکھے گئے تو وہ حیرانی سے

"یہ آج کل اتنی عنایتیں کہاں سے شروع ہو گئیں۔ پھل تو بڑے مہنگے ہیں بازار میں' بڑے بڑے آدمی پھل کھانے کا
میں نہیں سوچ سکتے تو یہ ہمارے غربت کدے میں کون سا باغ اتر آیا۔ ابھی تو ہم نے گھر میں کوئی خاص رقم دینا بھی شروع
کی اور آپ نے ہماری خاطر مدارات شروع کر دی فریدہ بیگم۔" فریدہ بیگم ہنسنے لگیں پھر بولیں۔
"آپ پھل کھائیے پیڑ گننے سے کیا فائدہ؟"
"نہیں' یہ بات نہ کرو فریدہ' چھوڑ دیا تھا پیڑ گننا لیکن پھر سے شروع کر دیا ہے' دل میں جو کچھ ہے' اسے ابھی دل ہی میں رہنے
دو' دل کو نہ چھیڑو' ہو سکتا ہے تقدیر پھر انسانوں جیسی زندگی عطا کر دے' ویسے واقعی یہ پھل آ کہاں سے رہے ہیں؟ تین دن سے
انہوں اچھے خاصے ہوتے ہیں' بڑے قیمتی ہیں یہ سیب بازار میں' چالیس روپے کلو سے کم نہیں ہوتے ہوں گے۔"
"پچھلے تین چار دن سے یہ اپنے شہباز میاں نجانے کہاں سے پھل اور سبزیاں لے کر آتے ہیں' وہی لا رہا ہے۔"
"کیا؟" جمیل احمد صاحب کا ہاتھ رک گیا۔
"تم نے پوچھا نہیں' کہاں سے لاتا ہے؟"
"ہاں' پوچھا بھی تھا میں نے' کہنے لگا کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے بس آجاتے ہیں لے آتا ہوں۔" جمیل احمد صاحب کا چہرہ
غصے سے سرخ ہو گیا' پھلوں کی ٹوکری میں لات ماری اور ٹوکری اچھل کر دور جا پڑی' فریدہ بیگم چونک کر پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ جمیل
صاحب غصے سے بولے۔
"انتظار کیجئے گا' کسی وقت پولیس پیچھے لگی لگی آئے گی اور ہم سب کو گرفتار کر لے گی' تمہارا کیا خیال ہے اس کے کسی کام
کی نیکی ہو سکتی ہے' ہو سکتا ہے پولیس والا بن کر سبزی منڈی نکل جاتا ہو' غریب ٹھیلے والوں کو لوٹتا ہو یا پھر کوئی اور سانچہ بنا
وہ کوئی عزت کا کام کر سکتا ہے اور یہ حرام کی کمائی مجھے تین دن سے کھلائی جا رہی ہے' میں کہتا ہوں گھر کی ہر بات مجھے کیوں
بتائی جاتی؟"
"سنئے تو سہی' وہ موجود ہے سن نہ لے۔"
"ہاں ہاں جوتے مارے گا مجھے لگوائیے آپ جوتے اس سے مجھے' فریدہ بیگم صاحبہ میری نگاہیں بہت دور تک دیکھتی ہیں'
تمہاری کوئی عزت نہیں ہے مجھے تو عزت سے رہنے دو کیوں تم لوگ مجھے بار بار بھٹکا دیتے ہو' خدا کی لعنت ہو تم پر' تین دن

ہے یہ پھل مجھے کھلا رہی ہو حرام کی کمائی کے' میں کہتا ہوں پہلے دن کیوں نہیں بتایا مجھے کہ یہ وہ لاتا ہے پوچھو اس سے کہاں سے لاتا ہے یہ' میں کہتا ہوں تم دونوں ماں بیٹیاں' افوہ۔۔۔۔ دیکھو پھر مجھے غلط راستوں پر ڈال رہی ہو' اپنے آپ کو سنبھال کر کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو تمہاری طرف سے پہل ہوتی ہے اب جواب دو مجھے کیا کرنا چاہئے کیا کروں میں؟ میں پوچھتا ہوں؟"

"کیوں اتنا بگڑ رہے ہیں کوئی جرم سامنے تو نہیں آیا اس کا؟"

"آئے گا' سامنے آئے گا۔۔۔ ضرور آئے گا' ٹھیک ہے میں کہہ دوں گا کہ بھائی ان عورتوں کو پکڑ کر لے جاؤ اس گھر پر انہی کی حکمرانی ہے' میں تو ایک حقیر سا انسان ہوں۔"

جمیل احمد صاحب غصے سے اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور اس کے بعد باہر نکل گئے۔

فرزانہ اور فریدہ ایک دوسرے کی صورت دیکھتی رہ گئی تھیں۔ جمیل احمد صاحب پھر بکھر گئے تھے۔ یہ صورتحال تو سب کے ذہن میں تھی لیکن کسی نے پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

"وہ گھر میں ہے۔" فریدہ بیگم سرگوشی میں بولیں۔

"ہاں! فرزانہ نے جواب دیا۔ ماں بیٹیوں کے چہرے تشویش زدہ ہو گئے تھے۔

☆

شکیل' سلطانہ جمالی کی کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ اپنے دفتر میں پہنچا تو سلطانہ جمالی بیٹھی ہوئی ملی اور شکیل نے فوراً" ہی اسے دست بستہ سلام کیا' سلطانہ جمالی کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے' جواب دے کر اس نے کہا۔

"آؤ شکیل بیٹھو' ایک مشکل آپڑی ہے۔"

شکیل بیٹھ گیا اور سلطانہ جمالی کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"میرا خاصا بڑا کاروبار سنگاپور میں بھی ہے' سنگاپور میں میرا منیجر فرقان میرے کاروبار کی دیکھ بھال کرتا ہے' پچھلے کچھ عرصے سے میں وہاں کے کاروبار کو سمیٹ رہی ہوں اور اس سلسلے میں' میں نے وہاں کے حکام سے بھی مدد لی تھی' کام بخیر و خوبی ہو رہا ہے' لیکن اب اسے فائنل کرنے کے لئے میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے' شکیل مجھے کل رات فرقان کا پیغام ملا ہے کہ میں فوری طور پر وہاں پہنچ جاؤں۔ خاصی بڑی رقم کا معاملہ ہے اور میں اسے نظرانداز نہیں کر سکتی' رات سے اس الجھن میں ہوں کہ کیا کرنا چاہئے۔ تم نے تو میرے راستے ہی بند کر رکھے ہیں۔ کتنی بار دل چاہا کہ تمہارے گھر پہنچ جاؤں اور وہاں پہنچ کر تم سے ڈسکس کروں۔ یہ کام میرے لئے مشکل نہیں تھا لیکن تم نے مجھ پر پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ آخر کیوں شکیل آخر کیوں؟ کیا تم نے مجھے اتنا ہی گھٹیا انسان پایا ہے کہ میں طبقات کے بارے میں غور کروں' شکیل جتنا میں تمہارا احترام کرتی ہوں' جتنی تمہاری عزت کرتی ہوں۔ کیا تم نے اس میں کبھی کوئی کمی محسوس کی ہے؟"

"میڈم ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔۔۔۔"

"میڈم۔۔۔۔ یہ میڈم کہہ کر تم میرے سارے تاج محل مسمار کر دیتے ہو۔۔۔۔"

"نہیں سلطانہ صاحبہ' بس یوں سمجھ لیجئے آپ کے احترام میں منہ سے یہ الفاظ نکل جاتے ہیں۔"

"بس کیا کہوں تم سے' سارا کیا دھرا چوپٹ کر کے رکھ دیتے ہو۔ میں کہتی ہوں آخر تم مجھے اپنے والدین سے کیوں نہیں ملاتے کیا میں شکل سے کوئی بری عورت لگتی ہوں' کیا لوگ میرے بارے میں کچھ برے انداز میں سوچیں گے۔"

شکیل ہنسنے لگا پھر بولا۔ "میڈم' اصل بات یہ ہے میرا مطلب ہے سلطانہ صاحبہ' جس جگہ میں رہتا ہوں وہاں کے لوگ تنگ نظر ہیں' اگر کسی کی میلی نگاہ آپ کی جانب اٹھی تو میرے لئے اس سے زیادہ غیرت کی اور کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں صرف اس احساس سے ڈرتا ہوں' خدا کے لئے میرے اس جذبے کو غلط نگاہ سے نہ دیکھیں' آپ کی محبت' آپ کا احترام اتنا ہے میرے دل میں کہ میں کسی کی میلی نگاہ آپ کی جانب اٹھتے نہیں دیکھ سکتا۔ تنگ نظر لوگوں کی اس بستی میں آپ پہنچیں گی تو لوگ عجیب عجیب طرح آپ کو دیکھیں گے' پھر سچی بات یہ ہے سلطانہ صاحبہ کہ میرے والدین بھی کشادہ نگاہ نہیں ہیں' وہ نجانے کس انداز میں میرے بارے میں سوچیں گے۔ میں نے انہیں اپنی اس ملازمت کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں بتائی ہے' بس یہ کہہ دیا ہے کہ ایک فرم میں کام کرتا ہوں۔"

"گویا تم نے مجھے سب سے چھپا رکھا ہے؟"

"صرف اس لئے سلطانہ صاحبہ کہ آپ کا اپنا وقار جو میری نگاہوں میں ہے وہ برقرار رہے اور جو دنیا کی نگاہوں میں ہے وہ بھی برقرار رہے اور جو لوگ آپ کو کسی بھی طرح ہلکی نگاہوں سے دیکھ سکتے ہیں، وہ اس انداز میں نہ دیکھیں ــــــ۔"

"خیر اس موضوع پر تم سے ایک تفصیلی بحث ہوگی اور تمہیں قائل کر دوں گی کہ تمہاری سوچ غلط ہے اب مجھے یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے ــــــ۔"

"آپ سنگاپور جائیں گی؟"

"جانا ہے شکیل، ضرور جانا ہے، لیکن جس موقع پر جانا پڑ رہا ہے وہ جانے کے لئے بالکل موزوں نہیں ہے ادھر ہم نے ان بددیانت شراکت داروں پر نگاہ رکھنا شروع کی ہے اور ان کے حلق میں انگلی ڈال کر اپنی رقومات نکلوا رہے ہیں اور دوسری جانب سنگاپور میں ایک بہت بڑی رقم کے حصول کا معاملہ ہے۔ بات کچھ گڑبڑ تو نہیں ہوگی اگر میں نہ جاؤں لیکن یوں سمجھ لو کہ موقع ایسا آگیا ہے، میں خود اپنی طرف سے ڈھیل ڈالوں گی تو دوسری جانب سے اس سے زیادہ ڈھیل ڈال دی جائے گی اور میرے پاس وہاں نہ پہنچنے کا کوئی جواز نہ ہوگا، یہ مشکل ہے۔"

"تو آپ چلی جایئے، میں یہاں کے معاملات سنبھالے ہوئے ہوں اور یقیناً" آپ کو مجھ پر پورا پورا بھروسہ ہوگا ــــــ۔"

"احمقانہ الفاظ مت استعمال کیا کرو، بھروسہ کیا چیز ہوتی ہے، اپنوں پر کہیں بھروسہ کیا جاتا ہے، وہاں تو بھروسہ نہ کرنے کا تصور بھی نہیں ہوتا۔ بس یہ سوچ رہی ہوں کہ تم تنہا رہ جاؤ گے۔"

"آپ کو کتنا عرصہ لگ جائے گا وہاں ــــــ؟"

"یہی تو نہیں کہہ سکتی، اگر بات چند روز کی ہوتی تو مجھے بالکل فکر نہ ہوتی۔ میں یوں جاتی اور یونہی چلی آتی لیکن نجانے کتنا عرصہ لگ جائے وہاں۔"

"آپ پورے اعتماد سے چلی جایئے۔"

"شکیل! تم چل سکتے ہو میرے ساتھ؟" سلطانہ جمالی نے ایک دم سوال کر دیا اور شکیل چونک کر اسے دیکھنے لگا، چند لمحات خاموش رہا پھر بولا۔

"آپ میرا جانا ضروری سمجھتی ہیں ــ؟"

"بہت ضروری۔ لیکن چونکہ سنگاپور سے اب کاروباری تعلقات ختم کر رہی ہوں میں اس لئے آئندہ وہاں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں تمہیں ساتھ لے جانا چاہتی ہوں لیکن ایک احساس یہ بھی ہے کہ یہاں معاملات بالکل ہی خالی رہ جائیں گے، تم موجود ہو گے تو مجھے یہ اطمینان رہے گا کہ میں یہاں موجود ہوں بس اس اسی مخمصے میں پھنسی ہوئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا کرنا چاہئے۔ ویسے مستقبل کے لئے تم یہ بات ذہن میں رکھو کہ تمہیں میرے ساتھ دنیا کے کسی بھی ملک میں جانا پڑ سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے اس میں مجھے کوئی قباحت تو نہیں ہوگی اور اب بھی نہیں ہے لیکن یہ بھی ایک اہم بات ہے کہ ان حالات میں جبکہ ہم نے اختیار بیگ صاحب کو نوٹس دے رکھا ہے اور فخرالدین صاحب کے خلاف کام شروع ہو چکا ہے نظر رکھنا ضروری ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے بچاؤ کے لئے کوئی بھی کارروائی کر سکتے ہیں۔"

"سب سے بڑی مشکل تو یہی ہے۔ ورنہ میں اور تمہیں چھوڑتی۔ جہاں تک تمہاری اس تنگ نظر گلی کا تعلق ہے تو یہ بھی تمہاری ضد ہے شکیل، کون نہیں چاہتا کہ زندگی روشن ہو تنگ و تاریک گھروں سے نکل کر روشن مکانات میں زندگی گزاری جائے، لیکن یہ والدین، بعض اوقات یہ اس طرح اولاد پر مسلط ہو جاتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے ــ میں سمجھتی ہوں اچھے مستقبل کی جانب کون قدم نہیں بڑھاتا مگر تم۔ خیر۔ موضوع یہ نہیں ہے اس وقت، تو پھر آخری فیصلہ کرو نا ــــــ۔ میں تو تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی، یقین کرو تقریباً" پون گھنٹے سے یہاں بیٹھی ہوئی ہوں۔" سلطانہ جمالی نے کہا اور شکیل نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا۔ سلطانہ جمالی جلدی سے بول پڑیں۔

"اب تم یہ کہو گے کہ میں صحیح وقت پر آیا ہوں۔ بھئی میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم لیٹ آئے ہو۔ بس میں بے چینی سے

تمہارا انتظار کر رہی تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ کس طرح تم نے میرے اوپر پابندی لگا رکھی ہے، ورنہ میں تو رات ہی کو تمہارے پاس پہنچ جاتی شکیل یوں کرتی ہوں کہ میں چلی جاتی ہوں اور تم سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایک ایک لمحہ محتاط رہنا، ہر چیز پر نظر رکھنا، بات پھیل گئی ہے، اختیار بیگ صاحب کا معاملہ ان اور بددیانتوں کی نگاہوں میں بھی آچکا ہے، جو یہ سوچ کر بیٹھے ہوئے تھے کہ میں عورت ہوں اور ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، تم ہوشیار رہنا شکیل اور اپنے اطراف سے بھی محتاط رہنا، میں چلی جاتی ہوں اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے گا اپنا کام سرانجام دے کر واپس چلی آؤں گی ــــــ"

"آپ مکمل اطمینان کے ساتھ جایئے سلطانہ صاحبہ یہاں کے معاملات میں سنبھالے ہوئے ہوں۔"

"لیکن یہ شرط ہے شکیل کہ اس کے بعد مجھے کہیں جانا پڑا تو تم میرا ساتھ دو گے ــــــ"

"میں اس کے لئے ماحول پیدا کر لوں گا آپ اطمینان رکھئے گا۔" شکیل نے جواب دیا۔

"اوکے ــــــ پھر میں چلتی ہوں، دوپہر کا کھانا میں تمہارے ساتھ کھاؤں گی، نہیں کہہ سکتی کہ کس وقت کی فلائیٹ مل جائے، آج ہی چلی جاتی ہوں، ذرا کچھ کاغذات نکالو، میں تمہیں ان کے بارے میں تفصیلات بتاتی ہوں۔"

سلطانہ جمالی، شکیل کو سنگاپور کے کاروبار کے بارے میں تفصیلات بتاتی رہی اور شکیل ان کاغذات کو ترتیب دیتا رہا۔ سلطانہ جمالی تھوڑی دیر کے بعد چلی گئی تھیں اور شکیل دروازے کو گھورتا رہا تھا۔ وہ اس وقت پھر عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ زندگی ایک حسین زندگی، سنگاپور، ایشیا کی جنت، جا سکتا تھا وہ، یقیناً" جا سکتا تھا اور آنے والے وقت میں جیسا کہ سلطانہ جمالی نے کہا، اسے اس کے ساتھ ممالک غیر بھی جانا ہوگا، یہی تو زندگی ہے، یہی تو ایک روشن زندگی ہے، کلیم احمد صاحب زندگی سے کٹ کر رہنا چاہتے ہیں، انہیں ہر سمت خوف کے بادل چھائے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ مرد ہوں میں، زندگی کی ان وادیوں میں قدم رکھا ہے میں نے، جن میں آگے بڑھ کر اپنا مقام حاصل کیا جا سکتا ہے، کون سا جرم کر رہا ہوں، قتل و غارتگری تو نہیں کر رہا لوٹ مار تو نہیں کر رہا لیکن جانتا ہوں اچھی طرح۔ انہیں بھی جانتا ہوں اور اپنی ماں کو بھی جانتا ہوں اگر ساری باتیں ان کے سامنے کہہ دیں تو وسوسوں کا شکار ہو جائیں گے۔ راتوں کی نیند حرام کر لیں گے، نجانے کیا کیا تصورات باندھ لیں گے اپنے دل میں۔ کہیں گے کہ سلطانہ جمالی کوئی بہت تیز و طرار عورت ہے بھلا ایک عورت اتنے بڑے کاروبار کو کیسے سنبھالے ہوئے ہے، آخر اس کی دولت کا راز کیا ہے، کہاں سے آتی ہے دولت، یقینی طور پر درپردہ جرائم پیشہ، دنیا کے مختلف ممالک میں اس کے ناجائز کاروبار پھیلے ہوئے ہیں، وہی فلمی باتیں وہی فلمی کہانیاں۔ وہ لوگ اپنے ذہنوں کو اتنی وسعت نہیں دے سکتے کہ ان باتوں کے بارے میں سوچیں، عورت سب کچھ تو کر سکتی ہے اور پھر اس کی ابتدا نجانے کیا ہو، کہاں سے اس کی دولت کا آغاز ہوا ہو، کوئی نہیں مانے گا۔

کلیم احمد صاحب حکم دیں گے کہ یہ ملازمت چھوڑ دی جائے جو مشکوک ہے اور اس کے بعد سارے راستے تاریک ہو جائیں گے، سنہرا مستقبل تاریکی میں ڈوب جائے گا، یہ انوکھی مشکل ہے، عجیب مشکل ہے یہ، ہونا تو نہیں چاہئے ایسا، جس دنیا کو میں دیکھ رہا ہوں، درحقیقت جینے کی دنیا ہے اس میں جیا جا سکتا ہے۔

اور ایک اپنی گلی ہے اس گلی کے رہنے والے ہیں۔ تنگ و تاریک گھروں کے باسی، زندگی کو ایک مخصوص انداز میں دیکھنے کے عادی سارے کے سارے ایک جیسے، فکر معاش میں مبتلا، چھوٹے چھوٹے مسائل پورے نہ کر سکنے کی آرزو میں گھٹتے ہوئے، کیا ہے ان کے پاس کیا ہے ان کی زندگی میں ــــــ؟ اور ایک طرف یہ زندگی ہے، روشنیوں سے منور، سنگاپور، بنکاک، امریکہ، فرانس، کینڈا، جہازوں کا سفر، حسین زندگی، خوش نما قہقہے لگاتی ہوئی ــــــ نہیں اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔

سلطانہ جمالی نے اگر مجھے کہیں لے جانے کے بارے میں سوچا تو گھر پر کیا کہوں گا، کہا تو یہ بھی جا سکتا ہے کہ فرم کی طرف سے بھیجا جا رہا ہوں لیکن، لیکن یہ جھوٹ کیوں آخر، صحیح بات کیوں نہ بتائی جائے، سلطانہ جمالی اگر میرے گھر سے رابطہ قائم کرنا چاہے تو کیوں نہ رابطہ قائم کیا جائے۔ وہ گلی چھوڑنا کون سا جرم ہے آخر۔ نہیں رہتے ہم وہاں۔ زندگی کو اگر ایک اچھا راستہ مل رہا ہے تو اس پر اتنی پابندیاں نہیں ہونی چاہئیں بالکل نہیں، قطعی نہیں، کچھ کرنا پڑے گا اس سلسلے میں۔

سلطانہ جمالی کی آمد نے خیالات سے چونکا دیا تھا۔ اس نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

"سوری شکیل، جا رہی ہوں میں، خدا حافظ ــــ"

"خدا حافظ سلطانہ صاحبہ" شکیل نے کہا اور سلطانہ جمالی چلی گئی۔

شکیل نجانے کب تک سوچوں میں ڈوبا رہا تھا اور اس کے بعد اس نے فائل نکال کر سامنے رکھ لئے تھے لیکن ذہن اڑا اڑا سا تھا۔ وہی تمام سوچیں دامنگیر تھیں' سلطانہ جمالی ایک بجے کے قریب پہنچ گئی مطمئن نظر آتی تھی' کہنے لگی۔"

"چلو بھئی کھانے کی تیاریاں کرو' مجھے ساڑھے چار بجے کی فلائیٹ سے جانا ہے' تم مجھے ائرپورٹ چھوڑنے چلو گے ـــــ۔"

"جی میڈم ـــــ ـــ"

کھانے سے فراغت حاصل کر کے آرام کرتے ہوئے سلطانہ جمالی نے کہا۔

"شکیل! کسی قسم کی پریشانی کا شکار نہ ہونا۔ میں تمہیں سنگاپور سے ٹیلی فون بھی کروں گی موقع ملنے پر۔ کوئی اہم بات ہو تو ذہن میں رکھنا اور ہاں روشن اور شریف سے میں نے کہہ دیا ہے کہ ایک ایک لمحہ تمہارا خیال رکھیں اور بھئی واپس آنے کے بعد مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ بہت سے ضروری امور کے بارے میں اور کیا کہوں؟؟"

سلطانہ جمالی خاموش ہو گئی' شکیل بھی خاموش تھا۔ ساڑھے چار بجے کی فلائیٹ سے سلطانہ جمالی کو سنگاپور جانا تھا کوئی سوا تین بجے وہ گھر سے نکل گئے' شکیل کار ڈرائیو کرتا ہوا ائرپورٹ گیا تھا اور سلطانہ جمالی راستے بھر ہدایات دیتی رہی تھی۔

"کار اپنے استعمال میں رکھا کرو خواہ مخواہ تکلفات میں زندگی بسر کر رہے ہو۔ ہر طرح سے اپنا خیال رکھنا' صحت بھی خراب نہ ہونے دینا۔ رات کو اگر چاہو تو کلب چلے جایا کرو حالانکہ مجھے اچھا نہیں لگے گا ـــــ کلب جاؤ گے تو بلیاں تم پر حملہ آور ہوں گی اور یہ بلیاں بڑی خونخوار ہوتی ہیں۔ نہیں بھئی تم کلب نہیں جانا میرے بغیر' بس میں نے کہہ دیا ہے' میری ہدایات کا خیال رکھنا۔"

شکیل ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"آپ کے بغیر میں کلب میں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا سلطانہ صاحبہ۔"

"تھینک یو شکیل' تھینک یو۔" وہ اندر چلی گئی اور شکیل کار ڈرائیو کرتا ہوا واپس کوٹھی آ گیا تھا' کوئی سوا پانچ بج گئے تھے اور اب اس کا رکنا ضروری نہیں تھا۔ روشن اور شریف کو بلا کر اس نے کہا۔

"جب میڈم ملک سے باہر ہوتی ہیں تو تم لوگ کیا کرتے ہو؟؟"

"کچھ نہیں صاحب' بس گھر کا خیال رکھتے ہیں۔"

"اچھا شریف سنو ان کی غیر موجودگی میں کوئی ٹیلی فون آئے تو اسے نوٹ کر کے رکھنا۔ چوکیدار کو بلاؤ میرے پاس۔"

چوکیدار آیا تو اسے بھی شکیل نے اس طرح ہدایات دیں جیسے اپنے گھر کے بارے میں فکر مند ہو۔ چوکیدار کہنے لگا۔

"صاحب' آپ بے فکر رہو' جب بیگم صاحب کہیں جاتا ہے تو ہم زیادہ خونخوار ہو جاتا ہے' کسی چڑیا کو بھی اندر نہیں آنے دیتا۔ جب بیگم صاحب نہیں ہے تو پھر کسی کا اندر آنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے' آپ بے فکر رہو صاحب' بیگم صاحب کا جانا کوئی نئی بات نہیں ہے وہ تو جاتا رہتا ہے۔"

"ہاں زمرد خان پورا پورا خیال رکھنا۔"

"شریف ٹیلی فون کے پیغامات نوٹ کر کے رکھ لینا تم اردو تو لکھ لیتے ہو نا۔"

"جی صاحب' چھ جماعتیں پڑھا ہوا ہوں۔" شریف نے جواب دیا اور اس کے بعد شکیل وہاں سے نکل آیا۔ عموماً "سلطانہ جمالی کے ساتھ کلب نکل جاتا تھا' کلیم احمد صاحب اور رقیہ بیگم کو تو بتا ہی دیا تھا کہ مالکان کے ساتھ رات کو زیادہ دیر کام کرنا پڑتا ہے اور اس کا اوور ٹائم ہے لیکن اوور ٹائم کچھ اور ہی ہوتا تھا۔ شکیل اس حسین دنیا کو سحر زدہ نگاہوں سے دیکھتا تھا' جو روشن لوگوں کی دنیا تھی اور اب اسے اس کی عادت سی پڑ گئی تھی' اب اس وقت تک کلب کا رخ نہیں کیا جا سکتا تھا جب تک سلطانہ جمالی واپس نہ آ جائے۔ خیر کوئی بات نہیں ہے کچھ وقت گھر پر بھی سہی۔

گلی میں داخل ہوا تو یہ دنیا بڑی عجیب عجیب سی لگی' اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی اجنبی جگہ پر آ گیا ہے' کلیم احمد اور رقیہ بیگم البتہ بہت خوش ہوئے تھے۔ کلیم احمد صاحب نے کہا۔

"کیوں اوور ٹائم ختم ہو گیا شکیل۔"

"جی ابو' مالکان باہر گئے ہوئے ہیں اب صرف دفتر ہی دیکھنا ہے۔"

"ماشاء اللہ بھئی میں تو خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ شکیل میں نے کہا تھا نا کہ انسان نیک نیتی سے اپنی راہوں پر گامزن رہے تو منزل خود بخود چل کر اس کے قریب پہنچتی ہے اور تم دیکھ لو اللہ نے چاہا تو تھوڑے ہی عرصے کے اندر اندر ہمارے حالات میں زمین آسمان کا فرق ہو جائے گا۔"

شکیل نے کوئی جواب نہیں دیا۔

❀

جمی شیخی بازی میں جان تو دکھا آیا تھا دیوار پر گھونسا مار کر لیکن واپسی بڑی مشکل میں ہوئی تھی۔ گھونسا کچھ زور سے لگ گیا تھا۔ دیوار پر اور یوں محسوس ہو رہا تھا اس وقت جیسے ایک ہاتھ ہی شانے سے جدا ہو گیا ہو۔ بڑی شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ گھر واپس آ گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ جان نکلی جا رہی تھی۔ بڑی دیر تک پریشانی کا شکار رہا اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو دیگچی میں پانی گرم کرنے کے لئے رکھ دیا۔ پانی نیم گرم ہو گیا تو اس میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گیا لیکن تکلیف کم نہیں ہو رہی تھی۔

"ارے باپ رے کچھ زیادہ ہی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ ہڈی تو نہیں ٹوٹ گئی کہیں۔ ابے مصیبت میں پڑ جاؤں گا قسم اللہ کی' یہ کیا ہو گیا؟ سیدھے ہاتھ کی بات ہے۔ کہیں ٹنڈا ہی نہ ہو جاؤں؟ کیا کروں کیا کرنا چاہئے؟ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا کہ صورتحال کیا ہوئی ہے۔"

ہاتھ کی تکلیف ناقابل برداشت ہونے لگی اور پریشانیاں عروج کو پہنچتی جا رہی تھیں بمشکل تمام وقت گزرا۔ شام کو تو پورا ہاتھ سوج کر گیند ہی بن گیا اور جمی کی آنکھوں میں بار بار آنسو آنے لگے

"قسم خدا کی' اس کے بعد ایسی بیوقوفی کر جاؤں تو باؤلے کا بچہ۔ ابے یہ بھی کوئی جان دکھانے کی بات تھی۔ لڑکیوں پر تو رعب ہی نہیں پڑا۔ بھلا انہیں ایسی کسی بات سے کیا دلچسپی ہوگی کہ دیوار میں کوئی گھونسہ مار دیتا ہے بھائی جمی ہو بالکل ہی چغد اب کروں کیا؟ یہ تو لگتا ہے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی اگر ایسا ہو گیا تو مصیبت آ جائے گی۔"

رات بھر تکلیف کی وجہ سے نیند نہیں آ سکی تھی ہاتھ بری طرح سوج گیا تھا۔ صبح کو ہاتھ پر رومال لپیٹ کر چوری چھپے گلی سے باہر نکلا اب کسی ڈاکٹر کو دکھا دینا ضروری تھا۔ ہسپتال ہی کا رخ کر سکتا تھا چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہسپتال پہنچ گیا۔ او۔ پی۔ ڈی میں لائن لگی ہوئی تھی خود بھی لائن میں کھڑا ہو گیا۔ چہرہ فق ہو رہا تھا۔ تکلیف کے مارے حلیہ خراب ہو چکا تھا۔ بمشکل تمام نمبر آیا۔ ڈاکٹر نے ہاتھ دیکھا تو پوچھا۔"

"چوٹ کیسے لگی؟"

جمی کے پاس جواب تیار تھا۔ "ڈاکٹر صاحب ہاتھ پھیلا ہوا تھا' سو رہا تھا کہ وزنی الماری ہاتھ پر گر گئی۔ کل دن کی بات ہے۔"

"ایکسرے کرایا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"نہیں جی۔"

"جاؤ ایکسرے کرا لو۔" ڈاکٹر نے ایکسرے لکھ کر دے دیا اور جمی پرچی لے کر ایکسرے کی لائن میں لگ گیا۔ پانچ منٹ دس منٹ' بیس منٹ' ایک گھنٹہ۔ ڈیڑھ گھنٹہ ہوا تو کھوپڑی گھوم گئی۔ ایکسرے کا نمبر ہی نہیں آ رہا تھا بگڑ گیا اور لائن سے نکل کر دروازے کو دھکا دے کر اندر داخل ہو گیا۔

"ارے یہ ہسپتال ہے کہ بھٹیار خانہ۔ ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا کھڑے کھڑے اور نمبر ہی نہیں آ رہا۔ ابے تم لوگ ڈاکٹر ہو یا گھاس کھودنے والے۔"

اندر موجود افراد بگڑ گئے اور دو تین آدمی قریب پہنچ گئے۔

"کیا ہے کیوں چیخ رہا ہے؟؟"

"ارے جانتے نہیں ہو۔ کون ہوں میں۔ جمی ہوں جمی۔ کیسے باتیں کر رہے ہو۔ جان پیاری ہے کہ نہیں۔"

"کیا پولیس کو بلاؤں؟" ایک شخص نے کہا۔

"کک۔ کیوں۔ پولیس کیا ایکسرے کرے گی؟" جمی نے پوچھا۔

"ایسا ایکسرے کرے گی بیٹا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے چلو پھوٹ لو باہر۔ نکل لو۔ لائن میں آؤ تو کام بنے گا۔"

"لعنت ہے تمہاری شکل پر۔ اتنی دیر سے لائن میں کھڑا ہوا ہوں تو کچھ کیا نہیں اور اب اوپر سے تڑی لگا رہے ہو۔ ابے کیڑے پڑیں گے تمہارے دیکھ لینا۔ اللہ نے چاہا تو۔ یہاں تکلیف کے مارے جان نکلی جارہی ہے اور تمہاری لائن ہی ختم نہیں ہورہی اور بیٹا چائے کی پیالیاں کیسی رکھی ہوئی ہیں۔ چائے اڑا رہے ہوگے بیٹھے ہوئے۔ حرام خوری تو تم لوگوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ لعنت بھیجتا ہوں تمہارے اس ایکسرے پر۔"

جمی وہاں سے غصے سے باہر نکل آیا لیکن تکلیف نے ایک بار پھر احساس دلایا کہ جو کچھ کر ڈالا ہے جلد بازی میں غلط کر ڈالا ہے۔ اب تو اگر لائن میں بھی جائے گا تو ایکسرے نہیں ہوگا بلاوجہ منہ ماری کرلی مگر اب کروں کیا؟ اور اس وقت ایک بات یاد آگئی۔ اس کا ایک دوست امجد اسی طرح زخمی ہوگیا تھا سوجن آگئی تھی۔ نکٹا پہلوان کے پاس گیا تھا اور نکٹا پہلوان نے ساری سوجن اتار دی تھی نکٹا پہلوان کے پاس اپنے دوست کے ساتھ جمی بھی گیا تھا چنانچہ اب اس طرف کا رخ کرنا ضروری ہے بلاوجہ یہاں اتنے گھنٹے ضائع کیے۔

بہرحال بس میں بیٹھا ہاتھ کو سنبھال کر گود میں رکھا ہوا تھا۔ تکلیف اب بھی اچھی خاصی ہو رہی تھی۔ بس سے اتر کر نکٹا پہلوان کی دکان کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں اور بھی دوسرے مریض بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد جمی کی باری آگئی اور وہ نکٹا پہلوان کے سامنے آگیا۔

"سلام پہلوان جی۔"

"وعلیکم السلام۔ کیا ہوگیا ہے بھئی ہاتھ میں؟"

"بس پہلوان جی، شکل تو پہچان ہی گئے ہوگے اپنی۔"

"ہاں دیکھا تو ہے تمہیں کبھی۔"

"جمی بدمعاش ہے اپنا نام۔ بدمعاشی چلتی ہے۔ مارا ماری ہوگئی تھی ہاتھ میں چوٹ لگ گئی ہے۔ ذرا دیکھو۔"

نکٹا پہلوان نے جمی بدمعاش کو دیکھا اور پھر ہاتھ کو۔ اس کے بعد انگلیاں پھیلا پھیلا کر جمی کو ہدایات جاری کرنے لگا۔ انگلیاں چلوائیں۔ انگلیاں چل تو گئی تھیں مگر وہ تکلیف ہوئی تھی کہ جمی کو مزہ آکر رہ گیا تھا۔ نکٹا پہلوان نے اپنے کھردرے اور موٹے ہاتھ سے ہڈیوں کو ٹٹول کر دیکھا تجربے کار آدمی تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بولا۔

"ہڈیاں تو بچ گئی ہیں بدمعاش صاحب مگر چوٹ ذرا بھاری لگی ہے۔ ٹائم لگ جائیں گا ٹھیک ہوتے ہوتے۔"

"کتنا ٹائم لگ جائے گا۔"

"ابھی تو مل دیتا ہوں اور دوا لگا کر پٹی باندھ دیتا ہوں مگر روزانہ پٹی کرانی پڑے گی۔"

"ابے بیڑا غرق ہوگیا۔ اب کیا ہوگا؟"

"شروع کروں۔"

"شروع کرو بھائی۔ شروع کرو۔ اللہ نے گلے ڈال دی ہے تو بھگتنی ہی پڑے گی۔"

نکٹا پہلوان نے اس وقت جمی کو بھنگی بدمعاش بنا دیا تھا۔ اتنی تکلیف ہوئی تھی ہاتھ ملواتے ہوئے کہ آنکھوں میں آنسو آگئے تھے لیکن جمی بدمعاش بہرحال جمی بدمعاش تھے۔ آنسو رخساروں تک نہ پہنچنے دیئے۔ نکٹا پہلوان نے ملائی کی اور پھر کسی دوا کا لیپ کرکے روئی رکھی اور پٹی کس دی۔ پھر بولے۔

"کل گیارہ بجے پھر آجائیو۔"

"سوجن کب تک اترے گی؟"

"ابے بھائی آہستہ آہستہ اترے گی۔ اب ایک دن میں تو اترنے سے رہی۔"

"ہوں۔" بیس روپے نکٹا پہلوان کو دے کر جمی واپس چل پڑا۔ دل ہی دل میں بری طرح پچھتا رہا تھا ذرا سی حماقت نے ستیا ناس مار دیا تھا۔ تین چار دن تو لگ جائیں گے سوجن اترتے ہوئے۔ اس سے پہلے اگر حکمت علی کے گھر پہنچا تو سب ہاتھ پر بندھی

ئی پٹی دیکھیں گے۔ کوئی بہانہ بناتے نہ بن پڑے گا کیونکہ سب کے سامنے دیوار پر گھونسا مارا تھا۔ سب سمجھ جائیں گے کہ ہاتھ لباڑا ہوگیا ہے۔ ساری شیخی دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ غائب ہی رہنا پڑے گا۔ کوئی بہانہ بنا دیں گے۔

جمی نے سوچا اور اس کے بعد خاموشی سے گھر واپس آگیا۔ تکلیف اب بھی تھی لیکن کچھ کمی محسوس ہورہی تھی۔ البتہ جن اتنی جلدی اتر جانے والی چیز نہیں تھی۔ بڑی پریشانی میں وقت گزرا۔ دوسرے دن تیسرے دن اور چوتھے دن پھر ہاتھ یا۔ چھوتھے دن سوجن بالکل ختم ہوگئی تھی لیکن پہلوان کا حکم تھا کہ پندرہ دن تک ہاتھ کی مالش کرانی پڑے گی۔

"اماں پہلوان جی! باقی باتیں تو اپنی جگہ۔ یہ بتاؤ پٹی کب کھولو گے؟"

"ابھی تین چار دن تک پٹی بندھی رہنے دو۔ اچھا ہے ہاتھ گرم رہے گا۔"

"لعنت ہے۔" جمی نے گردن جھٹکی۔ پہلوان جی کا حکم اپنی جگہ تھا۔ چار پانچ دن سے حکمت علی کو دیکھنے بھی نہیں گیا تھا۔ نے کیا سوچ رہے ہوں گے سارے کے سارے۔ لڑکیاں یاد کر رہی ہوں گی کہ جمی آئے نہیں۔ گھر واپس آیا اور اس کے بعد ر نہیں ہوسکا۔ تو ہاتھ سے پٹی کھول دی۔ ہاتھ ایک نگاہ میں چوٹیلا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ جو دوا اس پر لگائی جاتی رہی تھی اس کا ب بھی پھیکا تھا اور ہاتھ پر نہیں چڑھ سکا تھا۔ تکلیف بھی بہت کم تھی۔ بس اظہار نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ کہ ہاتھ میں کچھ لیا ہے۔ لباس تبدیل کیا شیو وغیرہ بنائی۔ بالوں میں تیل ڈال کر پیشانی پر چاند بنایا اور اس کے بعد ہنستا مسکراتا باہر نکل آیا۔ گلی ، دوسرے سرے پر جاکر پھل والے کی دکان سے تھوڑے سے پھل خریدے۔ تھیلی میں رکھ کر ایک سو گیارہ کی جانب چل پڑا ۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک دی۔ دروازہ پروین نے کھولا تھا۔ جمی اسے دیکھ کر خوشی سے نثار ہوگیا۔ جلدی سے م کیا لیکن پھرتی سے پروین پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"اے بی سلام کا جواب تو دے دو کم از کم۔ چچا میاں کیسے ہیں؟ گھر پر ہیں کیا؟" اندر سے حکمت علی کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے پروین؟"

"چچا میاں ہم ہیں تمہارے جمی اور کون ہوسکتا ہے بھلا۔" جمی بے دھڑک دروازے سے اندر داخل ہوگیا اور پھر سیدھا ت علی کے پاس پہنچ گیا۔ نسیم بیگم غالباً باورچی خانہ میں کام کر رہی تھیں۔ ہانڈی کی چھن چھن کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ا اپنے کمرے میں تھی۔ پروین بھی سیدھی کمرے ہی میں چلی گئی۔ جمی حکمت علی کے پاس پہنچ گیا جو چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"السلام علیکم۔ چچا میاں۔"

وعلیکم والسلام جمی۔ کہو خیریت سے تو ہو۔ کہاں چلے گئے تھے بھئی۔" حکمت علی صاحب نے روا روی میں پوچھا۔ اس طرح کا اندر گھس آنا انہیں خود بھی ایک آنکھ پسند نہیں آیا تھا۔

"بس چچا میاں۔ کوئی ایک مصیبت ہو اپنے سر تو بیان کریں۔ آپ کا جمی اتنی آنکھوں کا تارا ہے کہ گنتی نہیں گنائی جاسکتی۔ ، بیٹھے ہوئے ہو طبیعت اچھی لگ رہی ہے اللہ کے فضل سے۔ کہو اب کیا حال ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہوں جمی۔ خدا کا شکر ہے۔ چلنے پھرنے بھی لگا ہوں۔ بڑی جلدی صحت عطا کردی اللہ تعالیٰ نے۔ سوچ رہا ہوں چار دن کے بعد دفتر جانا شروع کردوں۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو چچا میاں۔ ابھی آرام کرو۔ مہینہ دو مہینہ۔ آرام کی ضرورت ہے آپ کو، لو یہ پھل کھاؤ ذرا دیکھو وہ کیسے بڑھیا ہیں۔"

"شکریہ شکریہ۔ تم یہ تکلف مت کیا کرو جمی۔ مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔"

"اے لو۔ یعنی ہم تو وہ ہیں جو دل میں آپ کا درد بسائے رہتے ہیں۔ وہ جو کہا ہے کسی شاعر نے۔ "کہ دل میں درد بسا ہے" ، آپ ہو چچا میاں کہ غیروں جیسی باتیں کرتے ہو۔ دیکھو جمی آپ کا غلام ہے۔ آپ کی اولاد کی طرح ہے کوئی پروا مت کرنا۔ پے پیسے کی ضرورت ہو تو مانگ لینا ہم سے۔ ابھی کوئی ضرورت نہیں ہے دفتر جانے کی۔"

"نہیں بیٹے انسان کو اپنی ذمہ داری خود ہی پوری کرنی چاہئے۔ تمہارا بہت بہت شکریہ کہ کم از کم تم نے اتنا ہی پوچھ لیا۔"

"اماں دل سے پوچھا ہے چچا میاں۔ کوئی زبانی بات تھوڑی کر رہے ہیں۔ آپ نے ہم سے نہیں پوچھا کہ ہم کہاں چلے گئے ، ؟ اور کتنا یاد کرتے تھے آپ کو۔"

"پوچھا تو ہے۔ تم نے بتایا ہی نہیں۔"

"وہی تو کہہ رہے تھے ایک بات ہو تو بتائیں۔ چائے پلاؤ چچا میاں۔ چائے نہیں ملے گی کیا آج؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ نسیم۔ ثریا۔ دیکھو کون آیا ہے۔ بھئی۔ چائے لاؤ ذرا جمی کے لئے۔"

نسیم بیگم کو ابھی تک نہیں معلوم تھا کہ جمی آیا ہوا ہے۔ حکمت علی کی آواز سن کر باورچی خانے سے نکلیں اور سیدھی حکمت علی کے کمرے میں پہنچ گئیں۔ دوپٹہ بھی ڈھنگ سے نہیں اوڑھا ہوا تھا۔ جمی کو دیکھ کر اوئی اللہ کہہ کر باہر بھاگیں دوپٹہ سیدھا کر کے اوڑھا جمی ہنس کر کہنے لگا۔

"یہ چچی جان بھی خوب ہیں۔ ابھی تک اوئی اللہ 'کہتی ہیں۔" وہ بے ڈھنگے انداز میں ہنسنے لگا۔ نسیم بیگم غصے سے دانت پیستی ہوئی واپس باورچی خانے میں چلی گئی تھیں دوبارہ اندر جانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ ثریا البتہ آ گئی تھی۔ جمی نے اسے دیکھا اور بولا۔

"اے بی نہ سلام نہ دعا۔ وہ کہاں گئیں؟ سلام کیا تھا۔ جواب دیئے بغیر بھاگ گئیں۔ انہیں ذرا بتاؤ کہ جواب دینا اسلام میں بہت بڑی بات ہوتی ہے اور آدمی پر فرض بن جاتا ہے کہ ـــ چائے بناؤ ہمارے لئے۔ تو ہم کہہ رہے تھے چچا میاں کہ آپ کا جمی سیکڑوں کی آنکھوں کا تارا ہے۔ بڑے بڑے وزیر سفیر اسے بلاتے ہیں اپنے پاس۔ اماں چچا میاں آج کل کی سیاست کو تو آپ جانتے ہی ہو۔ ہر بڑا آدمی ایک بدمعاش ضرور پالتا ہے اور وہی اس کے سارے کام کرتا ہے۔ کسی نے کوئی بات کی بدمعاش کو بھیجا تڑی لگوادی اور پھر جمی استاد کا نام تو ہر جگہ گو نجتا ہے۔ تو اس وقت بھی یہی ہوا تھا ایک وزیر صاحب نے بلایا تھا۔ کہنے لگے۔ جمی صاحب کچھ کام کرنے ہیں تمہیں۔ آج کل سیاست زوروں پر ہے۔ اماں چچا میاں اخبار نہیں پڑھتے کیا؟"

"پڑھتا ہوں مگر یہاں گھر میں نہیں آتا۔" حکمت علی کہنے لگے۔

"تو۔ پہلے کاہے کو نہیں بتایا۔ ٹھیک ہے اخبار والے سے کہہ دوں گا۔ اخبار ڈال دیا کرے روزانہ۔ بل میرے پاس لے آیا کرے۔"

"ارے نہیں نہیں۔ دفتر میں اخبار مل جاتا ہے وہیں جا کر پڑھ لیتا ہوں اور صبح کو تو فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"تو گھر والے پڑھے لکھے نہیں ہیں کیا۔ لڑکیاں پڑھ لیا کریں گی۔"

"نہیں جمی۔ لڑکیوں کو اخبار پڑھنے کا شوق نہیں ہے۔"

"شوق ڈالنا پڑے گا۔ کیا سمجھے چچا میاں دنیا سے باخبر ہونا بڑا ضروری ہے۔ اب آپ کے جمی کی تصویریں چھپتی رہتی ہیں اخباروں میں۔ جمی استاد نے یہ کیا۔ جمی استاد نے وہ کیا۔ پولیس والے بھی آتے رہتے ہیں اپنے پاس۔" جمی اکڑ کر بولا۔ ثریا اور پروین کی آہٹوں کو محسوس کر چکا تھا۔ پروین کمرے سے نکل گئی تھی لیکن دروازے سے دور نہیں تھی اور جمی کو صاف اندازہ ہو گیا تھا کہ دونوں دروازے کے پیچھے موجود ہیں چنانچہ اس وقت اپنی تمام کارروائیاں سنانے کا بہترین موقع تھا۔

"پولیس والے کیوں آتے ہیں تمہارے پاس۔"

"چچا میاں سمجھداری کی بات ہے۔ ڈاکو پکڑنے ہوتے ہیں نا انہیں۔ اب آپ جانو یہ بیچارے تو بس بندوق سے گولیاں ہی چلا سکتے ہیں۔ انہیں ٹیکنیکل کہاں آتی ہے۔"

"ٹیکنیکل۔"

"ڈاکوؤں کی ٹیکنیکل۔ وہ ہمیں آتی ہے۔ اس ٹیکنیکل سے ڈاکو پکڑتے ہیں کہ ڈاکو بھی اسے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ بڑے بڑے نامی گرامی ڈاکوؤں کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کیا ہے ہم نے چنانچہ جب بھی موقع ہوتا ہے پولیس والے آجاتے ہیں کہ جمی استاد فلاں ڈاکو کو پکڑنا ہے۔ زندہ یا مردہ مگر چچا میاں اب ہم نے یہ سارے دھندے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ایمانداری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ بس دعا کرو اللہ سے کہ کوئی ڈھنگ کا بزنس سیٹ ہو جائے۔ جمی استاد اب یہ ساری باتیں چھوڑ دیں گے اور صرف جمال الدین کہلائیں گے۔ نیکی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"ہاں جمی۔ یہ بات تو ہے۔ انسان کو جہاں تک ہو سکے رزق حلال کمانا چاہئے۔"

"وہی وہی تو ہم کہہ رہے تھے۔ یعنی رزق حلال۔" چائے نہیں آئی ابھی تک اور یہ چچی جان اوئی اللہ کہہ کر بھاگیں تو ابھی

تک نہیں پلٹیں۔ کہاں گئے یہ سارے کے سارے؟ اماں چچا میاں ہماری مانو تو ابھی آرام کرو۔ ارے ہاں یہ دادی اماں بھی نظر نہیں آرہی۔ اتنے دن کے بعد آئے ہیں سب کو یہاں جمع ہو جانا چاہئے اور اگر نہیں ہو رہے تو اس کا مطلب ہے کہ جمی استاد کوئی عزت نہیں ہے اس گھر میں۔"

"نہیں اماں ذرا کام سے گئی ہیں پڑوس میں۔"

چچا میاں ایک بات کہیں آپ سے۔ یہ پڑوس سے زیادہ لاگ لگاؤ اچھا نہیں ہوتا۔ ہر طرح کے لوگ ہیں۔ گھر کی بات گھر میں رہنی چاہئے۔ باہر نہ نکلے تو زیادہ اچھا ہے۔"

"ہاں زیادہ کوئی بھی نہیں جاتا کسی کے گھر۔"

تھوڑی دیر کے بعد ثریا چائے لے کر آ گئی اور جمی استاد نے کہا۔

"لو بی بی سیب کھاؤ۔ ذرا دیکھو قندھار سے منگائے ہیں' سیدھے امپورٹ کئے تھے ہمارے ایک یار نے۔ ہم نے کہا بھیا اپنا تو یک ہی گھر ہے۔ وہاں کے لئے دے دو۔ سو دے دیئے۔"

ثریا منہ پر دوپٹہ رکھ کر باہر نکل گئی تھی۔

"چچا میاں ہماری بات پر سارے کے سارے ہنستے کیوں ہیں؟"

"پتہ نہیں۔" حکمت علی نے سرد مہری سے کہا۔ جمی چائے پینے لگا پھر بولا۔

"آپ کو دیکھنے کو دل تڑپ رہا تھا۔ دادی اماں سے سلام کہہ دیجیو ہمارا۔ بے وقت آ گئے ہیں شاید۔ پھر آئیں گے ہم۔"

"ٹھیک ہے ضرور آنا۔ اچھا خدا حافظ۔" جمی کے اٹھنے سے پہلے ہی حکمت علی نے کہہ دیا اور جمی کو اس کے بعد جاتے ہی بن ای۔

وہ اپنا کام پورا کر کے باہر نکل گیا۔ تو نسیم بیگم بلبلاتی ہوئی حکمت علی کے کمرے میں گھس آئیں۔

"آپ نے بھی آنکھیں بند کر رکھیں ہیں۔"

"ارے کیا ہو گیا ہے۔ کک کیا ہو گیا ہے؟"

"دیکھئے خدا کے لئے سنبھل جایئے۔ جوان بیٹیوں کا گھر ہے اماں بی تو اس گھر کو آگ لگا کر چھوڑیں گی۔ نہیں پنپنے دیں گی۔ یں بات میری ذلت تک تھی تو کوئی حرج نہیں تھا لیکن اب ان کی ضد نے عزت پر بنا دی ہے میری۔ جان پر کھیل جاؤں گی۔ ں بات کو دماغ میں رکھیں۔"

"خدا کے لئے آہستہ بولو۔ اماں بی سن لیں گی تو کیا ہو گا۔"

"آپ کان کھول کر سن لیجئے حکمت علی صاحب کہ اس آدمی کو آپ میرے گھر میں آنے سے منع کر دیں۔ یہ دوبارہ گھر میں آیا خدا کی قسم کچھ کر کے دکھا دوں گی۔"

"ارے بابا اسے کوئی بلانے گیا تھا۔"

"میں کہتی ہوں وہ آیا کیسے؟"

"بس آ گیا۔"

"بس آ گیا اور یہ پھل لایا ہے آپ کے لئے۔ بھیک مانگنا شروع کر دیجئے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر۔"

"بدتمیزی کر رہی ہو نسیم بیگم۔"

"ہاں آج زبان بند نہیں کروں گی۔ بدتمیزی کر کے رہوں گی۔"

"مگر تم پر مصیبت کیا پڑی ہے آخر؟"

"یہ آدمی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں میں فریب اور مکاری ہے۔ حلیہ دیکھا ہے آپ نے اس کا۔ چھٹا ہوا معاش لگتا ہے۔ شکل و صورت سے۔ میں کہتی ہوں گھر میں آئے جائے گا تو لوگ کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں۔ بچیوں کا مستقبل نہیں رہے گا۔ لوگ یہی کہیں گے کہ گھر میں بدمعاشوں کو گھسیڑ رکھا جاتا ہے اور' اور نجانے کیا کیا ہوتا ہے۔"

حکمت علی کسی سوچ میں گم ہو گئے۔ چند لمحات کچھ سوچتے رہے۔ پھر آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی پیدا ہو گئی۔ کہنے لگے۔

"نسیم بیگم کہتی تو تم ٹھیک ہو لیکن' لیکن میں بزدل ہوں۔ نسیم بیگم میں بزدل ہوں۔ میں۔ میں اپنی بچیوں کی کیسے حفاظت کروں۔ تم دیکھ لو کیا کیا کہتا پھرتا ہوں دنیا سے آہ کاش۔ آہ کاش۔" حکمت علی کی آنکھوں میں آنسوؤں کے دو قطرے لڑھک آئے اور نسیم بیگم ایک دم نرم ہو گئیں۔ چند لمحات خود بھی آزردہ کھڑی رہیں اور اس کے بعد بولیں۔

"یہ کیا شروع کر دیا آپ نے۔ میں نے اس لئے تو یہ سب کچھ نہیں کہا تھا۔"

"نہیں نسیم کوئی ترکیب کروں گا مجھے خود بھی اس کا آنا جانا اچھا نہیں لگتا مگر بس اماں بی ہیں بلاوجہ ضد پر اڑ جاتی ہیں۔ کیا کہوں۔"

"کچھ نہیں' اس سلسلے میں آپ اماں بی سے سمجھوتہ نہ کیجئے گا۔ عزت کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ ایک لمحے میں انگلیاں اٹھ جائیں گی۔ تو بچیوں کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ کس کس سے کہتے پھریں گے ہم کہ ہم شریف لوگ ہیں۔ اچھے لوگ ہیں ہمارے گھر میں کوئی برائی نہیں ہے۔ لوگ تو صرف آنکھوں سے دیکھتے ہیں کانوں سے کون سنتا ہے۔ پرکھتا کون ہے۔"

"کوئی ترکیب کروں گا میں؟"

"آپ میری بات غلط نہ سمجھیں۔ ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ میں نے یہ بات اماں بی کی دشمنی میں نہیں کہی ہے بلکہ یہ ایک سچائی ہے آپ دیکھئے گا معلوم کیجئے اس کے بارے میں۔ وہ اچھا آدمی نہیں سمجھا جاتا جو باتیں وہ کرتا ہے ان میں کہیں سے آپ شرافت محسوس ہوتی ہے۔ ایسا آدمی اس طرح بے دھڑک ہمارے گھر میں آنے جانے لگے تو یقین کیجئے عزت بچانا مشکل ہو جائے گا۔"

"ہاں ٹھیک کہتی ہوں۔ میں سمجھ رہا ہوں۔" حکمت علی صاحب نے افسردگی سے کہا۔ نسیم بیگم کو افسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے حکمت صاحب کو اس قدر دل برداشتہ کر دیا۔ وہ ان کا دکھ جانتی تھیں۔ اچھی طرح جانتی تھیں۔ حکمت علی آنکھیں بند کئے کچھ سوچتے رہے لیکن دونوں میں سے کسی کو پتہ نہیں تھا کہ فاطمہ بیگم واپس آ چکی ہیں اور دروازے کے پیچھے سے دونوں کی باتیں سن رہی ہیں۔ انہیں یہ عادت تھی اور وہ اکثر یہ کن سوئے لیتی رہتی تھیں اب انہوں نے محسوس کیا کہ آگے کی گفتگو ختم ہو گئی ہے تو کھنکھلاتی ہوئی اندر گھس آئیں۔

"اور کچھ رہ گیا بی بی میاں کے کان بھرنے کو۔ کچھ اور رہ گیا ہو تو وہ بھی کہہ دو۔ میں باہر چلی جاتی ہوں۔"

دونوں میاں بیوی سنبھل کر بیٹھ گئے فاطمہ بیگم آستین سمیٹتی ہوئی بولیں۔

"دیکھو کان کھول کر سن لو۔ میرا نام فاطمہ بیگم ہے۔ یہ میری اولاد ہے۔ لاکھ الو کا گوشت کھلا دو اسے 'میرا حق نہیں چھین سکتیں اس سے اور نہ اس گھر سے میں جانتی ہوں جمی کی مخالفت کیوں کی جا رہی ہے۔ مجھ سے لگتا ہے نہ وہ۔ دادی اماں 'دادی اماں کہتے منہ سوکھتا ہے بے چارے کا۔ ہائے تمہارے سینے پر سانپ کیوں نہ لوٹیں گے۔ جمی آئے گا اس گھر میں۔ دیکھوں کون روکتا ہے۔ اے ہاں وہ مجن بی کے خوب چاؤ چونچلے ہوتے ہیں اور۔"

"اماں بی۔" حکمت علی کرخت لہجے میں بولے اور فاطمہ بیگم چونک پڑیں کہ جانے کیوں انہیں آج حکمت علی کا لہجہ اجنبی اجنبی لگا تھا۔

فاطمہ بیگم نے حیران نگاہوں سے حکمت علی کو دیکھا۔ حکمت علی کہنے لگے۔

"تعجب بھی ہے اماں بی اور افسوس بھی۔ آپ ایک ایسے مسئلے میں برہمی کا اظہار کر رہی ہیں جس کا تعلق گھر کے ہر فرد سے ہے۔"

"اے بیٹا' جوتی اٹھا لو ہاتھ میں۔ مجھ بڑھیا کے جھونٹے پکڑ کر اٹھاؤ اور بیس لگا دو میرے سر میں۔ اب اسی کی کسر رہ گئی ہے۔"

"نہیں اماں بی' یہاں مجھے آپ سے شدید اختلاف ہے۔ آپ جانتی ہیں میں نے ہمیشہ آپ دونوں کے معاملات میں کبھی مداخلت انداز نہیں کی بلکہ میں تو اسے آپ لوگوں کا ایک ایسا مشغلہ سمجھتا ہوں جس کے بغیر آپ دونوں کا کھانا ہی ہضم نہیں ہو سکتا لیکن ذرا غور کیجئے یہاں اصل مسئلہ کیا ہے۔"

"ارے ذرا میں بھی تو سنوں کیا ہے اصل مسئلہ' جس پر تو مجھ پر غرا رہا ہے۔" فاطمہ بیگم بہرحال ماں تھیں اور حکمت علی کی آواز کو اہمیت نہیں دے سکتی تھیں۔

"اماں! جمی واقعی اچھا آدمی نہیں ہے۔ بیوقوف میں بھی نہیں ہوں کہ نگاہیں نہ سمجھ سکوں مگر کیا کروں کوئی سہارا ہی نہیں ہے سوائے اللہ کی ذات کے۔ چاروں طرف دیکھتا ہوں اپنے اطراف خالی پاتا ہوں۔ بتائیے جوان بیٹیاں ہیں ایک ایسا آدمی جو اپنے منہ سے یہ اعتراف کرتا ہے۔ چاہے وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو کہ وہ غنڈہ گردی کرتا رہا ہے۔ سیاست دانوں کے لئے بدمعاشوں کا کردار ادا کرتا ہے۔ محلے میں بھی اسے بدمعاش کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے اماں بی۔ آپ بتائیے اگر ایسا شخص ہمارے ہاں آنے جانے لگے' ہم سے اس کے اتنے گہرے تعلقات ہو جائیں کہ منہ اٹھائے اور دروازہ کھول کر اندر گھس آئے تو لوگ کیا سوچیں گے؟"

"اے تو اسے سمجھا دو۔ یہ کیا کہ محبت سے آئے اور ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دو۔"

"کیسے ہی آئے اماں بی۔ اس کا اس گھر میں آنا جانا دونوں لڑکیوں کی بدنامی کا باعث بنے گا اور کیا آپ یہ بات پسند کریں گی کہ آپ کی بیٹیاں میرا مطلب ہے پوتیاں صرف اس بات پر بیٹھی رہ جائیں کہ اس گھر میں ان کے چال چلن اچھے نہ سمجھے جائیں۔ ہم لوگوں کے۔ ہم لوگوں کو اماں بی۔"

"اے خدا نہ کرے۔ کیسا منہ کھول کر باتیں کر رہا ہے۔ حکمت علی اے یہی اندازہ لگایا ہے تو نے آج تک میرے بارے میں 'میرا ان بچیوں کے علاوہ اور کون ہے۔ بھلا ان کا برا چاہوں گی کسی طرح میں۔"

"اس وقت آپ کی جمی کے بارے میں مخالفت مجھے بہت ناگوار گزری ہے اماں بی۔ نسیم بیگم کی اس سے کوئی ذاتی دشمنی تو نہیں ہے۔ بس اس بنیاد پر کہہ رہی ہیں کہ بچیاں بدنام ہو جائیں گی۔"

"اے تو جہنم میں جائے کم بخت مارا۔ اب ذرا گھر کے دروازے سے قدم اندر رکھ کے دیکھ لے۔ اپنی بچیوں پر واری صدقے ہو جاؤں گی۔ بدنامی کا ایک لفظ بھی برداشت نہیں کروں گی۔ کوئی زبان کھول کر دیکھے گدی سے زبان کھینچ کر ہتھیلی پر نہ رکھ دی تو فاطمہ بیگم نام نہیں ہے۔"

"بس اماں بی یہ گستاخی اگر ہو گئی ہے تو صرف اس وجہ سے ہو گئی ہے کہ آپ ایک غلط بات کی موافقت کر رہی تھیں۔"

"وہ تو میاں ٹھیک ہے۔ مان لیتی ہوں ساری باتیں لیکن پتا ہے آج کی ان باتوں کا نتیجہ کیا ہو گا؟" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"کیسا نتیجہ؟"

"اے یہ بوا میرے منہ پر تھوکیں گی ہمیشہ۔ کیا سمجھے اب ان کے لئے ایک طعنہ ہو گیا۔ کہیں گی مجھ سے کہ بلا نہ لیا اپنے جمی کو میری مرضی کے خلاف۔ بس مجھے اس کا افسوس رہے گا کہ ان کے سامنے میری ہیٹی ہو گئی۔"

"نسیم آپ کے قدموں کی خاک ہے اماں بی آپ کے سامنے اس کی کوئی اوقات' اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ بات میں اس کے سامنے ہی کہہ رہا ہوں۔ آپ میری ماں ہیں اور وہ بیوی۔ شوہر کی حیثیت سے میں اس کے سارے حقوق پورے کرنے کے لئے تیار ہوں اور صرف ایک حق مانگوں گا اس سے کہ یہ چاؤ چونچلے اپنی جگہ۔ جو آپ لوگوں کے درمیان ہوتے رہتے ہیں لیکن میری ماں کے احترام میں کبھی کوئی فرق نہ آئے۔ میری ماں کو میری ماں سمجھا جائے۔ اس سے زیادہ میں اگر نسیم بیگم سے کچھ

مانگوں گا تو اسے اپنی زیادتی تصور کروں گا۔ نسیم بیگم سن رہی ہو تم۔ ساری باتیں اپنی جگہ؟"

"لیجئے تو کیا میں اماں ہی کی دشمن ہوں۔ میری ماں کی جگہ ہیں سچی بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ ایک دوسرے سے جب تک نہ نہیں مارتے بدن ڈھیلا ڈھیلا رہتا ہے کیوں اماں میں غلط کہہ رہی ہوں۔"

فاطمہ بیگم نے قہقہہ لگایا آگے بڑھیں اور نسیم بیگم کا سر سینے سے لگا لیا۔ "تو میں نے تجھے کب غیر سمجھا ہے۔ اب منہ میں گھنگنیاں دیئے بیٹھی رہوں کیا۔ کچھ نہ کچھ بولیں ہم ساس بہوئیں تو منہ کے ابخرات نکلتے ہیں ورنہ بیٹھے بیٹھے منہ نہ سڑ جائے۔"

حکمت علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی کہنے لگے۔ "نہیں نہیں آپ لوگ اپنی ورزش جاری رکھا کریں۔"

کمرے میں پروین اور ثریا کا قہقہہ گونج اٹھا۔ دونوں یہ باتیں سن رہی تھیں۔ چھوٹے سے گھر میں بھلا کوئی بات کہیں چھپتی ہے لیکن آج بہت عرصے کے بعد نسیم بیگم کا سر فاطمہ بیگم کے سینے سے لگا دیکھ کر دونوں کو شدید حیرانی بھی ہو رہی تھی اور ہنسی بھی آ رہی تھی۔ یہ جو کچھ ہوا تھا وہ تو ہوا ہی تھا لیکن بیچارے جمی کا اب یہاں سے یقینی طور پر بائیکاٹ ہو گیا تھا۔ بھلا فاطمہ بیگم کے سامنے جمی صاحب کی حیثیت ہی کیا تھی۔

❋

سفید رنگ کی قیمتی کار گلی کے سامنے آ کر رکی۔ سامنے کے حصے میں باوردی ڈرائیور بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلے حصے میں سدرا اختیار بیگ اپنی انتہائی خاص اور رازدار دوست کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے کہا۔

"یہی گلی ہے۔"

"بالکل۔"

"کار اندر لے چلو۔"

"موڑ کر واپس نہیں لائی جا سکتی۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ ریورس میں واپس لے جانا اور اس کے بعد ہم لوگ وہیں آ جائیں گے بلکہ گاڑی وہیں کھڑی رکھنا، لوگ بہت دیر تک نہیں رکیں گے۔"

"جی بی بی جی۔" ڈرائیور نے جواب دیا اور کار گلی میں داخل ہو گئی۔ اتنی قیمتی کار اس گلی میں اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ نگاہیں اس کا تعاقب کرتی رہیں اور پھر وہ کلیم احمد صاحب کے مکان کے سامنے رک گئی۔ سدرا نے مکان کا نمبر پڑھا اور اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی سے بولی۔

"یہی ہے' بالکل یہی ہے۔"

"توبہ توبہ۔" دوسری لڑکی نے ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔

"حنا بکواس بالکل بند۔ کیا سمجھیں؟"

"جناب عالی بالکل بند۔ بھلا حنا کی مجال کہ وہ کوئی بکواس کرے۔" دوسری لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا اور ڈرائیور نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ سدرا بڑے نازو انداز سے نیچے اتری دوسری جانب سے حنا بھی نیچے اتر آئی اور پھر وہ دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔ حنا نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"لگتا ہے باؤلے گاؤں میں اونٹ آ گیا۔ دیکھو گردنیں کس طرح لمبی ہو گئی ہیں سارے کے سارے اسی سمت دیکھ رہے ہیں۔"

"اونہہ' اس قسم کے چھوٹے علاقوں میں تجسس بہت زیادہ ہوتا ہے۔ تم توجہ کیوں دے رہی ہو۔ چلو دروازہ بجاؤ۔"

"توبہ توبہ۔ یہ دروازہ ہے" حنا نے کہا پھر جلدی سے سنبھل کر بولی۔ "سوری سوری" اس نے دروازہ بجایا۔ چند لمحات بعد رقیہ خاتون نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی سفید بگلے جیسے رنگ کی لمبی کار اور دو حسین لڑکیاں دیکھ کر ان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سدرا نے فوراً ہی رقیہ خاتون کو سلام کیا تھا۔ چہرے پر شکیل کے نقوش نمایاں محسوس ہوئے تھے۔ ایک لمحے میں اس نے اندازہ لگا لیا کہ شکیل کی والدہ ہی ہو سکتی ہیں۔ شاطر لڑکی تھی۔ زمانے کو اچھی طرح دیکھے ہوئے' پرکھے ہوئے' بڑے اد

سلام کیا تھا اور رقیہ خاتون نے فوراً ہی خود کو سنبھال کر اس کا جواب دیا۔

"خاتون کیا شکیل احمد صاحب اسی مکان میں رہتے ہیں؟"

"جی بیٹی۔"

"کون ہے رقیہ؟" اندر سے کلیم احمد صاحب کی آواز ابھری۔

"دو بچیاں مہمان آئی ہیں۔"

"آپ ہمیں اندر آنے کی اجازت دیں گی آنٹی۔"

"آؤ بھئی آؤ معاف کرنا میں ذرا الجھ گئی تھی۔ تم لوگوں کو چونکہ پہچانتی نہیں ہوں اس لئے فوراً ہی اندر آنے کی دعوت نہ دے سکی۔ آؤ بیٹے آؤ" انہوں نے احترام سے کہا اور دونوں لڑکیاں اندر داخل ہو گئیں۔ کلیم احمد صاحب بیساکھی ٹیکتے ہوئے آگے بڑھے اور لڑکیوں کو دیکھ کر وہیں ٹھٹک گئے۔ دونوں لڑکیوں نے کلیم احمد صاحب کو سلام کیا تھا۔ جو کچھ بھی تھا لیکن شخصیت کلیم احمد صاحب کی بھی کافی پروقار تھی چنانچہ لڑکیاں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ کلیم احمد صاحب نے سلام کا جواب دیا اور سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔

"آؤ بیٹی' بیٹھو۔" رقیہ خاتون نے نشست گاہوں کی جانب اشارہ کیا سدرا اور حنا بے تکلفی سے بیٹھ گئیں۔ سدرا نے کہا۔

"آنٹی آپ یقیناً حیران ہوں گی کہ ہم لوگ کون ہیں پہلے کبھی یہاں کیوں نہیں آئے اب ہم آپ کو تفصیل بتائے دیتے ہیں۔ میرا نام سدرا ہے۔ میرے والد کا نام اختیار بیگ ہے۔ یہ میری دوست حنا ہے۔ دراصل آنٹی پرسوں میری سالگرہ ہے۔ میں آپ کو اور صاحب کو مدعو کرنے آئی ہوں۔ یہ کارڈ ہے' اصولی طور پر مجھے شکیل صاحب کے دفتر میں یہ دعوت نامہ دینا چاہئے تھا لیکن میرے والد نے کہا کہ جب شکیل میاں کا ایک گھر ہے' والدین ہیں اس کے تو پھر دعوت نامہ اس کے گھر جا کر دیا جائے کہ یہی صحیح ہوتا ہے۔"

"بیٹی! آپ شکیل کو کیسے جانتی ہیں۔ کیا آپ ان کے مالک کی بیٹی ہیں؟"

"ارے نہیں نہیں' شکیل احمد صاحب نے تو اپنی مختصر سی ملازمت کے دوران ایسی دھوم مچائی ہے انکل کہ جدھر دیکھئے ان کا ڈنکا بجتا ہے۔ کاروباری حضرات یہ سوچتے ہیں ان کے بارے میں کہ کاش شکیل احمد صاحب ان کے ہاں ملازم ہوتے۔ اتنا عظیم انسان ہے وہ کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی انکل۔ ذہانت کا پہاڑ۔ آپ یقین کیجئے میرے والد ان سے اس قدر متاثر ہیں کہ افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کاش شکیل ان کے ہاں ملازمت کر لیتے ہم سب شکیل صاحب کی بے پناہ عزت کرتے ہیں اسی بنیاد پر ان سے شناسائی ہے۔ آپ اس شناسائی کو دوستی کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ اب تو آپ کو ہمارا پورا اتہ پتا معلوم ہو گا۔"

"ہاں ہاں بیٹی۔ کیوں نہیں۔ بہت بہت شکریہ۔ بہت بہت شکریہ۔ بدقسمتی ہے ہماری بیٹی کہ ہمارے اور تمہارے درمیان طویل فاصلہ ہے۔ غربتوں اور امارتوں کا فاصلہ یہ نہ محسوس کرنا کہ میں یہاں بیٹھ کر ان ناکام انسانوں کی مانند گفتگو کر رہا ہوں جو کچھ نہیں ہوتے اور نہیں کر پاتے تو کم از کم انہیں گالیاں دینے میں مصروف ہو جاتے ہیں جو ان سے بہتر حالت میں ہوتے ہیں میں ایسا نہیں کر رہا خدا تمہیں اس سے بھی کہیں زیادہ دے۔ یقینی طور پر تقدیر کا تعین ہوتا ہے اللہ کی طرف سے۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ لوگوں کا اندازہ ایسا ہی ہوتا ہے ایک دولت مند آدمی کسی غریب کو اہمیت نہیں دیتا اور غریب آدمی اس کی دولت مند آدمی تک نہیں پہنچ پاتا کہ وہ اس سے حسد کرتا ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے میں ان حقیقی فاصلوں کا ذکر کر رہا تھا۔"

"جی انکل۔ آپ کا فرمانا درست ہے لیکن ایک مثال بھی ہے وہ یہ کہ کہیں کہیں کیچڑ میں بھی پھول کھل آتے ہیں کہیں کہیں مٹی میں بھی ہیرے ملے ہوتے ہیں۔ شکیل صاحب کے واسطے سے ہم آپ تک پہنچے ہیں اور آپ کا احترام بھی ہمارے دلوں میں ہے جتنا شکیل احمد صاحب کا یہ دعوت نامہ قبول فرمائیے اور آنٹی آپ اور انکل' میں آپ دونوں سے درخواست کرتی ہوں کہ میری سالگرہ میں ضرور تشریف لائیے۔ شکیل صاحب سے براہ راست ملاقات ہو گی تو بھی میں ان سے یہی کہوں گی کہ آپ دونوں کو ساتھ لے کر آئیں۔"

"بہرحال بہت بہت شکریہ۔ اچھا یہ بتاؤ کیا پیو گی؟"
"آنٹی میں چائے پیؤں گی۔" سدرا نے بے تکلفی سے کہا۔
"میں بھی آنٹی چائے پیؤں گی۔" حنا بحالت مجبوری سدرا کی ہاں میں ہاں ملاتی ہوئی بولی۔
"زندہ باد۔۔۔ صحیح معنوں میں یہاں جی خوش کیا ہے تم نے بیٹے۔۔۔ رقیہ خاتون جایئے چائے بنایئے۔" کلیم احمد صاحب نے کہا۔
"ابھی بس ایک منٹ میں۔" رقیہ خاتون نے کہا اور اٹھ کر باورچی خانے کی جانب چلی گئیں۔
"آنٹی بس چائے کا پانی رکھ کر آجایئے آپ۔ باتیں ہو جائیں گی اتنے میں چائے تیار ہو جائے گی۔" سدرا انتہائی بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہی تھی اور حنا حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کلیم احمد صاحب کہنے لگے۔
"اور بیٹے آپ کے کیا مشاغل ہیں؟"
"بس انکل گریجویشن کرنے کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔"
"کیوں؟"
"بس جی نہیں لگتا۔ سچی بات ہے۔" سدرا نے جواب دیا۔
"ہوں۔۔۔ ٹھیک اختیار بیگ صاحب کو میرا بھی سلام کہہ دیجئے اور اس عزت افزائی کے لئے انتہائی شکریہ ادا کیجئے۔ ویسے شکیل سے تو آپ کی ملاقاتیں ہوتی ہی رہتی ہوں گی۔"
"بہت کم انکل بہت ہی کم۔"
سدرا نے بڑے بے تکلفی کے انداز میں یہاں چائے پی اور اس کے بعد اجازت لے کر باہر نکل گئی۔ کلیم احمد صاحب بیساکھی ٹکاتے ہوئے دروازے تک آئے تھے اور سدرا کو خدا حافظ کہا تھا۔ ڈرائیور نے احترام سے دروازے کھولے اور کار ریورس ہو کر واپس چلی گئی۔ کلیم احمد صاحب خاموش کھڑے ہوئے کار کو دیکھ رہے تھے۔ رقیہ خاتون ان کے پیچھے تھیں۔ جب کار گلی سے باہر نکل گئی تو کلیم احمد صاحب نے مسکرا کر رقیہ خاتون کو دیکھا اور دروازہ بند کر دیا۔
"ہمارے شکیل کے تعلقات بڑے بڑے لوگوں سے بڑھتے جا رہے ہیں۔"
"کسی اچھے گھرانے کی بچیاں تھیں اور لوگ بھی عزت دار ہی معلوم ہوتے ہیں۔ جنہوں نے یہاں تک آنے میں کوئی عار نہیں محسوس کی۔"
"ہاں اور اب ظاہر ہے کہ ہم انہی دقیانوسی لوگوں کی طرح گفتگو کریں گے جو ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ضروری بھی ہے ورنہ سینے میں سانس نہیں سمائے گی۔"
"کیا مطلب۔" رقیہ خاتون حیرانی سے بولیں۔
"بس کیا بتایا جائے۔ خود اپنی باتوں پر شرم آتی ہے بعض اوقات' لیکن انسان کیا کرے۔ زمانے ہی کی کہانیاں ہیں۔ زمانے ں میں نہ دہرائی جائیں گی تو پھر انہیں کہاں لے جائیں گے۔" کلیم احمد صاحب بیساکھی دیوار سے ٹکا کر بیٹھ گئے۔
"آپ کچھ پریشان ہو گئے۔"
"ہاں" کلیم احمد صاحب نے اعتراف کیا۔
"کیوں؟"
"میں سوچتا ہوں کہ وقت بہت بڑی شکل اختیار کر گیا ہے۔ بڑی آسانی سے کسی کی عزت کی جانب انگلی اٹھادی جاسکتی ہے۔ ؛بچی جس نے اپنا نام سدرا بتایا تھا اچھی ہے۔ خصوصیت یہ ہے کہ بہت بڑے گھرانے کی فرد ہونے کے باوجود چھوٹے گھروں ے نفرت نہیں کرتی۔ اطمینان سے بیٹھ گئی۔ اطمینان سے چائے پی حالانکہ ہمارے ہاں برتن بہت اچھے ہیں لیکن ان لوگوں کے ں اس سے کہیں زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ اس نے نظر بھی نہیں ڈالی جبکہ میں دوسری لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ جس کا نام حنا تھا۔ وہ یک بڑے گھرانے کی صحیح نمائندہ تھی۔ چائے کی پیالی ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے اس نے بڑی ہچکچاہٹ کا اظہار کیا تھا اور پھر پنی سہیلی کو دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔ دراصل میں نے بہت گہری نگاہوں سے ان دونوں کا جائزہ لیا اور اس وجہ سے ذرا سی

الجھن میں پڑ گیا۔"

"آخر کیسی الجھن۔" رقیہ خاتون نے پوچھا۔

"بس بقول سدرا کے کیچڑ کا پھول' مٹی کا ہیرا جو کچھ بھی ہے شکیل ہماری زندگی میں اکیلا ہی ہے۔ ہمارے پاس تو اس کا کوئی بدل بھی نہیں ہے۔ بھٹک گیا تو ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ میں لنگڑا آدمی کیا کروں گا اور رقیہ خاتون تم کیا کروں گی۔ دیکھو ایک احمقانہ سوچ ہے میرا مذاق مت اڑانا۔ بس نجانے کیوں میرے ذہن میں یہ خیال آیا ہے کہ شکیل کی بلندیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ ایسے ایسے لوگ اس تک پہنچ رہے ہیں۔ اچانک ہی میرے ذہن میں اس کی شخصیت کا ایک خاکہ مرتب ہوا ہے۔ یعنی اس وقت کے بعد سے اب تک کا وہ وقت جب سے اس نے ملازمت کی ہے وہ گھر آتا ہے' تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بحالت مجبوری آیا ہو۔ جیسے اب اسے یہ سب کچھ برا لگتا ہو۔ آج تک تو اس پر غور نہیں کیا تھا اب غور کر رہا ہوں کہ وہ مجھے اس ماحول سے کچھ اکتایا اکتایا سا محسوس ہوتا ہے۔ کیا اس کی وجہ یہ روشن زندگی ہے؟ اگر وہ صرف دفتر کا ایک ملازم ہوتا اور اس کی حیثیت نہ ہوتی جس کا اظہار اس لڑکی نے کیا ہے تو کوئی تردد کی بات نہیں تھی اگر اتنے اتنے بڑے لوگوں کے درمیان وہ اس قدر اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ وہ لوگ اپنی بیٹیوں کو اس کے گھر تک بھیج دیتے ہیں رقیہ تو یقین کرو زمانے کے بارے میں میری معلومات کہتی ہیں کہ اسے خطرہ ہے۔ ہمیں خطرہ ہے۔ کہیں کوئی اس پر تسلط نہ جمالے۔ کہیں کوئی اس پر قابو نہ پالے۔"

رقیہ بیگم نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ جو کچھ بھی ہے ہمارا اپنا ہے۔ ہمارا خون ہے۔ کیا آپ کو اپنے آپ پر اعتماد نہیں ہے۔ کیا آپ کا شکیل ایسا ہو سکتا ہے؟"

"بالکل نہیں۔" خدا کی قسم بالکل نہیں لیکن زمانہ ایسا ہو سکتا ہے۔ خیر میں ایک بلاوجہ کی بحث میں الجھ گیا ہوں۔ مجھے بحث نہیں کرنی چاہئے۔ غلط باتیں کر رہا ہوں۔ خوامخواہ آپ کے ذہن کو بھی الجھا دیا۔"

"نہیں۔۔۔ آپ کی الجھن کو میں بھلا نظر انداز کر سکتی ہوں۔ بات کروں گی میں شکیل سے اس مسئلے میں' آپ بالکل فکر کریں۔"

وہ انتظار کرتے رہے۔ شکیل معمول کے مطابق گھر آگیا اور وہ تمام ضروریات پوری کرنے لگا جو گھر میں پوری کی جاسکتی تھیں آج بھی جلدی آگیا تھا۔ کلیم احمد صاحب اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ لباس وغیرہ تبدیل کیا رقیہ خاتون نے پوچھا۔

"یہ بتاؤ چائے پیو گے؟"

"ہاں۔ پلایئے۔ حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے پی تھی مگر سچی بات یہ ہے امی کہ گھر کی چائے گھر کی ہوتی ہے"

"بیٹھو میں لے کر آتی ہوں۔" شکیل نے کلیم احمد صاحب کو دیکھا مسکرایا اور بولا۔

"خیریت ابو' آج آپ کے چہرے پر ذرا کچھ سنجیدگی طاری ہے۔"

"ہاں بیٹے' ایک ذرا سی الجھن پیش آگئی ہے۔ تم سے اس سلسلے میں مشورہ کرنا ہے۔"

"کیسی الجھن ابو۔"

"اپنی امی کو آجانے دو۔" کلیم احمد صاحب بولے اور رقیہ خاتون چند لمحات کے بعد چائے کے برتن لے کر یہاں پہنچ گئیں۔

"خیریت امی کیا بات ہے۔ کیا ہوگیا؟" شکیل نے حیرانی سے پوچھا اور رقیہ بیگم مسکرا پڑیں۔

"بھئی تمہارے ابو تمہاری طرف سے فکر مند ہوگئے ہیں۔"

"میری طرف سے؟"

"ہاں۔ ایک منٹ رکو میں ایک چیز لا کر تمہیں دکھاتی ہوں۔" رقیہ خاتون نے کہا اور اندر سے وہ خوبصورت دعوت نامہ لے آئیں جو سدرا دے کر گئی تھی۔ انہوں نے وہ دعوت نامہ شکیل کے ہاتھ میں تھما دیا۔ شکیل حیرانی سے پہلے لفافے کو اور پھر اس کے اندر رکھے ہوئے کارڈ کو دیکھنے لگا اور پھر بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ۔۔۔ یہ کون لایا تھا یہاں۔ یہاں کیسے آگیا۔؟"

"دو لڑکیاں آئی تھیں ان میں سے ایک کا نام سدرا تھا دوسری کا نام حنا۔ سدرا کی سالگرہ ہے وہی دے کر گئی تھی اور بڑی تاکید کر گئی تھی کہ ہم دونوں بھی اس کی سالگرہ میں شرکت کریں۔"

"میرے خدا۔۔۔ واقعی۔ کیا ایسا ہی ہوا ہے۔ سدرا یہاں آئی تھی امی؟"

"ہاں۔ کون ہے بیٹے یہ؟

"ایک کروڑپتی باپ کی بیٹی۔ محترمہ سدرا اختیار بیگ۔" شکیل نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری دوست ہے؟"

"نہیں ابو"

"کیا مطلب"

"میری دشمن۔" شکیل نے جواب دیا اور کلیم احمد صاحب حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے پھر انہوں نے رقیہ خاتون کو دیکھا۔

"بھئی ذرا کچھ سمجھاؤ۔"

"جی ابو بتاتا ہوں۔ پرلطف بات ہے لیکن ابو میں اس سالگرہ میں جاؤں گا ضرور۔ ضرور جاؤں گا۔"

"قصہ کیا ہے؟"

"قصہ یہ ہے ابو کہ جس جگہ میں ملازمت کرتا ہوں' جس فرم کے معاملات میں دیکھتا ہوں اس کی مالک ایک خاتون ہیں۔ خاتون سلطانہ جمالی۔ یہ خاتون سلطانہ جمالی بہت دولت مند خاتون ہیں۔ بہت بڑا کاروبار پھیلا ہوا ہے ان کا دنیا کے مختلف حصوں میں لیکن بیچاری خاتون ہیں۔ اس لئے لوگ یہ سمجھتے ہیں کے ان کی دولت آسانی سے ہضم کی جاسکتی ہے۔ سلطانہ جمالی نے مجھ پر یہ ذمہ داری ڈالی کہ میں ان کے سارے اکاؤنٹس چیک کروں اور یہ معلومات کروں کہ ان کے کس پارٹنر نے گھپلا کیا ہے۔ ابو آپ جانتے ہیں کہ جو کام میرے سپرد کیا جائے میں اسے پوری ذمہ داری کے ساتھ سرانجام دیتا ہوں۔ میں نے جو کچھ معلومات کیں وہ بڑی عجیب و غریب تھیں۔ سلطانہ جمالی کے کروڑوں روپے مختلف لوگوں نے ہتھیائے ہوئے ہیں اور ان حسابات میں غلط سلط اندراج کر کے ان پر قبضہ جمایا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں میرا پہلا شکار جناب اختیار بیگ صاحب تھے۔ دو سے لے کر ڈھائی کروڑ روپے تک کا غبن کیا ہے انہوں نے اس کاروبار میں سے اور انہیں دے دیا گیا ہے اس سلسلے میں نوٹس چنانچہ میرا یہ خیال ہے کہ اب وہ یہ ذریعہ استعمال کر رہے ہیں' خوب۔۔۔ خوب" کلیم احمد صاحب کے چہرے پر ایک حیرت آمیز خوشگوار مسکراہٹ پھیل گئی انہوں نے کہا۔

"واہ یہ تو ایک دلچسپ واقعہ ہے تو تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ تم سے راہ و رسم بڑھانا چاہتے ہیں۔"

"جی ابو۔"

"مگر بیٹے' اب تم کیا کرو گے اس سلسلے میں۔"

"میں ان سے راہ و رسم بڑھاؤں گا ابو لیکن آپ نے مجھے دیانت کا سبق دیا ہے۔ جب سچ' سچ ہے تو وہ سچ رہے گا اور اچھا ہے کہ ان سے قربت حاصل کر کے میں یہ معلوم کر سکوں گا کہ ان کے اندر کیا ہے دیکھئے نا مالک کی وفاداری تو ضروری ہوتی ہے۔ بھلا دو ڈھائی کروڑ کا نقصان میں سلطانہ جمالی صاحبہ کو کیسے پہنچا سکتا ہوں۔ بہرحال لطف رہے گا۔ یہ واقعہ تو واقعی بہت سب رہا۔"

کلیم احمد صاحب نے تشویش سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔ "تمہارا عمل بالکل درست ہے بیٹے لیکن ہوشیار بھی رہنا ہے گا۔"

"کس سے"

"بھئی ان دولت مندوں کے ہتھکنڈے بھی بڑے خراب ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس سلسلے میں ناکام رہ کر وہ تمہارے ہی ن بن جائیں۔"

"ابو' سچائیوں سے تو ہمیشہ دشمن ہی کی جان جاتی رہی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ میں یہ ملازمت چھوڑ دوں۔ یا پھر اختیار صاحب کا حکم مان لوں۔ وہ میرے دشمن کیوں بنیں گے معاملہ ان کا اور سلطانہ جمالی کا ہے۔ مجھے بھلا اس سلسلے میں فریق ں بنا دیا جائے گا۔"

"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔ بہرحال درمیانہ گفتگو کرنا بھئی سوری، شکیل ویری سوری۔۔۔"

"کس سلسلے میں ابو؟"

"سدرا اختیار بیگ کو دیکھ کر ہم لوگ تشویش کا شکار ہو گئے تھے۔"

"کیوں؟" شکیل ہنس کر بولا۔

"بس بیٹے نجانے کیوں یہ لگا تھا جیسے وہ تم سے بہت زیادہ قریب ہو گئی ہو اور ہمارے تمہارے درمیان فاصلہ آنے لگا ہو۔"

شکیل ہنسنے لگا پھر بولا۔ "نہیں ابو۔ روشنی زندگی میں ایک بہت بڑی حیثیت رکھتی ہے لیکن اگر روشنی کی جانب سفر کیا جائے تو کیا ان کے بغیر جن کے ساتھ زندگی کے سفر کا آغاز کیا جاتا ہے۔"

کلیم احمد صاحب نے بیساکھی کی جانب ہاتھ بڑھایا اور شکیل نے جلدی سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ کلیم احمد صاحب اس کا سہارا لے کر اٹھے اور دونوں بازو پھیلا کر اسے سینے میں بھینچ لیا یہ ان کا اعتماد ان کی طمانیت کا اظہار تھا۔

* * *

"جمیل احمد صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بندرگاہ سے واپسی کے راستے پر چل پڑے۔ آج کوئی کارگوشت جیسٹی سے نہیں لگا تھا اور جس فرم کے لئے وہ ٹیلی کلرک کا کام کر رہے تھے اس فرم کے سپروائزر نے ان سے کہا تھا کہ آج چھٹی کر لیں۔ جمیل احمد صاحب مطمئن تھے کام بھی بہت زیادہ مشکل نہیں تھا۔ بس ذرا مستعدی دکھانی پڑتی تھی اور اب وہ اس کام کو پوری طرح سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگے تھے تو انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ تین ماہ کے بعد انہیں مستقل کر دیا جائے گا۔ سپروائزر وغیرہ ان کے کام سے بے حد مطمئن تھے اور ان پر اعتماد کرنے لگے تھے بہرحال جمیل احمد صاحب اس بات کی توقع کرتے تھے کہ مستقل ہونے کے بعد ان کی تنخواہ شروع ہو جائے گی۔ اندازہ ہو گیا تھا کہ کام آسان ہے اور انہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔"

بندرگاہ سے باہر نکل آئے تھوڑے ہی فاصلے پر بس اسٹاپ تھا۔ اس جانب چل پڑے۔ اچانک ہی انہیں غلام قادر نظر آ گیا۔ دو آدمیوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا اور اس کے بعد اس نے ان دونوں سے ہاتھ ملا کر انہیں رخصت کر دیا اور بس اسٹاپ کی جانب چل پڑا۔ اس نے ابھی تک جمیل احمد صاحب کو نہیں دیکھا تھا۔ جمیل احمد صاحب نے خود ہی آگے بڑھ کر اسے سلام کیا تو غلام قادر چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"اوہو جمیل چچا۔ کہئے کیسے مزاج ہیں آپ کے۔ خیریت سے تو ہے، یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"بس غلام قادر میاں، ایک نوکری تلاش کی ہے یہاں۔ کام کرنے آیا تھا۔"

"ارے ارے اچھا۔ آیئے چائے پلاؤں آپ کو۔ چائے کی طلب ہو رہی ہے۔"

"تکلف نہ کرو۔"

"نہیں جمیل چچا آیئے۔" غلام قادر نے کہا اور بے تکلفی سے ان کے ہاتھ کی انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر سامنے نظر آنے والے ایک ریسٹوران کی جانب بڑھ گیا۔

"کہئے اب تو آپ کا شہباز ٹھیک جا رہا ہے۔ بھئی سچی بات یہ ہے کہ بچہ بڑا محنتی ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ بالی عمر ہے، ابھی تک نہیں سوچا تھا لیکن اب تو آپ یقین کریں منڈی میں نام لیا جانے لگا ہے اس کا۔"

"جی" جمیل احمد صاحب نے ویران نگاہوں سے غلام قادر کو دیکھا۔ دونوں ہوٹل تک پہنچ گئے تھے۔ غلام قادر نے ان کے لئے کرسی کھسیٹی اور خود بھی سامنے بیٹھ گیا۔

"بس چچا میاں، اللہ سب کو رزق عطا فرمائے آمین۔ میں نے سوچا محلے کا بچہ ہے اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ بڑی لمبی شناسا ہے ہماری اتنا سا کام کر دیا بچے کا تو ہم پر کونسی مصیبت آ گئی۔ اب وہ خود اپنا نام پیدا کرے گا۔ ویسے چچا ایک بات بتا دوں اگر اسی محنت سے کام کرتا رہا تو قسم اللہ کی سارے دھندے بھول جاؤ گے۔ اماں چچا، مجھے تو اس ماحول ہی سے اختلاف ہے۔"

جمیل احمد صاحب کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ ٹکر ٹکر غلام قادر کی صورت دیکھ رہے تھے۔ غلام قادر نے چٹکی بجا کر ویٹر کو اشارہ کیا اور دو چائے لانے کے لئے کہہ دیا پھر بولا۔ "یہاں منڈی کا جو دھندہ ہے نا چچا یقین کرو روز کا دھندہ ہے اور آدمی محنت کر لے تو اللہ کے فضل سے اتنا کما لیتا ہے کہ بڑھاپا مزے سے گزرے۔ بس دعائیں دینا ہمیں اگر تمہارا شہباز کچھ بن جائے تو۔۔۔"

"لل۔۔۔ لیکن غلام قادر میاں، میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں شہباز کا اس سے کیا تعلق۔"

"تو سچ کہہ رہے ہو جمیل احمد چچا۔"

"کیا؟"

"میاں وہ تو منڈی میں کام کر رہا ہے کئی دن سے۔ کیا شام کو سبزی اور پھل وغیرہ نہیں لے کر جاتا۔ آڑھتیوں کا کھاتا لکھنے کے لئے بیٹھا دیا ہے۔ سب ہی کچھ نہ کچھ دیتے ہیں اور شام کو پھل فروٹ اور سبزی الگ مل جاتی ہے۔ میں نے ہی تو لگایا ہے اسے دھندے سے۔ پہنچ گیا تھا ایک دن منڈی میرے پاس۔ کہنے لگا غلام قادر چچا کچھ کام کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا بیٹا یہاں میز کرسی تو ملے گی نہیں۔ تھلوں پر بیٹھ کر اگر آڑھتیوں کا کام کرنا ہے تو کرو۔ تیار ہو گیا۔ بیٹھا دیا میں نے اپنے بل پر۔ اب تو ایک دو دن میں اسے لائسنس بھی مل جائے گا۔ تھلوں پر بیٹھے گا۔ آمدنی اور بڑھ جائے گی۔ ویسے بھی بڑا محنتی بچہ ہے۔ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ چچا کبوتر وغیرہ سب بیچ دیئے ہیں۔ وہ تو سب ایسے ہی مذاق میں پال لئے تھے۔ اب کام کروں گا اور ایک بات کہوں جمیل چچا برا نہ مانو تو۔"

جمیل احمد صاحب کی تو آواز ہی بند ہو گئی تھی۔ وہ لمحات یاد آ گئے تھے جب فریدہ بیگم نے پھل لا کر رکھے تھے اور انہوں نے معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ پھل اٹھا کر باہر پھینک دیئے تھے اور نجانے کیا کیا کہہ ڈالا تھا شہباز کو لیکن، لیکن یہ صورتحال بالکل ہی مختلف تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے غلام قادر کو دیکھ رہے تھے۔

"اب تم بھی چچا یہاں کام کرنے لگے ہو۔ ایسا کرو بیٹی کی نوکری چھڑا دو۔ اچھا نہیں ہوتا چچا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ سارے محلے والے اس کی عزت کرتے ہیں۔ اس کی طرف کسی کی میلی نگاہ نہیں اٹھتی مگر چچا بیٹیوں کا گھر سے باہر نکلنا اچھا نہیں ہوتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تھوڑے دن اور گزر جانے دو شہباز ہزاروں میں کھیلے گا ہزاروں میں۔ یہ میری ضمانت ہے۔ تم بھی جو کچھ کر رہے ہو اللہ تمہیں کامیاب کرے مگر بس یہ بھتیجے کی درخواست ہے۔ اچھا نہیں لگتا چچا لڑکیوں کا گھر سے باہر نکلنا۔ ان کا ٹھکانہ تو گھر میں ہونا چاہئے۔"

اچانک ہی جمیل احمد صاحب کے سینے میں مسرت کی ایک لہر اٹھی یہ تبدیلیاں تو وہ محسوس کر رہے تھے غور نہیں کرتے تھے۔ واقعی اب چھت پر شہباز کی سیٹیاں نہیں گونجتی تھیں۔ وہ سارا دن چھت پر نہیں گزارتا تھا۔ انہوں نے تو یہی سوچا تھا کہ چونکہ اب وہ خود گھر یا محلے میں نہیں رہتے اس لئے شہباز کی حرکتوں سے ناواقف ہوتے ہیں لیکن غلام قادر نے جو کچھ کہا تھا وہ تو انتہائی مسرت کا باعث تھا۔ بیٹے کا دبا ہوا پیار دل میں طوفان کی طرح اٹدا اور وہ انتہائی مسرور ہو گئے۔ اتنے مسرور کہ جب غلام قادر نے چائے کے پیسے دینے چاہے تو انہوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں غلام قادر میاں، میرے چھوٹے ہو یہ فرض مجھے ہی پورا کرنے دو" غلام قادر ہنس کر بولا۔

"اماں چچا میاں ایسی کونسی بڑی بات ہے مگر چلو تمہارا حکم سر آنکھوں پر۔ کہاں جا رہے تھے اس وقت؟"

"بس گھر ہی جا رہا تھا۔"

"اچھا اچھا۔ تو پھر آؤ اٹھیں۔ تمہاری بس دوسری ہے میں تو منڈی جاؤں گا۔"

ایک لمحے کے لئے جمیل احمد صاحب کا جی چاہا کہ غلام قادر کے ساتھ منڈی چلے جائیں۔ شہباز کو ایک نئے روپ میں دیکھیں لیکن اس وقت مناسب نہ سمجھا۔ البتہ خوشیوں میں ڈوبے ہوئے گھر کی جانب چل پڑے۔ دل میں نجانے کیا کیا تصورات باندھ رہے تھے شہباز منڈی میں کام کر رہا ہے۔ کیوں، آخر کیوں؟ ایسا کیسے ہو گیا؟ اس کے اندر یہ تبدیلی کیسے رونما ہو گئی؟ نجانے کیا کیا سوچیں ذہن میں لئے گلی میں داخل ہوئے اور پھر گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ دستک دینے پر فریدہ بیگم نے دروازہ کھولا اور انہیں دیکھ کر چونک پڑیں۔

"خیریت۔۔۔ خیرت سے تو ہیں نا آپ؟"

"بالکل خیریت سے ہوں۔ اللہ کا شکر ہے۔" جمیل احمد صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا اور انہیں مسکراتے دیکھ کر فریدہ بیگم کے چہرے پر سکون کی پرچھائیاں نظر آئیں۔

"اللہ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ نجانے کیا بات ہوگئی۔"

"بات تو ہوئی ہے فریدہ بیگم لیکن ڈرنے کی نہیں ہے۔ اصل میں دفتر کا معاملہ تو یہ ہے کہ آج کوئی جہاز برتھ سے نہیں لگا تھا۔ تو ہماری چھٹی ہوگئی لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ قابل غور ہے۔"

"اللہ خیر کرے۔"

"اللہ نے خیر ہی کی ہے۔ اصولی طور پر تو ہمیں مٹھائی لے کر گھر میں داخل ہونا چاہئے تھا۔ لائیں گے' اپنی پسند بتا دیں بچے گھر میں آجائیں گے تب مٹھائی لے کر آئیں گے۔"

"اے اللہ کیا ہوا۔ کیا ان کمپنیوں کا پتہ چل گیا۔ میرا مطلب ہے وہ جو پیسے لے کر بھاگ گئے تھے۔"

"ہو سکتا ہے ایک دن یہ بھی ہو جائے۔ اخبارات آپ لوگ نہیں پڑھتے۔ میں پڑھ رہا ہوں۔ حکومت اب اس سلسلے میں خود ملوث ہوگئی ہے اور ان کمپنیوں کے بارے میں اچھی خاصی لے دے کی جا رہی ہے۔ بھئی اب جو کچھ ہوا ہے وہ تو ہو ہی گیا ہے۔ ہمیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے لیکن دعائیں مانگو خدا سے کہ جس طرح آہستہ آہستہ ہمارے ستارے گردش سے نکلتے آرہے ہیں اسی طرح ایک دن یہ اطلاع بھی مل جائے کہ حکومت کمپنیوں کے پاس سے وہ پیسہ واپس دلوا رہی ہے۔ اس وقت معاملہ کچھ اور ہے۔ چائے پی کر آئے ہیں۔ ورنہ تم سے چائے کی فرمائش کر دیتے۔"

"خیریت ہے۔ آپ نے میرے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے ہیں جلدی سے بتائیے کیا بات ہے؟"

"یہ اپنے حضرت شہباز میاں کے بارے میں کوئی اطلاع ہے آپ کے پاس؟"

"کیسی اطلاع۔" فریدہ بیگم پھر پریشان ہوگئیں۔

"آج کل کچھ کبوتر بازی کم ہوگئی ہے۔"

"آپ کم کی بات کر رہے ہیں۔ ڈربے تک نیچے آگئے اب تو۔ توڑ پھوڑ کر لکڑیاں مجھے دے دی ہیں۔ چولہے میں جلانے کے لئے حالانکہ میں کہہ رہی تھی کہ بیٹا گیس گھر میں موجود ہے ان لکڑیوں کا کیا کروں۔ کہنے لگا گٹھر باندھ کر رکھ دیں۔ کسی دن حلیم پکائیں گے تو دیگ کے نیچے جلا دیں گے۔"

"گویا سارے کبوتر ختم کر دیئے؟" جمیل احمد صاحب نے پوچھا۔

"بھئی میں تو چھت پر جاتی نہیں ہوں اور جا بھی نہیں سکتی اور کوئی بھی نہیں جا سکتا لیکن آج کل وہ بھی چھت پر نہیں جاتا۔ آپ نے غور نہیں کیا۔ صبح کو کہیں سیٹیاں بجاتا ہے۔ محلے کی کوئی شکایت بھی نہیں ہے اب تو بہت دنوں سے۔"

"ہوں' اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے ہمارے بھی دن پھیر دیئے۔"

"دعائیں بھی تو اتنی مانگی ہیں لیکن اور بھی کوئی بات ہے کیا۔"

"ہاں بھئی۔ آج تو اس سے معافی مانگوں گا میں۔"

"ہیں" فریدہ بیگم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں۔۔۔ صحیح معنوں میں اس نے مجھے شرمندہ کر دیا ہے۔"

"کیوں آخر ہوا کیا؟"

"ابھی کل میں نے پھل وغیرہ اٹھا کر پھینک دیئے تھے۔ مجھے ان کا افسوس ہے۔ کیا اس نے سنا تھا؟"

"ہاں گھر میں ہی تھا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ باپ ہوں غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ معافی مانگ لوں گا اس سے۔"

"کہانیاں سنائے جا رہے ہیں مجھے۔ بات تو بتائیے کیا ہوگیا آج؟" فریدہ بیگم نے کہا۔

"بھئی وہ منڈی میں کام کرنے لگا ہے۔ غلام قادر کے پاس پہنچا تھا اور اس سے کہا کہ چچا مجھے کوئی کام دلوا دو۔ غلام قادر بیچارہ اچھا آدمی ہے۔ بھئی یہ بغیر پڑھے لکھے لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں۔ برائیاں کریں گے تو بھی منہ پر کریں گے' نیکیاں کریں گے تو بھی

سامنے آکر۔ غلام قادر نے اسے ایک کام سے لگا دیا ہے۔ وہیں سے اسے یہ سبزی اور پھل وغیرہ بھی مل جاتے ہیں۔ غلام قادر کہہ رہا تھا کہ اچھے خاصے پیسے بھی حاصل ہو جاتے ہیں اسے۔ تمہیں کچھ پیسے دیئے ہیں کیا۔"

"نہیں' ابھی تک تو نہیں دیئے۔ شاید جمع کر رہا ہو۔"

"ہاں۔۔۔ مجھے اس کی پروا بھی نہیں ہے۔ وہ بس یہ سن کر جی باغ باغ ہوگیا کہ وہ کسی سمت راغب ہوا ہے خدا کرے کامیاب ہو جائے۔ خدا کرے۔"

"یہ تو واقعی خوش خبری ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس کے دل کو یہ چرکا کیسے لگا۔"

"کیسے" جمیل احمد صاحب نے متجسس انداز میں پوچھا۔

"اس دن جب تم مجھے یہ بتا رہے تھے کہ تم نے گودی پہ کام کرنا شروع کر دیا ہے تو وہ بھی موجود تھا۔ میرا خیال ہے وہی دل پر تیر چل گیا۔ جوان بیٹا ہے وہ۔ جو کہتے ہیں نا کہ کھوٹا سکہ اور برا بیٹا بھی کبھی کبھی کام آہی جاتے ہیں۔"

"اللہ نہ کرے۔ تمیرا بیٹا برا کیسے ہو سکتا ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ ایک طوفان کو آنا تھا ایک نحوست کو آنا تھا لیکن اسے جانا بھی تھا۔ سو اب چلی گئی۔"

"واقعی اللہ اب تیرا احسان ہے۔" فریدہ بیگم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

انہی باتوں کے درمیان دن آسانی سے گزر گیا۔ فرزانہ واپس آئی۔ گھر کے ماحول کو ایک نئے رنگ میں دیکھا تو خود بھی خوش ہوگئی۔ مسکرا کر کہا۔

"کیا بات ہے۔ آج ہمارے گھر میں بھی کچھ پھول کھلے ہیں؟"

"یوں سمجھو آج سے ہمارا گھر گلزار بن گیا ہے' فرزانہ اور ممکن ہے تمہیں اور بھی کچھ خوشخبریاں سنائی جائیں۔"

"میرے لئے تو یہی خوشخبری بہت بڑی ہے کہ میرے گھر بھی بہار آئی" فرزانہ نے خلوص دل سے کہا۔

"بہار ہی بہار ہے بیٹے۔ بہار ہی بہار۔ تم سب کا مجرم میں ہوں۔۔۔ واقعی میں تم سب کا مجرم ہوں مگر صورتحال کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ۔۔۔ کہ۔" جمیل احمد صاحب کی آواز بھرا گئی فرزانہ کو تمام حالات فریدہ بیگم نے سنائے اور فرزانہ مسرت سے جھوم اٹھی۔ تنہائی میں اس نے ماں سے کہا۔

"ایک بات بتاؤں آپ کو امی۔"

"ہاں۔ کوئی خاص بات ہے۔"

"بہت ہی خاص بات۔"

"تو پھر بتاؤ نا۔"

"آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اس تبدیلی میں میرا مطلب ہے کم از کم شہباز بھیا کے مزاج کی تبدیلی میں صرف کوئی جذباتی حادثہ ہے یا اس دن کی گفتگو شامل ہے بلکہ ایک اور ایسی شخصیت بھی انہیں اس کردار میں ڈھالنے کا باعث بنی ہے جسے آپ لوگ جانتے بھی نہیں۔"

"شخصیت۔"

"ہاں سو فیصدی۔"

"کون؟"

"نام تو اس کا پتا نہیں چل سکا ہے ابھی تک' دو نام میرے علم میں ہیں۔ نمبر ایک ثریا نمبر دو پروین۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟ کچھ سمجھاؤ تو سہی۔"

"وہ ایک سو گیارہ نمبر میں جو لوگ رہتے ہیں نا ان کی دو بیٹیاں ہیں۔ ایک کا نام ثریا ہے ایک کا نام پروین ہے۔ چھت پر کپڑے وغیرہ سکھانے کے لئے آتی ہیں۔ شہباز بھیا کو ان میں سے ایک پسند آگئی ہے۔ بس انہوں نے اپنے آپ کو تبدیل کرنا شروع کر دیا ہے۔ دعوے سے کہتی ہوں امی یہی بات ہے۔"

"ہیں۔۔۔ اچھا۔۔۔ کون لوگ ہیں وہ؟"

"بہت اچھے لوگ ہیں امی۔ حکمت علی صاحب ان دونوں بچیوں کے باپ ہیں۔ دونوں لڑکیاں بہت پیاری۔ شکل وصورت کی بھی بہت اچھی ہیں۔ عادت کی بھی اچھی ہیں۔ معصوم معصوم سی ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ صرف گھریلو زندگی گزاری ہے انہوں نے۔ خدا انہیں سلامت رکھے انہیں میں سے ایک ہمارے شہباز بھیا کی اصلاح کا باعث بنی ہے۔"

"اگر بات آگے بڑھے تو کیا وہ لوگ تیار ہو جائیں گے؟"

"امی! آخر فرزانہ کس لئے ہے۔ آپ دیکھئے ذرا حالات بہتر تو ہونے دیجئے کیا کر کے دکھاتی ہوں میں۔"

یہ بات مزید خوشی کا باعث تھی۔ فریدہ بیگم نے کہا۔ "تو پھر چلو نا کسی دن ان کے گھر۔"

"میں تو جا چکی ہوں۔ وہ دراصل حکمت علی صاحب زخمی ہو کر بیمار ہو گئے تھے۔ میں نے بتایا تو تھا آپ کو۔ آپ نے کہا تھا دیکھنے چلیں گے مگر ابھی تک نہیں جا سکیں۔"

"ارے اب تو فوراً ہی چلیں گے۔ ایسا کرتے ہیں کل کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ کل تم چھٹی کر لو فرزانہ۔"

"کر لوں گی۔ میرے لئے کیا فرق پڑتا ہے۔ اب تو خدا کے فضل سے میرے باپ بھی کمانے لگے ہیں اور میرا بھائی بھی۔ اب مجھے نوکری کی پروا نہیں ہے امی۔"

"بس تو پھر کل چلیں گے وہاں۔"

"ٹھیک ہے۔ بالکل آپ ان لوگوں سے ملاقات کیجئے۔ لطف آجائے گا آپ کو۔ ہاں دو ساس بہو بھی ہیں۔ جن کا دلچسپ مشغلہ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہنا ہے۔"

"ہیں لڑتی ہیں ایک دوسرے سے۔"

"بڑی دلچسپ لڑائی ہوتی ہے۔ آپ کو لطف آئے گا۔"

"خیر یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔"

"مگر امی وہ دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت بھی کرتی ہیں۔ میں پورا پورا تجربہ رکھتی ہوں اس سلسلے میں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں بھئی اب تو تمہیں دنیا جہان کا تجربہ ہو گیا۔ چلو منہ ہاتھ دھو لو چائے لے کر آ رہی ہوں۔" فریدہ بیگم نے کہا اور باورچی خانے کی طرف چل پڑیں۔ فرزانہ بھی بے حد خوش ہو گئی تھی۔ جمیل احمد صاحب بیٹے کا انتظار کر رہے تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی تو سب ہی اچھل پڑے۔ آج شہباز کی آمد کا بڑی بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ شہباز اندر داخل ہو گیا۔ ہاتھ میں چٹائی کی بنی ہوئی ٹوکری تھی۔ جو پھلوں اور سبزیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اندر داخل ہوا۔ جمیل احمد صاحب مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ شہباز نے ایک نظر ان پر ڈالی۔ نگاہیں ہٹائیں چونکا' دوبارہ دیکھا اور حیران سا ہو گیا۔ کنی کترا کے نکلنے کی کوشش کی لیکن جمیل احمد صاحب آگے بڑھے اور بیٹے کے قریب پہنچ کر بولے۔

"جناب شہباز احمد صاحب' خادم کو جمیل احمد کہتے ہیں" شہباز چونک کر رک گیا۔ جمیل احمد صاحب کو دیکھا دیکھتا رہا پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر ماں کی طرف اور پھر بہن کی جانب دیکھا۔ جمیل احمد صاحب نے آگے بڑھ کر ٹوکری اس کے ہاتھ سے لے لی اور ایک سمت رکھتے ہوئے بولے۔

"یقینی طور پر آپ نے جمیل احمد کو پہچان لیا ہو گا کیا گلے نہیں ملیں گے؟" شہباز پتھرایا ہوا کھڑا رہا۔ جمیل احمد صاحب نے آگے بڑھ کر اسے سینے میں بھینچ لیا۔ ماں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ فرزانہ کے دل میں بھی ایک گولہ سا اٹھا اور آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو وہ بھی نہیں روک سکی۔

"بہت عرصے کے بعد واپسی ہوئی ہے بیٹے۔ سفر پر گیا ہوا تھا۔ بہت عرصے کے بعد گھر واپس لوٹنا نصیب ہوا ہے۔ اس گھر میں جہاں کبھی میں رہتا تھا' تم سب رہتے تھے۔ واپس آگیا ہوں آج شہباز' آج واپس آگیا ہوں اور' اور اتنی دیر تک گھر سے باہر رہنے کے لئے تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں میرے بیٹے۔ میں اسے برا نہیں سمجھتا۔ غلطی کسی سے بھی ہو جائے اگر وہ خلوص دل سے معافی مانگ لے تو بیٹے میرے خیال میں اسے معاف کر دینا چاہئے۔"

"ابو۔" شہباز کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔ اس آواز میں بھراہٹ تھی۔

"ہاں بیٹے غلطی اچھے اچھوں سے ہو جاتی ہے۔ میں بھی انسان تھا۔ خود پرستی کا شکار ہو گیا تھا۔ یہ سوچا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ ذہین میں ہی ہوں۔ بس حماقت ہو گئی۔ تم لوگوں کی بات نہیں مانی اور تمہارا سب کچھ چھین لیا میں نے۔ سب کچھ گنوا دیا میں نے۔ معاف کر دو یار آخر ہم تمہارے باپ ہیں۔ باپ سے غلطی ہو گئی تو کیا بیٹا اسے معاف نہیں کر سکتا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں ابو کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔" شہباز باپ سے لپٹ گیا اور فریدہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

"امی' امی کیا کر رہی ہیں۔ اس خوشی کے موقع پر رو رہی ہیں آپ۔" فرزانہ خود بھی روتی ہوئی بولی اور گھر کا ماحول عجیب سا ہو گیا۔ شہباز نے جمیل احمد صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"معافی میں مانگوں گا ابو آپ سے۔ بڑی گستاخیاں کی ہیں' بڑی بدتمیزی کی ہے۔ بہت کچھ کیا ہے میں نے۔ میں تو۔۔۔۔۔۔ میں تو آپ کی طرح آپ سے معافی بھی نہیں مانگ سکتا۔"

"نہیں بیٹے۔ اصل میں مجرم میں ہوں تم تو صرف جھنجلاہٹ کا شکار تھے۔ لیکن اب جو کچھ ہونا تھا شہباز۔ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ ایک بار خلوص دل سے یہ کہہ دو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔"

"آپ میرا مان ہیں ابو۔ میری شناخت ہیں۔ میں آپ کے نام سے پہچانا جاتا ہوں۔ بھلا میں آپ کو یہ الفاظ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آپ کو معاف کر دیا۔ بس آپ کہہ دیجئے کہ آپ نے میری گستاخیاں معاف کر دیں۔"

"خلوص دل سے۔ خدا کی قسم خلوص دل سے' اور یہ صرف یہ سوچ کر کہ ان میں تمہارا قصور نہیں تھا۔ تم بے قصور ہو کر مجھ سے معافی مانگ رہے ہو۔ یار شہباز آؤ بیٹھیں بھی۔ ارے کیا تم نے رونا دھونا لگا رکھا ہے فریدہ' چلو چائے بناؤ میرے بیٹے کے لئے اور مٹھائی کا وہ ڈبا لے کر آؤ جو میں لایا ہوں۔ مٹھائی کھائیں گے ہم سب آؤ بیٹھو شہباز آؤ بیٹھو۔"

"شہباز حیران حیران سا کرسی پر آبیٹھا۔" فرزانہ اور فریدہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی تھیں فرزانہ نے کہا۔

"آؤ بھئی آجاؤ۔ جلدی آجاؤ۔" جمیل احمد صاحب نے کہا اور چند لمحات کے بعد سب آبیٹھے۔ جمیل احمد صاحب بولے۔

"بات دراصل بیٹے کچھ بھی نہیں ہے۔ یقین کرو کچھ بھی نہیں ہے۔ بس کافی دن پہلے مجھے ندامت ہوئی تھی مجھے احساس ہوا تھا کہ میری غلطی سے تم سب بدحالی کا شکار ہو گئے ہو۔ لیکن بیٹے اب یوں سمجھ لو کہ وہ بدحالی کرنے کے بعد میں اپنے آپ میں شرمندہ ہو گیا تھا۔ بس اس شرمندگی کا اظہار غلط طریقے سے ہوتا تھا۔ جھنجلاہٹ پیدا ہو گئی تھی میرے اندر۔ دیکھو نا ایک آدمی جرم کر بیٹھتا ہے اسے اس کے جرم کا اتنا احساس دلایا جائے کہ وہ جھنجلاہٹ میں تبدیل ہو جائے بس یوں سمجھ لو یہ یہی جھنجلاہٹ تھی جس نے مجھے ان حماقتوں پر مجبور کیا' پھر ایک دن مجھے خیال آیا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے جی رہا ہوں اس دنیا میں مگر کس انداز میں۔ بس بیٹے کوئی ڈھنگ کی جگہ کام کرنے کو جی نہ چاہا۔ کسی شناسا کی معرفت بندرگاہ پہنچ گیا۔ کام برا نہیں ہے۔ تم خود ایک بار دیکھ لینا' مجھے کوئی محنت کرنی نہیں پڑتی ہے' بس ہاتھ میں قلم ہوتا ہے' کاغذ ہوتا ہے۔ جہازوں سے جو مال اترتا ہے ان کی فہرست تیار کرتا ہوں اپنی کمپنی کے لئے اور اس کا مجھے معاوضہ مل جاتا ہے۔ یہ کام میں جاری رکھوں گا۔ چونکہ میرے لئے مشکل نہیں ہے۔ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ تم کچھ نہیں کر رہے اور کچھ نہیں کرو گے۔ لیکن غلام قادر سے ملاقات ہوئی اس نے مجھے بتایا کہ تم منڈی میں کام کر رہے ہو اور غالباً" اسی دن سے مصروف ہو۔ جس دن میں نے گھر میں اپنے کام کا انکشاف کیا تھا۔ بس بیٹے میرے لئے تمہارے دل میں گداز آیا تو یہ سمجھ لو میری ساری شکایتیں دور ہو گئیں تم سے اور اب میرا خیال ہے۔ ہمارے گھر میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔ میں اس آغاز کی اپنے تمام گھر والوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔ خدا کرے۔۔۔۔۔۔ خدا کرے۔" ابھی جمیل احمد صاحب اتنا نے ہی کہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونک کر بولے۔

"نجانے کون آیا ہے؟"

"مجن بی ہوں گی۔ بھلا انہیں کہاں چین پڑتا ہے۔ پسلی پھڑک گئی ہو گی۔ چلو ٹھیک ہے مگر سنو ان کے سامنے کوئی کہانی نہ دہرانا۔ سارے محلے میں پھیل جائے گی۔ گھر کی بات گھر میں ہی رہنی چاہئے۔"

"میں دروازہ کھولتا ہوں۔"

"میں کھولتا ہوں ابو آپ بیٹھیں۔"

"نہیں بھئی میں کھول رہا ہوں تم بیٹھو۔" جمیل احمد صاحب بولے اور اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ دروازہ کھولا تو

ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ سامنے ہی ایک سب انسپکٹر نظر آرہا تھا۔ اس کے ساتھ تین کانسٹیبل تھے۔ پیچھے محمد دین پرچون فروش موجود تھا اور اس کے پیچھے محلے کے دو تین آدمی۔ سب انسپکٹر پولیس نے جمیل احمد صاحب کو گھورتے ہوئے کہا۔

"شہباز احمد یہیں رہتا ہے؟" جمیل احمد صاحب کے حلق میں جیسے آواز پھنس کر رہ گئی۔ بولنے کی کوشش کی لیکن آواز حلق سے باہر ہی نہیں آرہی تھی۔ بدن پر ہلکی ہلکی کپکپی طاری ہوگئی تھی۔ سب انسپکٹر نے کہا۔

"میرے پاس اس کا وارنٹ گرفتاری ہے۔ میں شہباز احمد کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔ آپ مجھے جواب دیجئے کیا وہ یہیں رہتا ہے؟" جمیل احمد صاحب نے نجانے کس طرح گردن ہلائی تھی۔

"کیا وہ گھر میں موجود ہے؟" سب انسپکٹر نے پھر سوال کیا۔

"ج۔ جی۔ جی۔" جمیل احمد صاحب گھٹے گھٹے لہجے میں بولے۔

"براہ کرم اسے باہر بھیج دیجئے۔ ورنہ پھر ہم خود گھر میں داخل ہونے پر مجبور ہوجائیں گے۔" انسپکٹر بے رحم لہجے میں بولا۔ جمیل احمد صاحب کے پیروں تلے سے زمین نکلی جارہی تھی۔ لیکن وہ خود کو سنبھالنے کی انتہائی کوششوں میں مصروف تھے۔ آواز ساتھ نہیں دے رہی تھی نہ جانے کس طرح رندھے ہوئے لہجے میں بولے۔

"کچھ پتہ چل سکتا ہے جناب۔ کہ۔ کہ یہ گرفتاری کس سلسلے میں ہے؟"

"تھانے آکر معلوم کرلیجئے۔ آپ اسے بلا رہے ہیں کہ ہم اندر داخل ہوجائیں۔"

"کون ہے ابو۔ کیا بات ہے؟" شہباز خود قریب آگیا۔ پولیس والوں کو دیکھ کر وہ خود بھی ٹھٹکا تھا اور پھر سوالیہ نگاہوں سے ...ں نے جمیل احمد کو دیکھا تھا۔ جمیل احمد صاحب صرف انگلی اٹھا کر رہ گئے۔ انسپکٹر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"تمہارا نام شہباز احمد ہے۔"

"جی۔" شہباز حیران لہجے میں بولا۔ انسپکٹر نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے کانسٹیبلوں کو ہدایت کی اور دونوں کانسٹیبلوں نے شہباز ...دبوچ لیا۔ پھر اس کے ایک ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی گئی۔ شہباز ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"چلو آگے بڑھو۔" انسپکٹر نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کھینچتے ہوئے کہا۔ جمیل احمد صاحب کے بدن کی جان نکل گئی تھی۔ ...باز نے خود بھی کبھی ایسے واقعات کا سامنا نہیں کیا تھا۔ پولیس کا بہرطور نام ہی برا ہوتا ہے۔ ساری تیزی طراری دھری رہ گئی ...ہ خاموشی سے جیپ میں جا بیٹھا۔ عقب سے فرزانہ وغیرہ بھی آگے آگئیں۔ یہ احساس ہوگیا تھا کہ کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ شہباز کو اس حالت میں دیکھ لیا اور فرزانہ کے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ سی نکلی اور فریدہ بیگم نے دونوں ہاتھ سینے پر ...لئے۔ انسپکٹر وغیرہ جیپ میں بیٹھ گئے اور جیپ اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھ گئی۔ پولیس کو دیکھ کر محلے کے بہت سے لوگ جمع ہوگئے لیکن خاموشی سے صورتحال کا جائزہ لے رہے تھے۔ پولیس کی جیپ آگے بڑھی تو سب ہی جمیل احمد کے گھر کی طرف لپکے۔

"اماں کیا ہوگیا چچا میاں۔ خیریت تو ہے۔ کیا بات ہوگئی۔" کسی نے سوال کیا۔

"جمیل احمد کیا ہوگیا۔ کیوں پکڑ لیا پولیس نے شہباز کو؟" جمیل احمد صاحب سکتے کے سے عالم میں کھڑے تھے کسی سمت سے ... آواز آئی۔

"بھیا برے اعمال برا نتیجہ، یہ تو ہونا ہی تھا ایک دن۔ اس نے بھی تو محلے والوں کی زندگی حرام کر رکھی تھی۔" یہ آوازیں ...ں احمد صاحب کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ فریدہ بیگم سینے پر ہاتھ رکھے رو رہی تھیں۔ فرزانہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ...اپ کو کیسے سمجھائے۔ خوشی آئی تھی اچانک ہی اس کی آنکھوں میں روشنیاں اتر آئی تھیں۔ لیکن یہ فلیش لائٹ تھی۔ فلیش ... کا ایک جھماکا ہوا تھا اور اس کے بعد گہری تاریکی چھا گئی تھی۔

احمد یار غوثیہ بیگم کے منجھلے بھائی تھے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ غوثیہ بیگم کا خاندان مالی طور پر بہت برتر تھا اور اس ...مام بھائیوں نے اپنے اپنے کاروبار کر رکھے تھے۔ صرف سب سے بڑے بھائی تھے جو گورنمنٹ کے ایک اعلیٰ افسر تھے۔ ان ...ثیت بھی اعلیٰ تھی سب کے سب شاندار علاقوں میں اعلیٰ درجے کے مکانات میں رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ غوثیہ بیگم امداد ...و نہیں گردانتی تھیں اور اکثر انہیں طعنے دیتی رہتی تھیں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ غوثیہ بیگم کے بھائیوں نے امداد ...صاحب کو بہت سی پیشکشیں کی تھیں۔ لیکن امداد بیگ خوددار انسان تھے اور انہوں نے سالوں کی امداد قبول نہیں کی تھی۔ ...بیگم کو انہوں نے انتہائی سرد لہجے میں ایک بار سمجھا دیا تھا کہ انہیں اپنی غلامی میں لینے کی کوشش نہ کریں ورنہ اس کوشش ...ائج بھیانک نکلیں گے۔ کم از کم وہ اپنی ذات میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ غوثیہ بیگم کی بھی عمر گزر گئی تھی امداد بیگ کے ساتھ ...تھیں کہ شوہر کس لہجے میں کون سی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے تمام بھائیوں کو منع کر دیا تھا کہ اب ایسی کوئی پیشکش ...جائے تاہم ملاقاتیں رہتی تھیں۔ غوثیہ بیگم اور فوزی کو تحفے تحائف ملتے رہتے تھے۔ ہر تقریب میں ان کی شمولیت ضرور ...تھی۔ جس دن فوزی نے احسان مندی کے طور پر شعور کو اپنے گھر چائے پر بلایا تھا اس دن اچانک ہی احمد یار صاحب کا پیغام ...ا کہ تینوں فلاں وقت ان کے پاس پہنچ جائیں۔

بہرحال امداد بیگ صاحب بہن اور بھائیوں کے بیچ کبھی نہیں آئے تھے۔ بلکہ عام حالات میں ان سے ہر طرح کا تعاون کرتے ...چنانچہ فوراً ہی تیار ہوگئے۔ بھلا احمد یار بھائی کی طلبی ہو اور یہ لوگ نہ پہنچیں۔ البتہ فوزی نے دبی زبان سے کہا تھا کہ شام کی ...پر اس نے شعور کو بلایا ہے۔ غوثیہ بیگم ناک چڑھا کر بولی تھیں۔

"تو ٹھیک ہے بھائی۔ احسان ہی اتارنا ہے تو کسی بھی دن اتار دیں گے۔"

"مگر ممی دعوت تو آج کی دی گئی ہے۔" فوزی نے کہا۔
"تو تمہارا کیا خیال ہے بھائی کے ہاں نہ جاؤں کیسی باتیں کرتی ہو فوزی۔"
"وہ تو ٹھیک ہے ممی۔ لیکن اخلاق بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"
"ہوتی ہے' ہوتی ہے' میں کب منع کر رہی ہوں۔ لیکن کسی اور دن پلا دیں گے یہ چائے کوئی قرض تو نہیں ہے ہم پر۔ ایسا کرتے ہیں ان کے ہاں کہلوائے دیتے ہیں کہ آج کا پروگرام ملتوی کر دیا گیا ہے۔"
"بہت بری بات ہے ممی۔"
"اور پھر وہ ملازمت پیشہ آدمی ہے۔ اس وقت ملے گا کہاں۔" امداد بیگ صاحب نے کہا۔
"تو پھر میں رکے جاتی ہوں گھر پر۔ اختر دلیپ کے ساتھ وہ لوگ آئیں گے تو میں ان کا استقبال کر لوں گی۔"
"تمہارا دماغ خراب ہے۔ خاص طور سے کہلوایا ہے تینوں کے لئے۔ کوئی بات ہی ہو گی۔"
"تو پھر کچھ تو کریں۔ یہ تو بہت بری بات ہے۔" فوزی نے جھنجلا کر کہا۔ غوثیہ بیگم بولیں۔
"اختر دلیپ کو ہدایت کئے دیتے ہیں ہم کہ مہمان آئے یا آئیں تو انہیں عزت و احترام سے بٹھائے۔ چائے وغیرہ پلائے جو چاہو منگوا دو اس کے لئے۔ اختر دلیپ ہماری طرف سے معذرت کر لے گا۔ بس یہی کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"
"جی ---- ٹھیک ہے۔" فوزی ناک چڑھا کر بولی۔ شعور اس کے ذہن کے پردوں کو چھوتا ہوا گزر گیا تھا۔ اب تک اس کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ اچھی شخصیت تھی حسین اور پروقار۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں سوچا جا سکتا تھا۔ یہ بات اچھی طرح معلوم تھی اسے کہ وہ دونوں پروانہ صاحب کے گھر کے اوپری حصے میں کرائے پر رہتے ہیں۔ بھلا ایک ایسی جگہ کرائے پر رہنے والا شخص کیا حیثیت رکھتا ہو گا۔ وہ کسی بھی طور ہمارے قابل تو نہیں ہے۔ فوزی اپنے دل میں بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکی تھی کہ ان چند لمحوں کی رفاقت میں شعور کو اس کے دل میں کیا مقام ملا ہے۔ تاہم شعور کی شخصیت ایسی نہیں تھی' جسے اتنی آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے۔ بہرحال ماموں سے اسے بھی بڑی محبت تھی۔ بلکہ خصوصاً" احمد یار خان سے تو اسے بہت ہی پیار تھا۔ وہ بھی اسے اتنا ہی چاہتے تھے اور ان کی اولادیں بھی۔ نسیم' وردانہ' حجاب یہ ساری کی ساری اس کی گہری دوست تھیں اور ان سے خاص محبت رکھتی تھیں۔ تیار ہو گئی۔
غوثیہ بیگم نے اختر دلیپ کو شعور کے بارے میں ہدایات دے دی تھیں۔ وہ لوگ چل پڑے۔ لیکن فوزی کافی حد تک ذہنی کوفت کا شکار تھی۔ احمد یار خاں کی خوبصورت کوٹھی میں داخل ہو کر اس نے اپنا ذہن جھٹک دیا۔ نسیم وردانہ اور حجاب آفت پرکالہ تھیں۔ اگر ذرا بھی کوئی شبہ ہو جاتا تو نجانے کیا کیا کہانیاں گھڑ لیتیں۔ چنانچہ ان کے سامنے تو بھول کر بھی کوئی تذکرہ ممکن نہیں تھا۔ کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ بس احمد یار خاں کے کچھ دوست آنے والے تھے۔ اپنی فیملی کے ساتھ اور ان سے امداد بیگ کی ملاقات کرائی جانی تھی۔ احمد یار نے بہنوئی کو بتایا۔
"درحقیقت پہلے آپ غفران علی صاحب سے مل لیں اس کے بعد میں آپ کو کچھ اور تفصیلات بتاؤں گا۔"
"کون ہیں یہ غفران علی صاحب؟"
"ملاقات کر لیں ساری باتیں بعد میں سنائی جائیں گی۔" احمد یار صاحب نے کہا اور امداد بیگ شانے ہلا کر خاموش ہو گئے کسی بھی سلسلے میں حد سے زیادہ تجسس کرنا ان کی فطرت میں شامل نہیں تھا۔ مہمانوں میں دو مرد اور ایک خاتون تھیں۔ جس صاحب کو غفران علی کی حیثیت سے متعارف کرایا گیا وہ لمبے چوڑے بدن کے بھاری جبڑوں والے آدمی تھے۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور چمکدار' ہونٹ باریک اور بھنچے ہوئے۔ چہرے سے سنگدلی کا اظہار ہوتا تھا۔ لیکن شخصیت چہرے سے بالکل مختلف تھی۔ ایک نگاہ دیکھنے سے کوئی یہی سمجھتا کہ بے حد مغرور اور بد دماغ آدمی ہیں۔ لیکن بڑی نفیس طبیعت کے مالک نکلے۔ ان کے ساتھ ایک خوبصورت سا نوجوان تھا۔ گورا چٹا رنگ سرخی مائل۔ نقش و نگار میں بھی حسین اور حسن اسے اپنی ماں سے ملا تھا ایک دراز قامت خاتون تھیں۔ معمر ہونے کے باوجود نہایت پرکشش شخصیت رکھتی تھیں۔ اخلاقی طور پر وہ بھی بہت نفیس معلوم ہوتی تھیں۔ بڑے پیار سے غوثیہ بیگم سے ملیں۔ احمد یار صاحب کے خاندان سے بھی انہوں نے بڑی محبت سے ملاقات کی' اس کے بعد ڈرائنگ روم میں نشست جم گئی۔

نسیم' وردانہ اور حجاب حسب معمول شوخیاں کر رہی تھیں بچوں کو اس حد تک آزادی ضرور حاصل تھی کہ اپنے طور پر ہر طرح کی تفریحات کر سکیں۔ آزاد ماحول تھا' نوجوان کا نام نعمان علی پتہ چلا۔ ذرا شرمایا' شرمایا سا بیٹھا ہوا تھا۔ احمد یار صاحب نے باہمی تعارف کراتے ہوئے کہا۔
"غفران علی صاحب ہیں تو ہمارے ہی وطن کے باشندے لیکن لندن دیکھا ہوا ہے انہوں نے خوب کما کما رہے ہیں۔ کاروبار کر رکھا ہے۔" نعمان میاں ان کے اکلوتے صاحبزادے ہیں اور باپ کے کام میں پورا پورا حصہ لیتے ہیں۔" غفران علی صاحب نے درمیان میں ٹوک دیا۔
"حضور حصہ لینے کی بات کہاں۔ اب تو انہوں نے ہمیں ریٹائرڈ کر دیا ہے بلکہ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم دقیانوسی اور فرسودہ خیالات کے مالک ہیں۔ جدید وقت جدید تقاضوں کا حامل ہے۔ کاروبار کو نئی بنیادوں پر استوار کیا ہے انہوں نے اور ہمیں اس لئے خاموش ہونا پڑا ہے کہ بہر طور یہ ہم سے بہتر جا رہے ہیں۔"
"کیوں نہیں ---- نئی نسل بلاشبہ پرانی نسل سے زیادہ ذہین ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ جس دنیا میں آنکھ کھولی ہے وہ آپ کی دنیا سے آگے کی دنیا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی آپ حضرات سے مل کر۔"
"بدنصیبی یہ ہے کہ ہم اپنے وطن میں ہم وطنوں سے محروم ہیں۔" غفران علی کہنے لگے۔
"کیا مطلب؟" امداد بیگ صاحب نے چونک کر کہا۔
"بس جناب یوں سمجھ لیجئے کہ اہل خاندان میں جو چند افراد تھے وہ ہمارا تعاقب کرتے ہوئے لندن پہنچ گئے یہاں کوئی نہ رہا لیکن وطن ایسی چیز ہوتی ہے کہ انسان اسے کبھی بھول نہیں سکتا۔ یہاں کی مٹی سے خمیر اٹھتا ہے۔ بھلا اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ سال دو سال میں ایک آدھ بار یہاں آتے ہیں۔ ٹھیک ہے محبت کرنے والے عزیز نہیں۔ لیکن وطن تو عزیز ہے۔"
امداد بیگ صاحب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ کہنے لگے۔ "آپ روایتی انسان ہیں غفران علی صاحب لیکن یہ ہوٹل کا قیام تو بہتر نہ ثابت ہوا۔"
"نہیں نہیں بخدا کچھ کاروباری شناسا ہیں یہاں لیکن آتا ہوں تو ان سے ملتا بھی نہیں کہ خواہ مخواہ کسی پر بار بنوں گا۔ بس دل بہلا لیتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں۔ اس بار بھی ایک مہینے کا پروگرام بنا کر آئے ہیں۔"
"کون سے ہوٹل میں قیام ہے آپ کا؟" امداد بیگ صاحب نے پوچھا اور غفران صاحب نے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کا نام بتایا احمد یار بہت محبت سے غفران علی صاحب سے پیش آ رہے تھے۔ بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں پھر احمد یار نے اپنی بیٹیوں سے کہا۔
"بھئی تم لوگ اگر یہاں بوریت محسوس کر رہے ہو تو نعمان میاں کو ساتھ لے کر باہر جاؤ۔ بیٹے فوزی تم بھی چلی جاؤ بھئی میاں کیا لندن سے واپس آنے والے بھی اتنے ہی شرمیلے ہوتے ہیں؟" نعمان علی کے بجائے غفران علی بول اٹھے۔
"ایک دلچسپ بات بتاؤں میں آپ کو۔ دراصل اس کا سارا کریڈٹ مجھے نہیں بلکہ نعمان میاں کی والدہ کو جاتا ہے۔ یہ مشرقی خاتون ہیں' مشرقی روایات کو انہوں نے لندن تک پہنچا دیا ہے۔ لندن میں ہمارے جتنے مقامی دوست ہیں آپ یقین کریں اپنا وطن دیکھنے ہمارے گھر آتے ہیں۔ ہم نے وہاں وہی تمام سجاوٹ کی ہے جو یہاں ہمارے گھروں میں ہوتی ہے۔ ایک طرح سے یوں سمجھ لیجئے کہ ہم نے لندن میں اپنا وطن آباد کیا ہے۔ پھر ظاہر ہے ہماری روایات بھی وہی کیوں نہ ہوں۔ نعمان کو اپنے وطن کی روایات سے عشق ہے اور انہوں نے وہی روایات اپنائی ہیں' کاروبار کرتے ہوئے یہ ایک زیرک اور ذہین انسان ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے صرف مرد دوست ہیں لندن کے کلبوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر کاروباری طور پر کسی دوست کے ساتھ جانا پڑ جائے تو وہاں ان کی اپنی ایک انفرادیت ہوتی ہے۔ بلکہ ان کے حلقوں میں انہیں مولوی کہا جاتا ہے یہ سمجھ لیجئے آپ۔"
"یہ بری بات نہیں ہے۔ بلکہ میرے خیال میں بڑی بات ہے کہ دور دیس میں اپنے وطن کی نمائندگی کی جائے بڑی خوشی ہوئی لیکن میاں یہ اپنا ہی گھر ہے۔ جاؤ بچوں۔"
"آئیے نعمان صاحب۔" حجاب نے نعمان سے کہا اور نعمان جھجکتا ہوا اٹھ گیا۔ چونکہ تمام ہی نوجوانوں کو جانے کی ہدایت

گئی تھی اس لئے فوزیہ کو بھی جانا پڑا۔ ویسے نعمان کی شخصیت اسے بے حد پسند آئی تھی۔ یہ شرمیلا سا چہرہ اپنے اندر ایک
بھی جاذبیت رکھتا تھا اور فوزیہ نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ سب کے ساتھ وہ بھی باہر نکل گئی۔ احمد یار نے مسکرا کر
بیگم کی جانب پھر غوثیہ بیگم کی جانب دیکھا اور کہنے لگے۔
"بھئی امداد بھائی' آج آپ کی یہ طلبی بے مقصد نہیں ہے۔ دراصل کچھ لوگوں سے میں نے کہہ رکھا تھا کہ میری بھانجی کے
بھی کوئی بہتر رشتہ نظر میں رکھا جائے۔ آپ کو پتا ہے کہ ان تینوں بچیوں کا رشتہ تو ہو چکا ہے۔ انشاللہ تعالیٰ اب ان کی شادی
نمبر لگے گا۔ میں سوچتا ہوں کہ کیوں نہ اپنی فوزیہ کو بھی جلد ہی اس کے گھر کا کر دوں۔ آپ یقین کریں امداد بھائی اگر میری کوئی
منگنی شدہ نہ ہوتی تو میں یقیناً نعمان میاں کے لئے اپنے دل میں گنجائش پیدا کر لیتا۔ لیکن فوزیہ بھی تو میری بیٹی سے مختلف نہیں
۔ معاف کیجئے گا غفران علی صاحب یہ باتیں اصولی طور پر مجھے آپ کے سامنے نہیں کرنی چاہئے تھیں' لیکن بس میری فطرت
لیجئے بے وجہ بوجھ اپنے ذہن پر برداشت نہیں کرتا میں۔ اسی غرض سے آپ کے سامنے بات کر رہا ہوں۔ بات اصل میں یہ
امداد بھائی کہ غفران علی صاحب فوزیہ کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اپنے بیٹے کے رشتے کے لئے۔ اس باران کی آمد اسی مقصد کے
ہوئی ہے کہ بیٹے کے لئے بہو تلاش کر کے' جھٹ پٹ شادی کر لیں اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔ میرے ان شناسا سے
تفصیلی بات ہو چکی ہے جو اتفاق سے اس وقت شہر میں موجود نہیں ہیں' ورنہ ساتھ ہی آتے۔ غفران علی کے بارے میں
تفصیلات مجھے بتا دی گئی ہیں۔ اور یہ ساری باتیں بھرے مجمع کے درمیان اس لئے کہہ رہا ہوں کہ چٹ پٹ فیصلہ ہو جائے۔
زیادہ نہیں ہے غفران صاحب کے پاس وہ یہ شادی کر کے لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ ذہنی طور پر اس کے لئے
نہ ہوں تو میں آپ کے سامنے ہی انہیں جواب دے دوں تاکہ یہ کوئی اور گھر دیکھیں۔"
"نہیں بھائی جان' اگر ایسا کرنا تھا آپ کو تو پھر ہمیں اس بچی کی صورت ہی نہ دکھاتے جس سے چند لمحوں کے اندر ہم نے
دل کے رشتے قائم کر لئے ہیں۔" بیگم غفران نے کہا۔ امداد بیگ صاحب نے گھور کر اپنی بیوی کو دیکھا۔ غوثیہ بیگم خود اس
سے گھبرا گئی تھیں امداد بیگ صاحب کچھ دیر سوچتے رہے پھر انہوں نے کہا۔
"اگر مشرقی روایات کا خیال اور پابندی کی جاتی ہے تو احمد بھائی غفران علی کے ہاں تو یقیناً یہ اتنا ضرور جانتے ہوں گے کہ
رشتہ زبان پر لایا جائے تو فوراً ہی اس کی منظوری کا اعلان نہیں کر دیا جاتا۔ ہرچند کہ میں آپ کو اپنا بڑا مانتا ہوں اور آپ
کے فیصلے میں دخل انداز نہیں ہوتا۔ لیکن غفران صاحب سے کم از کم دو دن کی مہلت تو ضرور لی جائے۔ تاکہ ہم لوگ آپس
مشورہ کر کے فیصلہ کر سکیں۔"
"بالکل' بالکل بھلا اس کا کیا سوال ہے کہ میں آج ہی آپ سے جواب لے کر چلوں۔ لیکن اس امید کے ساتھ خاموش ہوا
ہوں کہ فیصلہ میرے حق میں کیا جائے گا۔ میرے بارے میں جس قدر چھان بین کی ضرورت ہو اس کا پورا پورا حق آپ کو
ہے۔ اس میں آپ میرے ساتھ کوئی رعایت نہ کریں لیکن اگر اتفاق سے شریف خاندان اور شریف فطرت نکل آؤں تو پھر
حق میں فیصلے کا حقدار ہوں۔" غفران علی نے کہا۔
"کیوں نہیں بھائی صاحب۔" بیٹیاں بیاہنے کے لئے ہوتی ہیں اور اچھے رشتے والدین کی اولین خواہش' آپ مطمئن رہیں۔
دن کے بعد آپ کو جواب پیش کر دوں گا۔"
"بس ٹھیک ہے اب اس کے بعد یہ موضوع ختم' ہمیں دوسری باتیں کرنا چاہئیں۔" غفران علی صاحب نے کہا ان لوگوں
کے کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد تمام لوگ ڈائننگ ہال میں جمع ہو گئے۔ احمد یار خان نے زبردست
کیا تھا۔ لڑکے لڑکیاں بھی گھل مل گئے تھے۔ حجاب خصوصاً نعمان علی کو ہربات پر چھیڑ رہی تھی۔ وہ بھی خوش نظر آ رہا تھا
کے انداز میں بھی اپنائیت ہی تھی۔ حالانکہ اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ اصل قصہ کیا ہے احمد یار خاں نے بھی
اپنی بچیوں کو نہیں بتائی تھی۔ صرف اس خیال کے تحت کہ نوجوان ذہن پراگندہ ہوتے ہیں اور لڑکیاں فوراً ہی فوزی کو
بتانے پر نہ تل جائیں چنانچہ فوزی اس بات سے ناواقف تھی اور اس نے بھی نعمان سے بے تکلفی سے باتیں کی تھیں۔
کی میز پر بھی وہ غیر اختیاری طور پر نعمان کی مدارات کرتی رہی تھی۔ جس سے یہ اظہار ہوتا تھا کہ نعمان اس کے لئے
شخصیت نہیں ہے۔

مہمان چلے گئے۔ ابھی لڑکیوں کے کان میں یہ بات نہیں ڈالنی تھی البتہ احمد یار خاں نے امداد بیگ کو تفصیلات بتاتے ہو
کہا۔

"اب آپ سے کچھ چھپانا تو کسی طور مناسب نہیں ہے بھائی صاحب۔ ایک شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ مل کر
شادی کھولے ہوئے ہے۔ حجاب اور دردانہ کا رشتہ اس نے تلاش کیا تھا۔ صرف نسیم کا معاملہ ایسا ہے کہ آپ کو علم ہے
ریاض صاحب میرے پرانے دوست ہیں اور انہوں نے بچپن ہی میں نسیم کو مجھ سے مانگ لیا تھا۔ لیکن دردانہ اور حجاب
سلسلے میں محمود علی نے یہ اسی شخص کا نام ہے جس کے بارے میں' میں نے آپ کو بتایا۔ مجھے رشتے بتائے تھے اور خوش بختی
وہ دونوں گھرانے بھی بہترین ہیں۔ گویا محمود علی پر ان معاملات میں مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ دور میں بچیوں کے رشتو
جس طرح فقدان ہے آپ بھی جانتے ہیں۔ غوثیہ نے مجھ سے کہہ رکھا تھا کہ میں فوزیہ کا خیال رکھوں اور کوئی رشتہ نگاہ میں آ
تو اسے بتاؤں۔ میں نے یہی بات محمود علی سے کہہ رکھی تھی چنانچہ محمود علی نے ان لوگوں کے بارے میں بتایا۔"

"اوہ کیا۔ کیا مطلب؟" امداد بیگ چونک کر بولے۔

"غفران صاحب کو میں نے اس لئے یہاں زحمت دی تھی۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ۔ کہ۔" امداد بیگ کو یہ سب اچھا نہیں لگا تھا۔

"ہاں یہی طریقہ ہوتا ہے۔ انہوں نے آپ کو دیکھ لیا آپ نے انہیں۔ لڑکے اور لڑکی نے بھی ایک دوسرے کو دیکھ
اب جو بات ہوگی پورے اعتماد سے ہوگی۔"

امداد بیگ بھنا گئے تھے۔ انہیں اصل بات نہیں بتائی گئی تھی اور یہاں کھچڑی پک گئی تھی۔ "انہیں یہ بات معلوم تھی

"کیا؟"

"یہی کہ آپ کے ذہن میں یہ رشتہ ہے؟"

"بھلے آدمی۔ ہماری ان سے کونسی رشتے داری تھی۔ ظاہر ہے اسی لئے آئے تھے۔"

"مگر ہمیں تو معلوم نہیں تھا۔"

"تو پھر؟"

"آپ نے مجھے کیا سمجھا احمد یار بھائی میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میرا کوئی فیصلہ نہیں ہے۔" امداد بیگ بولے۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ کیا میں فوزی کا ماموں نہیں ہوں۔ ادھر وہ لڑکی دیکھنا چاہتے تھے اور میں لڑکا دیکھنا چاہتا تھا میں
فیصلہ کر لیا۔ کیا غلط کیا۔ مجھے یہ حق نہیں ہے۔" احمد یار نے کہا اور امداد بیگ اس حق کی تردید نہ کر سکے۔ کسی قدر نر
بولے۔

"نہیں یہ تو ٹھیک ہے بہتر ہوتا مجھے بھی پتا ہوتا۔ اس نگاہ سے ان لوگوں کو دیکھتا۔"

"میاں رہنے دو معلوم ہے تمہاری نگاہ زندگی بھر غلط فیصلے کرتے رہے ہو۔ اب یہ فیصلہ ہمیں کرنے دو۔"

امداد علی سسرال سے دبے ہوئے تھے۔ غوثیہ بیگم کے سارے بھائی صاحب حیثیت تھے اور بڑا خیال رکھتے تھے ا
خاموش ہونا پڑا۔ مگر ایک احساس کمتری سا ہوا تھا۔ خاموش ہو گئے۔

"غوثیہ لڑکا کیسا تھا؟" احمد یار نے پوچھا۔

"لاکھوں میں ایک۔" غوثیہ بیگم مسرور لہجے میں بولیں اور امداد بیگ معنی خیز نظروں سے بیوی کو دیکھنے لگے۔ گویا غو
کو پہلے سے یہ بات معلوم تھی لیکن اس وقت خاموشی ہی مناسب تھی۔

اختیار بیگ کی شاندار کوٹھی رنگ و نور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شہر کے بڑے بڑے دولت مند تقریب کے شرکاء تھے اور
دولت مندوں کی تقاریب ایسی ہی ہوتی ہیں۔ سدرہ دلہن بنی پھر رہی تھی بے شمار حسین لڑکیوں کے جھرمٹ میں گھری ہوئی بہت
سے نوجوانوں کی نگاہوں کا مرکز' جو اسے دیکھ کر ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ ویسے سدرہ اچھی خاصی شکل و
صورت کی مالک تھی۔ موزونیت کے لحاظ سے بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی اور اس سلسلے میں اسے خاصی محنت کرنا پڑتی تھی۔
جدید دور کی نئی نسل کی نمائندگی کرتی تھی وہ اور پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ ایک کروڑ پتی باپ کی بیٹی تھی پھر کیا رہ جاتا تھا۔

تقریب بڑی خوبصورتی سے جاری تھی اور سدرہ دنیا کو بھولے ہوئے تھی۔ تحائف کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ایک سے
ایک شاندار اور قیمتی تحفہ پیش کیا جا رہا تھا۔ دو تین بڑی بڑی میزیں بھری ہوئی تھیں اور دینے والے دیتے نہ تھک رہے تھے۔
دفعتاً" ہی اختیار بیگ سدرہ کے قریب پہنچے اور انہوں نے اس سے آہستہ سے کہا۔

"سدرہ بیٹے! ذرا ایک منٹ بات سننا۔۔ ایکسکیوزمی بچیوں صرف ایک منٹ کے لئے تمہاری سدرہ ہمیں چاہئے۔"
انہوں نے مسکراتے ہوئے لڑکیوں سے کہا اور سدرہ ان کے جھرمٹ سے نکل آئی۔ اختیار بیگ اسے چند قدم آگے لے جا کر
بولے۔

"سدرہ شکیل نہیں آیا؟"

"ایں۔" سدرہ چونک پڑی۔

"بھول گئی تھیں۔" اختیار بیگ بولے۔

"سوری ڈیڈی۔ واقعی ذہن سے نکل گیا تھا۔ ارے ہاں وہ تو نہیں آیا۔"

"کیوں آخر کیوں؟"

"پتہ نہیں۔" سدرہ نے چاروں طرف نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو برا ہوا۔" اختیار بیگ صاحب فکر مندی سے بولے۔

"آپ کیوں اسے اتنا منہ لگا رہے ہیں ڈیڈی۔ ٹھیک ہے اچھا آدمی ہے۔ ذہین ہے لیکن لیکن"

"اس وقت شاید تمہارا ذہن تمہارا ساتھ نہیں دے رہا حالانکہ میرے تمہارے درمیان کافی تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔"

"تو پھر بتائیے نا ڈیڈی۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔ اس کی مرضی' نہیں آیا۔"

"ہوں۔ غور کرنا پڑے گا سوچنا پڑے گا۔ سدرہ اس کا آنا بہت ضروری تھا بلکہ یوں سمجھ لو میں اسے آج کی تقریب کا مہمان
خصوصی سمجھتا ہوں۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے ڈیڈی۔ اب اس وقت آپ مجھے بتایئے ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟

"اسے آنا چاہئے تھا۔" کچھ لوگ اختیار بیگ کے پاس پہنچ گئے۔ ایک صاحب نے کہا۔

"بھئی اختیار صاحب' بڑی شاندار تقریب کر ڈالی ہے۔ ویسے تو خیر ہماری سدرہ بیٹی کی سالگرہ کی تقریب ہوتی ہی شاندار ہے
لیکن آج تو کچھ زیادہ ہی اہتمام لگ رہا ہے۔"

"پچھلے سال بھی آپ نے یہی کہا تھا۔ مقصود احمد صاحب۔ آپ کی عادت ہے ورنہ تقریب جیسی تھی ویسی ہی ہے۔"

جواب میں مقصود احمد صاحب نے ایک قہقہہ لگایا تھا۔ سدرہ کی سہیلیاں پھر اس کے قریب پہنچ گئی تھیں۔ اس لئے اختیار
بیگ صاحب کو اس سے زیادہ گفتگو کرنے کا موقع نہیں مل سکا بہرطور ان کی نگاہیں آخر وقت تک شکیل کا انتظار کرتی رہی تھیں
اور تقریبات کا دوسرا دور شروع ہوا۔ سدرہ نے کیک کاٹا۔ تالیاں بجیں۔ مختلف قسم کے ہلکے پھلکے پروگرام رہے۔ ایک مزاحیہ
فنکار کو بلایا گیا تھا۔ جس نے اپنے لطیفوں سے محفل کو زعفران زار کیا پھر کھانے کا پروگرام ہوا لیکن اب شکیل کے آنے کا وقت
ختم ہو گیا تھا۔ سدرہ نے بھی کئی بار اس کے بارے میں سوچا تھا۔ سدرہ کو وہ کافی حد تک پسند تھا لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ ایک
پسماندہ بستی میں پسماندہ گھر میں رہنے والا شخص ہے۔ باپ کا مسئلہ اٹکا ہوا تھا۔ وہ الگ بات تھی لیکن اسی کوششوں میں اگر اس
کی قربت بھی حاصل ہو جائے تو کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ ناتراشیدہ ہیرے کو تراش کر ہی چمکدار بنایا جاتا ہے۔ ورنہ اس کی اصل
شکل اتنی حسین نہیں ہوتی۔

رات کو چونکہ دیر تک سہیلیاں مسلط رہی تھیں اس لئے اختیار بیگ صاحب کو اس سے گفتگو کرنے کا موقع نہیں مل سکا لیکن دوسرے دن صبح ناشتے کی میز پر وہ کافی سنجیدہ نظر آرہے تھے۔

"کہیں جانا تو نہیں ہے؟" انہوں نے سدرہ سے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔ کہئے میرے لائق کوئی خدمت ڈیڈی؟"

"یہاں سے اٹھو تو باتیں کرنی ہیں تم سے۔"

سدرہ کو رات کو شکیل کا نہ آنا یاد آیا۔ سنجیدہ ہوگئی۔ ناشتے کے بعد اختیار بیگ صاحب اسے دوسرے کمرے میں لے گئے اور بٹھاتے ہوئے کہا۔

"بچوں میں بس یہی لاپرواہی تکلیف دیتی ہے۔ یعنی ہمارا ایک اتنا بڑا مسئلہ ہے اور تم اس پر توجہ نہیں دے رہیں سدرہ۔"

"میں نے آپ کی ہر ہدایت پر عمل کیا ہے ڈیڈی۔ حنا کے ساتھ اس کے گھر تک پہنچ گئی۔ اب آپ بتایئے اس سے زیادہ کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"دیکھو سدرہ باپ بیٹی کے درمیان کچھ فاصلے ہوتے ہیں لیکن جدید دور میں سب سے بڑی چیز اپنے مقصد کی کامیابی ہے اور جہاں رشتوں ناتوں کے جھگڑے میں پڑ کر پسماندگی اختیار کرلی جاتی ہے اور فرسودہ روایات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ وہاں پریشانیوں کا آغاز ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہاری زندگی کے لئے بہت کچھ سوچا ہے یہ خیال بھی رکھا ہے کہ تمہیں کبھی ذہنی طور پر کسی ایسی مشکل سے دوچار نہیں کروں گا جو تمہارے لئے تکلیف دہ بن جائے۔ یا ہمارے گھر میں کسی ڈرامائی روایت کا آغاز ہو۔ میرا مطلب ہے تمہیں تمہارے مستقبل کے لئے مکمل آزادی دی جائے گی۔ شکیل کے بارے میں تم نے خود بھی ایک بار کہا تھا کہ صاف ستھرا کرلیا جائے گا پھر اس سے اس قدر لاپرواہی کیوں برت رہی ہو؟"

"ڈیڈی! میری سمجھ میں بات آئی نہیں۔ اب آپ بتایئے ہم نے اسے ضرورت سے زیادہ تو لفٹ دے دی ہے۔ آپ دیکھئے کیسے کیسے اس کے گھر جا کر مدعو کیا گیا ہے، لیکن آپ کی ہدایت پر میں اس کے گھر بھی پہنچی اب وہ نہیں آیا تو میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"اسے آنا چاہئے تھا سدرہ۔"

"تو میں کب کہتی ہوں اسے نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہاری گرفت اس پہ کمزور کیوں ہے۔ تمہاری تربیت میں تو کوئی کمی نہیں چھوڑی میں نے۔"

"یہ بات نہیں ہے ڈیڈی۔ اول تو ابھی تک میں نے اسے اپنی گرفت میں محسوس ہی نہیں کیا۔ دوسری بات یہ کہ ہم ہر چیز کو مٹھی میں بند نہیں کرسکتے۔"

"سدرہ! ہر چیز کو مٹھی میں بند کرنے کے لئے میں تم سے کہوں گا بھی نہیں لیکن اسے مٹھی میں ضرور آنا چاہئے۔"

"ڈیڈی! جہاں تک مجھے صورتحال کا علم ہے تو آپ مسز سلطانہ جمالی کو دو کروڑ روپے کی رقم ادا کر چکے ہیں یا کرنے پر تیار ہوگئے ہیں۔ جب آپ کا مسئلہ اس طرح ختم ہو جاتا ہے ڈیڈی تو پھر آپ اور کس چکر میں پڑے ہوئے ہیں؟" اختیار بیگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔

"ظاہر ہے بیٹا ہوتیں تو ایسا سوال نہ کرتیں۔ بیٹی ہو اور کاروباری معاملات سے کوئی واقفیت نہیں رکھتیں سدرہ میں دو کروڑ روپے ادا کرکے اپنی پوزیشن بچا چکا ہوں لیکن تمہیں معلوم ہے کہ ابھی چھ ایسی آسامیاں اور ہیں جنہیں کئی کئی کروڑ روپے ادا کرنے ہیں اور وہ لڑکا؟ وہ لڑکا میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ ایک ایک کے حلق میں ہاتھ ڈال کر سلطانہ جمالی کی اصل رقم نکلوالے گا بہت تیز، بہت ذہین اور بہت ہی قیامت کا لڑکا ہے۔ وہ۔ اسے کسی نے سمجھا ہی نہیں ہے۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ مسز سلطانہ جمالی نے بھی اسے نہیں سمجھا حالانکہ اس کے ذریعے وہ بہت کچھ حاصل کر رہی ہیں۔ اب جبکہ یہ صورتحال واضح ہوگئی ہے کہ وہ شیطان صفت نوجوان میرا مطلب ہے ذہانت میں شیطان کی ٹکر کا شخص ایک ایک شخص سے یہ رقم وصول کرلے گا کیوں نہ یہ سونے کی چڑیا ہمارے ہاتھ آجائے۔"

"مطلب یہ کہ آپ اسے سلطانہ جمالی کے ہاں سے ہٹالیں گے۔ اپنے ہاں ملازم رکھ لیں گے؟"

اختیار بیگ کے حلق سے قہقہہ آزاد ہوگیا۔ انہوں نے کہا۔

"ملازم نہیں۔ مالک۔ مالک رکھ لیں گے اپنے ہاں۔ کیا سمجھیں؟"

"اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا ڈیڈی" سدرہ نے حیرانی سے نگاہیں گھماتے ہوئے کہا۔

"اس سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہم شکیل کو اپنی مٹھی میں کس لیں گے اور وہ ان لوگوں کے خلاف وہ تمام کارروائی نہیں ...رے گا۔ مطلب یہ کہ ان لوگوں کے کروڑوں روپے بچیں گے لیکن شکیل ان کے خلاف تمام کاغذات تیار کرے گا اور یہ ...غذات وہ تمہیں "تحفتاً" پیش کردے گا اور ہم اپنے دوستوں سے آدھی قیمت پر فیصلہ کرلیں گے۔ یقین کرو سدرہ، دس پندرہ ...روڑ روپے کا فائدہ ہو سکتا ہے اس طرح۔"

سدرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اس نے کہا۔

"آپ کا مطلب ہے ڈیڈی کہ آپ شکیل سے مل کر۔ لیکن آپ کی باتیں تو کافی الجھی ہوئی ہیں"

"بتانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ اس وقت تم میری پوری پوری شریک کار ہو۔ دیکھو ہم یوں کریں گے کہ ...بل کو ہم سے منسلک ہو جانا چاہئے ایسے خیالات اس کے کانوں تک لفظوں کی شکل میں پہنچ جانے چاہئیں جن سے اسے یہ ...اس ہو جائے کہ اس کا مستقبل ہمارے پاس محفوظ ہے اور میں اس سے اعتراف بھی نہیں کروں گا۔ کاروبار کے لئے ضروری ...ں ہے کہ دوسرا شخص مالی حیثیت سے بھی مطمئن ہو ہم اسے بہت کچھ دیں گے۔ اس کا مستقبل سنوار دیں گے اور وہ ہمارا ...تقبل سنوارے گا فی الحال اسے سلطانہ جمالی سے الگ نہیں کرنا۔ سلطانہ جمالی کے ساتھ ہی رکھنا ہے تاکہ دوسرے وہ لوگ جو ...انہ جمالی کی دولت کو حلق حلق تک بھرے ہوئے بیٹھے ہیں اس بات کا احساس رکھیں کہ شکیل ان کے لئے مصیبت بنا ہوا ...۔ اس طرح ہم ان سے سودا کریں گے اور شکیل ہمارا معاون کار ہوگا بھئی دس بیس پچاس ہزار یا ایک لاکھ یا دس لاکھ کی بات ...ہے لیکن کروڑوں کی رقم کا معاملہ بالکل مختلف ہو جاتا ہے اور یہ شکیل کے لئے مشکل نہیں ہوگا کہ وہ کروڑوں کی رقم کو ...ں میں اور ہزاروں میں تبدیل کردے" سدرہ نے ایک گہری سانس لی اور مسکرا کر گردن ہلاتی ہوئی بولی۔

"اب سمجھی ہوں۔ تو اصل مسئلہ یہ ہے۔"

"آیا کیوں نہیں؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔"

"ڈیڈی! بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں نے بہت زیادہ غور بھی نہیں کیا تھا آپ کے کہنے سے چلی تو گئی تھی اس سمت لیکن اس ...نت نہیں کی تھی جتنی مجھے کرنی چاہئے تھی۔"

"جلدی کرنا ہے سدرہ۔۔۔ جلدی کرنا ہے۔ یہ وقت نہیں آنا چاہئے تھا کہ وہ تمہاری سالگرہ میں نہ آتا لیکن اس کے باوجود بھی کرنا ہے جلدی کرو۔ سلطانہ جمالی ان دنوں سنگاپور گئی ہوئی ہے۔ اس کی واپسی کے بعد تمہارا کام مشکل ہو جائے گا۔"

"تو ڈیڈی حضور آپ فکر نہ کیجئے۔ جلد ہی آپ کو کوئی خوشخبری سناؤں گی۔" سدرہ نے کہا اور اختیار بیگ صاحب پر خیال ...میں گردن ہلانے لگے۔

❦

...وپہر کے تقریباً دو بجے تھے حکمت علی صاحب آج بہت دن کے بعد دفتر گئے تھے۔ خدا کے فضل سے کافی حد تک ٹھیک ...تھے۔ کئی دن سے دفتر جانے کے لئے ضد کر رہے تھے لیکن نسیم بیگم اور فاطمہ بیگم نے کہا تھا کہ جب چھٹیاں لے رکھی ہیں ...ں کی سہولت حاصل ہے تو کیوں ایسی بات کر رہے ہیں لیکن آج گھبرا گئے تھے۔ کہنے لگے۔

...ذرا جا کر ماحول تو دیکھوں۔ آپ لوگ کیا جانیں ملازمت کیا چیز ہے۔ افسران کا منہ تو عام حالات میں بھی سیدھا نہیں ...ب اتنے دن سے گھر پر پڑا ہوا ہوں۔ نجانے کیا کیا ہانڈی پک رہی ہوگی۔ ہو آتا ہوں۔ بیٹھوں گا کچھ وقت۔ دیکھوں گا اگر ...بہتر ہے تو پھر کل سے باقاعدہ جانا شروع کردوں گا گھر میں پڑے پڑے بھی طبیعت اکتا گئی ہے۔"

...ن یہ کہ وہ چلے گئے تھے۔ دوپہر کے کھانے سے فراغت حاصل کرکے سب لوگ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے تھے۔ ...ما، چلچلاتی دھوپ، کمروں ہی میں تھوڑی بہت ٹھنڈک ہوتی تھی۔ ثریا اور پروین اپنے کمرے میں گھسی ہوئی تھیں ان

دنوں بوریت چل رہی تھی کیونکہ حیران کن طریقے سے دادی اماں نے اس دن جذباتی ہو کر نسیم بیگم کا سر کیا سینے سے لگا لیا تھا حالات ہی بدل گئے تھے اور دونوں لڑکیاں اب ان کوششوں میں مصروف تھیں کہ ساس بہو میں کسی طرح چل جائے تاکہ گھر کی رونقیں بحال ہو جائیں لیکن ان دونوں کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو رہی تھی۔ دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی۔ تو پروین جلدی سے اٹھ گئی۔

"اس چلچلاتی دھوپ میں کون آ گیا؟"

"پتہ نہیں۔ کہیں ابو نہ واپس آ گئے ہوں۔" ثریا بولی۔ پروین دروازے سے باہر نکلی تو اس نے دیکھا کہ نسیم بیگم پہلے سے آنگن میں موجود ہیں۔

"میں کھولتی ہوں دروازہ امی۔"

"نہیں، تم اندر جاؤ۔ میں دیکھتی ہوں۔" نسیم بیگم کے دل میں فوراً ہی خیال آیا تھا کہ کہیں جمی نہ ہو، ان کا خیال سو فیصدی درست نکلا۔ جمی سر پر گیلا تولیہ لپیٹے ہاتھوں میں ککڑیوں کا ایک گٹھر لئے کھڑا ہوا تھا۔ نسیم بیگم کو دیکھ کر جلدی سے بولا۔

"اے بی برف ہو رہی ہیں۔ لو جلدی سے سنبھالو۔ گری جا رہی ہیں۔ اللہ کی توبہ دھوپ پڑ رہی ہے جیسے سورج سوا نیزے پر اتر آیا ہے۔ اے بی سامنے سے تو ہٹو۔ اندر آؤں سر جل رہا ہے۔ ابھی تولیہ بھگو کر کھوپڑی پر رکھا تھا۔ دیکھو کیسا سوکھ گیا ہے۔"

نسیم بیگم نے اپنی جگہ نہ چھوڑی اور جمی کے اندر داخل ہونے کی کوشش ناکام ہو گئی۔ چونک کر نسیم بیگم کو دیکھا اور بولا۔

"اے بی چچی جان کیا ہو گیا آخر؟ اندر آنے کو نہیں کہو گی۔ گرمی تو دیکھو اور یہ ککڑیاں پکڑو۔ ذرا شکل دیکھو ان کی پتہ ہے ککڑی والا کیا آواز لگا رہا تھا، لیلیٰ کی انگلیاں، مجنوں کی پسلیاں، یہ سودا بیچنے والے بھی نجانے کیا کیا الٹی سیدھی ہانکتے ہیں۔ اے بی دروازے سے نہیں ہٹو گی کیا؟"

"ہم لوگ ککڑیاں نہیں کھاتے جمی" نسیم بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

"لو اور لو۔ موسم کا پھل ہے اور حکیموں کا کہنا ہے کہ اللہ نے کوئی چیز بیکار نہیں اتاری اس روئے زمین پر۔ کیوں نہیں کھاتیں ککڑیاں۔ چلئے آپ نہیں کھاتی ہوں گی چچی جان باقی لوگ تو کھائیں گے۔"

"جمی! دوپہر کا وقت ہے۔ اس وقت سب لوگ آرام کر رہے ہیں۔ تم شام کو آ جانا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اتنی دور سے آ رہا ہوں۔ محبت میں ڈوبا ہوا اور گھر کے دروازے سے بھی اندر نہیں آنے دے رہیں۔"

"اصل میں حکمت علی گھر پر موجود نہیں ہیں۔" نسیم بیگم نے پھر سنجیدگی سے کہا۔

"تو پھر؟ میں کوئی غیر ہوں۔ اے بی کیا آج پہلی بار آیا ہوں۔ کیا کہہ رہی ہیں۔ عجب سلوک ہو رہا ہے میرے ساتھ ایسا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔"

"حکمت علی موجود نہیں ہیں جمی۔ تم ان کی موجودگی میں آنا۔"

"پھر وہی۔ اوہو۔ اوہو۔ میرے کو سب پتہ چل گیا۔ حکمت علی ہی کی بات نہیں ہے۔ لگتا ہے دادی اماں بھی گھر پر نہیں ہیں۔ ساس بہو کی لڑائی میں اپنا تیل ہو گیا۔ اے بی میں کہتا ہوں تم نے مجھ سے کیوں بیر باندھ رکھا ہے۔ کام ہی آ رہا ہوں تمہارے۔ اب دیکھو نا کتنی محبت سے پورے بیس روپے کی ککڑیاں خرید کر لایا ہوں۔ سوکھی جا رہی ہیں۔ نرم پڑ جائیں گی تو بیکار ہو جائیں گی۔ ان کا تو مزہ ہی تازہ تازہ کھانے میں ہے ذرا ایک چکھ کر تو دیکھو۔"

"تمہارا دماغ خراب معلوم ہوتا ہے جمی۔ کتنی بار تم سے کہوں کہ گھر پر کوئی نہیں ہے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

"اچھا۔۔۔ تو یہ بات ہے لیکن سوچ لو چچی جان دادی اماں کی بات نہ ہوتی تو اس بات کا جواب تو ایسا ملتا تمہیں کہ دیکھنے والے دیکھتے۔ قسم اللہ کی۔"

"دھمکیاں دے رہے ہو مجھے۔"

"اے بی نہیں۔ رشتہ ہی ایسا ہونے والا ہے تم سے کہ دھمکیاں کیا دیں گے۔ برداشت کریں گے لیکن یہ سوچنا کہ میں اچھا نہیں ہوگا۔"

"کون سا رشتہ ہونے والا ہے مجھ سے۔ ایں بتاؤ گے ذرا؟"

"دادی اماں گھر پر ہیں۔ جمی نے پوچھا؟

"ہاں ہیں۔"

"بس تو ان سے ملنے دو مجھے۔ ذرا ہٹو سامنے سے۔"

"زیادہ بدتمیزی کی کوشش کی جمی تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"دادی اماں۔ دادی اماں۔" جمی نے زور سے آواز لگائی اور دادی اماں کمرے سے باہر نکل آئیں۔ جمی نے نسیم بیگم کے عقب میں دادی اماں کو دیکھا تو خوشی سے دانت نکال دیئے۔

"دیکھ لو، دیکھ لو کیا ہو رہا ہے تمہارے پیارے کے ساتھ۔ ارے یہ صرف اس لئے ہو رہا ہے دادی اماں کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔ کیا میں جانتا نہیں ہوں۔ کیسے زندگی گزاری ہوگی دادی اماں تم نے ان کے ساتھ۔"

"جوتی اتاروں گی اور اتنی کھوپڑی پہ لگاؤں گی کہ بھیجہ باہر نکل پڑے گا۔" دادی اماں نے نسیم بیگم کا شانہ پکڑ کر انہیں پیچھے کرتے ہوئے کہا اور جمی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"کک۔۔۔ کس کے۔ دادی اماں۔ تم میرے۔ یا۔ یا۔ ان کے۔"

دادی اماں نے سچ مچ پاؤں سے جوتی اتار لی تھی۔ نسیم بیگم چونکہ اب عقب میں جا چکی تھیں اس لئے جمی کو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ جوتی کا رخ اسی کی جانب ہے۔

"ارے ارے یہ گرمی کا اثر سارے گھر والوں پر ہو گیا کیا۔ لو کمال ہے۔ یعنی اسے کہتے ہیں نیکی کر کھڈے میں ڈال۔ اے بی ککڑیاں لایا ہوں ککڑیاں۔ تمہارے منہ میں تو دانت ہوں گے نہیں۔ کچل کر کھا لینا۔ ذرا چبا کر دیکھو کیا مزیدار چیز ہے اور یہاں میرے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے اس بھری دوپہر میں۔"

"جاتا ہے کہ نہیں۔ پٹ کر ہی جائے گا۔"

"ارے ارے۔ کک۔ کمال ہے۔ کمال ہے۔" جمی دو قدم پیچھے ہٹ گیا چونکہ دادی اماں کی جوتی اس کے سر کی جانب چل پڑی تھی۔ اس نے چند قدم پیچھے ہٹ کر حیرانی سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر بولا۔

"سمجھ رہا ہوں۔ سب کچھ سمجھ رہا ہوں۔ یقیناً" اندر گرمی زیادہ ہے۔ ٹھیک ہے شام ڈھلے آؤں گا۔ کمال ہے اور یہ حکمت کہاں چلے گئے۔ میں نے منع کیا تھا کہ ابھی دفتر نہیں جانا ہے۔ لنگڑے لولے ہو جائیں گے تو سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گی دونوں ساس بہو۔ ارے میں کہتا ہوں تم سب کو ایک دم ہوا کیا۔ اپنے جمی کو بھول گئیں۔ شکل تو پہچان رہی ہو نا گرمی میں کہ کہیں آنکھوں کے تلے اندھیرا تو نہیں آ گیا۔"

"میں ابھی تیری آنکھوں کے سامنے اندھیرا لاتی ہوں۔" دادی اماں نے دروازے سے باہر قدم رکھا تو جمی اچھل کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ نسیم بیگم نے دادی اماں سے کہا۔

"آ جائیے اماں بی۔ چھوڑیئے لچے لفنگوں کے منہ لگنا بیکار ہے۔"

دروازہ بند ہو گیا۔ جمی حیرت سے منہ پھاڑے کبھی دروازے کو دیکھتا کبھی ہاتھ میں دبی ہوئی ککڑیوں کو اور اس کے بعد اس نے غصے میں آ کر ساری ککڑیاں زمین پر دے ماریں

"بیس روپے کا نقصان کیا ہے پورا۔ پورا بیس روپے کا۔ یہ آج ککڑیاں کھانے میں تو شرم آ گئی۔ خوب نہاریاں کھاتی ہیں۔ تلی پڑی ہوئی۔ کیا کیا نہیں لا کر دیا۔ پھل فروٹ۔ اماں اتنا کھلا دیا کہ زندگی میں کبھی نہ کھایا ہوگا۔ ذرا بات کر لوں حکمت صاحب سے اس کے بعد دیکھوں گا ان سب کو۔ لو یہ اچھی رہی۔ پہلے تو مال کھایا اور اس کے بعد آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ ہے، ٹھیک ہے، ٹکر لی ہے جمی استاد سے۔ دیکھ لوں گا۔ سب کو دیکھ لوں گا۔" جمی زور زور سے پاؤں پٹختا ہوا واپس چل پڑا۔

*

فوزی نے چونک کر پیٹرول بتانے والی سوئی کو دیکھا لیکن سوئی بتا رہی تھی کہ پیٹرول کافی ہے پھر یہ گاڑی جھٹکے کیوں لے رہی ہے۔ وہ تو پہلے ہی بری طرح اس فوکس ویگن سے نالاں تھی۔ جو گھر میں کم اور مکینک کے پاس زیادہ رہتی تھی لیکن درحقیقت

امداد بیگ صاحب کے بس کی بات نہیں تھی کہ دوسری گاڑی خرید لیتے۔ پیسے تو تھے مگر کفایت شعار آدمی تھے۔ محفوظ رکھتے تھے اور فوزی کی یہ بات انہوں نے آج تک نہیں مانی تھی کہتے تھے کہ گاڑی چلتی رہے تو گاڑی ہوتی ہے اور پھر کوئی قیمتی گاڑی اس محلے میں لانا ویسے بھی غلط بات ہے۔ خوامخواہ سارے محلے سے جھگڑا مول لینا پڑے گا۔ بچے' بچے ہی ہوتے ہیں گاڑی پر چڑھیں گے اپنا نام لکھیں گے۔ جو بھی دل چاہے گا سلوک کریں گے اس کے ساتھ۔ یہ سارے غم فوکس ویگن کو ہی برداشت کرلینے دیئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

لیکن فوزیہ ان باتوں پر دانت پیس کر رہ جاتی تھی۔ کھیل ہی بگاڑ رکھا تھا امداد بیگ صاحب نے۔ خوامخواہ لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہوئے تھے آخر اس گھر سے چمٹے رہنے سے فائدہ ہی کیا اور یہی بات جب اس نے غوفیہ بیگم سے کی تو۔ غوفیہ بیگم اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اے بٹی تمہیں کون سا زندگی بھر اس گھر میں رہنا ہے خوامخواہ اپنے لئے ایک جھگڑا مول لے بیٹھوگی۔ ذرا بھی کوئی پریشانی ہوئی تو بات بات پر تمہیں ہی طعنے ملیں گے اور یہ امداد بیگ صاحب یہ تو بس ایک نکتہ پکڑتے ہیں۔ کسی سے کچھ کہنے کا۔ یہی کہیں گے تم سے کہ تم نے حالات خراب کردیئے۔ اپنے گھر جاؤ گی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ گاڑی لینا اور پھر تم کیا سمجھتی ہو کسی ایسے ویسے گھر میں بھیجوں گی تمہیں ایسی جگہ تلاش کروں گی اپنے بھائیوں کی مدد سے کہ رانی بن کر رہو گی وہاں پر رانی بن کر۔"

یہ بات مستقبل کی تھی۔ فی الحال تو رانی کی گاڑی بند ہوگئی تھی۔ فوزی نے کئی بار سیلف لگایا اور آخری بار جو سیلف لگایا تو گاڑی اسٹارٹ ہوگئی۔ ایک شخص سڑک پار کر رہا تھا۔ اسے دیکھا تو گیئر ڈالنا بھول گئی۔ شعور تھا۔ ایک دم ذہن میں جھٹکا سا ہوا۔ شعور کے لئے دل کے کچھ گوشے نرم ہوگئے تھے اور پھر اس نے جو احسان کیا تھا۔ اس کا صلہ بھی نہیں ادا ہو سکا تھا بلکہ صلہ تو صلہ اصولی طور پر غور کیا جائے تو شعور کی بے عزتی ہوگئی تھی۔ بھلا کسی کو مہمان بلایا جائے اور میزبان گھر چھوڑ کر چلے جائیں تو مہمان کی اس سے زیادہ بے عزتی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بڑی شرمندہ تھی وہ شعور سے۔ گاڑی اسٹارٹ تو ہو چکی تھی۔ غالباً "جیٹ" میں کچرا آگیا تھا۔ جس کی وجہ سے انجن جھٹکے لے کر رک گیا تھا۔ جلدی نے گاڑی آگے بڑھائی اور اسے لیفٹ سائیڈ لیتی ہوئی شعور کے پاس پہنچ گئی۔

"شعور صاحب۔۔۔ شعور صاحب" اس نے گردن نکال کر آواز دی اور شعور چونک کر رک گیا۔ سادہ سی نگاہوں سے فوزی کو دیکھا۔ تو فوزی لجاجت آمیز لہجے میں بولی۔

"خدا کے لئے کوئی تلخ جملہ نہ کہئے گا۔ براہ کرم تھوڑا سا وقت درکار ہے۔ پلیز۔ پلیز۔"

شعور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ گردن خم کرکے قریب آگیا۔

"جی فوزی صاحب۔ فرمایئے۔"

"آیئے ذرا۔۔۔ بیٹھئے میرے پاس پلیز' فوزی نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔ شعور نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر گھوم کر دوسری جانب آگیا۔ دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی فوزی نے گاڑی آگے بڑھادی۔ جانتی تھی کہ ایسے کسی عمل پر قرب و جوار کے لوگ کس طرح متوجہ ہو جاتے ہیں چنانچہ یہاں سے چلے چلنا بہتر تھا۔ تیزی سے گاڑی دوڑتی ہوئی آگے بڑھ رہی۔ شعور بالکل خاموش تھا اور شیشے سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ فوزیہ نے کہا۔

"ہو سکتا ہے آپ کسی انتہائی ضروری کام سے جا رہے ہوں۔۔۔ ہو سکتا ہے میرا اس طرح آپ کو روکنا آپ کو پسند نہ آیا ہو لیکن جناب میں چھوڑوں گی نہیں آپ کو اس وقت۔ میرے ساتھ کسی اچھی سی جگہ بیٹھ کر ایک پیالی چائے پینا پڑے گی آپ کو۔"

"کیوں زحمت کر رہی ہیں فوزیہ صاحبہ؟"

"جناب عالی! جتنی عاجزی سے یہ درخواست کی ہے آپ یقین کیجئے کوئی ٹھکرانا پسند نہیں کرے گا۔ آپ نے ٹھکرا دیا نجانے کیا سوچوں گی میں آپ کے بارے میں۔"

شعور ہنسنے لگا پھر بولا۔ "نہیں۔ ایسی کوئی بات بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر اپنی پسند کا کوئی ہوٹل بھی بتا دیں۔"

"فوزی صاحبہ! آپ یقین کیجئے میری پسند کا کوئی ہوٹل میرے علم میں نہیں ہے۔"

"ارے وہ سامنے زیبرا لکھا ہوا نظر آرہا ہے۔ وہیں چلتے ہیں۔ سنا ہے اچھا ہوٹل ہے۔"

شعور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک عجیب سی کیفیت اس کے چہرے پر طاری تھی۔

فوکس ویگن زیبرا کے سامنے فٹ پاتھ کے قریب کھڑی ہوگئی۔ ایک جانب بڑا سا ہال بنا ہوا تھا۔ قریب ہی فیملی ہال لکھا ہوا تھا اور ایک زینہ سامنے ہی سے اوپر کو جاتا تھا۔ فوزی اس طرح آگے بڑھی جیسے ہوٹلوں سے اسے خاصی واقفیت ہو اور یہ غلط بھی نہیں تھا۔ اپنی دوستوں کے ساتھ وہ کئی بار مختلف ہوٹلوں میں کولڈ ڈرنک اور کافی وغیرہ لے چکی تھی۔ اس ماحول سے ناآشنا نہیں تھی لیکن کسی مرد کے ساتھ زندگی میں پہلی بار کسی ہوٹل میں جا رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے احساس تو ضرور ہوا تھا کہ اگر کسی شناسا نے دیکھ لیا تو جان چھڑانا مشکل ہو جائے گی لیکن طبیعتاً "ضدی لڑکی تھی۔ حد سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار چنانچہ اطمینان سے اوپر چلی گئی اور پھر ایک گوشے کی میز پر پہنچ کر اس نے شعور کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شعور کی پیشانی پر بھی پسینے کے قطرات جھلک رہے تھے اور کسی قدر نروس نظر آرہا تھا وہ۔ فوزیہ نے کہا۔

"خدا کی قسم۔ آج پہلی بار آپ کے ساتھ یہاں آکر بیٹھی ہوں۔ یہ نہ سمجھئے کہ میں اس ماحول کی عادی ہوں۔ اس طرح نسائی کردار پر ضرب پڑتی ہے لیکن آپ کے سلسلے میں اس قدر الجھ گئی تھی کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکی۔ ظاہر ہے سڑکوں پر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔"

شعور نے گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے گردن ٹکا دی پھر بولا۔

"ظاہر ہے مگر ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں ہے لوگ ہوٹلوں میں بیٹھتے ہی ہیں۔ فرمایئے میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"شعور صاحب! خدا کی قسم قصور میرا نہیں تھا۔ بس کچھ اس طرح مجبور کر دیا گیا کہ مجھے جانا پڑا مجھے پورا پورا احساس ہے کہ آپ کو زحمت ہوئی ہوگی اور پھر زحمت کے علاوہ آپ نے اسے اپنی توہین محسوس کیا ہوگا کہ ہم لوگ چلے گئے۔ کچھ ایسی ہی صورتحال تھی۔ دراصل ماموں کے ہاں۔۔۔"

"ارے نہیں نہیں یہ تو آپ سوچ رہی ہیں فوزیہ صاحبہ 'ہم لوگ پہنچے تھے' آپ کے ملازم نے حالانکہ کہا بھی کہ آپ ہمارے لئے چائے تیار کرا کر گئی ہیں لیکن ایسے کبھی میزبانوں کے بغیر کہیں چائے پی نہیں۔ اس لئے ہمت نہیں کر سکے" شعور کے انداز میں شکایت آگئی۔ فوزی نے آنکھیں بند کرکے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"کہہ گئے آپ۔ اصل بات کہہ گئے۔ اب میں کیا کہوں۔ بس بعض اوقات والدین اولاد کے لئے بڑے تکلیف دہ بن جاتے ہیں۔ میرا قصور نہیں تھا۔ خدا کی قسم میرا قصور نہیں تھا لیکن کچھ ایسی ہی صورتحال پیش آگئی تھی۔۔۔"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں فوزی صاحبہ واقعی کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کیوں بار بار اس کا تذکرہ کر رہی ہیں۔"

"آپ بہت اچھے انسان ہیں اور اچھے انسان معاف کر ہی دیا کرتے ہیں۔ ایک بار پھر آپ سے معافی چاہتی ہوں۔"

"چلئے ٹھیک ہے اگر آپ اتنا ہی مصر ہیں اس بات پر کہ معافی ضرور مانگیں تو آپ کی مرضی۔" شعور نے ہنستے ہوئے کہا۔ ویٹر نے چائے کے برتن لگا دیئے تھے اور فوزی شعور کو شرمندہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ فوزیہ نے بڑے اہتمام سے چائے بنائی اور ساتھ لائے ہوئے اسنیکس کی پلیٹ شعور کو پیش کی۔ شعور ہنسنے لگا پھر بولا۔

"خوب تکلف کر رہی ہیں آپ فوزیہ صاحبہ۔"

"اگر صحیح معنوں میں میری اس وقت کی کیفیت کو سمجھ لیں تو خلوص دل سے آپ مجھے معاف کردیں۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میرے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ بعض اوقات اپنی مرضی کے خلاف ایسی کچھ باتیں ہو جاتی ہیں لیکن ہم سب ہی فوزیہ صاحبہ حالات کے تابع ہوتے ہیں۔ حالات ہمارے تابع نہیں ہوتے۔ ایسے معاملات پر کسی کو برا نہیں ماننا چاہئے بلکہ فراخدلی سے دوسرے کی مشکل کے بارے میں سوچ لینا چاہئے اور پھر آپ نے تو بلاوجہ ہی یہ تکلف کیا تھا۔ شناسائی کے لئے ضروری تو نہیں ہے کہ اس قسم کے تکلفات بھی کئے جائیں۔ بس آپ کا ایک دفعہ دیکھنا اور ہیلو کہہ دینا ہی کافی تھا۔"

"آپ کی اس بات نے مجھے بہت متاثر کیا ہے شعور صاحب اور پھر کیوں نہ ہو شعور کے راستے تو روکے ہی نہیں جا سکتے۔

یہاں بات شعور کی ہے۔" شعور ہنسنے لگا۔ فوزیہ بھی ہنستی رہی پھر اس نے کہا۔

"ویسے اپنی گلی کیسی لگی آپ کو۔"

"سچ جانیئے۔ بہت اچھی۔ درحقیقت ہم جس ماحول کے پروردہ ہیں اسی ماحول میں جی سکتے ہیں۔ ایک اور دنیا ہوتی ہے اس دنیا سے الگ لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں فوزیہ صاحبہ کہ اگر کبھی کوئی وہاں کے مکینوں کے دل میں جھانک لے تو اسے ان کے دل خالی خالی نظر آئیں گے۔ انسان انسانوں ہی کے درمیاں جی کر خوش رہتا ہے۔ اپنی ذات میں تنہا رہ کر خوش رہنا بے حد مشکل کام ہے۔"

"بڑے اچھے خیالات ہیں آپ کے۔ اپنی گلی کے لوگ چھوٹے چھوٹے مسائل میں گھرے مخلص لوگ ہیں اور شمع پروانہ صاحب تو بس یوں سمجھئے کہ ہماری گلی کے کلا سکس میں سے ہیں۔"

شعور ہنس پڑا۔ "بالکل درست کہا آپ نے۔ اتنے اچھے لوگ ہیں کہ بس میں بتا نہیں سکتا۔"

"تعریفیں تو آپ لوگوں کی بھی بہت سنی ہیں اور بعض جگہ یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ شمع پروانہ صاحب کو اللہ نے آخری عمر میں اولاد دے دی ہے۔ آپ لوگ ان کا بچوں ہی کی طرح خیال رکھتے ہیں۔"

"تو پھر اور کون خیال رکھے ان کا" شعور ہنس کر بولا۔

"ویسے شعور صاحب آپ کا اپنا ایک ماحول ہوگا۔ ماضی ہوگا۔ میرا مطلب ہے۔ آپ سے منسلک لوگ۔"

"جی ہاں۔ کچھ افراد مجھ سے منسلک ہیں۔ خصوصی طور پر میرا دوست سمجھ لیجئے' بھائی کہہ لیجئے' ساتھی سمجھ لیجئے' جو کچھ بھی ہے طاہر ہے۔ رشتے میں تو خیر وہ میرا بھائی ہے لیکن اصل رشتہ میرا اور اس کا روح کا رشتہ ہے۔"

"جی جی۔ کیوں نہیں رشتے محبتوں ہی سے تخلیق پاتے ہیں مگر آپ لوگ کرتے کیا ہیں۔"

"میں بھی ملازمت کرتا ہوں اور کچھ عرصے قبل طاہر کو بھی نوکری ملی ہے۔"

"کیا کام کرتے ہیں آپ۔" فوزی نے سوال کیا اور شعور اسے اپنے بارے میں بتانے لگا۔

"ویسے آپ کو اچھی خاصی رقم اپنے گھر بھی بھیجنا پڑتی ہوگی؟"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل میرے والدین یا بہن بھائی وغیرہ نہیں ہیں۔ طاہر میرا چچا زاد بھائی ہے۔ چچ وغیرہ اپنی جگہ پر مطمئن لوگ ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ طاہر کی وہاں اپنے گھر میں بنتی نہیں ہے۔ میرے پاس آگیا ہے اور ایک طرح سے میرا اور اس کا دوستی کا رشتہ ہے میرا مطلب ہے کہ ہم لوگوں پر مزید کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔"

"اچھا اچھا مگر شعور صاحب۔ زندگی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال ہے' ہم زندگی ہی کے بارے میں گفتگو کرتے رہے ہیں مس فوزی۔"

"کیا زندگی روشنی کا نام نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔ زندگی اتنی محدود نہیں ہے۔ روشنی تو اس کا ایک جزو ہے۔ اس کے تو لاتعداد حصے ہیں۔ جن میں تاریکیوں' بھی بڑا دخل ہے۔ جس طرح انسانی جسم کے مرکب کو لاتعداد اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی سے اس کی تکمیل ہوتی ہے اس طرح زندگی بھی مختلف کیفیات کا مرکب ہے اور اس میں اگر کسی ایک جزو سے انحراف کیا جائے تو سمجھ لیجئے کہ زندگی بیمار ہو جاتی ہے۔"

"روشنی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"بینائی بحال رکھتی ہے بشرطیکہ روشنی کو صرف بینائی سمجھا جا سکے۔"

"میرا خیال تو یہ ہے کہ روشنی پوری زندگی کے لئے بینائی ہوتی ہے۔ ایک پسماندہ اور تاریک ماحول میں جینے والا زندگی سے بہت دور جا تا ہے۔ سسک سسک کر عمر گزارنا کیا انسانی زندگی کے لئے سب سے تکلیف دہ عمل نہیں ہے۔"

"ہاں لیکن قناعت پسند ہونا بہت بڑی بات ہے اگر ہماری بینائی بحال ہے اور ہم روشنی میں ماحول کا تجزیہ کر سکتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ روشنی کا بس اتنا ہی دخل ہے زندگی میں۔ باقی اور بھی چیزیں اسی حیثیت کی حامل ہیں۔"

"میں تو شعور صاحب' روشنی کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتی آپ یقین کیجئے ہم بڑی اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔ میرے ا

خاصی اچھی حیثیت کے مالک ہیں بس ان کی ضد ہے کہ وہ اسی جگہ رہیں گے کیونکہ یہاں سے ان کے ماضی کی بہت سی باتیں وابستہ ہیں۔ میری امی اور میں تو بالکل بھی یہاں رہنا پسند نہیں کرتے میں یہ نہیں کہہ رہی کہ اس گلی کے لوگ برے ہیں۔ بہت اچھے لوگ ہیں یہ لیکن ان سے الگ ایک اور صاف ستھری دنیا بھی ہے۔ جہاں بے شک اقدار کے معیار نا قابل برداشت ہیں لیکن اس کے باوجود سکون بھی زندگی کا ایک حسین حصہ ہوتا ہے اور سکون کی مختلف اقسام ہوتی ہیں مثلاً" مالی آسودگی' خوبصورت گھر' خوبصورت کار' ایئر کنڈیشنڈ کمرے۔ اچھا سا کاروبار اگر یہ سب کچھ زندگی میں ہو تو آپ یقین کیجئے کہ زندگی کا حسن بڑھ جاتا ہے۔"

"میں اس سے انکار نہیں کرتا فوزیہ صاحبہ لیکن جہاں یہ چیزیں میسر نہ ہوں وہاں بھی جینے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔"

"ہاں ٹھیک ہے" فوزی نے کسی قدر لاپروائی سے کہا۔ پھر بولی۔ "مگر شعور صاحب۔ آپ نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا فیصلہ کیا؟"

"بس اتنا کہ جدوجہد کرتا رہوں۔ مستقبل خود ہی مجھے آواز دے۔ تو اس کی جانب قدم بڑھا دوں اور جب ایسا ہوگا تو میں دوڑنے سے گریز نہیں کروں گا۔"

فوزی نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولی۔

"کیا خیال ہے اٹھا جائے۔"

"جی جی۔ ضرور۔"

ہوٹل سے نکلتے ہوئے اس نے کہا "شعور صاحب! اس دن کی گستاخی کی ایک بار پھر معافی چاہتی ہوں۔ ملاقاتیں ہوتی رہنی چاہئیں' کبھی' کبھی' لیکن اس طرح ہوٹلوں میں بیٹھنا یقیناً" آپ کو بھی پسند نہیں ہوگا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں خود ہی کسی دن آپ کو اپنے گھر مدعو کروں گی۔ ابو اور ممی جنہیں میں ممی اور ڈیڈی کہتی ہوں' سے ضرور ملاقات کیجئے گا۔ آپ کو خوشی ہوگی۔"

"آپ جب بھی حکم دیں گی میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"میں بھی کسی وقت شمع صاحبہ کے پاس آؤں گی۔ بڑے اچھے لوگ ہیں۔"

باہر نکلنے کے بعد فوزی نے سرسری انداز میں شعور کو اپنی فوکس ویگن سے لفٹ دینے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن شعور نے معذرت کر لی اور کہا۔

"گلی کے لوگ اب اتنے کشادہ چشم بھی نہیں ہیں کہ ہم دونوں کو اس طرح فوکس ویگن میں دیکھ کر انگشت نمائی نہ کریں۔"

فوزی ہنس کر بولی۔ "یہی تو ایک دلچسپ پہلو ہے ایسی جگہوں کا' اگر ہم اچھے علاقوں میں رہیں تو آپ یقین کیجئے کوئی ہم پر غور بھی نہیں کرے گا۔ تاہم بہت بہت شکریہ۔ بے حد شکریہ۔"

فوزی نے فوکس ویگن آگے بڑھا دی۔ عقب نما آئینے میں وہ شعور کا جائزہ لے رہی تھی جو خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ فوزی کے ہونٹوں پر ایک لمحے کے لئے مسکراہٹ پھیل گئی لیکن پھر فوراً ہی یہ مسکراہٹ سکڑ گئی اور پیشانی پر تشویش کی لہریں نمودار ہو گئیں شمع پروانہ کے ہاں ایک چھوٹے سے کمرے میں رہنے والا شخص کیا اتنی توجہ کا طالب ہو سکتا ہے؟ اس کا مستقبل کچھ نہیں ہے۔ وہ صرف ایک موہوم سی امید پر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور مستقبل کے قریب آنے کا انتظار کر رہا ہے۔ نہیں یہ شخص روشنی سے دور کا آدمی ہے۔ تاریکی میں کھڑا ہوا ایک ایسا نوجوان جو دلکش تو ہے لیکن روشنی اس تک نہیں پہنچ پا رہی۔ سنبھلنا چاہئے۔ سنبھلنا ضروری ہے یہ سب کچھ۔۔۔ یہ سب کچھ مناسب نہیں ہوگا۔ بس اس احسان کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے وہ خلا میں دیکھنے لگی۔ دل میں جو احساسات پیدا ہوئے تھے۔ وہ ابھی تک کشمکش میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس نے سر جھٹک کر ان خیالات سے بچنے کی کوشش کی اور گاڑی گھر کی جانب بڑھا دی۔

*

"جمیل احمد صاحب گھر میں واپس آگئے۔ فریدہ بیگم بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ فرزانہ سکتے کے سے عالم میں کھڑی ہوئی تھی۔ اور لوگوں نے جو الفاظ کہے تھے جمیل احمد صاحب کے سینے میں تیر کی طرح ترازو ہو گئے تھے۔ ان کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ فریدہ بیگم کا بلکنا' دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ گھر میں اب تک بہت کچھ ہوا تھا۔ بہت

بڑی بڑی باتیں ہوگئی تھیں لیکن ایسا مرحلہ کبھی نہیں آیا تھا۔ جمیل احمد صاحب نے گھر پر ڈکٹیٹرشپ قائم کر رکھی تھی۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اپنی آواز سب سے بلند رکھتے تھے۔ شہباز سے توانہیں انتہائی ضد تھی لیکن پھر دل میں گداز پیدا ہوا اور جب بیٹے سے اختلافات ختم ہوئے اور اچھے دور نے گھر میں جھانکا تو اچانک ہی تاریکی چھا گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کریں۔ سب کچھ تھا مگر پولیس کے معاملات سے کبھی آشنا نہیں ہوئے تھے۔ ان کی گلی میں غالباً" پولیس کے آنے کا یہ پہلا ہی موقعہ تھا۔ لوگوں کے چہروں کی ناگواری بھی آنکھوں میں تھی۔ اس سلسلے میں بھلا کوئی کیا مدد کرے گا۔ انہی پریشانیوں میں ڈوبے بیٹھے ہوئے تھے۔ فریدہ بیگم نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن رونے کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں نکل سکی۔ فرزانہ جو خود بھی سکتے کے عالم میں تھی سنبھلی اور ماں کے قریب پہنچ گئی۔

"امی! روئیں نہیں امی کچھ ہو جائے گا۔ اللہ نے چاہا تو کچھ ہو جائے گا۔"

"کیا ہوگا؟ کیا ہوگا فرزانہ؟ کاش یہ خوشی ہمارے گھر میں کبھی نہ آتی۔ کاش ہم اس انداز میں کبھی نہ سوچتے کہ۔ کہ۔ ہمارا بھی اچھا وقت پھر سے واپس آگیا۔ کاش انہی برے لمحات میں زندگی گزرتی رہتی۔ ہمارے گھر میں تو خوشیوں نے ایک لمحے کے لئے جھانکا اور سب کچھ ختم ہوگیا سب کچھ ختم ہوگیا۔ فرزانہ' پولیس۔۔۔ اسے گرفتار کر کے لے گئی۔ اب کیا ہوگا؟ ہائے اب کیا ہوگا"

جمیل احمد صاحب اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے۔ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگے۔ یہ تو ان کی سمجھ میں بھی نہیں آرہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔ محلے میں باہر نکلنے سے ڈر رہے تھے۔ لوگ جمع ہوں گے اور اس کے بعد نجانے کیا کیا کہیں گے ان سے۔ اپنے آپ کو ہر ایک کا مجرم محسوس کر رہے تھے۔

مجن بی منہ اٹھائے جنگلی بیل کی طرح اندر داخل ہوگئیں۔ ہانپتی کانپتی آئی تھیں۔ گھر کا ماحول دیکھا لرزتے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"اے بوا کیا ہوگیا۔ کیا ہوگیا۔ سنا ہے پولیس شہباز کو پکڑ لے گئی۔"

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجن بی خود ہی بیٹھ بھی گئیں۔ ایسی ہی بے تکلف خاتون تھیں کہنے لگیں۔

"مگر کیوں لے گئی۔ کسی کو مار مور آیا ہے کیا؟ کسی سے کچھ چھین چھان لیا ہے کیا؟ ارے کچھ منہ سے تو بولو۔ سب کے سب چپ بیٹھے ہوئے ہو۔ ہمدردی اور محبت میں دوڑی چلی آئی ہوں۔ میرے تو ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔ کیسے کلیجہ دھڑ دھڑ کر رہا ہے۔ اے بی سچ ہے یا دشمنوں نے اڑائی ہے"

فرزانہ نے تلخ نگاہوں سے مجن بی کو دیکھا کہنا چاہتی تھی کہ براہ کرم واپس چلی جایئے ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے لیکن مجن بی کی عادت جانتی تھی۔ وقت بگڑ گیا تھا۔ ایک کی چار سنائیں گی۔ خاموش رہی۔ فریدہ بیگم کی بھی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ مجن بی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اے بوا۔ اسی دن کے لئے کہتی تھی۔ اسی دن کے لئے کہتی تھی کچھ کرو۔ سمجھاؤ۔ یہ۔ یہ سب کچھ رنگ لائے گا اور دیکھ لو کیسا رنگ لے کر آیا۔ ہائے بیچارے بچے کو مار مار کر ادھ موا کر دیں گے یہ موئے پولیس والے' اے بوا کیا بتاؤں میری نند کے بیٹے کو پکڑ کے لے گئے تھے ایک بار۔ واپس آیا تو ایسا ادھڑا ہوا تھا کہ دیکھے نہ دیکھا جاتا تھا۔ میں اسی لئے کہتی تھی فریدہ بیگم کہ کچھ کرو۔ بچوں کو سمجھاؤ' صحیح پرورش کرو۔ ایک اپنا شمشاد ہے۔ اللہ اسے دنیا کی ساری خوشیاں نصیب کرے۔ سیدھے منہ جاتا ہے' سیدھے منہ آجاتا ہے۔ نہ ادھر ادھر دیکھنا نہ کسی سے منہ ماری کرنا اور یہ شہباز پتہ نہیں جمیل احمد تم نے کیا گھول کر پلایا تھا اسے۔ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتا تھا۔ ماں باپ کی ناک میں دم کر کے رکھ دیا تھا۔ برے اعمال کا برا نتیجہ مل گیا۔"

"مجن بی۔" فرزانہ چیخ پڑی۔

"اے بوا۔ اب مجن بیچاری پر چیخنے چلانے سے کیا ہوتا ہے۔ محلے کا معاملہ ہے ایک ایک کا درد دل میں رکھتی ہوں۔ ایک ایک سے محبت ہے مجھ کمبخت ماری کو۔ اپنی محبت میں ڈوبی چلی آئی جی جل رہا ہے۔ دل دکھ رہا ہے۔ تم لوگوں کی تکلیف پر۔ زبان سے برا نکل رہا ہے تو برا کہہ لو مگر اللہ لگتی کہوں گی۔ سب قصور تم لوگوں کا ہے۔ سارا قصور تم سب کا ہے۔ تم اسے نہیں سمجھا سکے"

فرزانہ نے آہستہ سے کہا۔ "مجن بی۔ خدا کے لئے آپ دیکھئے ہم پر کیا قیامت ٹوٹی ہے اور آپ ہم پر طنز کر رہی ہیں۔ طعنے دے رہی ہیں۔"

"ہائے کیا کروں اور کیا نہ کروں؟ ارے مگر کچھ بتاؤ تو سہی۔ ہوا کیا ہے۔ کس جرم میں پکڑا گیا ہے؟ کوئی ڈکیتی وغیرہ کا چکر ہے کیا۔ کسی کو چھری وغیرہ مار دی ہے آخر ہوا کیا ہے؟"

"مجن بی! آپ جایئے۔ براہ کرم آپ چلی جایئے۔ اس وقت ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے۔ ہم آپ کے سوالات کا جواب دیں۔ یا اپنی مشکل کا حل تلاش کریں۔" جمیل احمد صاحب برداشت نہیں کر سکے۔

"میاں! کیا ہے سو بھگتو۔ میرے چلے جانے سے تمہارا کام بن جاتا ہے تو ٹھیک ہے۔ لو چلی جاتی ہوں۔ اے ہاں میں تو محبت میں ڈوبی چلی آئی تھی۔ مجھے بھی نکالا دیا جا رہا ہے گھر سے۔ چلو ٹھیک ہے میاں ایسی بے عزتی محبت کرنے والوں کی ہوتی ہی ہے۔"

مجن بی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہیں خدا کی قسم۔ ایسی بات نہیں ہے مجن بی۔ آپ ہماری بزرگ ہیں۔ بڑا احترام کرتے ہیں ہم آپ کا لیکن اس وقت ہمیں سوچنے کے لئے وقت چاہئے۔"

"ٹھیک ہے میاں ٹھیک ہے۔ خدا حافظ مگر سنو دعائیں کرتی رہوں گی۔ کچھ بھی کہہ لو مجن بی کو دعائیں دوگی۔ اللہ تمہیں مصیبت سے نکالے۔" مجن بی دروازے سے باہر نکل گئیں۔ عجیب و غریب کردار تھا۔ وہ جو کہتے ہیں ناکہ سارے جہاں کا درد جگر میں سمیٹے ہوئے ادھر کی ادھر یہی زندگی تھی ان کی پتہ نہیں اس میں کوئی کھوٹ تھا یا سب کچھ سچائیوں پر مبنی تھا۔

بہر حال جمیل احمد صاحب اس وقت ان تمام باتوں کو سوچنے کی پوزیشن میں نہیں تھے بلکہ یہ سوچ رہے تھے کہ اب کرنا کیا چاہئے۔ دور دور تک کوئی ساتھی' کوئی سہارا نظر نہیں آرہا تھا۔ پولیس افسر کہہ کر گیا تھا کہ گرفتاری کی وجہ معلوم کرنے کے لئے تھانے آنا پڑے گا۔ جمیل احمد صاحب کا تو دم ہی نکلتا تھا تھانے کے سامنے سے گزرتے ہوئے۔ لاحول پڑھ کر آگے بڑھتے تھے اور اب وہ لمحہ آگیا تھا جب تھانے میں جانا تھا۔ ماضی پر نظر ڈالی۔ بہت دور اپنے آپ کو کھڑے ہوئے پایا۔ جرم کا آغاز تو وہیں سے ہوا تھا جہاں انہوں نے دوسروں کی رائے ٹھکرا کر اپنی رائے مسلط کی تھی۔ اچھا خاصہ ماحول تھا۔ شہباز تعلیم حاصل کر رہا تھا اور ایک لگی لگائی نوکری اس کے لئے موجود تھی۔ حساب کتاب بھی ایسا ہی تھا کہ جمیل احمد صاحب ریٹائر ہوں تو شہباز کی تعلیم مکمل ہو جائے۔ خیالات تو یہی تھے کہ تعلیم کی تکمیل کے بعد شہباز گھر کا نظام سنبھال لے گا۔ جمیل احمد صاحب کو جو فنڈ وغیرہ ملے گا س سے بڑی آسانی سے فرزانہ کی شادی ہو جائے گی۔ گھر اپنا تھا اس کے بعد شہباز کا مسئلہ شروع ہوگا۔ کمائے گا گھر بنائے گا اور س کے بعد اس کی شادی بھی کر دی جائے گی۔

لگی بندھی لائن پر زندگی چل رہی تھی۔ کہ فنانس کمپنیوں کا مسئلہ سامنے آیا اور لاکھوں کے کروڑوں بنانے کے چکر میں جمیل مد صاحب نے سب کچھ لٹا دیا اور اس کے بعد جھنجلاہٹوں کا شکار ہو کر گھر والوں سے اتنا دور ہوگئے کہ نہ کسی کی سنی اور نہ کسی و سنائی۔ زندگی بہت دن تک اسی ڈھب پر چلتی رہی اور اس کے بعد جب ایک لمحہ ایسا آیا کہ خود کو سنبھالنے کی ضرورت پیش ئی تو بد قسمتی نے یہ آخری دھکا بھی دے دیا۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ گرفتار شہباز ہوا ہے لیکن اس کی گرفتاری کی وجہ ہی ہوں۔ میں ہی ہوں!

وہ گھر کے دروازے سے خاموشی سے باہر نکل آئے۔ یہ سوگوار ماحول دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ ہمت کرنی تھی۔ علاقے کے نے کے بارے میں جانتے تھے۔ راستے میں کسی نے ساتھ نہیں دیا۔ سب کے سب خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے تھے۔ ان کی میں کسی نوجوان کی گرفتاری کا یہ واقعہ بڑا سنسنی خیز تھا اگر اس وقت لوگوں کے قریب جاتے تو ایسی ایسی باتیں سننے کو ملتیں کہ رہی کھا لینے کو جی چاہتا۔ لوگ یہی کہتے کہ بالآخر بسم اللہ ہوگئی۔ اس محلے میں بھی پولیس آگئی اور اب آتی جاتی رہے گی کیونکہ س جب کسی جگہ کا راستہ دیکھ لے تو پھر اسے آسانی سے نہیں بھولتی چنانچہ جمیل احمد صاحب کسی سے ملے بغیر آگے بڑھ ۔ گلی سے باہر نکلے۔ تھانے کا راستہ معلوم تھا۔ فاصلہ کافی تھا لیکن سوچ و بچار میں ڈوبے ہوئے پیدل ہی آگے بڑھتے رہے۔ دھن میں مگن تھے۔ بہت دیر کے بعد تھانے کے دروازے پر پہنچے۔ ماحول اتنا ہی بھیانک تھا پراسرار و خاموش۔ کبھی کہیں کوئی آواز آجاتی۔ پولیس والے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ رجسٹرار کے دفتر پہنچے اور ایک شخص کے سامنے کھڑے

"ابھی تھوڑی دیر پہلے شہباز احمد نامی ایک نوجوان کو گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔ اس کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہوں کس سے بات کروں؟"

"انچارج صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ جاؤ وہاں چلے جاؤ۔" جس شخص سے یہ پوچھا تھا اس نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا اور جمیل احمد صاحب باہر نکل آئے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اسٹیشن آفیسر کا دفتر تھا۔ چک پڑی ہوئی تھی۔ دفتر کے دروازے پر ایک پولیس والا بھی موجود تھا اس نے کہا۔

"ہاں چچا میاں کس سے ملنا ہے؟"

"انچارج صاحب سے۔"

"جاؤ اندر چلے جاؤ۔" جمیل احمد صاحب کا لہو تو اس ماحول کو دیکھ دیکھ کر ہی خشک ہو گیا تھا۔ انچارج صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ تین چار کانسٹیبل موجود تھے ایک دو سادہ لباس والے بھی موجود تھے۔ جمیل احمد صاحب بھی ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ انچارج صاحب نے نئے آنے والے پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ جمیل احمد صاحب کی نگاہیں اس شخص کو تلاش کر رہی تھیں جو شہباز کو گرفتار کر کے لایا تھا۔ وہ ان لوگوں میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ انچارج صاحب مختلف لوگوں سے گفتگو کرتے رہے پھر ان کی نظریں جمیل احمد صاحب کی جانب اٹھ گئیں۔ کہنے لگے۔

"ہاں باباجی آپ کیسے آئے؟"

جمیل احمد صاحب اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر انچارج صاحب کی میز کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ انہوں نے لرزتی آواز میں ہو کر بڑی عاجزی سے بولے۔ کہا۔

"جناب عالی! تھوڑی دیر پہلے پولیس میرے بیٹے کو گرفتار کر کے لائی ہے۔ میں نے پوچھا تھا کہ یہ گرفتاری کس سلسلے میں ہوئی ہے تو مجھ سے کہا گیا تھا کہ تھانے آ کر معلوم کر لو۔ جناب عالی۔ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ ایک ہی بیٹا ہے میرا۔ بہت غریب آدمی ہوں۔ میرے اوپر نظر کرم ہو جائے تو دعائیں دوں گا۔ زندگی بھر دعائیں دوں گا۔"

"کون ہے بھئی ابراہیم۔ کسے گرفتار کیا گیا ہے؟"

"وہ سر۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو۔۔۔ شہباز احمد نامی آدمی کو گرفتار کیا گیا ہے۔"

"وہی۔ وہی جناب۔ وہی۔"

"کس نے گرفتار کیا ہے؟"

"ایس۔ آئی۔ صاحب نے۔"

"اچھا۔ اچھا۔ ٹھیک ہے سمجھ گیا۔ باباجی آپ کا بیٹا چار سو بیسی کے الزام میں گرفتار ہوا ہے۔"

"جناب عالی! کچھ تھوڑی سی تفصیل پتہ چل جاتی تو۔"

"ہاں۔ ہاں تفصیل ہمیں معلوم ہے۔ وہ فراڈی ہے باباجی۔ بہت عرصے سے فراڈ کر رہا ہے۔ بینک میں اس نے اپنے آپ کو کینسر کے مریض کی حیثیت سے بتایا ہے وہاں اکاؤنٹ کھلوایا ہے اپنا۔ لوگوں سے عطیات وصول کرتا ہے اور اس طرح اس نے فورجری کی ہے۔ آپ کو اپنے بیٹے کی حرکت کا پتہ نہیں ہے۔ باباجی؟"

"جناب عالی۔ وہ۔ وہ۔ مم۔ میں۔ میں۔"

"اب۔ وہ۔ وہ۔ مم۔ میں۔ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا باباجی۔ سارے ثبوت پکے ہیں اس کے بارے میں پولیس تفتیش کرے گی اور اس کے بعد اسے سزا ہو گی۔ یہ آج کل کے لڑکوں نے برے برے دھندے ایجاد کر لئے ہیں۔ ہاتھ پاؤں ہلائے نہیں جاتے بجتے حرام خور مگر قصور آپ کا ہے۔ باباجی صورت سے تو شریف آدمی نظر آتے ہو۔ اپنے بیٹے پر نظر نہیں رکھی آپ نے۔ یہ کہنے تو آ گئے آپ کا اکلوتا بیٹا ہے مگر یہ نہیں معلوم کیا آپ نے کبھی کہ اس کے کچھن کیسے ہیں۔"

"جناب عالی۔ مم۔ میں۔ اب یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"گھر جا کر بیٹھو آرام سے۔ مقدمہ چلے گا سزا ہو گی اسے۔"

"رحم چاہتا ہوں۔۔۔ رحم چاہتا ہوں۔"

"باباجی۔ چھوڑو بیکار باتیں۔ رحم چاہتے ہو۔ اس وقت کچھ نہیں چاہا جب بینک سے رقمیں آ رہی ہوں گی اور سارے کے سارے مل کر کھا رہے ہوں گے۔ بینک کو اس طرح بیوقوف بنایا جاتا ہے باباجی۔"

"میں شرمندہ ہوں۔"

"تمہاری شرمندگی سے قانون کا پیٹ نہیں بھرتا۔ جاؤ آرام کرو۔ اب جو ہو گا اس کا انتظار کرو۔"

"جناب عالی۔ ضمانت وغیرہ ہو سکتی ہے اس کی؟"

"جاؤ باباجی جاؤ میرا دماغ خراب مت کرو۔ یہ ساری باتیں پہلے سوچنی چاہئے تھیں۔ کوئی ضمانت ومانت نہیں ہو گی بالکل نہیں ہو گی۔ ابھی پولیس تفتیش کرے گی اس کے بارے میں اور کون کون سے فراڈ کئے ہیں اس نے۔ ایک آدمی جب ایک فراڈ کرتا ہے تو اور بھی بہت سے فراڈ کر سکتا ہے۔ کیا سمجھے باباجی۔"

"میں رحم کی درخواست کرتا ہوں انچارج صاحب میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے ہمارے گھر میں تین افراد مر جائیں گے۔ آپ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر۔۔۔"

"بس کرو باباجی۔ بس کرو۔ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر تو انسان کو بہت کچھ کرنا چاہئے۔ جب بیٹے کا لایا ہوا مال کھاتے ہو گے تو کبھی نہ سوچا ہو گا کہ بیٹا لا کہاں سے رہا ہے۔ یہ تو پہلے سوچنا چاہئے تھا نا آپ کو باباجی۔"

"غلطی ہو گئی جناب۔ کوئی ایسی ترکیب نکال لیجئے۔ کہ۔ کہ۔ کہ۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ ابھی کچھ نہیں ہو سکتا بعد میں دیکھیں گے۔ اب آپ جائیں۔ ہمیں دوسرا کام بھی کرنا ہے۔" انچارج نے کہا اور جمیل احمد صاحب نے محسوس کر لیا کہ اگر اس کے بعد بھی وہ یہاں رکے تو شاید انچارج دھکے دے کر انہیں اپنے دفتر سے نکلوا دے۔ لڑکھڑاتے قدموں سے تھانے کی عمارت سے باہر نکل آئے۔ ذہن میں شدید سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ اب تو وہ ماحول پیدا ہو گیا تھا کہ گھر کی جانب رخ کرتے ہوئے بھی وحشت ہو رہی تھی۔ کیا کریں۔ کیا نہ کریں؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن کہاں جاتے۔ گھر ہی کا رخ کرنا پڑا تھا۔ وہاں فرزانہ اور فریدہ تھیں۔ ان کا برا حال تھا۔ کم از کم انہیں تسلی نہ تھی۔ اپنے آپ کو سنبھالا تھوڑا سا جھوٹ بولنا پڑے گا گھر جا کر۔ ورنہ فریدہ کا تو برا حال ہو جائے گا۔ اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھ رہے تھے۔ ان تمام باتوں کا۔ شہباز کی تمام باتیں یاد آ رہی تھیں۔ آہ یہ کیا ہو گیا؟ اس انداز میں تو کبھی نہیں سوچا تھا' انہوں نے ڈوبتے دل کے ساتھ سوچا۔

☆

سلطانہ جمالی ابھی واپس نہیں آئی تھی۔ شکیل آفس آ رہا تھا۔ یہاں کے معاملات اس کی اپنی پسند کے مطابق تھے یہاں نے کے بعد اسے احساس ہوتا تھا کہ سکون کیا چیز ہوتی ہے۔ ماحول ہی بدل جاتا تھا۔ زندگی کا ایک معیار محسوس ہوتا تھا۔ ایک نا گھر تھا جہاں بے کسی اور افلاس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطانہ جمالی نے اسے ہر طرح مئن کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود پسماندگی کا ایک احساس اس کے دل کے گوشے میں رچ گیا تھا اور وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ ندگی وہاں نہیں ہے بلکہ زندگی کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے ہوٹل' کلب' کاروبار' کار' ایئرکنڈیشنڈ ماحول زندگی کا حسن تو اسی میں ہے۔

کلیم احمد صاحب بے شک نفیس انسان تھے۔ زندگی کی اقدار سے پوری طرح اتفاق کرنے والے لیکن ایسے لوگ زندگی اندگی میں گزار دیتے ہیں روشنیوں کی جانب قدم بڑھانا کوئی غلط بات نہیں ہے ہر شخص کو زندگی میں آسائشوں کے حصول کا اے اور اگر کہیں سے ان آسائشوں کا حصول ممکن ہو جائے تو ان سے گریز حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

شکیل نے آہستہ آہستہ اپنے آپ کو اس زندگی میں شامل کر لیا تھا۔ بہت سے منصوبے اس کے ذہن میں آتے تھے لیکن ان منصوبوں کا آغاز سلطانہ جمالی ہی سے ہوتا تھا۔ وہ کسی کے فریب میں نہیں آنا چاہتا تھا اور جو کچھ بھی کرنا چاہتا تھا یہیں سے ا چاہتا تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنے ایئرکنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھا ہوا انہی تمام فائلوں میں کھویا ہوا تھا جن میں سلطانہ جمالی کے کروڑوں

روپے خرد برد کر دیئے گئے تھے۔ اس نے ہر شخص سے سلطانہ جمالی کی رقومات وصول کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس سلسلے میں اس نے اب تک جو کام کیا تھا اس سے اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ کھانے والوں نے سلطانہ جمالی کو عورت سمجھ کر اس کی خاصی بڑی بڑی رقمیں کھائی ہوئی ہیں اور اب یہ اس کا فرض تھا کہ وہ ان رقموں کی وصولیابی کرے۔ اختیار بیگ صاحب تو چت ہو گئے تھے اور اب اس کے بعد دوسرا نمبر بھی لگا لیا گیا تھا لیکن سلطانہ جمالی کی واپسی کے بعد ہی اس کے سلسلے میں کام کا آغاز کیا جا سکتا تھا۔ البتہ بیرسٹر صاحب سے اس کے تبادلہ خیالات ہوتے رہتے تھے اور بیرسٹر صاحب کا خیال تھا کہ جس انداز میں وہ تمام کیس تیار کر رہا ہے اس میں مدمقابل کو چت کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہو گا۔

اس وقت ساڑھے گیارہ بجے تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے سلطانہ جمالی کی آواز سن کر وہ چونک پڑا۔

"اوہو۔ میں شکیل بول رہا ہوں۔"

"ہیلو شکیل کیسے مزاج ہیں؟"

"آپ۔ آپ کہاں سے بول رہی ہیں؟"

"میں اس وقت سنگاپور میں ہوں۔ میرا دورہ طویل ہو گیا ہے شکیل مجھے اور بھی شہروں میں جانا پڑے گا۔ تمہارے لئے خوشخبریاں ہی خوشخبریاں لاؤں گی۔"

"اوہ۔ کیسے مزاج ہیں آپ کے۔ کیسی گزر رہی ہے وہاں۔؟"

"اچھی ہے۔ بس تمہاری کمی محسوس ہوتی ہے۔ آئندہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جب بھی کبھی غیر ملکی دورے پر آؤں گی تو تمہیں ضرور ساتھ لاؤں گی۔"

"شکریہ۔ میں۔ میں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ بولو"

"نہیں۔ میں بھی آپ کی کمی شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔" شکیل نے جملہ پورا کر دیا اور چند لمحات کے لئے دوسری طرف خاموشی چھا گئی پھر سلطانہ جمالی نے کہا۔

"خیر یہ باتیں آمنے سامنے بیٹھ کر ہوں گی۔ کیا ہو رہا ہے؟"

"تمام کام معمول کے مطابق۔"

"کوئی ایسی خاص بات تو نہیں۔"

"بالکل نہیں۔ مطمئن ہوں۔"

"گڈ ویری گڈ۔ بس میں تمہارا اطمینان ہی چاہتی ہوں۔ اچھا پھر خدا حافظ" سلطانہ جمالی نے فون بند کر دیا۔ شکیل ریسیور رکھ کر سلطانہ جمالی کے بارے میں سوچنے لگا۔ جب بھی اس کے ذہن میں سلطانہ جمالی کا تصور ابھرتا تھا ایک روشن زندگی اور روشن مستقبل اس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا تھا۔ جس کا آغاز اس عورت نے کیا تھا۔ وہ اس کا بے حد ممنون کرم تھا۔ سب کچھ دے دینا چاہتی تھی وہ اسے لیکن شکیل آہستہ آہستہ آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ جس ماحول میں اس نے آنکھ کھولی تھی۔ اس میں احتیاط کو ہمیشہ سرفہرست رکھا گیا تھا اور انگشت نمائی سے ہوشیار رہنے کا درس دیا گیا تھا۔

ابھی سلطانہ جمالی ہی کے خیالات میں ڈوبا ہوا کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھا ہوا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ کوئی دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ شکیل نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور پھر ایک دم سنبھل کر بیٹھ گیا۔ سدرہ تھی حسین ترین لباس میں ملبوس بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ ہمیشہ ایسی ہی ہوتی تھی چہرے پر کسی قدر ناراضگی کے آثار تھے۔ شکیل نے اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھا اور وہ آگے آ گئی۔

"ہیلو مس سدرہ"

"مت بولو مجھ سے۔" اس نے سخت لہجے میں کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ شکیل بدستور سنجیدہ رہا۔ سدرہ نے چند لمحہ سوچا پھر بولی۔

"کیوں نہیں آئے۔"

"کہاں؟"

"میری سالگرہ میں۔"

"بس نہیں آ سکا۔"

"یہ کوئی جواب ہے۔"

"سدرہ صاحبہ میرا خیال ہے یہی جواب زیادہ مناسب ہے" شکیل نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"کیوں؟" سدرہ غرائی۔ شکیل خاموش ہو گیا پھر چند لمحات کے بعد بولا۔

"کیا پئیں گی؟"

"زہر"

"خیر میں وہ آپ کو کبھی نہیں پیش کر سکتا۔"

"بھلا اس میں کیا مشکل ہو گی۔ آپ کو مسٹر شکیل؟" سدرہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"سدرہ صاحبہ مجھے بھلا آپ کو زہر دینے کا کیا حق ہے؟"

"کیسے انسان ہو تم شکیل میں کتنی چاہت سے گئی تھی تمہارے گھر۔ یہ سوچ کر کہ کسی کو دعوت نامہ دینا ہے تو عزت و احترام سے دیا جائے لیکن تم نے مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔"

"سدرہ صاحبہ۔ یہ آپ محسوس کر رہی ہیں حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میں پوچھتی ہوں کیوں نہیں آئے میری سالگرہ میں۔ میری اس بات کا جواب دو۔ میں نے سب سے کہہ دیا تھا کہ آؤ گے اور ضرور آؤ گے۔" سدرہ نے کہا۔

"آپ نے کیوں کہہ دی یہ بات؟"

"کیا مطلب ہے۔ کیا۔ کیا۔ میں۔ میں۔ کوئی غلط لڑکی ہوں۔ کیا میں اس قابل نہیں ہوں کہ کسی پر اعتماد کر سکوں۔ یا کوئی مجھ پر اعتماد کر سکے؟"

"یہ بات نہیں ہے مس سدرہ آپ میرے اور اپنے درمیانی فرق کو نہیں سمجھتیں۔"

"وہی فرسودہ باتیں۔ تمہیں زیب نہیں دیتیں شکیل تم ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہو ایسی شخصیت کے مالک ہو کہ کوئی بھی تمہاری آرزو کر سکتا ہے سمجھے۔ اپنے آپ کو پستیوں کی جانب کیوں لے جاتے ہو۔ کیوں سوچتے ہو اس انداز میں۔"

"حقیقت تو یہی ہے سدرہ صاحبہ! کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کبھی نہیں لگ سکتا۔ آپ غلط انداز میں سوچ رہی ہیں۔ آپ نے مجھے دوست بنا کر بیشک فراخدلی کا ثبوت دیا ہے لیکن مجھے خود تو اپنے بارے میں سوچنا چاہئے۔"

"بکواس۔ فضول۔ سمجھے۔ بالکل فضول۔ بالکل بیکار باتیں ہیں یہ۔ ان کا کتابوں سے تو تعلق ہو سکتا ہے۔ حقیقت کی دنیا بں ان کا کوئی گزر نہیں ہے۔ جو ہاتھ بڑھائے جام اسی کا ہوتا ہے۔ تم ہاتھ بڑھانے سے گریز کر رہے ہو شکیل۔"

"دیکھئے سدرہ صاحبہ! آپ اس انداز میں سوچئے نا۔ اس انداز میں سوچئے کہ میں ایک بڑے آدمی کا ملازم ہوں۔ بڑا آدمی یں ہوں۔ آپ کیوں نہیں سوچتیں میں جہاں بھی جاؤں گا جن نگاہوں سے دیکھا جاؤں گا آپ کو خود اس کا اندازہ ہے۔"

"شامل تو ہو جاتے میری سالگرہ میں پھر دیکھتے کہ کن نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے تمہیں۔ اپنے طور پر یہ فیصلہ کر کے بیٹھ لئے۔"

"فیصلہ ایک حقیقت تھا۔"

"نہیں تھا۔ مجھ سے ضد مت کرو۔"

"آپ کہتی ہیں تو خاموش ہوا جاتا ہوں لیکن یہ ایک سچ ہے۔"

"کوئی سچ نہیں ہے۔ بس تمہیں میرے قریب آنا ہے سمجھے شکیل۔ میں بہت ضدی لڑکی ہوں۔ جو سوچتی ہوں پھر اس کی یل کر ڈالتی ہوں کیا سمجھے۔"

شکیل کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"بس یہی تو فرق ہے مجھ میں اور آپ میں۔ مس سدرہ۔"

"کیا مطلب ہوا اس بات کا؟"

"آپ ضدی ہیں۔ جو سوچتی ہیں وہ کر ڈالتی ہیں۔ میں اگر ضدی ہوتا اور کچھ سوچتا تو اسے کر نہیں سکتا تھا۔ آپ اس بات کو کیوں نظر انداز کر رہی ہیں؟"

"منطق مت لڑاؤ مجھ سے سمجھے۔ میں منطقی نہیں ہوں۔"

"منطقی ہونا چاہئے کیونکہ منطق ایک حقیقت ہوتی ہے۔"

"نہیں ہوتی' میری ضد کو تسلیم نہیں کریں گے آپ۔ ہیں۔ ہیں۔ بولیئے؟"

"اس کے بعد آپ مجھے کیا دھمکی دیں گی۔"

"صرف ایک۔"

"کیا؟"

"میں خودکشی کرلوں گی۔"

"ارے نہیں نہیں۔ خدا نہ کرے۔ مجھ جیسے حقیر آدمی کے لئے آپ خودکشی کیوں کریں گی سدرہ صاحبہ؟"

"تم حقیر اس لئے نہیں ہو کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ سمجھے اور کیا سننا چاہتے ہو مجھ سے؟"

شکیل ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا پھر اس نے گھنٹی بجائی روشن آئی۔ تو اس نے دو مشروب طلب کئے۔ سدرہ نے اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ شکیل مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اور کچھ آپ ہیں یا نہیں لیکن ضدی واقعی ضرور ہیں۔"

"بے حد ضدی۔ شکیل بے حد ضدی۔ یقین کرو میں اپنی ضد میں نجانے کیا کیا قدم اٹھا سکتی ہوں۔ یقین کرو شکیل یقین کرو
میں نے اتنی بے چینی سے تمہارا انتظار کیا' اپنی دوستوں سے بھی میں نے کہا تھا کہ میں تمہیں اپنی پسند سے ملواؤں گی لیکن تم
نے۔ تم نے مجھے ذلیل کر دیا۔"

"میں آپ کی پسند نہیں ہوں۔ سدرہ"

"اب اس بات میں بھی دخل اندازی کرو گے۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم میری پسند ہو۔ میں اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کی عادی ہوں اور میرے راستوں میں کوئی نہیں آئے
گا۔"

"سدرہ صاحبہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ ایک انسان کو ایک بے جان چیز کی طرح سمجھتی ہیں۔ میں آپ کی پسند ہوں
لیکن میں نے آج تک یہ بات نہیں کہی کہ آپ بھی میری پسند ہیں۔"

"میں کسی کو کہنے کی مہلت نہیں دیتی سمجھے۔"

"اچھی بات ہے۔ دلچسپ بات ہے لیکن براہ کرم مجھے تو یہ مہلت دے دیجئے کیونکہ۔ کیونکہ۔"

"ہاں کیونکہ۔"

"کیونکہ آپ نے مجھے اپنی پسند کہا ہے۔"

"لفظوں سے مت کھیلو شکیل۔ اچھا سنو آج شام کو تم میرے پاس آؤ گے۔ میرے گھر۔ شام کی چائے تم میرے ساتھ پیو
گے سمجھے۔ ڈیڈی سے ملاقات کراؤں گی تمہاری اور اس کے لئے اگر تم نے انکار کیا اور وعدے کے مطابق نہ پہنچے شکیل تو پھر
اچھا نہیں ہوگا۔ خدا کی قسم میں کچھ کر بیٹھوں گی۔"

"آپ بلا وجہ ضد کر رہی ہیں۔ سدرہ صاحبہ اور مجھے نجانے کیوں عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔ میں واقعی بڑا الجھا ہوا
ہوں۔"

اتنی دیر میں روشن نے مشروب لا کر رکھ دیا۔ سدرہ نے اپنا گلاس اٹھایا۔ ایک ہی سانس میں اسے خالی کر کے رکھ دیا۔ شکیل
نس کر بولا۔

"یہ بھی لیجئے۔ میں نے ابھی شروع بھی نہیں کیا ہے۔"

"نہیں۔ وہ تمہارا ہے۔"

"آپ چاہیں تو لے سکتی ہیں۔ مجھے خوشی ہوگی۔"

"بالکل نہیں۔ بس میں شدید غصے میں ہوں۔"

"مشروب ٹھنڈا ہے آپ کا غصہ ٹھنڈا کر دے گا۔"

"میرا غصہ تمہاری آمد ٹھنڈا کرے گی سمجھے۔ شام کو چھ بجے میں اپنی کوٹھی پر تمہارا انتظار کروں گی۔ پتہ موجود ہے نا۔"

"جی ہاں۔ پتا موجود ہے۔"

"تم ڈیڈی سے ملو گے۔ ڈیڈی یقین کرو تم سے ملنا چاہتے ہیں آخر یہ بتاؤ شکیل کیا رکھا ہے اس نوکری میں کیا رکھا ہوا ہے اس
زمت میں۔ لوگ تو نجانے کیسی کیسی کہانیاں گھڑتے ہیں اپنے دل سے لیکن تمہیں وہ سب کچھ مل رہا ہے جو کسی بھی شخص کی
زو ہو سکتی ہے اور تم اسے ٹھکرا رہے ہو۔"

"نہ مجھے کچھ مل رہا ہے سدرہ صاحبہ۔ نہ میں اسے ٹھکرا رہا ہوں۔ بس میں تو آپ کو اپنا۔ کیا کہوں اب آپ سے۔"

"کچھ مت کہو۔ میں نے تمہارا گھر دیکھا ہے۔ تمہاری امی اور ابو سے ملی ہوں۔ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ مجھے پسند ہیں۔
مختصر سا خاندان ہے تمہارا' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ شکیل۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ آگے کیا ہو جائیں۔ دیکھو تمہارے
منے ایک حسین مستقبل پڑا ہوا ہے۔ میرے ڈیڈی بہت پسند کرتے ہیں تمہیں آخر ان تمام معاملات کو کیوں ٹھکرا رہے ہو۔"

"اچھا ٹھیک ہے شام کو میں آپ کے ہاں چائے پر ضرور آؤں گا"

وعدہ کرتے ہو یا ٹال رہے ہو۔"

"نہیں سدرہ صاحب۔ میں نے آپ سے آپ کی سالگرہ میں آنے کا وعدہ نہیں کیا تھا اگر وعدہ کرلیتا تو آپ یقین کیجئے کہ ضرور آتا۔ اب میں آپ سے آپ کے ہاں آنے کا وعدہ کر رہا ہوں۔ تو آپ یہ بھی اطمینان رکھیئے کہ میں ضرور آؤں گا۔"

"او۔ کے تو پھر باقی باتیں تم سے اپنے گھر پر ہی ہوں گی۔ ڈیڈی کے سامنے۔"

"بہتر ہے۔" شکیل نے کہا۔

"اب اجازت دو۔"

"او کے خدا حافظ۔"

"بہت خشک آدمی ہو حالانکہ کتنا رومان انگیز ماحول ہے۔ تنہائی ہے اور تم مجھے جانے کے لئے کہہ رہے ہو۔"

"او کے پھر خدا حافظ۔" شکیل نے کہا اور سدرہ نے ایک نگاہ اسے دیکھا۔ دیکھتی رہی اور اس کے بعد دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

اس کے جانے کے بعد شکیل نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس کے ذہن میں لاتعداد خیالات آ رہے تھے۔ سدرہ اختیار بیگ ۔۔ اختیار بیگ وہ صاحب تھے جن کے خلاف شکیل نے ایک ٹھوس قدم اٹھایا تھا۔ نجانے کب سے اپنی چالاکیوں میں مصروف تھے اور مسز سلطانہ جمالی کو نقصانات پہنچا رہے تھے۔ اب پکڑے گئے تھے اور دو کروڑ روپے کے پھیر میں آ گئے تھے لیکن صاحبزادی مجھ سے رجوع کرنا چاہتی ہیں۔ کیوں آخر کیوں؟ عقل نے ساتھ دیا اور ذہن میں یہ تصور جاگا کہ اس کے پس منظر میں کوئی گہری چال ضرور ہے۔ بڑی بڑی کاروباری باتیں ہوتی ہیں اس دنیا میں' نجانے کیا کیا ہوتا ہے۔ واسطہ تو پڑا نہیں کبھی۔ سیاست اور کاروباری سیاست میں بہت سے کھیل کھیلے جاتے ہیں اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو یہ کھیل بھی انہی کھیلوں میں سے ایک ہے۔ محفوظ رہنا ہوگا۔ اپنے آپ کو سنبھالنا ہوگا۔ مسز سلطانہ جمالی نے جس انداز میں زندگی کو ایک سہارا دیا ہے جس طرح مجھے روشنی کی جانب بڑھایا ہے اس کے تحت مجھ پر یہ لازم ہے کہ دنیا کے کسی لالچ میں نہ آؤں بلکہ مسز سلطانہ جمالی کی وفاداری میں بڑے سے بڑا مفاد ٹھکرا دوں۔ ورنہ چند قدم آگے بڑھوں گا اور ٹھوکر کھا کر گر پڑوں گا۔ یہی ہوگا ۔۔ یہی ہوگا۔ کم از کم ایک ٹھوس بنیاد پر مجھے اپنی جگہ رہنا چاہئے۔ نہیں سدرہ صاحبہ نہیں' اختیار بیگ صاحب آپ مجھے زیر نہیں کر سکتے۔ سمجھے آپ۔ آپ مجھے کسی شکل میں زیر نہیں کر سکتے۔

شام کو چھ بجے وہ وعدے کے مطابق اختیار بیگ صاحب کی کوٹھی پہنچ گیا۔ پتہ اسے معلوم تھا۔ مسز جمالی کی کار نہیں استعمال کی تھی۔ ٹیکسی میں آیا تھا۔ اس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ سدرہ اس وقت ایک دوسرا حسین لباس پہنے ہوئے کوٹھی کے بڑے دروازے کے باہر ٹہل رہی تھی۔ اس نے شکیل کو ٹیکسی سے اترتے ہوئے دیکھا تو تیزی سے آگے بڑھ آئی اور گیٹ پر پہنچ کر اس کا استقبال کیا۔

"میں ۔۔۔ نے چوکیدار سے کہہ دیا تھا کہ تم آنے والے ہو لیکن گاڑی میں کیوں نہیں آئے؟"

شکیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "کس کی گاڑی میں سدرہ صاحبہ؟"

"وہ گاڑی جو تم عموماً استعمال کرتے ہو۔"

"وہ دفتری اوقات میں استعمال ہوتی ہے سدرہ صاحبہ۔ پرائیویٹ کاموں کے لئے میں مسز جمالی کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتا۔"

"آؤ۔ آؤ۔ انتہا پسند آدمی ہو اور یقین کرو انتہا پسند آدمیوں سے مجھے بہت خوف محسوس ہوتا ہے۔" سدرہ نے کہا اور شکیل کا ہاتھ پکڑ کر اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔

اِس کے بعد

کائنات کے دوسرے حصے کا مطالعہ کریں۔

کائنات
2
ایم اے راحت

اختیار بیگ صاحب کی کوٹھی بے حد خوبصورت تھی صاحب ذوق تھے دولت کا سہارا حاصل تھا۔ جو کچھ نہ ہو تا کم تھا سدرہ شکیل کو ساتھ لئے اندر داخل ہو گئی اس نے کہا۔

"چونکہ آپ کو مسٹر شکیل، اس کوٹھی میں مہمان نہیں سمجھا جا سکتا اس لئے مہمانوں جیسے تکلفات بھی نہیں ہوں گے"

"بہتر۔" شکیل نے گردن خم کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔ سدرہ نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے آپ بہت تیز انسان ہیں"

"اور آپ بیحد ذہین۔ آپ نے یقیناً" میرے بارے میں درست اندازہ لگایا ہوگا۔"

میرے الفاظ پر آپ نے اخلاقاً" بھی کچھ نہیں کہا۔ میں نے آپ کو مہمان کے بجائے اپنا سمجھا تھا"

"مجھے کیا کہنا چاہئے تھا اس کے جواب میں؟" شکیل مسکرا کر بولا۔

"میرا موڈ نہ خراب کیجئے۔ آیئے آپ کو اپنی کوٹھی دکھاؤں۔"

"ضرور۔" شکیل نے کہا۔ سدرہ اسے کوٹھی کے مختلف گوشے دکھاتی رہی۔ عقبی وسیع لان پر سوئمنگ پول بنا ہوا تھا اسکے کنارے خوبصورت کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔

"کیا خیال ہے چائے یہاں پی جائے یا ڈرائنگ روم میں؟" سدرہ نے پوچھا۔

"کھلی فضا زیادہ بہتر ہوتی ہے مگر آپ کے ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"آجائیں گے۔ آپ نے ہمارا ڈرائنگ روم نہیں دیکھا۔ اس میں ہم نے ساری دنیا اکھٹی کر دی ہے روم، پیرس، جاپان کے ماہرین نے اسے ڈیکوریٹ کیا ہے"

"یقیناً۔" شکیل نے کہا۔

"بیٹھیے۔" سدرہ بولی اور شکیل سوئمنگ پول کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔

سدرہ نے کہا "ڈیڈی نے یہ سب کچھ میرے لئے کیا ہے۔"

"بہت محبت کرتے ہیں اختیار بیگ صاحب آپ سے۔"

"وہ روایتی مزاج کے انسان نہیں ہیں ان کا کہنا ہے کہ انسان کسی طور پر پسماندہ نہیں ہوتا۔ بس ذرائع درکار ہوتے ہیں۔ یہ شخص آگے بڑھ سکتا ہے بشرطیکہ اسے موقع مل جائے"

"بالکل درست کہتے ہیں وہ۔"

"پھر آپ اپنے حسین مستقبل سے منحرف کیوں ہیں؟"

"یہ آپ سے کسی نے کہا مس سدرہ؟"

"آپ نے۔"

"کب؟"

"آپ مجھے نظر انداز کر رہے ہیں آپ میری سالگرہ میں نہیں آئے۔ میری توہین کی آپ نے میں نے آپ سے نہ آنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے مخمل اور ٹاٹ جیسی فرسودہ باتیں شروع کر دیں میں نے ڈیڈی کو یہ سب کچھ بتا دیا وہ ہنسنے لگے تھے۔"

"آپ یقین کیجئے مس سدرہ آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی' آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"بس اتنا کہ میں آپ کا حسین مستقبل ہوں مسٹر شکیل!" سدرہ نے کہا۔ پھر سنبھل کر بولی۔ "ڈیڈی آ رہے ہیں۔" شکیل کی نظریں بھی اٹھ گئیں۔ کوٹھی کے عقبی حصے سے اختیار بیگ صاحب آ رہے تھے۔ شکیل ان کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہیلو مسٹر شکیل کیسے ہو؟"

"شکریہ جناب بالکل ٹھیک ہوں" شکیل نے اختیار بیگ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو۔ سلطانہ جمالی سے رابطہ ہے؟"

"جی ہاں برابر"

"کہاں ہیں ان دنوں؟"

"سنگا پور سے کال آئی تھی۔"

"بہت ذہین اور قیمتی خاتون ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور پھر تم نے اسے اور آسمان پر چڑھا دیا ہے کمی بس یہ ہے اس میں کہ عورت ہے بے صبر' ناشکری۔"

"سمجھا نہیں جناب۔" شکیل نے خاموشی مناسب نہیں سمجھی۔

"کاروبار میں' اور پھر بڑے کاروبار میں کروڑوں روپے کی بھول چوک ہو جاتی ہے' بات چھوٹی موٹی نہیں ہوتی' اتنے بڑے کاروبار کرتے ہوئے ظرف بھی بلند رکھنا ہوتا ہے اور ذہن بھی' چھوٹی سی بات کو بہت بڑی اہمیت دینا' اتنے بڑے کاروبار کے لئے مناسب نہیں ہوتا' سلطانہ جمالی نے حسابات چیک کرائے تو دو کروڑ روپے کی چوک نکل آئی' اپنے طور پر اس نے سوچا کہ اس کے ساتھ بہت بڑا فراڈ ہوا ہے' حالانکہ حقیقتاً" ایسی بات نہیں تھی بس اتفاق تھا کہ نگاہوں سے کچھ حسابات اوجھل ہو گئے' مگر سلطانہ جمالی نے اسے بہت بڑی بات بنا لیا' اس طرح تو ڈیئر شکیل وہ بے شمار لوگوں سے اپنے تعلقات ختم کر بیٹھے گی' پھر اس کے بعد وہ کاروبار کیا کرے گی؟"

"میں سمجھتا ہوں' جناب اختیار بیگ صاحب کہ کاروبار میں تو پائی پائی کا حساب درست ہونا چاہئے اور پھر دو کروڑ روپے کم نہیں ہوتے اگر انہیں سرکولیٹ کیا جائے تو ڈھائی کروڑ' تین کروڑ پھر پانچ کروڑ بن جاتے ہیں اور بہتر یہی ہوتا ہے کہ حسابات درست رہیں۔"

"خیر میاں تم سے اس سلسلے میں اس لئے زیادہ گفتگو نہیں کروں گا کہ ابھی تم اس زندگی میں داخل ہوئے ہو اور پھر ایک ایسے ماحول سے جہاں بڑے کاروبار تمہارے علم میں نہیں آتے میں نے تو یہ سوچ کر دو کروڑ روپے کی فوری ادائیگی کر دی کہ چھوٹی سی بات منظر عام پر آئے گی تو لوگ یہ سوچیں گے کہ مرزا اختیار بیگ اتنی اتنی سی باتوں پر توجہ دیتا ہے۔"

"ڈیڈی! یہ درمیان میں سلطانہ جمالی کہاں سے گھس آئی' مسٹر شکیل کے سر پر دیسے ہی اس کا بسیرا ہے' آپ نے پھر اسی کا ذکر نکال لیا۔"

مرزا اختیار بیگ ہنسنے لگے پھر بولے "بھئی شکیل کے لئے چائے کا بندوبست کیا تم نے؟"

"ہاں بس یہیں منگوا رہے ہیں ہم چائے۔"

"کیسی لگی ہماری کوٹھی شکیل؟ میں نے اسے دنیا کے تین مختلف ممالک کی طرز پر تعمیر کرایا ہے اس کی طرز تعمیر میں ہالینڈ' پیرس اور جاپان کا انداز جھلکتا ہے اس کی ساری ڈیکوریشن میں نے انہی تینوں ممالک کی طرز پر کرائی ہے' مگر شاید تم نے ان ممالک کا سفر نہ کیا ہو؟"

"جی ہاں' بالکل نہیں' میری دنیا تو بس اسی شہر تک محدود ہے۔"

"اب دیکھو ناں میرے دوست برا مت ماننا میری باتوں کا' تھوڑا سا حقیقت پسند انسان ہوں' کتنی ذہانت سے تم سلطانہ جمالی کے لئے کام کر رہے ہو' مگر بعض لوگ ہر قیمت پر اپنے ملازمین کو ذہنی طور پر پسماندہ رکھنا چاہتے ہیں' اصولی طور پر تم نے جس انداز میں سلطانہ جمالی کے لئے کام شروع کیا ہے اسے چاہئے تھا کہ تمہیں دنیا سے روشناس کراتی' بھئی وہ تمہیں اپنے ساتھ سنگاپور وغیرہ لے جا سکتی تھی۔"

"نہیں' آپ یقین کیجئے بیگ صاحب' میں نے خود ہی ابھی جانا مناسب نہیں سمجھا' آپ کی اس رنگ و روپ کی دنیا سے پرے اور بھی ایک دنیا ہے جس کا جائزہ شاید آپ نے اس دن لے لیا ہو جب سالگرہ کا کارڈ' پہنچانے کے لئے آپ بنفس نفیس خود تشریف لائے تھے' میں اسی دنیا کا باشندہ ہوں' یہ دوسری بات ہے کہ محنتی آدمی ہوں اور رزق حلال کھانا پسند کرتا ہوں' اسی بنیاد پر میں نے اپنی بساط سے زیادہ آگے بڑھ کر مسز سلطانہ جمالی کے لئے کام کیا ہے' لیکن ہماری پسماندگی اپنی جگہ قائم ہے' بڑے بڑے ممالک کا دورہ کرنے سے پہلے مجھے اپنے آپ کو بھی تو تولنا ہو گا کہ میں اس زندگی میں کس حد تک آگے بڑھ سکتا ہوں۔"

"بڑی اچھی بات کہی تم نے یقین کرو مجھے پسند آئی' لیکن عزیزم ہر چیز کے لئے تھوڑی سی تگ و دو کرنا پڑتی ہے دنیا کو آگے بڑھ کر دیکھنا پڑتا ہے' گھر بیٹھے تو کوئی چیز چل کر تمہارے پاس نہیں آ جاتی' اپنی اس پسماندگی کو ختم کرنا انسان کی اپنی محنت اور اپنی جدوجہد پر مبنی ہے' یہ سب کچھ کرتے ہوئے جو تم سلطانہ جمالی کے لئے کر رہے ہو تمہیں اس پسماندگی کو دور کرنے کی بھی کوشش

کرنی چاہئے' اب تم نے خود دیکھا فرض کرو میرا ہی معاملہ ہے' دو کروڑ روپے سلطانہ جمالی کو مٹی میں ہاتھ ڈال کر حاصل ہوئے ہیں تمہارا کیا کمیشن بنا' اس میں صرف وہ سوکھی تنخواہ جو تمہیں ہر مہینے ملتی ہے' اسی کے لئے تمہاری تمام وفاداریاں صرف ہیں ناں؟" شکیل کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"آپ گواہ ہیں اختیار بیگ صاحب اس دن جب میں ملازمت حاصل کرنے کے لئے آپ لوگوں کے پاس پہنچا تھا' مسز سلطانہ جمالی بھی وہاں موجود تھیں آپ بھی تشریف رکھتے تھے میرے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا' کیا مجھے وہ ملازمت دے دی گئی تھی' آپ تشریف رکھتے تھے وہاں' میں وہ چہرے کبھی نہیں بھولوں گا' مطلب یہ ہے میرا کہ ملازمت کے حصول کے لئے مجھے نجانے کیسے کیسے مراحل سے گزرنا پڑا اور اس کے بعد جب یہ ملازمت مجھے ملی تو اس بات پر بھی آپ یقین کیجئے کہ میری توقع سے کہیں زیادہ تھی' بہترین تنخواہ حاصل ہوئی مجھے انسان ایک ایک قدم ہی آگے بڑھتا ہے' لمبی لمبی چھلانگیں زیادہ دیر تک نہیں لگائی جا سکتیں' جو تنخواہ مجھے مل رہی ہے میں نے اسی کو اپنا مقدر سمجھا ہے اور جو دو کروڑ روپے آپ سے مسز جمالی کو حاصل ہوئے ہیں وہ ان کی اپنی ملکیت ہے بھلا اس میں میرا کمیشن کیا حیثیت رکھتا ہے؟"

"اسے کہتے ہیں ناواقفیت چائے آ گئی چلو چائے پیو' اس کے بعد بات کریں گے۔" اختیار بیگ صاحب نے سامنے سے آنے والے ملازموں کو دیکھتے ہوئے کہا جو چار ٹرالیاں ڈھکیلتے ہوئے لا رہے تھے اور یہ ٹرالیاں انواع و اقسام کی اشیاء سے بھری ہوئی تھیں' ملازموں نے ادب سے تین میزیں جوڑ کر ایک سرے سے دوسرے سرے تک انہیں سجا دیا' شکیل مسکراتی نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ سدرہ نے آگے بڑھ کر سروس شروع کر دی اور شکیل نے بے تکلفی سے چند چیزیں اپنی پلیٹ میں رکھ لیں' اختیار بیگ صاحب نے نمکین بادام اٹھا کر منہ میں ڈالے اور انہیں چباتے ہوئے بولے۔

"سلسلہ گفتگو وہیں سے جڑ جائے جہاں سے ٹوٹا تھا' میں چند قدم آگے بڑھتا ہوں شکیل' کیونکہ میں اپنی بیٹی کے چہرے پر تردد کے آثار دیکھ رہا ہوں' غالباً" سدرہ سوچ رہی ہے کہ ہم موضوع سے بھٹک گئے' بھئی بات اصل میں یہ ہے کہ میں روایتی قسم کا دولت مند نہیں ہوں نہ میں ان اعلیٰ نسلوں کی مانند نسل پرست ہوں جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے اور ان کی نکیلی مونچھیں کبھی نیچے نہیں ہوتی تھیں' جدید دور اس بات کا متقاضی ہے کہ ذہانت جہاں بھی نظر آ جائے اس کی قدر کی جائے یہ بات میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں شکیل کئی ملاقاتوں میں کہ تم ذہنی طور پر میرے پسندیدہ نوجوان ہو اور اس وقت مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی جب میری بیٹی سدرہ نے کہا کہ وہ بھی تمہیں کو پسند کرتی ہے برا نہیں لگا مجھے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو تمہارا پس منظر کیا ہے' میں ان تمام چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا' میں صرف تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم کیا ہو اور یہ بات میں پورے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم سلطانہ جمالی جیسی مکڑی کے جال سے نکل آئے تو یوں سمجھ لو کاروباری دنیا میں ایک تہلکہ خیز شخصیت ثابت ہو گے' تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پوشیدہ ہیں کہ تم مٹی میں ہاتھ ڈال کر سونا نکال سکتے ہو' خیر یہ رہی بعد کی بات کہ تم کیا کرتے ہو۔ سدرہ میری اتنی چہیتی بیٹی ہے کہ شاید دوسرے ماں باپ اپنی اولاد کو اتنا نہ چاہتے ہوں' جب اس نے مجھ سے اپنی اس پسند کا اظہار کر دیا تو میں نے اس سے مکمل اتفاق کر لیا اور کہا کہ شکیل کو مجھ سے ملا دو' ضروری باتیں کر لی جائیں تو مجھے تم دونوں کو یکجا کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

شکیل نے بے چینی سے پہلو بدلا' لیکن پھر خود کو سنبھال کر سنجیدہ نگاہوں سے مرزا اختیار بیگ صاحب کو دیکھتا رہا' اختیار بیگ صاحب بولے۔

"چنانچہ شکیل رسمی طور پر تو جو کچھ ہونا ہے وہ اسی طرح ہو گا جیسے ہوتا ہے' ذاتی طور پر میں تم سے تمہارے کوائف پوچھنا چاہتا ہوں کون کون ہے تمہارے گھر میں؟"

"والدہ ہیں' والد ہیں اور بس' اکلوتا بیٹا ہوں' والد ایک پاؤں سے معذور ہیں کچھ نہیں کرتے' پہلے زندگی بہت پسماندہ تھی ب خدا کے فضل سے بہتر گزر رہی ہے بس یہ ہے میری زندگی کا مختصر خاکہ۔"

"ہاں ہاں' ٹھیک ہے' مختصراً" مجھے بھی معلوم ہو چکا تھا یہ سب کچھ' تو شکیل یوں کریں گے کہ ان لوگوں کے لئے یک چھوٹا سا گھر خرید دیں گے کسی اچھے علاقے میں ایک دو ملازم رکھ دیں گے ان کے پاس تاکہ وہ ان کی خدمت کریں لیکن ہیں میری بیٹی کے پاس اسی کوٹھی میں رہنا ہو گا' اپنے آپ کو گھر داماد مت سمجھنا کیونکہ داماد بیٹے کی مانند ہوتا ہے پھر دیسے بھی

اس کوٹھی میں انسانوں کی بہت مختصر تعداد ہے میں یہاں تمہارے والدین کو بھی بلا لیتا لیکن ایسے واقعات میں کچھ اس قسم کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جو بعد میں تکلیف کا باعث بن جاتے ہیں' اصل مسئلہ تو ان کی نگہداشت کا ہے اچھے ملازم رکھ دینا' خود بھی ان سے ہفتے میں ایک آدھ بار مل لیا کرنا مجھے یا سدرہ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا' باقی جہاں تک دوسرے معاملات کا تعلق ہے ڈیئر شکیل تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری ذہانت اور محنت اور میرا تجربہ۔ اس کاروبار میں تمہاری الگ شخصیت بنا دے گا اور تم صرف میرے ہی محکوم نہ رہو گے' میں تمہارا مستقبل تعمیر کردوں گا' کیا سمجھے؟ بہرطور میں اپنی بیٹی سے محبت کرتا ہوں میں نے آج تک اس کی ہر خوشی پوری کی ہے بھلا میں اس کی اس مسرت کے کیسے آڑے آسکتا ہوں' میری طرف سے یہ پیشکش ہے' باقی فیصلہ تم خود کرسکتے ہو۔"

شکیل کے ہاتھ ابتداء میں تو رکے تھے' بعد میں وہ اطمینان سے سامنے رکھی ہوئی چیزوں سے شغل کرتا رہا تھا اور مرزا اختیار بیگ کی باتیں سنتا رہا تھا' پھر اس۔ نے چائے کے کئی گھونٹ لئے' اس کی نگاہیں سدرہ کی جانب اٹھ گئیں جو میٹھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی' چائے کا آخری گھونٹ لے کر اس نے پیالی رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"آپ کی بہت سی باتیں میری سمجھ میں آئیں مرزا صاحب اور بہت سی سمجھ میں نہیں آئیں' مثلاً" جو پیشکشیں آپ نے مجھے کیں میرے خیال میں جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس وقت کی جاتی ہیں جبکہ فریقین آپس میں کسی بات پر متفق ہوتے ہیں اور بعد کے معاملات طے کئے جاتے ہیں' میں آپ کی چند غلط فہمیوں کے بارے میں سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

مرزا اختیار بیگ کے جبڑے آہستہ آہستہ ایک دوسرے پر بھنچتے چلے گئے وہ گہری نگاہوں سے شکیل کو دیکھنے لگے پھر انہوں نے کہا۔

"کیا مطلب' میں سمجھا نہیں؟"

"جہاں تک میری ناقص معلومات ہیں ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ مجھے مس سدرہ سے شادی کرنا ہوگی' انتہائی معذرت کے ساتھ آپ سے یہ سوال کررہا ہوں' کیا میرا خیال درست ہے؟"

"ظاہر ہے سدرہ سے شادی ہی کی بات ہے اور یہ سارے معاملات اس شادی کے بعد ہی ہوں گے۔"

"افسوس ہے اختیار بیگ صاحب' آپ ہم ہی میں سے ایک ہیں' اسی ماحول میں آپ بھی پلے بڑھے ہیں ہمارے ہاں شادی وغیرہ کے کچھ رسم و رواج ہوتے ہیں' سنا ہے والدین اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں' وہاں رشتے کی منظوری یا نامنظوری کا مسئلہ ہوتا ہے اور اس کے بعد دیگر معاملات طے کئے جاتے ہیں' یہاں تو ابتداء ہی نہیں ہوئی' یہ کس نے کہا آپ سے کہ میں مس سدرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں' کیا کسی نے یہ سازش کی ہے آپ کے خلاف' میں نے تو کبھی خواب میں بھی یہ بات نہیں سوچی' اگر آپ مس سدرہ کی پسند کا سوال کرتے ہیں تو آپ یقین کیجئے' انہوں نے کبھی مجھ سے اس قسم کے الفاظ نہیں کہے میں تو خیر یہ جرات ہی نہیں کرسکتا کیونکہ اپنی پسماندگی کا احساس ہے مجھے' یہ سارا کھیل شروع کیسے ہوگیا' مسٹر اختیار بیگ؟"

"تمہارے الفاظ خود ہی اس کھیل کے شروع ہونے کا انکشاف کرتے ہیں ڈیئر مسٹر شکیل' بات صرف اتنی سی ہے کہ سدرہ نے مجھ سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا' میں نے اسے اجازت دی کہ آپ کو سالگرہ میں بلالے' اگر آپ سالگرہ والے دن آجاتے تو اس دن بھی مہمانوں کے جانے کے بعد آپ سے یہ بات کرلی جاتی۔ اس اجتناب کا مقصد کیا ہے' کیا کہنا چاہتے ہیں آپ مسٹر شکیل؟"

"صرف اتنا کہ میں مس سدرہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا' باقی ساری باتیں تو اس کے بعد شروع ہوتی ہیں مسٹر اختیار بیگ کہ مجھے کہاں رہنا ہے' کس انداز میں رہنا ہے' والدین کے لئے کیا کرنا ہے' یہ ساری باتیں تو ایک بالکل مختلف حیثیت رکھتی ہیں ابتداء تو یہاں سے ہو رہی ہے کہ میں مس سدرہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا' اس کے بعد تو کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا کہ کیا ہو اور کیوں ہو؟"

"ک۔۔۔ کیوں نہیں شادی کرنا چاہتے کیا خرابی ہے اس لڑکی میں' کیسے آدمی ہو تم جو کچھ میں نے کہا اسے کیا مذاق سمجھا تم نے' کیا تمہیں اپنا حسین مستقبل عزیز نہیں ہے کیا تم ایک بااختیار شخص کی حیثیت سے اس معاشرے میں اپنا مقام نہیں

چاہتے؟"

"جی ایسی ہی بات ہے' میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا۔"

"تب تمہیں صحیح الدماغ نہیں کہا جاسکتا۔"

"اور یقیناً" ایک صحیح الدماغ ثابت نہ ہونے والے آدمی کو انسان اپنا داماد نہیں بنا سکتا' مس سدرہ میں نے غلط تو نہیں کہا' چنانچہ اب ان معاملات کے بعد میرے لئے اجازت مانگنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے چنانچہ اجازت چاہتا ہوں' اس پر تکلف چائے کا بے حد شکریہ اور اس پر اعتماد گفتگو کا بھی شکریہ' اگر آپ پسند کریں تو ایک وعدہ کرسکتا ہوں آپ سے' آپ کی یہ پیشکش اور میری جانب سے اس کے مسترد ہونے کا تذکرہ کبھی منظر عام پر نہیں آئے گا' آپ اطمینان رکھئے گا' بس اب اجازت چاہتا ہوں' مس سدرہ خدا حافظ' جناب اختیار بیگ صاحب خدا حافظ۔" شکیل نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کوٹھی سے باہر جانے والے راستے کی جانب چل پڑا باپ اور بیٹی ہکا بکا اسے دیکھ رہے تھے' شکیل نے پلٹ کر بھی ان کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

● ●

طاہر نے تیسری بار شعور کا چہرہ دیکھا' اس کی تیز نگاہوں نے صاف اندازہ لگالیا تھا کہ شعور آج کچھ ضرورت سے زیادہ خوش ہے' رات کو جب تمام معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دونوں بستر پر لیٹے تو طاہر سے رہا نہ گیا۔

"پروموشن ہوئی ہے؟" طاہر نے سوال کیا۔

"ایں۔" شعور جیسے خیالات سے چونک پڑا۔

"پرائز بونڈ نکلا ہے؟"

"کیا بکواس ہے؟"

"کہیں کوئی پرس پڑا ہوا پایا ہے؟"

"خیریت' دماغ پر گرمی چڑھ گئی ہے؟" شعور نے طاہر ہی کے انداز میں کہا۔

"افسوس کی بات ہے شعور' نہایت افسوس کی بات ہے' خوشیاں اور غم ہر ایک کی زندگی میں شامل ہوتے ہیں اور ان کے زواں دوست احباب اور عزیز ہی ہوتے ہیں نجانے تمہیں یہ مرض کیوں لگ گیا ہے کہ اب تم مجھ سے اپنی باتیں چھپانے لگے ہو۔"

"یار تیری آنکھوں اور چیل کی آنکھوں میں کوئی فرق ہے؟"

"ہے۔"

"کیا فرق ہے؟"

"وہ چیل کی آنکھیں ہوتی ہیں اور یہ میری آنکھیں ہیں' یعنی تم اس بات کا اعتراف کررہے ہو کہ کچھ حقیقت ہے۔"

"ہاں ایک احمقانہ حقیقت۔" شعور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"فیصلہ کرنے والے آپ کون ہیں شعور صاحب' حقیقت آپ مجھے بتایئے' آپ نے ابھی اس دنیا میں دیکھا کیا ہے' جمعہ جمعہ ر دن ہوئے اس دنیا میں آئے ہوئے اور سمجھنے لگے ہیں اپنے آپ کو باشعور۔" طاہر نے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا' شعور کے ذں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"میرے بزرگ ہیں آپ؟"

"ان سے بڑھ کر۔" طاہر نے جواب دیا۔

"قبلہ و کعبہ کیا حکم ہے؟"

"کوئی کہانی گھڑنے کے لئے وقت لے رہے ہو۔" طاہر نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور شعور ہنس پڑا۔

"خدا کے بندے میں تیری طرح ذہین نہیں ہوں۔ آسانی سے کوئی کہانی بھی تو نہیں گھڑ سکتا۔"

"پھر فوراً" بتاتے کیوں نہیں؟"

"فوزی ملی تھی۔"

"کہاں؟"

"بس اس نے مجھے دیکھ لیا اپنی کار میں جارہی تھی میرے قریب رک گئی پھر اس نے مجھے ایک ریستوران میں چائے پلائی۔"

"ہیں؟" طاہر نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"ہاں حالانکہ میں نے اسے بہت منع کیا تھا"

"اٹھا کر کار میں ڈال لیا ہوگا طاقتور لڑکی ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کہی؟" طاہر نے حسب عادت مسخرے پن سے کیا۔ اور شعور ہنس پڑا۔

"میں جانتا تھا کہ یہی بکواس ہوگی۔" وہ بولا۔

"آگے بڑھو برخوردار۔ پھر اس نے تمہیں زبردستی چائے پلائی۔ پھر کیا ہوا؟"

"باتیں کرتی رہی"

"قصہ طوطا مینا سنایا ہوگا" طاہر منہ ٹیڑھا کر کے بولا۔

"نہیں۔ اس دن کے لئے معذرتیں کرتی رہی کوئی اہم ضرورت پیش آگئی تھی اصل میں طاہر، وہ بھی متاثر نظر آتی ہے"

"صاف پتہ چل رہا ہے" طاہر نے کیا۔

"لیکن۔ کیا یہ سب کچھ بیکار نہیں ہے۔" شعور کے لہجے میں افسردگی جھلکنے لگی۔

"یعنی کیا بیکار ہے یہ کہ امداد بیگ صاحب کی بیٹی تمہیں چاہنے لگی ہے۔ اور تم اسے؟"

"تو اور کیا؟"

"یہ کیا منطق ہے میرے بھائی۔ یعنی اللہ نے تمہیں عشق جیسی دولت سے نوازا ہے اور تم ناشکری کر رہے ہو۔"

"تمہیں علم ہے طاہر کہ میں نے ساری زندگی ایسا کوئی کھیل نہیں کھیلا میں کسی کو دھوکہ تو دے ہی نہیں سکتا فوزی کو مجھ سے عشق کر کے کیا ملے گا میرے بھائی۔"

"شوہر، بچے، گھر۔" طاہر پھٹ سے بولا۔

"کیا یہ صرف ایک سنہرا خواب نہیں ہے؟" شعور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیوں۔"

"ہمارے پاس گھر ہے ایسے وسائل ہیں کہ ہم کسی کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں؟"

"عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔ کوشش کرنے سے کیا نہیں مل جاتا شعور!"

"میں احمقوں کی جنت میں نہیں رہتا۔ اپنے حالات اپنے وسائل اپنے مسائل کو بہتر جانتا ہوں۔ ہم جیسے لوگوں کو یہ ساری کہانیاں صرف انسانوں تک محدود رکھنی چاہئیں طاہر۔ خود ان کہانیوں کے کردار بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ آئندہ احتیاط برتنا ہوگی میں تو خود کو سنبھال لوں گا مگر فوزی لڑکی ہے کہیں اسے کوئی روگ نہ لگ جائے اچھی خاصی تر و تازہ لڑکی ہے خواہ مخواہ مرجھا جائے گی!" شعور نے کہا طاہر نے تشویش زدہ نظروں سے دیکھ لیا تھا۔

○ ○

ثریا نے چائے کی پیالی حکمت علی کے سامنے رکھی اور حکمت علی پیار بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"کس وقت گئی تھیں؟"

"کوئی ایک گھنٹہ ہوگیا" ثریا نے جواب دیا۔

"بس اللہ خیر رکھے ان دونوں کا معاملہ آگ اور تیل کا ہے کب تصادم ہو جائے کوئی نہیں جانتا۔"

"آج کل تو ہفتہ امن چل رہا ہے"

"ہاں۔ ہفتہ ہی کہو۔ خدا کرے کچھ ہفتے اور چل جائیں" حکمت علی بولے۔

"ایک بات کہوں ابو" باورچی خانے سے پروین کی آواز سنائی دی۔ ان دونوں کی باتیں دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"ارشاد؟"

"گھر میں کچھ بے رونقی سی نہیں ہوگئی؟ ان دونوں کے درمیان کوئی نہ کوئی موضوع چلتا ہی رہتا تھا نئی نئی باتیں سننے کو ملتی تھیں۔ آج کل کچھ ہو ہی نہیں رہا۔ امی دادی جان کی جوئیں صاف کر رہی ہیں، دادی جان سارے کپڑے رفو کر رہی ہیں دونوں سارے جہاں کی باتیں کرتی رہتی ہیں اور تو اور آج ساس بہو کپڑا خریدنے نکلی ہیں۔ نہیں ابو۔ یہ سب کچھ مصنوعی سا لگ رہا ہے"

"نظر نہ لگاؤ پروین دعا کرو یہ سب ایسے ہی چلتا رہے ویسے ایک بات بتاؤں تمہیں"

"جی۔"

"تم یقین کر لوگی میری بات کا؟"

"کیوں نہیں ابو۔"

"ان دونوں میں اتنی محبت ہے کہ کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ نسیم، اماں کے بغیر ادھوری ہیں تو اماں نسیم کے بغیر نہیں جی سکتیں۔ رفاقتوں کے رشتے بڑے عجیب ہوتے ہیں مختلف شکلوں میں ڈھل جاتے ہیں۔ یہ جھگڑا ان کے پیار کی گہرائی ہے"

"عجیب گہرائی ہے۔"

"عجیب بے شک ہے مگر ہے" حکمت علی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"جاؤ آگئیں؟" ثریا دروازے کی طرف بڑھ گئی پھر اسے اچھل کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ فاطمہ بیگم آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی تھیں۔ انہوں نے غصے میں برقعہ اتار کر ایک طرف پھینکا اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کے تیور دیکھ کر حکمت علی کو اچھو ہو گیا۔

نسیم بیگم بعد میں داخل ہوئیں ان کے ہاتھ میں بڑا سا شاپنگ بیگ تھا جسے انہوں نے پلنگ پر اچھال دیا "لعنت ہے" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"تم پر ہزار بار لعنت مجھ پر کیا لعنت بھیج رہی ہو؟" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"دیواروں سے سر پھوڑیں میرے منہ کیوں لگ رہی ہیں میں نے آپ پر لعنت بھیجی ہے؟"

"مکر کیوں گئیں۔ میاں کی شکل جو دیکھ لی۔ اور دیواروں سے سر پھوڑیں میرے دشمن۔ اور تمہارے منہ کیا لگوں گی میں وہی مثال ہے کہ ہماری جائی ہم ہی سے لجائی۔"

"خدا نہ کرے میں آپ کی جائی ہوتی"

"ہونہہ۔ نواب آصف جاہ کی پڑپوتی ہوتا!"

"نس ہی تو جو کچھ ہوں وہ ہوں آپ اپنی نسل کے بارے میں بتایئے ایک بھی عادت جو شریفوں جیسی ہو۔"

"ہماری نسل ہی ہے بوا کہ تمہارے ابا ڈولی میں بیٹھا کر ہمارے دروازے پر چھوڑ گئے تھے۔"

"شرم کریں اماں بی شرم۔ سالوں جوتے گھسے تھے آپ نے ہمارے دروازے پر چکر لگا کر!"

"اس حماقت پر تو برسوں سے شرما رہی ہوں بوا۔ کاش کوئی تمہارے گن بتا دیتا۔ عقل پر پتھر پڑ گئے تھے میری تو۔ اے حکمت علی تیری تقدیر پھوڑی میں نے بیٹا۔"

"مم میری۔" حکمت علی بوکھلا کر اپنی پیشانی ٹٹولنے لگے ثریا منہ دبا کر باورچی خانے کی طرف دوڑ گئی تھی۔

"آپ کو تو بائیسکوپ میں کام کرنا تھا اماں بی، بی جمالو کا ایسے ایسے پینترے بدلتی ہیں کہ توبہ ہی بھلی"

"ہاں ڈومنی کے خاندان سے ہیں ہم، بھانڈ مراثی ہیں ابا نے چھان بین نہ کر لی تمہارے، رشتہ کیسے منظور کر لیا تھا حکمت علی کا۔"

"آپ دیکھ رہے ہیں ابا مرحوم تک کو نہیں چھوڑا جا رہا" نسیم بیگم نے حکمت علی سے فریاد کی۔

"شکریہ آپ نے ہماری یہاں موجودگی پر غور تو کیا ورنہ ہم تو خود اس پلنگ کو ٹٹول رہے تھے کہ ہم یہاں ہیں بھی یا نہیں ویسے

ایک بات ہم ضرور کہیں گے آپ کی اس مختصر رفاقت کو پروین کی نظر کھا گئی۔"
"میں نے زبان کھولی تو پھر بگڑیئے نہیں"
"زبان تو تم راستے بھر چلاتی آئی ہو بھولی بیگم۔ اب ہاتھ کھولنے کی بات کرو۔ چلو شروع ہو جاؤ مجھ بڑھیا پر جوتی اتار کر۔"
فاطمہ بیگم نے سر کھجا کر کہا۔
"دونوں غنیم پرجوش ہیں سبحان اللہ ویسے اس واردات کے آغاز کی کچھ خبر تو ہو" حکمت علی بولے۔
"اسے پوری زندگی گزر گئی ان بڑی بی سے الجھتے ہوئے کہ اپنی پسند کا پہنا نہ اپنی پسند کا کھایا۔ ناگن بن کر سینے پر بیٹھی رہیں۔
اب بھی وہی عالم ہے۔"
"ناگن ہوں، چڑیل ہوں بی جمالو ہوں سب کچھ ہوں مگر تم اسی گھر میں بسی ہوئی ہو۔ اجاڑا نہیں میں نے تمہیں عیش کر رہی
ہو میرے بیٹے کی کمائی پر۔ ہیں۔"
"طلاق دلوا دیں کوششیں تو ہزار کیں مگر اللہ کی نظر سیدھی تھی کہ کبھی کامیاب نہ ہو سکیں"
"ہم صورت حال سے ہنوز بے خبر ہے اس ادبی گفتگو کا کچھ لب لباب ہمیں بھی تو عطا ہو جائے۔"
"خود دیکھ لیجئے میرے لئے تو مشکل ہی مشکل ہے اس گھر میں اچھا کروں تو بدنام برا تو خیر مجھے کرنے ہی دیا جائے گا۔ گرمیوں
کے لئے لان خریدنے گئی تھی بڑی چاہ سے یہ دیکھئے آپ خود دیکھ لیجئے یہ دو جوڑے اماں بی کے لئے خریدے۔ صوفیانے رنگ تھے
بزرگی کے لحاظ سے خریدے۔ سادہ سادہ سے ایک رنگ کے پھول والے۔ اس عمر میں ملٹی کلر کے کپڑے اچھے لگتے ان پر۔ اس
وقت تو پسند کر لئے مگر جب میں نے اپنے لئے ڈارک کلر فل جوڑے خریدے تو آگ لگ گئی۔
"ہنس رہے ہو۔ زلیخا کی کاٹ دیکھ رہے ہو حکمت علی۔ آگ لگ گئی ارے تمہی جل گئی میری ارے کفن خریدا گیا ہے میرے
لئے تمہاری بیوی جیتے جی مجھے کفن میں لپیٹ دینا چاہتی ہے۔ اے بولو کونسی جائداد مارلی میں نے تمہارے میاں کی؟"
"اخوہ۔ کیا زبردست جوڑ ہے کوئی چت نہیں ہو رہا۔ تم ذرا یہ بنائے فساد مجھے تو دکھاؤ۔" حکمت علی نے کپڑوں کا بنڈل
کھولتے ہوئے کہا۔ پھر اس میں سے ایک کپڑا نکال کر بولے۔ "یہ کس کے ہیں؟"
"پروین کے۔" نسیم بیگم نے کہا۔
"اور یہ؟"
"یہ ثریا کے ہیں"
"اور یہ" حکمت علی نے دو سادہ پھولوں کے جوڑے نکال کر سامنے کرتے ہوئے کہا ان کے چہرے پر واقفیت کے آثار پیدا
ہو گئے تھے۔
"یہ میرا کفن ہے"
"اماں بی۔ اماں بی آپ نے شاید غور سے انہیں نہیں دیکھا۔ کچھ بھول رہی ہیں آپ۔ ابا میاں کو کیسے رنگ پسند تھے یاد
ہے کیا کہا کرتے تھے وہ آپ سے "فاطمہ بیگم۔ ہلکے رنگوں میں تم ملکہ مہرنگار لگتی ہو مجھے۔" یہ ان کے پسندیدہ رنگ ہیں۔
"ایں۔" فاطمہ بیگم چکرا گئیں۔
"یاد ہے کہ ایک بار ایک سوٹ لائے تھے وہ آپ کے لئے۔ بڑے بڑے کاسنی پھولوں والا۔"
"ریشمی سوٹ"
"ہاں۔ آڑا پائجامہ سیاں آپ نے اور ابا میاں نے آپ کی نظر اپنے ہاتھوں سے اتاری تھی۔"
"کوئی بھولنے کی بات ہے" فاطمہ بیگم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
"ذرا اسے دیکھئے میری تو آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں یہ دیکھئے یہ رہے کاسنی پھول۔" حکمت علی گلوگیر لہجے میں بولے اور
فاطمہ بیگم کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔
باورچی خانے میں پروین نے ثریا سے کہا۔ یہ ابو بھی بس یونہی ہیں۔ آٹھ دن کے بعد پروگرام شروع ہوا تھا انہوں نے فوراً
چھڑکاؤ کر دیا بس اب ٹائیں ٹائیں فش۔"

فاطمہ بیگم نے کاسنی پھولوں والا جوڑا اٹھایا اسے دیکھتی رہیں پھر اسے ہونٹوں سے چوما اور سینے سے لگائے اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اب حکمت علی آخری جوڑے کو چھو رہے تھے کہ نسیم بیگم نے اسے ان کے ہاتھوں سے چھین لیا۔

"اماں کی للو پتو کرکے جنتی بن جائیے۔ جائیے ان کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔"

"کہاں نسیم بیگم۔ دور بدل گیا اب جنت کھسک کر بیوی کے قدموں تلے آگئی ہے ہم تو خیر بوڑھے ہوگئے آج کل کے نوجوانوں کو دیکھ لو جس قدر ناز برداریاں بیوی کی ہوتی ہیں اس سے ہزار گنا کم ماں کی نہیں ہوتیں۔ ویسے خدا کی قسم۔ یہ آپ کے سوٹ ہیں۔ ذرا غور کیجئے ویسے چشم تصور میں ہم یہ آپ کے بدن پر دیکھ رہے ہیں اور ہمیں غالب کا وہ شعر یاد آرہا ہے"

"درحقیقت مراثی خاندان ہے آپ کا۔ باتوں کے ماہر' ہر ایک کو خوش رکھنے والے۔ وہ کیا نہ کہہ گئیں مجھے' راستے بھر جلتے دیتی آئیں ہیں۔ جی جلا کر خاک کردیا"

"اب تو جو کچھ بھی ہیں تمہارا سہاگ کہلاتے ہیں مراثی کہو یا ڈوم کہو"

دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی تو حکمت علی چونک پڑے "یہ کون آگیا۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو سمیع اللہ خان تھے۔ بالکل سامنے والے گھر میں رہتے تھے اور بے پناہ گپ باز تھے ایسی ہانکتے تھے کہ توبہ کرنی پڑتی تھی۔

"اماں بھائی حکمت 'کیا لگائیوں کی طریوں گھر میں گھسے رہتے ہو کبھی مردوں میں بھی آبیٹھا کرو۔ سارا محلہ پوچھتا ہے تمہیں لوگ کہتے ہیں کہ بھائی حکمت خود کو لئے دیئے رہتے ہیں اماں محلہ اصل خاندان ہووے ہے آؤ سب جمع ہیں چلو جورو کے مار کھانے کا ڈر ہے کیا؟"

"نہیں سمیع بھائی۔ جوتیاں پہن آؤں ذرا۔" حکمت علی بادل ناخواستہ بولے۔

"جلدی آجاؤ۔ اوں جلیبیوں کی دعوت چل رہی ہے" سمیع اللہ صاحب نے کہا۔ اوڑ حکمت علی نے گردن ہلا دی۔ پھر دا سلیپر پہن کر باہر نکل آئے۔ محفل سمیع اللہ صاحب کے گھر کے دروازے پر جمی ہوئی تھی حکمت علی کا عمدہ استقبال کیا گیا۔

"اماں چچا میاں تم تو محلے والوں سے ملتے ہی نہیں ہو۔ اتنے خراب لوگ تو نہیں ہیں ہم" ایک صاحب بولے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں میں تو آپ لوگوں پر فخر کرتا ہوں خادم ہوں آپ سب کا جب جی چاہے آواز دے لیا کیجئے"

"اماں بڑے شریف آدمی ہیں اپنے بھائی حکمت۔ ابے چلو اب جلیبی منگوالو!!

"بھائی سمیع۔ پھر جلیبی" ایک صاحب منمنائے۔

"ابے لو۔ یہ نبن میاں تو جان ہی کو آگئے قسم اولاد کی۔ اماں بھائی حکمت تم فیصلہ کردو۔"

"کیا؟"

"یہ اپنے بھائی نبن لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ پہلے آپ پہلے آپ والے۔ ہر بات میں اردو کی ٹانگ مروڑنے لگتے! کہتے ہیں صحیح اردو بولو"

"بہت اچھی بات کہتے ہیں نبن میاں" حکمت علی نے کہا۔

"آپ خود غور فرمایئے حکمت علی صاحب ڈیڑھ کلو جلیبیاں منگوائی جارہی ہیں اور کہا جارہا ہے ڈیڑھ کلو جلیبی لے آؤ واحد اور جمع کا فرق مٹا دیا گیا جلیبی واحد ہے اور جلیبیاں جمع۔ جلیبیاں کہا جائے یا جلیبی۔"

"ہائے ہائے عبدالواحد۔ قسم عبدالجمع۔ میاں کہا واحد جمع کے چکر میں پڑے ہو۔ ذرا آدھا کلو لڈو منگوا دو جمع ہیں۔ لونا پکڑو مگر قسم اولاد کی جمع میں منگوائیو۔ ورنہ ڈبل دینے پڑیں گے۔" سمیع اللہ نے کہا اور نبن میاں سر کھجانے لگے حکمت علی حلق سے قہقہہ آزاد ہوگیا۔

"بھئی بخدا مزا آگیا سمیع بھائی کیا داؤ مارا ہے لڈو کی جمع واہ۔ واہ۔ زمانہ قدیم یاد دلا دیا۔ سمیع بھائی آخر دلی والے ہیں اور لکھنؤ میں تو ہمیشہ چونچیں چلیں۔ شعر و شاعری میں ریختی اور ہجو ایجاد ہوئیں کھانے پینے میں داؤ و پیچ کے اکھاڑے" وہاں چاول کے ایک ایک دانے کو غسل دے کر موتیا پلاؤ پکایا گیا تو یہاں اس میں قورمہ داخل کرکے بریانی تیار کردی گئی دال بوٹی کو صاف کرکے دو پیازہ تیار کیا گیا تو یہاں بارہ مسالے شامل کرکے نہاری تیار کردی گئی آج وہی یاد تازہ کردی آپ لوگوں بھئی سبحان اللہ"

گرم جلیبیاں معہ سموسے کے آئیں چائے سمیع اللہ کے گھر سے بن کر آئی اور دونوں نے عیش اڑائے۔ درمیان میں زمانے بھر کی باتیں چلتی رہیں۔

"اماں حکمت بھائی لمڈے کے کیسے حال ہیں۔ جیل تو جاتے رہتے ہوگے ملنے کے لئے" فقیر محمد نے پوچھا۔

"کہاں فقیر محمد بھائی اس شہر کی جیل میں تھا ہے وہ۔"

"پھر؟"

"خطرناک مجرم قرار دے کر دوسری جیل میں بھیج دیا گیا ہے اسے۔ اب میں تنہا انسان' بیوی اور بچیوں کو سنبھالوں یا اس سے ملنے جاؤں"

"اماں آ تا کیسے بگڑ گیا وہ تم تو شریف آدمی ہو"

"تقدیر کے کھیل ہیں میری بھی کوتاہیاں ہیں صحیح نگہداشت نہیں کرسکا"

"اماں کیا زیادہ خطرناک ہے؟"

"کیا بتاؤں فقیر محمد بھائی آگ کا دماغ رکھتا ہے جیل میں جیلر کے سر پر پھاوڑہ مار دیا وہ تو زندگی تھی کہ ہاتھ اچٹ گیا ورنہ ایک اور قتل ہوگیا ہوتا اس کے ہاتھوں نہ جانے اب کس حال میں ہے؟"

"جیل سے رہا ہو کر تمہارے پاس ہی آئے گا وہ؟" کسی نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"تو اور کہاں جائے گا میرا اکلوتا بیٹا ہے"

"کب چھٹی ہو رہی ہے؟"

"کیا کہا جاسکتا ہے دعائیں مانگتا ہوں کہ کسی طرح اس کی سزا کم ہوجائے"

"ادھر بے چارے جمیل احمد بری طرح پریشان ہیں مگر یہاں جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

"کون جمیل احمد؟"

"ہاں وہی اٹھانوے والے جن کا لونڈا کبوتر باز تھا۔"

"انہیں کیا ہوا؟" حکمت علی نے پوچھا

"پکڑا گیا؟"

"کیسے"

"پولیس آئی' ہتھکڑیاں لگا کر لے گئی"

"مگر کیوں"

"پتہ نہیں چل سکا مگر جمیل بھائی بہت پریشان ہیں میاں انہوں نے بھی تو آسمان میں اڑنے کی کوشش کی تھی بس جی اللہ خیر کرے!"

دیر تک یہ محفل جمی رہی پھر حکمت علی وہاں سے اٹھ گئے۔

جمیل احمد گھر میں داخل ہوگئے' گھر کی وہی کیفیت تھی اس وقت صرف فریدہ اور فرزانہ موجود تھیں' دونوں غم سے نڈھال، بجی ہوئی تھیں' جمیل احمد گھر میں داخل ہوئے تو دونوں کی سوالیہ نگاہیں ان کی جانب اٹھ گئیں' جمیل احمد صاحب نے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ پیدا کی' اندر پہنچے اور مسہری پر بیٹھ گئے۔

"کیا ہوا ابو' بتایئے کیا ہوا؟"

"بھئی جو کچھ ہو چکا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا اسے چار سو بیس کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے' بینک میں اکاؤنٹ لوایا تھا اور اخبارات میں جعلی اشتہار دیتا تھا کہ کینسر کے ایک مریض کی مالی امداد کی جائے' کسی نے نشاندہی کردی' رپورٹ ج کرادی' پر جرم تو ہے اس قسم کی جھوٹی خبریں شائع کرا کے لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا جرم ہی تصور کیا جاتا ہے اور پھر بس کی بات تو تم لوگ جانتے ہی ہو' بس آدمی ایک بار ان کے ہاتھ آجائے پھر وہ بیشمار جرائم سے منسلک ہوجاتا ہے"

"کیا مار رہے ہیں وہ لوگ شہباز کو؟" فریدہ بیگم نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"پاگل سمجھا ہے انہیں تم نے' ہر آدمی کو مارنا شروع کردیں بھلا مارنے کا کیا سوال ہے تفتیش کریں گے' جرم کی' مقدمہ چلائیں گے' ضمانت ہو جائے گی اور اس کے بعد کیس چلے گا' یہ ثابت ہونے پر کہ جو جرم اس کے نام سے منسلک کیا گیا ہے' وہ درحقیقت ہوا ہے' فیصلہ ہو گا"

"کیا فیصلہ ہو گا؟" فریدہ بیگم سہمے ہوئے لہجے میں بولیں۔ اور جمیل احمد صاحب جھلا گئے۔

"جج ہوں کیا میں جو فیصلہ بتا دوں اب یہ تو دیکھنا پڑے گا"

"ابو ضمانت کب تک ہو جائے گی؟"

"بیٹے ضمانت خود بخود نہیں ہوتی' بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی اس وقت تو زیادہ رات ہو گئی ہے' میں صبح کو کوششیں کروں گا' بات کروں گا صبح کو' تم لوگ آرام سے لیٹ جاؤ' کچھ کھا پی لو' بدقسمتی نے نجانے کیوں ہمارے گھر کے دروازے پر ڈیرے ڈال رکھے ہیں' غلطی مجھ سے ہوئی تھی' سزا تم سب بھگت رہے ہو کیا کروں اب گزرا ہوا وقت واپس لا سکتا تو تم لوگوں سے معافی مانگ کر اسے ضرور واپس لانے کی کوشش کرتا لیکن اب گزر گیا ہے میں کیا کروں؟"

دونوں خاموش ہو گئیں' جمیل احمد صاحب نے پھر کہا۔

"اب رات کے اس حصے میں اگر تم لوگ بیٹھ کر ساری رات گزار دو تب بھی کوئی بہتری نہیں ہو سکتی' میں بھی آرام کرنا چاہتا ہوں' صبح کو اس سلسلے میں کاوشیں کریں گے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو دنیا کی کوئی کوشش اس وقت اسے تھانے سے نہیں لا سکتی' اس لئے وقت سے سمجھوتہ کرو ہاں دعائیں ضرور کرو اس کے لئے احمق لڑکا جب زندگی کے صحیح راستوں کی جانب چلا تو لوہے کے جال میں گرفتار ہو گیا کیا کیا جائے' تقدیر کی کہانی ایسی ہی لکھی گئی تھی جاؤ بھئی تم لوگ دوسرے کمرے میں جاؤ مجھے تنہا چھوڑ دو۔" جمیل احمد صاحب نے کہا فریدہ اور فرزانہ اٹھ گئیں تھیں' وہ لرزتے قدموں سے باہر نکل گئیں۔

جمیل احمد صاحب پر ایک سنگین خاموشی طاری تھی' وہ نجانے کیا کیا سوچ رہے تھے' رات کے ایک لمحے بھی پلک نہ جھپکی۔ ادھر فریدہ اور فرزانہ بھی جاگ رہی تھیں' گھر کے تینوں افراد نے رات آنکھوں میں کاٹ دی صبح جونہی فجر کی اذان ہوئی جمیل احمد صاحب باہر نکلے تو فریدہ اور فرزانہ کو بھی وضو کرتے ہوئے دیکھا' خود بھی نماز پڑھی' ایسا بحران طاری تھا دل پر کہ گھر سے باہر نکل آئے اور گلی میں دور تک چلے گئے' جو لوگ نماز پڑھتے تھے وہ مسجد سے واپس آ رہے تھے غلام قادر چونکہ سبزی منڈی میں کام کرتا تھا اور اسی وقت گھر سے جایا کرتا تھا چنانچہ جب وہ گلی کے دوسرے سرے سے واپس آ رہے تھے تو انہوں نے غلام قادر کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھا' ان کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا تھا' غلام قادر نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا افسوس بھرے انداز میں آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

"کہئے جمیل بھائی کچھ ہوا یا نہیں؟"

"میں کیا اور میری اوقات کیا غلام قادر بھیا' اس وقت تو تم جیسے کسی صاحب اثر آدمی کے تعلقات کی ضرورت ہے' بس نماز پڑھنے کے بعد دل میں یہی سوچا تھا کہ تمہارے پاس پہنچوں اسی لئے گلی میں ٹہل رہا تھا ہمت بندھا رہا تھا اپنی۔"

غلام قادر کے چہرے پر ایک دم لاتعلقی پھیل گئی' اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔

"میرے پاس آنے سے کیا فائدہ جمیل بھائی' جو کام میرے بس کا تھا وہ تو میں نے کر دیا تھا' اچھا خاصا سبزی منڈی میں کر رہا تھا' پھر یہ کیا سوجھی اسے چار سو بیسی کرنے کی' میں تو یہ سمجھتا ہوں جمیل بھائی اللہ نے مجھے بچا لیا' ابھی سبزی منڈی میں اس نے کوئی الٹا سیدھا کام نہیں کیا تھا' حالانکہ وہاں اسے اس قسم کے مواقع مل سکتے تھے کہ وہ کوئی چار سو بیسی کر جاتا' ارے باپ رے باپ میں تو بال بال بچ گیا' ضمانت تو میری ہی تھی"

"نہیں نہیں غلام قادر بھائی' بات یہ نہیں ہے یہ واقعہ جس کی وجہ سے وہ گرفتار ہوا ہے اس وقت کا تھا جب اس کے سر پر خناس سوار تھا اور وہ سب سے بغاوت کئے ہوئے تھا' غلطی میری ہے غلام قادر بھائی' دراصل میں نے اپنا جو روپیہ فنانس میں لگا دیا اس کی وجہ سے وہ بگڑ گیا تھا ورنہ آپ کو خود بھی پتہ ہے آپ کے سامنے ہی طویل عرصہ گزرا ہے اس کا' پڑھتا لکھتا اور بہت اچھی رپورٹیں رکھتا تھا اصل میں اسے میری نوکری ملنے والی تھی اور وہ اسی پہ آس لگائے ہوئے بیٹھا تھا' مگر

حماقت سے برافروختہ ہو گیا اور بالآخر ان حرکتوں پر اتر آیا' مگر اب اس نے سنبھلنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اسی فیصلے کے تحت وہ نوکری کرنے نکلا تھا آپ دیکھ لیجئے اس نے کافی عرصے سے کبوتر بازی بھی چھوڑ دی تھی' سارے کبوتر بیچ دیئے ہیں اس نے غلام قادر بھائی اس وقت مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔ بہت آس لے کر آپ کی تلاش میں نکلا تھا۔"

"ارے نہیں جمیل بھائی آپ یقین کریں زندگی بھر پولیس کا کوئی جھگڑا کبھی مول نہیں لیا' جان لرزتی ہے اپنی تو قسم اللہ کی پولیس کے نام سے اللہ نے زندگی بھر بچائے رکھا ہے اور بھلا ہم پولیس کے چکر میں پڑیں گے' نہیں جمیل بھائی' اس کے علاوہ اگر کوئی ذمہ داری ہماری ہو تو بے دھڑک بتاؤ"

"بڑی آس تھی آپ سے غلام قادر بھائی۔"

"کہا ناں پولیس کے مسئلے میں میں الجھنا نہیں چاہتا۔"

"بس ضمانت کرانی ہے اس کی۔"

"نہیں بھائی معافی چاہتا ہوں جمیل بھائی' ایک ایسے آدمی کی ضمانت نہیں کرا سکتا میں جو چار سو بیسی کے الزام میں پکڑا گیا ہو' کل کو میں ہی پھنسوں گا ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں' اچھا خدا حافظ مجھے دیر ہو رہی ہے' سبزی منڈی کا کام تو اسی وقت سے شروع ہوتا ہے اس لئے وہیں جا رہا تھا' دیر ہو گئی تو بہت نقصان ہو جائے گا' سلام علیکم۔" غلام قادر نے کہا اور بغیر جواب کا انتظار کئے ہوئے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

جمیل احمد صاحب مایوسی سے کھڑے اسے دیکھتے رہ گئے تھے' غلام قادر کو دیکھ کر دل میں یہ امید پیدا ہوئی تھی کہ ہو سکتا ہے وہ ضمانت ہی کے لئے تیار ہو جائے صاحب اثر آدمی ہے یا کم از کم ضمانت کے لئے ایسے کاغذات داخل کر سکتا ہے جو قانون کا پیٹ بھر سکیں' لیکن ایسا نہیں ہوا تھا' بہت دیر تک مایوس اس جگہ کھڑے رہے پھر آہستہ آہستہ قدموں سے واپس گھر کی جانب چل پڑے۔ گھر میں داخل ہوئے تو فریدہ اور فرزانہ بیٹھی ہوئی تسبیح پڑھ رہی تھیں' خود بھی ان سے کچھ فاصلے پر خاموش بیٹھ گئے' فرزانہ نے کہا۔

"ابو کوئی بات بنی؟"

"ابھی تک نہیں لیکن ناامید نہیں ہوں۔" جمیل احمد نے جواب دیا اس کے علاوہ وہ اور کیا کہہ سکتے تھے' فرزانہ نے ایک لمحے میں ان کے لہجے کی مایوسی محسوس کر لی تھی' وہ خود بھی نجانے کن کن سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی' کوئی چارہ کار نظر نہیں آ رہا تھا' کوئی بات جو سمجھ میں آ رہی ہو۔

دن کے تقریباً" ساڑھے نو بجے تھے' گھر پر وہی سوگ کا عالم طاری تھا' کسی نے بھی دروازے کی جانب رخ نہیں کیا تھا' دفعتہ" فرزانہ کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا' شکیل یاد آ گیا تھا' پتہ نہیں ان لوگوں تک اطلاع پہنچی یا نہیں' اگر اطلاع پہنچی تھی تو کسی نہ کسی کو خبر تو لینی چاہئے تھی' شکیل کے اندر ایک عجیب سی تبدیلی فرزانہ محسوس کر رہی تھی' حالانکہ بچپن کا ساتھ تھا اور ہر لمحہ وہ ساتھ ساتھ رہے تھے گھر سے بھی تعلقات اچھے خاصے تھے لیکن جب سے ان کے حالات بگڑے تھے یہ لوگ خود ہی دوسرے لوگوں سے کھنچ سے گئے تھے' فرزانہ تو اپنی نوکری ہی میں مصروف رہتی تھی' شکیل بھی ملازم ہو گیا تھا' حالانکہ صندل پری آج بھی دہی کی دہی تھی یہ دوسری بات ہے کہ اب وہ پر کٹا بیٹھی تھی' بہرحال اب اپنی مشکل ہے تو انہی لوگوں کی جانب دیکھنا ہو گا جن سے ذرا بھی وفا کی امید ہو سکتی ہے۔

چنانچہ تیار ہوئی اور شکیل کے گھر کی جانب روانہ ہو گئی دل میں دعائیں مانگتی جا رہی تھی کہ شکیل گھر پر ہی مل جائے' اس وقت شکیل نے مدد کی تھی فرزانہ کی جب اس نے شہباز کی آمدنی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہی تھیں' شکیل نے فوراً" ہی یہ معلومات اسے فراہم کر دی تھیں۔ دھڑکتے دل کے ساتھ کلیم احمد صاحب کے گھر کے دروازے پر پہنچی' دستک دی تو رقیہ خاتون نے دروازہ کھول دیا تھا' فرزانہ کو دیکھ کر ایک دم چونک پڑیں اور آہستہ سے بولیں۔

"آؤ فرزانہ' آؤ بیٹی خیریت۔" فرزانہ نے عجیب سی نگاہوں سے رقیہ بیگم کو دیکھا پھر جلدی سے بولی۔

"شکیل ہیں؟"

"نہیں آفس چلے گئے۔"

"اوہ اچھا' کتنی دیر ہوئی؟"
"تھوڑی دیر ہوئی۔"
"آفس کا کوئی پتہ ہے آپ لوگوں کے پاس؟"
"پتہ' میرا خیال ہے میرے پاس تو نہیں ہے' شکیل کے ابو سے پوچھتی ہوں۔" کلیم احمد صاحب خود بھی بیساکھی ٹیکتے ہوئے باہر آگئے تھے۔
"ارے فرزانہ' آؤ بیٹا آؤ کیا ہوا کوئی بات بنی؟"
"تو آپ لوگوں کو تفصیل معلوم ہو چکی ہے؟"
"ہاں بھئی' بڑی دکھ بھری بات ہے کیا کہیں' کیا نہ کہیں بس اللہ تعالیٰ سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔"
"چچا جان' شکیل سے کام تھا ان کا پتہ مل سکتا ہے' میرا مطلب ہے دفتر کا پتہ؟"
"دفتر کا پتہ۔" کلیم احمد صاحب سوچ میں ڈوب گئے پھر آہستہ سے بولے۔ آج تک کبھی پوچھا ہی نہیں' بالکل نہیں معلوم۔"
"کوئی ٹیلیفون نمبر بھی نہیں معلوم؟"
"نہیں بیٹے یقین کرو غلط نہیں کہہ رہا۔"
"شام کو شکیل کس وقت واپس آجاتے ہیں؟"
"کوئی ٹھکانہ نہیں ہے ایسا ملازمت میں ڈوبا ہے کہ بس وہیں کا ہو کر رہ گیا ہے کوئی صحیح وقت نہیں ہے اس کے آنے کا۔"
"چچی جان' شکیل کو شہباز بھائی کی گرفتاری کے بارے میں معلوم ہوا؟"
"اس' میرا خیال ہے اسے نہیں معلوم ہوا رات کو بھی دیر سے آیا تھا سو گیا اور پھر صبح ہی صبح چلا گیا' پتہ نہیں چلا اسے"
"افسوس کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا جائے؟"
"ضمانت وغیرہ کی کوشش کرو بیٹے' کچھ یہ پتہ چلا کہ کس جرم میں اسے گرفتار کیا گیا ہے؟"
"بس ہماری بد نصیبی کے جرم میں۔" فرزانہ نے جواب دیا۔
"ہوں' بہرحال شہباز نے جو رخ بدلا تھا اس کا انجام یہی ہونا تھا فرزانہ' معاف کرنا برا نہ ماننا بیٹے' کچھ ضدی بھی زیادہ ہی تھا وہ بھلا اب جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا تھا' باپ سے ضد لگا کر بیٹھ گیا تھا اور اپنے آپ کو تباہ کر رہا تھا' زہر پی رہا تھا وہ زہر اور اسے روکنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔"
"چچی جان' آپ ایک زحمت کیجئے' شکیل جس وقت بھی آئیں انہیں بتا دیجئے کہ میں ان کی تلاش میں آئی تھی' مجھے ان کی ضرورت ہے۔"
"ضرور بتا دوں گی اطمینان رکھو۔" رقیہ بیگم نے کہا اور فرزانہ وہاں سے چلی آئی۔
دن گزر گیا' رات ہوئی نو بجے' دس بجے' گیارہ بارہ' فرزانہ انتظار کرتی رہی لیکن شکیل نہیں آیا تھا' گھر والوں کے پاس اب ایسا کوئی راستہ نہیں تھا جس کی بنیاد پر شہباز کو اس مشکل سے نکال لیا جائے۔
دوسری صبح پھر تقدیر کی ماری' آٹھ ساڑھے آٹھ بجے وہاں پہنچ گئی' شکیل ہی کا سارا ذہن میں تھا' رقیہ بیگم کے دروازے پر دستک دی تو رقیہ بیگم نے دروازہ کھول دیا' فرزانہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔
"شکیل ہیں؟"
"نہیں چلا گیا۔"
"ہیں"
"ہاں ذرا جلدی جانا تھا۔"
"آپ نے چچی جان آپ نے انہیں بتایا تھا کہ میں آئی تھی؟"
"ہاں بتا دیا تھا۔"
"کس وقت واپس آئے تھے شام کو؟"

"کوئی ساڑھے سات بجے کا وقت ہوگا"
"اور اس کے بعد سے "او' آپ نے انہیں بتا دیا تھا؟"
"ہاں ہاں میں نے فوراً ہی بتا دیا تھا' شہباز کا واقعہ بھی اسے معلوم تھا۔"
"کچھ کہا نہیں انہوں نے؟" فرزانہ نے ڈوبے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔
"بس افسوس کرنے لگا اور کہنے لگا کہ شہباز نے اپنی زندگی تباہ کر لی۔"
"آئے نہیں وہ ہمارے گھر؟"
"مصروف ہے بیٹی شاید' مصروف ہی ہوگا حالانکہ اسے آنا چاہئے تھا۔"
"اچھا کوئی بات نہیں ہے۔" فرزانہ نے کہا اور وہاں سے واپس چل پڑی' دل و دماغ میں سناٹوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا منہ سے ٹھنڈی آہیں نکل رہی تھیں' آہستہ سے گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

☆

شکیل اختیار بیگ کی کوٹھی سے نکل آیا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی دل میں ایک عجیب سا احساس تھا اسے خود پر فخر ہو رہا تھا اختیار بیگ صاحب نے بہت بڑی پیشکش کی تھی اور اس نے اسے رد کر دیا تھا۔ اس پیشکش کو رد کرنے کا اسے کوئی افسوس نہیں تھا انہوں نے اس کی توہین بھی کی تھی اور اس نے اس توہین کا انہیں بھرپور جواب دے دیا تھا۔
لیکن اپنی حیثیت میں وہ زندہ تھا اسے مقام پر مقام ملتا جا رہا ہے اور آگے کے راستے کشادہ ہیں ٹیکسی نے اسے اپنی گلی کے سامنے اتار دیا۔ بل ادا کر کے جب اس نے گلی میں قدم رکھا تو اسے دونوں سمت بکھرے ہوئے گھر بہت چھوٹے لگے ساری گلی گندی تھی گندی اور بدبودار لوگ یہاں کیسے رہ لیتے ہیں۔ عادی ہو چکے ہیں گھر میں داخل ہو گیا کلیم احمد صاحب رقیہ سے باتیں کر رہے تھے دونوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔
"بیٹے مسٹر شکیل احمد کیسا کاروبار چل رہا ہے آپ کا۔"
"آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں ابو بہت اچھا چل رہا ہے" شکیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"بھئی تم نے کبھی ہمیں اپنی فرم سے متعارف نہیں کرایا' ہم بھی دیکھیں گے تو خوش ہو جائیں گے ذرا کسی دن ہمیں بھی سیر کرا دو اپنی فرم کی۔"
"بس ابو یوں سمجھ لیجئے۔ وہاں میں ابھی ایک مقام بنانے میں مصروف ہوں' ذرا اس سے فراغت حاصل ہو جائے تو آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا"
"ہاں ہاں کیوں نہیں اب ایسی جلدی بھی نہیں ہے ہمیں" کلیم احمد صاحب بولے۔
"چائے پیو گے بیٹے؟" رقیہ بیگم نے پوچھا۔
"نہیں ابھی نہیں۔ لباس تبدیل کر لوں ابو"
"ہاں ہاں کیوں نہیں" کلیم احمد صاحب نے کہا اور شکیل اندر چلا گیا کلیم احمد اور رقیہ بیگم مسکراتی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر کلیم احمد نے کہا۔
"جو تصور آپ کی آنکھوں میں کھیل رہا ہے رقیہ بیگم اس وقت وہی تصور میرے ذہن میں بھی تھا"
رقیہ بیگم ہنس پڑیں۔ پھر بولیں۔ "یہ سب کچھ تو زندگی بھر ہوتا رہا ہے کوئی بات آپ نے سوچی وہ میرے ذہن تک پہنچ گئی میں نے کچھ سوچا وہ آپ کی زبان کے باہر نکل آیا یہ ہم آہنگی ہی تو ہمیں ایک دوسرے کے لئے پاگل کئے ہوئے ہے"
"ارے اچھا۔ یہ تو ہمیں آج ہی معلوم ہوا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے پاگل ہیں۔" رقیہ بیگم ہنسنے لگیں۔ پھر بولیں۔ "اب جب آپ کے ذہن میں یہ خیال آ ہی گیا ہے تو بتائیے کیا ارادہ ہے۔"
"بھئی سب سے پہلی بات تو یہ کہیں گے ہم کہ ہماری دعائیں رنگ لائیں اور ہمیں وہ مقام حاصل ہو گیا جس کے بارے میں ہم نے سوچا تھا بات اصل میں یہ ہے رقیہ بیگم کہ انسان کو ہمیشہ اپنی پہنچ میں رہنا چاہئے بہت بڑے بڑے تصورات ہمیشہ مایوسی دیتے ہیں' یہ مایوسیاں آپ اپنی غلط سوچوں سے خود خریدتے ہیں' بہتر ہوتا ہے کہ انسان اپنی حدود سے تجاوز نہ کرے اگر میں

دل و دماغ میں یہ تصور بیٹھا لیتا عام لوگوں کی مانند کہ میرا بیٹا بڑا ہو کر ڈاکٹر بنے گا' انجینئر بنے گا' سیاستدان بنے گا اور شکیل یہ نہ بنا تو مجھے افسوس ہوتا۔ یہ سب کچھ ہماری غلط سوچ کا نتیجہ ہے' ہم اپنے دائرۂ عمل کو کیوں نہیں دیکھتے قدرت نے انسانوں میں یہ معیار رکھا ہے۔ کیوں اس کا جواب کبھی کسی کے پاس سے نہیں ملا بس کہا یہ جاتا ہے کہ قدرت جس کو جتنا دینا چاہتی ہے دیتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں رقیہ بیگم کہ وہ لوگ جو اپنے آپ سے لڑتے ہیں اور اپنی تقدیر کو کوستے رہتے ہیں' عتاب زدہ ہیں ان احکامات سے روگردانی کے جو مذہبی طور پر انہیں دیئے گئے ہیں' میں اس طویل گفتگو سے یہ بتانا چاہتا ہوں آپ کو کہ میرا تصور اس سے آگے نہیں تھا خدا کے فضل سے گھر کی صورت حال تبدیل ہوتی جا رہی ہے' میرا خیال ہے ہم اسے اور خوبصورت طریقے سے آراستہ کر سکتے ہیں اور اس کے بعد اس خیال کی تکمیل کر لی جائے جو میرے اور آپ کے ذہن میں اس وقت پیدا ہوا ہے۔"

"اچھا چلئے ٹھیک ہے' شکیل بھی مطمئن نظر آتا ہے یہ بتایئے کہیں ذہن جاتا ہے؟"

"لڑکی کے مسئلے میں؟"

"جی۔"

"خیال تو بہت سی جگہوں پر جاتا ہے اور لے دے کر فرزانہ ذہن میں آجاتی ہے' بچپن سے یہ بچی ہم سے مانوس ہے اور اگر میری بات پر یقین کرو رقیہ بیگم تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ بچپن کی یہ رفاقت آج تک جاری ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں' نگاہ کی بات ہے' ممکن ہے کبھی آپ نے غور نہ کیا ہو' لیکن ایک دو بار میں نے ان کے چہرے دیکھے تو مجھے یہ اندازہ ہوا کہ۔ کہ۔"

"ارے توبہ۔ بھول گئی تھی میں تو آپ کو پتہ ہے نا فرزانہ آئی تھی"

"ہاں ہاں۔ بالکل بالکل۔ بات کرلو شکیل سے ویسے سچی بات یہ ہے کہ میں جمیل احمد کے گھرانے سے ہمدردی رکھتا ہوں۔ انسان حماقتوں کا شکار ہو جاتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی خرابی نہیں ہے ان لوگوں میں جمیل احمد صاحب نے اپنی ضد کی بنیاد پر پورا گھر تباہ کر دیا۔ وہ تو شکر ہے کہ یہ چھوٹا سا گھر بچ گیا۔ جمیل احمد صاحب نے تو اسے بھی فروخت کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی' بچے اگر آڑے نہ آجاتے تو یہ کام بھی ہو چکا ہوتا اور اس کے بعد کیا ہوتا سوچ سوچ کر خوف آتا ہے۔"

"اللہ نے رحم کیا ان بچوں پر۔"

"ہاں سب لوگ ہی ٹھیک ہیں بے چارے' فریدہ بیگم بھی اچھی خاتون ہیں اور جمیل احمد صاحب بھی برے نہیں ہیں بس ذرا شہباز کا مسئلہ غلط نکل گیا تھا۔ لیکن سچ پوچھو تو مجھ سے زیادہ شہباز کی کیفیت کوئی نہیں سمجھ سکتا وہ اپنے آپ سے باغی ہو گیا تھا۔ اور اس کی یہ بغاوت ایک طرح سے فطری حیثیت رکھتی تھی جس کا پورا مستقبل تباہ کر دیا جائے وہ عالم جنون میں کیا کچھ نہ کر بیٹھے گا۔"

"مگر اب تو صورت حال بالکل ہی بدل گئی ہے۔؟"

"ہاں ہر چیز کا حل نکل آتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مشکل دور کرے۔ ہم کس کام آسکتے ہیں' ارے ہاں بھول نہ جانا دوبارہ۔ شکیل سے بات کرلو۔ دیکھو تو فرزانہ کیا کہنا چاہتی ہے اس سے' میرے خیال میں یہی کہے گی کہ اس کے لئے کوشش کرے۔"

"شکیل بھلا یہ کوشش کس طرح کر سکتا ہے؟"

"بھئی اپنا فرض پورا کرو۔ ویسے بھی ذہن اگر اس طرف جاتا ہے تو یہ بات تھوڑی سی فرض بن جاتی ہے ہمارے لئے اور پھر کسی کی مدد کرنا تو بہت اچھی بات ہے' اگر شکیل کے لئے ممکن ہو۔ میرا مطلب ہے کہ اب وہ باہر نکلا ہے' ہو سکتا ہے اپنی فرم کے کسی فرد سے کہہ کر وہ یہ کام کرا سکے۔"

"ہاں ہاں میں ابھی کہہ دیتی ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد شکیل باہر آگیا اور دونوں کی گفتگو میں شریک ہو گیا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

"شکیل وہ فرزانہ آئی تھی۔"

"اچھا۔ خیریت تو ہے۔"

"تمہیں معلوم نہیں۔؟"

"کیا۔؟"

"شہباز گرفتار ہو گیا ہے۔"

"گرفتار ہو گیا ہے؟"

"ہاں۔"

"کب۔؟"

"پچھلی رات۔"

"اتفاق ہے ابو مجھے نہیں معلوم۔"

"ہاں تم دیر سے بھی آئے تھے۔ اور پھر چونکہ صورت حال واضح نہیں ہو سکی تھی' حالانکہ ساری گلی والوں کو پتہ ہے۔"

"ہوں۔ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ پتہ چلا کسی جرم میں گرفتار ہوا ہے؟"

"شاید چار سو بیسی کا کوئی کیس بنا ہے' کون اپنے گھر کی بات باہر نکالتا ہے' فرزانہ آئی تھی' تمہیں پوچھتی ہوئی کہہ گئی تھی کہ تم اس سے مل لو۔"

"بے کار ہے ابو۔ بالکل بے کار ہے۔ شہباز نے ٹھیک ہے میں مانتا ہوں کہ گھر سے اختلاف کی بنیاد پر اپنے آپ کو ایک مضحکہ خیز شکل دے لی تھی۔ لیکن میں اس سے اتفاق نہیں کرتا ابو۔ اسے یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے تھا' انسان کا خاندانی پس منظر بھی ہوتا ہے' اخلاقیات بھی ہوتی ہیں آپ جانتے ہیں اس نے کیا کیا تھا۔؟"

"نہیں مجھے کیا معلوم۔؟"

"فرزانہ کے کہنے سے میں نے معلومات حاصل کی تھیں حضرت نے اپنے آپ کو کینسر کا مریض ظاہر کر کے اخبارات میں اشتہارات چھپوائے تھے اور امداد طلب کی تھی۔ بینک میں اکاؤنٹ بھی کھلوایا تھا اور اکاؤنٹ نمبر اخبارات میں دے دیا تھا۔ کچھ مخیر لوگوں نے تھوڑی بہت رقومات دیں اور شہباز صاحب ان سے عیش کرنے لگے۔ مجھے یہ ساری تفصیلات اپنے ایک دوست سے معلوم ہو گئی تھیں' جو اسی بینک میں برانچ منیجر تھا جس میں شہباز احمد صاحب نے اپنا اکاؤنٹ کھلوایا تھا۔ منع کیا تھا ان سے اور سمجھایا بھی تھا۔ لیکن پھر کوئی اور فراڈ کر ڈالا ہو گا۔ ویسے وہ بھی قابل سزا جرم تھا۔ ہو سکتا ہے اسی سلسلے میں نشاندہی ہو گئی ہو۔"

"توبہ توبہ یہ تو واقعی بہت افسوسناک عمل تھا شہباز کا۔"

"بس ابو جب انسان برے راستوں پر نکلتا ہے تو بہت آگے تک چلا جاتا ہے' میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ شہباز اس چھوٹے سے مرحلے پر ہی گرفتار ہو گیا۔ اچھا ہے اسے سزا ہو جائے۔ ویسے بھی وہ ایک ناکارہ نوجوان ہے' گھر کے لئے بالکل ہی بے کار۔ گھر والوں کو اس کی ذات سے تکلیفوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا' کبوتر بازی شروع کر دی تھی حضرت نے اور پورے محلے کی نیندیں حرام کر کے رکھ دی تھیں۔ ہا ہا ہو ہو کر کے پورا ماحول خراب کر کے رکھ دیا تھا۔ سال بھر جیل میں رہ آئے تو سارا دماغ درست ہو جائے گا۔"

"ارے نہیں بیٹا! پوری زندگی کو داغ لگ جائے گا اس کی۔"

"ابو! اس سے بڑا داغ تو نہیں لگے گا جو اس نے اپنی ذات پر لگا لیا ہے' آپ دیکھئے کون اسے اچھی نگاہ سے دیکھتا ہے۔"

"پھر بھی جمیل احمد صاحب اچھے آدمی ہیں بیٹے' اگر کچھ کر سکتے ہو ان کے لئے تو کر دو۔"

"لیجئے میں کوئی ڈی آئی جی لگا ہوا ہوں ابو' محکمہ پولیس سے میرا کیا تعلق' ایک فرم میں ملازمت کرتا ہوں' شریف لوگوں کی فرم ہے' میرے بھلا ایسے کہاں تعلقات ہیں۔"

"ہوں۔ تو فرزانہ سے مل تو لو۔"

"نہیں ابو بے کار سی باتیں ہیں یہ۔ خواہ مخواہ دوسروں کا دکھ اپنے دل میں بسا لیا جائے اور خود بھی گھلتے رہیں میرا خیال ہے رہنے دیجئے' کل دل آئے فرزانہ تو کہہ دیجئے گا کہ میں بہت مصروف ہوں۔" شکیل نے کہا ـــ کلیم احمد اور رقیہ بیگم اس کی صورت دیکھتے رہ گئے تھے۔

شکیل ان تکلیف دہ تصورات سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا ـــ نئی زندگی میں جو حسین آغاز ہوا تھا وہی وجود پر طاری رہے تو دل میں ایک سرور کی سی کیفیت رہتی ہے اس رات بستر پر لیٹ کر اس نے صندل پری کے بارے میں بھی سوچا ـــ

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ فرزانہ اس کا بچپن کا پیار تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو بچپن ہی سے چاہتے تھے۔ ساتھ ساتھ زندگی کے راستوں پر گامزن ہوئے' شکیل اسے صندل پری کہتا تھا اور دعوے کرتا تھا کہ ایک دن وہ صندل پری کو جادو کے گھوڑے پر سوار کرا کے دور دیس لے جائے گا۔ لیکن وہ سب بچپن کی باتیں تھیں۔ بچپن کے خواب تھے جوانی نئے تقاضوں کی امین تھی اور اس میں ایک روشن زندگی کا تصور سب سے زیادہ دلکش تھا۔

سلطانہ جمالی نے اس کی تقدیر بدل کر رکھ دی تھی اور یہ بات اس کے لئے بڑی سحر انگیز تھی کہ شہر کا ایک دولت مند ترین شخص اپنی بیٹی سے اس کی شادی کرنے کا خواہش مند تھا ـــ اور اس کے نتیجے میں وہ اسے ایک اعلیٰ درجے کا مستقبل دینا چاہتا تھا۔ ایسے اور بھی بہت سے لوگ سامنے آئیں گے۔ نہیں ابھی جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ یہ سب حماقت ہے' فرزانہ ایک فرم میں پیکنگ کا کام کرتی ہے' اور اس کا ذہن انہی بنیادوں پر استوار ہو رہا ہے۔ وہ ایک اچھے گھر کی بہو کیسے بن سکتی ہے' بچپن کے احمقانہ خیالات کو ذہن سے جھٹک دینا ہی مناسب ہے' کہاں ایک ایسی حسین روشن زندگی جس میں اعلیٰ درجے کی ایئر کنڈیشنڈ کاریں' عمدہ قسم کی فرم اور دفتر اور اعلیٰ درجے کی کوٹھی اور کہاں ایک ایسا تصور جو ہمیشہ بوجھل ہوتا تھا۔

اس نے فرزانہ کو ذہن سے نکال پھینکا تصور سدرہ کی جانب چلا گیا۔ مس سدرہ۔ بڑی بل کھائیں گی ناگن کی طرح۔ اصولی طور پر اب انہیں آنا تو نہیں چاہئے میرے پاس۔ لیکن اختیار بیگ صاحب شاید اپنے دو کروڑ روپوں کے لئے پریشان ہیں۔ اب تو جو ہونا تھا وہ ہو ہی گیا اب تو دوسرے شکار سامنے آنے چاہئیں۔ اور سلطانہ جمالی کو ان سب سے رقومات وصول ہونی چاہئیں۔

سلطانہ جمالی کا تصور بڑی دلکشی کا حامل تھا۔ نجانے کیوں آج شکیل کے ذہن پر سلطانہ کا سارا سراپا طاری ہو گیا۔ دلکش' حسین' پر محبت اور میٹھے انداز میں گفتگو کرنے والی۔ اپنے آپ پر عمر رسیدگی کا خول چڑھا رکھا ہے ورنہ اتنی عمر رسیدہ تو نہیں ہیں۔ سفید ساڑھی باندھتی ہیں تو قیامت نظر آتی ہیں اور اگر بالوں کا وہ اسٹائل ہو جو ـــ جو ـــ شکیل کی آنکھیں خوابناک انداز میں چھت پر جمی رہ گئیں اور تصور سلطانہ جمالی تک پہنچ گیا۔ پھر یہ تصور نیند کی شکل میں ڈھل گیا لیکن خوابوں میں جا کر آباد ہو گیا۔

دوسری صبح جب وہ اٹھا تو اس کے ذہن پر سلطانہ جمالی ہی سوار تھی۔ نجانے کیوں جی چاہا کہ سلطانہ جمالی کو سنگاپور ٹیلی فون کرے ـــ لیکن یہ ایک احمقانہ خیال تھا' پتہ نہیں اب وہ سنگاپور میں تھی یا وہاں سے کہیں آگے بڑھ گئی تھی۔

صبح کو وہ جلدی نکل گیا' وہ نہیں چاہتا تھا کہ فرزانہ اسے تلاش کرتی ہوئی یہاں آ جائے۔

جب وہ سلطانہ جمالی کی کوٹھی میں داخل ہوا تو فرزانہ کا خیال سینکڑوں میل دور نکل چکا تھا ـــ

ایئر کنڈیشنڈ دفتر' پر سکون ماحول' دو دو ملازم اور حسین ترین زندگی۔

شریف کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی' نجانے کیوں جب شکیل کی نظر اس پر پڑی تو وہ جلدی سے اپنی مسکراہٹ کو سنبھالنے لگا۔

"خیریت کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں؟"

"نن نہیں صاحب یہ ٹھنڈا پانی ـــ"

"کیا مطلب ـــ؟" اس نے پوچھا ـــ

"سر پانی لایا ہوں آپ کے لئے۔" شریف نے جواب دیا اور گلاس اس کی میز پر رکھ کر اسے گلاس پوش سے ڈھک دیا۔

"روشن کیا کر رہی ہے ـــ"

"چائے لے کر آ رہی ہے آپ کے لئے۔" شریف نے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔ پتہ نہیں کیا شرارت تھی اس کے ذہن

میں شکیل نے گردن جھٹک دی اور آج کے کاموں کے بارے میں سوچنے لگا۔ لیکن شریف کو گئے ہوئے ابھی ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ دروازہ بڑے زور سے کھلا اور شکیل چونک گیا۔ اس نے سامنے کی سمت دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

سدرہ کے فوراً ہی آ جانے کی توقع نہیں تھی اسے لیکن سدرہ اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی' شعلہ جوالہ بنی ہوئی لال بھبھوکا چہرہ ہو رہا تھا' آنکھوں میں گہری سرخی نظر آ رہی تھی شکیل نے متانت سے کہا۔

"آیئے مس سدرہ کہئے کیسے مزاج ہیں آپ کے ـــ؟"

"تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو ـــ؟" سدرہ غرائے ہوئے لہجے میں بولی ـــ

"تشریف رکھئے' بہر طور میں ایک ایسے خاندان کا فرد ہوں جو بد تمیزی کرنے والے کے ساتھ بھی اخلاق سے پیش آتا ہے۔"

"مسٹر شکیل مجھے جانتے ہو ـــ؟"

"تعجب ہے' آج تک تو صرف یہ دیکھا گیا ہے کہ مرد ہی غنڈہ گردی کرتے ہیں۔ لیکن معاف کیجئے گا مس سدرہ' آپ کا انداز بالکل غنڈوں کا سا ہے۔ بھئی تشریف رکھئے آپ۔ بیٹھ کر ڈانٹ ڈپٹ کر لیجئے گا۔ یہ کھڑے ہو کر ڈانٹ ڈپٹ کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا' کوئی چاقو یا پستول وغیرہ اپنے ساتھ لائی ہیں ـــ"

"مذاق اڑا رہے ہو میرا۔" سدرہ نے کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی ـــ

"ابھی تک نہیں۔" شکیل نے جواب دیا

"میں تم سے پھر وہی سوال کرتی ہوں' تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو ـــ؟"

"عرض کیا نا ایک شریف آدمی۔ جو دوسروں کی عزت کرنا جانتا ہے۔"

"عزت کی ہے تم نے میری۔ اتنی سخت توہین کرنے کے بعد تم کہتے ہو کہ تم نے میری عزت کی ہے ـــ"

"توہین؟" شکیل نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"ایسی ویسی توہین ـــ میں کسی کے سامنے نگاہیں اٹھانے کے قابل نہیں رہی۔"

"کس کے سامنے مس سدرہ ـــ؟"

"اپنے ابو کے سامنے' اپنے ڈیڈی کے سامنے۔ اور کس کے سامنے ـــ"

"اوہو اچھا اچھا ـــ پانی رکھا ہوا ہے اگر آپ پینا پسند کریں تو ـــ" شکیل نے سامنے رکھے ہوئے پانی کے گلاس کی جانب اشارہ کیا۔

سدرہ کو شاید پانی ہی کی ضرورت تھی۔ اس نے گلاس پوش اٹھا کر گلاس اٹھایا اور اسے ایک ہی سانس میں خالی کر کے زور سے میز پر رکھ دیا۔ شکیل ہنسنے لگا تھا۔

"تم ہنس رہے ہو' مذاق اڑا رہے ہو میرا ـــ؟"

"میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا مس سدرہ' جو کچھ کر رہی ہیں آپ ہی کر رہی ہیں' اب کیا کہوں آپ سے اچھا چلئے۔ یہ بتا دیجئے کہ کیا قصور ہو گیا مجھ سے ـــ؟"

"شکیل! دیکھو غور سے سن لو' اس بات کو مذاق سمجھنا نہ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں' وہ حقیقت ہے' بہت بڑا سچ' دیکھو شکیل میں بہت ضدی ہوں' تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ ضد میری زندگی کا ایک حصہ ہے' میں نے کبھی حالات سے ہار نہیں مانی جو سوچا ہے اسے حاصل کر لیا ہے اور اس کے حصول کے لئے وہ سب کچھ کر ڈالا ہے۔ جو دوسروں کے تصور میں بھی نہ آئے شکیل' میں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہارے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر لوں۔ بہت آگے بڑھ گئی تھی میں' اتنی کہ میں نے اپنی دوستوں سے بھی تمہارا تعارف کرا دیا تھا۔

"ایک منٹ' ایک منٹ مس سدرہ' بد قسمتی سے مجھے اس بات کا علم نہیں کہ میرا آپ کی کسی دوست سے کبھی کوئی تعارف ہوا ہو۔"

"غائبانہ طور پر کرادیا تھا؟ اس دن میں نے تمہیں سالگرہ میں کس لئے مدعو کیا تھا' میرے ساتھ میری دوست لڑکی بھی تمہیں دعوت نامہ دینے گئی تھی' میں نے دعوے سے کہا تھا کہ تم آؤ گے اور ضرور آؤ گے' مجھ سے زیادہ ان لڑکیوں کو میری پسند کو دیکھنے کا شوق تھا جنہیں میں نے تمہارے بارے میں بتادیا تھا' مگر تم نہیں آئے' تم نے میری بدترین توہین کی' میں اس توہین کو برداشت کر گئی' میں نے سوچا کہ تمہارے منہ میں لگام ڈال دی جائے' اسی لئے میں نے ڈیڈی کو ساری تفصیلات بتائیں' ڈیڈی بہت اچھے انسان ہیں' انہوں نے ہمیشہ مجھ سے تعاون کیا ہے' اس وقت بھی انہوں نے اسی تعاون کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ شکیل کو گھر بلاؤ ان سے بات کرادو' مسٹر شکیل! ڈیڈی نے تمہیں جو پیشکش کی ہے ذرا اس پر غور تو کرو' کروڑوں روپے کی جائیداد ہے ہماری' کروڑوں روپے کا بینک بیلنس ہے' اعلیٰ درجے کی فرمس ہیں ہماری' سمجھ رہے ہو تم' ان میں سے کسی ایک شاندار فرم میں تم مینجنگ ڈائریکٹر بن کر بیٹھو گے' بہت بڑا عملہ تمہارے حکم کے سامنے سر جھکائے گا' دنیا کے مختلف گوشوں میں تمہاری پہنچ ہوگی' یہاں اس کوٹھی کے ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر تم اپنے آپ کو مکمل سمجھتے ہو شکیل' یہ زندگی ہے' مسز جمالی نے تمہارے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال دی ہیں تم اس چھوٹی سی زندگی کو بہت بڑا سمجھتے ہو شکیل' مگر اس میں تمہارا قصور نہیں ہے' میں وہ جگہ دیکھ چکی ہوں جہاں تم رہتے ہو' ایک پسماندہ علاقہ' ایک مریض زندگی' بیار بیار سسکتی ہوئی' آہیں بھرتی ہوئی' تم اپنے ذہن کو کیوں نہیں تبدیل کرتے' جب قدرت نے تمہیں اتنا بڑا موقع دیا ہے اس زندگی کو سنبھالنے کا تو تم اسے کیوں ٹھکرا رہے ہو؟"

شکیل مسکراتا ہی رہا' اس نے آہستہ سے کہا "مس سدرہ! آپ نہ صرف مجھے بلکہ ان بے شمار افراد کو برا بھلا کہہ رہی ہیں جن کا مجھ سے کوئی نہ کوئی تعلق رہا ہے۔ مس سدرہ' وہ کراہتی اور سسکتی ہوئی زندگی آپ کی نگاہوں میں بدنما ہوگی' میں نے تو وہاں جنم لیا ہے' میں نے وہاں ہوش سنبھالا ہے' میں نے اس ماحول میں آنکھ کھولی ہے سدرہ' بے شک میں روشنی کا طلب گار ہوں بے شک میں اپنے سارے گھر کو خوشیوں سے بھر دینا چاہتا ہوں لیکن مس سدرہ آپ یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ یہ سب کچھ آپ ہی کے ذریعے ممکن ہے؟"

"تو پھر کیا کرو گے تم؟ کیا کہیں زندگی گزارنے کا کوئی سامان نہیں پیدا کرو گے؟ کسی اور لڑکی سے محبت کرتے ہو تم' کچھ تو بتاؤ مجھے' تم نے جس طرح مجھے ٹھکرا دیا میرے ڈیڈی کے سامنے' یقین کرو میری عزت ختم ہو گئی ان کی نگاہوں میں' تمہارے جانے کے بعد وہ مجھ سے کہنے لگے کہ سدرہ اس سرکش لڑکے کو کیوں لے آئیں میرے پاس؟ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اسے سزا دیتا۔"

"مس سدرہ! اختیار بیگ صاحب کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مجھے کوئی سزا دیں' وہ صرف نام کا اختیار رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں' کس بات کی سزا دیں گے وہ مجھے' اس بات کی کہ میں نے ان کی بیٹی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا وہ مجھے اپنی دولت کی پیشکش کر رہے تھے ان کے الفاظ یاد ہیں تمہیں مس سدرہ' کہنے لگے میرے والدین کے لئے کوئی گھر خرید دیں گے اور مجھے اپنے قدموں میں رکھیں گے' مس سدرہ پتہ نہیں کس نے ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ میں اپنے والدین سے علیحدگی پسند کروں گا آپ لوگ دولت میں کھیلتے ہیں اور آپ کی آنکھوں پر چربی چڑھ جاتی ہے آپ یہ سوچتے ہیں کہ ہر شخص آپ کا محکوم ہوگا' مس سدرہ اگر میری زبان گندی ہوتی تو میں آپ سے یہ کہتا کہ میں نے آپ کے منہ پر تھپڑ مارا ہے میں نے جوتا مارا ہے آپ کی اس پیش کش پر جو آپ نے مجھے کی تھی اور میں اس کا اختیار رکھتا ہوں آپ براہ کرم آئندہ اس خیال سے یہاں نہ تشریف لائیے گا۔ میں کوٹھی کے چوکیدار سے کہہ دوں گا کہ جب بھی آپ یہاں تشریف لائیں آپ سے منع کر دیا جائے آپ لوگ اپنی اوقات میں رہیں اختیار بیگ صاحب کو بتادیں آپ کہ ان کا اختیار کم از کم مجھ پر نہیں چلے گا سمجھیں۔"

اسی وقت شریف اور روشن اندر آگئے' روشن کے ہاتھ میں چائے کے برتن تھے اور اس میں دو کپ رکھے ہوئے تھے' غالباً اس نے سدرہ کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"چائے پیجئے مس سدرہ"

"تھوکتی ہوں تمہاری چائے پر سمجھے اور سنو تمہاری اس سرکشی کی سزا میں تمہیں دوں گی' میں دیکھوں گی کہ تم کتنے پانی میں ہو" سدرہ کرسی سے اٹھی اور پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی شکیل آسودہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا روشن اور شریف بھی پھٹی پھٹی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے' شکیل نے روشن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور تم یہ دو کپ کیوں لے آئیں مجھ سے پوچھے بغیر؟ میں نے تم سے اس کے لئے چائے تو نہیں منگوائی تھی"

"مس صاب جی یہ تو یہ تو میں میں۔" ابھی روشن نے اتنا ہی کہا تھا کہ شکیل کو اپنے عقب میں آہٹ سنائی دی' ایک بڑی سی لکڑی کی الماری رکھی ہوئی تھی جس کے عقب میں چوڑا خلاء تھا یہ آہٹ اسی خلاء سے آئی تھی۔ شکیل نے گردن گھما کر دیکھا اور دوسرے لمحے اس کا ذہن ناچ کر رہ گیا مسز سلطانہ جمالی الماری کے عقب سے مسکراتی ہوئی باہر نکل آئی تھیں اس کے جسم پر وہی سفید ساڑھی تھی جس میں وہ شکیل کو ہمیشہ خوشنما نظر آتی تھی شکیل بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا خوشنما نظر آتی تھی شکیل بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا' روشن اور شریف ہنسنے لگے تھے۔

"جاؤ بس اب تم لوگ جاؤ چلو باہر" مسز سلطانہ جمالی کی آواز سنائی دی' یہ حکم انہوں نے روشن اور شریف کو دیا تھا پھر وہ ہنستی ہوئی شکیل کے سامنے آگئیں' شکیل ششدر کھڑا تھا۔

"یہ تم پر سکتہ کیوں طاری ہو گیا بھئی؟" مسز سلطانہ جمالی نے کہا اور شکیل جیسے چونک پڑا۔

"آپ واپس آگئیں میڈم' آپ اچانک واپس آگئیں؟"

"ہاں' تمہیں کیسا لگا؟"

"یقین کیجئے بہت اچھا' خدا کی قسم بہت عجیب بڑی انوکھی خوشی ہو رہی ہے مجھے' اوہو اب میں یہ سمجھا یہ تمام لوگ مسکرا کیوں رہے تھے؟"

"ہاں' میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتی تھی' بس ذہن میں شرارت آگئی تھی کہ چھپ کر تمہارے سامنے آؤں" سلطانہ جمالی نے مسکراتے ہوئے کہا اور شکیل کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں' پھر بولی۔

"اچھا ہوا میری چائے سدرہ نہیں پی گئی ورنہ مجھے غصہ آجاتا۔"

"میں یہی سمجھا تھا کہ روشن یہ چائے سدرہ کو دیکھ کر لے آئی ہے۔" شکیل نے کہا اور پھر ایک دم سنجیدہ ہو گیا ظاہر ہے سلطانہ جمالی نے سدرہ کی اور اس کی باتیں بھی سن لی ہوں گی۔ سلطانہ جمالی نے چائے کے برتن اپنے سامنے کھسکائے اور چائے بنانے لگی پھر اس نے چائے کی ایک پیالی شکیل کو پیش کی اور دوسری اپنے سامنے گھسیٹ لی' شکیل نے کہا۔

"لیکن آپ نے فون پر تو یہ نہیں بتایا تھا کہ اتنی جلدی آپ کی واپسی کا پروگرام ہے؟"

"ہاں بس فون پر تم سے بات ہوئی اسی وقت ذہن تبدیل ہو گیا۔"

"کیا ــــ؟" شکیل نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہی کہ تمہارے پاس پہنچ جاؤں' آئندہ یہ فیصلہ کیا ہے میں نے کہ جب بھی کبھی ملک سے باہر نکلوں گی تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی' تمہیں اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

شکیل نے مسکراتے ہوئے گردن جھکا لی' اس کا یہ انداز سلطانہ جمالی کو بے حد دلکش لگا تھا سلطانہ جمالی نے اپنے سامنے رکھی ہوئی چائے کی پیالی سے چند گھونٹ چائے لی اور پھر ہنس کر بولی۔

"نہیں میڈم! کیا جواب دوں' ظاہر ہے آپ حکم دیں گی تو میں انکار کیسے کر سکتا ہوں' ویسے میں آپ سے عرض کروں میں کبھی ملک سے باہر نہیں گیا۔"

"تبھی تو اور زیادہ لطف آئے گا' میں تمہیں دنیا کے بہت سے ممالک دکھاؤں گی میں نے ایک پروگرام ترتیب دے لیا

ہے"

"جی" شکیل نے آہستہ سے کہا اور اپنی چائے کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی پھر چند گھونٹ لینے کے بعد بولا۔

"یہ بتایئے آپ جس مقصد کے تحت گئی تھیں' اس کی تکمیل کا کیا رہا ــــ؟"

"یوں سمجھ لو سینٹی پرسنٹ کام ہو گیا اور میں اس سے بہت زیادہ مطمئن ہوں۔"

"گڈ"

"ایمانداری سے بتانا شکیل تم نے میری کمی محسوس کی یا نہیں؟"

"ایمانداری سے ہاں" شکیل نے جواب دیا۔

"میں بھی وہاں پہنچنے کے بعد یہ سوچتی رہی کہ کیا حماقت کر ڈالی میں نے تمہارے بغیر آگئی حالانکہ پہلے ہمارے تمہارے درمیان بات ہوئی تھی مگر اس وقت میں اتنی سنجیدہ نہیں تھی اور اب یہ سوچ رہی ہوں کہ شاید شاید" سلطانہ جمالی اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی' شکیل خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتا رہا' پھر سلطانہ جمالی نے کہا۔

"اور یہ سدرہ کا کیا قصہ تھا؟" اس دوران شکیل یہ بات طے کر چکا تھا کہ اختیار بیگ کے سارے معاملات سلطانہ جمالی کے سامنے پیش کر دے' وہ سنجیدہ ہو گیا' اس نے کہا۔

"مس سدرہ اکثر' یہاں آتی رہتی ہیں کئی بار آچکی ہیں پہلے بھی اور اب بعد میں بھی' چند روز قبل ان کی سالگرہ تھی اس کے لئے وہ کارڈ دینے میرے گھر پہنچی تھیں کہیں سے پتہ لگا لیا تھا انہوں نے میرے گھر کا' میرا گھربار دیکھ آئیں' میرے والدین سے مل آئیں' شاید اختیار بیگ صاحب بھی ساتھ گئے تھے' بہرحال کارڈ مجھے میری غیر موجودگی میں پہنچایا گیا تھا بعد میں میرے والدین نے وہ کارڈ میرے سپرد کیا لیکن میں نے مس سدرہ کی سالگرہ پارٹی میں جانا مناسب نہیں سمجھا۔"

"کیوں؟"

"دراصل آپ سے الگ ہٹ کر میڈم میں کسی سے کوئی تعلقات قائم نہیں کرنا چاہتا جن لوگوں سے آپ کی وجہ سے کوئی رابطہ قائم ہوا ہے ان سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کا کیا جواز ہے؟"

"اوہ نہیں سوئیٹ ایسی کوئی بات نہیں ہے میں کوئی پابندی تو نہیں لگا سکتی تمہارے اوپر۔"

"پھر بھی میڈم ظاہر ہے میں اس سطح کا آدمی نہیں ہوں اور پھر اختیار بیگ صاحب تو ہمارے کلائنٹ رہ چکے ہیں۔" شکیل نے کہا اور مسکرا دیا سلطانہ جمالی ہنس پڑی تھی۔

"کلائنٹ کا لفظ خوب استعمال کیا تم نے' اشتیاق حسین صاحب سے ملاقات ہوئی اس دوران۔"

"ایک آدھ بار بس"

"کام جاری ہے؟"

"جی میڈم مکمل طور سے میرا خیال تھا آپ کو آنے میں خاصا وقت لگ جائے گا میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں اس وقت تک کئی بس تیار کر لوں۔"

"ہاں ہاں کر لیں گے بھئی بس میں نے بتایا اپنے آنے کی وجہ یہ تھی۔"

"جی"

"اچھا پھر سدرہ والی بات رہ گئی۔"

"جی ہاں' بعد میں سدرہ صاحبہ تشریف لائیں اور انہوں نے انتہائی سخت لہجے میں مجھ سے کہا کہ میں ان کی سالگرہ میں کیوں نہ آیا' میں نے شریفانہ معذرتیں کیں' انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں شام کو ان کی کوٹھی پر حاضری دوں اور ان کے والد سے ملاقات کروں' دراصل مسز جمالی میں نے یہ سوچا کہ بات کو اختتام تک پہنچا دینا ضروری ہے چنانچہ میں ان کی کوٹھی پر پہنچ گیا' میری ملاقات سدرہ کے والد اختیار بیگ صاحب سے ہوئی' اختیار بیگ صاحب نے انتہائی پر اعتماد انداز میں مجھے پیشکش کی کہا کہ چونکہ میں سدرہ کی پسند ہوں" شکیل کے لہجے میں یہاں آکر کچھ ہچکچاہٹ پیدا ہو گئی پھر اس نے خود کو سنبھال کر کہا "جی انہوں نے یہی کہا تھا"

"ہاں ہاں تو میں کب انکار کر رہی ہوں" مسز جمالی نے پھر قہقہہ لگا کر کہا۔

"ب۔ بس میں، آپ آپ میں"

"ارے بھئی باتیں کر رہے ہو یا باتوں کے ہجے کر رہے ہو؟"

"بات ہی کچھ ایسی ہے مسز جمالی، احمقانہ فضول لغو بے بنیاد، بہر طور انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں چونکہ ان کی بیٹی کی پسند ہوں اور انہوں نے آج تک اپنی بیٹی کی پسند کو اولین حیثیت دی ہے چنانچہ وہ مجھے بھی اپنی بیٹی کی پسند کی چیز کی حیثیت سے قبول کر رہے ہیں۔ انہوں نے فوراً ہی ہمارے مستقبل کے لئے تجاویز پیش کر دیں۔ کہنے لگے کہ میرے والدین کے لئے وہ ایک علیحدہ گھر خرید دیں گے جہاں وہ دونوں بزرگ اپنی زندگی عیش و آرام سے گزار سکیں گے مجھے البتہ سدرہ کے ساتھ وہیں رہنا ہوگا تاکہ میں ان کی نگاہوں کے سامنے رہوں، بڑی فراخدلی سے فرمایا جناب اختیار بیگ صاحب نے کہ مجھے گھر داماد نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے چنانچہ مجھے بیٹے ہی کی حیثیت دی جائے گی یہ بھی فرمایا اختیار بیگ صاحب نے کہ ان کے تمام کاروبار کی نگرانی مجھے کرنا ہوگی اور میں وہاں مکمل صاحب اختیار رہوں گا یہ تمام پیشکشیں فرمانے کے بعد انہوں نے مجھ سے میری رائے پوچھی تو میں نے انتہائی سخت لہجے میں ان سے کہا کہ یہ ان کی احمقانہ سوچ ہے جس سے میں بالکل متاثر نہیں ہوں نہ مجھے سدرہ پسند ہے اور نہ وہ زندگی جو وہ مجھے دینا چاہتے ہیں، وہ دنگ رہ گئے تھے بس اس کے بعد میں انہیں چھوڑ کر چلا آیا اور اب یہ مس سدرہ اس طرح نازل ہوئیں۔" سلطانہ جمالی نے سامنے رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور روشن اندر آگئی۔

"جی بی بی"

"میرے اور صاحب کے لئے ایک ایک کپ چائے اور لاؤ"

"جی بی بی" شکیل نے چونک کر سلطانہ جمالی کو دیکھا اس کا مزید چائے پینے کا ارادہ نہیں تھا لیکن سلطانہ جمالی نے بڑے اعتماد سے یہ آرڈر دے دیا تھا وہ مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا تب سلطانہ جمالی نے کہا۔

"بھئی کیا کہوں اب اس سلسلے میں شکیل، کیا کہنا چاہئے بتا سکتے ہو مجھے؟"

"سمجھا نہیں میڈم"

"سدرہ کے ساتھ تم نے جو کچھ کیا ہے کیا تم اسے ایک اچھا سلوک کہہ سکتے ہو یقینی طور پر اس کے دل میں تمہاری محبت پیدا ہو گئی ہوگی، نوجوان لڑکی ہے خوبصورت بھی ہے اگر لڑکی خوبصورت اور دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ کسی نوجوان کو پسند کرتی ہو تو اسے ٹھکرا دینا ایک عجیب بات ہے میری نگاہوں میں، اوہو میں سمجھی، غالباً" اگر اختیار بیگ صاحب یہ تجویز پیش کرتے کہ وہ تمہارے والدین کو تم سے جدا کر دیں گے تو شاید تم ان کی پیشکش کو قبول کر لیتے"

شکیل ہنسنے لگا پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میڈم میں بے شک ایک پسماندہ بستی کا رہنے والا ہوں وہاں سے باہر کی دنیا میں رزق کی تلاش میں نکلا ہوں لیکن کیا آپ یہ خیال کرتی ہیں کہ میں قابل فروخت بھی ہوں مجھے خریدا بھی جا سکتا۔ میڈم پلیز ایسا تصور کبھی ذہن میں نہ لائیں میں بکنے والی چیز نہیں ہوں۔"

"خدا کی قسم میرا یہ مطلب نہیں تھا یہ تو یہ تو" سلطانہ جمالی نے کہا اور عجیب سی نگاہوں سے شکیل کو دیکھنے لگی، شکیل چہرے پر جذبات کے سائے لرز رہے تھے اور ان کا عکس سلطانہ جمالی کے چہرے پر بھی پڑ رہا تھا بس ایک ہلکا سا فرق تھا دونوں جذبات میں، بہت ہلکا سا۔

پروانہ صاحب پر شعری جنون طاری تھا۔ کاغذ کے ٹکڑوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں پینسل دبائے برے حال برے احوال۔ غالباً" کوئی شعر موزوں نہیں ہو پا رہا تھا اور پروانہ صاحب اس کی جان کو اٹکے ہوئے تھے۔ شمع بیگم بار بار جھانک کر دیکھتی تھیں اور واپس چلی جاتی تھیں۔ غالباً" کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن چونکہ شوہر شعری جنون کا شکار تھے اس لئے کہہ نہیں پا رہی تھیں۔ بالآخر تھک گئیں تو اندر داخل ہو گئیں اور پروانہ صاحب نے سرخ آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا پھر بولے۔

مٹی کے مکانوں کی بے ربط قطاروں میں
ہر سانس بجتی ہے افلاس کی شہنائی

"اے خدا آپ کی زبان مبارک کرے، شعر بھی کیا موقع کا ہوا ہے جیسے دل کی آواز ہو۔"

پروانہ صاحب چونک کر شمع بیگم کو دیکھنے لگے۔ پھر بولے

"اس شعر میں آپ کے دل کی آواز کہاں سے شامل ہو گئی شمع بیگم؟"

"بس یونہی۔ بے نام سے تصور لے کر آپ کے پاس آئی تھی۔ آپ کو فکر سخن میں مصروف پایا تو مجبور ہو گئی لیکن اب جو شعر آپ کے منہ سے نکلا ہے اگر اسے پیش گوئی مان لوں تو سمجھ لیجئے کام ہو گیا۔"

"سبحان اللہ، سبحان اللہ، کیا گفتگو فرمائی ہے آپ نے، اس وقت شمع بیگم، جی خوش کر دیا، ایسی تیسی شعر کی، ارے آپ آیئے بیٹھئے۔ ذرا یہ تو بتایئے کہ اتنی خوبصورت اردو آپ کی زبان سے کیوں کر ادا ہونے لگی۔؟"

"لیجئے اب بھی وہی باتیں کریں گے، اردو کا کھایا اردو کا پہنا۔ اردو میں زندگی گزاری، شوہر صاحب طرز شاعر اور پھر محبتیں بھی پروانوں جیسی، شمع اپنی تقدیر پر ناز نہ کرے گی کیا؟" شمع بیگم بولیں اور پروانہ صاحب کی حالت غیر ہونے لگی۔

"بھئی بخدا بیگم، بے ہوش ہو جائیں گے اس وقت ہمیں ہوش میں رہنے دیں آپ شمع بیگم عنایت ہو گی آپ کی یہ آخر ہوا کیا ہے، بیٹھے بیٹھے، یہ اچانک ہی بخدا آپ نے آج اتنا سخت حیران کر دیا ہے۔"

"اچھا اب چھوڑیئے ان باتوں کو میں بہت افسردہ ہوں آج۔"

"اوہو تو گویا یہ عالم افسردگی میں کیفیت طاری ہو گئی ہے آپ پر۔ بھئی خدا نہ کرے کہ آپ افسردہ ہوں۔ ہم تو ہمیشہ آپ کے لئے ہنستی مسکراتی زندگی کے خواہاں رہے ہیں۔ گو وہ سب کچھ مہیا نہ کر پائے آپ کو جو آپ کی خوشیوں کو دوبالا کر دیتا۔ لیکن کم از کم احساس تو جی میں رہا ہے یہ کہ کاش زمانے کی کچھ خوشیاں ہمارے ہاتھ لگ جاتیں تو آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ بہرحال افسردگی کی وجہ تو پتہ چلے؟"

"وہ بس اتفاق سے بچوں کے پاس گئی تھی کسی کام سے گفتگو کر رہے تھے۔ ارادہ تو نہ تھا کہ چھپ کر ان کی باتیں سنوں لیکن اگر خود ہی کچھ کانوں تک پہنچ جائے تو بھلا اسے کیسے روکا جا سکتا ہے۔ ایک عجیب انکشاف ہوا ہے مجھ پر۔"

"بتایئے بتایئے۔ مجھے بھی تجسس کا شکار کر دیا۔ کیا انکشاف کس کی زبانی کیسے؟"

"اب آپ دیکھئے نا ہماری زندگی تو ان دو بچوں میں قید ہو کر رہ گئی ہے۔ بھلا اب بھی کچھ ایسی بات ہے کہ ہم انہیں خود سے الگ سمجھیں۔ ہر طرح سے تو ثابت کر دیا انہوں نے کہ اپنوں سے زیادہ اپنے ہیں۔ بس تقدیر نے خون بدل دیا ہے لیکن ظاہر میں ہوا کہ غیر ہیں۔"

"یقیناً اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"شعور کسی مشکل کا شکار ہو گیا ہے؟"

"شعور تو ہمیشہ ہی مشکل کا شکار رہتا ہے، یہ کون سی نئی بات ہے۔ بے شعوری آسمانی عطیہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بے شعوری عطا نہ فرما دے تو یوں سمجھ لو کہ انسان کی اچھی گزر جاتی ہے۔"

"مذاق کرتے رہیں گے یا سنجیدہ بھی ہوں گے۔"

"بالکل سنجیدہ ہیں۔ بات ہی آپ نے ایسی کہہ دی تھی کہ ہم تڑپ اٹھے۔"

"شعور عشق کرنے لگا ہے۔"

"حالانکہ دو متضاد چیزیں ہیں۔ عشق کا شعور سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن معاف کرنا یہ شاید آپ اپنے شعور کے بارے

میں کہہ رہی ہیں تو یہ تو بڑی عجیب بات بتائی آپ نے، مگر شمع بیگم اس میں افسردگی کی کیا بات ہے۔ نوجوانی کے عالم میں چند ہی
چیزیں تو لازمی قرار پاتی ہیں۔ عشق و محبت، دولت، جوانی۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو جوانی بے مقصد ہے۔"

"کیا بات ہے، آج آپ بھی بڑی جولانی پر ہیں۔"

"بس شمع کو پروانہ کی نگاہ سے دیکھ لیتے ہیں تو طبیعت خود بخود جولانی پر آجاتی ہے، تو حضرت شعور کس سے عشق کرنے لگے
ہیں؟ ویسے تو یہ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔"

"سنیں گے تو آپ بھی افسردہ ہو جائیں گے۔"

"نہ بھئی، خدا نہ کرے، مگر سنا دو پہلے۔"

"وہ جو نک چڑھے امداد بیگ ہیں نا ان کی بیٹی فوزی شعور کو پسند آگئی ہے۔"

"ہوں ہوں۔ ہوں۔" اچانک ہی پروانہ صاحب بھی سنجیدہ ہو گئے۔ ان کی یہ ہوں ہوں بے معنی نہیں تھی۔ چند لمحات غور
کرتے رہے پھر بولے۔

"ذرا تفصیل میں تو جاؤ۔"

"باتیں کر رہے تھے بچے۔ غالباً" بات زیادہ پرانی نہیں ہے۔ بس فوزی کی شعور سے کچھ ملاقاتیں ہوئیں اور اس نے یہ
اظہار کیا جیسے شعور اس کو پسند ہو، شعور حسرتوں کا شکار ہو گیا۔ جیسا لڑکا ہے اب آپ کو بھی اندازہ ہو چکا ہے، پہلے تو دونوں ہنسی
مذاق کی باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد شعور افسردہ ہو گیا۔"

"شعور تھا نا بے شعوری کا شکار کب تک رہ سکتا تھا، خیر پھر کیا ہوا؟"

"کہنے لگا یہ سب بے کار باتیں ہیں دل کو بہلانے کی۔ ان کا کوئی مفہوم کبھی نہیں نکل سکتا، ہم آخر ہیں کیا۔ ہماری اوقات
کیا ہے، نہ گھر نہ بار نہ کوئی ٹھکانہ ایسا جس پر ناز کر سکیں بھلا یہ سب کچھ کہیں ہمارے لئے ہے۔"

"یہ ارشاد عالی کس کا تھا؟" پروانہ صاحب نے کہا۔

"شعور کہہ رہا تھا۔"

"ہوں۔ قابل سزا ہے۔ آخر اس نے ایسا کیوں سوچا؟ بھئی اب گھر بار جیسا بھی ہے اس محلے کی اس گلی میں جو کچھ بھی۔
؛ خر امداد بیگ صاحب کون سے آسمان سے اترے ہوئے ہیں کہ انکے مزاج ہی آسمان سے نیچے نہ اتریں۔ ٹھیک ہے صاحب
حیثیت ہیں۔ ایک پھٹی پرانی کار بھی رکھتے ہیں۔ لیکن اب اس کا یہ مقصد تو نہیں کہ انسانوں کو انسان ہی نہ سمجھیں یہ گھر شعو
اور طاہر کا ہے۔ بھلا اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ جب ہم نے کہہ دیا تو بات ہی ختم ہوگئی اور یقیناً" آپ کو بھی اس
انحراف نہیں ہوگا۔"

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے، لیکن امداد بیگ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ ذرا ٹیڑھے مزاج کے ہیں۔ اپنے آپ کو دوسروں
برتر سمجھتے ہیں۔ احساس برتری کے مریض ہیں۔ کیا وہ اس سلسلے میں مان جائیں گے۔"

"وہ جو کہا ہے نا جس گھر میں بیری ہوتی ہے اس میں پتھر آتے ہی ہیں۔ ہم بھی پتھر کی شکل میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ میں با
کروں گا اپنے شعور کے لئے۔ اگر ایسی بات ہے تو بھلا اس میں قباحت کیا ہے اور ماننا پڑے گا امداد بیگ صاحب کو۔ کیا سمجھ
آپ؟"

"شعور سے بات کریں اس سلسلے میں؟"

"قطعی نہیں بالکل نہیں کیا سمجھیں آپ۔"

"ارے ارے بھئی شادی تو اسے ہی کرنا ہوگی۔"

"اسے کرنا ہوگی۔ کیوں؟"

"تو کیا مطلب آپ کا؟"

"بھئی ہم ان کے والدین ہیں۔ ہم کریں گے سارے کام۔ آپ نے عالم شعور میں شعور کی باتیں سنی ہیں کہیں اس سننے
بے شعوری کا کوئی دخل تو نہیں ہے۔"

"جی نہیں۔ اب میں ایسی بھی نہیں ہوں۔"

"آہ شمع بیگم آپ کیسی ہیں کوئی ہمارے دل سے پوچھے۔" پروانہ صاحب بے اختیار بولے۔

"کیا بہت بری ہوں میں؟"

"اگر ناز سے کہہ دیا جائے کہ بہت بری ہیں آپ تو آپ شرمانے لگیں گی خواہ مخواہ۔ لیکن واقعی بہت بری ہیں آپ۔ دشمن
عقل و ہوش، دشمن جان۔"

"اللہ خیر کرے، اللہ خیر کیا ہو رہا ہے آج آپ کو؟"

"بھئی ہمیں جو کچھ ہوتا ہے آپ ہی کو دیکھ کر ہوتا ہے۔"

"اب واپس آجایئے شعور و طاہر کی طرف۔"

"ہاں واپسی تو لازمی ہوتی ہے، میں نے تو طے کر لیا ہے کہ امداد بیگ سے بات کروں گا بلکہ آپ بھی میرے ساتھ ہی جایئے گا،
ذرا مدو رہے گی۔ حالانکہ ٹیڑھے لوگ ہیں لیکن اپنی اولاد کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔ خوشامد در آمد کریں گے، منتیں کریں
گے لیکن واہ اس لحاظ سے تو ہمارا شعر واقعی موزوں ہو گیا کیونکہ اس میں لفظ شہنائی تھا۔ خدا کرے ہم بھی اس ناممکن کو ممکن بنا
لیں۔ ہماری زندگی میں یہ تصور کہاں تھا شمع بیگم کہ صاحب اولاد ہوں اور پھر اولاد کے لئے ان لوازمات کو تلاش کرتے پھریں۔
یعنی رشتہ، شادی۔ بیاہ لیکن اب یہ لگ رہا ہے جیسے ہماری تقدیر نے ہماری توقع کے خلاف یہ سب کچھ ہمیں دے ہی دیا۔ بھئی جی
تو یہ چاہ رہا ہے کہ فوراً ہی امداد بیگ سے بات کی جائے۔"

"اب ایسی آسمانی جلدی بھی نہ کریں۔ ذرا غور و خوض کر کے یہ قدم اٹھائیں۔"

"ہاں غور و خوض بھی کریں گے مگر ایک پیالی چائے کے ساتھ، ملے گی؟"

"لاتی ہوں۔" شمع بیگم نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ پروانہ صاحب پینسل رخسار سے ٹکائے ہوئے اس
ات پر غور کرنے لگے۔ یہ غور کسی شعری موزونیت کے لئے نہیں تھا بلکہ زیر نگاہ امداد بیگ صاحب تھے جن سے گفتگو کے لئے وہ
نجیدگی سے سوچ رہے تھے۔

⁂

گھر کی تلپٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ موت جیسا سوگ طاری تھا۔ سب ذہنی طور پر مفلوج ہو گئے تھے۔ جمیل احمد صاحب کے چہرے
ایک ایسا غم کھنڈا ہوا تھا جسے دیکھ کر کلیجہ سینے سے باہر آجائے۔ سارا ماضی ان کی آنکھوں سے چھلکتا تھا۔ پشیمانی کا احساس، بیٹے
ی محبت اپنی کی ہوئی حماقتیں لفظوں کی شکل میں بے شک نہیں تھیں لیکن ان کے چہرے کی ہر لکیر اپنی نادانیوں کا اظہار بنی ہوئی
ی۔

فرزانہ نے اپنی مدت ملازمت میں کبھی چھٹی نہیں کی تھی۔ مشین بنا لیا تھا اس نے اپنے آپ کو۔ لیکن اب اس کا کہیں
انے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

تیسرا دن تھا شہباز کو پولیس کے شکنجے میں پھنسے ہوئے اور ان تین دنوں میں کیا کیا قیامتیں نہ ٹوٹ گئی تھیں ان لوگوں پر۔
رے اترے ہوئے، آنکھیں سوجی ہوئیں۔ کوئی بات جو سمجھ میں آجائے۔ بس ایک دوسرے کی صورتیں دیکھتے اور اس طرح
ک دوسرے سے نگاہیں چراتے جیسے سب ایک دوسرے کے مجرم ہوں۔ ایک عجیب سا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ اہل محلہ زیادہ سے
دہ ہمدردی کرنے آجاتے تھے لیکن ان کے لئے یہ ہمدردانہ رویے بھی دل پر کچوکے لگاتے تھے۔ گو کہتے تو سچ تھے لیکن یہ سچ بھی
وقت ایسا دکھ بھرا تھا کہ سننا مشکل ہی ہو جائے۔ اکثر یہ بھی ہوتا کہ دروازے پر دستک ہوتی اور تینوں میں سے کوئی بھی
ازہ کھولنے نہ اٹھتا۔ آنے والے آئیں گے جو کچھ کہیں گے وہ انہیں سب معلوم تھا اور اب یہ سننے کی ہمت باقی نہ رہی تھی نہ
ل احمد صاحب میں نہ فریدہ بیگم میں اور نہ ہی فرزانہ میں۔

فرزانہ کو ویسے تو کوئی خوش فہمی کسی کے بارے میں نہیں تھی لیکن نجانے کیوں بچپن کی ایک لگن تھی اور بچپن کا ایک
رتھا جسے جوانی میں بھی اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتی تھی۔ گزرے وقت کی بہت سی داستانیں تھیں جب ان لوگوں کے
ت بگڑے تھے تو فرزانہ نے بہت غور کر کے کچھ فیصلے کئے تھے اس سے پہلے وہ ایک گھریلو لڑکی تھی صرف گھریلو لڑکی۔ شکیل لاکھ

لاکھ حیلوں بہانوں سے اس کے پاس آتا تھا اس کی قربت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ابتدا میں تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا گھروں کے
تعلقات بھی اچھے خاصے تھے۔ آرام سے وہ جب چاہتی شکیل کے گھر چلی جاتی۔ شکیل بھی بے لگام منہ اٹھائے ہوئے یہاں آجایا
کرتا تھا۔ کسی کو کوئی تردد نہ ہوا۔

لیکن پھر جب حالات بگڑے اور ذہنوں میں کچھ نئے احساسات پیدا ہوئے تو فرزانہ نے خود ہی شکیل سے اجتناب برتنا شروع
کردیا۔ یہ اجتناب صرف اس بنیاد پر تھا کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی۔ جمیل احمد صاحب نے اپنی ضد کے آگے سب
کو مفلوج کردیا تھا اور فرزانہ یہ محسوس کرتی تھی کہ اب ان لوگوں کا صرف مذاق اڑایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ شکیل نے درجنوں
بار فرزانہ سے اس کی بے رخی کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ قصور کس کا ہے سزا کسی کو دی جار
ہے۔ اگر جمیل احمد صاحب نے یہ سب کچھ کرڈالا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے' مجھ سے کیوں دور ہٹ رہی ہو لیکن فرزانہ
اس وقت نہایت سرد مہری سے کہا تھا۔

"نہیں شکیل اب ہم دوسری حیثیت کے مالک ہو گئے ہیں۔ زندگی کیا ڈگر اختیار کرے گی کچھ نہیں کہا جا سکتا' موہ
امیدوں کا دامن پکڑ کر دوڑتے رہنا' نادانی کے سوا کچھ نہیں ہے اور میں نادان نہیں ہوں گھر کے حالات دیکھ رہی ہوں او
سوچ رہی ہوں کہ مجھے ان حالات میں کیا کردار ادا کرنا چاہئے۔ یہ تمام باتیں سوچ کر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ زندگی کو عملی راستے
لاؤں۔ اور ظاہر ہے شکیل ان راستوں پر چلنے کے بعد ہمارے تمہارے راستے ذرا مختلف ہو جائیں گے۔"

"پاگل ہوئی ہو صندل پری۔ یہ تو ایک عارضی لمحہ ہے۔ آیا ہے اور گزر جائے گا۔ اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی ہو تم۔ ہم
تو بچپن سے یہی خواب دیکھا ہے اور تم مجھ سے اس خواب کی تعبیر اس طرح چھینے لے رہی ہو۔"

"میں نے نہیں شکیل۔ وقت نے یہ تعبیر ہم سے چھین لی ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ میرے دل میں تمہاری محبت کا
احساس کم ہو گیا ہے۔ ہاں یہ ضرور کہوں گی کہ وہ جو اپنی نادانیوں کا شکار ہو کر مصیبت کا شکار ہو چکے ہیں الجھنوں میں گرفتا
چکے ہیں۔ میرے لئے تم سے زیادہ حیثیت رکھتے ہیں۔ میں انہیں نظرانداز کر کے صرف تمہیں یاد نہیں رکھ سکتی۔ وہ میرے
باپ ہیں۔ انہوں نے مجھے جنم دیا ہے۔ میں ان کو دکھوں میں چھوڑ کر اپنا گھر بیار اگھر نہیں بنا سکتی۔ شاید یہ میری سرشت
نہیں۔ میں ہر ہر لمحہ انہیں چاہتی رہی ہوں ان کو مانتی رہی ہوں۔ تو اب اس حالت میں' ان مصیبت زدہ حالات میں' میں ا
کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ نہیں شکیل میں ایسی خوشیاں حاصل کرنا نہیں چاہتی۔"

"تمہارے الفاظ بہت سخت ہیں فرزانہ' لیکن میں صرف یہ سمجھ رہا ہوں کہ یہ ایک لمحاتی ذہنی کیفیت ہے تم واپس
گی۔"

"میں خود بھی تم سے کوئی ایسی بات نہیں کہہ رہی شکیل جس سے یہ ظاہر ہو کہ میرا تمہارا راستہ بالکل ہی دو شاخوں
گیا ہے بلکہ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ ہو سکتا ہے اب وقت ہمیں وہاں تک نہ لائے جہاں تک ہم پہنچنا چاہتے تھے۔"

اور اس کا عملی ثبوت فرزانہ نے شکیل سے ملاقاتیں کم کر کے دے دیا۔ شکیل اس کے لئے تڑپتا رہتا تھا لیکن وہ د
واپس آجاتی ہفتوں گزر جاتے وہ شکیل سے نہ ملتی۔ یہ صرف عارضی احساس تھا۔ جو ان دنوں اس پر طاری تھا۔
ملازمت کی عادی ہو گئی۔ اس ماحول کی بھی عادی ہو گئی بے شک شہباز نے اس ماحول سے بغاوت جاری رکھی تھی لیکن
نے سوچ لیا تھا کہ اسے اس وقت تک ان حالات کو سنبھالے رکھنا ہے جب تک کہ وقت خود ہی کوئی اچھا اعلان نہ کر
اس کے لئے اس نے اپنے دل کے دروازے بند کر لئے تھے۔ شکیل سے ملاقات ہوتی تو ایک بھی رومانی جملہ اس کی ز
آیا۔ شکیل اس کی صورت ہی دیکھتا رہ جاتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ شکیل نے بھی خود کو اس کی بے اعتنائیوں کا عادی بنا لیا۔ و
سادگی اور سنجیدگی سے فرزانہ سے ملنے لگا۔ لگتا تھا جیسے کبھی بھی ان کے درمیان محبت کا کوئی رشتہ نہ رہا ہو۔ پھر یوں ہوا
کو بھی ملازمت مل گئی اور وہ مصروف ہو گیا۔

فرزانہ کا خیال تھا کہ شکیل کے دل میں کبھی بھی اس کا تصور ہلکا نہیں پڑے گا۔ خود اس کی اپنی بھی یہی کیفیت تھی
کو سامنے پا کر سرد مہری کا اظہار تو کرتی تھی۔ لیکن اندر ہی اندر اسے بے پناہ چاہتی تھی اور یہ کہا جائے تو غلط نہیں

لیکن یہ لمحات سب سے زیادہ جاں گسل تھے وہ حیران تھی کہ شکیل اتنا کچھ جاننے کے باوجود ان کے ہاں نہیں آیا یہاں تک
کہ اس نے اس کے گھر اطلاع بھجوائی اس سے ملنا چاہا۔ لیکن جواب صاف تھا۔ وہ ملنے نہیں آیا تھا۔ کچھ دن قبل ہی کی تو بات
تھی جب فرزانہ نے شکیل سے کہا تھا کہ وہ ذرا سی معلومات حاصل کرے شہباز کے بارے میں۔ یہ بڑی اپنائیت کی بات تھی جو
کسی غیر سے نہیں کہی جا سکتی تھی اور شکیل نے اس کی تفصیل بھی بتائی تھی اور فرزانہ کو بڑی شرمندگی ہوئی تھی لیکن اب شکیل
نے اتنا نظرانداز کردیا انہیں۔

کیوں آخر کیوں؟

اس دن وہ علی الصبح جاگ گئی۔ نماز کے بعد چائے کی ایک پیالی پی اور گھر سے باہر نکل آئی۔ شکیل کے گھر بار بار جانا اسے
شرمندہ کرتا تھا۔ لیکن گلی کے آخری سرے پر جو شکیل کی گزرگاہ تھی اور جہاں سے وہ اپنے دفتر جانے کے لئے بس میں بیٹھا
کرتی تھی۔ انتظار کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا' سو وہ انتظار کرتی رہی یہ سوچ کر کہ شکیل آخر وقت پر ہی تو باہر نکلے گا اور یہی
ہوا۔

شکیل ساڑھے آٹھ بجے کے قریب باہر آیا تھا' فرزانہ کو یہ وقت ایک جگہ کھڑے ہو کر گزارنا پڑا تھا۔ کسی پتھر کے بت کی
انند وہ اپنی جگہ استادہ تھی۔ گزرنے والوں نے اسے دیکھا تھا۔ نجانے کیا کیا سوچا تھا۔ لیکن وہ ان تمام باتوں سے بے نیاز شکیل
کا انتظار کر رہی تھی۔ شکیل وہاں پہنچا اور فرزانہ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

فرزانہ نے اس کی جانب قدم آگے بڑھا دیئے تھے اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ شکیل نے اسے دیکھا
ور سنجیدہ سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو فرزانہ' خیریت؟"

"میں صبح سوا چھ بجے سے اسی جگہ تمہارے انتظار میں کھڑی ہوئی ہوں شکیل۔"

"کیا؟" شکیل اچھل پڑا

"ہاں۔۔۔۔ تمہارے گھر تمہیں پیغام بھجوایا تھا کہ مجھ سے مل لو۔ تم نے سنا بھی ہو گا کہ ہم پریشان ہیں' ہم مصیبت کا شکار
ں۔ تم نہیں آئے شکیل؟"

"ہاں فرزانہ بس دفتری مصروفیات۔"

"دفتر سے آنے کے بعد بھی۔"

"ہاں کسی نہ کسی شکل میں۔"

"مجھے کچھ لمحات دو گے؟"

"کیوں نہیں' کہو۔"

"شکیل! شہباز کو پولیس نے گرفتار کرلیا ہے۔" وہ رندھی آواز میں بولی۔

"ہاں میں نے سنا ہے۔"

"تم ہماری کوئی مدد نہیں کرو گے؟"

"میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں فرزانہ' تم خود بتاؤ؟"

"اس پر مقدمہ چلے گا اسے سزا ہو جائے گی۔"

"میں نے تو تم لوگوں کو آگاہ کردیا تھا اس بات سے کہ وہ جعلسازی کر رہا ہے اور کسی بھی وقت پولیس کی گرفت میں آسکتا
ہے۔"

"ہاں وہ لمحات گزر گئے شکیل' اب ان کا ذکر جانے دو۔ یہ بتاؤ اس وقت کچھ ہماری مدد کرسکتے ہو؟"

"کیا کرسکتا ہوں۔"

"جہاں ملازمت کرتے ہو وہاں یقیناً بڑے لوگ ہوں گے اور بڑے لوگوں کے تعلقات بہت حد تک ہوتے ہیں۔ تم اگر چاہو
باز کی ضمانت ہو سکتی ہے۔"

"کیا کہوں گا میں ان بڑے لوگوں سے فرزانہ۔ یہ کہ ایک شخص جس نے اخبار میں جعلی اشتہارات دے کر خود کو سرطان کا مریض بتایا اور رقومات عطیے کے طور پر وصول کرکے عیش کیے جبکہ وہ سرطان کا مریض نہیں ہے اور اب جبکہ پولیس نے اسے گرفتار کرلیا ہے تو براہ کرم آپ لوگ اس کی ضمانت کرا دیجئے۔ اسے پولیس سے نجات دلائیے۔ نہیں فرزانہ یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ تم جانتی ہو کہ ہم لوگوں نے ہمیشہ صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی گزاری ہے اور اس کے بعد یوں سمجھو کہ یہ سب کچھ اپنی زبان سے کسی شناسا کے لئے کہنا بہت مشکل کام ہوگا میرے لئے۔ اگر میں یہ کام کرسکتا فرزانہ تو فوراً تمہارے پاس پہنچ جاتا۔ یہی سوچ کر میں تمہارے پاس نہیں آیا کہ جب میں تمہارا کام نہیں کرسکتا تو بلاوجہ تمہارا وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟"

"شکیل ہم سب نہایت کسمپرسی اور بے کسی کا شکار ہیں۔"

"فرزانہ! میں انتہائی معذرت چاہتا ہوں حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں کے لوگ اس گلی کے رہنے والے کسی نہ کسی برائی کا شکار ہیں۔ ایک یہ دنیا ہے اور ایک دنیا اس گلی سے بھی ہٹ کر ہے جب میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ ظرف اور برائی کیا چیز ہوتی ہے۔ لوگ کس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ وہ کس طرح زندگی گزار رہے ہیں اور ایک زندگی ہمارے ان گھروں میں رہنے والوں کی ہے' نجانے کیسے لوگ ہیں یہ گھن آتی ہے بعض اوقات ان سے مجھے۔ خیر یہ تمام باتیں مجھے نہیں کہنی چاہئیں۔ نکل گئی ہیں میری زبان سے۔ فرزانہ ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں میں کچھ کرسکتا تو سیدھا تمہارے پاس آجاتا لیکن سوری ویری سوری۔"

فرزانہ نے شکیل کی صورت دیکھی اور پھر آہستہ سے گردن جھکا کر واپس پلٹ پڑی اور شکیل چند لمحات وہیں کھڑا رہ کر اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بھی قدم آگے بڑھا دیئے۔

فرزانہ کو شکیل سے ایسی امید نہیں تھی۔ کتنا سپاٹ لہجہ تھا اس کا کیسی عجیب آواز تھی۔ یہ آواز شناسا تو نہیں تھی۔ گھر میں داخل ہوئی تو جمیل صاحب اور فریدہ بیگم منتظر تھے۔ جمیل احمد صاحب نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کہاں چلی گئی تھیں فرزانہ؟ دفتر تو نہیں گئی تھیں؟"

"نہیں ابو۔"

"پھر کہاں گئے تھے بیٹے؟"

"ابو شکیل سے ملنے گئی تھی۔ وہ جلدی نکل جاتا ہے نا۔ میں نے سوچا اسے بس اسٹاپ پر پکڑ لوں۔"

"ملا؟" جمیل احمد صاحب نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیا کہا اس نے؟"

"امید افزا بات نہیں کی اس نے؟"

"ہاں۔ بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردد۔" جمیل احمد صاحب ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ فرزانہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جمیل احمد صاحب نے فریدہ بیگم کا چہرہ دیکھا اور بولے۔

"فریدہ کم از کم منہ پر پانی کے چھینٹے ہی مار لو' دیکھو کیسی شکل ہو رہی ہے۔ تم لوگوں کی یہ شکلیں دیکھتا ہوں تو گناہ کا احساس شدید ہو جاتا ہے۔ فریدہ برا وقت پڑا ہے ٹل جائے گا لیکن کیسے ٹلے گا یہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا لیکن اللہ ضرو ہوگا۔ مجھے معاف کردو فریدہ۔ مجھے معاف کردو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ میں ابھی جا کر منہ دھو لیتی ہوں۔ بس اس کا خیال آتا ہے تو ہاتھ پاؤں مفلوج ہو ہیں۔ کیا تھانے میں منہ ہاتھ دھونے کا بندوبست ہوتا ہے۔"

"سب کچھ ہوتا ہے۔ بس یوں سمجھ لو سلاخوں کا ایک کٹہرا ہوتا ہے جس کے پیچھے انسان کو رہنا ہوتا ہے۔ باقی وہاں ا بھی ہوتا ہے اور ملزموں کو ہر طرح کی آسانیاں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ ناشتہ بھی دیا جاتا ہے۔ دوپہر کا کھانا بھی' ہر چیز ط کیس زیر تفتیش ہوتا ہے فیصلہ ہو جاتا ہے پھر سزا وزا کی بات ہوتی ہے۔"

"کیا شہباز کو سزا ہو جائے گی؟"

"کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کچھ کر بھی نہیں سکتے آپ؟"

"ہر صبح اٹھنے کے بعد سوچتا ہوں کہ آج شہباز کے سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے' آج کے لئے دو پروگرام ہیں میرے۔"

"کیا؟"

"بس ابھی نکل رہا ہوں۔ ایک بار پھر غلام قادر کے پاؤں پکڑتا ہوں' حالانکہ وہ سخت بے وفا آدمی ہے۔ آنکھوں میں ذرا بھی مروت نہیں ہے اس کی اور اتنے سپاٹ لہجے میں بات کرتا ہے جیسے دور کی شناسائی بھی نہ ہو اور سچ بھی ہے کون کسی کے لئے مصیبتوں کا شکار ہوتا ہے۔ دوسرا مسئلہ امداد بیگ صاحب کا ہے' صاحب حیثیت آدمی ہیں۔ محلے میں سب سے دولت مند' بڑائی کے شوقین ہیں اس انداز میں گفتگو کروں گا کہ خوش ہو جائیں' ہو سکتا ہے ضمانت پر ہی آمادہ ہو جائیں وہ چاہیں تو ضمانت کرا سکتے ہیں اور کوئی تو نظر نہیں آرہا مجھے ایسا جو میری اس مشکل کا حل دریافت کرے۔"

"تو پھر چلے جایئے دونوں ہی نکل جائیں گے تھوڑی دیر کے بعد۔"

"ہاں بس اٹھ رہا ہوں۔" جمیل صاحب نے کہا اور اٹھ کر گھر کے دروازے سے باہر نکل گئے۔

☆

غلام قادر نے دروازہ کھول کر دیکھا اور جمیل احمد صاحب کا چہرہ دیکھ کر اس کا منہ کچھ بن سا گیا۔ بڑے سرد لہجے میں بولا۔

"جی' جی۔ جمیل احمد صاحب فرمایئے خیریت۔"

"غلام قادر بھائی! اپنی اسی مصیبت میں گرفتار ہو کر پہنچا ہوں آپ کے پاس۔"

"کچھ نہیں ہوا ابھی تک۔"

"کیا ہو سکتا ہے' میرا خاندان تو آپ ہی لوگ ہیں۔ آپ ہی جب میرے دل پر ہاتھ نہیں رکھیں گے تو کون کیا کر سکتا ہے۔"

"دیکھو جمیل احمد بھائی! خادم ہیں تمہارے۔ قسم اللہ کی کھال کے جوتے بنوا کر پہن لو' ہر طرح سے تمہارے لئے حاضر ہیں' مگر یہ بتاؤ کہ ہم کیا کرسکتے ہیں۔ اس نے چار سو بیسی کی ہے اور ایسی چار سو بیسی جو اخباروں میں بھی چھپ گئی ہے بھئی اتنا تیز نکلے گا وہ لونڈا ہم نے یہ نہیں سوچا تھا۔ بلکہ اب تو ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ لگوا تو دیا تھا ہم نے اسے سبزی منڈی میں اپنی ضمانت بھی دے دی تھی ہر چیز کے لئے مگر تم یہ بتاؤ جمیل احمد بھائی اگر کوئی لمبا پھڈا کر دیتا وہ تو' بھئی رقم بھی آتی تھی اس کے ہاتھ میں اور اگر تھوڑے دن سبزی منڈی میں ٹک جاتا تو سارے آڑھتی اس پر بھروسہ کرنے لگتے۔ کام کا آغاز تو اس نے ایسے ہی کیا تھا۔ آپ نے دیکھا ہوگا اچھے خاصے پیسے لانے لگا تھا۔ قسمت کا مارا ہے ورنہ اگر جم جاتا اپنی جگہ تو آپ یقین کریں وارے نیارے ہو جاتے۔ آپ کے سارے ولدر دور ہو جاتے تھوڑے ہی دنوں میں مگر بھائی بچ گئے ہم بھی ضمانت تو ہماری ہی تھی ناں' کوئی لمبا لفڑا کر دیتا تو ہم بھی پکڑے جاتے۔ لوگ کہتے کہ بھائی غلام قادر تم ہی لے کر آئے تھے اسے تمہاری گلی کا لونڈا تھا۔ اب بتاؤ کدھر گیا؟ وہ بھرنا پڑتے اپنی جیب سے ہمیں۔ تب جا کر جان چھوٹتی اور عزت الگ خراب ہو جاتی کیا سمجھے؟"

"ہاں غلام قادر بھائی وقت کہتا ہے کہ آپ کی کسی بات سے انحراف نہ کروں' ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں آپ لیکن خدا کے لئے ایک کام کر دیجئے میرا۔ تھوڑی سی مدد کر دیں میری۔"

"بولو' بولو۔"

"اس کا یہ جرم قابل ضمانت ہے اور اس کی ضمانت ہو سکتی ہے بشرطیکہ کوئی ضامن مل جائے۔ غلام قادر بھائی آپ اس کی ضمانت دے دیجئے۔ اللہ کے نام پر یہ نیک کام آپ کر ڈالئے۔ ساری زندگی آپ کا غلام رہوں گا۔"

"اماں جمیل بھائی! باتیں کرتے ہو' ارے ہم جیسوں کی ضمانت تھوڑی چلتی ہے اور چلتی بھی اگر جمیل بھائی تو دیکھو کسی کو لگی لپٹی میں رکھنا اچھی بات نہیں ہے۔ جو کہنا ہے کھری زبان میں کہہ دو۔ ہم یہ ضمانت نہ دیتے' ہم بھی بال بچوں والے آدمی ہیں۔ اپنی جان کون پھنساتا ہے چکر میں' کوئی اور کیس ہوتا تو بات دوسری تھی مگر چار سو بیس کا کیس ہے۔ ناں جمیل احمد بھائی ناں یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ ہمیں معاف کر دیجئے۔" جمیل احمد صاحب نے دونوں ہاتھ جوڑ لئے اور گھگھیا کر بولے۔

"غلام قادر بھائی! میرا دکھ بانٹ لیجئے' اللہ آپ کو اس کا صلہ دے گا۔ کوئی سہارا نہیں رہا ہے۔ اس وقت کچھ نہیں ہوگا۔

لیکن آپ کا یہ احسان مجھ پر ہمیشہ رہے گا۔ مان لیجئے میری بات غلام قادر
ضمانت ہوگی کیس چلے گا' آپ دیکھ لیجئے وہ رہا ہو جائے گا'
بھائی۔"

"دیکھو جمیل احمد بھائی مجبور نہ کرو۔ ذلیل نہ کرو کہ دروازہ بند کرکے اندر چلا جاؤں۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ جو ایک بار کہہ
دیا وہ بار بار کہتا رہوں گا اب یہ دوسری بات ہے کہ تم میرا پیچھا پکڑے رہو۔ اچھا پھر خدا حافظ۔" غلام قادر اندر چلا گیا۔ اخلاقاً"
اس نے دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ جمیل احمد صاحب چند لمحات کھلے دروازے کو جھانکتے رہے اور اس کے بعد ایک ٹھنڈی سانس
بھر کر وہاں سے واپس پلٹ پڑے۔ راستے میں انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ امداد بیگ کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ دل کانپ رہا تھا۔ امداد بیگ تو ذرا میں ہی مختلف قسم
کے آدمی' محلے والوں سے زیادہ بات چیت بھی نہیں کرتے۔ اپنے راستے آئے اپنے راستے چلے گئے۔ یہی کیفیت ان کی بیگم اور
بیٹی کی تھی لیکن مرتا کیا نہ کرتا اس وقت تو ہر آسرا دیکھنا چاہتے تھے۔ دستک کے جواب میں امداد بیگ صاحب خود ہی باہر نکل
آئے تھے۔ جمیل احمد کو دیکھا اور اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگے جیسے پہلی بار دیکھ رہے ہوں۔ پھر آہستہ سے بولے۔

"اوہو' جمیل احمد صاحب ہیں ناں آپ؟"

"جی امداد بھائی۔" جمیل احمد صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"آیئے تشریف لایئے۔" امداد بیگ صاحب اخلاقاً" بولے اور جمیل احمد صاحب نے اندر قدم رکھ دیئے۔

"کون ہے ڈیڈی؟" فوزی کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے بھئی اتنی صبح ہی صبح؟" غوثیہ بیگم نے بھی رندھی سی آواز میں کہا۔

"وہ اپنے جمیل بھائی ہیں پڑوس کے جمیل بھائی۔"

"پڑوس کے جمیل بھائی۔" غوثیہ بیگم نے عجیب سے لہجے میں کہا اور باہر نکل آئیں۔ فوزی بھی آگئی تھی۔ غوثیہ بیگم کہنے
لگیں۔

"اوہو جمیل احمد صاحب' خیریت جمیل بھائی' کیسے آنا ہوا صبح ہی صبح۔"

"وہ بھابی جان بس سنا ہوگا آپ نے سن لیا ہوگا ہماری تقدیر تاریک ہوگئی ہے۔ ہمارے گھر کا چراغ بجھ گیا ہے۔ اسے روشن
کرنے کی فکر میں سرگرداں ہیں۔ ہر دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ ہر جگہ سے روشنی مانگ رہے ہیں۔ آپ کا گھر بھی
ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کے دروازے پر بھی روشنی کی تلاش میں چلے آئے۔" جمیل احمد صاحب گلوگیر
لہجے میں بولے تو امداد بیگ نے ہمدردی سے کہا۔

"آپ تشریف رکھئے جمیل احمد صاحب' میں خود بھی آپ کے پاس آتا' محلے کا معاملہ ہے' ایک دوسرے کی خبر گیری تو کرنا ہی
ہوتی ہے۔ واقعہ کیا ہوا ہے؟" امداد بیگ صاحب نے پوچھا۔

"بس بنیاد میں نے ہی رکھی تھی امداد بھائی' ساری باتوں کا تو آپ کو علم ہے۔ کیوں میری زبان سے یہ داستان دہروانا پسند
کرتے ہیں۔ میں آپ کے پاس ایک غرض لے کر آیا ہوں کچھ مدد کریں گے میری۔"

"کیا مدد چاہتے ہیں جمیل احمد صاحب بتایئے کچھ روپے پیسے کی ضرورت ہے؟" امداد بیگ نے کہا۔

"لیجئے آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے آپ نے کوئی بینک قائم کر رکھا ہو' فرض کیجئے اگر ضرورت ہوئی بھی ان لوگوں
روپے پیسے کی تو بھلا ہم کیا مدد کر سکتے ہیں۔ اپنے حالات پر غور نہیں کیا آپ نے؟" غوثیہ بیگم پھٹ سے بول پڑیں۔

"نہیں بھائی' روپیہ پیسہ نہیں چاہئے مجھے' آپ لوگ صاحب حیثیت ہیں بس ذرا اس کی ضمانت کرا دیجئے۔ کچھ تعلقات
کچھ حیثیتوں کا' میں سمجھتا ہوں پورے محلے میں آپ سے بڑھ کر صاحب حیثیت اور کوئی نہیں ہے۔ بہت غور
معاملہ ہوتا ہے۔ کرنے کے بعد امداد بھائی آپ کا نام ذہن میں آیا اور میں آپ کے پاس دوڑا چلا آیا۔ میری مشکل میں میری مدد کیجئے امداد بھائی
اس کی ضمانت کرا دیجئے باقی اس کے بعد جو کچھ بھی ہوگا دیکھ لوں گا۔"

"نہیں جمیل احمد صاحب' انتہائی معذرت کے ساتھ ہم یہ کام نہیں کریں گے۔ امداد بیگ صاحب اگر چاہیں بھی تو

انہیں اجازت نہیں دوں گی۔ آپ غور کیجئے شہباز نے اس محلے کو کیسے گندا کر رکھا تھا' صبح ہوئی اور اذانوں کے ساتھ سیٹیوں کی
آوازیں ہو' ہا ہے ہوں' کسی عزت دار آدمی کے لئے تو ایسی جگہ رہنا بھی مشکل ہو جائے۔ ہم تو اپنے ملنے جلنے والوں کو یہاں
بلاتے تک نہیں تھے کہ دیکھیں گے اور سوچیں گے تو کیا کہیں گے کہ یہ اوقات ہے امداد بیگ صاحب کی' ارے آپ میرے
بھائیوں کو نہیں جانتے ایک سے ایک صاحب حیثیت ہے۔ کوٹھیوں اور بنگلوں کے رہنے والے ہیں ہم لوگ۔ وہ تو امداد بیگ
صاحب بس کیا کہوں ان کو اسی محلے میں رہنا پسند ہے ورنہ میرے بھائی تو ہمیشہ اس پر آمادہ رہتے ہیں کہ کوئی اچھی جگہ لے لی
جائے۔ خرید کر بھی دینے کو تیار ہیں' امداد بیگ صاحب تیار ہو جائیں تو۔ نہیں جمیل احمد بھائی یہ کام ہم نہیں کر سکتے۔ کوئی ضمانت
ومانت نہیں کرائیں گے ہم' جیسا کیا آپ لوگوں نے ویسا بھریئے لو بھلا صبح ہی صبح منہ اٹھا کر چلے آئے' ضمانت کرا دیں ارے ہمارا
آپ کا تعلق کیا ہے آخر؟"

"اب زبان بند بھی کریں گی آپ یا شروع ہوئیں تو رکنے کا نام نہیں لے رہیں۔"

"بات ہی ایسی ہے جی جلانے والی ارے اتنے عرصے سے ہماری زندگی حرام تھی۔ پوچھنے آیا کوئی ہم سے کہ کیسے زندگی گزار
رہے ہو۔ صبح اٹھو تو سیٹیوں کی آوازیں' شام کو دیکھو تو ہو ہا ہو کی آوازیں۔ معاف کیجئے جمیل احمد صاحب اہل محلہ نے کچھ سکون
کی سانس لی تو ہوگی کہ چلو خس کم جہاں پاک۔"

"خدارا خدارا ایسا نہ کہئے۔" جمیل احمد صاحب جلدی سے واپس پلٹے اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل آئے۔ تمام
امیدیں ختم ہو گئی تھیں۔ ٹوٹے ٹوٹے قدموں سے گھر واپس آگئے۔ فریدہ بیگم اور فرزانہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ جمیل احمد صاحب آکر
خود بھی بیٹھ گئے۔ بہت دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر جمیل احمد صاحب بولے۔

"فرزانہ' فرزانہ بیٹے۔"

"جی ابو۔"

"دیکھو بیٹے ہم نے زندگی میں کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا' میں اپنی بات کر رہا ہوں پھر میں کس منہ سے خدا سے یہ دعا مانگ
سکتا ہوں کہ وہ میری مدد کرے لیکن بیٹے تم لوگ تو صرف میرے ظلم کا شکار رہے ہو۔ مظلوموں کی فریاد اللہ تعالیٰ ضرور سن لیتا
ہے۔ تم لوگ دعا مانگو اپنے بھائی کے لئے اور اب میں بتاؤں ایک مشورہ ہے میرا بیٹے اب کسی سے کچھ نہ کہو کسی سے داد فریاد نہ
مانگو خواہ مخواہ اپنے آپ کو ذلیل کرنا پڑتا ہے۔ کوئی کچھ نہیں کرے گا بیٹے' اب صرف وقت کے فیصلوں کا انتظار کرو۔ دیکھو ایک
بات میں تم لوگوں کو بتا دوں۔ تمہاری سمجھ میں ضرور آجائے گی۔ نہ وہ قاتل ہے' نہ ڈاکو ہے نہ اس نے کسی کو زخمی کیا ہے۔ چار
سو بیس کا کیس بنے گا اس پر۔ تھوڑی بہت سزا ہو جائے گی۔ ہم اسے نہیں بچا سکتے بیٹے' اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرنے سے کوئی
فائدہ نہیں' بس دعائیں مانگو اس کے لئے اور باقی سب کچھ خدا پر چھوڑ دو۔ فرزانہ تم اگر چاہو بیٹے تو اپنی نوکری جاری رکھو' نہ
چاہو تو چھوڑ دو۔ میں کل سے اپنی ملازمت پر جاؤں گا اس کی خبر گیری کرتا رہوں گا۔ باقی سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو۔ ہم کچھ نہیں کر
سکتے۔ ہمارے بس میں کچھ نہیں ہے۔" جمیل احمد صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرزانہ اور فریدہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر
رونے لگیں۔

⁂

حکمت علی چارپائی پر اینڈ رہے تھے۔ نسیم بیگم کئی بار کمرے میں جھانک چکی تھیں۔ جب وقت زیادہ ہو گیا تو وہ کمرے میں
داخل ہو گئیں۔

"اٹھیں گے نہیں آپ' دفتر نہیں جانا کیا؟"

"بھئی آج گول ہونے کا ارادہ ہے طبیعت پر کچھ کسل مندی طاری ہے۔"

"لیجئے پھر پہلے سے بتا دیتے ہم لوگ بھی ذرا دیر تک سو لیتے۔ ایک جمعہ کا دن ملتا ہے جو ذرا چھٹی میں سونے کا وقت مل جائے
لیکن آپ کی اماں جان کو بھلا کب یہ گوارا' خود تو بڑھاپے کی نیند ہے تھوڑی دیر سو لیں۔ نیند بھر گئی لیکن بس دوسروں کو سوتے
ہوئے کہاں دیکھ سکتی ہیں اور خصوصاً" مجھے۔ نماز پڑھی اور اس کے بعد کھڑبڑ کرنے بیٹھ گئیں۔ کبھی سونے کو جی چاہے تو آوازیں
اور زور دار ہو جاتی ہیں۔ کتنی ترستی ہوں کہ کبھی سو [illegible] کے بعد بستر سے اٹھوں مگر یہاں تقدیر ایسی ہے کہاں؟"

"خدا کی پناہ...... خدا کی پناہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ دنیا کی تمام عورتوں کو وکالت کرنی چاہئے۔ وکالت کا پیشہ زیادہ بولنے والے کے لئے بہترین ہوتا ہے اور آپ ہیں کہ اگر ایک موضوع پر بولیں تو رکنے کا نام نہ لیں۔ ارے بابا پہلے سے ارادہ نہیں تھا کہ دفتر نہ جاؤں بس اچانک ہی فیصلہ کیا ہے کہ آج چھٹی کر ڈالوں۔ آپ کو کیا معلوم میرے دفتر کے لوگ تو نجانے کتنی چھٹیاں کرتے ہیں۔ میں ہی سب سے زیادہ ذمے داری کا مظاہرہ کرتا رہتا ہوں۔ ویسے پچھلے دنوں بیاری میں اتنی چھٹیاں ہو گئیں بس وہ ذرا زیادہ ہو گئیں چلو جاؤ اب آرام کرلو۔"

"خاک آرام کراوں، بستر پر جا کر لیٹوں گی تو نجانے کیا کیا کہانیاں سننے کو ملیں گی۔"

"خدا کی بندی کہانیاں شروع کرائے بغیر جی نہیں لگ رہا کیا۔ کتنی زور زور سے ان کے خلاف بول رہی ہو۔ سن لیا تو جان کو آجائیں گی۔"

"ارے چھوڑیئے اس گھر میں خوف و دہشت کے سوا اور ہے کیا۔ جا رہی ہوں لعنت کی ماری اب باورچی خانے میں جھکتی ہوں جا کر۔"

"جایئے جایئے مجھے تو سونے دیجئے تھوڑی دیر کے لئے۔"

"چائے نہیں پئیں گے؟" نسیم بیگم نے کہا۔

"ہوں گویا آپ تلی ہوئی ہیں اس بات پر کہ میں اٹھ کر بیٹھ جاؤں۔ چلئے ٹھیک ہے لے آیئے چائے۔ آپ بھی کیا یاد کریں گی کہ کوئی شوہر ملا تھا۔"

"اللہ نہ کرے، آپ خود مجھے یاد کریں کہ کوئی تھی کمبخت ماری مصیبت بھری۔"

"توبہ توبہ، توبہ توبہ بابا چائے لے کر آؤ، سنو آج چھٹی کی ہے میں نے لڑائی جھگڑے کا پروگرام مت شروع کر دینا۔ ذرا اماں بی کو منائے ہی رکھنا ورنہ میں بور ہو جاؤں گا۔"

"انہیں تو اللہ ہی منائے گا۔ ہم کیا منائیں گے؟" نسیم بیگم نے کہا اور کمرے کے دروازے سے باہر نکل گئیں۔

حکمت علی صاحب نے بستر چھوڑا۔ منہ ہاتھ دھویا۔ باہر نکل آئے پروین اور ثریا اپنے کمرے میں کسی کام میں مصروف تھیں۔ فاطمہ بیگم تخت پر بیٹھی پٹاری سامنے رکھے چھالیہ کاٹ رہی تھیں۔ حکمت علی نے انہیں سلام کیا۔ دعائیں دیں اور کہنے لگیں۔

"اے بیٹا، آج دفتر نہیں جانا کیا؟"

"جی اماں بی، بس آج کچھ طبیعت پر کسل مندی طاری تھی سوچا کہ چھٹی کرلوں۔"

"اچھا اچھا بیٹھو چائے پی لی؟"

"نہیں نسیم لینے گئی ہیں۔ آپ نے چائے پی لی؟"

"اے بیٹا صبح کی چائے جیسی بنتی ہے کبھی پی کر دیکھو نہ اس میں پتی ہوتی ہے نہ دودھ، بس لگتا ہے برتنوں کی دھوون پیالی میں ڈال کر دے دی گئی ہے۔ ہاں بیٹا جب انسان ناکارہ ہو جاتا ہے تو لوگ اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں اور پھر ساس وہ تو یہ سمجھ لو کہ ہیرے کی بھی ہو تو قابل نفرت ہوتی ہے۔ تمہاری بیگم نے کبھی ہمیں ڈھنگ کی کوئی چیز دی ہو تو بات کی جائے۔ اب آئے گی اصل چائے بن کر۔ بچی کچی ہو تو دو چار گھونٹ ہمیں بھی دے دینا۔"

"ارے اماں بی، آپ کیسی باتیں کرتی ہیں اگر نسیم بیگم آپ کو ٹھیک چائے بنا کر نہیں دیتیں تو پروین اور ثریا سے اپنی پسند کی چائے بنوا لیا کریں۔"

"پروین اور ثریا، میاں وہ جو کہتے ہیں ناں کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ ہیں کس ماں کی اولاد ہیں۔ ہم گئے گزرے لوگوں کو کون گھاس ڈالے۔ ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتی ہیں۔" اتنی دیر میں نسیم بیگم چائے کی پیالی لے کر آگئیں۔

"سن رہی ہوں ساری باتیں، سن رہی ہوں۔ زہر اگلا جا رہا ہے میرے خلاف، مگر حکمت علی صاحب میں بھی بڑی ڈھیٹ ہوں اس کے باوجود جیوں گی اور خوب جیوں گی۔ لوگ میری موت کی دعائیں کرتے ہیں مگر میں آسانی سے نہیں مرنے کی یہ کہہ دیا

ہے میں نے۔"

"گویا اعلان جنگ۔" حکمت علی صاحب نے بات مذاق میں اڑانے کی کوشش کی۔

"برتنوں کی دھوون دیتی ہوں میں انہیں، وہ دھوون ابھی پیالے کے پیندے میں موجود ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ برتن نہیں دھلے ابھی۔ لاتی ہوں ذرا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے۔"

"اے بوا کان تو جیسے ہاتھی کے پائے ہیں تم نے، مدھم سے مدھم آواز میں بولو بات سیدھی تمہارے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔"

"ارے اللہ مدد کرتا ہے میری، آپ میری کتنی ہی برائیاں کریں، مجھے پتہ چل جاتا ہے مگر اماں بی اچھا نہیں کیا آپ نے، قبر میں بھی مشکل ہو جائے گی آپ کے لئے اگر بہتان طرازی سے باز نہ آئیں تو۔"

"دیکھ رہے ہو زبنیا حکمت علی، کیسی کتر کتر چل رہی ہے۔ ارے ماں بیٹے بات کر رہے ہیں تمہیں بیچ میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟" فاطمہ بیگم کچھ دبی دبی سی تھیں۔ احساس ہو گیا تھا کہ جو کچھ کہہ رہی ہیں وہ غلط ہے۔ شرمندگی تو تھی لیکن بہو کی باتیں بھی برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔ البتہ فوراً ہی میدان جنگ میں نہیں اتر آئی تھیں۔ رفتہ رفتہ طبیعت اس طرف مائل ہو رہی تھی اور حکمت علی سوچ رہے تھے کہ اب کیا کرنا چاہئے بہرحال یہ تو معمول تھا یہاں کا۔ بڑی عاجزی سے بیوی سے بولے۔

"اب چھوڑو نسیم بیگم، ایک پیالی چائے اماں بی کے لئے بھی لے آؤ۔"

"تھوکتی ہوں ایسی چائے پر۔ سو بار، ہزار بار۔ اے بی بی طفیلی نہیں ہوں میں۔ میاں کی پینشن کھاتی ہوں۔ غیروں کا لیا دیا نہیں کھاتی۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"میں غیر ہوں اماں۔" حکمت علی بولے۔

"بیٹا تم غیر نہیں ہو لیکن یہ کالے سر والی۔ بس یہ آئی گھر میں اور بیٹے چھن گئے۔ ماں باپ پرائے ہوئے۔"

"آپ نے آتے ہی ایسا کیا ہو گا اماں بی...... یقیناً ایسا ہی کیا ہو گا۔ مجھے پورا پورا یقین ہے۔"

"اے بی بی دیکھو صبح ہی صبح میرے منہ مت لگو، ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ تم سے کچھ کہا ہے میں نے جو میری جان کو آگئیں۔ چائے نہیں پلانا چاہتیں نہ پلاؤ۔ میں تو ہمیشہ صبر کرنے کی عادی ہوں۔"

"اماں معدہ ہے کہ مٹکا، دو دو پیالے ڈکار چکی ہو۔ اب بھی گنجائش ہو گی چائے کی۔ خود ہی زبان کھلواتی ہو۔ میرا کیا ہے۔ پیئو جتنی جی چاہے پیئو۔ بھلا چائے کی بھی کوئی حیثیت ہے۔ تم نے خود ہی میرے کئے دھرے پر مٹی ڈالی صبح ہی صبح چائے دی تھی تمہیں بنا کر اور پینا تھی اور پی لیتیں یہ بیٹے کے سامنے میری برائیاں کرنے بیٹھ جانے سے آخر تمہیں ملتا کیا ہے؟"

"جو کچھ ملتا ہے بی بی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہو۔ چھین تو لیا تم نے میرے اکلوتے بیٹے کو مجھ سے۔ مجھے اور کیا ملے گا؟"

"خدا کے لئے کیا فضول باتیں شروع کر دیں آپ لوگوں نے۔ میں نے چھٹی آج اس لئے کی تھی کہ وہ شام کو بیچارے جمیل احمد صاحب کے بیٹے کے بارے میں سنا تھا طبیعت پر کچھ ایسا تکدر طاری ہو گیا کہ سوچا ان ہی آئیں گے آج۔ کم از کم تسلی تو دے آئیں گے۔"

"کیا ہوا کون جمیل احمد، کونسا بیٹا؟"

"ارے وہی اماں، ہمارے سامنے ذرا بائیں ہاتھ کو جو ایک مکان ہے۔ اس میں جمیل احمد صاحب رہتے ہیں وہ جن کی چھت پر کبوتر پلے ہوئے ہیں اور کبھی کبھی ان کے بیٹے شہباز احمد کی کبوتر اڑانے کی آوازیں سننے میں آجاتی تھیں۔ آپ لوگوں نے شاید غور نہیں کیا۔ کچھ دن سے یہ آوازیں بند ہیں۔"

"ہے ہے کیا ہوا؟ خیریت سے تو ہے بچہ؟ ارے وہی ناں جمیل احمد صاحب جن کی بیٹی فرزانہ ہمارے گھر آئی تھی۔"

"مجھے اس بارے میں تو معلوم نہیں۔ نہ ہی آپ لوگوں نے کسی فرزانہ کے آنے کا تذکرہ کیا مجھ سے، ہو سکتا ہے انہی کی بیٹی ہو۔"

"ہاں ہاں فرزانہ انہی کی تو بیٹی ہے۔ اسی کا بھائی شہباز تو ہے جو کبوتر اڑاتا تھا۔ مگر ہوا کیا؟" فاطمہ بیگم نے نسیم بیگم کی آواز پر توجہ نہ دے کر کہا۔

"گرفتار ہو گیا ہے بیچارہ۔ تین چار دن سے تھانے میں ہے۔ کوئی داد فریاد نہیں ہے۔ جمیل احمد صاحب یقیناً" پریشان ہوں گے۔ اولاد کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے۔" حکمت علی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"اے میں نے تو اس بچی سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے گھر آؤں گی۔ کمبخت مارا وقت ہی نہیں ملتا۔ میں جاتی ہوں دیکھنے کے لئے۔"

"آپ کیا کہہ رہے تھے؟" نسیم بیگم جل کر بولیں۔

"کک۔۔۔ کس بارے میں؟"

"کہہ رہے تھے نا آپ کہ دیکھنے جائیں گے کیا مجھے ساتھ نہ لے جاتے؟"

"سوچا تو یہی تھا کہ میں اور آپ دونوں چلیں گے، خیر کوئی بات نہیں ہے۔ اماں بھی چل رہی ہیں۔"

"نا میاں ناں تم جاؤ، تم تعلقات بڑھاؤ تم ثواب لوٹو۔ یہ نسیم گئی تو میں کبھی نہیں جانے کی۔"

"ارے ارے اماں ایسا کریں آپ دونوں چلی جائیں مل کر۔"

"لو شیر اور بکری کو ایک ہی گھاٹ پانی پلا رہے ہو حکمت علی۔ آگ اور پانی کو ساتھ بھیج رہے ہو، ارے وہاں جا کر بھی یہ میری چوٹی ہی نوچیں گی۔ میں نہیں جا رہی ان کے ساتھ۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"تو پھر میں کونسی جا رہی ہوں؟"

"اچھا ٹھیک ہے سنئے اماں بی اور سنئے نسیم بیگم۔ آپ دونوں میرے ساتھ چل رہی ہیں اور میرے یہ الفاظ کہنے کا مطلب جانتی ہیں کیا ہے۔ صرف یہ کہ آپ دونوں فوراً تیار ہو جائیے اور میرے ساتھ چلئے۔"

"اے میاں، بیوی پر حکومت نہیں چلتی ماں پر چلتی ہے تمہاری۔"

"نسیم گھڑی میں جو کچھ بھی بجا ہے اسے دیکھ لو صرف پانچ منٹ دیتا ہوں میں تمہیں تیار ہو کر آجاؤ۔" حکمت علی کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ اس کے بعد نسیم بیگم کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں رہا تب انہوں نے اماں بی کی طرف دیکھا۔

"اے بیٹا میں تو اٹھ ہی رہی ہوں۔ مجھے بھلا کیا مصیبت پیش آئے گی نہ جانے سے 'چل رہی ہوں بس آئی ابھی پانچ منٹ میں تیار ہو کر۔"

اندر سے ثریا کا قہقہہ سنائی دیا لیکن پروین نہیں ہنس پائی تھی۔ دونوں لڑکیاں معمول کے مطابق باہر کی آوازیں سن رہی تھیں۔ یہ تو اب ان کا محبوب مشغلہ رہ گیا تھا۔ ایسے ایسے الفاظ سننے کو ملتے، ایسے ایسے محاورے اور مثالیں سنائی جاتیں کہ لطف ہی آجاتا۔ دونوں شرطیں بدتیں۔ کبھی میٹھی چھالیہ کی، کبھی ایک ایک پان کی اور اگر پیسے کبھی جیب خرچ کے لئے زیادہ مل جاتے تو دوسری بڑی شرطیں بھی ہو جاتی تھیں اور شرطیں دونوں ہی پر ہوتی تھیں کہ اس وقت اس لڑائی میں کون جیتے گا۔ اماں بی یا بیگم، کبھی ثریا ہار جاتی کبھی پروین کیونکہ دونوں مقابل برابر کے تھے بالکل صحیح جوڑی تھی اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کسی ایک ہی شکست ہو سکتی ہے۔

بہر حال خود حکمت علی صاحب بھی تیار ہو گئے اور پھر دونوں لڑکیوں کو ہدایات دینے کے بعد تینوں افراد شاید پہلی بار پڑوس میں آنے کے بعد کسی کے گھر کے لئے نکل گئے۔ ثریا نے پروین کو دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"سچی بات تو یہ ہے پروین کہ جب یہ لوگ نہیں لڑتے تو مزا ہی نہیں آتا یوں لگتا ہے جیسے زندگی۔" ثریا کی نگاہیں پروین کے چہرے پر پڑیں۔ دونوں بہنیں ایک دوسرے پر جان چھڑکتی تھیں ایک دوسرے کے اچھے برے کی ساتھی تھیں۔ ہر طرح ایک دوسرے کو دیئے جاتے تھے۔ چہرے کی ایک ایک شکن شناسا تھی۔ ثریا نے اچانک ہی محسوس کیا کہ پروین کچھ آزردہ ایک لمحے کے لئے تو سمجھ نہ پائی لیکن پھر پروین کے پاس پہنچ گئی۔

"ایں، پروین صاحبہ کیا ہو گیا خیریت، کیا بات ہے۔ بھئی یہ چہرہ کیسا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں بس میں یہ سوچ رہی تھی کہ دیکھو آج تینوں ساتھ گئے ہیں۔"

"پروین ادھر آؤ، میرے پاس آؤ۔ میں کہہ رہی ہوں سنا نہیں تم نے۔" پروین ثریا کے سامنے پہنچ گئی۔ ثریا نے ٹھوڑی پر انگلی لگا کر چہرہ اوپر اٹھایا اور بولی۔

"ارے تجھے میری قسم، یہ تجھے کیا ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو لرز رہے ہیں تیرے۔ کیا ہوا پروین بتاؤ گی نہیں مجھے۔"

"باجی ذلیل کرو گی تم مجھے۔ یقیناً ذلیل کرو گی۔"

"کیا ہے بتاؤ بھئی؟ تمہیں پتہ ہے مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔"

"وہ بس باجی ایسے ہی آنسو نکل آئے ان لوگوں کی تکلیف سن کر۔ فرزانہ تو بہت اچھی لڑکی ہیں۔ کبھی دوبارہ نہیں آئیں۔ حالانکہ میں انتظار ہی کرتی رہ گئی۔"

"تو ان کے لئے رو رہی ہے پروین؟"

"باجی۔" پروین نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور ثریا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر ماضی کے کچھ واقعات اس کے ذہن میں اجاگر ہو گئے۔ سیڑھی سے پروین کا چھت پر پہنچنا اور اس کے بعد دیر دیر تک چھت پر کھڑے رہنا۔ ایک آدھ بار ثریا نے بھی شہباز کو اس کی چھت پر دیکھا تھا۔ کبوتروں کے ساتھ کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اس وقت نہ جانے کیوں کچھ ایسی باتیں ذہن پر چوکے لگا رہی تھیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پروین کسی طرح شہباز سے متعلق ہو گئی ہے۔ اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"پروین۔ بہن ہوں تیری ایک بات بتائے گی، کیا شہباز کی گرفتاری نے تجھے رونے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"باجی۔" پروین دوڑ کر ثریا سے لپٹ گئی اور ثریا اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی پھر بولی۔

"نہیں بیوقوف یہ کیا حماقت ہے۔ جانتی ہے ان حماقتوں کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟ ماں باپ کی بدنامی، ذلت و رسوائی اور ملتا کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم لوگ اس ماحول کے لوگ کہاں ہیں پروین۔ جہاں یہ ساری چیزیں فیشن کے طور پر ہی اختیار کر لی جاتی ہیں۔ نہیں پروین خدا کے لئے ایسا مت کرنا۔ ابو کو ہم پر بڑا اعتماد ہے۔ امی اور دادی اماں کی ویسے ہی ہمارے سلسلے میں چلتی رہی ہے اور پھر شہباز اوہ میرے خدا، اوہ میرے خدا۔ پروین سنبھال لے بھئی خود کو۔ قسم خدا کی سب برباد ہو جائیں گے تجھے کچھ ملے گا نہیں اور ہم لوگ۔۔۔۔"

"لیکن پروین سسکتی رہی تھی اور ثریا کے چہرے پر شدید تشویش کے آثار نظر آتے رہے تھے۔ اسے امید نہیں تھی کہ اس کی بہن اس طرح شہباز میں ملوث ہو جائے گی۔

✣

سلطانہ جمالی کلب میں داخل ہو گئی۔ شکیل بھی خوبصورت لباس میں ملبوس خوشبوؤں میں لپٹا ہوا اس کے ساتھ تھا۔ شناسا جانتے تھے کہ شکیل سلطانہ جمالی کا پرائیویٹ سیکریٹری ہے لیکن یہ بھی دیکھتے تھے وہ کہ سلطانہ جمالی اس کے ساتھ اس طرح آتی ہے جیسے اپنے کسی بہت ہی قریبی عزیز کے ساتھ ہو۔ کبھی مالک اور ملازم کا کوئی رشتہ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کرسی پر بیٹھتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کھانا پیتی تھی۔ یہاں تک کہ کلب کے مشاغل بھی شکیل کے ساتھ ہی جاری رہتے تھے۔ ویسے کچھ لوگوں کی نگاہوں میں ان کے سلسلے میں رشک اور کچھ کی نظروں میں رقابت بھی پائی جاتی تھی لیکن سلطانہ جمالی کو کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ ویسے بھی اپنے آپ سے بہت زیادہ پُر اعتماد عورت تھی اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی یہی وجوہات تھیں۔ شاید کہ شکیل کو یہ دنیا ہی بدلی بدلی محسوس ہوتی تھی۔ وہ دہری کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ ماں باپ سے بے شک کائنات کی ہر چیز سے زیادہ پیار کرتا تھا اور ان کے لئے دنیا کی ہر شے قربان کرنے کے لئے تیار لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اب اس کی مزاجی کیفیت بدل گئی تھی۔ اب اپنی گلی میں داخل ہوتے ہوئے اسے وحشتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا جو وقت وہاں گزارتا تھا قید جیسا محسوس ہوتا تھا اور اس میں کوئی دلکشی نہیں ہوتی تھی سوائے اس کے کہ وہاں کلیم احمد صاحب اور ان کی والدہ ہوتی تھیں۔

بہر حال یوں شکیل اس حسین دنیا کا شیدائی بن گیا تھا اور اس کا اظہار اس طرح سے بھی ہو چکا تھا کہ اس نے اپنی بچپن کی پسند کو ٹھکرا دیا تھا۔ فرزانہ کے بارے میں غالباً" اس کے ذہن میں یہی تصور موجود تھا کہ فرزانہ ایک پسماندہ ذہنیت کی مالک ایک پسماندہ علاقے کی لڑکی ہے اپنے مسائل میں گھری ہوئی۔ دوسروں کی برائیوں کا شکار۔ اب کہاں تک اس کے لئے ہر قسم کی کوششیں کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ اس نے بڑی بے رخی سے شہباز کے معاملے میں فرزانہ سے معذرت کر لی تھی۔ اب وہ ان

راستوں کا راہی نہیں تھا۔ اس کا رخ آسمان کی جانب ہو گیا تھا اور اب وہ بلندیوں میں سفر کرنے کا خواہاں تھا۔ سلطانہ جمالی نے اسے اس کا پورا پورا موقع دیا تھا اور اس کا اظہار اس وقت کی کیفیت سے بھی ہو تا تھا۔
کلب کا ماحول وہی تھا۔ یہاں زندگی رقصاں رہتی تھی۔ یہاں قہقہے بھرپور ہوتے تھے۔ کسی بوجھ کسی مشکل سے دور عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے انسان، مسائل کی دنیا سے جن کا دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ غرضیکہ یہاں کی زندگی روشن زندگی تھی۔
سلطانہ جمالی اور شکیل ایک مشروب سے شغل کر رہے تھے کہ ایک خوبصورت جسم کا درمیانی عمر کا آدمی ان کے قریب پہنچ گیا۔ اعلیٰ پائے کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ دونوں ہاتھ میز کی سطح پر رکھے اور جھک کر سلطانہ جمالی سے بولا۔

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سلطانہ جمالی نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"ارے شیرازی آپ، بھئی کب لوٹے مغربی جرمنی سے؟"
"عرصہ ہوا، اگر کسی کو ہماری خبر ہو تو کوئی پوچھے ہمارے بارے میں کافی عرصہ ہو گیا؟"
"غلط بالکل غلط، عرصے سے تمہاری کیا مراد ہے؟ بیٹھو بھئی۔"
"نہیں، آپ جانتی ہیں سلطانہ جمالی ہم شیر جیسا مزاج رکھتے ہیں۔ ہماری مسجد الگ ہی ہوتی ہے۔"
"مطلب کیا ہے؟"
"اٹھیئے ناں، اول تو اتنے دن سے آپ نے ہماری خبر نہیں لی اور اب بیٹھی ہیں تو اس طرح کہ خود سے شرمندگی ہو۔ یہ کون ہیں؟"
"شکیل ہیں یہ؟"
"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں مگر یہ ہیں کون؟" شیرازی نے کہا۔
"شکیل ہیں ناں۔"
"بھئی مان لیا، بہت شکیل و جمیل ہیں مگر ان کا نام کیا ہے؟"
"اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے، بھئی شکیل یہ میرے بہت پرانے شناسا ہیں۔ ذرا ان سے تھوڑی دیر بات کراوں، پلیز مائنڈ نہ کرنا۔"
"صرف شناسا شکیل صاحب، یہ خاتون زیادتی پر آمادہ ہیں۔ ہم شناسا سے نہیں زیادہ ہیں یہ تسلیم کریں یا نہ کریں۔"
سلطانہ جمالی مسکراتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ شکیل نے گردن خم کر دی تھی۔ شیرازی نے اس سے ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ بس رسمی گفتگو کرنے کے بعد سلطانہ جمالی کو ساتھ لے کر دور دراز کی ایک میز کی طرف بڑھ گیا تھا مگر شکیل کو کلب۔ کا ماحول معلوم تھا۔ یہاں یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ کوئی کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ سب ایک دوسرے کے شناسا اور شناسائی کے نام پر بہت کچھ۔
شیرازی سلطانہ جمالی کو لے کر میز پر بیٹھ گیا۔
"مشروب کا جو گلاس آپ وہاں چھوڑ آئی ہیں ہم وہی آپ کے لئے طلب کئے لیتے ہیں یا پھر ہمارے ساتھ کچھ اور؟"
"کچھ اور سے کیا مراد ہے؟"
"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں جہاں آپ ہوں وہاں کسی اور شے کی کیا ضرورت؟"
"سناؤ کیسے ہو، کیسی گزری مغربی جرمنی میں۔ اپنی تربیت مکمل کر آئے؟"
"بس آپ کو یاد کرتے کرتے گزری سلطانہ صاحبہ۔ بھلا آپ کے بغیر زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔" سلطانہ جمالی ہنسنے لگی پھر بولی۔
"اور تمہیں یہ معلوم ہے ڈیئر شیرازی کہ میں واحد ہوں جو تمہاری ان باتوں میں نہیں آئی ورنہ نہ جانے کون کون سی ہیں اپنی تنہائیوں میں روتی ہیں تمہارے لئے۔"
"ارے توبہ توبہ آپ تو بلاوجہ عزت افزائی کر رہی ہیں بھلا ہم کہاں اور ہماری اوقات کہاں، ہمارے لئے کوئی روئے گ

یسے واقعی آپ اتنے دن سے کلب کیوں نہیں آئیں؟"
"بھئی ملک میں تھی ہی نہیں ملک سے باہر تھی۔"
"اچھا اچھا یہ وجہ تھی جبھی تو ہم کہتے تھے ایک ایک سے پوچھتے رہے لیکن کسی نے کچھ نہ بتایا سوائے کچھ دل جلا دینے والی ں کے۔"
"دل جلا دینے والی باتیں۔"
"مشروب منگا لیں باتوں کا مزا چھوٹے چھوٹے گھونٹوں کے ساتھ ہی آتا ہے۔" شیرازی نے کہا اور ایک ویٹر کو اشارہ کر کے مشروب طلب کر لیا۔ سلطانہ جمالی مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر بولی۔
"خیر اس کا اندازہ تو آپ کو ہے مسز جمالی کہ ہم کبھی اپنے کشتگان کو یاد نہیں رکھتے۔"
"ہاں مجھے اس کا اندازہ ہے لیکن تمہیں بھی ایک اندازہ ہونا چاہئے شیرازی اور وہ یہ کہ میں ان کشتگان میں آج تک شامل ہوئی۔"
"لگے ہوئے ہیں راستے پر کبھی نہ کبھی آخری سرا آجائے گا۔"
"اس بھول میں نہ رہنا اچھے دوستوں کی طرح یہ بات بتا رہی ہوں۔ کبھی تم مجھ تک نہیں پہنچ پاؤ گے۔"
"یقیناً اس کی وجہ کوئی سنگ راہ ہو گا۔"
"کچھ بھی ہو وضاحت ضروری نہیں ہے۔"
"چھوڑیئے ہم تو بہی خواہوں میں سے ہیں۔ بھلا ہماری نگاہوں میں سلطانہ جمالی کا کوئی نقصان آجائے اور ہم انہیں اس اگاہ نہ کریں۔"
"نیا پینترہ بدلا، چلو ٹھیک ہے تمہارے ساتھ وقت گزار کر کم از کم پینترے بازی ضرور آجاتی ہے انسان کو۔"
"ہاں سلطانہ صاحبہ، ہماری بھی یہی خواہش ہے کہ آپ کچھ پینترے ہی سیکھ لیں ہم سے۔ لوگ آپ پر وار کرنے کے لئے طرح کے پینترے بدل رہے ہیں اور ہمیں خطرہ ہے کہ آپ کسی کے پینترے کا شکار نہ ہو جائیں۔"
سلطانہ جمالی عجیب سی نگاہوں سے شیرازی کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔
سمجھی نہیں میں۔ تم عادت کے مطابق الجھی الجھی باتیں کر رہے ہو یا تمہاری اس گفتگو میں کوئی خاص بات ہے۔"
خاص بات ہے مسز جمالی اور یہ سمجھ لیجئے کہ ہم اپنی وفاؤں کا ثبوت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں دے سکیں گے۔"
براہ کرم اپنے الفاظ کی وضاحت کرو۔ تم نے مجھے خلجان کا شکار کر دیا ہے۔"
بدقسمتی ہے ہماری کہ اگر محبت سے بھی کچھ کہتے ہیں تو وہ آپ کے لئے خلجان بن جاتا ہے۔ اچھا خیر سنئے اس وقت ہم ایجنٹ کی حیثیت سے آپ کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ بس کوئی خاص عمل نہیں کرتا۔ لیکن معاوضہ اچھا خاصا مل جائے ہے۔"
کمیشن ایجنٹ۔" سلطانہ جمالی نے کہا۔
جی قطعی۔"
شیرازی! اب میں ایک منٹ کے اندر اندر یہاں سے اٹھ جاؤں گی۔ تم مجھے الجھا رہے ہو۔"
نہیں سلطانہ جمالی صاحبہ۔ سنا ہے آپ کا یہ ایٹم بم آج کل بہت سوں کے سروں پر پھٹ رہا ہے۔"
وہ ہاں۔ شاید میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔ شکیل ایک انتہائی ذہین نوجوان ہے اور اس نے اپنی ذہانت سے لاتعداد انکشافات کئے ہیں جن کا شبہ میرے ذہن کو بے شک تھا لیکن اگر میں خود اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہتی یا کسی اور شخص سے وہ اس بھرپور انداز میں میری مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اب میں تمہیں کیا بتاؤں شیرازی لوگ مجھے تنہا سمجھ کر، عورت سمجھ کر رہے ہیں یا کر چکے ہیں وہ میرے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ بہت دن سے محسوس کر رہی تھی اسے لیکن کوئی ایسی نہیں مل پائی تھی جس پر بھرپور اعتماد کر کے کام کا آغاز کر سکتی۔ خدا کا شکر ہے کہ شکیل میرے لئے کاروباری طور پر فرشتہ ہوا ہے۔"

"مگر اب لوگ اس فرشتے کو پکڑنے کی فکر میں سرگرداں ہیں۔ اس طرح جیسے کوئی کسی حسین تتلی کی طرف بھاگتا ہے۔ ا
کے لئے طرح طرح کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔" سلطانہ جمالی سنسنی خیز نگاہوں سے شیرازی کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"کچھ اور انکشاف کرو گے شیرازی؟"

"ہاں میڈم بالکل۔ یہ بات ہو سکتا ہے آپ کے خیال میں زیادہ لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ میں آپ کے خیال کی بات کر رہا ہ
کہ آپ نے ایک شخص کو کروڑوں روپے کا دھچکا پہنچایا ہے اور اس کا فراڈ پکڑ کر اس کی یہ رقم وصول کر لی ہے۔ نام نہیں
رہا۔ میرا خیال ہے آپ سمجھ گئی ہوں گی۔"

"اختیار بیگ کی بات کر رہے ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے؟"

"چلئے ٹھیک ہے جو کہنا تھا آپ نے کہہ دیا۔ آپ کیا سمجھتی ہیں اس کے مشکل میں پھنسنے کے بعد وہ دوسرے لوگ محتاط
گئے ہوں گے جنہوں نے بقول آپ کے آپ کو عورت سمجھ کر آپ کی دولت ہڑپ کر لی ہے۔"

"ایک ایک سے نکلواؤں گی میں۔ غلط حساب کتاب لگایا ہے انہوں نے میرے بارے میں۔ بیرسٹر اشتیاق حسین ان
کے بارے میں فائل تیار کر رہے ہیں اور دیکھ لینا تم شیرازی کہ میں کیا کر کے دکھاتی ہوں۔" سلطانہ جمالی کا چہرہ غصے سے سر
گیا تھا۔ شیرازی مسکرایا اور بولا۔

"بھٹک گئیں نا۔ آخر عورت ہو۔ میں اتنا بڑا انکشاف کر چکا ہوں کہ میں ایک کمیشن ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہا
تمہارے خلاف۔ اور تم۔۔۔"

"میرے خلاف۔"

"تو اور کیا کہہ رہا تھا اتنی دیر سے۔" سلطانہ جمالی خاموشی سے شیرازی کا چہرہ دیکھتی رہی پھر بولی۔

"کس کے لئے کام کر رہے ہو؟"

"جتنی کمال ہے اگر میں آپ کو ساری تفصیلات بتا دوں گا تو مجھے کمیشن آپ دیں گی مسز جمالی۔"

"اگر ممکن ہو سکا تو۔"

"نہیں میں آپ کا دوست ہوں اور آپ کو اس بات کا اندازہ بھی ہے کہ لالچی آدمی نہیں ہوں۔ کروڑوں کمائے کر
گنوائے۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ مجھے تو جب یہ تفصیلات معلوم ہوئیں اور بلکہ یہ کہوں گا کہ مجھے جب ان تفصیلات میں ش
گیا اسی وقت میں نے دل میں یہ بات سوچی تھی کہ مسز جمالی کی مدد کروں گا اور آپ یقین کیجئے آپ کا بے چینی سے منتظر تھا۔

"قصہ کیا ہے؟"

"فخرالدین صاحب۔"

"سمجھ گئی۔ میرا نیا فائل انہی کے نام پر کھلا ہے۔"

"فخرالدین صاحب میرے ساتھ ایک چھوٹے کاروبار میں شریک ہوئے ہیں اور مجھے یہ بات معلوم ہے مسز جمالی کہ ب
بھی اسی بنیاد پر ہوئی ہے۔ فخرالدین صاحب گھاٹے کا سودا کبھی نہیں کرتے۔ انہوں نے مجھے لالچ دیا ہے اور مقصد یہی
تھوڑی سی رقم کے حصول کے سلسلے میں، میں ان کا معاون کار بن جاؤں۔ وہ جان بوجھ کر یہ کاروباری غلطی کر رہے
میرے مفاد میں اور اس مفاد کی ادائیگی مجھے جس انداز سے کرنی ہے وہ مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ فخرالدین صاحب و
چاہتے ہیں جو انہیں آپ کو ادا کرنا پڑے گی اور جس کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔"

"ویری گڈ۔ بہت بہت شکریہ اس انکشاف کا۔ پروگرام کیا ہے؟"

"فی الحال یہ پروگرام تھا کہ میں کسی طرح آپ کو اس میز سے اچک لاؤں جس پر آپ اپنے نوجوان سیکریٹری کے
ہوئی ہیں۔ آپ کو چند گھنٹے اپنے ساتھ مصروف رکھوں اور اس دوران مسز احسان الٰہی، سمجھ رہی ہیں نا آپ؟ مسز ا
آپ کے نوجوان دوست شکیل کو اپنے جال میں پھانس سکیں۔"

سلطانہ جمالی کی نگاہیں بے اختیار اس میز کی جانب اٹھ گئیں جہاں شکیل بیٹھا ہوا تھا اور انہوں نے مسز رخسار ا
کو شکیل کے قریب دیکھا۔ ان کے ہونٹ خشک ہو گئے۔ شیرازی کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے وہ بولیں

راز ی۔"

"آپ یقین کیجئے مسز احسان الٰہی کو بھی فخرالدین صاحب نے اس کام میں شریک کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسز احسان
ی اس سلسلے میں کس طرح اپنے داؤ پیچ استعمال کرتی ہیں لیکن وہ کچھ نہ کچھ کریں گی ضرور۔ آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں میں
ز جمالی کہ آپ اپنے اس سیکریٹری پر نظر رکھئے۔ اس وقت جانتی ہیں آپ کہ وہ ان لوگوں کی نگاہوں میں کیا ہے جو آپ کے
بدار ہیں۔"

مسز جمالی سوالیہ نگاہوں سے شیرازی کو دیکھنے لگیں تو شیرازی نے مسکرا کر کہا۔

"گولڈن برڈ، سمجھیں گولڈن برڈ اور بے شمار افراد اس گولڈن برڈ کو ہر قیمت پر خرید لینا چاہتے ہیں۔ مسز جمالی آپ کے
ست کی حیثیت سے میں نے یہ انکشاف آپ پر کر دیا ہے۔ اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ بقیہ حالات کس طرح
سنبھالتی ہیں۔"

مسز جمالی کسی حد تک بدحواس ہو گئی تھی۔ اس کی چور نگاہیں بار بار اس میز کی جانب اٹھ جاتی تھیں جہاں مسز احسان الٰہی
ر شکیل بیٹھے ہوئے تھے۔ مسز رخسار احسان الٰہی ہنس ہنس کر شکیل سے باتیں کر رہی تھی اور سلطانہ جمالی کے سینے پر سانپ
ٹ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"اب میں جاؤں۔"

"نہیں پلیز۔ یہ انکشاف میں نے آپ پر کر دیا ہے تاکہ آپ دھوکے میں نہ رہیں لیکن ابھی جائیے نہیں کیونکہ اس معاملے
ں میری بھی تھوڑی بہت رقم پھنس گئی ہے۔ کم از کم میرا کردار صاف رہنے دیجئے۔ آپ اپنے آپ کو بچا سکتی ہیں تو بے شک بچا
ں۔ مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔"

مسز جمالی بیٹھی رہی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ رخسار احسان الٰہی نے شکیل سے کیا گفتگو کی ہے۔ بڑا ہیجان تھا اس کے انداز میں
تب شیرازی نے کہا۔

"جو ہونا ہے وہ تو ہو ہی جائے گا مسز جمالی بس ذرا ہوشیاری سے سارے کام کیجئے گا۔ یہ سرمایہ دار میرا مطلب ہے ہم لوگ
پنے مقصد کی تکمیل کے لئے بڑے سے بڑا قدم اٹھانے سے گریز نہیں کرتے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کا اثر اپنے سیکریٹری پر
س حد تک ہے۔"

سلطانہ جمالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شیرازی اسے اٹھا کر کلب کے دوسرے حصے میں لے آیا۔ سلطانہ جمالی اسے منع
رتی رہی لیکن شیرازی نے کہا یہ ضروری ہے تاکہ اس کا اپنا کردار مکمل ہو جائے۔ بہرحال ایک ڈیڑھ گھنٹہ شکیل سے دور گزرا
ر اس کے بعد سلطانہ جمالی شکیل کے پاس پہنچ گئی جواب اس میز پر نہیں تھا لیکن رخسار الٰہی اب بھی اس سے چپکی ہوئی تھی۔
لطانہ جمالی کو دیکھ کر وہ مسکرائی اور بولی۔

"ہیلو مسز جمالی، کیسے مزاج ہیں آپ کے۔"

"تم سناؤ؟"

"بھئی تمہارے سیکریٹری سے گپیں لڑا رہی تھی۔ یہ شخص تو واقعی بے حد ذہین ہے اور بڑی پرکشش شخصیت کا مالک۔ اسے
یکھ کر تو انسان کو اپنے ذہن پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔"

"اس کے باوجود قابو پانا ضروری بھی ہوتا ہے رخسار الٰہی صاحبہ۔"

"ہوں، ٹھیک ہے اپنی ملکیت پر لوگ اسی طرح اتراتے ہیں۔ اچھا بھئی شکیل اگر کلب آیا کرو تو کبھی کبھی ہماری جانب بھی
خ کر لیا کرو۔ ٹھیک ہے اب بھلا ہمارا گزر یہاں کہاں؟" رخسار الٰہی آگے بڑھ گئی۔ سلطانہ جمالی نے شکیل کو بغور دیکھتے ہوئے
ہا۔

"عجیب عجیب لوگ ہوتے ہیں شکیل کیا خیال ہے؟ بیٹھیں یہاں یا واپس چلیں۔ طبیعت کچھ بوجھل ہو رہی ہے۔"

"اگر طبیعت بوجھل ہو رہی ہے تو پھر آیئے چلنا ہی بہتر ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے چلو پلیز۔" مسز جمالی نے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی کار ڈرائیو کرتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"میں تمہیں ڈراپ کرتی ہوئی چلی جاؤں گی۔ صبح وقت پر پہنچو گے نا؟"
"کیوں نہیں۔" شکیل نے جواب دیا۔
سلطانہ جمالی نے راستے میں اس سے کوئی بات نہیں کی تھی اور تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کرتی ہوئی شکیل کے گھر تک گئی تھی۔ پھر اپنی کوٹھی واپس آنے کے بعد اسے غالباً رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔

پروانہ صاحب اور شمع بیگم امداد بیگ صاحب کے مکان پر رکے۔ پروانہ صاحب شیروانی میں ملبوس ٹوپی پہنے ہاتھ میں لئے بنے سنورے۔ شمع بیگم نے غرارہ زیب تن کیا تھا۔ دوپٹہ سینے سے اوڑھے ہوئے دونوں کے دونوں بہت خوش تھے۔ بیگ کے دروازے پر رک کر دونوں نے ایک دوسرے کو گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ شمع بیگم نے غالباً دل میں کوئی دعا بھی تھی۔ دستک دی گئی۔ فوزی نے دروازہ کھولا اور ان دونوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ پھر جلدی سے پیچھے ہٹی اور سلام کر کے بو
"ارے پروانہ صاحب آپ ہمارے ہاں۔ تشریف لایئے، تشریف لایئے۔ امی ابو دیکھئے کون آیا ہے؟" فوزی نے کہا۔
درحقیقت شمع اور پروانہ اس گلی کی روایتی شخصیتوں میں سے تھے اپنی دنیا میں مگن اپنے حال میں مست۔ پروانہ صاد شعروشاعری کم از کم گلی کے لوگوں کے لئے نہیں تھی کیونکہ یہاں سخن فہموں کا کوئی تصور نہیں تھا۔ بہت کم کہیں آتے تھے۔ اور اگر کہیں آتے جاتے تھے تو ناپسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ یہی کیفیت شمع بیگم کی بھی تھی۔ دھیمے دھ میں گفتگو کرتیں۔ چہرے پر قدرت کی سجائی ہوئی مسکراہٹ۔ غوثیہ بیگم اور امداد بیگ صاحب بھی باہر نکل آئے۔ غوثیہ مسکراتی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔ امداد بیگ صاحب نے بھی پرتپاک انداز میں کہا۔
"آخاہ...... یہ آج ہمارے گھر پر ایک رومانی محفل کیسے جم گئی۔ شمع اور پروانہ دونوں ہی موجود ہیں اب تو بس شعرو بات آیئے آیئے پروانہ صاحب۔ یقین فرمایئے آپ کو دیکھ کر دلی خوشی ہوئی ہے۔"
"اس عزت افزائی کا جواب کن الفاظ میں دیں سمجھ میں نہیں آتا۔ بس اتنا ہی کہیں گے کہ قدرت نے جسے جو کچھ ہے وہ دوسروں کو وہی کچھ دیتا ہے۔ آپ نے ہمیں یہ عزت اس لئے دی بیگ صاحب کہ خدا نے آپ کو بھی عزت دے ہے۔ بہت نوازش بہت شکریہ۔"
"کہئے شمع باجی آپ کیسی ہیں؟"
"جل رہے ہیں۔ پگھل رہے ہیں آپ کی اس کائنات میں۔ دیکھئے کب زندگی کا اختتام ہو جائے۔ بالآخر صبح ہونی ہی ہ اور ہمارے ہاں صبح ہی موت ہوتی ہے۔ جبکہ لوگ زندگی کو شام کا نام دیتے ہیں۔" شمع بیگم نے کہا۔ امداد بیگ صاحب چ شمع بیگم کو دیکھنے لگے پھر پروانہ صاحب کو دیکھ کر بولے۔
"اسے کہتے ہیں صحبت۔ بخدا کیا حیران کن الفاظ ہیں۔ باقاعدہ فلسفے سے بھرے ہوئے۔ غور کیا آپ نے غوثیہ بیگم بیٹی سنو بھئی آجاؤ، آج ہمارے ہاں شعروادب کی محفل جمی ہے۔ آیئے پروانہ صاحب ڈرائنگ روم میں چلیں۔ فوزی تم بیگم کا جواب سنا؟"
"نہیں ابو۔ میں دروازہ بند کرنے کو رک گئی تھی۔"
"ہم نے ان سے پوچھا کہئے شمع بیگم کیسی ہیں تو فرمایا "جل رہے ہیں پگھل رہے ہیں صبح کے انتظار میں۔ لوگوں کی شام ہوتی ہے اور ہمارے لئے موت کی صبح سمجھ رہی ہو نا۔ شمع رات بھر جلتی ہے اور صبح تک پگھل کر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ دعا کریں گے کہ وہ سورج کبھی نہ نکلے جو شمع بیگم کی زندگی کی صبح کر دے۔"
دونوں بیٹھ گئے غوثیہ بیگم نے کہا۔ "اچھا اب یہ بتایئے کیا پئیں گے آپ؟"
"مژدہ جاں فزا۔" پروانہ صاحب نے جواب دیا۔
"انتہائی معذرت کے ساتھ۔ اگر یہ کوئی گھریلو مشروب ہے تب تو یقیناً تیار کیا جا سکتا ہے لیکن باہر کبھی اس کا اشتہا نہ سنا۔"
پروانہ صاحب ہنس پڑے۔ پھر بولے۔ "طلب کی تفصیل بھی بیان کر دی جائے گی۔ اگر کچھ پلانے پر ہی مصر ہیں تو

م چیز پلا دیجئے۔ ظاہر ہے مدعائے دل ظاہر ہو گیا۔"
"بھئی غوثیہ بیگم! اختر دلیپ سے کہو کہ بہت اعلیٰ قسم کی چائے تیار کر کے لائے۔"
غوثیہ بیگم نے اختر دلیپ کو آواز دی اور وہ اندر آگیا۔ غوثیہ بیگم کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اس نے ان دونوں کو دیکھا آہستہ سے بڑبڑایا۔
"لگتا ہے زمانہ قدیم کی دو روحیں عالم جدید میں آگئی ہیں۔"
پروانہ صاحب نے حیرت سے اختر دلیپ کو دیکھا اور امداد بیگ صاحب سے بولے۔
"حضرت کی تعریف۔"
"چل بھئی چل تو باہر نکل۔" امداد بیگ صاحب نے اختر دلیپ کو دیکھتے ہوئے کہا اور اختر دلیپ دروازے کی جانب بڑھتے بولا۔
'انسان کی عظمت کو ترازو میں نہ تولو۔"
جاتا ہے یا اٹھاؤں ترازو۔" امداد بیگ صاحب اختر دلیپ کی ان حکیمانہ باتوں سے بہت بری طرح تنگ آ چکے تھے۔ اختر ہر نکل گیا۔ پھر امداد بیگ صاحب ہنس کر بولے۔
نوکر ہے پروانہ صاحب لیکن اس سے پہلے شاید غالب، میر یا ذوق کے ہاں نوکری کرتا رہا ہے۔
بخدا دور کا فرق آگیا۔ ورنہ ایسے اساتذہ کے تو جوتے اٹھانے والے بھی محترم ہوتے ہیں۔"
نایئے پروانہ صاحب کیسی گزر رہی ہے؟"
ں پروانوں کی مانند۔ جی رہے ہیں اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔"
ج ہماری یاد کیسے آگئی؟"
سان ضرورت کا بندہ ہے، خود غرضی اس کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے لیکن تکلفات زمانہ بھی اپنی جگہ مسلم کھتے ہیں۔ کہا کچھ جاتا ہے ہوتا کچھ ہے۔ ایک ضرورت پڑی تو حاضری دے ڈالی۔"
شاد ارشاد۔ جس قابل ہیں حاضر ہیں۔"
کہا یہ جاتا ہے چھوٹا منہ بڑی بات۔ بڑی بات کہتے ہوئے انسان کو ہمیشہ خوف ہی محسوس ہوتا ہے لیکن کہنا تو پڑتا ہے نا۔ پ تو منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھ گئیں۔ بھئی اس کا آغاز آپ ہی کیجئے۔"
ہاں کیوں نہیں۔ امداد بیگ صاحب آپ کو علم ہے کہ ہمارے ہاں دو بچے کرائے پر رہتے ہیں حالانکہ بہت عرصہ نہیں یہاں آئے ہوئے لیکن اہل محلہ اس بات سے واقف ہیں کہ نہایت نیک فطرت اور صالح قسم کے نوجوان ہیں۔ ایک رہے دوسرے کا طاہر۔ ماشاءاللہ برسر روزگار ہیں۔ غوثیہ بہن یہ نہ کہئے کہ رشتے صرف خون ہی سے بنتے ہیں آپ کبھی ردں کا جائزہ لے لیں۔ یعنی دو ہم میاں بیوی اور دو دو بچے۔ تو حیران رہ جائیں بلکہ ہماری تقدیر پر رشک کریں کہ قدرت ویل عمر بے اولاد رکھنے کے بعد دو دو جوان بیٹوں سے نواز دیا۔"
ہاں شمع بیگم سنا ہے میں نے، جگن بی جب کبھی آتی ہیں تعریف کرتے کرتے ان کی زبان نہیں تھکتی کہتی ہیں کہ خدا نے کریں شمع پروانہ کو اولاد دے دی۔"
آپ کو خوش رکھے جب اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد سے نوازتا ہے تو پھر والدین پر بھی فرائض عائد ہو جاتے ہیں۔ شعور سلے میں آپ سے بات کرنے آئی تھی غوثیہ بیگم۔"
ے کیا بات؟" غوثیہ بیگم حیرانی سے بولیں۔
غوثیہ بیگم میری نا سمجھی سمجھ کر معاف کر دیجئے گا برا نہ منایئے گا میری کسی بات کا۔ بس نجانے کیوں میرے دل میں یہ ہے کہ فوزی کا رشتہ شعور کے لئے آپ سے مانگوں۔"
امداد بیگ اور غوثیہ بیگم کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کے چہروں کے عضلات میں ا ہونے لگیں۔ شمع اور پروانہ سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ امداد بیگ صاحب بولے۔

"یہ تصور آپ کے ذہن میں کیسے آیا پروانہ صاحب؟"

"عرض کیا نا اچھائی اچھائی ہی کی جانب دوڑتی ہے۔ آپ نے عزت کے جن الفاظ سے نوازا ان کے تحت یہ د

بچوں کی شادی اگر اپنے ہی لوگوں میں کرنے نکلیں تو سرفہرست کون ہے۔ آپ ذہن میں آئے فوزی بیٹی دماغ میں آئ

شعور کے لئے آپ سے رشتہ مانگ لیا۔"

"چند باتیں کہنا نہایت ضروری ہیں پروانہ صاحب پہلی بات تو یہ ہے کہ شعور اور طاہر جن کا آپ نے تذکرہ کیا

کردار ہیں ہمارے لئے۔ ہم نے تو کبھی بغور ان کا جائزہ بھی نہیں لیا۔ بس سرسری نگاہوں سے یونہی آتے جاتے

فوزی کو ایک دن شعور نے کچھ امداد فراہم کی تھی اور اس کے بعد اس نے اسے چائے پر بلایا تھا لیکن آپ کو ہمار

اندازہ ہے۔ انتہائی مصروف لوگ ہیں ہم۔ ایک خاندانی تقریب نکل آئی اور بے چارے شعور کو ہم چائے بھی ن

پروانہ صاحب یہ۔ یہ سب کچھ تو آپ خود سوچئے۔ ہماری جگہ رکھ کر اپنے آپ کو۔ سوچئے۔ بے نام' بے گھر۔ بے

ملازمت کرنے والے کسی لڑکے کے لئے ہم اپنی فوزی کا اپنی اکلوتی بیٹی کا رشتہ سوچ سکتے ہیں۔ پروانہ صاحب آ

انسان ہیں۔ پورے محلے کے لئے ہمیشہ بے ضرر رہے ہیں۔ اس لئے آپ سے کوئی تلخ بات کہنے کو جی نہیں چاہتا ل

آپ نے ذرا غلط حساب لگایا۔ بھلا فوزی کسی ایسے شخص سے منسوب کی جاسکتی ہے جو ایک معمولی سا ملازم ہو

لاتعداد کوٹھی بنگلے کھلے پڑے ہیں۔ پروانہ صاحب ان کا کوئی گھر ہے کوئی اسٹینس ہے۔ کوئی ماضی ہے؟ بس آپ

ہیں۔ اس کے سوا کوئی کوالٹی ہے ان کی؟ خیر آپ نیک دلی سے تشریف لائے ہیں اس لئے کوئی بری بات میں منہ

چاہتا لیکن بخدا بڑا غصہ آیا ہے آپ کے یہ الفاظ سن کر۔"

شمع پروانہ کے منہ اتر گئے۔ ٹکر ٹکر ان دونوں میاں بیوی کو دیکھنے لگے۔ غوثیہ بیگم نے کہا۔

"آپ یقین کیجئے اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ہم ہاتھ پکڑ کر انہیں باہر نکال دیتے لیکن آپ بس اپنی اچ

گئے۔ بھول کر بھی کبھی زبان پر یہ بات نہ لائیے اور نہ ہی ایسا کوئی تصور کیجئے۔ ہماری فوزی کا معیار اس قسم کا

مختلف ہے۔ وہ تو یہ حضرت امداد بیگ صاحب اس محلے میں رہنے پر مجبور کرتے رہتے ہیں ورنہ ہم تو اس گلی پر

چلے جاتے۔ خیر چھوڑیئے آپ سمجھ گئے ہوں گے ہمارا جواب۔ اب ادھر ادھر کی سنایئے کیسے حال ہیں' کیسے مزا

لیکن شمع پروانہ کے دم جیسے گھٹ رہے تھے۔ پروانہ صاحب نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"بڑا مایوس کیا ہے آپ نے ہمیں۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ کم از کم اور کچھ نہ سہی لیکن ہمدردی سے

گے۔ تشفی سے جواب دیں گے لیکن' لیکن یہ سب کچھ' یہ سب کچھ تو۔۔۔"

"بہرحال ہم نے آپ سے دل کی بات کہہ دی لگی لپٹی نہ رکھی۔ آپ چاہیں تو تشریف رکھیں اور نہ چا

امداد بیگ صاحب خشک لہجے میں بولے۔ اس سے زیادہ بے عزتی اور کیا ہو سکتی تھی۔ حالانکہ ملازم کو چائے

لیکن یہ سننے کے بعد فوراً ہی جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ یہاں رکنا اب جوتے کھانے کے مترادف

پروانہ صاحب نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ بے حد شکریہ۔" اور اس کے بعد دونوں خاموشی سے دروازے کی جانب چل پڑے

غوثیہ بیگم کے چہرے پر نفرت اور غصے کے آثار تھے۔ انہوں نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"ہوں اب عزت و شرافت کی بھی کوئی کہاں تک عزت رکھے۔ ایسی حماقت کی بات ہی نہیں کرنا

جواب میں یہ سب کچھ سننا پڑا۔"

شمع اور پروانہ دروازے سے باہر نکل گئے۔

رخسانہ الٰہی نے جو باتیں شکیل سے کی تھیں' شکیل نے ان کے بارے میں بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کا مقصد کیا ہے

اب اتنا احمق نہیں تھا کہ رخسانہ الٰہی جیسی عورتوں کے جال میں گرفتار ہو جاتا۔ رخسانہ نے فخرالدین صاحب کے بارے میں

بہت سی ایسی باتیں شکیل سے کہی تھیں جس سے اس کے ان الفاظ کا مفہوم ٹپکتا تھا۔

بہرطور اس رات میں شکیل نے اپنے طور پر کئی فیصلے کئے تھے۔ وہ ان فیصلوں سے غیر مطمئن نہیں تھا۔ سلطانہ جمالی نے

اسے اس قدر اعتماد بخشا تھا کہ وہ کچھ کام اپنے طور پر بھی کر سکتا تھا۔

چنانچہ دوسرے دن دفتر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے بیرسٹر اشتیاق حسین کو فون کیا۔ بیرسٹر صاحب آج مصروف بھی نہیں

تھے' شکیل نے پہلے ان سے یہی پوچھا تھا کہ ان کی آج کی مصروفیات کیا ہیں اور بیرسٹر صاحب نے خود اس سے سوال کر ڈالا تھا کہ

یہ سوال اس نے کیوں کیا ہے' جواب میں شکیل نے کہا۔

"دراصل آج آپ سے کچھ خصوصی باتیں کرنی ہیں آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ فخرالدین صاحب کے بارے میں کہہ رہا

ہوں۔"

"میاں ہم تو انتظار کر رہے تھے کہ اب تم دوسرا معاملہ کب شروع کر رہے ہو؟"

"کیا آپ نے تیاریاں مکمل کر لی ہیں؟"

"ایسی ویسی تیاریاں' بس یوں سمجھو کہ بالکل بھرے بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے فرصت ہو تو تشریف لے آیئے۔"

بیرسٹر اشتیاق حسین نے فوراً ہی آنے کا وعدہ کیا تھا۔ شکیل نے فخرالدین صاحب کا فائل نکال کر سامنے رکھ لیا اور اس کی

رق گردانی کرنے لگا۔ پھر اسے اچانک ہی کچھ خیال آیا اور اس نے شریف کو آواز دی۔

ملازم شریف عموماً یہیں رہتا تھا۔ اندر آگیا۔

"بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟"

"اپنے بیڈ روم میں۔"

"کیا سو رہی ہیں؟"

"جی ہاں' چائے پی کر دوبارہ سو گئی ہیں۔ روشن سے کہہ دیا تھا انہوں نے کہ جب تک وہ خود نہ جاگیں انہیں جگایا نہ

ئے۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"پتا نہیں صاحب رات کو تو ٹھیک تھی۔" شریف نے جواب دیا۔

"ہوں ٹھیک ہے' جاؤ آرام کرو۔" شکیل پھر فائل کی جانب متوجہ ہو گیا۔

ات کی رخسانہ الٰہی کی باتیں یاد آ رہی تھیں اور شکیل کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کیا ہوتے ہیں دولت کی دنیا کے

ل بھی۔ لوگ بے تکان جرم کرتے ہیں اور جب اس جرم کی رونمائی ہوتی ہے تو پردہ پوشی کے لئے نجانے کیا کیا جتن کرنے لگتے ہیں۔

ل فخرالدین صاحب کو صحیح طور پر سزا ملنی چاہئے۔

سٹر اشتیاق حسین نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ شکیل نے کھڑے ہو کر پراحترام انداز میں ان کا استقبال کیا۔ بیرسٹر صاحب بیٹھتے

ئے بولے

تم نے طے کر لیا فخرالدین صاحب کے حلق میں کانٹا لگانے کے لئے۔"

ی بیرسٹر صاحب اور میں چاہتا ہوں کہ سلطانہ جمالی صاحبہ کے سلسلے میں جتنے لوگوں نے جو بدمعاملگی کی ہے ان کے حلق میں انگلیاں

ر سلطانہ جمالی صاحبہ کی رقومات نکلوائی جائیں۔ بے بس اور لاچار سمجھا تھا لوگوں نے انہیں۔ لیکن یہ نہیں سوچا تھا کہ قانون بھی ایک

تی ہے اور اس قانون کی وسعتیں بے پناہ ہیں۔"

شک' بے شک' لیکن یہاں اگر اپنی تعریف ہی کرانا چاہتے ہو تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ سلطانہ جمالی نے یقیناً کوئی ایسا

کام کر لیا ہے جس کے صلے میں آپ اسے مل گئے ہیں۔ شکیل صاحب آپ نے جس جانفشانی سے یہ سارے

کام کئے ہیں بخدا میں خود بھی خلوص دل سے اس کا قائل ہوں۔"

"نمک حلالی ضروری ہوتی ہے نا بیرسٹر صاحب۔"

"ہوتی تو ہے میاں لیکن اتنے زیادہ نمک حلال بھی ذرا مشکل ہی سے ملتے ہیں۔ اچھا ذرا یہ بتاؤ کہ چائے وائے پلوا رہے ہو
ہم اپنا کام شروع کردیں۔"

"یہ سلطانہ جمالی کہاں ہیں، کیا گھر پر موجود نہیں ہیں؟"

"ہیں لیکن ابھی سو رہی ہیں، 'غالباً' رات کو دیر تک جاگتی رہی ہیں۔"

"اچھا اچھا۔ ویسے نوٹس سرو کرنے کے لئے ان کے دستخط تو ضروری ہوں گے۔"

"اس وقت تک جاگ جائیں گی۔ آپ چائے پئیں میں نے بھی نہیں پی ہے۔" شکیل نے شریف کو چائے کے لئے ہدا
کردی اور چائے کے دوران بیرسٹر اشتیاق حسین سے باتیں کرتا رہا۔ تمام کاغذات تیار ہوگئے تو بیرسٹر اشتیاق حسین نے ان
نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ذرا معلوم کرلیں کسی ملازم سے۔ بیگم صاحبہ جاگ گئی ہوں تو آج ہی دستخط ہوجائیں، میں آج ہی یہ کام مکمل کرلوں گا۔"

"میں معلوم کرتا ہوں۔"

"یا پھر میں ہی چلا جاتا ہوں۔ دیکھ لوں گا اگر طبیعت کچھ ناساز ہوئی تو جگا کر صرف دستخط کرالوں گا۔"

بیرسٹر اشتیاق حسین صاحب کھڑے ہوئے اور شکیل نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں
فخرالدین صاحب کے لئے فوری قدم اٹھانا ضروری تھا اور یقینی طور پر سلطانہ جمالی اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہ کرتیں۔ بی
اشتیاق حسین سلطانہ جمالی کی خوابگاہ کے سامنے پہنچ گئے۔ روشن وہاں موجود تھی۔ انہوں نے سلطانہ جمالی کے بارے میں
تو روشن نے کہا کہ وہ ابھی اندر سے پوچھ کر آتی ہے۔

سلطانہ جمالی جاگ رہی تھی بس ذہن پر شدید بوجھ تھا اور نجانے کیسے کیسے خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بس شکیل کے
دل میں کوئی برا تصور تو نہیں تھا صرف اتنا احساس تھا کہ کیا شکیل کسی کے جال میں پھنس سکتا ہے۔ اس وقت عجیب سی کیف
شکار تھی وہ کہ روشن نے بیرسٹر اشتیاق حسین کے آنے کی خبر دی اور سلطانہ جمالی چونک پڑی۔

"کہاں ہیں وہ؟"

"باہر کھڑے ہوئے ہیں۔"

"یہاں اندر ــــ؟"

"جی۔"

"کیوں کیا شکیل دفتر نہیں آئے؟"

"بیگم صاحبہ آئے ہوئے ہیں۔"

"اشتیاق حسین ان کے پاس نہیں گئے؟"

"پتا نہیں جی، یہاں آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

سلطانہ جمالی نے روشن سے کہا کہ اشتیاق حسین صاحب کو اندر بھیج دیا جائے۔ بڑے پرانے شناسا تھے بہت بے
خلوص، اور بے حد اچھی فطرت کے مالک۔ ایک عجیب سی کہولت دل و دماغ پر طاری تھی، نجانے کیسی کیسی سوچوں
تھی رات بھر۔ اس کے اثرات اب بھی نظر آرہے تھے۔ وہ بال وغیرہ درست کرکے باتھ روم سے باہر آئی تو بیرسٹر اشتیا
کو اپنا منتظر پایا۔ کھڑے ہوگئے، سلام وغیرہ کیا پھر بولے۔

"ہرچند کہ مجھے آپ کی خوابگاہ کی سمت نہیں آنا چاہئے تھا ــــ لیکن پتا چلا کہ طبیعت کچھ ناساز ہے میں نے سو
منٹ کا کام ہے، بجائے آپ کو وہاں زحمت دینے کے میں خود ہی چلا آؤں۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔ میں ٹھیک ہوں، آپ براہ کرم آرام سے تشریف رکھئے۔ کہئے خیریت سے تو ہیں، شکیل
ہوئی۔"

"وہیں سے آرہا ہوں۔ بھئی سلطانہ جمالی صاحبہ! شکیل سے بھی میں یہی کہہ رہا تھا کہ یقیناً سلطانہ جمالی صاحبہ اپنی نیک زندگی
میں اتنا کچھ کرتی رہی ہوں گی جس کے صلے میں انہیں شکیل جیسا وفادار انسان ملا۔"

سلطانہ جمالی سوالیہ نگاہوں سے بیرسٹر اشتیاق حسین کو دیکھنے لگی پھر انہوں نے سنبھل کر کہا۔

"خیریت یہ شکیل کی مدح سرائی کیوں ہو رہی ہے؟"

"خدا کی قسم میں اس نوجوان سے بے حد متاثر ہوں۔ اچھا خیر ظاہر ہے یہ ساری باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں یہ دستخط کردیجئے
اس نوٹس پر میں آج ہی سرو کئے دیتا ہوں۔ دیکھتا ہوں فخرالدین صاحب کس طرح کروٹیں بدلتے ہیں۔"

"نوٹس؟"

"ایک سوال کروں آپ سے؟"

"جی ضرور ــــ"

"یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے شکیل نے آپ سے اجازت لئے بغیر یہ کام سرانجام دے ڈالا ہے۔"

"کون سا کام ــــ؟"

"بھئی وہ چاہتا ہے کہ فوراً ہی فخرالدین صاحب کو نوٹس سرو کردیا جائے اور اس سلسلے میں جس قدر برق رفتاری سے کام ہو
کے کیا جائے۔"

سلطانہ جمالی کے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا تھا وہ ایک لمحے کے لئے کھو سی گئی۔ بہت سے خیالات اس کے ذہن کے پردوں
ے ٹکرا کر گزر گئے لیکن بیرسٹر اشتیاق حسین سامنے موجود تھے۔ چنانچہ اس نے کسی قسم کے خاص جذبے کا اظہار نہیں کیا۔
ں کے کاغذات ہاتھ میں لئے اور بولی۔

"لائیے دستخط کردوں۔"

"پڑھ تو لیجئے گا۔"

"شکیل نے پڑھ لیا ہے؟"

"ہاں انہی کے مشورے سے تو تیار کیا گیا ہے۔"

"تو پھر یقیناً ٹھیک ہوگا۔"

"بلاشبہ وہ اسی قدر قابل اعتماد ہے۔" بیرسٹر اشتیاق حسین نے کہا۔

سلطانہ جمالی نے نوٹس پر دستخط کردیئے اور پھر مسکراتی نگاہوں سے بیرسٹر اشتیاق حسین کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔

"اس کے نتائج کب تک ظاہر ہوجائیں گے؟"

"جو کچھ میں نے اس میں درج کیا ہے وہ تو اتنا زیادہ ہے کہ فخرالدین صاحب کو فوراً ہی چت ہوجانا چاہئے۔ اگر تھوڑی بہت
ں بھی کھائیں تو کوئی حرج نہیں ہے اس کے بعد ساکت ہوجائیں گے۔"

"ہوں آپ نے چائے وغیرہ پی؟"

"ہاں پی لی ــــ اور اب میں زیادہ دیر نہیں رکوں گا۔ شکیل سے بھی یہی کہہ کر آیا ہوں کہ دستخط کرا کر فوراً ہی آج کا یہ کام
کئے لیتا ہوں۔"

"تو پھر خدا حافظ۔" سلطانہ جمالی نے کہا اور بیرسٹر صاحب باہر نکل گئے۔

سلطانہ جمالی کے دل میں کیف و سرور کی ایک لہر سی اٹھی تھی، جواب مل گیا۔ رات بھر کی ذہنی الجھنوں کا ــــ اور اس سے
راب اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ شکیل نے رخسانہ احسان الٰہی کی باتیں سمجھ لیں۔ وہ سمجھ گیا کہ رخسانہ احسان الٰہی اسے
ین کے لئے پھانسنا چاہتی ہے اور اس نے فوراً ہی فخرالدین کے خلاف عمل شروع کردیا۔ یعنی اسے کسی بھی لالچ کی پرواہ
ہے۔ وہ کسی کے بھی فریب میں گرفتار نہیں ہوتا۔ حالانکہ کیا نہیں مل رہا تھا اسے۔ کیا کچھ نہیں پیش کش ہوئیں، پہلے
بیگ صاحب نے اپنی بیٹی کا جال اس پر ڈالا اور اب فخرالدین صاحب لیکن اس نے وقت ضائع کئے بغیر فخرالدین صاحب کو
پنچا دیا۔ وہ ــــ وہ انتہائی قابل اعتماد ہے وہ ــــ وہ ایک ایسا ساتھی ہے جس پر آنکھیں بند کرکے بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

سلطانہ جمالی نے آنکھیں بند کیں اور اچانک ہی اس کے دل کو ایک عجیب سا احساس ہوا' دل جس انداز میں دھڑکا وہ سلطانہ جمالی کے لئے بڑا انوکھا تھا۔ ہرچند کہ اس کی زندگی بڑے مختلف انداز میں گزری تھی لیکن۔۔۔ لیکن شکیل نے اس زندگی میں ایک ایسی تبدیلی رونما کردی کہ وہ اسے نظرانداز نہیں کرسکتی تھی۔

چند لمحات وہ اسی طرح آنکھیں بند کئے چشم تصور میں شکیل کو دیکھتی رہی اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ الماری سے اس نے بہت ہی خوبصورت لباس نکالا اور غسل خانے میں داخل ہو گئی۔ غسل کرکے لباس پہنا بالوں کو درست کیا' آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا۔ کچھ سوچا باہر نکلی اور ڈریسنگ ٹیبل دنیا بھر کے کاسمیٹکس سے بھری ہوئی تھی چند لمحات تک وہ اس وقت کے لئے میک اپ کا انتخاب کرتی رہی اور اس کے بعد اس نے ہلکا انتہائی خوبصورت میک اپ کیا۔ ساری کیفیت ہی بدل گئی تھی۔ رات بھر کی کوفت دور ہو گئی تھی۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ شا شکیل اس سے رابطہ قائم کرے اسے بلائے یا خود اس کے پاس آئے لیکن وہ تو سلطانہ جمالی کے مفادات کی نگرانی کرنے م معروف ہو گیا تھا۔ روشن کو آواز دی' روشن اندر پہنچی اور اپنی فطرت کے مطابق مسکرا دی۔

"کیوں دانت نکال رہی ہے؟"

"نہیں جی۔" روشن نے دوپٹہ منہ میں ٹھونس لیا۔

"اے روشن تمیز سیکھو کیا بدتمیزی ہے؟"

"بیگم جی معافی چاہتی ہوں۔" روشن سنجیدہ ہو گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ شکیل صاحب کس وقت آئے تھے؟"

"جس ٹیم آتے ہیں جی اسے ٹیم آئے تھے۔"

"مجھے پوچھا تھا؟"

"ہاں جی شریف سے پوچھا تھا۔"

"شریف نے کیا جواب دیا؟"

"انہوں نے کہا کہ چائے پی کر دوبارہ سو گئی ہیں' شاید طبیعت کچھ خراب ہے' یہ بھی کہہ دیا ہے انہوں نے کہ جب تک خود نہ جاگوں مجھے نہ جگایا جائے۔"

"اور پھر کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں جی' کیوں؟"

"جاؤ۔" سلطانہ جمالی نے کہا پھر جوتے پہننے لگی اور اس کے بعد اپنے کمرے سے نکل آئی۔ شکیل کی سمت جا رہی تھ نجانے کیسے کیسے انوکھے احساسات کے ساتھ۔

✵

شہباز کو جیل بھیج دیا گیا تھا' کسی نے اس کی ضمانت کی کوشش نہیں کی تھی۔ جمیل احمد صاحب کے پاس ایسا کوئی ذ نہیں تھا۔ مقدمے کی پہلی پیشی پر وہ البتہ عدالت کے دروازے پر موجود تھے اور ایک چند لمحات کے لئے ان کی ملاقات ش ہو گئی تھی۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور گردن جھکائے عدالت کے دروازے کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ جم صاحب کے دل کی حرکتیں بند ہونے لگیں۔ قدم لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھے۔ شہباز نے انہیں دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔ مزاج انسان تھے۔ انہوں نے کچھ نہ کہا' شہباز دو قدم آگے بڑھ گیا۔ جمیل احمد صاحب ویران نگاہوں سے اسے دیکھ شہباز نے مسکرا کر کہا۔

"کیسے ہیں ابو۔۔۔؟" جمیل احمد صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا' شہباز کہنے لگا۔

"ابو اگر دنیا میں کسی سے شرمندگی ہے مجھے تو وہ صرف آپ سے ہے' میری وجہ سے آپ محلے میں بدنام ہو گے؟" جمیل احمد نے کوئی جواب نہیں دیا' شہباز کہنے لگا۔

"اب جو کچھ ہونا تھا ابو وہ تو ہو ہی چکا میں اپنی تمام برائیوں کا اعتراف کرتا ہوں' ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی بات؟

پ کے لئے مزید بدنامیوں کا باعث بن جائے' بس مجھے ایک بات بتا دیجئے اگر مجھے سزا ہو جائے تو رہائی پانے کے بعد گھر واپس ں یا نہ آؤں؟"

جمیل احمد صاحب دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھک کر بلک بلک کر رو پڑے تھے۔ شہباز کی ہتھکڑیاں پکڑنے والے سپاہی تاسف ری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے' ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

"بابا جی صبر کرو' اللہ سے دعا مانگو' یہ لڑکے خود غلطیاں کرتے ہیں اور ماں باپ کے لئے مصیبتیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ اوئے منہ دیکھ رہا ہے۔ چپ کرا باپ کو' کیسا بے شرم لڑکا ہے تو؟" شہباز کے لرزتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھے اور اس نے جمیل احمد کی ئیوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

"ابو یہ عدالت ہے' امتحان نہ لیں۔ خدا کی قسم چھوٹ کر بھاگ جاؤں گا ان کے ہاتھوں سے' اتنا بڑا مجرم نہیں ہوں جتنا بڑا بن جاؤں گا' ابو یہ مجھے نہیں روک سکیں گے' آپ نہ روئیں ابو' میری بات سن لیں۔ جو کہنا چاہتا ہوں وہ سن لیں' دراصل قدیر بعض اوقات ایسے تماشے دکھاتی ہے جہاں اس کا آغاز ہوا وہاں سے تذکرہ بے کار ہے' ابو بس آپ نے بھی کچھ غلط مجھ پر رد عمل غلط ہوا مجھے چاہئے تھا کہ آپ کی سوچ کو برداشت کر جاتا نہیں کر سکا۔ ابو خدا کی قسم اتنا برا انسان نہیں ہوں یوں سمجھئے جذبات نے عقل کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور جو کچھ ہوا ابو ہو گیا' میں نے یہ سوال آپ سے اس لئے نہیں کیا تھا کہ رو پڑیں۔ آپ کے آنسوؤں نے مجھے جواب دے دیا ہے اب یہ سوال میں نہیں پوچھوں گا۔ ابو دیکھئے مجھے اندازہ ہے کہ ایسا نہیں ہو گا جو میری ضمانت کرا سکتا اور ابو بلاوجہ پریشان ہونے سے فائدہ بھی کیا۔ دو چار پیشیاں ہوں گی' مقدمے کا فیصلہ ے گا' آپ وکیل وغیرہ کرنے کی کوشش نہ کیجئے یہ میری درخواست ہے آپ سے۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ کسی کو زخمی کیا۔ چار سو بیسی کا کیس ہے ہو سکتا ہے کچھ رعایت ہو جائے۔ سال بھر سے زیادہ تو سزا ہو ہی نہیں سکتی۔ میں نے معلومات ہیں۔ خدا کرے اس سے کم ہو' ابو بس اس کی دعا مانگئے کہ جیل سے واپس آؤں تو انسان ہی رہوں' دیکھئے اگر آپ نے چھوڑ دیا تو میں بھی حوصلے کا دامن چھوڑ بیٹھوں گا' ابو میں جیل بھی توڑ سکتا ہوں۔ لاک اپ سے بھی نکل سکتا ہوں۔ ہو ہے یہ میری غلط بیانی ہو' غلط احساس ہو' آپ آنسو بہا کر مجھے اس کے لئے مجبور نہ کریں' میں نے جو کچھ کیا ہے اس کی سزا دیں مجھے' آپ کو دکھ دیئے ہیں ناں میں نے ابو۔ دیکھئے ساری باتیں بھلا دیجئے' بس ایک بات کا خیال رکھئے گا جس طرح بھی ے اپنے گھر کو آباد رکھیے' میں واپس آجاؤں گا اور اس کے بعد ابو کبھی آپ کے کسی حکم سے انحراف نہیں کروں گا۔ اپنی مل کروں گا' کسی اچھی جگہ ملازمت کروں گا اپنی بہن کی شادی کروں گا۔ ابو میں آپ کے گھر کو آباد کروں گا' دیکھئے حوصلے م لیجئے۔ خدا کے لئے ابو' خدا کے لئے۔" شہباز جمیل احمد صاحب کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ جمیل احمد صاحب نے آگے اسے سینے سے لگا لیا۔ اطراف میں کھڑے ہوئے لوگ تاسف بھری نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ شہباز نے ہو کر کہا۔

ہم سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئے ہیں ابو' بس آپ حوصلے سے کام لیجئے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ے گا۔"

ہاں اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" جمیل احمد صاحب نے کہا۔ شہباز کے لئے آواز لگا دی گئی اور اسے کمرہ میں پیش کیا گیا۔ اس پر فرد جرم پڑھ کر سنائی گئی۔ عدالت نے سوال کیا کہ اس کی طرف سے کوئی وکیل موجود ہے یا جمیل احمد صاحب نے کھڑے ہو کر کہا۔

یں اس کا باپ ہوں جناب والا۔ میں وکیل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔"

سرکاری طور پر اس کے لئے وکیل مقرر کیا جائے۔" عدالت نے حکم دیا۔ شہباز نے کہا۔

ناب والا مجھے وکیل کی ضرورت نہیں ہے۔ جو جرم مجھ پر عائد کیا گیا ہے میں نے وہ کیا ہے جناب والا اگر مجھے حکم دیا میں اس کی وجوہات بتا سکتا ہوں۔ میں نے کوئی وکیل نہیں کیا۔" عدالت نے اپنا حکم پھر دہرایا۔

ں کے لئے سرکاری وکیل کیا جائے۔ مقدمہ دوسری پیشی کے لئے ملتوی کیا جاتا ہے۔ تاریخ دے دی جائے۔" اس کے زکو واپس لے جایا گیا۔

جمیل احمد صاحب لرزتے قدموں سے واپس چل پڑے تھے۔ جو گفتگو شہباز نے کی تھی وہ دردناک بھی تھی اور خوش آئ
بھی' جو لمحات گزر گئے بڑے دردناک تھے اور جو گزریں گے وہ بھی کم خطرناک نہیں ہوں گے لیکن اس کے بعد' اس کے بعد
سکتا ہے ایک روشن صبح اس گھر کی منتظر ہو' ہو سکتا ہے اس گھر کی دہلیز سے بھی سورج کی کرنیں گزر جائیں۔
ٹوٹے ہوئے قدموں سے اندر داخل ہوئے' فرزانہ گھر میں موجود نہیں تھی' کئی دن کی چھٹیاں کی تھیں اس نے اور اس
بعد بحالت مجبوری فیکٹری جانا پڑا تھا۔ جمیل احمد صاحب نے فریدہ بیگم کو بتایا کہ شہباز کی پیشی ہوئی تھی۔ آگے کی تاریخ بڑھ
ہے اس سے زیادہ کیا بتاتے' فریدہ بیگم نے کہا۔
"وہ پورٹ سے ایک آدمی آیا تھا آپ کو تلاش کرتے ہوئے۔"
"اوہو اچھا ہاں' اصل میں بس کچھ ہمت ہی نہیں پڑتی۔ بدن کی جیسے جان ہی نکل گئی ہو لیکن جاتا ہوں' کب آیا تھا وہ؟"
"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی گیا ہے۔ کہہ گیا ہے کہ جمیل احمد صاحب جیسے ہی واپس آئیں انہیں دفتر بھیج دیا جائے۔"
کمپنی کے لئے جمیل احمد صاحب ٹیلی کلرک کا کام کرتے تھے۔ اس کے منیجر نے انہیں طلب کیا تھا۔ جمیل احمد صاحب
پہنچ گئے نوکری اس وقت انتہائی ضروری ہو گئی تھی۔ گھر کا ماحول بنانا تھا۔ صحیح حالات پیدا کرنے تھے۔ شہباز نے جو کچھ کہا تھ
نے دل کی کرنیں روشن کر دی تھیں۔ ہاں برا تو ہوا ہے مجھ سے۔ میں ہی اس گھر کی تباہی کا باعث ہوں لیکن مزید حماقتیں
کرنی چاہئیں۔ جمیل احمد صاحب منیجر کے سامنے پہنچے اور مجرمانہ انداز بنا کر کھڑے ہو گئے۔
"ارے' ارے جمیل احمد صاحب۔ آیئے' آیئے تشریف لایئے۔ آپ فاروق احمد خان کو جانتے ہیں؟"
"فاروق احمد خان صاحب؟"
"ہاں احمد سنز والے؟"
"جی ہاں' ان کی خدمت کر چکا ہوں کافی عرصے۔"
"آپ کا تذکرہ ہوا تھا بات کر رہے تھے مجھ سے۔ میں نے بتایا کہ میرے ہاں ٹیلی کلرک کا کام کرتے ہیں۔ آپ
سفارش کر کے گئے ہیں۔ جمیل احمد صاحب ویسے بھی آپ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ آپ کو کنفرم کر دیا جائے گا میں آپ
خوشخبری سنانا چاہتا ہوں۔ آج سے آپ ہمارے کنٹریکٹ کلرک نہیں ہیں بلکہ میں نے آپ کو ہیڈ کلرک کا عہدہ دے دیا۔
کی طرف سے باقاعدہ آپ کی تنخواہ مقرر کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ سے جب بھی ٹیلی کلرک کا کام لیا جائے گا ا
ٹائم آپ کو الگ سے ملے گا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ خوشخبری آپ کو سنا دی جائے۔ مگر براہ کرم اب ایسا کیجئے گا کہ غیر حاضر
کریں۔"
"جی ایسا ہی ہو گا۔" جمیل احمد صاحب کے دل کو خوشی کا ایک اور احساس ہوا تھا۔
"بس آپ چاہیں تو واپس جا سکتے ہیں یا پھر بہتر ہو گا کہ ابھی سے اپنی سیٹ سنبھال لیجئے۔ کوئی اہم کام تو نہیں ہے آ
"نہیں جناب انتہائی شکر گزار ہوں۔ انتہائی شکر گزار۔" جمیل احمد صاحب نے کہا اور منیجر نے اپنے ایک خاص
ساتھ جمیل احمد صاحب کو ان کی سیٹ پر بھجوا دیا۔ یہاں انہیں ان کے کام کی تفصیلات سمجھائی جانے لگیں۔ جمیل ا
مکمل طور پر ان تفصیلات میں کھو گئے تھے۔ یہ ایک عجیب سا آغاز ہوا تھا۔ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا لیکن انہی
خوشی کی کچھ کرنیں بھی چمک رہی تھیں۔ پوری محنت کے ساتھ اپنا کام سمجھتے رہے اور اس وقت تک سر نہ اٹھایا جب
وقت نہ ہو گیا۔ واپسی پر ان کے دل میں دو متضاد احساسات تھے۔ اپنے کنفرم ہو جانے اور عہدہ بڑھ جانے کا احسا
اس کے ساتھ تنخواہ بھی کافی بڑھ گئی تھی اور پھر کمیشن الگ ملے گا۔ یعنی اوور ٹائم کی شکل میں یہ ان کے لئے پہلا
تھی۔
خدا کرے شہباز کی رہائی کا کوئی بندوبست ہو جائے۔ خدا کرے خدا کرے
گھر میں داخل ہوئے تو فرزانہ آ چکی تھی۔ بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ دیکھتے رہے اور پھر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرزا
آگے بڑھ کر کہا۔
"آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے چاہیں ابو۔ خدا کی قسم اگر آپ روئیں گے تو میں مر جاؤں گی ابو دیکھئے

نہیں ابو۔ ہم طے کر چکے ہیں ہم ایک دوسرے سے وعدہ کر چکے ہیں کہ اب اس گھر پر آئی ہوئی نحوستوں کو بڑی ہمت سے
ں گے۔ دیکھئے ابو اگر آپ نے ہمت چھوڑ دی تو میں تو لڑکی ہوں۔ میں کیا کر سکوں گی ابو میرے ابو۔" فرزانہ زارو قطار رونے
اور جمیل احمد صاحب گھبرا گئے۔ جمیل احمد صاحب نے فرزانہ کو تسلیاں دیتے ہوئے کہا۔
"فرزانہ غلطی ہو گئی بیٹے ساری زندگی یہی حماقتیں تو کرتا رہا ہوں۔ فرزانہ معاف کر دو مجھے۔ دیکھو فرزانہ رو نہیں۔ فریدہ
ے خاموش کرو۔ میں' میں تو کچھ خوشخبریاں لے کر آیا ہوں۔ بس انہی خوشخبریوں پر آنسو نکل آئے تھے۔ فرزانہ باز نہیں آؤ گی
میری نہیں مانو گی مان لو بھئی۔ اب میں وہ پرانا آدمی نہیں ہوں۔ کچھ تبدیلیاں کی ہیں میں نے اپنے اندر۔ مجھے اپنی تمام غلطیوں
احساس ہے۔ رو نہیں بیٹے رو نہیں تمہیں اپنے ابو کی قسم۔"
فرزانہ نے دوپٹہ سے آنسو خشک کر لئے۔ جمیل احمد صاحب کہنے لگے۔
"آج پیروی تھی نا شہباز کے مقدمے کی۔ بہت سی باتیں ہوئی ہیں اس سے' بعض اوقات فریدہ بیگم تقدیر کچھ ایسے ہی کھیل
بلتی ہے۔ انسان درحقیقت ذہنی طور پر بہت کمزور شے ہے۔ نہیں سمجھ پاتا بالکل نہیں سمجھ پاتا کہ تقدیر کے فیصلے کیا ہوتے
۔ وہ دراصل شہباز ایسی باتیں کر رہا تھا ایسی باتیں کی ہیں اس نے کہ میں تو حیران رہ گیا۔"
"کیا کہہ رہا تھا؟" فریدہ بیگم نے بھاری آواز میں کہا۔
"معافیاں مانگ رہا تھا۔ مجھ سے کہہ رہا تھا ابو یہ بہتر ہوا کہ تقدیر نے مجھے یہیں روک دیا۔ اگر یہ سب کچھ جاری رہتا تو ہو
ا ہے کوئی ایسا جرم سرزد ہو جاتا میرے ہاتھوں کہ پھر میری واپسی ممکن نہ ہوتی مگر ابو ہمارے ساتھ رحم کیا گیا ہے۔ اللہ نے ہم
رحم کیا ہے مجھ سے کوئی ایسا جرم سرزد نہیں ہوا جس کی کوئی بڑی سزا ہو چار چھ مہینے کی سزا ہو گی اس کے بعد واپس آ جاؤں گا۔
وعدہ کر رہا تھا مجھ سے کہ اب جب میں آؤں گا تو ایک ایسا انسان بن کر آؤں گا کہ آپ کو یا دنیا کے کسی فرد کو مجھ سے کوئی
یت نہیں ہو گی۔ میں' میں فریدہ بیگم' میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں مجھے چوٹ لگی۔ اسے چوٹ لگی اور اس کے بعد ہماری
کے دن پورے ہو گئے۔ بس تھوڑی سی بات باقی ہے تھوڑی سی پلکوں کی سوئیاں رہ گئیں ہیں سمجھ لو ایسے نکل جائیں گی کہ پتہ
نہیں چلے گا۔" فرزانہ نے کہا۔
"ابو فرم میں مجھے سپروائزر بنا دیا گیا۔ دراصل میں سینئر ہوں زیادہ تعلیم یافتہ ہوں۔ فرم کی سپروائزر ملازمت چھوڑ کر چلی گئی
چنانچہ منیجر نے میری اچھی کارکردگی کی بنا پر مجھے سپروائزر بنا دیا ہے ابو میری تنخواہ بھی تقریباً" دوگنی ہو گئی ہے اور عہدہ بھی بڑھ
ہے اب مجھے زیادہ محنت بھی نہیں کرنا پڑے گی۔"
"خوب بہت خوب بھئی ہم بھی تمہیں ایک خوشخبری سناتے ہیں آج ہی ہمیں بلایا گیا تھا۔ آپ کو علم ہے نا فریدہ بیگم منیجر
جب نے بلایا تھا میں تو یہ سمجھ کر گیا تھا کہ شاید وہ میرے زیادہ چھٹیاں کرنے پر اعتراض کریں گے لیکن فاروق احمد صاحب یاد
ہاں' میری پہلی فرم کے مالک ان سے نجانے کس طرح ہمارے نئے منیجر کی ملاقات ہو گئی اور انہوں نے میری تعریفیں کر کے
ی سفارش بھی کی۔ مجھے کنفرم بھی کر دیا گیا ہے اور ہیڈ کلرک کا عہدہ دے دیا گیا ہے۔ اچھی خاصی تنخواہ بڑھ گئی۔ کمیشن
ہے۔" فریدہ بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولیں۔
دیکھئے اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے ہو سکتا ہے ہماری گردش کے دن ختم ہو گئے ہوں مگر مگر میرا شہباز۔ میرا شہباز ان خوشیوں م
شریک نہیں ہے۔"
"میری خوشی تو ہمیں اسی وقت ملے گی جب ہمارا شہباز واپس آ جائے گا تم فکر مت کرو ہم اس کے استقبال کے لئے ایک
گھر تیار رکھیں گے۔" فریدہ بیگم' فرزانہ اور جمیل احمد یہ باتیں کرتے رہے۔
رات کی تنہائیوں میں فرزانہ نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے نجانے کن کن سوچوں میں لمحات گزارے۔
"صندل پری' صندل پری کیا سوچ رہی ہو؟"
"تم تم بے وفا ہو' تم غدار ہو' تم قابل اعتماد نہیں ہو۔" فرزانہ کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔
"ہاں صندل پری شاید ایسا ہی ہے میرا ذہن میرا ذہن کسی اور سمت متوجہ ہو گیا ہے۔"
"تو اب میں تمہاری صندل پری نہیں ہوں۔"

"شاید نہیں۔"

"ٹھیک ہے تم بھی میرے صنوبر نہیں ہو سمجھے۔ تم بھی صنوبر نہیں ہو۔" فرزانہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرے بہہ کر بستر میں جذب ہو گئے۔

❦

حکمت علی کئی بار محسوس کر چکے تھے کہ جمی اپنے دوستوں میں بیٹھا ہوا ان پر فقرے بازیاں کرتا رہتا ہے۔ کتنی ہی بار جمی نے ان پر پھبتیاں کسی تھیں۔ مگر حکمت علی سر جھکا کر آگے بڑھ گئے تھے۔ جمی کے دوست قہقہے لگانے لگتے تھے۔ حکمت علی جانتے تھے کہ جمی کس قسم کا آدمی ہے بھلا ان میں کیا ہمت تھی کہ وہ کسی غنڈے کے منہ لگتے۔

اس وقت بھی وہ شیخ کلن کی دکان کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ بھیڑ جمی ہوئی تھی۔ فقیر محمد بھی تھے۔ نبن میاں بھی تھے۔ سمیع اللہ بھی تھے۔ چونچیں چل رہی تھیں۔ جمی بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ حکمت علی کو دیکھ کر اس نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"وہ وہ آرہے ہیں دیکھ رہے ہو چچا میاں۔"

"اماں جمی حکمت علی ہیں اپنے۔"

"حکمت علی صرف اس کے ہیں جو ان کا پیٹ بھرتا رہے۔ اماں کیا نہیں کیا ہم نے ان کے لئے۔ یہ ٹوکرے بھر بھر کے پہنچائے ہیں۔ یہ پتیلے بھر بھر کے نہاری پہنچائی ہے۔ دو مہینے تک لنگڑے پڑے رہے تھے۔ ہم نے مدد کی ہے ان کی مگر ان کی میں سور کا بال ہے۔ نجانے کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو۔ گھر میں دیکھو تو ساس بہوئیں ڈنڈے لئے کھڑی رہتی ہیں۔ میاں ایسے آدمی کو تو محلے میں جگہ بھی نہیں دینی چاہئے۔"

"کیا کہہ رہے ہو جمی میاں؟" فقیر محمد نے کہا۔

"پوچھ لو بلا کے۔ یہ دیکھ لو نظریں تک نہیں ملا رہے لو آگے بڑھ گئے۔" جمی نے کہا اور قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

حکمت علی رک گئے۔ پلٹے دو قدم پیچھے ہٹے اور پھر شیخ کلن کی دکان پر پہنچ گئے۔ انہوں نے سب کو سلام کیا تھا۔ نبن نے جواب دیا۔ شیخ کلن خاموشی سے ان کی صورت دیکھتا رہا۔ فقیر محمد جلدی سے بولا۔

"اماں دیکھو! لڑائی جھگڑے کی نہیں ہو رہی قسم اللہ کی۔ یہ نئے لڑکے تو ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

"نہیں فقیر محمد بھائی، جمی میاں سچ کہہ رہے ہیں دو مہینے تک بستر پر رہا۔ انہوں نے واقعی میرے بیٹے کی جگہ پر کر دی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انہوں نے میری ایسی دیکھ بھال کی کہ میں زندگی بھر ان کا قرض نہیں اتار سکتا۔ پھر انہوں نے انسانیت مجھے پھل وغیرہ فراہم کئے۔ کبھی کچھ لئے چلے آرہے ہیں کبھی کچھ لئے چلے آرہے ہیں بخدا دل کٹتا تھا یہ سوچتا بلاوجہ مجھ پر خرچ کر رہے ہیں یہ۔ میں بھلا ان کا یہ احسان کیسے اتار سکوں گا۔ البتہ فقیر محمد بھائی بس ذرا سی یہ پریشانی تھی میں دو جوان بچیاں ہیں اور دنیا کی زبان نہیں روکی جا سکتی۔ نجانے کون کیا کہنے لگتا ان کے بارے میں لوگ یہ سوچتے کہ ہے حکمت علی بیٹیوں کے ذریعے نوجوانوں کو پھانس کر اپنا پیٹ بھر رہے ہوں۔ خدا کی قسم خاندان ہمارا بہت اچھا ہے۔ کو بات ہوئی نہیں ہے آج تک۔ اس لئے میں نے جمی میاں سے معذرت کی تھی کہ بیٹے آپ کے احسانوں کا صلہ تو میں زندگی بھر نہیں دے سکتا لیکن جوان لڑکیوں کا گھر ہے اگر باہر ہی باہر دوستی رہے تو زیادہ اچھا ہے۔ مجھے آپ پر پورا پورا اعتماد ہے آپ نیک ماں باپ کے بچے ہیں۔ کون کہتا ہے کہ آپ برے ہیں۔ جو شخص کسی کا انسانی ہمدردی کے ساتھ اتنا خیال کرے وہ برا نہیں ہو سکتا۔ آپ لوگوں کے سامنے ایک بار کھلے دل سے کہہ رہا ہوں۔ جمی میاں نوجوان ہیں۔ لڑکے ہیں نا تجربہ کار ہیں بہت اچھے انسان ہیں۔ اتنے اچھے کہ میرے پاس ان کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ اگر یہ میری اس چھوٹی سی بات سے ناراض ہو کر برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ مجھ پر طنز کر رہے ہیں تو یہ مجھ پر لازم ہے کہ خاموشی سے ان کے طنز سہوں۔ جمی میاں ناراض ہو تو بخدا جوتا پاؤں سے اتار کر میرے سر پر مار دو۔ گردن اٹھا جاؤں تو مجھے اصل نہ کہنا۔ اس لئے کہ جب انسان پر احسان ہوتا ہے تو وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ سر اٹھا کر بات کرے۔ بس اتنا ہی کہنا چاہتا تھا میں۔ بیٹے صرف یہ سوچ کر آپ سے معذرت کی تھی کہ گھر میں جوان بیٹیاں ہیں۔ خدا آپ کے دل میں میرے لئے ہمدردی ڈالے اس سے زیادہ اور کیا کہوں۔"

حکمت علی صاحب گردن جھکائے واپس پلٹے اور آہستہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ فقیر محمد، نبن،

سمیع اللہ، شیخ کلن وغیرہ منہ پھاڑے دیکھتے رہ گئے تھے۔ جمی کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ فطری طور پر وہ واقعی برا انسان نہیں تھا۔ اس کا ثبوت فوزی کے معاملے سے ملتا تھا۔ آج تک فوزی کو بہن سمجھتا تھا کبھی راستے میں نظر آجاتی تھی تو بہن کہہ کر ہی پکارتا تھا مگر نوجوان فطرت کو کیا کیا جائے۔ نظربازی تو زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہے خاص طور سے نوجوانی کی عمر میں اور پھر اس انداز میں کہ نہ تعلیم نہ کوئی سرپرستی۔ بگڑ جانا فطری امر تھا لیکن جس انداز میں حکمت علی ساری باتیں کہہ گئے تھے اس نے جمی کو پانی پانی کر دیا تھا۔ اترے ہوئے چہرے کے ساتھ ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ فقیر محمد نے کہا۔

"جمی! اپنے دل سے کوئی سوال کرو، جواب ضرور دے گا تمہیں۔"

نبن میاں بولے "اماں قسم اللہ کی آج تو کلیجے پر چھری مار گئے ہیں اپنے حکمت علی۔"

"نیک اور شریف آدمی واقعی اسی انداز میں سوچتا ہے۔ جمی میرے خیال میں برا مت ماننا تم نے بہت برا کیا۔ ایک ایسے انسان کے ساتھ، تمہاری اتنی تلخ باتوں کے جواب میں انہوں نے جس طرح تمہارے احسانات کا اعتراف کیا اور جو کچھ کہہ کر گئے ہیں تمہارا دل نہیں دکھا اس پر۔"

دفعتاً جمی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور پھر وہ بچوں کی طرح بھوں بھوں کر کے رونے لگا۔ سارے کے سارے ششدر رہ گئے تھے۔ کسی نے کسی کو اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ایک لمحے کے لئے سب کی زبانیں بند ہو گئی تھیں۔ بمشکل تمام نبن میاں سنبھلے۔

"جمی، اماں جمی استاد۔ اماں بھائی میاں۔ سنو تو۔ ارے بھائی جمی۔"

"چھوڑو نبن میاں سچ مانو تو قصور ہمارا بھی نہیں ہے۔ کوئی ہوتا تو بتاتا سمجھاتا۔ اچھا برا سکھاتا۔ مگر کوئی ہوتا تب ناں۔ ہے ہی نہیں۔ سردی ہوتی کوئی نہ تھا جو سوتے میں رضائی ڈال دیتا۔ گرمی میں کسی نے پنکھے کی ہوا نہ دی۔ بیمار ہوئے کانپتے کراہتے ڈاکٹر کے پاس پہنچ کر دوائی لے آئے۔ یہ تو زندگی ہے ہماری۔ کوئی بہن ہوتی تو بہن کو جانتے۔ کوئی ماں ہوتی تو ماں کی عزت کرتے۔ اماں ہمارا کیا قصور ہے جو جی میں آئی کرتے رہے۔ اب بھلا بتاؤ۔ اتنے بھلے آدمی کی بے عزتی کر دی۔"

"محلے کے بچے ہو۔ جاؤ معافی مانگ لو۔ مگر یہ حکمت علی۔ قسم اللہ کی دل جیت لے گئے آج تو۔ اماں اتنے شریف آدمی ہیں کہ بس کیا کہی جائے۔"

"بہت بدتمیزی کر ڈالی ہے ہم نے۔ اب کس منہ سے معافی مانگیں۔ مگر ایک بات کہیں تم لوگوں سے۔ تم اتنے آدمی ہو میاں۔ آس اولاد والے ہو۔ اللہ رسول کو پہچانتے ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں جمی استاد۔"

"ماں باپ نہیں دیکھے ہم نے۔ مگر ہوں گے ضرور کبھی اس دنیا میں۔ ان مرے ہوؤں کی قسمیں کھا رہے ہیں۔ حکمت علی چچا کی دو بیٹیاں ہیں۔"

"ہاں۔ ہاں۔" فقیر محمد بولا۔

"سگی بہنیں ہیں ہماری۔ ایمان کی قسم اپنی ماں کی اولاد ہیں وہ ہمارے لئے۔ کوئی بری آنکھ سے نہ دیکھے انہیں۔ بس کہہ دی ہے ہم نے۔"

"تم نے سچ دل سے کہا ہے۔ ہم سب نے سچ دل سے مان لیا جمی استاد۔"

"اچھا ہم چلتے ہیں۔" جمی اٹھ گیا۔

"بیٹھو جمی۔ اماں بھائی سمیع اللہ چائے منگواؤ۔"

"نہیں نبن بھائی۔ بس جانے دو۔" جمی نے کہا۔ اور اٹھ کر آگے بڑھ گئے۔

"اماں جمی۔ جمی استاد۔ اماں سنو تو۔ بات تو سنو۔" مگر جمی نہ رکا تھا۔

"ہاں میاں نیکی اور شرافت کا بول بالا۔ برائی اور بدی کا منہ کالا پرانی کہاوت ہے۔"

"ہاں۔ ہے تو!" فقیر محمد ٹھنڈی سانس لے کر بولا

بہت دیر تک یہ لوگ باتیں کرتے رہے پھر فقیر محمد نے کہا۔

"حکمت علی نے تو ہمارے دلوں پر اپنی شرافت کا سکہ جما لیا ہے۔ جمی کی جو حالت ہوئی وہ ایک نیک آدمی کی نیک طبیعت دیکھ کر ہی ہوئی ہے۔ مگر ایک بات تو ہے نبن استاد۔"

"اماں ہمیں بھی استاد کہنا شروع کر دیا تم نے۔ ہم بھلا کاہے کے استاد ہوئے؟" نبن میاں نے کہا۔

"اماں چھوڑو نبن میاں' انسان ساری زندگی میں کسی سے کوئی ایک بات بھی سیکھ لے تو بہرحال وہ بات استاد کی تو ہوتی ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اب کسی وقت اگر حکمت علی نظر آجائیں تو انہیں کم از کم جمی کی شرمندگی کے بارے میں بتا تو دیا جائے۔"

"ہاں ہاں ضروری ہے بلکہ بہت ضروری ہے۔ چاہے انہوں نے ہمت سے ساری باتیں کہہ دی ہوں مگر دل میں میل تو رہا ہی ہوگا۔ شرمندہ تو ہوئے ہی ہوں گے بے چارے۔ حالانکہ بات بالکل صاف ہو گئی۔ انہوں نے خود تو جمی سے کچھ نہیں مانگا تھا اب جمی کی طبیعت کی بات ہے کہ وہ خود ہی لے دے کر ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔"

"تو اور کیا۔۔۔ اس میں بھلا برائی کی کیا بات ہے۔ کون سا کسی سے مانگا تھا بے چاروں نے۔"

حکمت علی دوسرے ہی دن نظر آ گئے تھے۔ پیشانی پر کوئی بل نہیں تھا۔ سلام کر کے گزرنے لگے تو کلن خان نے آواز دے ی۔

"اماں بھائی حکمت علی۔ اماں ادھر دو چار منٹ کے لئے رک کر چلے جایا کرو گھر۔ دفتر سے آئے گھر۔ گھر سے گئے دفتر حالانکہ س دن بھی ہم نے یہ بات کہی تھی کہ میاں تھوڑی بہت دیر ہم غریبوں کے پاس بھی بیٹھ لیا کرو۔"

"ارے نہیں نہیں کلن بھائی' کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ حکم دیں۔ کل سے حاضری لگے گی میری بھی یہاں۔"

"یہ کہی نا قسم اللہ کی بات سولہ آنے والی۔ جی خوش ہو گیا۔ اماں حکمت علی ایک بات بتاؤ۔ اتنے شریف کاہے کو ہو؟"

"سمجھا نہیں بھائی۔"

"ایک بات کہیں میاں؟"

"ہاں ہاں ضرور۔" حکمت علی بولے۔

"اماں اتنے دنوں سے دیکھ رہے ہیں تمہیں' قسم اللہ کی بڑے نیک آدمی ہو۔ اللہ خوش رکھے۔ ہاں ایک خاص بات کہنی ی۔"

"جی جی کلن بھائی فرمائیے۔"

"حکمت علی بھائی! اگر ہو سکے تو بے چارے جمی کو معاف کر دیں۔ قسم اللہ کی یہ سارے کے سارے بیٹھے ہیں۔ منہ ہاتھ ملا کے مسجد میں لے جاؤ۔ بڑی کتاب اٹھوا لو ان سے۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں۔ کل جب تم چلے گئے نا تو جمی بچوں کی ح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ بڑا اثر ہوا اس کے دل پر۔"

"ارے کیوں میں نے کوئی ایسی ویسی بات بھی نہیں کہی تھی۔"

"اماں اتنی بڑی بات کہہ دی تم نے حکمت علی بھائی کہ کوئی دل والا ہوتا تو بس دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ خیال ہوگا ا کہ کچھ برا بھلا کہو گے اسے۔ اور وہ تو ہے ہی بے چارہ بغیر پڑھا لکھا' اٹھ لے کر کھڑا ہو جاتا۔ مگر تم نے کیا ٹھنڈی مار ماری۔ یسے ایک بات کہیں حکمت علی بھائی۔ برا نہیں ہے قسم اللہ کی۔ کل رو رو کے کہہ رہا تھا کہ ماں باپ ہوتے' کوئی بڑا ہوتا تو ھاتا بجھاتا کہ بزرگوں سے کس طرح پیش آیا جاتا ہے یا یہ بتاتا اسے کہ انسانیت کیا چیز ہوتی ہے۔ کہنے لگا کہ کوئی ہے ہی نہیں جہاں میں۔ بے چارے حکمت علی سے نجانے کیا کہہ دیا۔ ہم نے کہا کہ رو کاہے کو رہا ہے جا بھائی معافی مانگ لے۔ کہنے لگا کس منہ سے جاؤں۔ اور ایک بات ہم سب کے سامنے کہہ کر گیا ہے وہ۔ وہ یہ کہ حکمت علی کی دونوں بیٹیاں اس کے لئے سگی ں کی طرح ہیں بس اس سے زیادہ اور کیا کہے وہ۔ حکمت علی معاف کر دینا بے چارے کو۔ سیدھا بچہ ہے۔ حالانکہ محلہ بھر بدمعاش سمجھتا ہے۔"

"اگر اس نے اتنا کہا ہے تو خدا اسے رہتی دنیا تک خوش رکھے۔ قائم و دائم رکھے۔ کہاں گیا۔ گیا کہاں۔ نظر نہیں آ رہا۔"

"کل سے جو اٹھ کر گیا ہے تو ابھی تک صورت نہیں دیکھی کسی نے اس کی۔ مجھے تو لگتا ہے محلہ چھوڑ کر ہی چلا گیا۔" فقیر محمد

"ارے یہ تو اس نے برا کیا۔ میں نے تو اس کی بات کا کوئی برا نہیں مانا۔ بس اسے سمجھا دیا تھا جو حقیقت تھی۔ اب آپ خ سوچیں سمیع اللہ بھائی کہ اگر کوئی آپ کے پاس خلوص و سچائی کے ساتھ آئے تو شرمندگی تو بے شک ہوتی ہے لیکن کہا جائے۔"

"اماں ٹھیک ہے بات بالکل سچی ہے ایک بات کہیں۔ آجائے تو ذرا سینے سے لگا لینا۔"

"مجھے مل جاتا تو میں یہیں سینے سے لگا لیتا اسے۔ بلاوجہ دل چھوٹا کیا۔"

کوئی چار دن کے بعد ایک شام جب فاطمہ بیگم مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ دونوں لڑکیاں چھت پر دن کے دھلے ہو کپڑے الگنیوں سے اتار رہی تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ نسیم بیگم چونکہ باورچی خانے میں تھیں اس لئے حکمت علی خود ہی دروازہ کھول دیا۔

جمی کھڑا ہوا تھا۔ گردن جھکی ہوئی تھی۔ آنکھیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ حکمت علی نے آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر رکھ دیا۔

"آؤ جمی بیٹے آؤ۔"

"قسم اللہ پاک کی۔ اب اس دہلیز کے اندر قدم نہیں رکھیں گے۔ ہمیں مجبور نہیں کریں آپ چچا حکمت علی۔ جو کچھ گئے اس کا جرمانہ ادا کریں گے۔ جو بدتمیزی کری ہے ہم نے آپ سے۔ جب تک اس کی تلافی نہیں کریں گے آپ کو منہ دکھائیں گے۔ دادی اماں کو۔ اماں کو۔ اور ہماری دونوں بہنوں کو سلام کہہ دیجئے گا ہمارا۔ بس اب کچھ عرصے کے بعد ہی آ گے آپ کے پاس جب اللہ نے لانے کے قابل کیا۔ آخری سلام کرنے آئے ہیں۔"

"ارے پاگل ہو تم بلاوجہ میری باتوں کا اتنا اثر لیا تم نے۔ بیٹے جو کچھ تم نے کہا تھا سچ ہی تو کہا تھا۔ جھوٹ تو نہیں تھے اور ہم نے اس سچ کا اعتراف کر لیا۔ ہم نے کون سا احسان کر دیا تم پر۔"

"زیادہ باتیں نہیں کریں گے ہم چچا حکمت علی۔ بس سلام خدا حافظ۔" جمی نے کہا اور تیزی سے واپس مڑ گیا۔ حکمت نے منہ سے ہولے ہولے آوازیں نکالیں اور اس کے بعد خاموش ہو گئے۔ پھر گردن جھٹک کر دروازے سے اندر آ گئے

❊

پروانہ صاحب اور شمع بیگم کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ امداد بیگ کے گھر سے پہنچے تھے تو اس طرح جیسے کسی عزیز کی میت دفن واپس آئے ہوں۔ شمع بیگم خود بھی نرم مزاج اور کسی کے لئے برا نہ کہنے والوں میں سے تھیں۔ پروانہ صاحب تو تھے: چارے شعر و شاعری کی دنیا کے انسان لیکن امداد بیگ اور غوثیہ بیگم نے جس بداخلاقی کا ثبوت دیا تھا اس کی مثال ملنا مشکل دونوں دیر تک ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے اور طاہر جو کسی کام سے نیچے آیا تھا حیرانی سے رک کر ان کی صورت تم رہا۔ ہمت نہیں پڑی تھی کہ اندر جا کر اپنا دہ کام کرے۔ دونوں کے چہروں پر کچھ ایسی ہی پژمردگی طاری تھی۔ طاہر رک گیا۔ مجرمانہ حرکت تھی لیکن دل نہ مانا۔ سنوں تو سہی ایسی کیا بات ہے کیا پریشانی لاحق ہے ان دونوں کو۔ پروانہ صاحب بولے۔

"بھئی شمع بیگم۔" "نفس اداس ہے کچھ تو کہو۔"

"کیا کہوں۔ انسان چند سکوں کی کھنک سے اتنا برا ہو جاتا ہے۔"

"شمع بیگم پرانی باتیں کر رہی ہو۔ اب کہاں سکے اور کہاں کھنک اب تو کاغذ کی کڑکڑاہٹ انسانیت کا معیار قائم کر سکوں کا دور تو چلا گیا۔"

"چھوڑیئے پروانہ صاحب' دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ایک آس لگائی تھی۔ ایک امید باندھی تھی۔ سوچا تھا کہ قد ملے پلائے دو بیٹے دے دیئے ہیں۔ دونوں کی خوشیوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ دن عید اور رات شب برات ہو جائے گی۔ اپنے ہاتھوں نہیں بنتی۔ کیا کہیں تقدیر بنانے والے سے۔"

"اصولی طور پر تو شمع بیگم۔ امداد بیگ صاحب نے ٹھیک ہی کہا۔ واقعی وہ معیاری انسان ہیں اور بہر طور ہم غیر معیا ۔ کیا ہے ہمارے پاس۔ شعور اور طاہر کا معاملہ۔ صحیح معنوں میں ایسا ہی ہے جیسا امداد بیگ نے کہا۔ ہم اپنی آنکھوں ہیں دنیا کو۔ اور دنیا کی آنکھوں سے دنیا کو دیکھا جائے تب کہیں صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ چلو ٹھیک ہے یہ بھی اچھا ہوا کہ

بات نہ ہوئی اگر ہم کہیں شعور سے یہ کہہ کر جاتے کہ فوزی کے لئے اس کا رشتہ لے کر جا رہے ہیں اور اس کے بعد ہماری اس طرح سے واپسی ہوتی تو صحیح معنوں میں زمین میں گڑ جانے والی بات تو وہ تھی۔ اب کم از کم اتنا تو ہوا ہے کہ ان بچوں کو کچھ پتہ ہی نہیں۔ خاموشی سے اس بات کو پی کر بیٹھ جاؤ شمع بیگم کوئی تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ سے بھی میں یہی کہنے والی تھی۔ بلکہ اب ایک کام کیجئے گا۔"

"کیا۔۔۔؟" پروانہ صاحب نے پوچھا۔

"اگر کبھی اتفاق سے بچے ذکر نکال ہی بیٹھیں تو آپ امداد بیگ صاحب کی مخالفت کیجئے۔ کچھ ایسی باتیں نکال بیٹھئے ان کے سامنے جس سے ان کے دلوں میں امداد بیگ کے خلاف نفرت پیدا ہو۔ انہیں یہ پتہ چل جائے کہ امداد بیگ صاحب بے حد مغرور انسان ہیں اور اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں کوئی حیثیت دی جائے۔ فوزی کے بارے میں بھی دو چار ایسی باتیں کر ڈالیں کہ بچے کے دل سے یہ احساس نکل جائے۔"

"چھوڑیئے شمع بیگم کیا فائدہ گناہ مول لینے سے جس نے جو کیا وہ جانے اور اس کا خدا جانے۔ کوئی ہے دروازے پر ذرا دیکھئے۔" پروانہ صاحب بولے اور طاہر نے جلدی سے ایک لمبی چھلانگ لگا دی۔ پھر سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔ لیکن ساری صورت حال سمجھ میں آ گئی تھی اور سب کچھ پتہ چل گیا تھا۔

شعور کی کیفیات کا تجزیہ کیا تو خود اس کی اپنی آنکھ سے آنسو نکل آئے۔ عجیب نوجوان تھا یہ' دنیا کے لئے بے ضرر اور ہمیشہ اپنی ذات کے لئے ضرر رساں۔ کبھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ ہر ایک کے لئے دل میں چوٹ کھائی۔ ہر ایک کا غمگسار اپنے غم کا شکار ہوا تو کوئی غم گسار نہ ملا۔ پوری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ نجانے کہاں سے شمع بیگم کو یہ علم ہو گیا تھا کہ شعور کے دل میں فوزی آ بسی ہے۔ سادہ دل لوگ تھے۔ محبت میں ڈوبے ہوئے رشتہ بھی لے کر پہنچ گئے' اور امداد بیگ صاحب نے ٹکا سا جواب دے دیا۔ بس یہ ساری کہانی تھی جو ایک لمحے میں سمجھ میں آ گئی تھی۔ ان دونوں کی عزت اور وقار اور ان کا مقام طاہر کے دل میں بے پناہ بڑھ گیا۔ لیکن شعور کے بارے میں غور کیا تو شدید افسردگی کا شکار ہو گیا۔

آہ کاش ایسا ہو جاتا۔ کم بخت نے زندگی میں پہلی بار تو اپنے لئے کچھ چاہا تھا۔ اپنے لئے کچھ سوچا تھا۔ بدنصیب کہیں کا کچھ بھی تو نہ پا سکا اپنی زندگی میں۔ نہ ماں باپ نہ بہن بھائی اور نہ چاہت کا وہ حصہ جس کا آغاز جوانی میں ایک بار ہوتا ہے اور اس کے بعد یہ احساس ہمیشہ کے لئے قبر کی تاریکیوں میں جا سوتا ہے۔ قسمت نے یاوری کی تو روشنی کی جانب قدم بڑھ گئے اور اگر قسمت نے ساتھ چھوڑ دیا تو پھر ساری زندگی مایوسیوں کے بھنور میں چکر لگاتے گزرتی ہے۔ بہت دیر تک وہ شعور کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر اچانک ہی شعور نمودار ہو گیا۔

دفتر سے دیر سے واپسی ہوئی تھی۔ ہنستا مسکراتا ہی آیا تھا۔ طاہر اسے دیکھ کر حسب معمول شوخیاں کرنے لگا لیکن آج کی ان شوخیوں میں ایک اضمحلال تھا جسے طاہر کی فطرت کے خلاف تصور کر کے شعور فوراً ہی چوکنا ہو گیا۔ طاہر اس دوران بہت کچھ سوچتا رہا تھا۔ شعور کو دھوکے میں رکھنا مناسب نہیں تھا۔ شعور نے چائے پیتے ہوئے طاہر کو بغور دیکھ کر کہا۔

"کیا بات ہے عزیزم۔ آج ان شرارتوں کے پس پردہ کوئی ایسی انوکھی بات پوشیدہ ہے جو مضطرب کر رہی ہے۔ کچھ ہے چھپانا ہو گے تو اعتراف کرتا ہوں کہ کبھی نہیں پوچھوں گا۔ بتا دو گے تو دوستی کی قدر کروں گا۔ رشتوں ناتوں کو تو چھوڑو۔"

طاہر نے چند لمحات کے لئے خاموشی اختیار کی۔ پھر بولا۔

"شعور شاید کسی طرح چچی جان نے تمہارے دل کا حال جان لیا تھا۔"

"کک کیا مطلب؟" شعور چونک کر بولا۔

"پتہ نہیں' کیسے انہیں معلوم ہوا۔ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ میں نے اس بارے میں کبھی کوئی بات اپنے منہ سے نہیں لی۔ لیکن انہیں یہ پتہ چل گیا کہ تم فوزی کو چاہنے لگے ہو۔"

"ارے باپ رے۔ انہیں کیسے پتہ چل گیا۔ طاہر اگر تم اتنی قسمیں نہ کھاتے تو پھر میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ مارے علاوہ یہ بات بھلا انہیں کون بتا سکتا ہے۔"

"ہاں شعور تمہاری دوستی کی قسم میں نے انہیں یہ نہیں بتایا۔ ہو سکتا ہے کبھی خود ہی انہوں نے ہماری باتیں سن لی ہوں۔

میں قسم کھاچکا ہوں کہ میں نے اس بارے میں کبھی ان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔"
"تو پھر ہوا کیا میرے بھائی۔ عجب مخمصے میں گرفتار کر دیا تم نے مجھے۔"
"شمع بیگم اور پروانہ صاحب تمہارے رشتے کے لئے امداد بیگ کے گھر پہنچ گئے تھے۔"
"ایں۔ شعور کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔
"ہاں۔۔۔ انہوں نے اپنی سادہ دلی سے کام لیتے ہوئے امداد بیگ صاحب سے تمہارے اور فوزی کے رشتے کی بات کی۔"
"تو پھر؟" شعور خوفزدہ لہجے میں بولا۔
"ظاہر ہے انہوں نے منع کر دیا ہو گا۔ ویسے بھی محلے بھر میں بے انتہا مغرور مشہور ہیں۔ ہمیشہ غرور بھری گفتگو کرتے ہیں۔ ایک سڑی سی نوکس ویگن کیا خرید لی ہے یا گھر میں ٹیلی فون کیا لگوا لیا ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ بینک بیلنس بھی ہو لیکن انسانوں انسان سمجھنے کے عادی ہی نہیں رہے۔ یار میں تو اس بات پر خوشی محسوس کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر خدانخواستہ فوزیہ سے تمہا شادی ہو بھی جاتی تو سب سے پہلا کام جانتے ہو امداد بیگ صاحب کیا کرتے۔"
"کیا کرتے؟" شعور نے بیٹھ کر طاہر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"سب سے پہلے ہم دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دیتے یہ شرط پیش کرتے اس شادی کی کہ طاہر جیسے بے ہودہ اور معیاری آدمی کو وہ کسی بھی طور اپنے قریب برداشت نہیں کر سکتے۔"
"اور۔۔۔"
"بس اور کیا۔ تم سے یہی کہا جاتا کہ میاں کرائے پر رہتے ہو' یہاں آجاؤ' اس گھر میں کئی کمرے خالی پڑے ہوئے ہیں داماد رہو۔"
"اور۔۔۔" شعور بدستور مسکراتے ہوئے بولا۔
"یار تو مسکرا رہا ہے اور میرا خون کھول رہا ہے۔ آخر انہیں جرات کیسے ہوئی یہ رشتہ ٹھکرانے کی۔"
"واہ زبردست یار طاہر' ایک بات کہوں' سچ مان لے گا میری بات کو۔"
"بول بول مگر ہونی سچ چاہئے۔ تیرے منہ سے جو بات نکلے گی نا اس میں سچ اور جھوٹ کا پتہ میرے علاوہ اور کوئی نہیں سکتا۔ جانتا ہے تیرے وجود کا ایک حصہ ہوں۔
"میرے دوست تجھ سے سچ ہی بولوں گا۔ غلط فہمی کی ہمت نہیں ہے اس وقت' یہ جو عمر ہوتی ہے نا میرا مطلب ہے ہم عمر کے لوگوں کی۔ یہ عمر ہوتی ہی کم بخت ایسی ہے ہر حسین چہرہ اچھا لگتا ہے۔ ہر طرف دل راغب ہو جاتا ہے۔ دوسرے کو نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں جو اصل میں ہماری اپنی نگاہ ہوتی ہے۔ ایسے کھیل ہوتے رہتے ہیں طاہر۔ یہ کوئی خاص بات نہیں تمہیں پریشان ہونا چاہئے نہ میں پریشان ہوں۔ میں تو تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ ہم بے خانماں لوگوں کو۔ کون عزت کی نظر دیکھ سکے گا۔ وہ تو شمع پروانہ ایسے لوگ ہیں جن کا تعلق اس بری دنیا سے ہے ہی نہیں۔ لگتا ہے آسمان سے اترے ہوئے سیدھے چلے آئے ہیں بے چارے اور رل گئے ہیں انہیں ہم جیسے پریشان کرنے والے شیطان۔ مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میرا رشتہ ٹھکرا دیا گیا۔ حقیقت تو میں اسی وقت جان گیا تھا ان لوگوں کی اخلاقی کیفیت کی۔ جب وہ مجھے چائے پر بلا کر کے سارے لوگ گھر سے غائب ہو گئے تھے۔ چھوڑ یار طاہر اگر کوئی کائنات کی سب سے قیمتی شے مجھے دے کر کہے کہ علیحدگی اختیار کر لو یار کوئی قسم نہ کھلوا' بس یوں سمجھ لے ساری کائنات میں آگ لگا دوں گا تیرے لئے کیا سمجھا۔ اب ایک پیالی چائے اور دے مجھے' ذرا گرم ہونی چاہئے سمجھا۔"
طاہر نے ایک گہری سانس لی۔ شعور کی اس مسکراہٹ کے پیچھے جو زخم رس رہے تھے اگر طاہر کی نگاہوں سے جاتے تو پھر دوستی کا معیار ہی کیا رہ جاتا یہ وہ شخص تھا جو زخموں سے چور ہونے کے باوجود مسکرا سکتا تھا۔ قہقہے لگا سکتا تھا۔ ہر قہقہے میں اس کے دل کے زخم چیخ رہے ہوتے تھے اور اس وقت بھی اس کی مسکراہٹ کے پیچھے شکست خوردگی آنسو تھی۔ طاہر چائے کی خالی پیالی لے کر باورچی خانے کی جانب چلا گیا۔

* * *

امداد بیگ صاحب نے شمع اور پروانہ صاحب کو ٹکا سا جواب دے دیا تھا۔ اس بات پر دونوں میں سے کوئی بھی شرمندہ نہیں تھا۔ فوزی کے مزاج کو بھی وہ لوگ جانتے تھے۔ فوزی خود بھی روشنی میں رہنے کی عادی تھی اور اسے ایک روشن دنیا پسند تھی۔ ماں بیٹی کا مزاج یکساں تھا۔ امداد بیگ صاحب اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ جب بھی فوزی کے لئے کسی رشتے کی ضرورت پیش آئی تو معیار کو سامنے رکھنا ہو گا۔ فطری طور پر وہ بھی برے انسان نہیں تھے اور انسانوں کو انسان ہی سمجھتے تھے۔ لیکن کیا کرتے مزاج بن گیا تھا اور ظاہر ہے اس دنیا سے زیادہ اپنے گھر کی فکر تھی۔ بیوی اور بیٹی کا مزاج پوری طرح سمجھتے تھے۔ اگر ان لوگوں کو نرم لہجے میں بھی جواب دے دیا جاتا تو غوثیہ بیگم کا منہ بن جاتا۔
بہرحال اس بات سے وہ مطمئن تھے۔ فوزی کو اس بارے میں بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔ اس لئے کہ پہلے جمن بی بکواس کر چکی تھیں اور غوثیہ بیگم نے انہیں ڈانٹ دیا تھا۔ اب یہ شمع پروانہ صاحب آگئے۔
اتفاق کی بات یہ کہ دوسرے یا تیسرے دن ہی احمد یار صاحب کا پیغام اختر دلیپ کی زبانی پہنچا۔ کسی کام سے غوثیہ بیگم نے اسے بھائی کے گھر بھیجا تھا۔ وہاں کچھ گرما گرمی ہو رہی تھی اور ٹیلی فون کی بجائے اختر دلیپ کے ہاتھ ایک پرچا احمد یار خان صاحب نے لکھ کر بھیجا۔ یہ پرچا امداد بیگ صاحب کے ہاتھ میں پہنچا تو غوثیہ بیگم فوراً ہی سر پر پہنچ گئیں۔
"کیا بات ہے خیریت کس نے بھیجا ہے کیا لکھا ہے؟"
"اگر اجازت ہو تو پہلے لفافہ کھول لوں یا اس سے پہلے آپ کو بتانا ضروری ہے؟"
"ارے میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ بھائی جان نے بھیجا ہے کیا کیا لکھا ہے؟"
"کمال ہے بھئی۔ میں نے اب ایسی جلد بازی بھی کہیں نہیں دیکھی۔ ذرا پڑھ لوں تو بتاتا ہوں۔" امداد بیگ صاحب نے لفافہ چاک کر کے پرچا پڑھا۔ لکھا تھا۔
"میں تم دونوں سے مخاطب ہوں۔ آخر کیا سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے۔ کیا سوچا ہے اس بارے میں۔ یعنی بیٹی والے ہو کر ایسی لاپروائی کر رہے ہو۔ ایسے رشتے کیا بار بار ہاتھ آتے ہیں۔ نجانے کن کن مشکلات کا سامنا کر کے میں نے اپنے ماموں کا فرض نبھایا ہے۔ محمود علی صاحب کہہ رہے تھے کہ یہ امداد بیگ صاحب ذرا کچھ نک چڑھے معلوم ہوتے ہیں۔ بھئی آخر کیا سوچا ہے تم نے غفران علی صاحب کے بارے میں۔ میں نے اس دن بھی تمہیں بتا دیا تھا کہ وہ اس کام کی تکمیل کر کے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ نعمان کو تم لوگ کیا سمجھتے ہو۔ کل اگر کسی اخبار میں اشتہار دے دیا جائے تو ایک درجن رشتے پہنچ جائیں گے مگر تم ہو کہ تمہارے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ میں کہتا ہوں کہ بیٹی کے مستقبل کا کوئی خیال تم لوگوں کو ہے یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو پھر مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ آخر میرا خون ہے میری بھانجی ہے وہ۔ سب لوگ ہی کہہ رہے تھے کہ امداد بیگ اور غوثیہ تو کانوں میں تیل ڈال کر بیٹھ گئے ہیں۔ کیا ارادہ ہے آخر؟ مجھ سے بات کرو۔ فوراً مجھ سے آکر ملو۔ رات کو آٹھ بجے تمہارا انتظار کروں گا۔ کھانا یہیں پر کھانا۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ غفران علی صاحب کو بھی بلا لوں لیکن تم لوگوں کی خاموشی نے ذرا پریشان کر دیا ہے۔ اب ذرا تم لوگوں سے بات کرنے کے بعد ہی ان سے بات کروں گا۔ شام کو سات ساڑھے سات بجے تک پہنچ جانا۔ میں اس وقت کہیں جا رہا ہوں ورنہ ابھی تم لوگوں کی طلبی ہو جاتی۔"

احمد یار خان

امداد بیگ صاحب نے زور زور سے یہ خط پڑھا تھا۔ فوزی بھی ایک سمت موجود تھی اور یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ اس کا دل عجیب انداز سے دھڑک رہا تھا۔ امداد بیگ صاحب نے چونک کر ادھر دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔
"چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ فوزی نے یہ خط سن لیا۔ بعض کام بڑے صحیح وقت پر ہو جاتے ہیں۔"
"بھئی غوثیہ بیگم دل تو میرا یہ چاہتا ہے کہ فوزی کو اپنے سامنے بٹھا کر اس سے یہ سوال کروں کہ احمد یار خان صاحب نے اس کے لئے نعمان علی کا رشتہ تلاش کیا ہے اور وہ لوگ جلد سے جلد یہ شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ اس کی کیا رائے ہے لیکن ابھی ہمارے معاشرے میں باپ بیٹیوں کے درمیان یہ پردہ باقی ہے۔ غوثیہ بیگم ہمیں آٹھ بجے وہاں پہنچنا ہے۔ تم اس سلسلے میں فوزی سے بات کر کے مجھے بھی جواب دے دو مگر ایک چیز بڑی پریشان کن ہے۔"
"وہ کیا؟" غوثیہ بیگم نے پوچھا۔

"بھئی ان لوگوں کے شایان شان انتظامات کرنے پڑیں گے۔ ہم آخر ایسے ہی تو بیٹی کو نہیں بیاہ سکتے۔"

"تو کون سی ایسی چیز باقی ہے جو فوزی کے لئے نہیں خرید لی ہے ہم نے۔ بتائیے کیا نہیں ہے ہمارے پاس۔ بس چھوٹے موٹے سے اخراجات ہی تو رہ جاتے ہیں۔ تو آپ بے فکر رہیں۔ میں نے اس کا انتظام کر کے رکھا ہے میں کروں گی یہ سب کچھ ـ"

"ہوں' جائیے آپ فوزی سے بات کر لیجئے۔ اس کے بعد مجھے جواب دیجئے۔ تاکہ میں رات احمد یار خان صاحب کو بتا سکوں کہ ہمارا ارادہ کیا ہے۔"

"آؤ فوزی۔" غوثیہ بیگم نے کہا۔ فوزی کے بدن میں سنسناہٹ سی پیدا ہونے لگی۔ ایک لمحے میں اس کے ذہن میں نجانے کیسے کیسے تصورات ابھر آئے تھے۔ غوثیہ بیگم اسے لئے ہوئی دوسرے کمرے میں پہنچ گئیں۔

"اتنی ناسمجھ نہیں ہو فوزی کہ اس دن کی ملاقات اور باتوں سے تم نے صورت حال کا اندازہ نہ لگایا ہو۔ بھائی جان نے تمہارے لئے نعمان کا انتخاب کیا ہے۔ لندن میں رہتے ہیں یہ لوگ۔ غفران علی صاحب کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ شان و شوکت ہی سے تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ محمود علی صاحب نے یہ رشتہ لگایا ہے اور محمود علی احمد یار بھائی کے بہت پرانے دوست ہیں۔ بیٹی!؟ اکلوتی بیٹی ہو تم ہماری۔ لیکن ماں باپ کی سب سے بڑی آرزو یہی ہوتی ہے کہ اولاد جس قدر چین پائے اتنی ہی ماں باپ کی خوشی ہوتی ہے۔ تمہیں لندن جانا ہو گا۔ زندگی ہی بدل جائے گی۔ عیش و عشرت کی گود میں جھولا جھو گی۔ بھلا اس سے زیادہ ہمارے لئے خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

فوزی ساکت بیٹھی رہی۔ اس وقت بھی ذہن کے پردوں سے شعور گزر رہا تھا۔ آج پہلی بار اسے یہ احساس ہوا تھا کہ شعو کی ذات میں کوئی ایسی بات پوشیدہ ہے جو جی کو لگتی ہے اس کے مقابلے میں نعمان تھا۔ شعور سے کہیں زیادہ دولت مند' عیش عشرت کا رسیا' لندن میں ظاہر ہے ایسے ہی تو زندگی نہ گزار رہا ہو گا اپنا گھر بار اور پھر لندن کی کہر لی فضا۔ لندن کی وہ پر اسر کہانیاں جو اپنے دلکشی کا ایک آسمان رکھتی تھی تصور میں بھی نہیں تھا کہ کبھی زندگی لندن میں گزارنے کا موقع ملے گا۔ ای جانب ایک پر فضا اور خوش رنگ زندگی۔ دوسری جانب اپنی گلی کا وہ ایک چھوٹا سا گھر جو شعور کے پاس کرائے پر تھا۔ کیفیت ز و آسمان ہی کی تھی لیکن اس زمین میں بھی ایک نشست تھی۔ جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے گردن جھکا سوچتی رہی۔ غوثیہ بیگم کی آواز ابھری۔

"اور اس کے بعد یوں سمجھ لو کہ تمہاری زندگی میں ایک ایسا حسین آغاز ہو جائے گا جس کے ہم نے خواب بھی نہ د ہوں گے۔ فوزیہ زندگی روشنی کا نام ہے۔ تاریکیوں میں بسر کرنے والوں سے پوچھو کہ کس طرح ان کی زندگیوں میں کرب واذ

کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہنے کو کچھ بھی کہہ لیا جائے۔ لیکن انسان کی اولین ضرورت دولت ہے۔ دولت زندہ رہنے میں مدد دیتی ہے اور زندگی میں چار چاند لگا دیتی ہے اس کے برعکس محبتوں کو میں نے چارپائیوں پر سسکتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ محبتیں اذیت سے تڑپتی دم توڑ دیتی ہیں۔ دولت ہے تو یوں سمجھ لو کہ زندگی کی ہر خوشی قدموں میں ہے اور احمد بھائی نے تمہارے لئے وہی سب کچھ چنا ہے جو وہ اپنی بیٹیوں کے لئے چن سکتے تھے ہم ان کی نیت پر کوئی شک نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کی بات سے انحراف کرنا چاہتے ہیں مگر تمہارے ڈیڈی نے تم سے پوچھنے کی بات کی ہے تو میں ہاں یا نہیں میں تمہارا جواب چاہتی ہوں۔۔۔"

فوزی کے دل و دماغ میں ہیجان برپا ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی نعمان کا تذکرہ وہ اسی انداز میں سن چکی تھی اور اس سے پہلے بھی اس نے نعمان اور شعور کا موازنہ کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شعور کے اندر ایک ایسی انوکھی کشش پوشیدہ تھی جو دل کو اس کی جانب کھینچتی تھی لیکن دوسری بات کو بھی فوزی نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ شعور اور طاہر پروانہ صاحب کے کرائے دار تھے۔ ان کی چھت پر بنے ہوئے ایک چھوٹے سے کمرے میں کرائے پر رہتے تھے۔ نہ کوئی بہتر زندگی نہ کوئی بہتر معیار کسی طور بات بنتی ہی نہیں تھی۔ کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں تھا جس سے شعور کو ایک دم کوئی سنہرا مستقبل مل جائے۔ دور دور تک ایسا کوئی اجالا اس کی زندگی میں نہیں تھا۔ ان حالات میں اگر اس کے بارے میں غور بھی کیا جائے کچھ سوچا بھی جائے تو دنیا صرف مذاق اڑائے گی۔ اس کے علاوہ اور کوئی کچھ نہ کر سکے گا۔ عشق و محبت کی یہ کہانیاں افسانے کی حیثیت تو رکھتی ہیں لیکن حقیقی زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے احمقانہ قسم کے عشق اخبارات میں خبروں کی زینت بے شک بن جاتے ہیں لیکن ان کے انجام کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ والدین اگر ایک روشن مستقبل کی جانب روانہ کر رہے ہیں تو اسے ٹھکرانے کا تصور بھی نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ یہ دوسری بات تھی کہ اس سے اچانک ہی یہ سوال کر ڈالا گیا تھا اور اس کا جواب بھی فوراً ہی مانگا گیا تھا۔ اس لئے ذرا سی ہچکچاہٹ ذرا سی شرم اور ذرا سی بوکھلاہٹ راستہ روکے ہوئے تھی۔ لیکن کتنا ہی غور کیا جائے یہ بات مسلم تھی کہ فیصلہ انہی لوگوں کا درست ہے اور فوزی اگر اس سے مختلف انداز میں سوچتی ہے تو یقینی طور پر کھلی حماقت۔ لندن کی کہانیاں نگاہوں میں رقصاں ہوئیں اور اپنے آپ کو نعمان کے ساتھ ان چمکدار بارش میں بھیگی ہوئی سڑکوں پر دیکھا تو پورے وجود میں گدگدی سی دوڑ گئی۔ ماں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ غوثیہ بیگم نے کہا۔

"اتنا پس و پیش کیا معنی رکھتا ہے۔ فوزی بتانا پسند کروں گی؟"

"آپ بھی عجیب باتیں کرتی ہیں امی۔ میں اس قسم کی احمقانہ باتوں میں کیا حصہ لے سکتی ہوں۔ یہ فیصلے تو والدین کو کرنا ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے میں آپ سے سرکشی کرتی ہوں۔ ابو سے اپنی پسند کی چیزیں مانگتی ہوں لیکن آپ لوگوں سے آپ کے ان فیصلوں کا حق تو نہیں چھین سکتی۔"

"ہیں۔۔۔ گویا گویا تم نے ہمارے فیصلوں سے اختلاف نہیں کرتیں؟"

"نہیں امی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اتنے بڑے فیصلے میں اپنی عقل پر بھروسہ کر کے نہیں کر سکتی۔ آپ لوگ جو کچھ کریں گے مجھے خوش دلی سے منظور ہو گا۔"

غوثیہ بیگم مسرت سے دیوانی ہو گئی تھیں۔ اول تو دولت مند بھائی کا لگایا ہوا رشتہ تھا۔ غوثیہ بیگم بھائی کو کسی طرح ناراض نہیں کر سکتی تھیں۔ پھر دیسے بھی غفران علی صاحب کی شخصیت' نعمان کا لندن میں رہنا' بٹی بیاہ کر لندن جائے گی' یہ سارے تصورات بہت دلکش تھے۔ خوشی خوشی امداد بیگ کے پاس واپس آ گئیں اور فخریہ انداز میں بولیں۔

"ہم لوگوں کو کیا سمجھتے ہیں آپ؟"

"خدا خیر کرے' خیریت۔؟" امداد بیگ صاحب چونک کر بولے۔

"ساری باتیں اپنی جگہ' فوزی ہماری بیٹی ہے۔ ٹھیک ہے آپ سے ضد بھی کرتی ہے اپنی پسند کی چیزیں بھی مانگتی ہے۔ کہنے لگی کہ میں اپنے ماں باپ سے ان کے فیصلوں کا حق کیسے چھین سکتی ہوں۔ جو فیصلہ کریں گے وہی بہتر ہو گا۔"

"گویا وہ تیار ہے۔"

"بس تیار کیا ہے۔ اس نے فیصلے کا حق ہمیں دے دیا ہے اور کہا ہے کہ اسے ہمارا ہر فیصلہ خلوص سے قبول ہو گا۔"

"احمد بھائی کو ٹیلی فون کر دو ان سے پوچھو کہ کیا کرنا ہے ہمیں؟"

غوثیہ بیگم خوشی خوشی ٹیلی فون کی جانب بڑھ گئیں۔ احمد یار خان صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ دوسری طرف سے غالبا جواب کا انتظار ہی کیا جا رہا تھا۔

"بڑے غور و خوض ہو رہے ہیں۔ یعنی میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

"نہیں بھیا جان آپ نے جو کچھ کہا ہے اسی کی تو اہمیت ہے بس باقی اور کیا ہے؟"

"تو پھر کیا فیصلہ کیا تم لوگوں نے؟"

"فیصلہ آپ کر چکے ہیں ہمیں تو پہلے ہی روز سے منظور تھا ہم تو احکامات کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ کی طرف سے کیا حکم ہے؟"

"جیتی رہو' اچھا ایسا کرو شام کو سب لوگ آجاؤ کھانا یہیں کھانا ہے' اپنے آپ کو تیار کر کے آنا' تاریخ وغیرہ طے کر دیں گے۔ ان لوگوں کے پاس بھی زیادہ وقت نہیں ہے۔ ساری باتیں آج ہی کر لیں گے اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس قدر جلد یہ کام ہو جائے اچھا ہے بھئی دیکھو ناں ناواقف لوگ ہیں ہمارے ہاں کے ماحول سے واقف نہیں ہیں۔ اب اس دور کو دیکھو کتنی لڑکیاں گھروں میں بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں۔ نہ والدین کے پاس وسائل ہیں اور نہ ہی ایسے رشتے آتے ہیں۔ اچھے رشتوں کا تو فقدان ہے میں تو کہتا ہوں کہ تقدیر سے یہ موقع ملا ہے۔ بس اور کیا باتیں کروں۔ آجاؤ سارے انتظامات یہیں ہو جائیں گے۔"

غوثیہ بیگم شام کو چھ بجے ہی بھائی کے گھر پہنچ گئیں۔ فوزی کو بھلا کہاں چھوڑا جا سکتا تھا اور ویسے بھی احمد یار خان صاحب کا بنگلہ بہت وسیع تھا۔ دو منزلہ تھا چنانچہ کوئی تکلیف کی بات تھی ہی نہیں۔ ساڑھے آٹھ بجے غفران علی صاحب' نعمان علی اور ان کی بیگم کے ساتھ آگئے۔ بڑا پرتپاک استقبال کیا گیا تھا ان کا۔ امداد بیگ صاحب نے بھی ہاتھ ملانے کے بجائے معانقہ کیا تھا دلچسپ گفتگو ہوتی رہی۔ احمد یار خان صاحب نے تجویز پیش کی کہنے لگے۔

"بھئی محمود علی صاحب میرے خیال میں پہلے کھانا کھا لیا جائے وہ جو ایک مثال ہے ناں کہ اول طعام بعدہ کلام۔ یہ زیادہ مناسب رہے گا۔"

"اصل میں غفران صاحب یہ چاہتے تھے کہ پہلے کوئی گڑ جیسی بات ہو جائے اس کے بعد باقی سارے معاملات ہوں۔"

"میاں شرفاء میں ایک ہی بات ہوتی ہے اور وہ میرا خیال ہے پہلے ہی دن ہو گئی تھی۔ اب یہ تو رسوات تھیں جو نبھانی تھیں۔ کیا کیا جائے پرانے لوگ جو رسمیں چھوڑ گئے ہیں ان کی پیروی تو کرنا ہی ہوتی ہے۔ ورنہ ہمارے درمیان تو پہلے ہی یہ بات طے ہو گئی تھی۔"

"گویا ہو گئی ناں گڑ والی بات۔ اب آئے گا کھانے کا مزا۔ بھئی غفران صاحب اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کھانا کھانے کے بعد جو مزے دار گفتگو ہوتی ہے اس کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔" محمود علی صاحب نے کہا۔ غفران صاحب ہنسنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے صاحبان آپ لوگوں کا مہمان ہوں جس طرح چاہیں۔"

پرتکلف کھانے کا اہتمام احمد یار خان صاحب نے کیا تھا۔ بہن کو بہت چاہتے تھے۔ امداد بیگ صاحب ذرا خود سر قسم کے آدمی تھے اس لئے سالوں کی زیادہ اعانت قبول نہیں کرتے تھے لیکن بہرحال احمد یار خان صاحب بہن کے منہ سے کبھی کچھ کہتے نہ تھے۔ ڈنر کے لئے زبردست اہتمام کیا گیا تھا۔ لندن والوں کو ذہن میں رکھا گیا تھا کھانے کی تعریفیں بھی ہوئیں اور اس کے بعد بزرگ اس بڑے کمرے میں آبیٹھے جہاں کافی کا اہتمام تھا اور یہی گفتگو کے آخر ہونے کے لمحات تھے اور یہ رشتہ انہی کا لگایا ہوا تھا چنانچہ آغاز گفتگو انہوں نے کیا۔

"حضرات میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ ہر دو صاحبان قطعی مفاہمت پر آمادہ ہیں۔ میری خواہش ہے کہ سارے معاملات وقت پر طے ہو جائیں تاکہ بعد میں کوئی پریشانی لاحق نہ رہے۔"

"ہاں ہاں بالکل اس میں کیا اعتراض کی بات ہے؟" احمد یار خان نے کہا۔

"تو پھر سب سے پہلی بات یہ ہے کہ شادی کی تاریخ کا کیا ہو گا؟"

"یہ آپ پر منحصر ہے جب ہم بیٹی آپ کو دینے پر تیار ہو گئے تو پھر یہ سارے فیصلے آپ کو کرنا ہوں گے۔"

"وہ جو کہتے ہیں کہ نیک کام میں دیر کیا۔ اسی مہینے کی آخری تاریخوں میں سے کوئی تاریخ رکھ لی جائے۔"

"بھائی جان ستائیس تاریخ کیسی رہے گی؟" غوثیہ بیگم نے کہا۔

"دن کیا ہو گا؟"

"جمعرات"

"بس تو پھر ٹھیک ہے ہمیں بھی اعتراض نہیں ہے۔"

"اور ولیمہ جمعہ کو کیا جائے گا۔" احمد یار خان صاحب نے کہا۔

"ولیمہ؟" غفران صاحب چونک کر بولے۔

"جی جی ولیمہ' کیا آپ ولیمہ لندن میں کرنا چاہتے ہیں؟" احمد یار خان نے کہا۔

"ہاں اصل میں میرا پورا حلقہ تو وہیں ہے لیکن اس کے باوجود اگر آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ یہاں کچھ ہو تو میرا خیال ہے جمعہ کے دن کسی ہوٹل میں ڈنر متعین کر لیا جائے۔ کتنے افراد ہو جائیں گے آپ لوگ؟"

"ویسے تو خاندان ہے پورا لیکن جیسا آپ پسند کریں۔"

"نہیں' نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کسی بھی ہوٹل میں انتظام کر لیا جائے گا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔"

"مہر کا کیا رہے گا؟"

"جو آپ لوگ پسند کریں۔" غفران علی صاحب بولے۔

"میں سوا لاکھ مہر باندھنا چاہتی ہوں۔" غوثیہ بیگم نے کہا۔

"ٹھیک ہے بھلا یہاں اعتراض کا کیا سوال ہے؟" غفران صاحب ہنس کر بولے۔

"مناسب بات ہے' اچھا پھر ایک مسئلہ اور رہ جاتا ہے۔ وہ کچھ لینے دینے کی بات ہوتی ہے بھئی دیکھئے ناں آپ لوگوں کے ہاں کی رسمیں ہیں۔ ہمارے ہاں تو شادی بڑی سادگی سے ہوتی ہے۔ شادی صرف شادی ہوتی ہے۔ لڑکے اور لڑکی کی نئی زندگی کا آغاز لیکن اب جیسا کہ آپ نے ولیمے کی بات کہی یا اور اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں تو یہاں کے ماحول کی بات بھی ہوتی ہے اصل میں میں یہ چاہتا ہوں کہ جو کچھ لینا دینا ہو نقد کی شکل میں ہو جائے۔ لڑکی کے لئے چند جوڑے ہو جائیں۔ باقی جو کچھ بھی اسے دینا ہے کیش دے دیا جائے۔ لندن میں ہمارے پاس رہائش گاہ موجود ہے اس کا ایک حصہ نعمان اور فوزیہ کے لئے ہو جائے گا۔ ہم اسے ڈیکوریٹ کر لیں گے۔"

غوثیہ بیگم نے امداد بیگ صاحب کی طرف دیکھا اور امداد بیگ کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں احمد یار خان کو دیکھنے لگے۔ احمد یار خان نے جلدی سے کہا۔

"یہ واقعی کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کے لئے پریشان ہوا جائے یا اس پر غور کیا جائے جو کچھ ہمیں دینا ہے نقد کی شکل میں دے دیں گے۔ ٹھیک ہے غفران علی صاحب ہمیں یہ بھی منظور ہے۔"

"تو میاں پھر کون سی ایسی بات رہ گئی ہے جس میں کوئی پیچ ہو۔ چلو سب گلے ملو۔ کھانا دانا کھا چکے ہیں لیکن اس کے باوجود مٹھائی ضرور کھائیں گے۔"

"مٹھائی حاضر ہے۔" احمد یار خان صاحب نے ہنس کر کہا۔

"تاریخ بھی طے ہو گئی ہے دیگر کوائف بھی طے ہو گئے۔ مہمانوں کو بڑے اہتمام و احترام کے ساتھ رخصت کیا گیا تھا۔ احمد یار خان صاحب بہنوئی کے تعاون سے خوش تھے لیکن امداد بیگ صاحب نے مہمانوں کے جانے کے بعد متفکر لہجے میں کہا۔

"بھئی احمد یار خان صاحب یہ آپ کی بہن صاحبہ جو ہیں نجانے کیا کیا الم غلم اکٹھا کرتی رہی ہیں۔ فوزیہ کے جہیز کے لئے۔ اس کا کیا ہو گا؟"

"اس سے آپ اپنا گھر سجا لیجئے امداد بیگ صاحب۔ فوزیہ کو تو نقد دینا ہی پڑے گا۔"

"مگر بھائی کیا نقد دینا پڑے گا؟"

"کتنی رقم آپ نقد مہیا کر سکتے ہیں؟"

"لیجئے بھئی میں نے تو یہ شادی کے اہتمام کے لئے کوئی ڈیڑھ دو لاکھ روپے جمع کر کے رکھے تھے بس باقی تو سارا زیورات ا جہیز کی شکل میں ہے۔"

"زیورات تو آپ اپنی بیٹی کو دیں گے ہی۔ باقی جو دو لاکھ آپ نے جمع کئے ہوئے ہیں وہ میرے حوالے کر دیجئے میں تین لاَ اس میں ملا دوں گا۔ ہمارا آپ کا کوئی حساب نہیں ہو گا۔" احمد یار خان صاحب نے کہا۔

غوثیہ بیگم کا سر فخر سے تن گیا۔ طنزیہ نگاہوں سے شوہر کی جانب دیکھا اور انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہوں۔ "دیکھا یہ ہو۔ ہیں بھائی خواہ مخواہ وہاں اس گندی گلی میں پڑے ہوئے ہو۔ میرے بھائی تو تمہیں کوٹھی اور بنگلہ بھی دے سکتے تھے۔" لیکن الفاظ آنکھوں سے ادا کئے گئے تھے۔ امداد بیگ صاحب واقعی اس بات سے متاثر ہوئے تھے کہ احمد یار خاں صاحب ؟ انتظامات کے ساتھ ساتھ تین لاکھ روپے کی نقد رقم بھی دے رہے ہیں۔ بہرطور اس دور میں یہ بڑی بات تھی۔ خاموش ہو اور سر احسان مندی سے جھکا لیا۔ احمد یار خاں نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اور اگر دو لاکھ میں بھی کوئی کمی ہو تو پوری کر لی جائے گی امداد بیگ بھائی آپ ہم سے کوئی الگ تھوڑی ہیں۔"

"بس احمد بھائی شکر گزار ہوں آپ کا۔ آج بہت سے احساسات ایک ساتھ ہو رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں کوئی بات نہیں ہے سارے انتظامات ہو جائیں گے۔ آپ لوگ بالکل بے فکر رہیں۔" احمد یار خان نے کہا

خوشیاں سب کے چہروں سے پھوٹی پڑ رہی تھیں۔ فوزی کے انداز میں بھی ناپسندیدگی بالکل نہیں تھی۔

ہاں رات کی تنہائیوں میں نجانے کیوں شعور ذہن سے بار بار گزر رہا تھا۔ ایک ہنستا مسکراتا دلکش چہرہ جس میں ایک کَ تھی ایک انوکھی جاذبیت تھی۔ اس کے عقب سے نعمان چلا آ رہا تھا۔ شعور جیسی کوئی بات اس میں نہیں تھی۔ حالانکہ لَ پروردہ تھا۔ اچھا لباس پہنتا تھا۔ اچھی شخصیت کا مالک تھا۔ لیکن نجانے کیوں شعور کی شخصیت اس پر بھاری پڑتی تھی۔ فوزؔ ذہن سے شعور کے تصور کو جھٹک دیا۔ لندن کی کہر آلود، برف آلود، بارش زدہ سڑکیں، بھیگا بھیگا ماحول، مدھم مدھم روشنیاں، لندن لندن۔ فوزی کی آنکھوں میں ایک ہی تصور ابھر رہا تھا اور شعور کا تصور آہستہ آہستہ اس تصور کے پیچھے گم ہوتا جار اب صرف نعمان اس کی نگاہوں میں تھا۔ اس نے اپنا حسین مستقبل نعمان سے وابستہ کر لیا تھا۔

شہباز کو پورے ایک سال کی سزا ہو گئی، مقدمے کا فیصلہ جس دن سنایا گیا جمیل احمد عدالت میں موجود تھے مگر اس فیے ان پر سکتہ طاری کر دیا تھا اور دل پر ایک بھاری پتھر آن گرا تھا۔ شہباز کٹہرے میں کھڑا اپنے والد کی طرف افسردگی سے ا تھا۔ کانسٹیبلوں نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگائی اور اسے عدالت سے باہر لے جانے لگے تو اس نے اپنے باپ سے خواہش کی تو کانسٹیبلوں نے اجازت دے دی، شہباز جمیل احمد کے قریب پہنچا۔

"میں آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں چلیں باہر آئیں۔"

بمشکل تمام جمیل احمد اپنی جگہ سے اٹھے اور عدالت سے باہر نکل آئے، شہباز نے باہر رک کر کہا۔

"یقیناً آپ کو اس فیصلے سے خوشی نہیں ہوئی مگر آپ کو خوش ہونا چاہئے۔ میرا خیال یہ تھا کہ کم از کم تین سال کی جائے گی اور شاید کچھ جرمانہ بھی ہو، سب سے زیادہ پریشان میں جرمانے کی وجہ سے تھا ہم لوگ کہاں سے دیتے یہ جرما! سرکاری وکیل صاحب نے اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ ہم بہت غریب لوگ ہیں اور جج صاحب نے درحقیقت ساتھ انصاف کیا، جرم تو میں نے کیا تھا ابو، اس میں تو کوئی شک کی بات ہی نہیں ہے لیکن ابو غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں، آ بہت زیادہ شرمندہ ہوں، آپ کی نیک نامی پر دھبہ لگایا ہے میں نے لیکن ابو سنا یہ جاتا ہے کہ۔ سرخرو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد۔

یہ ٹھوکر ہمیں سنبھال دے گی ابو، ایک سال کچھ نہیں ہوتا، آپ سے یوں تو اپنی زندگی میں بہت سی فرمائشیں کرتا آپ نے پوری بھی کی ہیں، ایک سرکش نافرمان اور برا بیٹا ہوں میں، لیکن فخر کرتا ہوں اس بات پر کہ اکلوتا ہوں،

فرمائش کرنا چاہتا ہوں ابو پوری کر دیں گے۔"

جمیل احمد صاحب نے آنسو بھری نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو شہباز نے کہا۔

"یہ سال، یہ ایک سال ابو ہمت اور مردانگی کے ساتھ گزار دیجئے، ماں اور فرزانہ کا خیال رکھئے گا۔ اپنی صحت اور تندرستی کا پورا پورا خیال رکھیئے گا، واپس آؤں گا نا ابو تو اپنی تمام غلطیوں کا ازالہ کر دوں گا انشاء اللہ، میں بھی جیل میں زندہ رہوں گا اور اپنا حساب لیتا رہوں گا، سوچنے کا موقع ملے گا مجھے اور اس کے بعد جب واپس آپ کی خدمت میں پہنچوں گا تو ایک نیا انسان بن کر، جس طرح بھی بن پڑا ابو محنت کروں گا مزدوری کروں گا، فرزانہ کی نوکری ختم کرا دوں گا اور آپ کو آرام سے بٹھا کر کھلاؤں گا، جو ہونا تھا ہو چکا، اس کا اختتام اسی جگہ ہونا تھا اور میں سمجھتا ہوں یہ بہتر رہا ہے، بتائیے میری ایک فرمائش پوری کر دیں گے، ہمت سے کام لے کر یہ ایک سال گزار دیں گے، گھر میں کسی قسم کا کوئی ایسا احساس نہیں پیدا ہونے دیں گے جو احساس کرنے والوں کو بیمار کر دے۔"

جمیل احمد صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے شہباز کے شانے پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے بولے۔

"خدا حافظ بیٹے، خدا حافظ۔"

پولیس والے شہباز کو لے کر جیل کی گاڑی کی جانب چل پڑے تھے، جمیل احمد صاحب اس وقت تک اس گاڑی کو دیکھتے رہے جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی، پہلے سے پتا چل گیا تھا کہ مقدمے کے فیصلے کا دن ہے لیکن کون کسی کے مسئلے میں ٹانگ اڑاتا ہے، کون کسی کے دکھ میں شریک ہوتا ہے، جمیل احمد صاحب تنہا ہی یہاں پہنچے تھے، ٹوٹے ٹوٹے قدموں سے گھر واپس چل پڑے۔

وہاں گھر میں ماں بیٹیاں، بیٹھی کلام پاک پڑھنے میں مصروف تھیں، ججن بی بھی آئی ہوئی تھیں، ان کے ہاتھ میں بھی سپارہ تھا۔ بس یہ دعائیں مانگی جا رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کرے، بہتر کرے، ایسی دعائیں نہیں مانگی جا سکتی تھیں جو نا قابل قبول ہوں۔

جب جمیل احمد صاحب گھر میں داخل ہوئے تو، سب کی سوالیہ نگاہیں ان کی جانب اٹھ گئیں تھیں، جمیل احمد صاحب آہستہ سے مسکرائے اور بولے۔

"ایک سال کی سزا ہو گئی ہے۔"

فریدہ بیگم کے حلق سے دلدوز چیخ نکلی، دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں، فرزانہ کی سسکیاں بھی روکے نہیں رک سکتی تھیں، ججن بی نے سپارہ بند کر کے رکھ دیا۔

جمیل احمد صاحب بے بس نگاہوں سے بیوی اور بیٹی کو دیکھنے لگے۔ خاموش ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ فریدہ بیگم کی دلدوز سسکیاں بہت دیر تک گونجتی رہیں، ججن بی دونوں کو سمجھا رہی تھیں، بیٹے کی سلامتی کی دعائیں کرنے کے لئے کہہ رہی تھیں۔ جمیل احمد صاحب نے ان دونوں کو رونے سے نہیں روکا، جانتے تھے کہ آنسو دل سے نکل رہے ہیں اور دل سے نکلنے والے آنسوؤں کو بھلا کون روک سکتا ہے، بھڑاس نکل جائے تو اچھا ہے۔

فریدہ بیگم نے روتے ہوئے جمیل احمد صاحب سے کہا۔

"سنا ہے جیل میں تو بہت مار پیٹ ہوتی ہے، کیا حال کریں گے وہ میرے بچے کا، میں نے تو سنا ہے کہ وہاں تنگ و تاریک کوٹھریاں ہوتی ہیں، جن میں مچھر، کھٹمل اور دوسرے حشرات الارض رینگتے پھرتے ہیں، نہ ڈھنگ سے کھانے کو ملتا ہے وہاں، بہت محنت کرنی پڑتی ہے، بچ جائے گا وہ ایک سال میں زندہ، مجھے کچھ بتائیے تو سہی، کیا کیا جائے گا جیل میں اس کے ساتھ؟"

"حوصلہ رکھو فریدہ بی بی، حوصلہ رکھو، اللہ سے دعائیں مانگو، اللہ زندگی سلامت رکھے۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا، ہائے بیچارہ بچہ کس مصیبت میں پھنسا، حوصلہ رکھو فریدہ، بیٹی فرزانہ تم ہی ماں کو سنبھالو، دیکھو تو کیا ہوا جا رہا ہے رو رو کر۔"

فریدہ بیگم نے جمیل احمد صاحب سے کہا۔

"آپ بولتے کیوں نہیں، کیا ہو گا۔ جیل میں اس کے ساتھ؟"

"زندگی بھر جھوٹ بولتا رہا ہوں فریدہ بیگم، زندگی بھر ایسی باتیں کرتا رہا ہوں جن پر تم نے یقین نہیں کیا، اب سوچتا ہوں کہ

کچھ کہوں گا تو یقین کروگی یا نہیں کروگی۔"

"کرلوں گی خدا کی قسم یقین کرلوں گی مجھے بتائیے تو سہی کیا ہوگا میرے بچے کے ساتھ وہاں؟"

"بس یوں سمجھ لو ایسا ہوگا جیسے ہم نے اس پر گھر کا دروازہ بند کردیا ہو' اس گھر کے اندر قید رہے گا وہ دروازہ سے باہر نہیں جا سکے گا' کوئی غلط کام نہیں کرسکے گا' غور کرے گا' سوچے گا جانتی ہو اس نے کیا کہا ہے' فریدہ بیگم تم نے میری بات کو سچ ماننے کا وعدہ کیا ہے' دلاسہ نہیں دے رہا تمہیں' خدا کو گواہ کر کے کہہ رہا ہوں' اس نے جو کچھ کہا ہے مجھ سے وہی دہرا رہا ہوں۔ تمہارے سامنے۔"

"کیا کہا ہے' جلدی بتائیے کیا کہا ہے؟"

"وعدہ لیا ہے اس نے مجھ سے' فرمائش کی ہے کہ یہ ایک سال صبر و سکون سے گزاروں' وہ واپس آئے گا تو اس کے ہاتھو پر نئے چراغ روشن ہوں گے' جن سے ہمارا یہ گھر منور ہو جائے گا' فریدہ بیگم اس نے نہ قتل کیا ہے کسی کو' نہ کسی کو مار پیٹ کا بج ہے' نہ کوئی ڈاکہ زنی کی ہے اس نے۔ ایسے کیس فور جری کیس کہلاتے ہیں اور ایسے کیسوں میں پکڑے جانے والے قیدیوں۔ ساتھ کوئی تشدد نہیں ہوتا' پھر وہ پڑھا لکھا لڑکا ہے اور جیل میں بہت سکون سے وقت گزارے گا' اس لئے اسے ذرہ برابر نقصا نہیں پہنچے گا اور غلط کہا ہے تم سے لوگوں نے جیل کے بارے میں' بے شک وہاں قید خانے ہوتے ہیں لیکن قیدی خود ہی ان صفائی ستھرائی کرلیتے ہیں' بس سخت سزا تو ایسے مجرموں کے لئے ہوتی ہے جن کی اصلاح ممکن نہ ہو' جو لڑائی' دنگا فساد' مار پیٹ کرتے رہتے ہوں اور دوسروں کو ان سے نقصان کا خطرہ رہتا ہو' شہباز بھلا ایسا کہاں ہے اور اب' اب تو اس نے یہی کہا ہے ابو یہ اچھا ہوا کہ مجھے ایک ٹھوکر لگ گئی' بس اب جب میں آؤں گا تو ایک نیا انسان بھی بن کر آؤں گا۔"

"اللہ میاں کریں ایسا ہی ہو۔" جمن بی نے کہا۔ پھر فرزانہ اور فریدہ بیگم کو تسلیاں دیتی ہوئی بولیں۔ "دیکھو بوا' جو کچھ ہو وہ ہو چکا' اب کم از کم اتنا تو کرو کہ اپنے آپ کو سنبھال لو' جی ہلکان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں' بس اللہ سے دعائیں مانگتی رہ اللہ اسے ہر آفت سے محفوظ رکھے۔"

جمن بی نے جانے کے بعد تقریباً" محلے کے ہر گھر میں یہ اطلاع پہنچادی کہ شہباز کو ایک سال کی ہوگئی ہے۔ شام کو تو تمام ہی لوگ جمیل احمد صاحب کے گھر کے سامنے جمع ہوگئے تھے' جمیل احمد صاحب ان کے درمیان پڑوسی آنے جانے لگے' تھے' کسی نے کہا۔

"بگاڑ تو تم نے خود ہی کیا تھا بھائی جمیل احمد' برا مت ماننا' اب تم دیکھو ناں' آدمی کو اپنے گھر میں دوسروں کو بھی سمجھنا چا تم نے اپنا سارا پیسہ لٹا دیا لونڈا بگڑتا نہ تو کیا کرتا' کبوتر بازی تو تم نہیں روک سکے' اپنی چار سو ممیاں الگ کرتا رہا وہ' غلطی تمہاری ہے۔" جمیل احمد صاحب نے خندہ پیشانی سے کہا۔

"ہاں بھائی بس انسان ہوں ہوگئی غلطی آپ بھی معاف کردیجئے آپ کو بھی تکلیفیں پہنچی ہیں' اس کی کبوتر بازی سے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم لوگ شرم نہیں آتی' ایک دکھے دل کو دکھانے کی کوشش کر رہے ہو بہت زیادہ شریف زاد ہو میاں' غلطی ہوئی' سزا ہوگئی' اماں دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو' ہمدردی کرنے آئے ہو کہ زخموں پر نمک چھڑکنے۔" غلام طرارہ آگیا۔ جس شخص نے یہ بات کہی تھی وہ خاموش ہوگیا' جمیل احمد صاحب آہستہ سے بولے۔

"نہیں بھائی کہنے دو کسی کے دل میں بھڑاس کیوں باقی رہے' باپ کا گناہ عموماً" اولادیں بھگتتی ہیں' یہاں بھی یہی ہوا ہے" حکمت علی نے آگے بڑھ کر جمیل احمد کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہم بے بس اور کمزور لوگ ہوتے ہیں جمیل احمد بھائی' اللہ کے فیصلے ہر حال میں مقدم ہوتے ہیں' آپ جو کچھ یہ لو رہے ہیں ان کی سنئے بیشک' لیکن خدارا خیال نہ کیجئے گا' بس جو ہونا ہوتا ہے' وہ ہو ہی جاتا ہے' تقدیر کے فیصلوں سے ٹ نہیں ہوتا' اب بہتر زندگی کی جانب قدم بڑھایئے' ایک سال چٹکی بجاتے گزر جائے گا۔"

"جتنے منہ اتنی باتیں' لیکن جمیل احمد صاحب خندہ پیشانی سے ہر ایک کی سنتے رہے اور انہوں نے کسی سے کوئی نہیں کی اس کے بعد لوگ آہستہ آہستہ منتشر ہونے لگے۔

*

غوثیہ بیگم کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے' حالانکہ ساری باتیں طے ہوگئیں تھیں' جہیز وغیرہ نقدی کی شکل میں دینا تھا لیکن پھر بھی تھوڑے سے زیورات' کپڑے' دولہا کا سامان' یہ ساری چیزیں تو ہونا ہی تھیں امداد بیگ البتہ ذہنی دباؤ کا شکار تھے' بیٹی کی جدائی کا شدید صدمہ تھا' نجانے کیوں دل کے گوشوں سے ایک آواز ابھرتی تھی کہ یہ زیادہ بہتر نہیں ہوا' فوزیہ رخصت ہو کر لندن چلی جائے گی' اگر وطن کے وطن ہی میں معاملہ ہوتا' شہر تک دوسرا ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی' لندن آنا جانا کوئی معمولی بات تو نہیں' ایک طرح بیٹی سے سارے رابطے ٹوٹ ہی جاتے' اس احساس نے انہیں بہت دل برداشتہ کیا ہوا تھا' غوثیہ بیگم بھی ان باتوں پر آنسو تو بے شک بہالیتی تھیں' لیکن دل ہی دل میں خوش بھی تھیں کہ بیٹی کو بڑا معیاری رشتہ ملا ہے' کہنے لگیں۔

"بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہی ہیں' آخر میں بھی تو معمولی ماں باپ کی اولاد نہیں تھی' بھائیوں کی آنکھوں کا تارا تھی میں' لیکن آپ اس کباڑ خانے میں آکر رہے' مجھے بھی رہنا پڑا' کس نے روک لیا آپ کو' بالآخر یہ دن آنا ہی ہے اور پھر لندن چلیں گے' ارے اس بہانے سے لندن بھی دیکھ لیں گے' ہمارے کون آگے پیچھے ہے' جو کچھ ہے اللہ کا دیا بس ہمارے لئے کافی ہے' بچی خوش رہے گی اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے اب اس طرح افسردہ ہو کر نہ بیٹھو بڑے کام کرنے ہیں' وقت بہت مختصر ہے' وہ احمد بھائی کہہ رہے تھے کہ کہیں امداد بیگ صاحب اس سڑی بھسی گلی میں ہی شادی کرنے کی ضد نہ کریں۔"

امداد بیگ صاحب نے نگاہیں اٹھا کر غوثیہ بیگم کو دیکھا اور کہنے لگے۔

"نہیں بھئی میں ان کے آگے کہاں بول سکتا ہوں۔"

"اے تو آپ خود بھی غور کریں۔ گلی میں تنبو لگے گا اور بچے اس میں کدکڑے لگاتے پھریں گے' کرسیوں کے بیچوں میں سے مہمانوں کو گراتے ہوئے ان کے کپڑے خراب کرتے ہوئے' یہ ماحول دیکھ کر کیا سوچیں گے غفران علی بھائی' وہ رہنے والے لندن کے' جہاں سنا ہے سڑکوں پر تنکا بھی پڑا ہوا نظر نہیں آتا' وہ تو اچھی بات ہے کہ سارے کام احمد بھائی کے گھر سے ہو رہے ہیں' دیکھو ایک بات کہے دیتی ہوں' بھول کر بھی اعتراض نہ کرنا' احمد بھائی کتنی چاہت سے یہ سب کچھ کر رہے ہیں دل ٹوٹ جائے گا ان کا۔"

"نہیں' میں کیا اعتراض کروں گا بھلا' لیکن کیا پڑوسیوں کو دعوت بھی نہیں دوگی؟"

"اے خدا کی مار ان پڑوسیوں پر' کوئی ہے اس قابل جسے دعوت دی جائے' یعنی وہاں ہزار گز کی کوٹھی پر' بڑے بڑے لوگوں کے درمیان اس گلی کے لوگوں کو بلاؤ گے' اپنی اوقات دکھاؤ گے' نا بابا ناں' میں کسی ایک کو بھی نہ بلانے کی' امداد بیگ اس مسئلے میں مجھ سے کوئی بحث مت کرنا۔"

"تم تو فوراً" ہی گلے پڑجاتی ہو' بھئی میں کہیں کسی مسئلے میں ضد کر رہا ہوں۔" امداد بیگ صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے۔

حالانکہ سارے محلے کو خبر ہو چکی تھی کہ فوزیہ کی شادی ہو رہی ہے اور اس خبر کا ذریعہ سب سے بڑی خبر رساں ایجنسی یعنی جمن بی ہی تھیں بس اختر دلیپ سے بات ہوگئی تھی ان کی۔ غوثیہ بیگم نے تو پھر بھی احتیاط رکھی تھی' لیکن اختر دلیپ آزاد منش تھا' جمن بی ایک دن پہنچ گئی ہوں گی امداد بیگ کے گھر' امداد بیگ' غوثیہ بیگم اور فوزی موجود نہیں تھے' پوچھا کہ کہاں گئے تو اختر دلیپ نے بتایا کہ فوزیہ کی شادی کے سلسلے میں مصروف ہیں اور چند دنوں میں شادی ہونے والی ہے۔ اس طرح سارے محلے کو خبر ہوگئی محلے والوں نے اپنے اپنے طور پر انتظامات' کئے' کپڑے درست کرلئے گئے' حالانکہ چند کا خیال تھا کہ امداد بیگ صاحب بہت مغرور آدمی ہیں' بھلا محلے والوں کو کیا پوچھیں گے اور یہی ہوا بھی۔ شادی ہوئی' احمد یار خاں صاحب کی شاندار کوٹھی پر بارات آئی' شادی ہال وغیرہ کی ضرورت بھی نہیں تھی' کوٹھی کسی شادی ہال سے کم نہیں تھی' بہت اعلیٰ پائے کے لوگ شادی میں شریک ہوئے۔

نعمان کو فوزی کا مجازی خدا بنا دیا گیا' ایک لاکھ اکیاون ہزار مہر کی رقم طے ہوئی' نقد رقم جو جہیز کے بدلے میں تھی۔ غفران علی صاحب کے حوالے کردی گئی اور غفران علی نے مسکراتے ہوئے کہا کہ بیٹی کے سلسلے میں جو لوگ لین دین کرتے ہیں یا سودے بازی کرتے ہیں قابل نفرت ہوتے ہیں اگر کسی نے اپنی بیٹی دے دی تو سمجھو سب کچھ دے دیا۔

طے یہ پایا کہ شادی کے تیسرے دن غفران علی صاحب بہو کو لے کر رخصت ہو جائیں گے اب بھلا ان دو دنوں میں گھر پر واپسی کیا ممکن ہوتی' سارے کھیل تماشے احمد یار خان کی کوٹھی پر ہی ہوتے رہے' یہاں تک کہ بیٹی کو اس کے آخری سفر پر روانہ

کردیا گیا امداد بیگ صاحب پھوٹ پھوٹ کر روئے تھے' غوثیہ بیگم کی حالت بھی غیر تھی' غفران علی صاحب نے کہا۔

"آپ لوگوں کو تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے' خدا کے فضل سے نعمان کا کاروبار بہت اچھا ہے' اس کے لئے فوزیہ کو یہاں لانا مشکل نہ ہوا کرے گا۔ بھئی چھٹے مہینے میں ایک بار کی گارنٹی تو میں بھی دیتا ہوں' اس میں تو میں ذمے دار ہوں کہ فوزیہ کو روانہ کیا کروں گا اور پھر آپ لوگ بھی تو آئیں گے ہمارے گھر' بھئی سمدھی اور سمدھن کو ہم خود بلائیں گے ریٹرن ٹکٹ بھیج کر۔"

غرض جس قدر تسلیاں ممکن ہو سکتی تھیں دے کر وہ لوگ چلے گئے' امداد بیگ صاحب' غوثیہ بیگم کے ساتھ احمد یار خاں کی کوٹھی میں آگئے' ایک کمرہ ان کے لئے مخصوص تھا۔ رات کو امداد بیگ صاحب نے کہا۔

"غوثیہ اب اپنی زندگی میں کیا رہ گیا ہے؟"

"زندگی کی گاڑی تو گھسیٹنی ہی پڑتی ہے امداد بیگ' ویسے مجھے تمہاری انتہا پسندی سے ہمیشہ گلہ رہا ہے۔"

"کیا؟"

"اب یہ بتاؤ' تنہا جان ہے وہاں کھنڈر میں پڑ کر کیا کریں گے' احمد بھائی کتنی بار کہہ چکے ہیں کہ یہاں آجاؤ' ہزار گز کی کوٹھی ہے' ایک کمرے میں پڑے رہو گے تو میرا کیا بگڑ جائے گا' یہاں سب ہی تو ہیں آپ کا بھی دل بہلتا رہے گا۔"

"غوثیہ بیگم' میں نے عموماً" تم سے کبھی کسی معاملے میں ضد نہیں کی ہے لیکن اب اس آخری عمر کی ضد کو تو تمہیں پورا کرنا ہی چاہئے دیکھو' میرا انداز فکر ہے' بے شک ہم لوگ بوڑھے ہو چکے ہیں لیکن سسرال میں پڑنا اچھی بات نہیں ہوتی' اپنے گھر میں جیسی بھی گزار سکتے ہیں گزاریں گے' عمر بھر کے شناسا وہاں موجود ہیں' حالانکہ تم نے اس مرحلے پر مجھے ان سے مزید دور کر دیا ہے لیکن پھر بھی میں انہی کے درمیان جینا چاہتا ہوں۔"

غوثیہ بیگم منہ بنا کر خاموش ہو گئیں۔ تین چار دن کے بعد امداد بیگ صاحب نے گھر کا دروازہ کھولا اور گھر میں آگئے' جونہی محلے والوں کو پتا لگا سب کے سب جمع ہو کر پہنچ گئے' جس جس نے محلے کی بیٹی کی شادی کے لئے تحائف خریدے تھے وہ اپنے تحفے ساتھ لایا تھا' یہ تحفے امداد بیگ کے سامنے ڈھیر کرتے ہوئے غلام قادر نے کہا۔

"بھائی امداد! تم نے جو کیا اچھا ہی کیا' لیکن غرور تو اللہ نے اپنے نبیوں کا بھی نہیں رکھا ہے تم لوگ تو غرور کی انتہائی منزل تک پہنچ گئے' ہم غریب غرباء تھے' لیکن محبتوں کی دولت سے تو مالا مال ہیں' ہم لوگوں کو' بیٹی کی شادی میں پوچھ لیتے تو زیادہ سے زیادہ دو روٹی کھا لیتے' ارے کہا تو ہوتا ہم سے کہ بھائیو کھانا کھانے مت آنا اس کا انتظام ممکن نہیں ہے۔ کم از کم بیٹی کو دعائیں دے کر وداع تو کر دیتے' خیر جو کچھ تم نے کیا اچھا کیا' بچی کے لئے یہ چیزیں خریدی تھیں ہم سب نے مل جل کر یہ تو اب اسی کی ملکیت ہیں' انہیں واپس نہیں لے جائیں گے۔"

یہ کہہ کر سب کے سب رخصت ہو گئے' امداد بیگ صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان تحفوں کو دیکھ رہے تھے اور ان کا پورا جسم پسینے میں ڈوب گیا تھا' فوزیہ رخصت ہو گئی تھی لیکن اہل محلہ کی نگاہوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلیل ہو گئے تھے' ایک ٹھنڈی سانس بھر کر انہوں نے سوچا کہ عورت نے کیا کیا برائیاں اس معاشرے میں پیدا کر دی ہیں' کاش وہ غوثیہ بیگم کی بات نہ مانتے اور ان لوگوں کو ناراض ہونے کا موقع نہ دیتے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا' وقت گزر گیا تھا۔

*

فخرالدین صاحب کا کیس بھی تقریباً" نمٹنے کو تھا اور شکیل نے اب نیاز انصاری کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

نیاز انصاری صاحب بھی دولت مند انسان تھے اور ان کے حسابات میں بھی بڑے گھپلے تھے' سلطانہ جمالی کو اپنی ذات سے زیادہ شکیل پر اعتماد ہو گیا تھا۔ اس نے خلوص دل سے اعتراف کیا تھا کہ شکیل بے مثال نوجوان ہے' اس نے ایسی ایسی پیشکشیں ایسے ایسے جال فریب ٹھکرا دیئے تھے جن میں اس عمر کا کوئی بھی نوجوان پھنس سکتا تھا' شکیل کا رویہ ہمیشہ سلطانہ جمالی کے سامنے نہایت مؤدبانہ ہوا کرتا تھا' لیکن سلطانہ جمالی کے دل میں شکیل کے لئے نجانے کیسے جذبات پیدا ہو گئے تھے وہ عموماً" اس کے سامنے ہی رہتی تھی' کہیں باہر نکلتی تو اسے ساتھ لے کر۔

آج بھی موسم صبح ہی سے ابر آلود تھا' کئی بار ہلکی ہلکی پھوار پڑ چکی تھی' ایسے موسم میں دلوں میں جولانی پیدا ہو جاتی ہے' سلطانہ جمالی کھلتے ہوئے سبز رنگ کے لباس میں شکیل کا انتظار کر رہی تھی' شکیل کے آنے سے پہلے ہی موسم سے متاثر ہو کر باہر

ل آئی اور بے قرار نگاہوں سے شکیل کا انتظار کرنے لگی۔

شکیل مقررہ وقت پر ہی کوٹھی پہنچا تھا لیکن سلطانہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ بہت دیر میں آیا ہو۔ وہ بیتابانہ اس کی طرف ی۔ قریب پہنچ کر اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ کچھ ایسی وارفتگی تھی اس انداز میں کہ شکیل جھجک کے باوجود اس کی یرائی کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ویسے بھی سبز لباس میں سلطانہ اس وقت بہت خوبصورت نظر آرہی تھی۔ شکیل کے ہاتھ پکڑتے ہوئے نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور شکیل کی نظریں جھک گئیں۔

"آج اتنی دیر میں آئے شکیل؟" وہ بولی۔

"جی؟" شکیل نے گھڑی دیکھنے کی کوشش کی۔

"گھڑی کے وقت کی بات نہیں کر رہی۔ بات میرے انتظار کی ہے۔ موسم اتنا حسین ہے۔ میں نہ جانے کب سے تمہارا ظار کر رہی ہوں۔"

"موسم واقعی خوبصورت ہے۔" شکیل نے بس اتنا ہی کہا۔

"آؤ۔" سلطانہ آفس کی طرف جانے کے بجائے کوٹھی کے اندرونی حصے کی طرف چل پڑی۔ برآمدے میں کرسیاں پڑی تھیں۔ وہ وہاں جا کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے زور سے آواز لگائی۔

"شریف۔ کافی!"

شکیل نے مسکراتی نظروں سے سلطانہ جمالی کو دیکھا۔ کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے لیکن خاموش رہا۔ سلطانہ اسے غور دیکھ رہی تھی فوراً" بولی۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"کچھ نہیں۔"

"جھوٹ۔"

"آپ آج بہت خوش ہیں۔"

"زندہ تو ہوں نا؟"

"جی ہاں کیوں نہیں۔ خدا آپ کو طویل ترین عمر عطا کرے۔" شکیل جلدی سے بولا۔

"بس یوں سمجھ لو موسم نے زندگی کا احساس دلا دیا ہے۔"

شریف کافی کے برتن لے آیا۔ کافی بنانے کے لئے جھکا تو سلطانہ نے کہا۔ "تم جاؤ شریف کافی میں بنا لوں گی۔"

کافی کے گھونٹ لیتی ہوئی وہ بولی۔ "میں نے شریف سے کہہ دیا تھا کہ میں کافی شکیل صاحب کے ساتھ پیوں گی۔"

"جی!"

"اور آج دفتر میں کام بالکل نہیں ہو گا۔"

"اوہ۔ پھر کیا کریں گے؟"

"کوٹھی سے نکلیں گے۔ سمندر پر چلیں گے اور موجوں کی بے قراری دیکھیں گے۔ چلیں گے نا شکیل۔"

"جی۔"

"صرف جی۔"

"نہیں میرا مطلب ہے۔ آپ کا حکم ہے تو ضرور چلیں گے۔"

"میرا لباس کیسا ہے؟"

"بہت خوبصورت ہے۔ موسم کی مناسبت سے بہت حسین۔"

"اور میں؟" سلطانہ نے شوخی سے پوچھا۔

"موسموں سے زیادہ حسین۔" نہ جانے شکیل کے منہ سے یہ جملہ کیسے نکل گیا۔ سلطانہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا کیا۔ خدا کی قسم۔ اتنا حسین جملہ۔ شکیل تم ایسے جملے بھی کہہ سکتے ہو۔" شکیل کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ سلطانہ جمالی دیر

تک اسے دیکھتی رہی۔ پھر اٹھ گئی۔ "ابھی آتی ہوں۔" کچھ دیر کے بعد وہ واپس آئی اور کار کی چابی اسے دے کر بولی۔ "کار آپ چلائیں گے شکیل صاحب۔"

"جی؟"

"اور میں آپ کے ساتھ بیٹھوں گی۔ اور سنیئے۔ آج کا دن ذرا مختلف ہے!"

"کس طرح۔"

"آپ صرف مجھے سلطانہ کہہ کر مخاطب کریں گے۔ بس اب چلیئے۔" وہ دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ شکیل نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھادی تھی۔"

راستہ طے ہونے لگا۔ وہ سڑک پر نگاہیں جمائے کار ڈرائیو کر رہا تھا لیکن کئی بار محسوس کر چکا تھا کہ سلطانہ جمالی چور نگاہوں سے اسے دیکھ رہی ہے۔ شکیل کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔ آج سلطانہ جمالی کا انداز بڑا بدلا بدلا سا تھا۔ ویسے تو وہ شکیل سے ہمیشہ ہی محبت کا اظہار کرتی تھی۔ ہر طرح سے اس کا خیال رکھتی تھی لیکن کئی بار اس قسم کا احساس ہونے کے باوجود شکیل نے دل میں یہی سوچا تھا کہ چونکہ سلطانہ جمالی اس کے کام سے بہت خوش ہے اور اس کی نیک نیتی پر اعتماد رکھتی ہے اس لئے یہ ساری عنایتیں ہیں۔ اس کے دل میں بھی سلطانہ جمالی کے لئے بڑی عزت بڑا مقام تھا لیکن سلطانہ جمالی کے اس طرح دیکھنے کے انداز نے آج شکیل کو ایک عجیب سے احساس کا شکار کر دیا تھا۔ اس نے ان چور نگاہوں کے جواب میں ایک بار بھی گردن موڑ کر سلطانہ جمالی کو نہیں دیکھا تھا اس کے خیال میں یہ گستاخی ہوتی لیکن اس احساس سے وہ پیچھا نہ چھڑا سکا جس نے اس کے اعصاب میں ایک عجیب سی میٹھی میٹھی کیفیت بیدار کر دی تھی۔ نگاہیں سڑک پر جمی ہوئی تھیں لیکن سلطانہ جمالی اس کی نگاہوں کے سامنے تھی اور وہ اس کے سراپا پر غور کر رہا تھا اس کی جانب دیکھے بغیر سلطانہ جمالی کا ایک ایک انداز اسے یاد آرہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی سرخی نمودار ہوتی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ ساحل سمندر آگیا۔

عام دن تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ موسم نے بے ایمانی کی تھی لیکن اپنی اپنی مصروفیتوں میں لگے ہوئے لوگ موسم کا لطف اٹھانے سے قاصر تھے۔ البتہ کچھ ان جیسے ہی تھے جو موسم کی حشر سامانیوں سے مغلوب ہو کر ساحل پر پہنچ گئے تھے۔ سلطانہ جمالی نے ایک دور دراز حصے کا انتخاب کیا اور پھر شکیل کے ساتھ کار سے نیچے اتر آئی۔

دونوں ٹہلتے ہوئے ساحل پر پہنچ گئے' بے قرار موجوں میں ایک عجیب سی امنگ ایک عجیب سی ترنگ تھی۔

سلطانہ جمالی دونوں ہاتھ باندھ کر خاموشی سے کھڑی ان موجوں کو دیکھتی رہی۔ شکیل بھی ساکت تھا۔ دیر تک خاموشی طاری تھی۔ دونوں ہی اپنے اپنے احساسات کا شکار تھے۔ سلطانہ جمالی نے ایک گہری سانس لے کر شکیل کی جانب دیکھا اور بولی۔

"آؤ بیٹھیں ـــــ!" شکیل ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر سلطانہ جمالی آہستہ سے بولی۔

"کبھی کبھی شکیل ان دنیاوی احساسات سے دور ہو جانا اچھی بات نہیں ہے ـــــ؟"

"جی ـــــ"

"بیٹھو۔ زیادہ سے زیادہ کپڑے خراب ہو جائیں گے نا انہیں خراب تو ہونا ہی ہے۔ ایسے نہ سہی' بعد میں ان سے جی بھر جائے گا آؤ بیٹھیں۔"

دونوں ریت پر بیٹھ گئے' سلطانہ جمالی کہنے لگی۔ "ہم بہر طور اپنے احساسات کی گرفت سے دور نہیں رہ سکتے شکیل۔ بلاشبہ یہ الفاظ شاعری کی زبان میں اچھے لگتے ہیں لیکن کیا وہ احساس کے ترجمان نہیں ہوتے؟"

"کیوں نہیں" شکیل نے جواب دیا۔

"جیسے یہ سمندر ـــــ ہاں اگر ہم اپنے احساسات کو ان بے قرار موجوں سے تشبیہ دیں تو ہمیں کم از کم ایک نشان مل جاتا کچھ کہنے کے لئے ـــــ بات بچی نہیں لگتی لیکن سچ تو ہوتی ہے۔" سلطانہ جمالی نے کہا اور ایک دم ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ "تم سوچ رہے ہو گے کہ مجھ پر آج کل شاعری سوار ہے۔"

"نہیں سلطانہ صاحبہ' شاعری زندگی سے الگ تو نہیں ہوتی۔"

"ماننے ہو نا اس بات کو۔"

"جی ہاں کیوں نہیں۔"

"شکیل میری ذہنی کیفیت بھی اس وقت ان بے قرار موجوں سے ہم آہنگ ہے 'بعض اوقات انسان اپنے احساس کے خول میں بند ہوتا ہے لیکن دنیا کو دھوکا دیتے دیتے اسے کبھی خود اپنے آپ ہی سے گھٹن محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہ گھٹن اس وقت مجھے پریشان کئے ہوئے ہے۔ شکیل دل چاہتا ہے دل کا سارا بوجھ تمہارے سامنے ہلکا کردوں۔ اجازت دو گے اس کی ــــ؟"

"کیوں نہیں۔ اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتی ہیں تو ایسا ضرور کیجئے۔" شکیل نے خلوص سے کہا۔

"تمہارے لہجے کا انداز تمہاری آنکھوں کی کیفیت شکیل بعض اوقات یہ احساس دلاتی ہے کہ تم مجھ پر اندھا اعتماد کرتے ہو۔ میں اس احساس کا شکار ہو جاتی ہوں کہ تم ذہنی طور پر مجھ سے بے حد قریب ہو۔ شکیل اپنی پسندیدہ شخصیت میں اگر یہ جھلک نظر آجائے تو انسان نجانے کیسی کیسی سوچوں میں ڈوب جاتا ہے۔ کبھی کبھی شکیل میں تمہارے بارے میں بھی ایسے ہی احساسات کا شکار ہو جاتی ہوں۔ مجھے بتاؤ میری یہ سوچ غلط تو نہیں ہے ــــ؟"

"یعنی یہ کہ میں آپ پر اندھا اعتماد کرتا ہوں۔"

"یہ بھی ــــ اور یہ کہ ــــ کہ تم مجھے ناپسند نہیں کرتے ــــ"

"خیر اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میڈم 'آپ درحقیقت میرا آئیڈیل ہیں۔ میڈم میں نے کبھی بھی اپنے آپ کو آپ سے نہیں چھپایا لیکن بے مقصد کبھی آپ سے اپنی ذہنی کیفیتوں کا اظہار بھی نہیں کیا ــــ کوئی ایسا اہم موقع ہی نہیں آیا لیکن اگر آپ مجھ سے میرے بارے میں سوالات کریں تو میں آپ کو سارے سوالات کے صحیح صحیح جواب دے دیتا۔"

"شکیل میں تھک گئی ہوں۔ شدید تھکن کا شکار ہوں۔ میں یوں سمجھو ایک دیا جل رہا ہے جس سے روشنی ابھر رہی ہے لیکن تیل اب اس کی تہہ تک پہنچ گیا ہے۔ مجھے نئی سوچ نیا احساس درکار ہے تاکہ میں زندہ رہنے والوں میں شامل ہو جاؤں اور کچھ عرصے اور زندہ رہوں۔ شکیل میں تمہیں اپنی کہانی سنانا چاہتی ہوں۔"

"ضرور سنایئے۔ میں آپ کے دل کا ہر بوجھ ہلکا کردینے کا خواہشمند ہوں۔"

"شکریہ شکیل 'بے حد شکریہ۔ تمہارے ان الفاظ نے مجھے بڑی تقویت دی ہے ــــ میں تمہیں بتاؤں شکیل ایک ایسے گھرانے کی فرد ہوں جو دولت سے مالا مال تھا ــــ اور میں اس گھرانے کی اکلوتی فرد ہوں میرا مطلب ہے اس دولت کی وارث ــــ والد صاحب بس ذرا انوکھے مزاج کے آدمی تھے۔ والدہ سے انہیں کوئی خاص رغبت نہیں تھی بلکہ ان کا وقت دوسرے لوگوں میں گزرتا تھا۔ میں نے خود چونکہ اپنی آنکھوں سے کبھی کچھ نہیں دیکھا اس لئے ان کی موت کے بعد ان پر الزامات عائد نہیں کروں گی۔ سنا یہ گیا ہے کہ رنگین مزاج تھے اور ان کی رنگینیوں نے انہیں گھر سے بے زار کردیا تھا۔ میں نے کس قدر بے توجہی کے عالم میں پرورش پائی اور یہ محسوس کیا کہ والد صاحب اپنی مرضی کے مالک ہیں کوئی انہیں جھکانے والا نہیں ہے والدہ تو بالکل بے حقیقت شخصیت کی مالک تھیں ان کے سامنے۔ میری شادی جس شخص سے کی گئی شکل و صورت میں بہتر تھا لیکن ــــ لیکن شکیل کن الفاظ میں بتاؤں تمہیں ــــ وہ ــــ وہ میرے لئے ناقابل قبول تھا ــــ اور اسے بھی احساس ہو گیا کہ وہ کسی بھی حسین لڑکی کے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا۔ اس نے مجھے طلاق دے دی۔ میرا اور اس کا ایک دن بھی ذہنی رابطہ نہیں رہا تھا اس وجہ سے مجھے طلاق کا کوئی افسوس بھی نہیں ہوا۔ مجھے طلاق دے کر وہ نجانے کہاں گم ہو گیا۔ میری کیفیت بہت عجیب ہو گئی تھی۔ شکیل میں نے زندگی کا ایک بھی خوشگوار دن نہیں دیکھا۔ بس یوں سمجھ لو کہ ہماری شادی کا دن ہی ہمارا آخری دن تھا۔ چونکہ سارے فیصلے اسی دن ہو گئے تھے اور ذہنی طور پر ہم نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی زندگی سے تعاون نہیں کرسکتے۔ اس دن کے بعد سے شکیل میں سلطانہ جمالی تو ہو گئی لیکن جمالی میری زندگی میں کبھی شامل نہیں رہا۔

اسی غم میں والدہ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد والد صاحب بھی مجھے داغ مفارقت دے گئے۔ میں ایک ایسی عجیب غریب زندگی گزارنے لگی جسے الفاظ میں بیان کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے 'ایک بے زاری سی ذہن پر سوار رہتی تھی۔ والد صاحب کی موت کے بعد تمام کاروباری اثاثے مجھ تک منتقل ہو گئے۔ ایک اچھی زندگی گزارنے کے لئے میں نے اپنے آپ کو ان سارے معاملات میں مصروف کرلیا۔ لیکن شکیل ایک خوف دامن گیر رہا ایک احساس دامن گیر رہا کہ میں وہ نہیں کر

مجھے کرنا چاہئے اور میری عمر اسی انداز میں آگے بڑھتی رہی۔ آج میں محسوس کرتی ہوں کہ میں عمر کی اس منزل میں ہوں جہاں خواہشوں کا وجود نہیں ہوتا ــــ لیکن تم ایسی شخصیتوں کو کسی بھی طور غلط قرار نہیں دے سکتے جو دل میں زندگی جگا دیتی ہیں۔ شکیل مجھے معاف کرنا کچھ موسم کا اثر ہے کچھ میرے جذبات کی منتشر کیفیت کہ میں آج سب کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ شکیل تم وہ شخصیت ہو جس نے میرے دل میں زندگی کی آرزو جگا دی ہے۔ خدا گواہ ہے شکیل کہ لوگوں کی بدمعاملگی کا مجھے احساس تھا میں جانتی تھی کہ مجھے تنہا بے سہارا 'لاوارث' سمجھ کر میرے ساتھ فراڈ ہو رہے ہیں لیکن میں یہ سوچتی تھی کہ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں' کرتے رہیں۔ میرے پاس اتنا موجود ہے کہ ان لوگوں کی بدمعاملگیوں کے باوجود میں زندگی کا آخری لمحہ تک سکون سے گزار سکتی ہوں۔ لیکن شکیل جب سے تم نے میرا ساتھ دیا ہے 'مجھ میں زندہ رہنے کی آرزو بیدار ہو گئی ہے۔ آخری بات کہہ رہی ہوں تم سے۔ آخری بات کہنا چاہتی ہوں کیا تم مجھے اپنی زندگی میں وہ مقام دے سکتے ہو جو ایک عورت کے لئے عمر کی آخری حد تک کا ہوتا ہے۔ مجھ سے شادی کرسکتے ہو شکیل؟ میں آرزومند ہوں اس بات کی۔ عمر میں بے شک تم سے کچھ بڑی ہوں۔ لیکن اگر ایک ٹوٹے ہوئے انسان کو سہارا دے دو تو تمہیں ثواب بھی ہوگا اور یوں سمجھ لو کہ مجھے ایک نئی زندگی مل جائے گی' میں اس نئی زندگی کے لئے ہمیشہ تمہاری احسان مند رہوں گی' جو کچھ کہہ چکی ہوں وہ اتنا زیادہ ہے کہ شاید اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکوں ــ ہاں شکیل یہ میری دلی آرزو ہے۔ دلی آرزو۔"

شکیل کے پورے وجود میں سنسنی پھیل گئی۔ اس کا وجود تیز گڑگڑاہٹوں کی زد میں تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری ہو گئی تھی۔ ناقابل یقین سے الفاظ تھے۔ ناقابل یقین۔

اس کے ذہن میں نجانے کیا کیا طوفان برپا رہے۔ کسی نے اس سے کہا۔

"میں صندل پری ہوں۔ میں گل بکاؤلی کی صندل پری ہوں" لیکن صندل پری تو اس تنگ و تاریک گلی میں مشکل حالات کا شکار تھی بھلا وہ بھی کوئی زندگی ہے۔ تاریک 'ویران ــــ اور ایک یہ بھی زندگی ہے۔ شاندار عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی ــــ کچھ ہے میرے پاس کہ میں زندگی کے آخری سانس تک سکون سے بسر کرسکتی ہوں۔" اور اور ــــ آہستہ آہستہ شکیل کی آنکھوں میں روشنی پیدا ہوتی چلی گئی۔ ہاں اس نے اپنے طور پر کچھ نہیں کہا تھا۔ اس نے تو نجانے کس کس کو ٹھکرا دیا تھا۔ کہکشاں اور نجانے کون کون ــــ اور وہ ــــ وہ جو اس کی صندل پری تھی اور وہ اگر ہو جاتا تو ایسا نہ ہوتا جیسا یہ۔

اس کی نگاہیں سلطانہ جمالی کے چہرے کی جانب اٹھ گئیں۔ خوب صورت 'باوقار 'صحت مند 'محبت کرنے والی ہر لحاظ سے ــــ لیکن 'لیکن اس کی آنکھوں میں کچھ اور چہرے بھی ابھر رہے تھے جو اس کے ذہن و دل سے محو نہیں تھے۔ کلیم احمد کی بیساکھی' رقیہ بیگم کا ممتا سے چمکتا ہوا چہرہ' اگر ــــ اگر میں یہ فیصلہ کرلوں تو ان لوگوں کا ردعمل کیا ہوگا۔

اس کی نگاہیں سلطانہ جمالی کی جانب اٹھ گئیں۔ سلطانہ جمالی کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔ چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"فیصلہ صرف فیصلہ شکیل۔ اس کے لئے وقت نہ مانگنا۔ اس لئے کہ مجھ سے کسی قسم کی حیل و حجت کا اظہار مت کرنا ــــ فیصلہ دو ہی الفاظ میں کرتا ہے ــــ ہاں یا نہیں اگر میں تم سے یہ سوال کروں شکیل کہ تم صرف مجھے اپنی ذہنی کیفیت بتاؤ کہ تمہیں اس انداز میں قابل قبول ہوں۔ باقی اطراف کا ماحول رہ جاتا ہے ــــ ہم احمق نہیں ہیں نہ میں احمق ہوں نہ تم نادان یافتہ ــــ ہر مشکل کا ایک حل ہوتا۔ ہم پہلے ہاں یا نہیں کی منزل سے نکل جائیں اس کے بعد حل تلاش کریں گے۔ تمہیں پورا پورا اختیار ہے تمہیں ــــ مکمل اختیار ہے کہ تم بڑی سچائی سے یہ کہہ دو کہ یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ کوئی لفظ نہ ہو ــــ یا پھر یہ کہو کہ ہاں میں تیار ہوں۔ بس ان دو لفظوں کا انتخاب کرو۔ اس کے بعد جس کہانی کا آغاز ہوگا اس کا تعین ہم خود کریں گے۔ میں پورے اعتماد پورے وثوق اور پورے خلوص سے یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر تم نے مجھ سے کہا کہ یہ تمہارے لئے ممکن نہیں ہوگا تو نہ تو میں ناراض ہوں گی اور نہ ہی کسی غم و اندوہ کا اظہار کروں گی۔ میں اتنا اعتماد رکھتی ہوں کہ صرف یہ سوچوں گی کہ تمہارے لئے یہ فیصلہ ناگریز ہے اور اس کے علاوہ تم اور کچھ نہیں کرسکتے۔ شکیل یقین کرو تمہیں اس پر بے شک ہوگا لیکن ایسا نہیں کہ میں خودکشی کرنے کے بارے میں سوچوں۔ تم سے بے زار ہو جاؤں ــــ یا ــــ یا کسی غلط ردعمل کا اظہار کروں ــــ اتنی ہی نحوس ہوں میں۔ یہ آرزو میرے دل میں بیدار ہوئی ہے۔ میں نے ایک

اچھے انسان کی حیثیت سے ایک دوست پر اعتماد کرتے ہوئے کہا ہے اور یہ سوچ کر کہا ہے کہ جس طرح تم نے میرے اعتماد کو
برقرار رکھا ہے اسی طرح اب بھی تم میرے اعتماد پر پورے اترو گے لیکن آخری فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ صرف تمہیں۔"
شکیل کی جان نکل گئی تھی۔ سلطانہ جمالی کے یہ الفاظ اس کے لئے انتہائی پریشان کن تھے "کیا فیصلہ کرے کیسے فیصلہ کر
ابو' امی اور ـــــ باقی سارا ماحول ـــــ یہ ـــــ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ان سب سے بے نیاز ہو کر سلطانہ جمالی سے اس با
اقرار کرلے۔ بہت شدید الجھن میں پڑ گیا تھا وہ' سلطانہ جمالی اسی طرح چمکتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک
پھر کہا۔

"دیکھو شکیل' فیصلہ کر ڈالو۔ کر ڈالو۔ صرف اپنے دل کی بات کہہ دو مجھ سے۔ اس کے بعد جو مسائل پیدا ہوں گے ان
غور کرلیں گے۔ اور اگر شکیل وہ مسائل ہمیں اس کی اجازت نہیں دیں گے کہ ہم یہ سب کچھ کر سکیں تو میں خود تم سے ا
الفاظ واپس لے لوں گی۔ میرا وعدہ ہے۔ میرا وعدہ ہے شکیل تم سے۔" سلطانہ جمالی نے بے اختیار ہو کر شکیل کے دونو
پکڑ لئے۔

اتنی سخت گرفت تھی اس کی کہ شکیل خود بھی حیران رہ گیا لیکن وہ جس ہیجانی کیفیت کا شکار تھی اس کا احساس شکیل
تھا اس کے اندر گڑگڑاہٹیں بیدار ہوتی رہیں اور پھر نجانے کس طرح اختیاری طور پر یا غیر اختیاری طور پر اس کے منہ سے نکل

"نہیں سلطانہ مجھے ذاتی طور پر اعتراض نہیں ہے۔"

*

حکمت علی کو بخار آ گیا تھا ـــــ خاصے پریشان تھے وہ' چونکہ فرم سے چھٹی کرنا پڑی تھی۔ پہلے بھی کافی عرصے تک
فراش رہے تھے بس اس احساس کا شکار تھے کہ کہیں فرم والے ناراض نہ ہو جائیں۔ بے بسی کے عالم میں بہت سی سوچ
میں گردش کرتی رہتی تھیں۔

دونوں جوان بیٹیاں نگاہوں کے سامنے تھیں۔ ہر چند کہ جہاندیدہ فاطمہ بیگم اور کفایت شعار نسیم بیگم نے بیٹیوں کے
ہمیشہ ذہن میں رکھا تھا' جو کچھ بھی ٹوٹا پھوٹا بن سکتا تھا ان کے جہیز کے لئے آہستہ آہستہ تیاریاں کر رہی تھیں ہر چیز پائی پا
اکٹھی کرتی رہی تھیں لیکن بیٹیوں کی شادیاں ان چھوٹی موٹی چیزوں کے سہارے نہیں ہو جایا کرتیں۔ ماحول بدل چکا ہے
چکا ہے۔ زندگی کے سانس بھی ترازو میں تولے جاتے ہیں اور رشتوں کا تعین حیثیتوں سے کیا جاتا ہے۔
لیکن انسان نے انسان کے لئے اس قدر مشکلات پیدا کردی ہیں کہ اپنے جگر گوشوں کے مستقبل کے لئے خون
رونا پڑتا ہے۔ حکمت علی ان احساسات سے آزاد نہیں تھے۔ کیا کیا فکریں دامن گیر تھیں۔ بیٹیوں کی عزت و آبرو کا
کے لئے انہوں نے ایک تصوراتی بیٹے کو تخلیق کیا تھا جو جرائم پیشہ اور قتل و غارت گری کا ماہر تھا۔ یہ سب کچھ کہتے ہو
شرم آتی تھی کیونکہ بات براہ راست ان کی ذات تک پہنچتی تھی کیونکہ لوگ انہیں مضحکہ خیز نگاہوں سے دیکھتے تھے
خوف انہیں مجبور کرتا تھا کہ وہ لوگوں کو اس قاتل سے ڈرائے رکھیں جسے بہر طور کسی بھی دن آزادی ملنے والی تھی
مسئلہ اٹک گیا تھا جمی کے ساتھ اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو نجانے بات کہاں تک پہنچ جاتی۔ کسی بھی دن سینہ تان کر کھ
حکمت علی کے کمزور بدن میں اتنی گنجائش کہاں تھی کہ وہ اس کے سامنے تن کر کھڑے ہو سکتے۔ وہ تو شکر ہے کہ جمی
چھوڑ دیا تھا اس دن معافی مانگ کر گیا تھا تو اس کے بعد نظر نہیں آیا تھا اور حکمت علی نے سکون کی سانس لی تھی۔
لیکن یہ سانسیں اس طرح کب تک برقرار رکھی جا سکتی ہیں۔ بدن زوال کا شکار ہے۔ ہر بیماری آسانی سے دبوچ
ہو گا۔ مستقبل کیا ہو گا؟ نسیم بیگم نے ان کے پریشان چہرے کو دیکھا تو قریب آ بیٹھیں۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

"ایک گلاس پانی پلا دو۔ یہ پروین اور ثریا کہاں ہیں۔ کیا چھت پر ہیں؟"

"نہیں اپنے کمرے میں ہیں۔" نسیم بیگم نے کہا۔ اور پانی کا گلاس بھر کر لے آئیں۔ سہارا دے کر حکمت علی
پینے کے بعد حکمت علی نے تکیے سے ٹیک لگایا اور ان کے ہونٹوں پر ایک حزینہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا بات ہے' کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟ کوئی خاص بات ہے' مجھے بتائیں تو سہی' اللہ نہ کرے نوکری کا کوئی

"ارے نہیں نہیں بھائی ـــــ ہم سر جھکا کر جینے کے قائل ہیں' ہم بھلا کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیا بات کریں
ے۔ بس کبھی بیٹیوں کا تصور ذہن میں آتا ہے تو دل پر ایک ہول سا سوار ہو جاتا ہے۔ اب وقت ہے کہ ان کی شادیاں کر دی
یں۔ ماشاء اللہ دونوں کو نگاہ بھر کے دیکھنا مشکل ہو گیا ہے لیکن سوچتا ہوں کہ میری اوقات کیا ہے۔ کہاں سے رشتے تلاش
وں' کس سے کہوں کہ بھائی غیرت کے ساتھ ایک غریب آدمی کی آبرو سنبھال لو' خدمت گزار بچیاں ہیں۔ تمہاری زندگی بھر
مت کریں گی۔ انہیں چھوٹے چھوٹے گھر دے دو ان کے سر ڈوپٹوں سے ڈھک دو۔ میں غریب آدمی تم سے بھیک مانگتا ہوں۔
ں سے کہوں' بس یہ سمجھ میں نہیں آتا۔"

فاطمہ بیگم یہ ساری باتیں سن رہی تھیں ماں کا دل تڑپ اٹھا۔ پاس آ بیٹھیں اور حکمت علی کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے
یں۔

"بیٹا رشتے تو آسمانوں پر بنتے ہیں ہمیں تمہیں کیا معلوم کہ قدرت نے کیا سوچا ہے' دیکھو جو پیدا کرتا ہے وہی جانتا ہے کہ
ے زندگی کس طرح گزروانی ہے سوچو ضرور مگر پریشان نہ ہو بیٹے' وقت خود اپنی آواز بن جائے گا۔ تمہیں سوچنے کی ضرورت ہی
ں پیش آئے گی۔"

"ہاں اماں ٹھیک کہتی ہیں لیکن ایک ذرا سا اختلاف ہے مجھے ـــــ"

"کیا؟" فاطمہ بیگم نے پوچھا۔

"ہم بڑے لوگ تو ہیں نہیں اماں کہ رشتے گھروں پر ہماری جانب رخ کریں گے' محلے میں ملنا جلنا ہونا چاہئے۔ میل ملت
ے' لوگ آتے جاتے رہیں کوئی ایسا ہو گا جو ان بچیوں کی خدمت گزاری کو ذہن میں رکھ کر ان کے بارے میں اس انداز سے
ے گا' ہو سکتا ہے اماں اس میل جول سے ہی کام بن جائے۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ اپنا یہ محلہ بہت اچھا ہے بے شمار لوگ تو
ے ہیں جن سے ہماری ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ لڑکے بالے بھی نظر آتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ دال دلیے کا بندوبست بھی کرتے ہوں
، اپنے لئے۔ اسی طرح رشتے بنتے ہیں کوئی نہ کوئی ایسا مل جائے گا۔ وہ ایک ججن بیگم آتی ہیں ہمارے ہاں وہ بھی اچھی خاتون
ہ۔ میں بس یہ کہنا چاہتا تھا کہ ذرا سا محلے میں میل جول سے رہنا چاہئے اور یہ میل جول لوگوں کے پاس آنے جانے سے ہی
نا ہے' میں نے بھی ملنا جلنا شروع کر دیا ہے۔ اب دیکھئے نا ذرا سا بیمار ہو گیا کتنے لوگ پوچھنے آئے' انہی کے بیٹے بھی ہوں گے۔
ں ذرا انداز بدلنا پڑے گا۔ میں تو کہتا ہوں اماں اب اس انداز میں سوچنا شروع کر دیجئے۔ لوگوں سے اس انداز میں میل ملت
ائیے۔ چائے پانی پلایا کریں لوگوں کو' اس طرح ذرا آسانی ہو جائے گی۔"

"اے بیٹا میں تو تقدیر کی ماری بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں مگر بدقسمتی ہے میری کہ بہو بیگم نے مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا
ہے۔"

نسیم بیگم نے تیکھی نگاہوں سے فاطمہ بیگم کو دیکھا خوبی دونوں میں ایک تھی۔ کوئی کسی کا ادھار نہیں رکھتی تھی۔ جلبلا کر
یں۔

"اے اماں میں تو سمجھتی ہوں کہ یقیناً تم نے زہر ہی کا استعمال زیادہ رکھا ہے جب بھی منہ سے بات نکلتی ہے زہر ہی نکلتی
ہے۔"

"ہاں بیٹا بات اصل میں یہی ہے' ناگن ہوں تم سب کو ڈس لوں گی۔ اس لئے آج تک زندہ ہوں۔ ورنہ مر ہی جاتی اگر نیک
لی۔ اے سن رہے ہو حکمت علی ناگن کہہ رہی ہیں تمہاری بیگم مجھے۔"

"ارے نہیں' نہیں اماں۔ اصل میں۔" حکمت علی ایک دم گھبرا گئے۔ نسیم بیگم بولیں۔

"تم' ایسے موقعوں پر بس کیا کہوں منہ سے نکل گیا تو برا مان جاؤ گے۔"

"اے بی بی' منہ میں رکھتی ہو کچھ' کس کو کیا نہیں کہہ دیتیں ارے دیکھو مجھ بڑھیا کو ناگن بنا دیا۔ حکمت علی اس ناگن ہی نے
ے جنم دیا ہے تو بھی سانپ ہی ہوا نا؟"

"اماں ناگن تو نہیں کہا میں نے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ناگن کہنے کو جی چاہتا ہے۔"

"اے بوا' یہ زبان پر پابندی کب سے لگا دی تم نے یہ زبنیا ہی تو ہے جو تم میکے سے جہیز میں لے کر آئی تھیں۔ ارے قتل کے رکھ دیا ہے اس زبان نے مجھے۔"

"دیکھو اماں' بار بار میرے میکے کی بات مت کیا کرو' ارے مجھے کیا معلوم تھا کہ کن لوگوں میں جا رہی ہوں' زہر ہی کھا لیتی اس وقت اگر یہ پتا چلتا کہ تمہارے ساتھ گزارا کرنا پڑے گا۔"

"بی بی چھ ہاتھ کا بیٹا دیا ہے تمہیں ساری زندگی گزروا دی اسی زہریلے خاندان میں۔ میں کہتی ہوں تم آخر مجھے سمجھتی کیا ہو؟"

"اماں تمہیں سمجھنے کی ضرورت کبھی پیش آئے تو بتاؤں تم نے تو خود ہی مجھ کو سمجھا کر رکھ دیا ہے۔"

"حکمت علی' اے حکمت علی' دیکھ لے اپنی جورو کو' اس گھر میں جو کوئی بھی آئے گا کان پکڑ کے باہر نکل جائے گا کہ توبہ توبہ اماں کی زبان اتنی ہے تو بیٹیاں کیا ہوں گی۔"

"رہنے دیں اماں' میری زبان کی بات نہ کریں' جس سے بات کر لیتی ہوں دو میٹھے بول بول لیتی ہوں وہ اپنا ہو جاتا ہے۔ لوگ جانتے ہیں آپ کو اچھی طرح۔ ارے آپ جائیں گی محلے میں۔ آپ جائیں گی تو بنے بنائے کام بگڑ جائیں گے۔"

"بس بس میری جوتی کو غرض نہیں پڑی' اپنی بیٹیاں ہیں خود ہی بھگتو۔"

"ارے اماں' ایسے نہ کہیں' آپ کی پوتیاں ہیں وہ۔" حکمت علی بولے۔

"ارے بیٹا' سارے ہی حق چھن گئے مجھ سے تو' جس دن سے یہ عورت گھر میں آئی سارے ہی حق چھن گئے۔ اب تو بیٹا کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں بہو بیگم ناراض نہ ہو جائیں۔"

"بس بس' میں نے کہہ دیا آپ سے' محلے کے چکر نہ لگایئے۔ گھر کی بات گھر ہی میں رہے تو زیادہ بہتر ہو گی۔ آپ محلے کے گھر میں پہنچیں گی بھی تو جانتی ہیں کیا کریں گی۔"

"بھلا کیا کروں گی میں؟" فاطمہ بیگم نے کمر ٹھونک کر کہا۔

"میری برائیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کریں گی اماں میں اتنا جانتی ہوں۔ گھر میں اگر کوئی رشتہ آ بھی گیا تو یہ سوچ کر چلے جائیں گے لوگ کہ جس گھر میں ایسی عورتیں ہوں بھلا وہاں رشتہ کیا کرنا۔"

"ارے تمہاری شکل دیکھ کر کہیں گے لوگ یہ بات تمہاری زبان سن کر کہیں گے۔ میں ۔۔۔ میں ۔۔۔ اپنے بارے میں کیا بتاؤں۔"

"ہاں ہاں زمانے بھر کی نیکیاں تو تمہارے اندر سما گئی ہیں اماں۔"

"ارے بھئی میں کہتا ہوں یہ تم لوگوں نے یہ کیا شروع کر دیا؟"

"اپنی اماں کو دیکھئے۔"

"نہیں اپنی جورو کو دیکھو حکمت علی اپنی جورو کو دیکھو' ارے تم خود فیصلہ کر لو کیا باتیں ہو رہی تھیں اور کیا باتیں بیٹھی۔ زہر کی پڑیا ہوں میں۔ مجھے زہر کی پڑیا بنا دیا۔"

"میں نے پڑیا تو نہیں کہا۔"

"بڑھیا کہہ دو بٹیا۔ دو نقطوں ہی کا تو فرق ہے۔ زہریلی بڑھیا۔ چلو ٹھیک ہے نام بدل دو۔"

"اماں توبہ توبہ آپ بھی بات سے بات نکالتی ہیں۔" حکمت علی نے کہا۔

"اے حکمت علی سوچ لے جنت ماں کے پیروں تلے ہوتی ہے۔ یہ عورت تجھے جہنم میں لے جائے بغیر نہیں رہے گی علی میرا جی دکھائے گا تو خوش نہ رہ سکے گا۔" فاطمہ بیگم کہنے لگیں۔

"اللہ کے واسطے' اللہ کے واسطے ارے دیکھو نا نسیم میرا تو شاید بخار ہی اتر گیا۔"

"ہاں میں جو بخار بن کر چڑھ گئی تم دونوں میاں بیوی پر۔ جاتی ہوں اپنے کمرے میں اور سنو دیکھتی ہوں۔ مجھے کون روٹی اپنے میاں کی پنشن کھاتی ہوں آج بھی اللہ بخشے انہی کا دیا ہوا کھا رہی ہوں۔ کسی کی دبیل نہیں ہوں۔ ارے نیک بات بھی زبان پکڑی جائے ارے توبہ توبہ۔ تم لوگ انسان ہو یا جانور۔" فاطمہ بیگم غراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ حکمت

پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

"اتر گیا نا بخار۔ ارے اس سے بڑا بخار اور کیا ہو گا جو ابھی ابھی کمرے سے گیا ہے۔"

"تم بھی تو زیادتی کی حد کرتی ہو نسیم۔"

"ہاں ہاں۔ زیادتی کی حد کرتی ہوں میں۔ جوتے ماریئے مجھے' پانچ جوتے صبح پانچ جوتے شام کو لگا دیا کریں میرے سر پر تاکہ میرا دماغ درست رہے' توبہ توبہ ان بڑی بی کے ساتھ پوری زندگی گزاری میں نے اور آپ کے دل میں میرے لئے کوئی نرم گوشہ پیدا نہ ہوا۔"

"بابا ہم بات کر رہے تھے بیٹیوں کی شادی کی توبہ توبہ یقین کریں انتہائی سنجیدہ موضوع کو آپ نے اس انداز میں تبدیل کر دیا نسیم بیگم کہ میں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ ویسے ایک بات دل سے مانتا ہوں آپ دونوں کی وہ یہ کہ آپ کے پاس بڑے الفاظ ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اچھے اچھے لوگ اتنی مہارت کے ساتھ کسی بھی موضوع کو اپنی جانب نہیں موڑ سکتے جس طرح آپ دونوں کہیں نہ کہیں سے لڑائی کا موقع نکال لیتی ہیں۔"

"اماں کو کچھ نہ کہیں گے آپ۔"

"کہہ تو رہا ہوں دونوں ہی کو کہہ رہا ہوں یہ صفت واقعی آپ دونوں میں ہے کہ بال کی کھال نکال لیتی ہیں۔ بھلا کوئی بھی بات مل جائے' میں تو کہتا ہوں کہ اگر آپ دونوں کے سامنے وعظ بھی کیا جائے تو آپ اس میں لڑائی کا موقع نکال لیں گی۔"

"بس جی نہ جلایئے جس طرح میں نے آپ کی اماں کے ساتھ گزارا کیا ہے بس میرا دل ہی جانتا ہے۔"

"محترمہ! انہیں بھی یہی شکایت ہے۔" حکمت علی مسکرا کر بولے۔

"ہاں بس اب کیا کہوں زیادہ زبان نہ کھلوایئے۔"

"آپ بیٹیوں کے رشتے کی بات کہیں مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔"

"یہ آنے دیں گی کوئی رشتہ اس گھر میں۔"

"منع تو نہیں کریں گی۔"

"محلے میں جانے کی اجازت دے دی ہے آپ نے' اب دیکھئے کیا تھو تھو ہوتی ہے ہمارے اوپر۔"

"نہیں نسیم بیگم' اماں اتنی بری نہیں ہیں اور پھر میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ یہ لڑائی تو درحقیقت آپ لوگوں کو زندہ رکھے ہوئے ہے ورنہ گھر میں نحوست برسنے لگے۔"

"ہاں سب سے بڑی نحوست تو اس گھر میں میں ہوں۔"

"لیجئے اب آپ نے مجھ سے لڑنا شروع کر دیا۔ واقعی بخار اتر گیا ہے شاید۔ ذرا میرا ہاتھ تو دیکھئے۔" حکمت علی نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور نسیم بیگم نے غصیلے انداز میں ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ بخار واقعی اتر گیا تھا۔

فوزیہ کی شادی کی خبر شمع دان میں بھی پہنچ چکی تھی۔ یہ سب اچانک ہی ہوا تھا۔ طاہر نے سنا تو دل دھک سے رہ گیا' شعور زخموں کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ ایک بار دل میں سوچا تھا کہ کوئی ایسی تکڑم لڑائے گا جس سے امداد بیگ کا رخ اس جانب ہو جائے۔ لیکن یہاں تو موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ اس شام واپس آیا تو محلے میں چرچے ہو رہے تھے۔ محلے والوں سے ابھی کوئی شناسائی نہیں تھی' بس گزرتے ہوئے سلام دعا ہو جایا کرتی تھی اور لوگ یہ جاننے لگے تھے کہ یہ بچے شمعدان میں رہتے ہیں۔ ویسے مجن بی تو ہر ایک کی پبلسٹی کے لئے ماہر تھیں۔ چنانچہ طاہر اور شعور کے بارے میں بھی اہل محلہ کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ دونوں ملازمت کرتے ہیں اور اچھے بچے ہیں۔

لیکن آج شام شعور کا موڈ بھی بدلا ہوا تھا گھر پہنچا تو کافی خوش تھا جبکہ شمع بیگم اور پروانہ صاحب انتہائی افسردہ تھے طاہر پہلے آ گیا تھا۔ دونوں میں باتیں ہو رہی تھیں۔ شعور گھر میں داخل ہوا تو تینوں ہی خاموش ہو گئے۔ شعور نے ان لوگوں کو دیکھتے ہوئے

"بھئی کیا بات ہے۔ آپ لوگ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں کیا؟"

"جی ہاں آیئے۔"

"منہ ہاتھ دھو لو بیٹے چائے تیار ہے۔" شمع بیگم نے کہا۔

"جی بہتر۔"

کچھ اس قسم کا ماحول بن گیا تھا کہ شعور اور طاہر زیادہ تر نیچے ہی رہا کرتے تھے۔ بس رات کو سونے کے وقت اوپر جا
کرتے تھے۔ شمع بیگم نے کھانا وغیرہ خود ہی پکانا شروع کر دیا تھا۔ کیسا کرایہ کیسے کرایہ دار۔ بس ایک طرح کا ماحول ہو کر رہ گ
اگر کوئی اجنبی گھر میں آجاتا تو بھول کر بھی نہ سوچتا کہ یہ دونوں شمع بیگم اور پروانہ صاحب کی اولاد نہیں ہیں۔ محلے والے ا
عش کیا کرتے تھے۔ جو لوگ زیادہ قریب تھے وہ یہ دیکھتے تھے کہ دونوں بچے کس طرح دونوں بزرگوں کی دلجوئی کیا کرتے ہیں ا
سعادت مندی سے گھر کی تمام ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔ شعور منہ ہاتھ دھو کر قریب آبیٹھا۔

"یہ کچھ عجیب سی کیفیت ہو رہی ہے آپ حضرات کی ہوا کیا ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے میاں اس وقت کوئی موقع کا شعر ذہن میں نہیں آرہا۔"

"خدا کے لئے' خدا کے لئے۔ علمی زندگی میں شعرو شاعری کا دخل نہ آنے دیا کریں۔" شمع بیگم نے کہا اور پروانہ
مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔ پھر شعور' ور طاہر کی طرف رخ کر کے بولے۔

"شمع بیگم کے ایک ایک انداز سے ہمیں واقفیت ہے' جب ان کے ذہن پر کوئی دوسرا دکھ سوار ہوتا ہے تو یہ شعروا
نہیں برداشت کر سکتیں۔"

"واہ کیا جملہ کہا ہے پروانہ صاحب' اشعار کا دکھ۔"

"ہاں میاں یہی سمجھ لو۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔"

"خدانخواستہ چچی جان کو کوئی دکھ لاحق ہو گیا ہے؟" شعور نے پوچھا۔

"دیکھو میاں کہے بغیر نہیں رہ سکیں گے وہ جو کہتے ہیں نا کہ۔ کہ۔ کہ کتنی روگردانی کی جائے۔ دراصل فوزیہ کی ش
سلسلے میں بات ہو رہی تھی شادی ہو گئی اور وہ رخصت ہو کر چلی گئی۔ آج اہل محلہ نے امداد بیگ کو خاصا ذلیل کیا ہے ا
کسی کو اس محلے سے بیٹی کی شادی میں شریک نہیں کیا۔ بڑے مغرور قسم کے آدمی ہیں۔ غرور نے انہیں کہیں کا نہیں
انسانیت کی حدود سے گزر چکے ہیں۔ لیکن محلے والے بھی ایک ہی ٹھہرے' تحائف ان کے دروازے پر انبار کر آئے او
مارا ہے بھگو کر کہ امداد بیگ کے خون میں اگر غیرت کا ایک ذرہ بھی باقی ہے تو شرمندہ رہیں گے پورے محلے سے۔"

شعور نے بڑی خندہ پیشانی سے یہ خبر سنی طاہر نے البتہ اس کی آنکھوں میں افسردگی تلاش کر لی تھی پھر شعور بولا۔

"چھوڑیئے چچا جان' محلے کے معاملات میں اس قدر بھی مداخلت نہیں کرنی چاہئے کہ دوسرا کسی قسم کی بات

سکے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

"اور باقی جہاں تک رہا آپ کی افسردگی کا تعلق تو دیکھئے پروانہ صاحب اور شمع بیگم عرف چچا جان اور چچی جان آپ لوگوں کو
میں ایک بات انتہائی ٹھوس لہجے میں بتا دوں کہ میں حقیقتوں کی دنیا میں رہنے والا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ سچائیاں کیا ہیں۔ آپ
انتہائی نیک لوگ ہیں۔ اتنے اچھے کہ شاید مجھے آپ کی تعریف کے لئے الفاظ نہ مل سکیں۔ آپ نے میرے دل کا ایک تصور جان
کر اپنے طور پر جو کوشش کی اس کے صلے میں جو وہاں سے آپ کو ملا اس نے مجھے بھی غیرت میں مبتلا کر دیا۔ میں آج بھی اس
بات پر شرمندہ ہوں کہ میرے دل میں یہ تصور کیوں آیا۔ بس یوں سمجھ لیجئے چچا جان آپ سے زیادہ بہتر اور کون جان سکتا ہے کہ
بعض اوقات یہ دل ایسے احمقانہ تصورات کا شکار ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے رسوائیاں ہی نصیب ہوتی ہیں لیکن ایک لمحہ تھا
جب میرے ذہن میں یہ خیال آیا تھا اور اب میں اس لمحہ سے نکل چکا ہوں اور ایک لمحہ اگر نکل جائے تو انسان کو ہوش آہی جاتا
ہے آپ یقین کیجئے کہ اب میں ہوشمندی کے لمحات میں ہوں۔ بہت اچھا ہوا فوزیہ کی شادی ہو گئی۔ ظاہر ہے یہ تصور ذہن میں
ضرور آیا تھا لیکن وہ حقیقتوں سے اتنا قریب نہیں تھا کیونکہ حقیقتیں کچھ اور ہی طلب کرتی ہیں وہ اچھے لوگ ہیں مالی طور پر مطمئن
ہے۔ ہم ظاہر ہے سوچ تو سکتے ہیں کسی چیز کے بارے میں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اپنی پسند کی ہر شے حاصل کر لیں' جو ہوا
سو ہوا ہم اپنے آپ پر تکدر کیوں طاری کر لیں۔ میں تو آج ایک بہت بڑی خوشخبری لے کر آیا ہوں آپ لوگوں کے لئے اور آپ
نے ماحول میں خاصی افسردگی پیدا کر دی ہے۔"

"خوشخبری؟" شمع بیگم چونک کر بولیں۔

"ہاں چچی جان' واقعی اتنی بڑی خوشخبری کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔" طاہر کے چہرے پر بھی تجسس کے آثار پیدا ہو گئے
ہے۔

"بتانا تو چاہئے عزیزی۔" پروانہ صاحب نے کہا

"آپ دونوں کی دعاؤں سے مجھے میری فرم نے اپنی نئی برانچ کا منیجر بنا دیا ہے۔ یہ قصہ بہت دن سے چل رہا تھا۔ میں نے اس
کا تذکرہ نہیں کیا کہ خدا جانے کیا فیصلہ ہو۔"

"گویا۔ گویا کہ۔ ارے واہ منیجر صاحب۔" پروانہ صاحب خوشی سے کھل اٹھے۔

"اللہ تمہیں اس خوشی سے نوازے۔ تمہاری سعادت مندی ہے کہ تم اسے ہماری دعاؤں کا نتیجہ سمجھتے ہو۔"

"میاں اس سے فائدے کیا حاصل ہوں گے؟"

"تنخواہ میں اضافہ۔ بہت بڑا اضافہ۔ اور بیشمار سہولتیں۔"

"خدا کی قسم جی خوش ہو گیا۔"

"خالی جی خوش ہو گیا۔ جایئے مٹھائی لے کر آیئے۔" شمع بیگم نے بٹوے سے چند نوٹ نکال کر پروانہ صاحب کو دیئے اور
پروانہ صاحب اٹھ گئے۔

طاہر کو بھی شعور کی پروموشن سے دلی خوشی ہوئی تھی۔ دو تین دن گزر گئے۔ شعور نے کسی افسردگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ
نارمل تھا لیکن طاہر جانتا تھا کہ شعور گہری فطرت کا مالک ہے۔ اس کی قوت برداشت لاانتہا ہے۔ وہ اگر کسی کا نقش قبول
کرتا ہے تو وہ نقش آخر ہوتا ہے لیکن چہرے سے کبھی غم کا اظہار نہیں ہونے دے گا۔ اپنے دوست کی اس ناکامی سے طاہر کو بے
دکھ ہوا تھا۔ لیکن اب اس کا اظہار بے معنی تھا وہ سب کچھ ہو گیا تھا جس کے بعد کچھ باقی نہیں رہا تھا۔

کوئی چار پانچ دن کے بعد ایک دن شعور واپس آیا تو بہت خوش نظر آرہا تھا' شمع پروانہ سے بولا۔

"چچی جان اور چچا جان ذرا تیار ہو جایئے آج آپ کو آئس کریم کھلانے کو جی چاہ رہا ہے۔"

"آئس کریم؟" پروانہ صاحب خوش ہو گئے۔

"جی ہاں۔"

"مگر میاں یہ سوجھی کیا آج اچانک تمہیں۔"
"بس، چچی جان دل ہی تو ہے جو چاہا سو چاہ گیا۔"
"تو پھر کیوں نہ آئس کریم کو یہیں بلا لیا جائے؟" پروانہ صاحب نے کہا۔
"جی نہیں اس کی بے حرمتی ہوگی، ہم خود اس کے پاس پہنچیں گے۔" شعور نے کہا۔
"عزیزم چلو گے کیسے؟" طاہر نے شعور کو گھورتے ہوئے پوچھا۔
"کیوں، بازاروں میں ٹیکسیاں نہیں ہیں گاڑیاں نہیں ہیں؟"
"سبحان اللہ منیجر صاحب آج بڑی فراخدلی کے موڈ میں ہیں چلئے ہمیں کیا، تیار ہو جایئے پروانہ صاحب۔"
کچھ دیر کے بعد سب لوگ گھر سے باہر نکل آئے۔ ٹیکسی گلی میں لے کر آنا ذرا چھچھورا پن محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ گلی
باہر بڑی سڑک پر نکل کر شعور نے جو پتا بتایا تھا اسے سن کر طاہر ذرا چونکا۔
"یہ کوئی خاص آئس کریم ہے جسے کھلانے کے لئے تم اتنی دور چل رہے ہو؟"
"انتہائی خاص۔" شعور بولا اور طاہر تعجب سے شعور کی صورت دیکھنے لگا۔
آئس کریم خاص ہو یا نہ ہو لیکن کوئی خاص بات ضرور تھی جسے طاہر نے صرف محسوس کیا تھا۔
ایک صاف ستھرے خوبصورت سے علاقے میں پہنچنے کے بعد شعور نے ٹیکسی ایک بنگلے کے سامنے رکوا دی جس کے
سے گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔ طاہر عجیب سی نگاہوں سے شعور کی یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا ٹیکسی کے جانے کے بعد شعو
جیب سے چابی نکالی تالا کھولا اور پھر گیٹ کھول کر استقبالیہ نگاہوں سے شمع اور پروانہ کو دیکھنے لگا۔ پروانہ صاحب حیرت
پھاڑ کر بولے۔
کس کا گھر ہے شعور میاں؟"
"آپ تشریف نہیں لائیں گے مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔"
"نہیں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے بچے۔۔۔ چاہے اب جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا اللہ مالک ہے۔" پروانہ صاد
کہا۔ لیکن طاہر کی آنکھوں میں ایک دم عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی بڑے گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ ایک سمت خوبصو
کھڑی دیکھی۔ سامنے کے دروازے میں بھی تالا لگا ہوا تھا۔ شعور نے اس تالے کی چابی پروانہ صاحب کے ہاتھوں میں
ان سے درخواست کی کہ وہ یہ تالا کھولیں۔ پروانہ صاحب نے کپکپاتے ہاتھوں سے تالا کھولا کہنے لگے۔
"ٹھیک ہے میاں جب ایک الزام تم نے اپنے سر لیا ہے تو دوسرا ہم بھی اپنے سر لیں گے۔ قسم کھانی پڑی تو کھائیں
ہاں ایک تالا ہم نے بھی کھولا تھا تاکہ تھانے میں بھی ساتھ رہے۔"
شعور ہنس پڑا۔ انتہائی خوبصورت مکان تھا۔ ہر طرح کے فرنیچر سے آراستہ کئی کمرے تھے ہر چیز روشن روشن، شعو
تمام روشنیاں جلاتا جا رہا تھا اور طاہر حقیقت حال کو سمجھ چکا تھا۔ پروانہ صاحب بھی سمجھ چکے تھے لیکن شمع بیگم آنکھیں
کر ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔
"اے یہ تو یوں لگتا ہے جیسے جنت کے کسی ٹکڑے میں آگئے ہیں، یہ آخر ہے کس کا گھر؟"
"چچی جان آپ کے بیٹے شعور کا۔" شعور نے جواب دیا اور شمع بیگم کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔
"تت۔۔۔ تمہارا بچپ۔۔۔ پھر، مم۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ کہ۔"
"آپ لوگ یہاں تشریف رکھیے۔" شعور نے صوفوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ لیکن کوئی نہ بیٹھا، شمع بیگم بد
نگاہوں سے شعور کو دیکھ رہی تھیں، تب شعور نے کہا۔
"کمپنی کی جانب سے منیجر بننے کے بعد مجھے رہائش اور کار دی گئی ہے۔ تنخواہ تو میں نے آپ کو بتائی ہی تھی اب کمپ
سے یہ رہائش گاہ بھی میرے سپرد کر دی گئی ہے اور چچی جان ہم سب اب اس میں رہیں گے۔"
"سب؟" شمع بیگم کا منہ ایک بار پھر حیرت سے کھل گیا۔ پروانہ صاحب نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر جلدی سے
بیٹھے۔

"بھئی آؤ تم لوگ تو احمقوں کی طرح کھڑے کے کھڑے رہ گئے، شمع بیگم تشریف رکھئے آیئے اور طاہر میاں تمہیں کیا ہو گیا۔
گئے کیا بھائی کے خوبصورت مکان سے بیٹھو میاں بیٹھو۔ واقعی یہ آئس کریم تو بے مثال رہی۔"
"آئس کریم بھی موجود ہے چچا جان میں کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کرتا، طاہر یہ سامنے والی راہداری سے جاؤ الٹے ہاتھ کی طرف
ڈیپ فریزر رکھا ہوا ہے اور اس میں آئس کریم موجود ہے جاؤ بھئی دیر مت کرو۔"
طاہر خاموشی سے شعور کی ہدایت کے مطابق چلا گیا۔ پلیٹیں چمچے اور آئس کریم لا کر اس نے سامنے رکھ دیئے اور پروانہ
ب نے جلدی سے آئس کریم کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ شعور کہنے لگا۔
"اب یہ فیصلہ چچی جان کو کرنا ہے کہ کون سا کمرہ کس کے پاس رہے گا اور ہاں مجھ سے کہا گیا ہے کہ ایک باورچی اور ایک
کرنے والا بھی دو چار دنوں میں ہمارے حوالے کر دیا جائے گا بس چچی جان اب آپ کے عیش کے دن آگئے ہیں۔ باورچی
پکایا کرے گا، صفائی والا صفائی کیا کرے گا اور آپ راج کریں گی۔"
روانہ صاحب دھڑا دھڑ آئس کریم کھانے میں لگے ہوئے تھے اور سب انہیں دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے انہوں نے خوب یہ
ئس کریم کھائی، باقی لوگوں نے بھی فراغت حاصل کر لی۔ پھر پروانہ صاحب ہونٹوں کو رومال سے خشک کرتے ہوئے بولے۔
ہاں میاں اب ذرا کچھ ہو جائے، شعور میاں یہ بتاؤ کس طرح مبارکباد دوں تمہیں۔ اس خوبصورت مکان کی، اس اعزاز
ل معیار کی، بس یوں سمجھ لو دعاؤں کا جتنا تصور انسانی ذہن میں آسکتا ہے وہ سب تمہارے لئے، شاید تمہارے والدین بھی
اس ترقی سے اتنا ہی خوش ہوتے جتنا ہم خوش ہوئے ہیں۔ لفظوں کے علاوہ اظہار کا اگر اور کوئی ذریعہ ہوتا بیٹے تو میں بے
ریتا۔"
یہ سب آپ ہی کی جوتیوں کا طفیل ہے چچا جان، میرا اور طاہر کا آپ دونوں کے سوا دنیا میں اور ہے ہی کون، کچھ نام نہاد
ا جو بس۔" شعور کی آواز لرز گئی۔ لیکن پروانہ صاحب بھی انتہائی سنجیدہ بیٹھے ہوئے تھے بڑی مشکل سے بولے۔
بیٹے کچھ کہنا چاہتے ہیں وعدہ کرو کہ برا نہیں مانو گے۔"
ی چچا جان سمجھا نہیں۔"
گی میں بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جہاں انسان ایک انوکھی بے بسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بیٹے ہم نے اولاد سے

محرومی دیکھی ہے اور ہماری محبتوں کا محور بس ایک دوسرے کی ذات رہی ہے۔ میری مراد سمجھ رہے ہوگے نا تم۔ شمع بیگم بر سمجھئے کہ ہماری زندگی میں شمع کی طرح روشن ہیں اور انہی شمع بیگم کے نام سے ہم نے شمع دان بنایا ہے۔ شمع دان سے نکل مرجائیں گے۔ تمہیں اندازہ ہے کہ شمع، شمع دان میں ہوتی ہے اور پروانہ اس کے اردگرد۔ وہ گلی جسے ہم اپنی گلی کہتے ایک عجیب و غریب مقناطیسی قوت کی حامل ہے۔ ہم نے جب سے وہاں رہائش اختیار کی ہے یہ دیکھا ہے کہ جو ایک با فرد کش ہو گیا وہ پھر کہیں گیا نہیں اور پھر ہمارا ٹھکانہ شمع دان کے سوا کہیں نہیں ہو سکتا۔ کہیں اور رہے تو مرجائیں گے۔ بات پر یقین کرلو۔"

شعور نے مسکراتی نظروں سے پروانہ صاحب کو دیکھا۔ پھر بولا۔

"تو ٹھیک ہے نہیں رہیں گے یہاں۔"

"نہیں بخدا نہیں یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ نہیں شعور میاں۔ خدا کی قسم یہ بہتر نہ ہوگا۔ تم ایک فرم کے منیجر بن تمہارے احباب آئیں گے یہاں۔ اسٹیٹس بنانا ضروری ہوتا ہے ورنہ امداد بیگ جیسے کوتاہ نگاہ بدتے رہتے ہیں۔ نہیں میاں ہم تم سے دور تو نہیں رہیں گے۔ آتے جاتے رہیں گے۔"

"ریت اور سیمنٹ کی یہ دیواریں چچا جان دلوں کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ محبت کائنات کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہے۔" شعور نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"شعور میاں۔" پروانہ صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"چچی جان۔ لڑیئے پروانہ صاحب سے یہ ہم سے دور ہٹ رہے ہیں۔ یہ مکان میرے لئے اسی وقت قابل قبول آپ دونوں یہاں رہیں۔ ورنہ نہیں۔"

شمع بیگم رو پڑی تھیں۔

"ظاہر۔ گاڑی ساتھ لے لیتے ہیں۔ مکان کو تالا لگا دو جب کبھی دنیا دکھاوے کی بات آئے گی ہم سب یہاں آجایا کر مسئلہ حل ہو گیا۔"

کافی دیر کے بعد سب وہاں سے چل پڑے شعور کی کار اپنی گلی میں داخل ہوئی تو سب کی گردنیں آگے بڑھ آئیں۔ شاندار کار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

★

جیل کی دنیا شہباز کے لئے انتہائی سنسنی خیز تجربہ تھی۔ قیدیوں کے مخصوص لباس میں ملبوس بھانت بھانت کے لو چہروں سے سرکشی ٹپکتی تھی، مقدم کے کوڑوں کے سامنے بے بس اپنے کام میں مصروف رہا کرتے تھے اور جب مقد سے اوجھل ہوتے تو ان کی شیطنیت پھرسے ابھر آتی، طرح طرح کے واقعات جیل میں پیش آتے رہتے تھے۔ انسان کہانیاں ترتیب دیتا رہتا ہے اور شہباز ان کہانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک سہمے ہوئے کبوتر کی مانند، با کتنی ہی تیزی طراری دکھائی ہو لیکن یہاں آکر خدا یاد آگیا تھا، دوسروں کی حالت دیکھ کر اپنے آپ کو سنبھالے رکھ ضروری تھا۔ کیونکہ وہ لوگ تو ہر قسم کے تشدد کے عادی تھے۔

شہباز تو اس تشدد کا عشر عشیر بھی برداشت نہ کرپاتا اسی لئے اس نے کبھی کسی حکم سے روگردانی نہ کی جس جھکا کر اس میں مصروف ہو گیا۔ پھر اپنی ذات کی تطہیر بھی کرنی تھی۔ باپ کے اس عمل کے بعد جو سرکشی دل و دماغ تھی اس نے بہت کچھ چھین لیا تھا۔ یہاں تک کہ جیل تک پہنچا دیا تھا۔ چنانچہ اب سرکشی کا تصور بھی روح کو دوسرے قیدی کام کرنے سے گریز کرتے، جھڑکیاں، گالیاں اور پھر مار کھاتے لیکن شہباز بتائے ہوئے کام سے زیادہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو بھی اس سے مخالفت نہ ہوئی۔ مقدموں کے اچھے ریمارکس اور خود جیل کے حکام کی ایک شریف قیدی کی حیثیت اختیار کر گیا اور اسی کے نتیجے میں بالآخر ایک دن اس کی ڈیوٹی فرغام علی خان کے جنہیں جیل میں اے کلاس ملی ہوئی تھی۔ کھلے ٹھاٹ کے آدمی تھے۔ ان کے جسم پر قیدیوں کا لباس نہیں تھا۔ باریک ہوا کرتا، سیدھا پاجامہ اور واسکٹ ساتھ میں سلیم شاہی جوتا۔ جس کمرے میں قید تھے وہاں آسائشوں کے انبار

جیل کے قیدی ہیں۔ انہیں کسی ذاتی ملازم کی ضرورت تھی چنانچہ شہباز کو ان کے پاس بھیج دیا گیا۔

شہباز کو اس ایک سال کی تکمیل کرنا تھی جو کام بھی اس کے سپرد کیا جائے اسے اس پر اعتراض نہیں تھا۔ فرغام علی خان تند مزاج تھے ایک لمحے کی تاخیر اگر کسی کام میں ہو جاتی تو بگڑ جاتے۔ شہباز نے مختصر ترین وقت میں ان کا مزاج سمجھ لیا اور کے بعد اس مزاج کے عین مطابق ہر عمل کرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرغام علی کی نگاہوں میں بھی ممتاز ہو گیا۔ کئی بار فرغام علی انے اس کے ساتھ ناروا زیادتی کی لیکن شہباز نے سچ مچ کا ملازم نہ ہونے کے باوجود وہ زیادتی سہی حالانکہ یہ اس کی روح پر ہوتا تھا لیکن رات کی تنہائیوں میں وہ خدا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا تھا کہ جو نافرمانیاں جو گستاخیاں اپنے والدین کی شان میں ے ہوئی ہیں انہیں معاف کر دیا جائے۔ چاہے یہاں کتنی ہی سختیاں کیوں نہ جھیلنی پڑیں۔ ایک ایک لمحہ یاد آتا تھا اس لئے کی چھوٹی سی غلطی پر مستقبل تباہ کر لیا تھا اس نے۔ جمیل احمد جو کچھ کر چکے تھے اگر اسے نظر انداز نہ کر دیا جاتا تو آج شاید بدلے ہوئے ہوتے۔ فرزانہ نوکری کرتی ہے باپ نجانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے ہوں گے۔ یہ ساری باتیں یاد تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے لیکن ایک سال بس یہ ایک سال گزارنا ہے۔ اس میں مستقبل کے لئے فیصلے کرنے ہیں اور ہے۔ ہر مشکل کا ازالہ ہو جائے گا۔

فرغام علی خان بالآخر موم ہو گئے، عجیب نوجوان تھا یہ۔ پاؤں دبوا رہے تھے اس دن۔ ہاتھ ذرا زور سے پڑ گیا۔ لات ماری کے شانے پر اور شہباز بے اختیار لڑھک گیا۔ ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں خون کی لکیریں نظر آئیں لیکن ے لمحے گردن جھکا لی اور معذرت کر کے دوبارہ پاؤں دبانے بیٹھ گیا۔ خون کی یہ لکیریں معذرت کا یہ انداز، فرغام علی کی ے اوجھل نہ رہ سکا۔ اٹھ کر بیٹھ گئے اور بولے۔

شہباز غلطی ہو گئی مجھ سے، شرمندہ ہوں معافی چاہتا ہوں۔"

نہیں خان صاحب کوئی بات نہیں ہے آپ صاحب اختیار ہیں اور میں آپ کا خادم، یقیناً مجھ سے ہی کوئی غلطی ہوئی ہو

یہ پوچھنا بھی پسند نہیں کرتے کہ کیا غلطی ہوئی ہے۔"

نہیں۔ سوال کر لیا تو بات ہی کیا رہ گئی۔ آپ دو لاتیں اور مار لیں۔ سوال نہیں کروں گا کہ کیوں ماری ہیں۔ تقدیر کے ا قائل ہوں تقدیر سے جنگ نہیں کرنا چاہتا۔ تقدیر سے جنگ کی تھی تو یہاں تک پہنچ گیا۔"

ام علی خان پر ان الفاظ کا بے حد اثر ہوا تھا۔ تڑپ کر اس کے بے حد قریب پہنچ گئے۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولے۔

یکھو میرا تمہارا کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جس کے تحت میں تم سے کوئی سختی کروں۔ بس کم بخت مزاج چڑچڑا ہو رہا ہے، یں کروگے تو افسردگی رہے گی۔ معاف کر دو یار آئندہ خیال رکھیں گے۔"

ان صاحب واقعی کوئی بات نہیں ہے۔"

ہو۔ تم نے نجانے ذہن کے کون سے گوشے جھنجھوڑ دیئے ہیں۔ بیٹھو شہباز۔ آج تم سے کچھ باتیں کرلی جائیں، کبھی دیکھا ورے تمہیں۔ کبھی سوچا ہی نہیں تمہارے بارے میں۔"

ز بیٹھ گیا۔ فرغام علی خان بولے۔

پنے بارے میں کچھ بتانا پسند کروگے۔"

ناپسند کا سوال نہ کریں خان صاحب بس حکم دیں۔"

ما اب حکم نہیں دوں گا۔"

معذرت چاہتا ہوں۔ اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند نہیں کروں گا۔" شہباز نے جواب دیا اور خان صاحب چونک کر گے۔ پھر کچھ دیر کے بعد مسکرا کر بولے۔

ی تو سن لوگے نا؟"

جی۔"

فرغام علی خان باپ کا نام صمصام علی خان زمیندار ہیں جس طرح لوگوں کو پتنگ بازی، کبوتر بازی، بٹیربازی، اور مرغ

بازی کا شوق ہوتا ہے ہمیں مقدمے بازی کا شوق ہے۔ جب تک کوئی مقدمہ نہ چل رہا ہو مزہ ہی نہیں آتا۔ اگر کوئی مقدمہ نہیں تو خود چھیڑ خانی کرلیتے ہیں۔ اس بار یہ چھیڑ خانی کچھ زیادہ ہی سخت ہوگئی وہ بھی زمیندار تھے، جھگڑا ہمارے آدمیوں نے کیا، کچھ وغیرہ پھٹ گئے زخمی ہوگئے مارنے والے تو بھاگ گئے، ہماری پسند کا مقدمہ شروع ہوگیا۔ لیکن اس بار سال بھر کی سزا بھگتنی ہے۔ خیر یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ سال بھر کے بعد آزاد ہوجائیں گے۔ ہمارا ایک چھوٹا سا علاقہ ہے بال بچے ہیں مزے سے بسر ہوتی ہے۔ یہ ہے ہماری کہانی ڈھائی مہینہ ہوچکا ہے اب دیکھیں کتنے دن کے بعد رہائی ملتی ہے۔ بچے آتے ہیں ضرورت کی چیزدے جاتے ہیں شہباز میاں تمہیں کوئی چیزدرکار ہو تو بتادو۔"

"نہیں خان صاحب، بے حد شکریہ۔"

"میاں دو چار لاتیں مار لو ہمارے۔ اس طرح تو طبیعت پر بوجھ سوار رہے گا۔ بھئی غلطی ہوگئی ہے، عمر میں ہمارے بچے برابر ہو، کبھی تمہارے باپ نے تمہیں لات نہیں ماری، میاں گدھا سمجھ لو ہمیں اور کیا کہیں؟ کم از کم چہرے پر خلوص مسکراہٹ تو لے آؤ ذرا دل کا بوجھ تو ہلکا ہوجائے۔"

شہباز بے اختیار مسکرا پڑا تھا۔ فرغام علی خان نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"آئندہ خیال رکھیں گے بلکہ تمہاری وجہ سے اپنا مزاج ہی بدل لیں گے، بڑے صابر نوجوان ہو۔ یقیناً" کسی شریف اولاد۔ معاف کردینا شہباز۔"

کچھ اس طرح عاجزی کا اظہار کیا فرغام علی خان نے کہ شہباز کے دل کی کدورت دھل گئی اور وہ خلوص سے مسکرا دیا

"نہیں خان صاحب واقعی اب کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر اپنے بارے میں بھی کچھ تھوڑی سی تفصیلات بتادو۔ جواب میں شہباز نے فرغام علی خان کو اپنی زندگی کی کہانی تھی۔ فرغام علی خان پر خیال انداز میں گردن ہلا رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"ہاں ان فنانس کمپنیوں نے بہت سے گھرانوں کو ڈبو دیا ہے۔ حکومت کی اپنی پالیسیوں پر تو ہمارا جی جلتا ہے اخبارات میں بڑے اشتہارات چھاپتے ہیں کہیں فلیٹوں کا منصوبہ کہیں زمینوں کی کوڑیوں کے دام فروخت کے منصوبے۔ یہ اشتہار جال میں پھنس کر اپنی جمع پونجی ان بھیڑیوں کی نذر کردیتے ہیں اور اس کے بعد پتا چلتا ہے کہ وہ سب جعلی کمپنیاں تھیں سارے منصوبے فریب تھے۔ میں کہتا ہوں کیا حکومت عوام کے معاملات کی ذمہ دار نہیں ہے۔ آخر کیوں بغیر اپن او ر لوگوں کو اشتہار کی اجازت دی جاتی ہے۔ ایک باقاعدہ محکمہ ہونا چاہئے یہ ہی عوام کے تحفظ کا ایک پہلو ہے لیکن نہیں کرے گا۔ بہرحال میاں دکھ ہوا بہت دکھ ہوا۔ تم نے اپنے باپ سے انحراف کرکے بھی اچھا نہیں کیا۔ خیر خدا بہتر کرے سال کی بتائی ہے نا تم نے۔"

"جی خان صاحب۔"

"کوشش کریں گے کہ تمہیں اپنے ساتھ ہی لے جائیں۔ اصل میں یہ سزا بھگتنا ہمارے لئے ضروری تھا بس وکیل یہی کہتا تھا کہ سزا کاٹ لی جائے تو اچھا ہے ورنہ دوسری پیچیدگیاں پیدا ہوجائیں گی۔ اگر ہم نہ چاہتے تو یہ سزا ہمیں نہ بے فکر رہو پوری سزا تو معاف نہیں کرا سکتے ہم لیکن کوشش کریں گے کہ ڈھائی مہینے پہلے ہی تمہیں نکال لے جائیں اور اب تکلف مت کرنا۔ کسی شے کی ضرورت ہو تو بے دھڑک ہمیں بتا دینا ہمارے تمہارے درمیان اب ایک اور رشتہ ہے۔"

شہباز نے نیاز مندی سے گردن ہلا دی تھی ویسے اس دن کے بعد فرغام علی خان نے اس کا پورا پورا خیال رکھا تھا اور یہاں بھی اسے کافی سہولتیں حاصل ہوگئی تھیں۔

تقریباً دو مہینے گزر گئے اس دوران جمیل صاحب سے ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی، ویسے بھی شہباز نے انہیں غرض یہ کہ شہباز کی زندگی فرغام علی خان کے ساتھ بہتر ہوگئی تھی اور اسے مستقبل کے بارے میں سوچنے کے مواقع مل گئے تھے۔ ان سوچوں میں پروین بھی شامل تھی اور کبھی کبھی رات کی تنہائیوں میں جب کھڑکی سے چاند کی تو اس کے ذہن میں ایک چہرہ ابھر آتا جو الگنی پر کپڑے پھیلا رہا ہوتا اور اس کے ہاتھ سلام کے لئے اٹھ جاتے مستقبل کیا ہے نجانے ــــ نجانے ــــ تصور کی پرواز اسے دور تک لے جاتی تھی۔

دن کے تقریباً گیارہ بجے تھے۔ کلیم احمد صاحب بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی اور رقیہ بیگم باورچی خانے سے باہر نکل آئیں۔

"کون ہے؟" انہوں نے کلیم احمد صاحب سے پوچھا اور وہ چہرے سے اخبار ہٹاتے ہوئے بولے۔

"مجھے کیا معلوم دیکھتا ہوں؟"

"نہیں، آپ اخبار پڑھیئے میں دیکھ رہی ہوں۔" رقیہ بیگم نے صحن عبور کرکے دروازہ کھول دیا۔ شاندار شخصیت کی مالک ایک خاتون دروازے میں کھڑی ہوئی تھیں۔ لباس اور اس سے اڑتی ہوئی خوشبوئیں، شانے سے لٹکا ہوا بڑا سا پرس اور چند گز کے فاصلے پر کھڑی کوئی ایک خوبصورت کار۔

رقیہ بیگم تو ہکا بکا رہ گئیں۔ کچھ کہہ بھی نہ سکیں۔ آنے والی شخصیت نے مسکرا کر انہیں ادب سے سلام کیا، رقیہ بیگم سنبھل لئیں عقب سے کلیم احمد صاحب کی آواز ابھری۔

"کون ہے؟"

مگر رقیہ بیگم کوئی جواب نہیں دے سکیں۔ باہر کھڑی ہوئی خاتون نے کہا۔

"میں اندر آنا چاہتی ہوں۔"

"ارے ارے معاف کیجئے، آیئے آیئے۔" رقیہ بیگم ایک دم سنبھل گئیں۔

کلیم صاحب جو برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے کوئی شناسا شکل نہیں تھی رقیہ بیگم نے دروازہ لیا۔ اور پھر خاتون کے ساتھ قدم ملاتی ہوئی آگے بڑھ گئیں، برآمدے میں چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں وہ وہاں رکیں تو رقیہ بیگم کہا۔

"نہیں اس طرف کمرے میں آجایئے ہم اسے ڈرائنگ روم تو نہیں کہہ سکتے، لیکن آیئے براہ کرم آیئے۔"

آنے والی خاتون نے مسکراتی نگاہوں سے رقیہ بیگم کو دیکھا، پھر بولیں۔

"یہاں ہی بیٹھ جائیں تو کیا حرج ہے جگہ بری تو نہیں ہے۔"

"تشریف رکھئے۔" کلیم احمد صاحب نے اپنی بیساکھی سنبھال کر کہا۔ اور آنے والی خاتون بیٹھ گئیں۔

"آپ لوگ مجھے دیکھ کر اس قدر حیران کیوں ہوگئے ہیں۔ انسان ہی ہوں، انسانوں سے مختلف تو نہیں ہوں بعض اوقات ناسا اجنبی بھی ہوتے ہیں میرا خیال ہے اگر میں آپ کو اپنا نام بتادوں تو آپ میرے بارے میں جان لیں گے۔"

"اصل میں بیٹی معاف کرنا، میں نے عمر کے لحاظ سے تمہیں بیٹی کہہ دیا ہے صورت حال کچھ ایسی ہی ہوتی ہے جہاں اجنبی م آتے ہیں وہاں کسی بالکل ہی اجنبی شخصیت کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے خیر کون ہو تم؟"

"میرا نام سلطانہ جمالی ہے، شاید شکیل صاحب نے کبھی آپ لوگوں سے میرا تذکرہ کیا ہو۔"

"اتفاق ہے اگر کیا بھی ہے شکیل میاں نے کوئی تذکرہ تو اب ہمارے بوڑھے ذہنوں میں بات کہاں رہتی ہے کچھ اور تفصیل ارف ہوجائے۔" کلیم احمد صاحب بولے۔

"بس یوں سمجھ لیجئے شکیل صاحب خصوصی طور پر میرے معاون کار ہیں۔ میرے لئے ہی کام کرتے ہیں۔"

"اوہو اچھا، آپ اس کی فرم کی مالک ہیں؟"

"سادہ الفاظ میں آپ یہی کہہ دیجئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شکیل صاحب نے میرے ساتھ معاونت کرکے جیسے میرے میں اپنی پارٹنرشپ کرلی ہے خیر یہ تو ہو ئیں رسمی باتیں، میں یہ سمجھ رہی تھی کہ شکیل صاحب اکثر میرا تذکرہ یہاں کرتے ں گے اور آپ لوگ مجھے جانتے ہوں گے۔"

ماناں بیٹے کہ بس یادداشت ذرا کم ہی ساتھ دیتی ہے۔ بھئی اب یہ بتایئے آپ کہ کیا پئیں گی؟"

ئی بھی ٹھنڈی شے لیکن جس کا تعلق گھر سے ہو۔"

ں ہاں یقیناً۔" کلیم احمد صاحب بولے اور رقیہ بیگم فوراً ہی اندر چلی گئیں۔

کے فضل سے حالات اب بدتر نہیں رہے تھے شکیل کی بہترین تنخواہ نے گھر بھر دیا تھا۔ ہر چیز موجود تھی۔

فریج سے بڑی نفاست سے کولڈ ڈرنک کی بوتلیں نکالیں گلاسوں میں برف کے ڈلے ڈالے اور اس کے بعد ٹرے سجا
ہوئے آگئیں۔ انہی کرسیوں کے درمیان چھوٹی سی ٹیبل رکھ دی گئی تھی۔ سلطانہ جمالی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس
ٹرے رقیہ بیگم کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ ایک ملازم کیوں نہیں رکھ لیتے۔ یہ سارے کام آپ کو ہی کرنا پڑتے ہوں گے۔" اس نے رقیہ بیگم سے کہا او
رقیہ بیگم ہنس پڑیں پھر بولیں۔

"بھئی اپنے کام تو کرنے ہی ہوتے ہیں اور جہاں تک ملازم کا تعلق ہے تو بس یوں سمجھ لیجئے آپ کہ ہمارے درمیان ک
ایسے چوتھے فرد کی گنجائش نہیں ہے جو گھر کے کام کاج سنبھالے ہم لوگ خود ہی اپنے سارے کام کرنے کے عادی ہیں۔"

"خیر یہ تو اچھی بات ہے انسان کو چلتے پھرتے رہنا چاہئے۔" سلطانہ جمالی نے بے تکلفی سے سب کے سامنے کولڈ ڈرنک
گلاس رکھے اور اپنا گلاس اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر بولی۔

"اصل میں شکیل صاحب نے کچھ اس طرح ہمارے ساتھ مل کر ہمارا کاروبار سنبھالا ہے کہ ان کی ایک ذاتی اور انفرا
حیثیت سی ہو گئی ہے ہماری نگاہوں میں' میں آپ لوگوں کو آپ کے بیٹے کی ذہانت کے بارے میں کیا بتاؤں بس یوں سمجھ لیجئے
میری گرتی ہوئی ساکھ کو شکیل صاحب نے جو سہارا دیا ہے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ میں ان کا بے حد احترام کرتی ہوں اور
رشتے سے آپ کے پاس پہنچی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ بیٹے یہ آپ کی بڑائی ہے کہ آپ نے ہم لوگوں کو اس قابل سمجھا۔ ویسے یہ گندی سی گلی اتنی بڑی کا
متحمل نہیں ہو سکتی لیکن ابھی دنیا میں اچھے لوگ باقی ہیں۔ آپ نے یہاں آنا برا نہیں سمجھا یہ آپ کی بڑائی ہے۔"

"نہ یہ گلی گندی ہے اور نہ آپ لوگ چھوٹے لوگ لیکن میں بہت دن سے آپ کے پاس آنے کے بارے میں سوچ رہ
شکیل تو اتنے مصروف ہیں کہ کبھی مجھے اپنے ساتھ یہاں لانے کے لئے تیار نہیں ہوئے' کام کام کام' بس یہی ان کی زندگ
میں نے سوچا کسی وقت خود ہی آپ کے پاس پہنچوں اور آپ سے اپنے دل کی بات کہوں۔"

کلیم احمد صاحب سنبھل کر بیٹھ گئے انہوں نے بیوی سے کہا کہ سلطانہ جمالی کے گلاس میں اور مشروب ڈالے سلطا
نے بھی خوشدلی سے دوسرا گلاس قبول کر لیا تھا۔ وہ یہاں نہایت بے تکلفی کا مظاہرہ کرنا چاہتی تھی۔ پھر سلطانہ جمالی بولی۔

"تو صورت حال یہ ہے کہ میں نے شکیل صاحب سے کہا کہ شکیل صاحب آپ کا معیار زندگی بدل جانا چاہئے ا
جس حیثیت کے مالک ہو چکے ہیں اس کے تحت بے شمار افراد کا آپ سے واسطہ پڑے گا اور ملاقاتی آتے جاتے رہیں گ
میں بات یہ ہے چچا جان کہ یہ دنیا ٹیپ ٹاپ کی حامی ہے' بہت اچھا طرز زندگی اپنا لیجئے ترقی کے راستے اور راہیں بھی کھلتی
ہیں انسان کا ایک اسٹیٹس ہوتا ہے اور وہ اسی کے مطابق بہتر رہتا ہے میں اصل میں آپ کے پاس ایک درخواست ل
تھی۔"

"کیا؟" کلیم احمد صاحب نے کسی قدر سنجیدگی سے کہا۔

"میں کمپنی کی طرف سے آپ لوگوں کو ایک مکان دینا چاہتی ہوں کسی اچھے اور بہتر علاقے میں' سارا مکان آپ ک
کے مطابق ڈیکوریٹ کر کے میں آپ کو پیش کروں گی' یوں سمجھ لیجئے کہ یہ شکیل صاحب کے لئے کمپنی کی جانب سے ایک
میں آپ کی منظوری لینا چاہتی تھی' علاقہ آپ منتخب کر دیجئے کمپنی اپنی ادائیگی کر کے وہ مکان آپ کو پیش کرے گی۔"
صاحب چند لمحات سنجیدہ رہے پھر ہنسنے لگے اور بولے۔

"وہ کمپنی جس کی مالک آپ ہیں بیٹی؟"

"جی چچا جان یہی سمجھ لیجئے۔"

"خیر اصل میں' میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس پیشکش کے لئے کس کا شکریہ ادا کروں بات اصل میں یہ ہے بیٹے کہ
ایک ذہنی معیار بھی ہوتا ہے۔ رہائش' رہن سہن' لباس بے شک بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اسٹیٹس کا معاملہ
حیثیت رکھتا ہے خصوصاً" اس دور میں لیکن میں نے ذہنی معیار کی بات کہی تھی یوں سمجھ لو ہم نے زندگی کا آغاز اسی گلی
اور اس گلی کے لوگوں سے ہماری اس قدر شناسائی اور یگانگت ہے کہ ہم شاید موت کے بعد بھی ان سے روح کا رشتہ

ے جس جگہ سے روح کا رشتہ قائم ہوا سے چھوڑنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ آپ کو اس کا اندازہ ضرور ہو گا بیٹی' میرے خیال میں
ہم لوگ ضروریات زندگی سے پوری طرح مالا مال ہیں اور ایسا شکیل کی ملازمت کے بعد ہوا ہے چنانچہ یہ ذرا مشکل کام ہو گا
ہمارے لئے کہ ہم یہ گھر چھوڑ دیں۔"

سلطانہ جمالی کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میری دلی آرزو یہی تھی لیکن کیا کہہ سکتی ہوں چچا جان آپ یہ بیساکھی کیوں لگاتے ہیں مصنوعی اعضا' تو آج کل بڑے
آرام سے مل جاتے ہیں' میں آپ کی اس مصنوعی ٹانگ کے لئے بات کروں۔"

"نہیں بیٹے جو چیز چلی گئی وہ گئی ایک حادثے میں میری ٹانگ ضائع ہوئی تھی یہ بیساکھی ایک حقیقی سہارا ہے مصنوعی ٹانگ لگا
کر خود کو چھپانا نہیں چاہتا۔ بیساکھی کے سہارے چل لیتا ہوں بھئی ایک بات ضرور کہوں گا میں کہ شکیل کو بہت ہمدرد اور اچھے
انسان ملے ہیں' بیٹے آپ نے ہمیں یہ اعزاز دیا بس ہم کہہ نہیں سکتے کہ ہمیں اس سے کتنی خوشی حاصل ہوئی ہے۔"

"پھر بھی میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے آپ' میں تو یہ سوچ کر آئی تھی کہ آپ لوگوں کو دوسرے گھر میں منتقل کرنے
کے لئے تیار کر لوں گی۔"

"ہم نے تمہیں بتا دیا دوسرے گھر میں ہماری قبریں تو بن سکتی ہیں رہائش اختیار کرنا مشکل ہے۔"

"خدا نہ کرے' خدا نہ کرے ہمیں آپ کے سائے کی ضرورت ہے۔" کافی دیر تک سلطانہ جمالی وہاں بیٹھی رہی اور اس کے
بعد اس نے اجازت طلب کر لی۔

جب وہ چلی گئی تو کلیم احمد صاحب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ رقیہ بیگم نے کہا۔

"کیسے اچھے اچھے لوگ ہیں ابھی اس دنیا میں بھلا دیکھئے کہاں وہ کہاں ہم لیکن انداز دیکھئے۔"

"ہوں بات تو ہے لیکن رقیہ بیگم نجانے کیوں' اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اب بے غرضی کا تصور بھی ختم ہو گیا ہے
یں بری بات کر رہا ہوں اچھی طرح جانتا ہوں لیکن کیا کروں زمانہ یہی کہہ رہا ہے اسی آواز میں بول رہا ہے اسی انداز میں جی
رہا ہے کوئی شخص کسی سے بے غرض نہیں ہے ہر ایک کا اپنا ایک مسئلہ ہوتا ہے اور اس مسئلے کی نوعیت جس طرح بھی ہو اور
س کا حل جس کے پاس بھی ہو وہ اس سے اسی طرح مصنوعی طریقے سے رجوع کرتا ہے مگر یہ خاتون' یہ خاتون۔"

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"جو کہنا چاہتا ہوں اس کا تعین خود بھی نہیں کر سکتا۔"

"خدانخواستہ آپ۔"

"ہاں خدانخواستہ۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟"

"مجھے شرمندہ نہ کرو رقیہ بیگم اپنے شبہات پر خود غیرت آ رہی ہے مجھے مگر کیا کروں۔ زمانہ بہت مختلف ہو چکا ہے بہت زیادہ
تلف۔" کلیم احمد صاحب نے سر جھکا لیا۔

✿

فاطمہ بیگم نے نسیم بیگم کا اوپن چیلنج قبول کیا تھا۔ اس دن حکمت علی صاحب کے سامنے بات ہوئی تھی لڑکیوں کے سلسلے میں
اطمہ بیگم اپنا حق سمجھتی تھیں کہ پہلے خود آگے بڑھ کر کوشش کریں۔ آج صبح ہی سے دل میں ٹھان لی تھی کہ محلے کا چکر لگائیں گی
ڑکوں سے شناسائی پیدا کریں گی۔ حکمت علی تو دفتر چلے گئے تھے۔ فاطمہ بیگم کی تیاریاں نسیم بیگم معنی خیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں
دھر ثریا اور پروین بھی محسوس کر رہی تھیں کہ آج صبح ہی سے ماحول ابر آلود ہے شاید رم جھم بارش ہو جائے اور بالا خر وقت
ا گیا جب انہوں نے بادلوں کی گڑگڑاہٹ سنی۔

فاطمہ بیگم نے جیسے ہی برقع سر پر رکھا' نسیم بیگم باورچی خانے سے نکل کر سامنے آ گئیں۔

"کہاں چلیں اماں۔۔۔۔۔۔؟"

"کیوں' میں اماں ہوں تمہاری یا تم میری اماں ہو' کچھ پتا ہے کسی کے گھر سے باہر نکلنے سے پہلے ٹوکنا کوئی اچھی بات نہیں

سمجھی جاتی" کالی بلی کی طرح آگئی راستہ کاٹنے کے لئے۔"
"چلیں کہاں برقع سر پر رکھ کر۔"
"ارے میں کہتی ہوں تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے نسیم یہ سوال تو مجھ سے کبھی میرے میاں نے بھی نہیں کیا تھا۔ سار سسر نے بھی نہیں کیا۔ تم کون ہو مجھ سے یہ پوچھنے والی۔"
"اس گھر کی عزت ہوں اماں اور اس گھر کی عزت کو سنبھالنا بھی میرا ہی کام ہے۔ جہاں بھی کہیں جا رہی ہو بتا کر جاؤ۔"
"میں کہتی ہوں تو ہوتی کون ہے مجھ سے پوچھنے والی شرم نہیں آتی اس لہجے میں بات کرتے ہوئے۔ حد سے آگے بڑھتی رہی ہو۔"
"اچھا اچھا اب یہ تو تڑاک بھی شروع ہو گئی۔"
"تم نے بات ہی ایسی کہی ہے میں تمہیں جواب دینے والی کون اور تم مجھ سے جواب لینے والی کون۔ میری مرضی ہے جہاں میرا دل چاہے جاؤں۔"
"ویسے تو آپ کا جہاں جی چاہے جایئے اماں، مگر ہمارے اس گھر کو محلے میں رسوا نہ کریں۔ جانتی ہوں جہاں بھی جائیں گی میرے ہی دکھڑے لے کر بیٹھ جائیں گی اور کیا باتیں کریں گی آپ۔ جو ملنا جلنا بھی چاہتے ہوں گے ہم سے، وہ آپ کی باتوں سے متاثر ہو کر ہماری طرف تھوکنا بھی پسند نہیں کریں گے۔"
"اسے کہتے ہیں چور کی داڑھی میں تنکا۔ بی بی اپنے اعمال جانتی ہو نا۔ انہی سے ڈرتی ہو۔ ارے یہ تو دنیا ہے، عاقبت کی فکر کرو، یہ زبنیا جو بتیس دانتوں کے بیچ میں چھپی رہتی ہے نا جب چلتی ہے تو گناہوں کی پوٹلیاں باندھتی ہوئی چلتی ہے اس سے مٹھاس بانٹ دو اس سے کڑواہٹ بانٹ دو۔ مگر تمہارے منہ میں مٹھاس ہے کہاں، اے لو اتنی باتیں بنا ڈالیں کچھ دم میں ــــــ جا رہی ہوں میں محلے میں ــــــ دکھڑے جو ہوں گے سو روؤں گی ان سے مجھے کون روکے گا بھلا۔ تم جیسی بہوئیں گھروں میں گھس کر گھر کے ماحول کا ستیاناس کر دیتی ہیں کہیں تعریفوں کے قابل ہوتی ہیں۔"
"صبر پڑے گا میرا اماں، صبر پڑے گا تم پر۔"
"تو بوا بڑی صابر و شاکر ہو۔ بہت نیک گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔ اے میں کہتی ہوں میرا دماغ کیوں خراب کئے دے رہی ہو تم۔ پروین، ثریا لے جاؤ اپنی اماں کو، خوامخواہ کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو جائے۔"
فاطمہ بیگم نے تیزی سے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔ نسیم بیگم کی بڑبڑاہٹوں نے دروازے تک پیچھا کیا مگر انہوں نے دروازہ زور سے بند کر دیا اور اس کے بعد گلی میں نکل آئیں۔ اچھا خاصا موڈ بنا کر چلی تھیں لیکن نسیم بیگم کو راستہ کاٹنا ہی تھا بہرحال وہاں سے آگے بڑھ گئیں۔ محلے میں کبھی اس طرح اکیلی نہیں نکلی تھیں ویسے بھی گھر سے اکیلے نکلنے کی قائل نہیں تھیں کوئی نہ کوئی ساتھ ہوتا ہی تھا آج بس غصے میں چل پڑیں تھیں اصل میں اس دن ہی نسیم بیگم نے کہا تھا کہ محلے میں میل جول بڑھائیں گی۔ فاطمہ بیگم نے چیلنج کر دیا تھا کہ انہیں روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ نسیم بیگم تو بے چاری اپنے گھریلو معاملات میں اس قدر مصروف رہتی تھیں کہ انہیں موقع ہی نہیں ملتا تھا ــــــ لیکن فاطمہ بیگم کے پاس کافی وقت تھا اور آج صبح ہی صبح آنکھ کھلا کر انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ محلے کا ایک چکر لگائیں گی سو اس وقت وہ چل پڑی تھیں۔
لوگوں سے شناسائی نہیں تھی بس یونہی آگے نکل آئی تھیں اچانک ہی انہیں ایک آواز سنائی دی۔
"اے گیارہ نمبر والی۔ اے گیارہ نمبر والی، اے بوا سنو تو۔ کہاں لپکی لپکی چلی جا رہی ہو۔ خیر تو ہے ــــــ؟"
ایک گھر کے دروازے پر جمن بی کھڑی ہوئی تھیں۔ فاطمہ بیگم نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی۔ پہلی شکل بھی نظر آئی تو کیا۔ لیکن کالی بلی جو راستہ کاٹ گئی تھی ایسی ہی شکل سامنے آنی تھی ــــــ تو فاطمہ بیگم کو رک کر ان کی جانب رخ کرنا پڑا ــــــ جمن بی مجسم پذیرائی بن گئی تھیں۔
"اے کہاں جا رہی ہو گیارہ نمبر والی، خیر تو ہے کوئی کام ہے تو مجھ سے کہو، کوئی مشکل پیش آگئی ہے کیا؟"
"ارے نہیں جمن بی، بس ایسے ہی گھر میں بیٹھے بیٹھے جی گھبرا رہا تھا سو چا پڑوس میں ہی کسی سے مل لوں۔"
"اے لو، تو کیا یہ گھر نہیں ہے تمہارا۔ آؤ اندر آجاؤ۔" جمن بی نے بڑی محبت سے کہا اور فاطمہ بیگم اس محبت کو مسترد نہ کر سکیں۔

اندر پہنچیں جمن بی کی بہو شاہدہ درحقیقت بہت ملنسار اور نیک فطرت کی مالک تھی جمن بی نے اسے بتایا۔
"یہ ہماری پڑوسن ہیں گیارہ نمبر والی۔ بڑی اچھی خاتون ہیں، بہو ہیں ان کی دو پوتیاں ہیں۔ بیٹا ہے زیادہ دن نہیں ہوئے اس محلے میں۔ مگر اشراف میں سے ہیں۔ بہت اچھے لوگ ہیں ــــــ اور فاطمہ بیگم یہ میری بہو شاہدہ ہے یہ بچے ہیں۔ اللہ شمشاد کو دنیا کی ساری خوشیاں دے بڑا خیال رکھتے ہیں میرا دونوں میاں بیوی۔ بس بچوں میں وقت گزارتی ہوں ــــــ اے شاہدہ بیٹی چلو چائے وائے بناؤ۔"
"ارے نہیں جمن بوا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو ناشتہ کیا ہے۔"
"پھر بھی اب ہمارے گھر پہلی بار آئی ہو تو چائے بھی نہ پیو گی۔"
"میں لاتی ہوں بنا کر اماں، آپ بیٹھئے خالہ جان۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے ہاں سے چائے پیئے بغیر چلی جائیں۔" شاہدہ نے کہا۔
جمن بی کے اشارے پر فاطمہ بیگم ایک جانب بیٹھ گئیں برقع اتار کر رکھ دیا۔ کہنے لگیں۔
"اپنے تو اپنے ہوتے ہیں جمن بوا۔ مگر غیر اچھے مل جائیں تو زندگی اچھی گزر جاتی ہے۔"
"شاہدہ کی بات کر رہی ہو۔"
"ہاں۔"
"اپنے لہجے ہی سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ منہ میں جیسے مٹھاس گھلی ہوئی ہے۔ ایک وہ ہماری ہیں۔"
"اے ہاں فاطمہ بیگم میں نے یہی محسوس کیا ہے کہ تم دونوں ساس بہو میں بنتی نہیں ہے۔"
"ارے بس بوا، یوں سمجھ لو کہ دامن اٹھاؤ تو اپنا ہی پیٹ کھلتا ہے کیا بتاؤں بس غلطی ہو گئی مگر اب تو بھگتنا ہی ہے، بلاوجہ برائیاں کرنے سے کیا فائدہ۔"
"اے لو ہم کیا اندھے ہیں دیکھتے نہیں ہیں۔ یہ تمہارا کہنا سچ ہے کہ بہو اگر اچھی نہ ہو تو زندگی دوبھر ہو جاتی ہے اللہ رکھے میرا بھی ایک ہی بیٹا ہے تمہارا بھی ایک ہی بیٹا معلوم ہوتا ہے کوئی بیٹی نہیں ہے تمہاری؟"
"کوئی بھی نہیں ہے ہوتی تو اسی کے پاس چلی جاتی ناں۔"
"صبر کرو فاطمہ بیگم اللہ صبر کرنے والوں کو جنت دیتا ہے۔" جمن بوا نے کہا۔
فاطمہ بیگم نے چونک کر جمن بوا کو دیکھا۔ جمن بوا جب گھر آتی تھیں تو نسیم بیگم ہی سے ان کی گاڑھی چھنتی تھی آج رخ بدل گیا تھا اور فاطمہ بیگم کے دل کی باتیں کر رہی تھیں لیکن فاطمہ بیگم نے خود کو فوراً ہی سنبھال لیا غیر گھر میں بیٹھ کر برائیاں کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔ پوتوں اور بیٹے شمشاد کے بارے میں پوچھنے لگیں اور جمن بی ایک ایک کے گن گانے لگیں بچوں کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے شاہدہ کے بھی گن گائے۔ شاہدہ واقعی اچھی عورت تھی بسکٹ چائے بڑی نفاست سے فاطمہ بیگم کے سامنے لا کر رکھے اور فاطمہ بیگم مصروف ہو گئیں جمن بی ان سے دنیا جہاں کی باتیں کر رہی تھیں، محلے کے ایک ایک گھر کی تفصیلات بتا رہی تھیں پھر انہوں نے کہا۔
"بوا عمر کے اس حصے میں تو انسان کو بس ایک ہی کام رہ جاتا ہے وہ جو کہتے ہیں نا کہ جب لومڑی کی اپنی دم کٹ گئی تو وہ چاہتی ہے کہ جنگل کے سارے جانوروں کی دم کٹ جائے تو بوا یہی سمجھو۔ میرا بھی یہی شوق ہے۔ جس گھر میں جوان بیٹے اور بیٹیاں دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ کیوں نہ ان گھروں کو بسا دیا جائے اے میں نے تم سے بھی تو کہا تھا مگر تم نے توجہ ہی نہیں دی۔"
"اب ایسے ہی تو سب کچھ تھوڑی ہو جاتا ہے جمن بی سوچنا سمجھنا پڑتا ہے تم نے دوبارہ کبھی ذکر ہی نہ کیا۔"
"اے لو بوا، اس دن تم نے کون سی میری رکھی تھی ایک کی سات سنا ڈالیں، چلو چھوڑو ان باتوں کو جو گئی سو گئی۔ میں پوچھتی ہوں بچیوں کے لئے کیا کوئی رشتہ تلاش کر لیا ہے؟"
"خاک تلاش کر لیا ہے، نسیم بیگم اس مسئلے پر کبھی بات ہی نہیں کرتیں، اب ہم بڑے بوڑھے ہیں ہماری نظریں جو کچھ دیکھتی ہیں وہ جوان لوگوں کی تھوڑی دیکھتی ہیں، کہنے کو تو ماں ہیں لیکن یہ سوچتی ہی نہیں کہ بچیاں جنگلی بیل کی طرح بڑھ رہی ہیں

ارے کوئی رشتہ تلاش تو کرلو' ٹھیک ہے مت کرو ابھی شادی' مگر کوئی سن گن تو ہو' کہیں بات چیت تو ہو کسی سے' ملنا نہ جلنا' گھر میں گھسے رہنا' اب تم ہی بتاؤ بوا' گھر کے کام کاج پیچھا کب چھوڑتے ہیں۔ ہمت کر کے نکلو گی گھر سے' تو کسی سے میل ملت ہو گی۔ اب یہ محلّہ ہے دیکھو ایک سے ایک اچھا آدمی رہتا ہے یہاں' اللہ رکھے نہ کبھی لڑائی نہ جھگڑا' سکون سے سب لوگ گھر والوں اور خاندان والوں کی طرح سے رہتے ہیں میرا تو بڑا جی خوش ہوا ہے اس گلی میں آکر۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے' سب کے سب اپنے اپنے رنگوں میں مست ہیں مگر جھگڑا ٹنٹا کسی سے نہیں ہے سب ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے ہیں اور محلے والوں کو گلی کا گھاس کوڑا مگر کسی کو کیا فائدہ اور کیا نقصان۔ اپنی پسند سے جی رہے ہیں جیتے رہیں' بچیوں کے لئے کچھ سوچو فاطمہ بیگم' میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"آپ جیسی اچھی دوست اور بزرگ مل جائیں تو پھر بھلا پریشانیاں کاہے کی رہیں۔ جتنی میں ہوں ثریا اور پروین کے لئے اتنی ہی آپ ہیں۔ آپ جو کچھ بھی بتائیں گی میں کروں گی۔"

"اللہ خوش رکھے تمہیں' بڑی اپنائیت کی بات کی ہے اور ہم بھی اپنوں پر مٹ مرنے والوں میں سے ہیں۔ ارے میں ہوں تو پھر فکر کس بات کی ہے' دیکھو کیا رشتہ لگاتی ہوں۔"

تجن بی ان باتوں سے نہال ہو رہی تھیں فاطمہ بیگم بھی خوش تھیں کہ چلو مطلب کی بات نکل آئی۔ چائے پی گئی دو چار بسکٹ بھی کھائے گئے شاہدہ بھی پاس آبیٹھی تھی اور باتیں ہو رہی تھیں شاہدہ ان باتوں کو خاموشی سے سن رہی تھی اس نے پروین اور ثریا کے بارے میں چند باتیں کیں اور پھر ایک دم چونک کر بولی۔

"ارے اماں آپ کو حسینہ بیگم کی بات یاد نہیں آئی کیا؟"

"حسینہ بیگم۔" تجن بی چونک کر بولیں اور پھر انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"لو خدا کی نیکی' واقعی اتنی اہم بات مجھے یاد ہی نہیں آئی۔ اے فاطمہ بیگم' بس ابھی چلتے ہیں ایک جگہ۔ چائے پی لو۔ تم تو نکلی ہی محلے میں گھومنے کے لئے ہو۔ ایک گھر میں لے چلوں گی تمہیں۔۔۔۔۔۔"

"کون ہیں' کیا ہیں۔" فاطمہ بیگم نے پوچھا۔

"گلی کے آخری کونے پر رہتے ہیں۔ نام ہے شوکت علی۔ بیوی ہیں جن کا نام حسینہ بیگم ہے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ دونوں بیٹوں کی شادیاں ہو گئی ہیں اور وہ اپنے اپنے گھروں کی ہیں۔ دو بیٹیوں کی بھی شادی ہو گئی ہے۔ ایک باقی بچا ہے طیب علی۔۔۔۔۔۔ اور طیب علی نے کیا کمال دکھایا ہے بیوی۔ سارے بھائیوں اور بہنوں میں سب سے اچھا نکلا حالانکہ نو جماعتیں پاس کیں مگر پتا ہے کہاں نوکری کرتا ہے۔"

"نہیں۔"

"اے وہ جو ہوتا ہے محکمہ ادھر ادھر۔ مطلب یہ کیا کہتے ہیں شاہدہ اسے۔" تجن بی نے کہا۔

"کسٹم اماں کسٹم۔"

"ہاں طیب علی کسٹم میں بابو ہے اور بھئی کمال ہے اس گھر کی تو ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ دیکھنے والے دانتوں میں انگلیاں دبا لیتے ہیں۔ ویسے تو احمد علی اور ساجد علی بھی نوکریاں کرتے ہیں لیکن طیب علی کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ ساجد علی سب سے بڑے ہیں وہ تو اپنے بیوی بچوں کو لے کر الگ ہو گئے ہیں کسی اور محلے میں گھر لے لیا ہے مگر احمد علی کی بیوی اچھی فطرت کی ہے اور ساس سسر کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ اکیلا بیٹا رہ گیا ہے۔ اب طیب علی شادی کرنے کے لئے۔ یہ لمبا یہ اونچا ہاتھ پیروں سے درست ناک نقشہ کا اچھا اور پھر کماؤ پوت ہے بوا۔ ایسے لڑکے ملتے کہاں ہیں۔ اے فاطمہ بیگم دیکھ لو ایک نظر اس گھرانے کو۔۔۔۔۔۔ طیب علی تو ہو گا نہیں مگر کیا فرق پڑتا ہے' حسینہ بیگم سے میری اچھی خاصی یاد اللہ ہے مل کے چلتی ہوں ان کے ہاں تمہیں۔۔۔۔۔۔"

"جیسا آپ پسند کریں تجن بی۔ جب آپ نے اتنی بڑی بات کہہ دی تو پھر اب رہ ہی کیا جاتا ہے۔"

"لو کیوں نہیں' رشتوں کے لئے کوئی خون ہی ضروری تھوڑی ہوتا ہے بعض رشتے سے بھی بڑھ کر ہو جاتے ہیں شاہدہ کا خیال ہے تمہارا۔ دکھا دوں طیب علی کو؟"

"ہاں اماں کیا حرج ہے۔ اس محلے اسی گلی کا رہنے والا ہے اور پھر حسینہ بیگم بھی اچھی خاصی خاتون ہیں۔ شوکت علی صاحب

یا طیب علی محلے میں نیک نام ہی ہیں نہ کسی سے لڑائی نہ جھگڑا۔ اپنے راستے آنا اپنے راستے جانا۔ آپ ضرور دکھا دیں۔"

فاطمہ بیگم بھی تیار ہو گئیں۔ تجن بی تو تھیں ہی گھر گھر کی رسیا فاطمہ بیگم کو لے کر چل پڑیں۔ حسینہ بیگم کا گھر واقعی خوب صاف ستھرا اور بڑا نظر آ رہا تھا۔ چار کمرے نیچے بنے ہوئے تھے تین اوپر تھے۔۔۔۔۔۔ اوپر کے ایک کمرے میں بہو رہتی تھی دوسری بہو تو شوہر کو لے کر فرار ہی ہو گئی تھی۔ حسینہ بیگم نے تجن بی کو دیکھا تو مسکرا کر بولیں۔

"نکل پڑیں تجن بی گشت پر؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ محلے بھر کی تیمار داری تجن بی نہ کریں۔ یہ کون خاتون ہیں؟"

"اے بوا گشت پر کیا نکلتی ہوں' بس یوں سمجھو ہر ایک کے لئے دل کڑھتا ہے' ہر ایک کی خیر خبر رکھنا چاہتی ہوں۔ یہ گیارہ نمبر والی ہیں سنا تو ہو گا تم نے کہ گیارہ نمبر کا جھگڑا ختم ہو گیا تھا اور وہ کرائے پر اٹھ گیا ہے۔"

"اچھا اچھا بڑی خوشی ہوئی آیئے بیٹھئے۔"

"بس اچھے لوگوں کا ذکر آیا تو میں نے تمہارا نام لیا حسینہ بیگم' میں نے کہا کہ آؤ میں تمہیں اپنی حسینہ سے ملاتی ہوں۔"

"اے تجن بی بس ایسی باتیں کر کے شرمندہ نہ کیا کرو۔" حسینہ بیگم بولیں۔

"بہو کہاں ہے۔۔۔۔۔۔"

"میکے گئی ہوئی ہے بیٹا نوکری پر گیا ہے۔"

"لڑکیاں ٹھیک ہیں۔"

"ہاں چھوٹی آئی تھی پچھلے دنوں ایک ہفتہ رہ کر گئی ہے بڑی کے سسرال میں کہیں شادی ہے' شہر سے باہر گئی ہوئی ہے۔"

"اب تو بس طیب علی کی شادی اور کر ڈالو تاکہ تمہارے بھی دلدر دور ہوں اور ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ جاؤ۔"

"کوئی اچھا سا رشتہ بتاؤ نا تجن بی تم سے کتنی بار کہا ہے ماشاء اللہ بیٹا جیسا کما دھما رہا ہے تمہیں معلوم ہی ہے کوئی ڈھنگ کا رشتہ ہو تو ضرور بتاؤ آپ بھی خیال رکھئے بڑی اماں' بزرگوں کے سپرد تو یہ ذمہ داری ہوتی ہی ہے۔"

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔" فاطمہ بیگم اس گھر کو دیکھ کر خاصی متاثر ہوئی تھیں۔ دل ہی دل میں اس بات پر بھی خوش تھیں کہ جس مہم پر نکلی تھیں اس میں خاطر خواہ کامیابی ہو رہی تھی چلو ایک ہی سہی لیکن کسی کا کوئی ٹھکانہ تو ہو۔ بہت دیر تک وہاں بیٹھیں اور اس کے بعد اس کامیاب مشن سے واپس لوٹیں سینہ فخر سے تنا ہوا تھا' تجن بی گھر تک چھوڑنے آئی تھیں۔ اندر بھی گھس آئیں کہ ساس بہو کا تماشہ دیکھیں لیکن نجانے کیوں نسیم بیگم نے کوئی بات نہیں کی تھی البتہ تجن بی کو سلام کیا۔ چائے کے لئے پوچھا تو تجن بی کہنے لگیں۔

"اے بی بی آج تو چائے پی پی کر جان عذاب میں آ گئی ہے بس اب چلوں گی بچے گھر میں اکیلے ہیں۔"

تجن بی باہر چلی گئیں فاطمہ بیگم فاتحانہ نگاہوں سے نسیم بیگم کو دیکھتی ہوئیں اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں جی تو چاہ رہا تھا کہ اپنے کارنامے سنائیں لیکن یہ بھی اندازہ تھا کہ جلی کٹی سننے کو ملیں گی چلو ٹھیک ہے حکمت علی آجائے شام کو' اسی سے بات ہو گی۔ دل ہی دل میں طیب علی اور شوکت علی کے گھر کی داستانیں دہرا رہی تھیں یہ فیصلہ کر رہی تھیں کہ کس طرح بات شروع کریں گی وہ گھرانہ انہیں تو پسند آ گیا تھا اور طے بھی کر لیا تھا انہوں نے کہ ثریا بڑی ہے طیب علی کے لئے اسی کا رشتہ مناسب رہے گا۔

○

طاہر کی گہری نگاہیں شعور کا جائزہ لیتی رہتی تھیں لیکن شعور گہرا انسان تھا اس کے چہرے پر کبھی بے سکونی نہیں پائی گئی تھی زندگی کے وہی معمولات' وہی مصروفیات' مینیجر بننے کے بعد ذمے داریاں اور بڑھ گئی تھیں وہ خوبصورت بنگلہ جو فرم کی طرف سے ملا تھا یونہی کا یونہی تھا ملازم رہتے تھے صفائی ستھرائی کرتے تھے اپنے لئے کھانا پکاتے تھے ہاں چھٹی کے دن کا ایک مشغلہ ضرور ہو گیا تھا۔ یہ دن سب لوگ اسی بنگلے پر گزارتے تھے۔ وہیں کھانا پینا ہوتا وہیں محفلیں جمتیں اور ایک تبدیلی ہوئی تھی وہ یہ کہ شمعدان میں ٹیلی فون لگ گیا تھا یہ فون شعور نے اپنی ضروریات کے لئے لگوایا تھا تاکہ فرم والوں کو کسی ایمرجنسی میں کوئی دقت نہ ہو۔

آج بھی جمعہ تھا تیاریاں ہو رہی تھیں پھر سب لوگ کار میں بیٹھ کر چل پڑے۔ طاہر کے لطیفے جاری تھے کچھ دیر کے بعد کار بنگلے میں داخل ہو گئی۔ ملازمین نے استقبال کیا اور سب گھر میں بکھر گئے تھے شمع بیگم نے عادت کے مطابق پورے گھر کا جائزہ لیا

جہاں کچھ خرابی دیکھی ملازموں کو بلا کر سمجھایا۔ طاہر باہر لان کی کیاریاں دیکھنے لگا پروانہ صاحب اپنے پسندیدہ برآمدے میں بیٹھ کر حقہ گڑگڑانے لگے اس حقے کا قصہ بھی دلچسپ تھا ایک دن تذکرہ کر بیٹھے تھے۔

"بڑے شعراء کا کوئی مخصوص شغل ہوتا ہے ہمارے اندر ایک یہ بھی کمی ہے کہ کچھ نہیں پیتے۔"

"الٰہی خیر۔۔۔۔۔ یہ پینے پلانے کا تذکرہ کیوں نکل آیا۔" شمع بیگم نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"افوہ' حقے کی بات کر رہے ہیں ہمارا حقہ تو ایسا گم ہوا کہ بس کیا کہیں اس چور کو۔"

"چور کو۔۔۔۔۔" طاہر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں عزیزی ایک نابکار کو پسند آیا تو ہمارا حقہ' بڑی چاہت سے خریدا تھا بڑی محبت سے پیتے تھے برآمدے میں رکھا ہوا کوئی کھلا دروازہ دیکھ کر گھس آیا اور لے گیا۔ بس وہ دن ہے اور آج کا دن۔"

"دوسرا کیوں نہیں خریدا۔" طاہر بولا۔

"میاں اپنائیت بھی تو کوئی شے ہوتی ہے۔"

"دو دن تک اٹوائی کھٹوائی لئے پڑے رہے کھانا تک نہ کھایا حقے کے غم میں۔ لاکھ کہا کہ دوسرا خرید لو۔ مگر نہ خریدا۔"

"آخر کیوں۔۔۔۔۔؟" شعور بولا۔

"بس حقے سے عشق ہو گیا تھا۔ اس کی سوکن نہ لائے۔" شمع بیگم نے ہنس کر کہا۔

"اس سے ہمارے پیار کا اندازہ کر لو شمع بیگم یہ تو صرف حقہ تھا۔" طاہر تو ہنس پڑا مگر شعور متاثر ہو گیا تھا بعد میں طاہر سے کہا۔

"سچ مچ اگر ہم پروانہ صاحب کو شمعدان سے نکال لاتے تو وہ مرجھا جاتے کچھ لوگ بڑے عجیب ہوتے ہیں۔"

"وہ جگہ بھی بہت اچھی ہے ایک ایڈونچر کا احساس ہوتا ہے۔" طاہر نے اتفاق کیا۔ شعور نے البتہ اس بات کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ دوسرے جمعہ کو جب بنگلے پر گئے تو تھوڑی ہی دیر کے بعد پروانہ صاحب کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے شمع بیگم نے انہیں دیکھ کر کہا۔

"خیریت کیا نزلہ ہو گیا۔"

"نہیں حیرت ہو گئی ہے۔" پروانہ صاحب بولے۔

"کیوں؟"

"لگتا ہے ہمارے حقے کی روح کہیں قریب سے گزری ہے۔"

"حقے کی روح" شمع بیگم ہنس پڑیں۔

"مرحوم ہو گیا ہو گا بے چارہ' جب تک زندگی کی قید میں رہا ہم سے دور رہا موت کے بعد اس کی روح ہم تک پہنچ گئی۔"

"توبہ ہے آپ سے بھی۔"

"بخدا دس نمبر کے خمیرے کی خوشبو۔۔۔۔۔ ایں۔۔۔۔۔" پروانہ صاحب نے کچھ دیکھ لیا اور ایک دم خاموش ہو گئے سامنے سے ملازم ایک انتہائی قیمتی پیچوان ہاتھوں میں سنبھالے آ رہا تھا چلم دہک رہی تھی اور خمیرے کی پر بہار خوشبو فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔ اس نے وہ حقہ ادب سے پروانہ صاحب کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ پروانہ صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ ملازم چلا گیا تو پروانہ صاحب سرگوشی کے عالم میں بولے۔

"کیا نواب واجد علی شاہ بقید حیات ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"سنبھل جاؤ' آنے والے ہیں۔"

"اول فول بک رہے ہو۔"

"بخدا ایسا پیچوان انہیں کے پاس ہو سکتا ہے کیا اعلیٰ چیز ہے۔" پروانہ صاحب بولے اور شمع بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اللہ جب سنتا ہے تو ایسے ہی سنتا ہے یہ حقہ شعور نے ہی منگوایا ہو گا اس دن سن لیا تھا نا۔"

"ہوں' یہ ہو سکتا ہے مگر یہ تو بہت قیمتی ہے۔"

"کیا نہیں کرتے یہ دونوں ہمارے لئے کیا دیں ہم انہیں صلے میں۔"

"دعاؤں کے سوا کیا دے سکتے ہیں۔"

"واقعی حد کر دی ہے اتنا شاندار بنگلہ' نوکر چاکر چھوڑ کر پڑے ہوئے ہیں ہماری محبت میں ہمارے پاس۔"

"ایک کش لے کر دیکھیں۔" پروانہ صاحب نے آہستہ سے کہا۔ اور شمع بیگم ہنس پڑیں۔

"بس نیت خراب ہو گئی۔ سارا عشق ہوا ہو گیا۔"

"تین دن سے زیادہ کا سوگ جائز نہیں ہے اور پھر بے جان چیزوں سے بھی کوئی عشق کیا جا سکتا ہے۔"

"یہ اس حقے کی تاریخ تھی وہ دوسرا حقہ شمعدان میں بھی آ گیا تھا اور پروانہ صاحب نے کہا "میاں کیوں اس عمر میں ہمیں بدلن کر رہے ہو آج یہ حقہ کل وہ حقہ۔"

اس وقت بھی پروانہ صاحب ایک آرام کرسی میں دراز حقہ پی رہے تھے کہ اچانک ایک دھماکہ ہوا اور پروانہ صاحب اچھل پڑے کوئی گاڑی بنگلے کی دیوار سے ٹکرائی تھی۔ طاہر کیاریوں کے پاس سے اور پروانہ صاحب برآمدے سے باہر بھاگے تھے ایک فوکس ویگن نہ جانے کس طرح سڑک چھوڑ کر بنگلے کی دیوار سے معانقہ کر بیٹھی تھی۔ اس کا اگلا مڈگارڈ اندر گھس گیا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص آنکھیں بند کئے اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا تھا طاہر کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"ارے امداد بیگ صاحب۔"

"بخدا وہی ہیں۔۔۔۔۔ ارے دیکھو۔۔۔۔۔ نکالو۔۔۔۔۔ زخمی نہ ہو گئے ہوں۔" پروانہ صاحب نے کہا۔ طاہر اور پروانہ صاحب نے مل کر امداد بیگ صاحب کو فوکس ویگن سے نکالا اللہ کے فضل سے زخمی نہیں ہوئے تھے بس چکر آ گیا تھا اپنے قدموں کھڑے ہو گئے حیرانی سے پروانہ صاحب اور طاہر کو دیکھا پروانہ صاحب کو پہچان کر بولے۔

"اوہ پروانہ صاحب۔"

"آیئے۔۔۔۔۔ آیئے اندر آیئے' آپ کے پاؤں کپکپا رہے ہیں۔"

"اعصابی کشیدگی کا شکار ہو گیا ہوں۔ غالباً "ٹائی راڈ۔۔۔۔۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا آپ اندر آیئے۔" پروانہ صاحب اور طاہر انہیں اندر لے آئے امداد بیگ صاحب بار بار آنکھیں بھینچ رہے تھے۔

"میاں انہیں ڈرائنگ روم میں لے چلو۔" پروانہ صاحب نے کہا۔

"نہیں اندر چلئے تھوڑی دیر لیٹنا مناسب رہے گا۔" آوازیں سن کر شعور بھی نکل آیا۔

"ارے۔۔۔۔۔ خیریت؟ امداد بیگ صاحب۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"گاڑی کا حادثہ ہو گیا ہے۔"

"اوہ ڈاکٹر کو بلاؤں۔" شعور بولا۔

"نہیں میاں بس سر چکرا گیا ہے دو منٹ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔" امداد بیگ صاحب بولے۔

انتہائی آرام دہ خواب گاہ میں ایک اعلیٰ درجے کی مسہری پر امداد بیگ کو لٹا دیا گیا طاہر نے جوتوں کے فیتے کھولے تو امداد بیگ نے جلدی سے پاؤں سکوڑ لئے۔

"یہ کیا کر رہے ہو بیٹے۔ میں خود اتار لوں گا۔" وہ بولے۔

"آپ صرف آرام سے لیٹے رہئے اس وقت کوئی تکلف بہتر نہیں رہے گا میں اتارے لیتا ہوں۔" طاہر نے دوبارہ پاؤں سیدھے کر کے امداد بیگ صاحب کے جوتوں کے فیتے کھولے جوتے اتارے پھر موزے اتار دیئے شعور باہر نکلتا ہوا بولا۔

"میں ابھی گلوکوز کا شربت لے کر آتا ہوں۔"

پروانہ صاحب قریب ہی بیٹھ گئے اور طاہر سے کہا کہ پنکھا تیز کر دے طاہر نے فوراً ہی ایئر کنڈیشنر کھول دیا تھا کیونکہ یہ لوگ

یہاں رہتے نہیں تھے اس لئے عموماً" ایئر کنڈیشنر بند ہی رہا کرتا تھا کمرہ ٹھنڈا ہونے لگا اور امداد بیگ صاحب کی کیفیت کسی قدر بہتر ہو گئی پھیکے سے انداز میں مسکرائے' کچھ کہنا چاہتے تھے کہ شعور جگ گلاس ٹرے میں رکھے ہوئے اپنے ہاتھوں میں لئے اندر آ گیا۔ پیچھے پیچھے ملازم لپکا لپکا آ رہا تھا لیکن جلدی کی وجہ سے اس نے یہ کام خود ہی کر ڈالا تھا بڑی محبت اور احترام سے سہارا دے کر امداد بیگ کو اٹھایا گیا اور پھر شعور نے انہیں اپنے ہاتھوں سے گلوکوز کا شربت پلایا امداد بیگ صاحب ایک ایک کو عجیب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے ابھی تک ذہنی طور پر معتدل نہیں ہوئے تھے چنانچہ اس گھر کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا انہوں نے' لیکن شربت پی کر کیفیت بحال ہو گئی شعور نے لیٹنے کے لئے کہا تو بولے۔

"نہیں میاں بخدا ٹھیک ہوں بالکل' اصل میں گاڑی اب ضعیف ہو گئی ہے مختلف طریقوں سے پریشان کرتی رہتی ہے' ایسا حادثہ پہلی بار ہوا ہے مکینک نے کبھی ایمانداری سے کام پر توجہ نہیں دی حالانکہ کمبخت دس سال سے اس گاڑی کا کام کر رہا ہے نجانے کیسے ٹائی راڈ کھل گیا بے خیالی کے عالم میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ٹائی راڈ کھل جانے سے اسٹیئرنگ پر قابو نہیں رہا اور بنگلے کی دیوار سے آ ٹکرایا دیوار کو بھی نقصان پہنچا ہو گا نجانے صاحب خانہ یہاں پہنچ کر ــــــ" امداد بیگ رک گئے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا پھر پروانہ صاحب کو دیکھا اور پھر متعجبانہ انداز میں بولے۔

"یہ گھر کس کا ہے؟"

"جس کا ہے وہ آپ سے ہرجانے کی بات بالکل نہیں کرے گا۔" پروانہ صاحب مسکرا کر بولے۔

"کک ــــــ کیا مطلب "کک ــــــ کس کا' کس کا مکان ہے یہ' اوہ میرے خدا آپ لوگ تو یہاں پوری طرح' پوری طرح حاوی نظر آتے ہیں' یہ گھر ہے کس کا اور آپ سب یہاں؟"

"اپنا ہی سمجھئے امداد بیگ صاحب' بجائے اس کے کہ آپ ان الجھنوں میں پڑیں پہلے یہ بتایئے کہ کوئی اندرونی تکلیف تو نہیں محسوس ہو رہی؟"

"میں نے عرض کیا ناں کہ رفتار زیادہ نہیں تھی میں ویسے بھی سست رفتاری سے ڈرائیونگ کرنے کا عادی ہوں اگر بے خیالی میں نہ ہوتا تو شاید گاڑی کو ٹکرانے سے بھی بچا سکتا تھا لیکن دیوار کو نقصان پہنچا ہو گا گاڑی تو خیر جہنم میں جائے' کیا یہ گھر' یہ گھر ــ"

"شعور کا ہے امداد بیگ صاحب' شعور کا مکان ہے یہ۔"

"یہ ــــــ یہ شعور' طاہر میاں مگر یہ تو آپ کے' آپ کے کرائے دار ہیں۔" امداد بیگ صاحب ہکلائے ہوئے لہجے میں بولے اور پروانہ صاحب ہنس پڑے پھر انہوں نے کہا۔

"ہاں یہ میرے کرائے دار ہیں اور یہ گھر شعور کا ہے اور خالی پڑا ہوا ہے کیونکہ میرے کرائے دار میرے ساتھ ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔"

"شعور کا گھر ہے یہ۔" امداد بیگ صاحب نے پریشان لہجے میں کہا۔

"شعور ایک بہت بڑی فرم کے مینیجر ہیں یہ مکان اور کار انہیں فرم کی جانب ہی سے ملی ہے ماشاء اللہ بہت شاندار تنخواہ ہے دنیا کا ہر عیش' آسائش موجود ہے لیکن میری شمعدان سے وابستگی مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں ان کے ساتھ اس مکان میں رہ سکوں اور شاید میری محبت انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ مجھے چھوڑ کر یہاں رہیں' چنانچہ خدا کے فضل سے ہمارا شمعدان آباد ہے۔"

امداد بیگ صاحب خاموش ہو گئے۔ پروانہ صاحب کے لہجے میں ایک شکایت سی پیدا ہو گئی تھی غالباً" اس احساس کے تحت کہ امداد بیگ صاحب نے شعور کو ٹھکرا دیا تھا اور یہ کہہ کر اس کے رشتے کو فوزی کے لئے مسترد کر دیا تھا کہ ایک چھوٹے سے کمرے میں کرائے پر رہنے والے بھلا ان کی ناز و نعم میں پلی ہوئی بیٹی کی کیا کفالت کر سکتے ہیں۔ امداد بیگ صاحب دیر تک خاموش رہے پھر کہنے لگے۔

"پروانہ صاحب' شعور میاں اور طاہر میاں آپ لوگوں کے اس احسان کو میں کبھی نہیں بھولوں گا' گاڑی کا تو جو کچھ ہونا ہے وہ ہو ہی چکا ہے پہنچ جائے گی مکینک کے پاس لیکن میری آرزو ہے کہ مکان کی دیوار وغیرہ ــــــ"

"اگر آپ بے عزتی کرنا ضروری سمجھتے ہیں امداد بیگ صاحب تو ہم بھلا آپ کو کیسے منع کر سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ تو معمولی سی بات ہے آپ کے زخمی نہ ہونے سے ہمیں جس قدر خوشی ہوئی ہے اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں آپ کی تھوڑی سی خدمت کا موقع ملا اور یہ ہماری خوش بختی رہی کہ اتفاقیہ طور پر آپ کو یہ حادثہ یہاں پیش آیا اور ہمیں آپ کی مدد کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اگر آپ یہ احساس بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں تو بہتر ہے حکم دیجئے کیا کیا جائے؟"

امداد صاحب نے بے اختیار شعور کے ہاتھ پکڑ لئے انہیں سینے سے لگا کر بولے۔

"نہیں بیٹے بخدا میرا یہ مطلب نہیں تھا تم لوگ ــــــ تم لوگ ــــــ" امداد بیگ صاحب کی آواز بند ہو گئی بہت سے احساسات ان کے دل میں بھر بھر آئے تھے پھر کہنے لگے۔

"اچھا اب یہ بتاؤ میری گاڑی کا کیا ہو گا؟"

"طاہر آپ کو گاڑی میں بٹھا کر گھر چھوڑ کر آئیں گے ساتھ ہی ساتھ کسی مکینک کو لے آئیں گے' گاڑی ڈینٹ پیلٹ وغیرہ کے لئے پہنچا دی جائے گی آپ اس طرف سے بالکل بے فکر ہو جایئے۔"

"آپ کہاں پریشان ہوتے پھریں گے گاڑی کے چکر میں' یہ سب کام ہو جائے گا اور بالاخر گاڑی آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔"

"کچھ نہیں کہوں گا بیٹے' کہوں گا بھی تو برا مان جاؤ گے' ٹھیک ہے یہ سب کچھ کر دینا لیکن میں ٹیکسی سے چلا جاؤں گا اس کے سلسلے میں ضد نہ کرو۔" امداد بیگ صاحب نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ارے ارے بھائی صاحب اٹھ کیوں گئے۔ آرام سے بیٹھئے دوپہر کا کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دیں گے آپ کو۔" دروازے کے پیچھے سے شمع بیگم نے کہا۔

"یہ کون خاتون ہیں؟" امداد بیگ صاحب بے اختیار پوچھ بیٹھے۔

"شمع بیگم ہیں بھئی یہ امداد بیگ صاحب سے پردہ کیوں شروع کر دیا آپ نے۔" پروانہ صاحب بولے۔

"نہیں ــــــ آ ہی رہی تھی اندر ــــــ" شمع بیگم اندر داخل ہو گئیں۔

"شمع بھابی ایک ضروری کام سے نکلا تھا گھر سے۔ بدبختی نے یہ حادثہ کرا دیا اس وقت تکلف نہ کریں۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تب پھر چائے کے بغیر نہ جانے دوں گی۔"

"بھابھی تکلف ــــــ"

"ہرگز نہیں۔" شمع بیگم نے بات کاٹ دی۔ امداد بیگ صاحب زمین میں گڑے جا رہے تھے انہیں ان دونوں کے ساتھ اپنا اور لوشیہ بیگم کا سلوک یاد آ رہا تھا اس کے باوجود یہ لوگ اتنی مروت کر رہے ہیں رکنا پڑا باتیں ہوتی رہیں۔ پروانہ صاحب نے کہا۔

"بس جمعہ یہاں گزارتے ہیں۔ تبدیلی ہو جاتی ہے معمولات میں۔ لاکھ کہتا ہوں شعور اور طاہر سے کہ میاں شمعدان سے جیتے جی کا رشتہ ہے تم کیوں اس میں گھٹ رہے ہو مگر مانتے ہی نہیں۔" امداد بیگ نے کچھ نہ کہا دل میں بہت متاثر تھے۔ شمع بیگم نے خوب خاطر مدارات کی۔ طاہر نے دوبارہ گھر چھوڑنے کی پیش کش کی لیکن امداد بیگ نہیں مانے اور ٹیکسی لے کر چل

شکیل نے تیسرا کیس نکال لیا تھا۔ یہ افضل احمد خان کا کیس تھا۔ ان دنوں ان کے حسابات چیک ہو رہے تھے۔ اس وق
بھی شکیل فائلوں میں غرق تھا۔ اسے سلطانہ جمالی کے آنے کی خبر بھی نہیں ہوئی سلطانہ اس کے سامنے بیٹھی محبت بھری نظرو
سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بہت دیر کے بعد شکیل نے گردن اٹھائی اور سلطانہ کو دیکھ کر چونک پڑا۔

"ارے۔" اس کے منہ سے نکل گیا۔

"بڑے دعوے تھے ہمارے وجود کی خوشبو کے۔ قلعی کھل گئی جناب ان دعوں کی۔" سلطانہ نے مسکرا کر کہا۔

"شرمندگی کا اظہار کروں یا جواب دوں۔"

"کوئی جواب ہے۔"

"ہاں ہے۔"

"تو پھر جواب ہی ارشاد فرمایئے۔"

"یہ بھی آپ سے اظہار وفاداری ہے کہ آپ کو نقصان پہنچانے والوں کا دشمن بنا ہوا ہوں۔"

سلطانہ ہنس پڑی۔ "دشمنی ان سے اور بے اعتنائی ہم سے۔ چلو معاف کیا۔ کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔"

"آپ واقعی بڑی خاموشی سے اندر آئیں۔ مجھے آہٹ بھی محسوس نہیں ہوئی۔"

"یہی تو شکوہ ہے نہ دل پر آہٹ۔ نہ کانوں میں آہٹ۔ اظہار وفاداری کے ساتھ اظہار وفا کے طالب ہیں ہم۔"
جمالی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"روشن کو آواز دوں؟"

"گواہی کے لئے۔" سلطانہ برجستہ بولی۔

"نہیں کھانے کے لئے!"

"چلو۔ کچھ تو کرو" آؤ اندر چلتے ہیں اب یہ کاروبار کل پر چھوڑ دو!"

"اوہو۔ کھانا شام تک تو نہیں کھانا۔ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔"

"جناب عالی۔ ان فائلوں سے ہماری رقابت نہ کرایئے۔ انہیں ہم سے زیادہ وقت دیا جا رہا ہے۔ آگ لگا دیں گے
میں۔" سلطانہ نے کہا اور شکیل ہنستا ہوا اٹھ گیا۔

کھانے کی میز پر سلطانہ جمالی نے کہا۔ "فرانس کی کمپنی مائیکاس جونیر کے بارے میں کیا فیصلہ کیا تم نے شکیل۔"

"اس کی موجودہ ڈیلنگ تو بہتر نہیں۔"

"تو پھر اس سے کاروبار ختم کر دیا جائے۔"

"یہی بہتر ہے۔ ہمیں نقصان ہو رہا ہے۔"

"فرانس جانا پڑے گا۔"

"اور کوئی حل نہیں ہے۔"

"میں نے ایک بات کہی تھی تم سے!"

"کیا؟"

"اکیلی نہیں جاؤں گی۔ بہت مس کرتی ہوں تمہیں بلکہ یوں سمجھ لو ساری خود اعتمادی ختم ہو گئی ہے۔ ہر جگہ تمہاری
کر چلنے کو جی چاہتا ہے۔" شکیل چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ سلطانہ جمالی نے کہا۔ "چلو گے میرے ساتھ!"

"اگر ضروری ہے تو۔"

"بے حد ضروری ہے۔"

"اور یہاں کے معاملات؟"

"بیرسٹر صاحب سنبھال لیں گے۔"

"جلدی جانا ہو گا؟"

"ایسی جلدی بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے افضل احمد کے معاملات کو مکمل کر کے بیرسٹر صاحب کے سپرد کر دوں۔ بس اتنا وقت دے دیجئے۔"

"دیا!" سلطانہ جمالی نے دلاویز انداز میں کہا۔ اس کے بعد دیر تک خاموشی طاری رہی۔ شکیل کا دل بری طرح دھڑک رہا
تھا۔ ایک عجیب سی انیسمن طاری ہو گئی تھی ذہن پر۔ فرانس، چین، پیرس جس کی کہانیاں سنی تھیں۔ پریوں کے دیس جیسی
کہانیاں جن کا بس تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ وہاں پہنچا نہیں جا سکتا۔

شکیل نے بھی پیرس کی کہانیاں سنی تھیں، لوگ نجانے کیا کیا کہتے تھے، لیکن اب جبکہ اس بات کے امکانات پیدا ہو گئے تھے
کہ وہ پیرس دیکھ سکتا ہے تو اس کی کیفیت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی، جس جگہ کا رہنے والا تھا جہاں آنکھ کھولی تھی، وہاں پیرس کا
نام بھی بس کہانیوں کے طور پر ہی لیا جا سکتا تھا، حالانکہ بات یہ نہیں۔ لوگوں کی پہنچ تو چاند تک ہو چکی ہے لیکن اپنی اپنی پہنچ کی
بات ہے، شکیل کے دل میں طرح طرح کے خیالات آتے رہے۔

ادھر شاید سلطانہ جمالی بھی کچھ ایسی ہی اہم بات سوچ رہی تھی، جسے سوچتے ہوئے اسے خاموش ہونا پڑا تھا کھانے سے
فراغت حاصل ہو گئی، سلطانہ جمالی نے کہا۔

"شکیل کچھ دیر آرام کر لو۔"

شکیل نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولا۔ "آپ کا ہر حکم ماننا میرے فرائض میں ہے سلطانہ صاحبہ۔"

"نہیں شکیل ایسی بات نہیں۔"

"مگر میں تو مانتا ہوں۔"

"تم جھوٹ نہیں بولتے شکیل، مجھے اس بات پر فخر ہے، لیکن اس وقت بول رہے ہو۔"

"جھوٹ؟"

"ہاں۔"

"میرا خیال ہے نہیں بول رہا۔"

"تو پھر تم نے میری وہ بات کیوں نہیں مانی اب تک، جس کا اظہار میں نے نجانے کتنی ہمت کر کے تم پر کیا تھا، شکیل کیوں مجھ
ے گریز کر رہے ہو، بتاؤ جواب دو مجھے اس قابل نہیں سمجھتے، میرے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود مجھے اس قابل نہیں
ھتے شکیل، خدا کی قسم نجانے کتنی ہمت پیدا کی ہے خود میں، نجانے کیسی کیسی جراتوں کے بعد یہ الفاظ میرے منہ سے نکل سکے
، شکیل! میں اب تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی ہم فرانس بے شک جائیں گے لیکن ایک دوسرے کی زندگی میں
ل ہونے کے بعد، میں تمہیں کچھ اور بھی بتانا چاہتی ہوں شکیل آج میں تمہارے گھر گئی تھی۔"

"کیا؟" شکیل جیسے جھنجھنا اٹھا۔

"ہاں، تمہاری امی اور ابو سے ملی تھی میں، کچھ اندازے قائم کرنا چاہتی تھی ان کے بارے میں، بات یہ نہیں ہے شکیل کہ
خود غرضی سے سوچ رہی تھی، میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ اپنی رہائش تبدیل کر دو، وہ دو ہی تو افراد ہیں جہاں بھی رکھو گے
ں خوشی سے تمہارے ساتھ رہنا پسند کریں گے تم نے اس سلسلے میں بھی گریز کیا تھا، میں نے سوچا کہ خود ان سے ملوں، چنانچہ
تمہارے گھر پہنچ گئی تمہارے والد کلیم احمد صاحب اور والدہ رقیہ بیگم نہایت نفیس لوگ ہیں، لیکن ایک بات کا اندازہ میں لگا
ہوں کہ بہت ہی غیور اور صاحب اقدار ہیں کبھی ہمارے ساتھ رہنا پسند نہیں کریں گے، میں نے بڑی ذہانت سے ان سے
لوکی تھی اور یہ چاہا تھا کہ وہ میری پیشکش قبول کر لیں، لیکن انتہائی محبت اور خوبصورتی سے انہوں نے میری پیشکش مسترد کر
دو اپنی دنیا میں جینے کے انسان ہیں لیکن شکیل میں بھی تو زندہ رہنا چاہتی ہوں، مجھے بتاؤ کیا میں مر جاؤں؟"

"خدا نہ کرے۔"

"تو میرے جینے کا سامان کرو، میں یہ نہیں کہتی کہ تم انہیں چھوڑ دو، وقت خود اپنی آواز بن جاتا ہے ایک دن ایسا بھی ہو گا کہ
ی خوشی سے مجھے قبول کر لیں گے لیکن ابھی جلدی نہیں ہے، ہم یوں کرتے ہیں شکیل کہ ہم، ہم شادی کئے لیتے ہیں، تمہیں
باری معاملے میں ملک سے باہر جانے کی اجازت تو مل ہی جائے گی، بس کہہ دینا کہ کاروباری دورے پر جا رہے ہو اگر چاہو تو

کوئی انتظام بھی کر دینا ان لوگوں کے لئے' ہم شادی کر کے پیرس چلے جائیں گے' وہاں کچھ وقت گزاریں گے' فرم کا کام بھی
لیں گے اور اس کے بعد ہم یہاں واپس آجائیں گے' زندگی کا کچھ وقت اس طرح گزار دینا اور جب کبھی کوئی مناسب مو
دیکھو' ان پر انکشاف کر دینا' شکیل انتہائی مجبوری کے عالم میں یہ بات تم سے کہہ رہی ہوں اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا' ہاں اگر
تم ان لوگوں کو یہاں رہنے پر تیار کر لو تو مجھ سے زیادہ خوشی کسی اور کو نہیں ہوگی' یہ گھر تمہارا اپنا ہے شکیل' بتاؤ جواب دو کیا
چاہئے ہمیں؟" سلطانہ بڑی آرزو بھری نگاہوں سے شکیل کو دیکھتی رہی۔
شکیل کو چکر آگیا تھا اس تصور کے ساتھ کہ سلطانہ جمالی اس کے گھر پہنچی ہے' اس کے والدین سے ملی ہے' وہ جانتا تھا
کلیم احمد صاحب بہت زمانہ ساز ہیں' ان کا تجربہ آسمان کو پہنچا ہوا ہے کہیں وہ سمجھ نہ گئے ہوں' بہت دیر تک وہ اسی سوچ میں
رہا' پھر اس نے آہستہ سے کہا۔
"سلطانہ صاحبہ مجھے تھوڑا سا وقت سوچنے کے لئے اور دے دیجئے کل یا زیادہ سے زیادہ پرسوں میں اس سلسلے میں کو
مناسب فیصلہ کر لوں گا' آپ سے اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ درحقیقت آپ کو پانے کا تصور آسمان تک پہنچنے کا تصور۔
لیکن آسمان نے خود مجھے آواز دی ہے تو میں اپنی اس آرزو کو روک نہیں سکتا' لیکن بس تھوڑی سی کشمکش ہے کہیں ایسا نہ ہو
میرے اس عمل سے میرے والدین مجھ سے ناراض ہو جائیں' میں ان کا جائزہ لوں گا اور فیصلہ کروں گا۔"
"اور اگر فیصلہ میرے حق میں نہ ہوا تو؟"
"نہیں سلطانہ آپ کے حق میں فیصلہ تو ہو چکا ہے' بس کوئی راہ نکالنی ہے مجھے۔"
"شکیل میرا ایک ایک لمحہ بے چین گزرے گا' خیر میں تمہیں روکتی نہیں ہوں' دیکھ لو کوشش کر لو' آگے میری تقدیر۔
جیسا بھی ممکن ہو سکا' بہرحال۔" سلطانہ جمالی خاموش ہو گئی۔
اس کے بعد کے لمحات شکیل پر بڑے روح فرسا گزرے تھے۔ ایک جانب روشنیوں کا تصور تو دوسری جانب ماں باپ
خیال کلیم احمد صاحب سوچیں گے تو سہی کہ شکیل نے اپنے راستے بدل دیئے ہیں' لیکن' لیکن کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہی ہے زندگی
کیوں نہ ایک ایسا قدم اٹھایا جائے جو مستقبل کے لئے تابناک ہو۔"
شام کو گھر پہنچا تو چہرے پر الجھنوں کے سائے تھے' ماں باپ نے معمول کے مطابق خوش آمدید کہا' پھر چائے کے بعد کلیم
صاحب خود ہی شکیل کے سامنے آبیٹھے۔
"میاں فرصت ہے؟"
"جی ابو کیوں نہیں۔"
"کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں تم سے۔"
"جی۔"
"کیا تمہیں علم ہے کہ آج ہمارے گھر کون آیا تھا؟"
"جی ہاں وہ سلطانہ جمالی۔"
"تمہاری فرم کی مالک ہیں؟"
"جی ہاں۔"
کیسی خاتون ہیں؟"
"بہت اچھی نہایت نیک۔"
"خیر یہ تو لگتا ہے' لیکن بیٹے ایک خدشہ دل میں بیدار ہو گیا ہے' تم سے بات نہ کروں گا اس بارے میں تو پھر کس سے
گا؟"
"جی ابو۔"
"کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا مجھے' بیٹے یہ نگاہیں' یہ محبت' یہ دلربائی' یہ دلفریبی کبھی کبھی بے مقصد نہیں ہوتی
اتنے تجربات حاصل کئے ہیں میں نے کہ اب ہر شے مشکوک معلوم ہوتی ہے' خاتون بہت اچھی ہیں' لیکن بس میں یہ نہیں

تمہارے نام کے ساتھ کبھی کوئی کہانی منظر عام پر آئے۔"
"جی ابو۔"
"شوہر کہاں ہیں ان کے؟"
"وہ شادی شدہ نہیں ہیں۔" شکیل نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔
"کیا' عمر تو اتنی کم نہیں ہے ان کی۔" کلیم صاحب بولے۔
"جی ہاں' حالات نے شادی نہیں کرنے دی۔"
"یہ جمالی صاحب۔"
"ان کے والد کا نام ہے۔" شکیل کو اب جھوٹ بولنے کی عادت پڑ گئی تھی' گھر میں کبھی تفصیل نہیں بتائی تھی۔"
"ہوں' اور کون کون ہے خاندان میں؟"
"کوئی نہیں تنہا ہیں۔"
"تنہا ہی کاروبار کر رہی ہیں؟"
"جی ہاں۔"
"کیا بہت زیادہ خود اعتماد ہیں؟"
"جی۔"
"تمہارے ساتھ کیا رویہ ہے؟"
"بہت اچھا' بہت عزت اور بہت احترام کرتی ہیں میرا۔"
"صرف احترام یا اس کے پس پردہ بھی کچھ ہے؟"
"میرا خیال ہے اس کے پس پردہ کچھ نہیں ہے۔" شکیل نے جواب دیا۔
"ہوں' بیٹے بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہوں گا کہ اپنا خیال رکھنا اور ہماری عزت کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا۔" شکیل نے
ئی جواب نہیں دیا۔ ایک عجیب سی الجھن' ایک عجیب سی کشمکش کا شکار ہو گیا تھا وہ۔
کلیم صاحب نے اس کے بعد کچھ نہیں کہا۔ البتہ رات کو رقیہ بیگم نے کہا۔
"فرم کی مالک وہی ہیں شکیل۔"
"آپ لوگوں کو آخر اتنی فکر کیوں ہو گئی۔"
"اصل میں تمہارے ابو کا خیال ہے کہ۔ کہ وہ خاتون۔ میرا مطلب ہے سلطانہ جمالی تم سے خصوصی التفات برت رہی ہیں
بال بیٹے خیال رکھنا۔"
"کمال ہے۔ آپ لوگ۔ آپ لوگ۔ بس کیا کہوں اس بارے میں۔ اپنا اچھا برا خود بھی سمجھتا ہوں۔ دنیا کیا ہے میں نے
ب دیکھ لیا ہے صرف مشوروں سے کائنات نہیں مل جاتی۔ میں نے کبھی اپنے فرض سے کوتاہی کی ہے۔"
"ناراض ہو گئے شکیل؟" ماں نے پیار سے کہا۔
"بہت قریب سے دیکھا ہے میں نے دنیا کو۔ یہاں مایوسیوں کے گڑھے تو بے شمار ہیں روشنی کا سراغ کہیں نہیں ملتا۔
ئے اقرار' تہذیبی قدریں سب فنا ہو جاتی ہیں عسرت کی آغوش میں۔"
رقیہ بیگم خاموش ہو گئیں۔ شکیل بستر پر کروٹیں بدلنے لگا۔ سلطانہ ہر لحاظ سے ایک اچھی بیوی ثابت ہو سکتی ہے۔ اس نے
روشنی کے راستے دکھائے ہیں میری عزت میرا احترام' اور اس کے بعد مجھ سے محبت کی ہے۔ میرے جیسے ہزاروں نوجوان
باتے اسے۔ مجھ میں کون سے لعل ٹکے ہیں اور۔۔۔ اور ان لوگوں کا کون سا برا چاہتی ہے وہ۔ اس نے تو انہیں کھلے دل سے
لوٹھی میں رہنے کی پیشکش کی ہے۔ انہیں اپنے بزرگوں کا مقام دینا چاہا ہے۔ یہی سب کچھ ہوتا ہے اور کیا چاہئے انہیں
ت کروں امی سے۔ کہہ دوں ان سے کہ میری شادی سلطانہ سے کرا دیں۔ مان لیں گے یہ لوگ۔۔۔ لیکن یہاں اسے پینے
ہ کبھی نہیں مانیں گے۔ کبھی نہیں۔ لاکھوں وسوسے دل میں بیدار ہو جائیں گے ان کے۔ نہیں بابا۔ یہ مشکل ہے۔ پھر کیا

کروں۔ خاموشی سے شادی کرلوں۔ کسی مناسب وقت انکشاف کردوں گا۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہاں۔ روشنی ہی روشنی ہے اس کے بعد۔ کلب کار۔ کاریں۔ کاروبار۔ لندن' پیرس۔ زندگی ہی زندگی۔ ایک روشن زندگی۔

"لیکن۔ صندل پری کا کیا ہوگا!" ایک سسکی سی کانوں میں ابھری!

"کچھ نہیں ہوگا۔ صندل پری کو ایک صنوبر مل سکتا ہے۔ میں نے کائنات کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔" اس نے غصے سے کہا۔

"تمہارے وعدے؟"

"جھوٹا کہہ دینا مجھے۔ بس۔ میں روشنیوں کا سفر کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اندھیروں سے نفرت ہے۔ میں ہر قیمت پر اپنا مستقبل روشن کروں گا۔ ہر قیمت پر۔ کل صبح میں کہہ دوں گا سلطانہ سے کہ میں تیار رہوں۔ دل سے تیار ہوں۔"

□

جمیل احمد صاحب بالکل بدل گئے تھے۔ پانچوں وقت نماز پڑھتے تھے۔ عمر سے کہیں زیادہ مستعدی سے ملازمت کررہے جس کا پھل مل رہا تھا۔ ترقی ہوگئی تھی اور نہایت معقول تنخواہ ملنے لگی تھی۔ فریدہ بیگم بھی زخمی تھیں لیکن پورے گھرانے ایک دوسرے سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔ ہر شخص نماز میں شہباز کے لئے دعا کرتا تھا۔ یوں سمجھ لیا تھا انہوں نے جیسے شہباز کہیں ہوا ہو۔ کچھ عجیب سی حالت ہوگئی تھی اس گھرانے کی۔ سب ایک دوسرے کے لئے جیتے تھے۔ ایک کی آنکھوں میں آنسو آ۔ سب ہی رو پڑتے اور یہ آنسو شہباز کے لئے ہوتے تھے۔

چھٹی کا دن تھا۔ جمیل احمد صاحب فرزانہ سے بولے۔ "فرزانہ ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"جی ابو!"

"اب تم نوکری چھوڑ دو۔"

"کیوں ابو؟"

"تم اپنا فرض پورا کرچکی ہو۔ میری تنخواہ بھی گزارے کے لئے کافی ہے۔ اب تم نوکری چھوڑ دو۔"

"ابو۔ پہلے بھی آپ سے درخواست کرچکی ہوں۔ اب بھی وہی کہوں گی میری نوکری باعزت ہے کوئی مشکل نہیں پیش گھر میں کچھ پیسے جمع ہوجائیں گے اچھی بات ہے۔ انشاء اللہ بھیا آئیں گے انہیں نوکری ملنے میں کچھ وقت لگے گا۔ جب بھی نوکری مل جائے گی تو میں نوکری چھوڑ دوں گی۔ اس کے علاوہ ابو ایک بات اور بھی ہے۔"

"کیا؟"

"دل لگا رہتا ہے ابو۔ گھر میں رہوں گی تو۔ تو بھیا یاد آتے رہیں گے۔"

"ہوں!" جمیل احمد نے کہا۔ "فریدہ تم کیا کہتی ہو۔"

"میری بھی یہی رائے ہے کہ اسے نوکری کرنے دیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب توبہ کرچکا ہوں تم لوگوں سے کوئی انحراف نہیں کروں گا۔ جمیل احمد بولے۔

"ابو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ خدا کی قسم اگر آپ اس معاملے میں بہت زیادہ سنجیدہ ہوئے تو میں نوکری چھوڑ بھی آپ کے حکم سے زیادہ اور کوئی شے مجھے عزیز نہیں ہے میں تو بس یہ سوچ رہی تھی کہ فائدہ ہی ہے میری بھی ترقی ہوگئی وائزر بن گئی ہوں کہیں کوئی دقت نہیں ہوتی آرام سے اپنا کام کررہی ہوں' پہلے محنت بھی کرنا پڑتی تھی اب تو بس راؤنڈ ہوں' سب لوگ عزت کرتے ہیں' کوئی بھی مسئلہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے اچھی بات ہے۔"

"امی میں ذرا حکمت علی صاحب کے گھر جانے کے بارے میں سوچ رہی تھی' چلی جاؤں۔"

"گیارہ نمبر والے۔"

"جی ہاں' بڑے اچھے لوگ ہیں۔ میرا وہاں بہت دل لگتا ہے' ثریا اور پروین بڑی اچھی لڑکیاں ہیں حالانکہ میری ملاقاتیں ہوئی ہیں ان سے لیکن بہت پیاری لگی ہیں مجھے۔"

"چلی جاؤ' چھٹی ہے۔ میں کیوں منع کروں گی۔" فریدہ بیگم نے کہا۔ اصل میں فرزانہ کو شہباز کے دل کی اس کہانی

تھا۔ وہ جانتی تھی کہ شہباز پروین کو پسند کرتا ہے۔ شہباز سے کبوتر پروین ہی نے چھڑوائے تھے بلکہ سچی بات تو یہ تھی کہ شاید پروین ہی کے تصور سے شہباز نے اپنی بہت سی عادتیں ترک کرکے سبزی منڈی میں نوکری بھی شروع کی تھی لیکن تقدیر عین وقت پر دھوکا دے گئی۔ وہ نہ ہوسکا جو وہ چاہتا تھا لیکن فرزانہ کی دلی آرزو تھی کہ وہ شہباز کی محبت کو زندہ رکھے۔ پروین کا خیال رکھے بہت سے وسوسے بھی تھے دل میں اور کبھی کبھی بہت آزردہ ہوکر یہ بھی سوچنے لگتی تھی کہ شہباز کے نام کو داغ لگ گیا ہے کہیں یوں نہ ہو کہ یہ داغ اس کے مستقبل کا مستقل داغ بن جائے تاہم وقت سے پہلے وسوسوں کا شکار ہوکر جی چھوڑ بیٹھنا اچھا نہیں تھا۔ چنانچہ وہ امید کا دامن پکڑے رہنا چاہتی تھی' ماں باپ سے اجازت لے کر حکمت علی کے گھر پہنچ گئی اتفاق سے اس کی شخصیت متنازعہ نہیں تھی۔ فاطمہ بیگم اور نسیم بیگم دونوں ہی اسے پسند کرتی تھیں۔ ثریا اور پروین تو اسے دیکھ کر نہال ہوگئیں فرزانہ نے ادب سے ان لوگوں کو سلام کیا اور پھر پروین اور ثریا کے ساتھ ان کے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس نے پروین اور ثریا سے کہا۔

"بھئی تم لوگ تو اپنے گھر سے نکلتی ہی نہیں ہو ہماری ہی شامت آتی ہے تو ہم ادھر آجاتے ہیں۔"

"یعنی یہاں آنا شامت ہے فرزانہ باجی۔"

"چلو شامت نہ کہو' کچھ اور کہہ لو۔ کہو کیا ہورہا ہے؟"

"ہم بھلا کیا کرسکتے ہیں۔ بس دو قیدی چڑیاں ہیں جو پنجرے میں ادھر سے ادھر پھدکتی پھرتی ہیں۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے آزادی بخشی ہے' کہو نوکری کیسی چل رہی ہے۔" ثریا نے کہا۔

"بہت اچھی۔۔۔ میں چچی جان سے بات کروں گی تم لوگ کبھی ہمارے ہاں آؤ۔"

"آہ کاش یہاں کے لوگ دوسروں کی بات ماننا سیکھ لیں۔"

نسیم بیگم چائے بناکر لے آئیں۔ فرزانہ چونک کر بولی۔ "ارے ارے چچی جان آپ نے شرمندہ کردیا۔ یہ کام تو ان لوگوں کو کرنا چاہئے تھا۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ میں نے سوچا کہ تم لوگ باتیں کررہی ہو تو تمہیں باتیں کرنے دی جائیں اور سناؤ ابو کیسے ہیں بھائی کی کوئی خبر ملی۔"

"جی۔ شہباز بھیا ٹھیک ہیں۔ اصل میں ابو کو ہمت نہیں پڑتی۔ وہاں جاکر ان سے ملاقات کرنے کی۔ چچی جان ہم لوگ تقدیر کے شکار ہیں شاید آپ کو اس بات کا علم ہو۔"

"اللہ ہر مشکل کو دور کرتا ہے بیٹا' کچھ زیادہ نہیں معلوم مجھے اصل میں کسی کے ذاتی معاملات کریدنے کی عادت نہیں ہے۔"

"بہت اچھا گھرانہ تھا ہمارا۔ ابو نے فنانس کمپنیوں کے چکر میں پڑکر اپنی نوکری بھی گنوادی اور گھر کا اثاثہ بھی شہباز بھیا بہت ہی تعلیم حاصل کررہے تھے انہوں نے منع کیا تھا ابو کو ایسا نہ کریں مگر ابو نے اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھایا اور اس کے بعد سب کچھ گم ہوگیا تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔ شہباز بھیا بس اس سے برگشتہ ہوگئے' انہوں نے دیوانگی کا شکار ہوکر کبوتر بازی شروع کردی حالانکہ وہ ایک اچھے ذوق کے مالک نفیس انسان ہیں مگر بس بعض اوقات انسان جنون میں جانے کیا کیا کچھ کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے شہباز بھیا پر بھی یہی جنون طاری ہوا تھا وہ ایسی حرکتیں کرتے تھے جن پر ابو کو غصہ آئے اور یہ سب کچھ اس لئے کہ ان کا اپنا مستقبل تاریک ہوگیا تھا۔ تقدیر کو یہی سب کچھ منظور تھا چچی جان میرے شہباز بھیا بہت اچھے ہیں اب جب وہ واپس آئیں گے تو ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے وعدہ کیا ہے انہوں نے۔"

"اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی مشکلیں دور کرے۔" نسیم بیگم نے خلوص دل سے کہا اور باہر نکل گئیں۔ فرزانہ بار بار پروین کو دیکھنے لگی تھی۔ پروین کا چہرہ اداس ہوگیا تھا۔ فرزانہ نے ثریا سے کہا۔

"تم دونوں بہنیں آپس میں ایک دوسرے کی دوست ہو یا نہیں۔ میرا مطلب ہے بڑی اور چھوٹی کا تکلف رہتا ہے بیچ میں یا دوستی وغیرہ بھی ہے۔"

"لیجئے اگر یہاں بھی دوستی نہ رہی تو باہر کا تو ہمیں موقع ہی نہیں ملتا۔"

"تو ثریا ایک ایسی بات کہنا چاہتی ہوں جو مجھے نہیں کہنی چاہئے لیکن ایک بہن کی آرزو سمجھ کر سن لینا۔ برا نہ ماننا میری بات

"کیا بات ہے فرزانہ باجی؟" ثریا نے تعجب سے پوچھا۔

"شہباز بھیا کو کبوتروں کا جنوں ہو گیا تھا۔ پورا محلہ ان سے عاجز تھا۔ ابو نے ہر سختی کر لی محلے والوں نے سب کچھ کہہ ڈالا مگر وہ نہ مانے پھر اچانک ایک دن وہ مان گئے۔ انہوں نے سارے کبوتر بیچ دیئے۔ وہ نوکری کی تلاش میں بھی نکل گئے اور انہوں نے نوکری کر لی۔ وہ پھر سے ایک اچھے انسان بننے کی فکر میں سرگرداں ہو گئے لیکن تقدیر نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور۔۔۔ اور۔" فرزانہ کی آواز رندھ گئی۔ اس نے ڈبڈباتی آنکھوں سے دونوں بہنوں کو دیکھا پھر بولی۔ "ایک ہی بھائی ہیں وہ میرے ہماری محبتیں وقف تھیں ایک دوسرے کے لئے۔ میں نے ان کے راستہ بدلنے کا راز پالیا۔ جانتی ہو وہ راز کیا تھا۔"

"کیا؟" ثریا بے اختیار بول اٹھی۔

"پروین" فرزانہ نے کہا۔

"کیا؟" ثریا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"مجھے معاف کر دینا میری بہن۔ مجھے معاف کر دینا۔ یہ بتانا ضروری تھا تمہیں۔ شہباز بھیا پروین کو چاہنے لگے ہیں۔ انہوں نے پروین کو دیکھ کر یہ سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ پروین سے محبت کرتے ہیں۔ ثریا تمہارا بھی ایک بھائی ہے۔ تمہارے دل میں اس کی تڑپ ہو گی۔" "تم اچھی طرح جانتی ہو گی کہ بھائی بہنوں سے دور ہو جاتے ہیں تو کتنے یاد آتے ہیں مجھے بھی شہباز بھیا اتنے ہی آتے ہیں۔ دیکھو ثریا۔ بھیا واپس آئیں گے۔ وہ اب بالکل بدل کر آئیں گے اور میں۔ میں ان کا رشتہ لاؤں گی۔ ثریا میری میری مدد کرنا۔ تمہیں اپنے بھیا کا واسطہ۔ میری مدد کرنا۔ پروین کو کسی اور کا نہ ہونے دینا۔ کوئی رشتہ آئے تو پھانس مار دینا۔ میری بہن پروین میرے بھائی کی امانت ہے۔ تمہیں میری مدد کرنا ہو گی۔" فرزانہ زار و قطار رونے لگی۔

پروین نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ ثریا بھی رو پڑی اس نے فرزانہ کو لپٹا لیا۔ "خدا کے لئے باجی۔ خدا کے لئے دیکھئے کوئی آجائے گا کیا سوچے گا۔"

"میری مدد کرو گی ثریا۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ بس روئیں نہیں۔ تمہاری قسم فرزانہ باجی۔ پروین کا کسی اور سے رشتہ کبھی نہ ہونے دوں گی چاہے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔" فرزانہ نے کہا۔ پروین مسلسل منہ ڈھکے ہوئے تھی لیکن ہتھیلیوں کے نیچے سے آنسو رہے تھے۔ ثریا کو پروین کے دل کا حال بھی معلوم تھا جب شہباز کی گرفتاری کی خبر ملی تھی تو پروین خوب روئی تھی۔ یہ تو دلچسپ انکشاف ہوا تھا کہ شہباز بھی پروین کو چاہتا ہے لیکن ابھی فرزانہ نے ایک اور بات بھی کہی تھی۔ وہ بھی دوسروں کی یہی جانتی تھی حکمت علی صاحب کا کوئی بیٹا جیل میں ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی۔ ان کا کوئی بھائی نہیں تھا بیٹا تو بس حکمت علی کے خوف کی آواز تھی تاکہ جوان بیٹیوں کو ایک خطرناک بھائی کے تصور کا تحفظ حاصل رہے۔ فرزانہ دیر بیٹھی شہباز کی باتیں کرتی رہی تھی۔

*

امداد بیگ گم صم ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ فوزیہ کی شادی کو دو ماہ گزر چکے تھے۔ بیاہ کر گئی تھی تو کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ نعمان یا غفران صاحب نے ایک خط بھی نہیں لکھا تھا۔ گھر کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ کے بعد زندگی میں کوئی دلچسپی ہی نہیں رہ گئی تھی اور اب دونوں میاں بیوی کو پچھتاوے ہو رہے تھے کہ بیٹی کو اتنی دور کیوں دیا۔ ایک ہی تو روشنی تھی ان کی زندگی میں۔ پچھلے ہی دن دونوں میاں بیوی اس بات پر الجھ پڑے تھے امداد بیگ نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

"یہ نعمان تو بے حد ذلیل انسان نکلا اور غفران صاحب بھی۔ صاحب اولاد ہو کر بھی اتنا خیال نہیں آیا کہ بیٹی کی خیریت کی خبر دیتے۔ کتنے خط لکھ چکے ہیں ہم؟"

"چھ سات لکھے ہیں۔"

"ایک کا بھی جواب دیا انہوں نے۔"

"ہاں یہ تو بری بات ہے۔ فوزیہ ہی جواب دے دیتی۔"

"فون ہی کر دیتی۔ اسے تو نمبر معلوم ہے۔"

"یہ تو ہے۔"

"خوش ہو گی اپنے ایوانوں میں، جیسی ماں ایسی بیٹی۔ خون تو تمہارا ہی ہے ماں باپ کہاں یاد آتے ہوں گے۔"

"یہ مجھ پہ کیوں الٹ رہے ہیں آپ۔"

"تمہارا ہی تو کیا دھرا ہے سب کچھ۔ تم ہی نے تو لپک کر یہ رشتہ طے کیا تھا کہ تمہارے بھائی صاحب نے لگایا ہے۔ ان کی کہی ہوئی بات تو صحیفہ آسمانی ہوتی ہے تمہارے لئے۔"

"آپ منع کر دیتے۔"

"میرے منع کرنے پر تم مان جاتیں؟"

"جیسے سب کچھ اپنی مرضی سے کرتی رہی ہوں۔"

"تو اور کیا ہوتا ہے اس گھر میں۔"

"ہاں۔ میرے کہنے سے گھر بدل لیا آپ نے۔ یہ محلہ چھوڑ دیا۔"

"تمہیں چھوڑ سکتا ہوں میں۔ محلے کی بات آئندہ مت کرنا۔ پورے محلے میں ذلیل کرا دیا سب نے تحفے دیئے اور طنز کئے آخر کیسے ہوا۔"

"آئندہ جو کچھ کروا اپنی مرضی سے کرنا۔ میری توبہ میرے باپ کی توبہ۔"

"ارے اب کرنے کو رہ کیا گیا ہے۔ ایک ہی بیٹی تھی یہیں کہیں ہوتی تو مل تو سکتے تھے۔ یہ محمود علی صاحب آخر کہاں مر گئے۔"

"فون کر کے پوچھا تھا احمد بھائی سے۔ بتایا کہ ابھی نہیں آئے۔"

"احمد بھائی کو بھی غفران صاحب کے فون نمبر کا خیال نہیں آیا۔ ہم ہی لندن فون کر لیتے۔"

"ہو سکتا ہے محمود علی صاحب کو بھی ان کا فون نمبر معلوم نہ ہو۔"

امداد بیگ خاموش ہو گئے تھے۔ سخت پریشان تھے بیٹی کے لئے۔ دو ماہ سے کوئی خیر خبر نہیں ملی تھی۔ یہاں سے خط پر خط گئے تھے مگر جواب نہیں ملا تھا۔ فون نمبر بھی نہیں لیا تھا غفران صاحب کا۔ کسی کو خیال ہی نہیں آیا تھا اس وقت۔ شادی کرانے والے محمود علی صاحب بھی کہیں گئے ہوئے تھے۔ احمد یار خاں سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا۔

"نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ سیر و سیاحت ہو رہی ہو گی۔ ہو سکتا ہے نعمان میاں فوزیہ کو ساتھ لے کر سوئیزر لینڈ نکل گئے ہوں۔ کون یاد کرتا ہے بھائی گھسے پٹے ماں باپ کو۔"

"غفران صاحب تو ساتھ نہ گئے ہوں گے سوئیزر لینڈ!" امداد بیگ صاحب بولے۔

"محمود علی آجائے تو معلوم کروں!"

اس وقت یہی تمام باتیں دماغ میں آ رہی تھیں۔ چمک دمک کا شکار ہو گئے تھے ورنہ شعور! وہ تو اچھا خاصا نوجوان نکلا۔ کیا شاندار بنگلہ تھا اور پھر اخلاق قیامت کا تھا۔ کس طرح پذیرائی کی۔ آہ کاش۔ آنکھوں پر پٹی نہ بندھ جاتی۔ آہ کاش۔ لیکن۔ کیا سلوک کیا تھا شمع بیگم اور پروانہ صاحب کے ساتھ۔ کیا بے عزتی نہ کی تھی شعور کی۔ اسے چائے پر بلا کر خود سب لوگ چلے گئے تھے اس کے باوجود۔ ان کے چہرے بے شکن تھے۔ آہ برا ہوا بہت برا ہوا۔ ان کا غرور انہیں لے ڈوبا۔ لندن کا نام سن کر آنکھیں بند ہو گئیں ورنہ شعور سے اچھا نوجوان ملنا ممکن نہیں تھا! مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔"

ٹیکسی رک گئی۔ پیسے دے کر نیچے اترے اور گھر میں داخل ہو گئے۔ غوثیہ بیگم کو آواز دی تو اختر دلیپ باہر نکل آیا۔

"غوثیہ کہاں ہیں۔"

"گئی ہوئی ہیں جناب!"

"کہاں؟"

"احمد یار خاں صاحب کی ہاں۔"
"کب؟"
"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔"
"کیا مصیبت آئی تھی۔ کیوں گئی ہیں۔"
"کوئی مصیبت ہی ہے حضور والا!"
"کیا بکواس کر رہے ہو۔"
"جی ہاں۔ مجھے جو معلوم ہے عرض کئے دیتا ہوں۔ آپ نے کچھ خطوط لندن بھیجے تھے تا بٹیا کے یہاں!!"
"ہاں پھر؟"
وہ ان ریمارکس کے ساتھ واپس آگئے ہیں کہ اس نام کے کوئی صاحب وہاں نہیں رہتے۔" اختر دلیپ نے جواب دیا!

امداد بیگ صاحب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اختر دیپ نے جو کچھ کہا تھا کچھ دیر تو سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ کسی قدر جھلا
ہوئے لہجے میں بولے۔
"کیا بکواس کر رہے ہو؟"
"واقعہ کچھ ایسا ہی ہے حضور انور کہ حواس کا قیام مشکل ہو جائے گا۔ تاہم بہتر یہ ہوتا ہے کہ مشکل وقت میں بھی کسی
عزت نفس کا خیال رکھا جائے۔ آپ نے جس اخلاص کا اب تک مظاہرہ کیا ہے اسی کا آرزو مند ہوں جو کچھ مجھے معلوم تھا
بجنسہ پیش کر دیا ہے۔" اختر دیپ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"مگر تم کہہ کیا رہے ہو؟ مجھے سمجھاؤ تو سہی۔" امداد بیگ نے پریشانی سے کہا۔
"اگر یہ بھی میرے فرائض میں شامل ہے تو میری تقدیر۔ محترم عالی آپ نے جو خطوط لندن کے پتے پر فوزی صاحب کے
ارسال کئے تھے وہ لندن کے محکمہ ڈاک کو موصول ہوئے اور جب ترسیل کنندہ اپنے فرائض کی تکمیل کے لئے درج شدہ پتے
پہنچا تو وہاں اسے علم ہوا کہ مطلوبہ خاندان وہاں موجود ہی نہیں ہے چنانچہ اسی نوٹ کے ساتھ خطوط واپس آگئے۔ آپ کو علم
عالی قدر کہ انگریز قوم فطری پستیوں کا بے شک شکار ہے لیکن اخلاقی طور پر اصول پرست اور ظاہری نفاست میں بے مثال
چنانچہ خطوط واپس آگئے۔ ہمارے محکمہ ڈاک کی طرح نہیں ہے کہ......"
امداد بیگ صاحب کو چکر آگیا دیوار کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی وہ نہیں سوچنا چاہتے
جو سن رہے تھے لیکن...... لیکن کانوں نے ان الفاظ کو جذب کر لیا تھا۔ انہیں کیسے نظر انداز کرتے۔ ایک ہی فیصلہ کیا وہ
خود بھی احمد یار خان کے گھر چلے جائیں۔ جہاں سب موجود ہیں کچھ پتا تو چلے گا ٹیکسی چھوڑ چکے تھے لرزتی ہوئی آواز میں بولے
"اختر......"
"سرکار عالی؟"
"ایک ٹیکسی لے آؤ۔"
"کہاں تشریف لے جائیں گے؟"
"احمد یار خان کے گھر جاؤں گا۔" امداد بیگ صاحب بولے پھر وہ باہر ہی کھڑے انتظار کرتے رہے۔ دل بیٹھا جا رہا تھا
پہ ضرب پڑ رہی تھی۔ شعور کے بارے میں ہی سوچتے ہوئے آئے تھے بڑے خسارے کا احساس ہو رہا تھا۔ دیار غیر غیر ہی
ہے اپنے وطن کی بات ہی کچھ اور ہے۔ باہر اگر کوئی کچھ کما لے تو کون سا تیر مارا۔ گھر میں رہ کر کچھ کرنے تو بات ہے ورنہ
اور شارجہ جا کر تو دھنیے جولاہے بھی بہت کچھ لے آتے ہیں وہاں سڑکیں بھی صاف کریں تو کون شناسا گھر میں سینہ تانے
ہوتے ہیں جیسے شیخوں کے ہم عصر رہے ہوں گھر والیاں دوبئی کے پیسے سے بیگمات کہلائیں مگر ذہنیت کہاں سے بدلے۔ وطن
سب ایک دوسرے کے شناسا۔ کون کیا ہے پتا تو ہوتا ہے۔
ٹیکسی آگئی۔ راستے بھر دماغ دکھتا رہا تھا احمد یار خان کے گھر کی فضا میں بھی بڑی سنسنی تھی نوکر نے وہاں پہنچا دیا جہاں

بیٹھے ہوئے تھے۔ غوثیہ بیگم کی آنکھیں سوج رہی تھیں امداد بیگ کو دیکھ کر بلک پڑیں۔

"ہماری فوزی۔ ہماری فوزی۔۔۔۔۔" انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

"مر گئی۔۔۔۔۔ یا زندہ ہے؟" امداد بیگ صاحب غرائے۔

"ارے۔۔۔۔۔ ارے امداد بھائی۔۔۔۔۔ کیا بد فال منہ سے نکال رہے ہیں۔" بیگم احمد یار خان بولیں۔

"اول تو میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ آپ کا گھر کون سا ہے یہ یا وہ۔" امداد بیگ بیوی کو گھورتے ہوئے بولے۔

"بیٹھئے امداد بھائی۔" احمد یار خان نے کہا۔

"مجھے اس سوال کی اجازت ہے یا نہیں۔" امداد بیگ صاحب غرا کر بولے۔

"ہاں ہاں ہر سوال کی اجازت ہے۔ آپ براہ کرم تشریف تو رکھئے۔" احمد یار خان نرم لہجے میں بولے۔

"یعنی نہ مجھ سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت پیش آتی ہے ان خاتون کو' نہ اس گھر کو گھر سمجھا جاتا ہے۔ میں کسی پروگرام سے گھر سے باہر نکلا' محترمہ کے دل میں آیا جو کیا' اٹھیں اور چل پڑیں' گھر آخر گھر ہوتا ہے آخر میری حیثیت کا غلط کیوں کیا گیا ہے کس بنیاد پر انہوں نے مجھے کمتر اور اپنے آپ کو برتر تصور کیا جو جی چاہا کر ڈالا۔ نہ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت کہ میں گھر واپس آؤں گا تو کیا دیکھوں گا میں پوچھتا ہوں غوثیہ بیگم میری اجازت کے بغیر آپ بار بار گھر سے کیوں نکل آتی ہیں؟

"امداد بھائی' بیٹھئے تو سہی' خدارا بیٹھ جایئے' آئندہ خیال رکھیں گی یہ اس بات کا کہ آپ سے پوچھے بغیر کہیں نہ جائیں آپ کا بھی اتنا ہی گھر ہے امداد بھائی جتنا غوثیہ بیگم کا' براہ کرم اس وقت غصے سے کام نہ لیں بیٹھئے تو سہی بڑا مشکل مرحلہ آ گیا ہمارے لئے۔"

"معافی چاہتا ہوں احمد یار خان صاحب' میرے لئے تو یہ مشکل مرحلہ بہت پہلے آ چکا ہے اور مسلسل اسے بھگت رہا ہوا ہوا ہے بتایئے سمجھایئے مجھے' ہوا کیا ہے؟"

"آپ خدا کے لئے ذرا اپنے ذہن کو ٹھنڈا رکھیں شاید ملازم نے کچھ بتایا ہے آپ کو؟"

"غلطی کی ہے اس احمق نے اگر وہ یہ تذکرہ نہ کرتا تو یہاں سارے معاملات ہموار ہو جاتے' مجھ احمق کو اطلاع دینے کی ضرورت تھی۔"

"نہیں خدا کی قسم بھلا ایسی کیا بات ہے میں نے تو ہمیشہ آپ کی عزت کی ہے امداد بھائی' آپ دیکھ لیجئے میں کبھی آپ کے آڑے نہیں آیا خیر چھوڑیئے ان باتوں کو' یہ کچھ سمجھ میں نہیں آئی بات' جو خطوط آپ نے بھیجے تھے وہ ان ریمارکس کے ساتھ واپس آ گئے ہیں کہ اس پتے پر یہ لوگ نہیں رہتے' غوثیہ بیگم کی پریشانی برحق ہے ان لوگوں نے اس دوران کوئی رابطہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے وہ گھر چھوڑ دیا ہو اب خطوط کی ترسیل کرنے والوں کو یہ کیا معلوم کہ کون پہلے کہاں رہتا تھا۔ بس جو بھی گھر میں رہتا ہو گا اس نے کہا ہو گا کہ یہاں ہم رہتے ہیں ہو سکتا ہے غفران صاحب کہیں اور چلے گئے ہوں' امکانات کو مد نظر رکھنا چاہئے' ہر چیز کی تحقیق ہو سکتی ہے امداد بھائی' غوثیہ کا گھبرا جانا تو فطری امر ہے کیونکہ وہ عورت ہے یوں لگ رہا ہے آپ ان سے بھی زیادہ گھبرا گئے ہیں۔"

"میں پوچھتا ہوں یہ آخر ہوا کیا ہے' کیا ہو سکتا ہے آپ کے خیال میں احمد یار خان صاحب؟" امداد بیگ صاحب کسی قدر نرم ہو گئے۔ احمد یار خان نے خطوط ان کے سامنے کر دیئے اور انہوں نے بھی انگریزی کے وہ نوٹ پڑھے احمد یار خان کہنے لگے۔

"ایک تو میرا یہی خیال ہے بعض لوگ اپنی زندگی کے معمولات میں انتہائی لاپرواہ ہوتے ہیں۔ غفران احمد اور نعمان ہو سکتا ہے اسی فطرت کے مالک ہوں' کسی بھی وجوہ پر گھر چھوڑ کر دوسرا گھر لیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ عمل کر ڈالا ہو چونکہ نئی شادی ہوئی ہے اس لئے اپنے آپ ہی میں مست ہوں اور یہاں سے کوئی رابطہ نہ رکھا ہو۔"

"سارے قصے' ساری کہانیاں ہم ہی گھڑ رہے ہیں ناں' کیا غفران صاحب بھی یہ بات نہیں سوچ سکتے تھے؟ فوزی اس قدر لاپرواہ نہیں ہے' اپنے گھر والوں سے کہ نہ ہماری خیریت معلوم کرتی نہ ہمیں اپنی خیریت سے مطلع کرتی' میں ان قصے کہانیوں کا انسان نہیں ہوں احمد یار خان صاحب چند روز پہلے بھی میری ان سے اس موضوع پر گفتگو ہو چکی ہے۔ خیر غلطی میری اپنی بھی ہے کم از کم غفران صاحب سے ان کا ٹیلی فون نمبر مجھے ہی لے لینا چاہئے تھا اور میں پوچھتا ہوں یہ محمود علی صاحب کہاں مر

کہاں غرق ہو گئے؟ انہیں کھود کر قبر سے نکالیئے' معلومات حاصل کیجئے ان سے اور احمد یار خان صاحب حقیقت تو یہ ہے کہ فوزی کو لندن میں بیاہ دینا میری زندگی کا سب سے بھیانک حادثہ ہے' کاش میں یہاں اپنی اس قوت ارادی سے کام لے سکتا جو مجھے اس عمل سے روک دیتی مگر کیا کروں تنہا ہوں کوئی بیٹا وغیرہ بھی نہیں ہے آپ لوگوں کے جال میں پھنسا ہوا ہوں' بیوی نے جو کچھ کہا اسے آمنا صدقنا کہہ دیا۔ اپنی عقل سے سوچا بے شک لیکن پھر وہی چاہا کہ گھر کا ماحول بہتر رہے اور پھر اس عمر میں اگر کسی شدید اختلاف کا شکار ہو جاتا تو لوگوں کی انگلیاں بھی برداشت کرنا پڑتیں۔ ورنہ یہ غوثیہ بیگم آپ یقین کیجئے زندگی کا ایک طویل حصہ اس پچھتاوے میں گزارا ہے کہ اپنی حیثیت سے بڑی حیثیت کی لڑکی سے شادی کیوں کر لی۔ مجھے بے حیثیت قرار دینے میں انہیں جو سکون ملتا ہے اس کا احساس میں نے ہزار بار کیا لیکن بزدل آدمی ہوں کبھی کھل کر مقابلہ نہ کر سکا اب جواب دیجئے غوثیہ بیگم! بیٹی کو اس کے شایان شان بیاہا ہے آپ نے' احمد یار خان صاحب' میرا دل لرز رہا ہے نجانے کیوں یہ احساس چیخ چیخ کر کان میں کہہ رہا ہے کہ کوئی فراڈ ہو گیا ہے ہمارے ساتھ' نقد جہیز لیا گیا بیٹی بھی ہاتھ سے گئی اور دولت بھی' آپ نے بے شک بہت کچھ کیا روپے کا بدل روپیہ ہو سکتا ہے اولاد کا بدل کوئی ہو سکتا ہے؟"

"میں آپ کے الفاظ کی اس تلخی کو پی رہا ہوں امداد بیگ صاحب کیونکہ مجھے آپ کی پریشانی کا احساس ہے لیکن براہ کرم اس قدر مشتعل نہ ہوں ہر چیز کی تحقیق ہو سکتی ہے ہر بات کی تحقیق ہو سکتی ہے اور خدا نہ کرے ہمارے ساتھ کوئی فراڈ ہوا ہو۔ دیکھتے ہیں قصہ کیا ہے محمود علی صاحب کو قبر سے کھود کر نکال لیں گے یہ میرا کام ہے' میں بس یہ سوچ رہا ہوں کہ اب کیا کیا جائے؟"

"یہ سارا شعبہ آپ ہی کا ہے احمد یار خان صاحب میں تو کاٹھ کا الو ہوں جہاں رکھ دیں گے وہاں بیٹھا رہوں گا' سوچئے غور فرمایئے غوثیہ بیگم اپنے آپ کو ماں کہہ کر پچھاڑیں کھالیں گی میں تو یہ بھی نہیں کر سکتا۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں امداد بھائی؟ بجائے اس کے کہ دعائے خیر کریں آپ ایسی تلخ باتیں کر رہے ہیں۔" مسز احمد یار کو بھی غصہ آنے لگا۔

"جوتے ماریئے بھابی میرے سر پر' گھر داماد قسم کا آدمی ہوں ہمیشہ ہی اس ڈیوڑھی کا نمک خوار رہا بس کبھی کبھی دماغ میں یہ احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید میں بھی انسان ہوں ذرا فرمایئے تو سہی آپ کیا حل ہے اگر وہ لوگ غلط نکلے تو؟ آہ میری بچی کیا جانے کیا ہو رہا ہے اس کے ساتھ احمد یار خان صاحب کہاں لے گئے وہ لوگ اسے؟"

اب امداد بیگ صاحب کا احساس جاگا اور قوت برداشت جواب دینے لگی۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آئی۔ رومال سے آنسو روکنے کی کوشش کی لیکن پھر زار و قطار رو پڑے۔ فوزی اکلوتی بیٹی تھی درحقیقت شروع سے اب تک جو کچھ ہوتا آیا تھا اس میں بیوی کو ہی اہمیت دیتے رہے تھے کبھی کسی معاملے میں سختی کی تو بات غلط ہو گئی۔ غوثیہ بیگم ابتدا ہی سے ان پر مسلط رہی تھیں۔ نیک اور شریف انسان تھے گھر کے ماحول کو بہتر رکھنا چاہتے تھے چنانچہ ہمیشہ ہی غوثیہ بیگم سے تعاون کرتے رہے لیکن اب پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تھا۔ غوثیہ بیگم نے شاید امداد بیگ صاحب کو زندگی میں پہلی بار اس طرح بلک بلک کر روتے ہوئے دیکھا تھا۔ طویل عرصے کا ساتھ تھا تمام تر اختلاف کے باوجود آخر بیوی تھیں شریک حیات زندگی کے آخری لمحے تک کی ساتھی شوہر کے آنسو برداشت نہ ہو سکے اور چونک کر اٹھ گئیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے امداد بیگ کو دیکھنے لگیں آہستہ آہستہ آگے بڑھیں اور ان کے قدموں کے نزدیک بیٹھ گئیں۔

"یہ' یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ ہمت چھوڑ بیٹھیں گے تو پھر۔۔۔۔۔ تو پھر میرا سہارا کون بنے گا؟"

"یہ سب ہیں' تمہارا سہارا' میں تو بس تمہارے لئے ہمیشہ ایک نام رہا ہوں ایک نشان رہا ہوں جسے تم بوقت ضرورت استعمال کرتی رہی ہو۔ اس سے زیادہ میری اوقات کیا ہے تمہاری نگاہوں میں' میں کہتا ہوں مجھ سے' میری زندگی لے لو' میری سانسیں لے لو لیکن میری بچی کا پتا بتا دو مجھے' فوزی میری بچی۔" امداد بیگ صاحب بالکل ہی دل چھوڑ بیٹھے تھے۔ اب تو سب کے سب پریشان ہو گئے اور انہیں دلاسے دینے لگے۔ احمد یار خان صاحب خود بھی برے انسان نہیں تھے' یہ دوسری بات ہے کہ دولت کی خوبو نے دماغ بلند کیا ہوا تھا لیکن بہنوئی بہرطور بہنوئی تھا۔ بہن سے ہمیشہ سے محبت کی تھی اور بہنوئی اسی کے نام سے منسوب تھا۔ جلدی سے قریب آ بیٹھے اور امداد بیگ صاحب کو دلاسہ دینے لگے۔

"آپ بالکل اطمینان رکھئے امداد بھائی' یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ فوزی کو ایسے ہی تھوڑی چھوڑ دیں گے' میں فوری طور پر

لندن سے رابطہ کرتا ہوں' میرے لاتعداد شناسا ہیں وہاں غفران صاحب اگر کوئی غلط آدمی ہیں تو انہیں بہت غلط آدمی سے ٹکرا
پڑے گا۔ ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ خدارا خود کو سنبھالیئے۔"
"یہ خط' یہ خط احمد یار خان صاف بتا رہے ہیں ایک ہوتا دو ہوتے' تین ہوتے لیکن ان سب کی واپسی مجھے تو یوں لگتا ہ
جیسے' جیسے۔"
"محمود علی صاحب کو پھانسی کے تختے تک پہنچا دوں گا میں' میں حکومت برطانیہ سے مدد لے سکتا ہوں اس سلسلے میں میر
رسائی بہت دور تک ہے۔ میں اس کو حکومتی معاملہ بنا سکتا ہوں۔ آپ بالکل دل چھوٹا نہ کیجئے۔ ہم فوزی کو تلاش کرلیں گے ا
تو یہ صرف ایک مفروضہ ہے ہو سکتا ہے کوئی اتنی بڑی بات ہی نہ نکلے' آپ ہمت تو کیجئے یہ بات تو اب سامنے آئی ہے کہ وہ لو
وہاں نہیں ہیں آپ ہمت کیجئے میں سب ٹھیک کرلوں گا۔ مجھ پر چھوڑ دیجئے یہ سب کچھ' خدارا خاموش ہو جایئے۔"
"خاموش ہو جایئے بیگ صاحب' خاموش ہو جایئے آپ نے آج میری آنکھیں کھول دیں ہیں بہت سے احساسات جا
ہیں میرے دل میں' خدا کے لئے خاموش ہو جایئے' پانی لاؤ' ایک گلاس کوئی پانی لاؤ' خاموش ہو جایئے۔" غوثیہ بیگم کا کلیجہ
پھٹ پڑا تھا۔ امداد بیگ صاحب کے اس روپ نے شاید غوثیہ بیگم کا روپ بدل دیا تھا۔

✿

حکمت علی کے آنے تک کوئی معرکہ نہ ہو سکا اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ فاطمہ بیگم کا موڈ بہت اچھا تھا پہلے ہی دن باقا
پروگرام لے کر گھر سے باہر نکلی تھیں اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوئی تھیں۔ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ نسیم بیگم نے
بار تیوریاں چڑھا کر ان کا چہرہ دیکھا تھا عموماً" ایسے موقعوں پر فاطمہ بیگم جھگڑا کرنے لگتی تھیں لیکن آج جی نہیں چاہا تھا' بات
کچھ ایسی تھی حکمت علی آئے' گھر میں داخل ہوتے تھے تو سب سے پہلے ماں اور بیوی کی صورت دیکھتے تھے اور ایک ہی انداز
تھا انہیں' ہنستے بھی تھے دل میں' ساری زندگی لڑتے لڑتے گزر گئی تھی ان دونوں کی اور اب تو کبھی کبھی یہ احساس ہوتا تھا حک
علی کو کہ اگر ان دونوں میں سے ایک نہ ہوا تو دوسرا بھی نہ رہے گا۔ کون کس سے لڑے گا۔ لڑے بغیر تو شاید کھانا بھی نہ ہضم
ہو ان کا' آج بظاہر کوئی ایسے آثار نظر نہیں آئے تھے معمولات سے فراغت حاصل کی' بیٹیوں کے ساتھ بیٹھے' بیوی سے خیر
پوچھی اور پھر جب تمام امور سے فارغ ہو گئے تو فاطمہ بیگم نے کہا۔
"اے حکمت علی کہیں باہر تو نہیں جانا بیٹا؟"
"نہیں اماں حکم دیجئے۔"
"بیٹا ذرا تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں اکیلے میں۔"
"اکیلے میں؟"
"ہاں بیٹا آؤ ذرا میرے کمرے میں آجاؤ۔"
"چلیئے۔" حکمت علی بولے اور فاطمہ بیگم کے ساتھ ان کے کمرے میں چلے گئے۔
فاطمہ بیگم نے پانوں کی پٹاری سامنے رکھی' پان لگا کر منہ میں دبایا اور کہنے لگیں۔
"بیٹا اصل میں زمانہ بہت خراب ہو گیا ہے بزرگوں کو تو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا ہے حالانکہ سیانوں کا کہنا ہے کہ جس گھ
بزرگ نہ ہوں وہاں نحوست ہی برستی ہے کوئی کام تو کبھی ڈھنگ کا ہو جائے' اللہ نے دو بیٹیاں دی ہیں تمہیں' بد قسمتی ہے تمہا
بیٹا کہ بیوی ڈھنگ کی نہ ملی ورنہ جو ذمے داری میرے بوڑھے شانوں پر آپڑی ہے وہ اصل میں ماں کی ذمہ داری ہوتی تھی۔"
حکمت علی نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا تو فاطمہ بیگم ان کا مطلب سمجھ کر بولیں۔
"اے میں نے بھی جان بوجھ کر کہا ہے یہ نسیم بیگم کی عادت تو ہمیشہ کنسوئے لینے کی ہے کھڑی ہوں گی دروازے سے
لگائے مگر بیٹا کہا ہے نا پاک پروردگار نے کہ ہمیشہ نہ کہو جو خدا لگتی ہو سچ بولنے سے بھلا مجھے کون روکے گا؟"
"اماں' اماں آپ آگے تو بات کیجئے۔" حکمت علی گھبرائے ہوئے انداز میں بولے۔ توقع تھی کہ بس اب دروازہ دھ
سے کھلے گا اور نسیم بیگم لال پیلی اندر داخل ہو جائیں گی۔ لیکن حیرانی ہوئی کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی پتا نہیں نسیم بیگم
مصروف تھیں بہر طور غنیمت ہی تھا کہ فاطمہ بیگم کے یہ الفاظ نسیم بیگم نے نہیں سنے' فاطمہ بیگم کہنے لگیں۔

"بیٹا! آج میں نکلی تھی گھر سے خیال یہی تھا دل میں کہ جب تک کوشش نہ کرو دنیا کا کوئی کام نہیں ہوتا اب میرے تو جی کو
ہے جوان بیٹیوں کو کب تک گھر میں بٹھائے رکھیں گے۔ کلیجہ کٹتا ہے ان کی صورتیں دیکھ کر ارے اس عمر میں لڑکیاں دو دو
ں کی ماں بن جاتی ہیں مگر ہمارے گھر کوئی ڈھنگ کا رشتہ بھی نہیں آتا۔ آئے کیسے' دنیا کو پتا چل جاتا ہو گا کہ ساس بہو ہی لڑ لڑ کر
بھرے دیتی ہیں کوئی لڑکی اس گھر سے نکل کر کسی گھر میں جائے گی تو تربیت تو ماں کی ہی ہو گی ناں۔"
حکمت علی نے پھر دہشت زدہ نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولے۔
"اماں آگے بڑھیئے۔" دم نکلا جا رہا تھا فاطمہ بیگم بہت بڑی بڑی باتیں کر رہی تھیں لیکن آج تقدیر ہی اچھی تھی شاید حکمت
لی کہ نجانے کیوں نسیم بیگم نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا شاید باورچی خانے میں کوئی مصروفیت تھی فاطمہ بیگم کہنے لگیں۔
"ایک رشتہ تلاش کیا ہے بڑی کے لئے' میاں سنو گے تو دنگ رہ جاؤ گے کیا کارنامہ سرانجام دے کر آئی ہوں میں' پتا ہے وہ
لون ہے؟"
"نہیں اماں مجھے نہیں پتا۔" حکمت علی سرگوشی کے انداز میں بولے۔
"میاں اسی گلی میں ہے' شوکت علی باپ کا نام ہے بیٹے کا نام طیب علی ہے اور پتا ہے نوکری کہاں کرتا ہے؟"
"مجھے تو کچھ بھی نہیں پتا اماں۔"
"کسٹم میں ہے کسٹم میں کیا سمجھے؟"
"جی اماں۔"
"ملے ہو کبھی ان لوگوں سے؟"
"نہیں شاید صورت سے جانتا ہوں گا' بس چند ہی لوگوں سے ملاقات ہے میری' زیادہ لوگوں کو نہیں جانتا' البتہ بہت سوں کو
رت سے پہچانتا ہوں۔"
"ہاں ٹھیک ہے تو بات اصل میں یہ ہے کہ سب سے چھوٹا بیٹا ہے' ماں کا نام حسینہ بیگم ہے بیٹیاں بیاہ کر گھر سے چلی گئی ہیں
بیٹے ہیں ان کی بھی شادیاں ہو گئی ہیں۔ یہ آخری ہے' خوب اچھی کمائی ہے گھر بھرا ہوا ہے دیکھنے کے قابل ہے اور کیا چاہئے

ہوتا ہے لڑکی والوں کو اور پھر حسینہ بیگم اے کیا کہوں کیا ہی اچھا اخلاق ہے منہ سے تو جیسے پھول جھڑتے ہیں۔ لڑکے کا نام ہے تو میاں' جمن بی ہیں تو بڑی ادھر ادھر کرنے والی مگر بڑے کام کی خاتون ہیں انہوں نے ہی یہ رشتہ دکھایا تھا اور مزے کی با کہ ان لوگوں نے بھی تذکرہ کر دیا کہنے لگی بڑی اماں میرے طیب کے لئے کوئی اچھا رشتہ تلاش کرو' اے اب میں منہ کھو کہہ نہیں سکتی تھی کہ گھر میں دو دو جوان بچیاں موجود ہیں لیکن خیر اس سے کیا فرق پڑتا ہے جمن بی جو موجود ہیں تم ایسا کرو ب سے باہر تو اب نکلتے ہی ہو ذرا دو چار سے پوچھو شوکت علی کے بارے میں' میرا تجربہ تو یہی کہتا ہے کہ بہت اچھے لوگ ہیں کماؤ پوت ہے' راج کرے گی اپنی ثریا' اللہ کے فضل سے بس میرا خیال تو یہ ہے کہ اس اچھے موقع کو ہاتھ سے مت نکالو۔"

"ٹھیک ہے اماں ضرور دیکھوں گا میں' آپ نے جو کچھ کیا ہے یقیناً" بچیوں کے حق میں بہتر ہی ہوگا۔"

"بیٹا! سارے کام مجھ پر چھوڑ دو بتا دوں گی ان لوگوں کو کہ کیا ہے ہمارے پاس کیا نہیں ہے اور پھر جو کچھ بھی اللہ کا ہے' دے دیں گے بیٹی کو' ایک کو تو نمٹاؤ اس کے بعد اللہ دوسری کا سہارا بھی کر ہی دے گا۔"

"اماں' بات آپ نے بالکل دل لگتی ہوئی کہی ہے اگر اچھے لوگ ہوئے تو آپ یقین کریں میں خلوص دل سے اس کے لئے تیار رہوں۔"

"بسم اللہ میاں بسم اللہ' بس اب یہ ہے کہ تم ذرا شوکت علی وغیرہ سے مل لو کسی بہانے سے' لڑکے کو بھی ایک نظر دیکھ لینا' جونہی تم نے دیکھا میں جمن بی سے کہہ دوں گی کہ بوا ہم تیار ہیں اب تم بسم اللہ کر کے بات چھیڑ دو۔"

وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ نسیم بیگم نے بڑے صبر' بڑی ہمت سے کام لیا تھا بھلا کیسے ہو سکتا تھا یہ کہ فاطمہ بیگم' حکمت لے کر اپنے کمرے میں جائیں اور نسیم بیگم کہیں اور مصروف رہیں جو کچھ فاطمہ بیگم نے کہا تھا اچھی طرح سنا تھا اور برداشت رہی تھیں کہ اصل معاملہ تو سامنے آئے اب شعلہ جوالہ بنی ہوئی اندر داخل ہوئی تھیں اور حکمت علی کا دل ہول کر رہ گیا۔

"میں کن سوئے نہ لوں اماں تو عزت بچانا مشکل ہو جائے کبھی کا نکلوا دیتیں آپ مجھے گھر سے۔"

"ارے تو بیٹا! میں نے بھی دھوپ میں بال تو سفید نہیں کئے۔ تمہیں نہ جانوں گی تو اور کسے جانوں گی۔" فاطمہ بیگم چھوڑنے والی کہاں تھیں۔

"نسیم آؤ میرے ساتھ تم سے بات کرنی ہے۔"

"مجھ سے کیا بات کریں گے آپ" نسیم بیگم نے کہا مگر حکمت علی اس وقت بات نہیں بگاڑ سکتے تھے چنانچہ کسی قدر ساتھ نسیم بیگم کو باہر لے گئے۔

✠

شکیل پر یہ رات بہت بھاری گزری تھی اس سے پہلے بھی وہ بہت سی راتیں جاگا تھا بہت سے مسائل سامنے آئے۔ یہ زندگی کا سب سے مشکل مرحلہ تھا فیصلہ کرنے کے باوجود اس نے بہت سوچا تھا بالآخر یہی فیصلہ کیا تھا کہ سلطانہ جمالی کی ساتھی بن کر روشنیوں کی دنیا میں داخل ہو جائے۔ صبح کو بہت جلدی تیار ہو گیا تھا۔ رقیہ بیگم نے چائے دی تو شکیل کا چہ حیران رہ گئیں۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔" شکیل چوروں جیسے انداز میں بولا۔

"کوئی بات ضرور ہے؟"

"کیا ہو سکتی ہے۔"

"یہ تو تم ہی بتاؤ گے۔" رقیہ بیگم بولیں اچانک شکیل کو اچھی سوجھ گئی۔ کہنے لگا۔

"ایک مشکل کا شکار ہوں۔"

"مجھے نہیں بتاؤ گے۔"

"کئی دن سے اسی سوچ میں ڈوبا ہوا ہوں کہ کیا کروں؟"

"آخر بات کیا ہے؟"

"میرے مالکان کے بارے میں آپ اندازہ لگا چکی ہیں کہ مجھ سے کس قدر مانوس ہیں اور ہمارے لئے کیا کیا کرنا چاہتے ہیں کوئی ایک ماہ پہلے انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے کاروباری دورے پر دوسرے ممالک بھیجنا چاہتے ہیں اس وقت تو بات ٹل گئی تھی لیکن اب۔۔۔۔"

"اب کیا؟"

"شاید مجھے جانا پڑ جائے۔"

"کہاں جانا ہوگا؟"

"شاید فرانس' اس کے بعد سنگاپور اور پھر یہ پروگرام اکثر رہے گا۔"

"گویا دوروں پر جاتے رہو گے؟"

"جی!"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" دروازے سے کلیم احمد کی آواز سنائی دی۔ شکیل سنبھل گیا سیدھی سادی ماں کو تو آسانی سے چکمہ دیا جا سکتا تھا مگر کلیم احمد صاحب جہاندیدہ آدمی تھے۔

"جی ابو۔۔۔۔ بس وہ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں کیا۔۔۔۔؟ کھل کر کہو۔"

"کاش میرا کوئی بھائی ہوتا۔"

"پھر کیا ہوتا؟"

"آپ کی دیکھ بھال بھی تو ضروری ہے۔"

"تم صرف ایک بات کا جواب دو؟"

"جی ابو۔"

"یہ دورے تمہارے مستقبل کے لئے سود مند ہیں؟"

"بے حد ابو۔"

"بات ختم ہو گئی۔ ہمیں ہر قیمت پر تمہارا شاندار مستقبل عزیز ہے تم آمادگی کا اظہار کر دو۔"

"کتنے دن کے لئے جانا ہوگا؟"

"اس کا کوئی تعین نہیں امی۔"

"بھئی کتنا ہی وقت لگ جائے لوگ دوسرے ممالک نوکری کرنے بھی تو جاتے ہیں یہ کوئی بات نہیں اور پھر جہاں تک میرا معاملہ ہے تو بیار معذور ہو گیا ہوں بالکل بوڑھا نہیں۔ سنبھال سکتا ہوں ابھی گھر کو میں۔"

"واقعی ابو آپ اجازت دیتے ہیں۔" شکیل نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں لیکن ایک شرط ہوگی۔" کلیم صاحب مسکرا کر بولے۔

"کیا ابو؟"

"اپنی امی کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ گے کہ وہاں سے کسی سفید پری کو ساتھ نہ لگا لاؤ گے۔"

"امی کی قسم ابو۔۔۔۔ ایسا نہیں کروں گا۔" شکیل نے فوراً قسم کھا لی۔ ایسا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ سلطانہ جمالی فرنگن نہیں تھی۔

"بس اور کوئی بات بھی نہیں ہے۔ اصل میں یہ سفید جادوگرنیاں بڑی بے باک ہوتی ہیں کسی بھولے بھالے نوجوان کو قابو میں کرنا ان کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔"

"میں وعدہ کرلوں ابو۔"

"بالکل کرلو تقدیر تمہیں موقع دے رہی ہے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ ورنہ عام لوگوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کا موقع نہیں ملتا۔" کلیم احمد بولے۔

آج سلطانہ جمالی کے گھر کا راستہ بے حد طویل ہو گیا تھا آج وہ اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کر رہا تھا سلطانہ جمالی منتظر تھی۔
"ہیلو۔"
"ہیلو۔" شکیل نے مسکرا کر کہا اور سلطانہ جمالی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔
"بہت بدلے بدلے نظر آ رہے ہو۔ یہ آنکھیں سرخ کیوں ہیں۔"
"یونہی۔"
"رات جاگ کر گزاری ہے؟"
"ہاں!"
"مجھے تمہارا سچ بے حد پسند آیا کیوں جاگے؟"
"سوچتا رہا۔"
"کیا؟"
"آئندہ زندگی کے بارے میں۔"
"ادھر نہیں، اندر آ جاؤ۔ آج دفتر بند رہے گا۔" سلطانہ جمالی نے کہا۔ شکیل ہنستا ہوا اندر کوٹھی میں آ گیا۔ سلطانہ اسے اپنے بیڈ روم میں لے گئی۔ "بیٹھو۔ کیا سوچا۔ کیا فیصلہ کیا؟"
"یہی کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔" شکیل نے جواب دیا سلطانہ جمالی سکتے میں رہ گئی۔ آہستہ آہستہ اس کا چہرہ گلابی ہونے لگا۔ پھر وہ مسرت سے جھوم اٹھی۔ شکیل نے کہا "اور آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
"شکیل!" سلطانہ جذبات سے لرزتے لہجے میں بولی۔
"یہ آپ کا حق ہے سلطانہ صاحبہ۔ اگر شادی کی پیش کش مخلصانہ طور پر ہے تو پھر میری طرف سے ہونی چاہئے یہ دوسری بات ہے کہ اپنے طور پر زندگی بھر اس کی جرات نہ کر پاتا لیکن اب جب آپ نے مجھے اس کی ہمت عطا کی ہے تو پھر یہ میرا فرض ہے کہ میں آپ پر مدعائے دل ظاہر کروں۔ جی سلطانہ صاحبہ یہ سچ ہے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور یہ بھی بہت بڑا سچ ہے کہ اس دوران جو کوئی بھی میرے اور آپ کے راستے میں آیا آپ کی طرف سے اس کے لئے تو کچھ نہ ہوا لیکن میں ذہنی طور پر اسے قبول نہ کر سکا۔ یہ شاید میری محبت ہی ہے جسے میں نے پہلے کبھی شاید محسوس نہیں کیا۔"
سلطانہ جمالی نڈھال ہو گئی تھی بہت دیر تک وہ کچھ نہیں بول سکی پھر اس نے کہا۔
"بہت بڑا درجہ دیا ہے تم نے شکیل مجھے، بہت بڑا مقام دیا ہے، شکر گزار ہوں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے اس قابل سمجھا، شکیل اب ان الفاظ کے بعد بھی مجھ سے دوریاں اختیار کرو گے۔"
"میں سمجھا نہیں سلطانہ صاحبہ۔"
"جب ہمیں ایک کام کرنا ہے تم بھی آمادہ ہو، میں بھی آمادہ ہوں تو پھر اس میں دیر کیوں کی جائے۔ میرے خیال میں اس سلسلے میں اشتیاق حسین صاحب سے زیادہ ہمارا مددگار کون ہو سکتا ہے؟"
"بیرسٹر اشتیاق حسین۔"
"ہاں ہم ان سے بات کئے لیتے ہیں اور وہی ہمارے سارے معاملات طے کریں گے ایسا کرتے ہیں شکیل کہ ہم لوگ کورٹ میرج کئے لیتے ہیں بعد میں کسی اچھی سی جگہ اپنے خاص خاص دوستوں کو ڈنر دے دیں گے تاکہ سب کو علم ہو جائے کہ سلطانہ شکیل بن گئی ہوں۔"
شکیل کے جسم میں لرزشیں دوڑ گئیں یہ بڑی خطرناک بات تھی یعنی یہ کہ لوگوں کو پتا چل جائے گا۔ سلطانہ جمالی کی نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں وہ بولی۔
"کیا سوچ رہے ہو؟"
"میں چاہتا ہوں کہ ابھی امی اور ابو کو اس کا پتا نہ چلے۔"
"انہیں کیسے پتا چلے گا۔"

"اگر ہم لوگوں کو ڈنر دیں گے تو کیا بات کھل نہیں جائے گی۔"
"بات تو کھل جائے گی لیکن انہیں کیسے پتا چلے گا۔"
"کہیں نہ کہیں سے۔"
"مشکل ہے! ہماری دنیا الگ ہے اور ان کی الگ۔ بھلا کون ہے جو تمہارے گھر جا کر بتائے گا؟"
"ہاں ہے تو کوئی نہیں مگر ڈنر ضروری ہے؟"
"بہت ضروری میرے کچھ ارمان ہیں شکیل اور پھر عورت ہوں نا لوگوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں تمہاری بیوی ہوں بہت سے دل سلگ اٹھیں گے۔"
"ایک مشکل پیش آئے گی سلطانہ۔"
"کیا؟"
"لوگ آپ سے جمالی صاحب کے بارے میں پوچھیں گے آپ اس کا کیا جواب دیں گی؟"
"یہی انکشاف تو دلچسپ ہو گا وہ اپنے طور پر مجھے مسز جمالی کہتے رہے ہیں میں نے کبھی کسی سے جمالی صاحب کے بارے میں کچھ نہیں کہا تم الجھ رہے ہو اسی بات سے؟"
"ہاں!"
"چلو چھوڑ دیتے ہیں۔ ڈنر کینسل، میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم میری زندگی کے مالک بن جاؤ۔"
"بیرسٹر اشتیاق حسین کو کیا بتائیں گی؟"
"وہ جانتے ہیں۔"
"کیا جانتے ہیں؟"
"یہی کہ میں غیر شادی شدہ ہوں۔"
"اوہ۔" شکیل نے آہستہ سے کہا۔
"تو پھر میں اشتیاق حسین کو فون کرتی ہوں۔" سلطانہ نے کہا شکیل خاموش ہو گیا۔ سارے کام خواب کے سے عالم میں ہوئے۔ اشتیاق حسین نے یہ سب کچھ اس قدر برق رفتاری سے کر دکھایا کہ یقین نہ آئے کورٹ میں دونوں کے بیانات قلم بند ہوئے اور اس کے بعد سرکاری طور پر انہیں ایک دوسرے کی زندگی میں شامل کر دیا گیا حالانکہ شکیل کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سارے کام آج ہی مکمل ہو جائیں گے لیکن سلطانہ جمالی شاید جلدبازی کی عادی تھی اس نے انتظار نہیں کیا اور یہ کام لمحوں میں کر دکھایا۔ بیرسٹر اشتیاق حسین نے البتہ مذہبی امور کو بھی مد نگاہ رکھا تھا چنانچہ شام کو چار بجے کوٹھی ہی پر قاضی صاحب کو بھی بلایا گیا۔ تمام افراد کا انتظام بیرسٹر اشتیاق حسین نے ہی کیا تھا——— ساتھ آٹھ افراد کی موجودگی میں جن میں سے چند شہر کے بڑے بڑے لوگوں میں شمار ہوتے تھے، سلطانہ جمالی کا نکاح شکیل کے ساتھ پڑھایا گیا اور وہ باقاعدہ مسز شکیل بن گئی۔ اشتیاق حسین صاحب نے دونوں کو مبارک باد دی اور تقریباً چھ ساڑھے چھ بجے انہیں تنہائی نصیب ہوئی۔
سلطانہ جمالی مخمور نگاہوں سے شکیل کو دیکھ رہی تھی اس نے کہا۔
"آج صبح کو شکیل جب میں جاگی تھی تو یہ تصور بھی نہیں کیا تھا میں نے کہ آج کا دن میری زندگی کا اتنا بڑا دن ہو گا۔ شکیل جو کچھ بھی کہوں کم ہے، تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میں نے اپنی کتنی آرزوؤں کی تکمیل کی ہے پھر کہوں گی ایک بار کہ عورت ہوں اور عورت کے ذہن میں شوہر کا تصور شاید دنیا کی سب سے قیمتی شے ہوتی ہے، سب سے حسین، سب سے دلکش اور سب سے زیادہ پر مسرت۔ آج مجھے زندگی کا یہ سہارا بھی مل گیا ہے، شکیل میں تمہاری دیوار کے سائے میں بیٹھ کر ساری زندگی گزار دوں گی تم مجھے ہر طرح سے اپنا فرمانبردار پاؤ گے، یقین کرو شکیل میں شاید الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار نہ کر سکوں۔"
شکیل نے آہستہ سے کہا۔ "اور میں سلطانہ میں صرف یہ سوچتا ہوں کہ میں آپ کے لئے وہ روایتیں بھی نہ دوہرا سکا جو آپ کا حق ہیں۔"
"مجھے میرے سارے حقوق مل گئے۔ اب یہ بتاؤ کیا کرو گے؟"

"کیا مطلب؟"
"گھر جاؤ گے؟"
"ہاں گھر واپس آجاؤں گا۔"
"کوئی بہانہ کرکے؟"
"ہاں۔" شکیل نے جواب دیا۔

شکیل سچ بولتا تھا کلیم احمد کو اس بات پر ناز تھا وہ اپنی تربیت پر فخر کرتے تھے لیکن ملازمت کے حصول میں مسلسل ناکامیو نے شکیل کو یہ احساس دلایا تھا کہ زمانہ بدل گیا ہے جو پچھلا دور گزار گئے وہ خوش نصیب ہیں کہ انہیں جھوٹ بول کر نہیں پڑا۔ وہ اس دور میں بھی یہی چاہتے ہیں لیکن اس دور کی مجبوری یہ ہے کہ وہ سچ سننا پسند نہیں کرتا۔ شکیل اتنی بڑی مسرت کو میں دبائے گھر پہنچا۔ خود کو بالکل نارمل کرلیا۔

"اوور ٹائم کرنا ہوگا۔" اس نے ماں سے کہا۔
"زیادہ کام ہے؟"
"ہاں تین چار دن سخت محنت کرنی ہوگی ساری رات آفس میں رکنا ہوگا۔"
"تو کیا گھر نہیں آؤ گے؟"
"نہیں کوئی بندوبست کرلوں گا کام دوپہر کے بعد سے شروع کیا کروں گا اور دوپہر تک گھر میں رہا کروں گا دراصل میں اقرار کرلیا ہے کہ مجھے بیرون ملک جانے کی اجازت مل گئی ہے چنانچہ اب وہاں جانے کے لئے تیاریاں کرنی ہیں۔"
"کوئی بات نہیں بیٹے محنت ہی مرد کی شان ہے۔" کلیم احمد نے کہا اور شکیل کو رات گھر سے باہر گزارنے کی اجازت گئی۔

عجیب دولہا تھا وہ نہ باجا نہ بارات نہ مہندی کی رسمیں وہ حجلہ عروسی کی طرف جا رہا تھا لیکن تنہا۔ اکیلا۔ نہ کوئی مسکر والا نہ ہنسنے والا نہ شرارتیں کرنے والا۔

*

امداد بیگ صاحب بلکتے رہے تھے اور غوثیہ بیگم کا کلیجہ پھٹتا جا رہا تھا بات کچھ ایسی حقیقی تھی کہ احمد یار خان صاحب بھی مسئلے میں کوئی مداخلت نہیں کرسکتے تھے امداد بیگ بے اختیار روتے رہے پھر احمد یار خان نے کہا۔

"امداد بھائی خدا گواہ ہے کہ فوزی کے ساتھ کوئی برائی کرنے کا تصور تو ذہن میں آہی نہیں سکتا تھا بعض اوقات تقدیر سخت ہوجاتی ہے اور اچھائیاں بھی برائیاں بن جاتی ہیں لیکن آپ یہ نہ سمجھئے کہ میں کسی بھی مرحلے پر بھی پیچھے ہٹ جاؤں گا دنیا ایک کرکے رکھ دوں گا لندن کیا اگر وہ کائنات کے کسی گوشے میں موجود ہوئے تو میں انہیں چھوڑوں گا نہیں۔ کیا سمجھے غفران صاحب خود کو' دولت پانی کی طرح بہادوں گا فوزی بیٹی کو تلاش کرنے کے لئے' آپ خدا پر بھروسہ رکھیئے اور اس۔ میری ان کاوشوں پر یقیناً "اللہ بہتر کرے گا۔" احمد یار خان نے کہا۔

"اس وقت تک تو نجانے کیا کچھ ہوچکا ہوگا احمد یار خان۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ نے چاہا تو کچھ نہیں ہوگا۔ ہم نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا اللہ اس کی گواہی دے گا لیکن اب کچھ کریں گے وہ مجبوری کے جذبوں کے تحت کریں گے غوثیہ بیگم اب میں آپ لوگوں کو اس وقت تک جانے نہیں دوں تک فوزی کا مسئلہ حل نہ ہوجائے' آپ لوگ یہیں رہیں۔ اختر دلیپ وہاں موجود ہے گھر کی دیکھ بھال کرے گا۔"

"نہیں احمد یار خان بھائی' جانے دیجئے وہاں ایک ماحول ہے لوگ ہیں اور پھر مجھے اسی گھر میں سکون ملے گا۔"

"میں وہاں تنہائیوں سے سوال کروں گا کہ زندگی میں کون کون سے گناہ کیے ہیں؟ کس کس کا دل دکھایا ہے؟ کتنی سزا مناسب ہے میرے لیے؟ غوثیہ چاہیں تو یہاں رہ سکتی ہیں۔ اچھا ہے ان کا دل بہل جائے گا۔"

"میں بھی چلوں گی۔ ایک لمحے کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی آپ کو۔" غوثیہ بیگم نے کہا۔ احمد یار خان سمجھا سمجھا کر تھک گئے لیکن امداد بیگ وہاں نہ رکے تھے گھر واپس آگئے۔ غوثیہ بیگم کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ کسی نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ غوثیہ بیگم کی نگاہ جب بھی امداد بیگ کی طرف اٹھتی اس میں حسرت ہوتی تھی۔

"شام ہوگئی۔" امداد بیگ بولے۔ "چائے پلواؤ غوثیہ۔"

غوثیہ بیگم جلدی سے اٹھ گئی تھیں۔ امداد بیگ نے غور سے انہیں دیکھا تھا۔ نخوت و تکبر کی نفی تھی یہ انداز۔۔۔۔ ورنہ یہیں سے اختر دلیپ کو آواز دے کر چائے کے لیے کہا جاتا۔

"اب کیا کریں غوثیہ بیگم۔۔۔۔؟" امداد بیگ نے چائے پیتے ہوئے کہا۔
"میرا دماغ کچھ کام نہیں کرتا۔" غوثیہ بیگم رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔
"ہوسکتا ہے ہمارے سارے اندیشے غلط ثابت ہوں۔"
"کیسے۔۔۔۔؟" غوثیہ بیگم نے ہمک کر کہا۔
"بعض لوگ معمولات زندگی میں بے حد لاپرواہ ہوتے ہیں۔ وہ نہ اپنا خیال رکھتے ہیں' نہ دوسروں کا۔ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ غفران صاحب نے کسی وقتی مشکل کے تحت گھر تبدیل کرلیا ہو اور ہمیں اطلاع دینا ضروری نہ سمجھا ہو۔"
"اللہ کرے ایسی ہی کوئی بات ہو' لیکن۔۔۔۔"
"ہوں لیکن کیا؟"
"فوزی اس قدر لاپرواہ نہیں ہے۔ فون تو کرسکتی تھی۔"
"کیا کہا جاسکتا ہے؟"
"ہم سے غلطی ہوگئی۔ بیگ صاحب۔"
"کیا؟"

"یہ رشتہ منظور نہیں کرنا چاہئے تھا ہمیں' بس غور نہیں کیا۔ ان کا کوئی خاندان بھی نہیں تھا یہاں ہم نے صرف لندن کے نام پر یہ رشتہ کردیا۔"
"ہم نے' مجھے بھی شامل کررہی ہیں آپ؟"
"نہیں۔ آپ کو نہیں شامل کررہی۔" غوثیہ بیگم سسک کر بولیں۔
"غوثیہ بیگم! ہم تکبر میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں۔ مذہب صاف صاف بتاتا ہے کہ تکبر اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ غریب لوگوں کی اس بستی سے آپ نے ہمیشہ نفرت کی۔ خود پر تکیہ نہ کیا' بلندیوں کی طرف دیکھا حالانکہ غربت' انسانیت کو زندہ رکھتی ہے۔"
"ہاں' اس میں کوئی شک نہیں ہے میں نے بڑی غلطیاں کی ہیں۔ پروانہ صاحب آئے تھے ان کے ساتھ ہم نے نہایت برا سلوک کیا۔ حالانکہ کوئی ایسی بات نہ تھی۔"
"کچھ بتاؤں گا تو آپ کے دل کو اور صدمہ ہوگا۔"
"کیا۔۔۔۔؟"
"جانے دیجئے۔ چھوڑیئے۔" امداد بیگ بولے۔
"آپ کو میری قسم بتایئے۔"
"آپ نے گاڑی کے بارے میں نہیں پوچھا۔ حالانکہ وہ باہر نہیں ہے نہ میں اسے لے کر احمد بھائی کے گھر گیا تھا۔"
"خدا خیر کرے کیا ہوا۔۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔۔ گاڑی کہاں ہے؟ میری تو عقل ہی گم ہے۔ غور نہیں کیا۔"
"ایکسیڈنٹ ہوگیا اس کا۔"
"میرے خدا۔۔۔۔ کہاں کیسے۔"

"میرا سر چکرا رہا تھا ایک کوٹھی کی دیوار سے جا لگی۔ کوئی خاص نقصان نہیں ہوا تھا مگر——"

"مگر کیا——؟"

"جانتی ہیں وہ خوبصورت کوٹھی کس کی تھی؟"

"کس کی تھی؟"

"شعور کی۔ اس نوجوان کی جو نعمان سے لاکھ درجے حسین اور خوش رو ہے۔ جو اسی شہر میں پروانہ صاحب کا کرائے دا ہے اور جس کا رشتہ ہماری فوزی کے لیے آیا تھا۔"

"کیا——" غوثیہ بیگم کچھ نہیں سمجھ سکیں۔ تب امداد بیگ نے انہیں پوری تفصیل بتائی اور غوثیہ بیگم ساکت رہ گئیں ایک لفظ منہ سے نہیں نکل سکا تھا۔

"بہت جلد سزا ملی ہے ہمیں۔ سزا تو ملتی ہے گناہ گاروں کو کیونکہ یہ قانون قدرت ہے لیکن ہمیں جلدی سزا مل گئی اب یہ آئندہ کیا کریں؟"

"آئندہ؟"

"اس بات کو یہاں کے لوگوں سے چھپاؤ گی کہ ہماری فوزی لاپتہ ہے اور ہم زندہ درگور ہو گئے ہیں۔"

"تو کیا—— تو کیا فوزی نہ ملے گی؟" غوثیہ بیگم روتے ہوئے بولیں۔

"دعائیں تو آخری دم تک کرتے رہیں گے لیکن پڑوسیوں کے بارے میں کیا سوچا۔"

"آپ بتائیے۔"

"میرے خیال میں ہمیں خود یہ داستان کسی کو نہیں سنانی چاہئے لیکن اگر کوئی معلوم کرے تو چھپانا بھی مناسب نہ ہوگا لوگ ہمیں کاندھا دیں گے غوثیہ بیگم۔"

احمد یار خان نے اس سنگین واقعے سے کسی غفلت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے محمود علی کے بارے تفصیل معلوم کی کہ وہ کہاں ہے۔ دوسرے شہر گئے ہوئے تھے انہیں وہاں سے پکڑ بلوایا۔ دوسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ لندن پاکستانی سفارت خانے سے رابطہ قائم کیا۔ اس سلسلے میں خصوصی تعلقات سے کام لے کر معلومات حاصل کرائیں۔ تیز میں انہیں جواب موصول ہو گیا۔ جواب تھا کہ اس نام کے لوگ کبھی اس جگہ نہیں رہے اور نہ ان کا کوئی ریکارڈ ہے یہاں جرائم پیشہ گروہ ایسے جرائم کرتے ہیں اور دھوکہ دہی کر کے لڑکیوں کو لے آتے ہیں بعد میں وہ بے شمار اخلاقی جرائم کے م ہوتے ہیں اکثر ایسے گروہ کے افراد گرفتار ہو کر سزا پاتے ہیں۔"

احمد یار خان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کریں؟ کیا تو بہتر ہی تھا لیکن بات گئی۔ امداد بیگ کو یہ جانکاہ خبر کیسے سنائی جائے۔ اسی اثناء میں محمود علی کے بارے میں خبر مل گئی جس وقت محمود علی وہاں پہنچے وقت امداد بیگ بھی غوثیہ بیگم کے ساتھ پہنچ گئے۔

امداد بیگ محمود علی کو دیکھ کر بھڑک اٹھے۔ "کہاں مر گئے تھے آپ؟ کہاں بیاہ دیا آپ نے میری بچی کو۔ آپ—— آپ نہیں بچیں گے میرے ہاتھوں۔ خدا کی قسم قتل کر دوں گا آپ کو اور پھر خود پھانسی چڑھ جاؤں گا۔ کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے۔"

احمد یار خان دونوں کو الگ کمرے میں لے گئے۔ محمود علی کے تو اوسان خطا ہو گئے تھے احمد یار خان نے جس طرح با وہی کم نہ تھا یہ سن کر بالکل ہی حواس باختہ ہو گئے۔ الگ کمرے میں احمد یار خان نے انہیں پوری بات بتائی تو محمود علی بھی رہ گئے پھر بولے۔

"آپ جانتے ہیں احمد یار خان صاحب۔ میں رشتے کراتا ہوں وہ لوگ مجھ سے ملے اور انہوں نے اپنی خواہش کا اظہ بظاہر یہ برے لوگ نہیں لگے تھے میں نے آپ سے بات کی اور یہ سب کچھ ہوا۔ بخدا میں قصوروار نہیں ہوں۔"

"اب کیا کریں یہ بتائیں؟" احمد یار خان بولے۔

"میں ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔ خود بھی صاحب اولاد ہوں اس غم کو سمجھ رہا ہوں۔"

"امداد بھائی ہم لندن چل رہے ہیں۔ یہ بھی ہمارے ساتھ جائیں گے۔"

"وہاں جا کر کیا کریں گے؟"

"تلاش کریں گے ان بدمعاشوں کو۔ پورا برطانیہ چھان ماریں گے۔ باقاعدہ مدد لیں گے حکومت برطانیہ سے۔ یہ تو درست ہے کہ وہ لوگ لندن ہی گئے تھے ہم امیگریشن سے شروع کریں گے۔ اللہ بڑا کارساز ہے۔ ہو سکتا ہے کامیابی حاصل ہو جائے۔"

"میں بھی اپنے خرچ پر آپ کے ساتھ چلوں گا۔ یہ نہ سمجھیں کہ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔" محمود علی نے کہا۔

"آپ کو تو چھوڑا ہی نہیں جا سکتا محمود علی صاحب۔" احمد یار خان نے زہریلے لہجے میں کہا پھر امداد بیگ بولے۔ "میں تمام انتظامات کیے لیتا ہوں آپ گھر فون کر کے اپنا پاسپورٹ منگوا لیں۔"

امداد بیگ صاحب شام کو گھر واپس آئے تو توکس ویگن دروازے پہ کھڑی ہوئی تھی بالکل ٹھیک ہو گئی تھی دل خون کے آنسو رو پڑا۔ اختر دلیپ نے چابی حوالے کر دی۔

"کون لایا تھا گاڑی؟"

"طاہر صاحب۔"

"کوئی حساب کتاب بتا کر گئے۔"

"نہیں۔"

"ہوں۔ غوثیہ میں ذرا پروانہ صاحب کے پاس ہو آؤں کچھ پیسے دو مجھے۔"

کچھ دیر کے بعد امداد بیگ شمع دان کے سامنے پہنچ گئے۔ شعور موجود نہیں تھا طاہر نے دروازہ کھولا۔ امداد بیگ کو پہچان کر اندر لے گیا۔ پروانہ صاحب نے پرجوش استقبال کیا تھا۔

"طاہر میاں کتنا بل تھا گاڑی کا——؟"

"حساب دوستاں میں شامل ہو جائے تو کیا حرج ہے؟" طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں میاں، میں اس دوستی کے قابل نہیں ہوں۔" امداد بیگ نے کہا اور خود پر قابو نہ پا سکے بے اختیار رو پڑے اور سب بھونچکے رہ گئے۔ بڑی مشکل سے امداد بیگ کو سنبھالا گیا پروانہ صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"امداد بیگ! کوئی اور بات ہے۔ آنسو تو ہمیشہ دل سے نکلتے ہیں کوئی مشکل درپیش ہے۔"

"میرا سرمایہ حیات کھو گیا ہے پروانہ صاحب۔ آپ کا دل دکھایا تھا میں نے۔ معافی کا طلب گار ہوں اور اس کے بعد دعاؤں کا۔"

"کیا ہوا؟ خدارا بتائیے——"

اور امداد بیگ نے دل کھول دیا۔ سب سکتے میں رہ گئے۔

"اللہ خیر کرے گا۔ حوصلہ رکھئے۔" پروانہ صاحب نے کہا۔

"ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔" امداد بیگ بولے۔

"جی جی بے خطر کہیں۔"

"لندن جا رہا ہوں اور کوئی گھر میں نہیں ہے ذرا نگاہ رکھئے گا حالانکہ امکانات ہیں کہ اہلیہ بھائی کے پاس رہیں پھر بھی توجہ درکار ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں۔" پروانہ صاحب نے تسلی دی۔

تیسرے دن امداد بیگ، محمود علی اور احمد یار خان لندن چل پڑے تھے۔

جمیل احمد صاحب کے گھرانے کے شب و روز میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا تھا۔ تین افراد تھے جو اپنے مشن پر کام کر رہے تھے جمیل احمد صاحب نوکری کر رہے تھے۔ فرزانہ اپنی ملازمت پر جاتی تھی بظاہر سب پرسکون تھے لیکن سکون تو شاید موت کا نام ہے اوپری سطح کو پرسکون ظاہر کیا جا سکتا ہے لیکن دل کے تلاطم کو دبانا مشکل ہوتا ہے۔ جمیل احمد کو پورا پورا احساس تھا کہ اس گھر کے سکون کے قاتل وہ خود ہیں لیکن اب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب صرف کفارہ ادا کرنا تھا چنانچہ عموماً پرسکون رہتے تھے۔

کھانا پینا بھی ہوتا تھا۔ ہنسی مذاق بھی ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی' ہنستے ہنستے آنسو نکل آتے تھے سب چپ ہو جاتے تھے۔

ایسی ہی ایک شام فرزانہ نے کہا۔ "ابو۔۔۔۔۔ ایک بات کہوں؟"

"ہوں۔"

"کیا میں جیل جا کر شہباز بھیا سے نہیں مل سکتی؟"

"ایں۔۔۔۔؟" جمیل احمد صاحب کھو گئے۔

"دل چاہ رہا ہے۔"

"بیٹے۔۔۔۔ بہتر نہیں ہوگا۔"

"کیوں ابو۔۔۔۔؟"

"قصور میرا ہے سزا وہ بھگت رہا ہے لیکن شرمندہ ہوتا ہے کسی کو دیکھ کر۔۔۔۔ خود کو قیدی سمجھ کر۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اور خود مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔۔۔۔ اپنے بچے کو سلاخوں کے پیچھے۔" جمیل احمد کی آواز بھرا گئی۔

"سوری ابو۔۔۔۔ سوری۔" فرزانہ ایک دم سنبھل گئی۔

"خود کو سنبھالے رکھو فرزانہ' تقدیر نے جو کچھ لکھا ہے بس اسے گزارا ہے۔ آجائے گا انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن' بھول جائیں گے ہم لوگ ان لمحات کو' نئی زندگی کا تصور کرو اس کے ساتھ بہت سی تبدیلیاں لائیں گے ہم اپنی اس نئی زندگی میں تمہاری شادی کروں گا۔ انشاء اللہ شہباز کی شادی کروں گا' ایک بیٹی گھر سے جائے گی دوسری بیٹی گھر میں آجائے گی ایک بیٹے کا اضافہ ہو جائے گا اور اور۔۔۔۔" جمیل احمد صاحب آرزوؤں کے خواب میں کھو گئے۔

فرزانہ کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا جو تصور جمیل احمد صاحب نے پیش کیا تھا اس کا امین تو کوئی اور ہی تھا' صنو لیکن وہ تو بچپن میں صنوبر تھا اب وہ صرف شکیل تھا ایک صاحب حیثیت انسان' ایک اچھی جگہ ملازمت کرنے والا' بچپن حماقتیں کہیں جوانی میں بھی کی جاتی ہیں وہ سب تو بچپن کے کھیل تھے۔ شکیل اب بڑا ہو گیا تھا اس نے یہ کھیل کھیلنا چھوڑ د تھے اس کا انکار اس کی ہرادا سے ہوتا تھا حالانکہ زیادہ عرصے پہلے کی بات نہیں تھی' ہفتہ بھی نہ گزرتا تھا وہ یہاں ضرور آ تا تھا۔ یہ لوگ تو پہلے بھی اس کے گھر زیادہ نہیں جاتے تھے لیکن شکیل کا اپنا معمول تھا وہ کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی جاتا تھا اور دنوں بھی اس کا رویہ برا نہیں تھا۔ فرزانہ نے شہباز کے بارے میں اس سے بات کی اور اس نے شہباز کی پوری تفصیل لا فرزانہ کے سامنے رکھ دی نجانے اچانک کیا ہو گیا تھا اسے' کس خیال سے تبدیل ہو گیا تھا وہ' شاید شہباز کے مجرم ہونے کون ایک مجرم خاندان سے رابطے رکھتا ہے لیکن پھر محبت کیا ہوئی' کسی کی تکلیف میں ساتھ چھوڑ دینا تو بالکل ہی غیریت کی با ہے۔ شکیل نے غیر ہونے کا یقین دلا دیا ہے۔

فرزانہ کے دل سے آنسو ٹپک پڑے' شکیل کی بے وفائی نے جو کچوکے دل میں لگائے تھے' وہ اپنی ذات ہی میں گوندھ گئی تھی کسی سے کہنے کی کوئی بات ہوتی تو کہتی' کوئی بھی ایسا نہیں تھا اس کائنات میں جو اس کے دل کا حال جانتا اور اس ہمدردی کا اظہار کرتا۔ بڑی تنہا تھی وہ' حالانکہ بھائی کی دلداری کے لیے اس نے اپنا فرض پورا کیا تھا۔ حکمت علی کے گھر جا جرات مندانہ گفتگو اس نے ثریا اور پروین سے کر ڈالی تھی کوئی معمولی بات نہیں تھی جواب میں دھکے دے کر نکالی بھی جا تھی لیکن اب وہ صرف ایک گھریلو لڑکی نہیں تھی دنیا دیکھی تھی اس نے گھر سے باہر نکل کر تھوڑا سا تجربہ بھی شامل تھا اور یہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ بات یکطرفہ ہی نہیں ہے۔ پروین کے دل میں بھی شہباز کا جو تصور موجود ہے۔ اندازہ ہو گیا تھا پورا پورا یہ بات باعث خوشی تھی اس وقت بھی باپ سے جیل میں بھائی سے ملنے کی جس خواہش کا اظہار کیا تھا اس کے پس پر تصور تھا کہ شہباز کو اور تو کچھ نہ دے پائے گی لیکن خوشی کی یہ خبر شاید اسے لمحاتی طور پر مسرور کر دے کہ پروین کے مسئلے میں نے وعدہ کر لیا ہے اور جب وہ جیل سے واپس آئے گا تو اس کی محبت اسے پہلے سے زیادہ مستحکم ملے گی لیکن اپنے لیے اس پاس کچھ بھی نہیں تھا اب تو شکیل کی صورت دیکھے ہوئے بھی عرصہ گزر گیا تھا۔

نجانے کیوں اس وقت ذہن پر ایک شدید بوجھ آ پڑا اپنے آپ کو شکیل کے گھر جانے سے باز نہ رکھ سکی۔ ماں سے کہا۔

"امی! تھوڑی سی فرصت ہے اگر آپ اجازت دیں تو ذرا کلیم احمد صاحب کے گھر ہو آؤں؟"

"چلی جاؤ بیٹی' اس میں اجازت کی کیا بات ہے' ہو آؤ' جاؤ دل بہل جائے گا۔"

فرزانہ تیار ہو کر چل پڑی' بہت کم آتی تھی یہاں' بچپن کی بات الگ تھی لیکن اب تو صورت حال ہی بالکل مختلف ہو گئی تھی البتہ رقیہ بیگم نے اس کا اچھا استقبال کیا تھا۔

"ارے فرزانہ بیٹے' آؤ بھی آج کیسے راستہ بھول گئیں۔ اب تو تم کماؤ پوت ہو' بہت مصروف رہنے لگی ہو' شکایت ہے تم سے مجھے' کبھی کبھی نکل آتی تھیں لیکن اب نہ فریدہ باجی آتی ہیں نہ تم۔"

"ہاں چچی جان' بس ذرا سی شرمندگی کا احساس ہوتا ہے کہیں آتے جاتے۔"

"شرمندگی؟"

"ہاں۔"

"وہ کیوں؟"

جواب میں فرزانہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ رقیہ بیگم نے جلدی سے کہا۔

"ارے فرزانہ نہیں بیٹے' اچھا میں سمجھ گئی شہباز کی بات کر رہی ہو۔ بس بیٹی' یہ سب تقدیر کے لکھے ہوتے ہیں ان کا کوئی تدارک نہیں کیا جا سکتا' بچے پیدا تو روتے پیٹتے ہی ہوتے ہیں۔ ماں باپ ان کی پرورش اس لیے تھوڑی کرتے ہیں کہ بعد میں وہ ان کے لیے کہانیاں بن جائیں۔ بس دعا ہی کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے زندہ سلامت رکھے' خیر کے ساتھ واپس لائے' شاید ان ہو جائیں اور آئندہ کوئی برائی کرنے سے گریز کرے۔"

"آپ جانتی ہیں چچی جان' شہباز بھیا برے انسان نہیں تھے' پڑھ لکھ رہے تھے بس ابو نے تھوڑی سی نادانی کی جس کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر ابو سے برگشتہ ہو گئے اور بس ان پر دیوانگی طاری ہو گئی ورنہ ورنہ۔۔۔۔"

"ہاں اللہ اسے زندہ سلامت رکھے' چائے پلواؤں تمہیں۔"

"نہیں چچی جان' بس کچھ دیر آپ سے باتیں کرنے آگئی تھی' شکیل بھی بہت دن سے نظر نہیں آئے' آپ لوگوں کی خیریت نہیں معلوم ہوئی۔"

"شکیل تو خدا رکھے کل ہی فرانس گیا ہے۔"

"جی۔۔۔۔" فرزانہ بھونچکی رہ گئی۔

"ماشاء اللہ بڑی محنت کر رہا ہے اپنا مستقبل بنانے کے لیے' اس کی کمپنی نے اسے اپنے اخراجات پر فرانس بھیجا ہے۔ کل تو میں اور کلیم احمد صاحب اسے ایئر پورٹ پر جہاز میں سوار کرنے گئے تھے' کیا کیا جائے ملازمت ایسی ہی چیز ہوتی ہے حالانکہ ما کیفیت کا دل چاہتا ہے اپنی اولاد کو نگاہوں سے دور رکھنے کے لیے لیکن بس بعد کا وقت خود ہی اپنے فیصلے کرتا ہے اللہ اسے خیر سے واپس لائے۔"

"ہم سے مل کر بھی نہیں گئے۔" فرزانہ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"ارے ہاں کچھ ایسی عجلت میں تھا کسی سے بھی مل کر نہیں گیا لیکن خیر تمہارا تو بچپن کا ساتھ ہے دعائیں کرو اس کے لیے خیر نیت کے ساتھ واپس آئے۔ کہتا ہے اب تو دوروں پر جاتے رہنا پڑے گا' کمپنی نے بہت بڑا اعتماد کیا ہے اس پر' تم یقین کرو انہ کمپنی کی طرف سے ہمیں رہنے کے لیے بنگلہ مل رہا تھا اور بھی آسانیاں ہوتیں مگر اس اپنی گلی سے کچھ ایسی محبت ہو گئی ہے یہاں سے کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا کمپنی کی پروپرائٹر خود آئی تھیں یہاں اپنی گاڑی میں' ہمارے سامنے انہوں نے ہمیں کی لیکن تمہارے چچا نے کہہ دیا کہ یہاں سے اب ہمارے جنازے ہی اٹھیں گے ہم زندہ یہاں سے کہیں اور منتقل نہیں یہاں سب ہمارے اپنے ہیں۔"

"اللہ آپ لوگوں کو سلامت رکھے۔ چچی جان ظاہر ہے ہم سب آپ کے اپنے ہی ہیں۔"

کچھ دیر کے بعد فرزانہ وہاں سے اٹھ گئی لیکن دل پر شدید بوجھ تھا۔ آخر شکیل اتنا کیسے بدل گیا۔ اس کی فطرت میں کبھی ایسی لچک نہیں پائی گئی تھی۔ جس سے احساس ہو کہ وہ اس قدر چھوٹا ہے۔ بچپن کی شناسائی تھی۔ یہ بھی علم تھا اسے کہ جمیل احمد خود شہباز جرائم پیشہ نہیں ہیں۔ جمیل احمد صاحب سے ایک غلطی ہوئی تھی اور اسی غلطی کا خمیازہ پورے گھر کو بھگتنا پڑا

تھا۔

شہباز اور شکیل کی ایک زمانے میں اچھی خاصی دوستی تھی لیکن جب شہباز نے اپنا رخ بدلا تو یہ ملاقاتیں کم ہو گئی تھیں شکیل بھی تلاش روزگار میں مصروف تھا۔ مسائل ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھے۔ جو کچھ بھی ہوا تھا یا حالات جیسے بھی رہے تھے، شکیل ان لوگوں کا غمگسار رہا تھا پھر ایک دم اس نے اس طرح آنکھیں بدل لیں آخر وہ ایسی کون سی بات تھی جس نے شکیل کو اس گھرانے سے، فرزانہ سے اس قدر بددل کر دیا تھا کہ اب یہ گھر اس کے تصور سے بھی نکل گیا تھا؟ معمولی سی بات پر، شکیل اپنی خوشی اور غم کے اظہار کے لیے اسی گھر کا رخ کرتا تھا لیکن اب ملک سے باہر گیا تب بھی اس نے مناسب نہ سمجھا کہ چند لمحات کے لیے یہاں آ جائے، اپنی ترقی ہی کی خوشخبری دے دے۔ اس قابل ہی نہیں سمجھا اس نے اب اس کے دل میں اس گھر کا کوئی تصور باقی نہیں رہا ہے۔

فرزانہ نے ٹھنڈی سانس لے کر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "محبتیں میراث نہیں ہوتیں شکیل، اگر تمہارے دل سے نکل گئی ہوں تو ٹھیک ہے خدا تمہیں خوش رکھے۔"

*

حکمت علی کے گھر کے معمولات میں بھلا کوئی تبدیلی کیسے ممکن تھی۔ زندگی کے شب و روز معمول کے مطابق چل رہے تھے۔ نسیم بیگم کی اپنی ساس سے ٹھنی رہتی تھی، لیکن بیٹیوں کے مستقبل کا معاملہ ایسا تھا کہ نسیم بیگم اختلاف برائے اختلاف کرتیں، بس اتنا سا تردد تھا کہ فاطمہ بیگم اس شادی کے بعد ہمیشہ بغلیں بجاتی رہیں گی اور طعنے دیں گی کہ ماں سے تو بیٹیوں کے کچھ نہ ہو سکا آخر دادی ہی کام آئیں۔ حکمت علی نے ایک بار پھر بیوی کو سمجھایا۔

"دیکھو نسیم، تمہارا اور اماں کا جو بھی معاملہ چلتا ہے وہ گھر کی چار دیواری تک تو بہتر ہے لیکن کیا اب میرا مذاق گھر سے باہر بھی اڑواؤ گی؟"

"میں نے کیا کر دیا ہے؟" نسیم بیگم نے کہا۔

"کچھ نہیں کیا ہے اگر طیب اچھا لڑکا ہے اور ہماری ثریا کو کوئی بہتر گھرانہ مل رہا ہے تو میرے خیال میں تمہیں اماں سے پورا تعاون کرنا چاہیے۔"

"تو میں کون سا ان کے سینے میں بھالا بھونک رہی ہوں۔"

"یہ دیکھیے، دیکھیے، یعنی اس نیک گفتگو کا آغاز کیا بھی تو بھالے سے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں صاف صاف کہیں مجھ سے۔"

"بھئی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ثریا کا کوئی اچھا رشتہ آیا ہے تو اس پر پوری پوری توجہ دو، ساس بہو مل کر اس نیک کام کو سرانجام دو۔"

"میں نے تو ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ ان کی عزت کروں، ان کا احترام کروں، لیکن کیا کیا جائے اس بات کو کہ روز اول سے میں ان کی آنکھ میں کانٹا بن کر چبھتی رہی ہوں۔"

"ارے نہیں اب ایسا بھی نہیں، بلکہ اگر تم میرا تجزیہ سنو تو تمہیں حیرانی ہو گی۔"

"بس رہنے دیجیے آپ اپنے تجزیوں کو، کیا تجزیہ ہے آپ کا؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ خدانخواستہ اگر اماں بی اس دنیا میں نہ ہوں تو تمہارا جینا محال ہو جائے، اس طرح تم دونوں کا خون بہتر رہتا ہے ایک دوسرے سے لڑتی ہو تو رگوں میں خون کی روانی تیز ہو جاتی ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ لڑائی تم دونوں کی زندگی کے لیے ضروری ہے ورنہ تم بلڈ پریشر کا شکار ہو جاؤ، خداوند عالم ہر شخص کی زندگی کے لیے بہتر سامان کرتا ہے تم دونوں کے خون کی روانی کے لیے لڑنا بہت ضروری ہے مگر یہ لڑائی ایک مشغلے کے طور پر رہے تو ٹھیک ہے اگر یہ ایک مسئلہ بن جائے تو مناسب نہیں ہے، دیکھو ناں مشغلے اور مسئلے میں تو فرق ہوتا ہے ناں۔"

"ارے بابا ماں بیٹے جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرو، میرے حقوق تو ویسے ہی اس گھر پر بہت کم ہیں، میں تو ان گھرانوں کو دیکھتی ہوں جہاں عورتیں اپنی پسند کی زندگی گزارتی ہیں، اپنے طور پر جیتی ہیں، اپنے طور پر رہتی ہیں۔ یہاں تو ساس صاحبہ ایسی زندہ

ہوئیں کہ بوڑھی ہونے کو آئی لیکن مجال ہے جو کوئی کام اپنی مرضی سے کر لیا ہو پہلے ہائی کمان کی اجازت لینی ضروری ہوتی ہے، نگاہیں دیکھنا ضروری ہوتا ہے اور اس کے بعد کسی کام کا آغاز کیا جاتا ہے، مرتے دم تک اسی پابندی میں رہوں گی، مجھے کبھی اس گھر کا راج نصیب نہیں ہو گا۔"

"نجانے کب سے مجھ پر راج کر رہی ہو نسیم بیگم، میں نے تو ہمیشہ تمہاری غلامی میں زندگی بسر کی ہے، بس ایک بیچاری ماں بی کا تو معاملہ ہے، چراغ سحری ہیں آج آنکھ بند ہوئی تو کل ڈھونڈنے تلاش نہ کر پاؤ گی، بعد میں سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گی۔"

"خدا جانے وہ نیک گھڑی کب آئے گی جب میں سر پر ہاتھ رکھ کر روؤں گی۔" نسیم بیگم نے کہا۔

"کتنی نرمی سے بات کر رہا ہوں اور تم نے ابھی تک کوئی شریفانہ گفتگو نہیں کی ہے، ماں ہیں وہ میری نسیم بیگم، باپ تو کب کا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ تم میری ماں کی بھی زندگی کی گاہک ہو۔"

"اے لو توبہ، لڑنے بیٹھے ہو مجھ سے۔"

"نہیں نسیم بیگم، سمجھانے بیٹھا ہوں، کہیں اس لڑائی لڑائی میں گھر کو تباہ مت کر بیٹھنا، سنجیدگی سے ایک بات کر رہا ہوں تم سن ہی نہیں رہی ہو۔"

"تو کیجیے ناں میں منع کب کر رہی ہوں۔" نسیم بیگم کے دل کی بھڑاس نکلی تو کچھ مدھم ہو گئیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ جب یہ سلسلہ شروع ہوا ہے تو اس کو اسی انداز میں آگے بڑھایا جائے جس انداز میں ایسے مسئلے چلتے ہیں اور تم بھی پوری خوش اسلوبی سے اماں سے تعاون کرتے ہوئے اس کام میں دلچسپی لو۔"

"ماں سے کہی جا رہی ہے یہ بات بیٹی کے بارے میں کہ وہ بیٹی کی شادی میں دلچسپی لے، ایسے بھی گھر ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی اس قدر اجارہ داری ہو۔"

"پھر پٹڑی سے اترنے لگیں، بھئی بیٹی تو تمہاری ہی ہے ناں وہ ظاہر ہے جو کچھ کرو گی تم ہی کرو گی، یہ بزرگوں کی تو بس دعائیں شامل ہوتی ہیں، کیا حرج ہے اگر ہم اماں بی ہی کو سرخرو ہونے دیں؟"

"ہاں ہاں کوئی حرج نہیں ہے، ساری زندگی اماں بی ہی سرخرو ہوتی رہی ہیں، میں تو بس ایک پرزہ رہی ہوں چلو چھوڑو ان باتوں کو کرنا کیا ہے؟"

"اماں بی سے کہوں گا کہ لڑکے کو بر دکھاوے کے لیے بلوا لیں، نجن بی ہی کا سہارا لینا مناسب ہو گا، اصل میں ایسے محلوں میں اس قسم کی خواتین بڑی کارآمد ہوتی ہیں اور ان سے بہت سے کام نکل جاتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے، ٹھیک ہے حکمت علی، میں بھلا بیٹی کا راستہ روکوں گی، مگر ایک بات سوچ لو اگر شادی میں کچھ جلدی ہوئی تو؟"

"اللہ مالک ہے، کافی حد تک تو ہم نے کچھ نہ کچھ کیا ہوا ہے۔ مزید کوشش کریں گے جو کچھ بھی بچی کی تقدیر کا ہے اسے دے دیں گے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، ٹھیک ہے اخراجات بڑھ جائیں گے ذرا۔"

"تم فکر مت کرو، میں انتظام کر لوں گا بس کل اماں بی، نجن بی سے بات کر لیں گی اور اس کے بعد لڑکے کو بر دکھاوے کے لیے بلوا لیتے ہیں۔"

"تم بھی تھوڑی بہت معلومات کرو، محلے پڑوس سے پتا چل جاتا ہے کہ کیسا لڑکا ہے؟"

"ہاں ہاں چند لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا ہو گیا ہے لیکن بعد میں بات چھیڑوں گا پہلے ذرا خود ایک نظر اور اس کے گھر والوں کو دیکھ آئے۔"

"نسیم بیگم تیار ہو گئی تھیں۔ حکمت علی نے دوسرے دن بڑی حکمت سے یہ تذکرہ نکال لیا، نسیم بیگم سے مفاہمت کا وعدہ لے چکے تھے۔" فاطمہ بیگم سے بولے۔

"اماں بی پھر اب کیا ارادہ ہے آپ کا ثریا کے رشتے کے بارے میں؟"

"میاں اجازت ہو تو بات آگے بڑھائیں۔" فاطمہ بیگم کی رگ رگ میں طنز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے تیکھی نظروں سے نسیم بیگم کی طرف دیکھا تھا لیکن نسیم بیگم نے تہیہ کر لیا تھا کہ ساس سے نگاہیں ہی نہیں ملائیں گی۔ آنکھ اٹھ جاتی تو

زبان کھل جاتی' پھر برداشت کرنا مشکل ہی ہوتا تھا۔
"ارے اماں بی' کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ' آپ کو کیا اجازت دے گا کوئی؟"
"نہیں میاں جس کی حکومت ہے فیصلے کرنے کا اختیار بھی اسی کو ہوتا ہے۔"
"آپ ہی کی حکومت ہے اماں بی بھلا کسی اور کی کیا حکومت ہوگی' آپ کی زندگی میں؟"
"ہاں خیر یہ بات تو ہے ولی عہد تو یہی چاہتے ہیں کہ جلدی سے حکمراں کا تیا پانچہ ہو تاکہ تاج ان کے سر پر آجائے مگر زندگی تو اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ جب تک اس کو قائم رکھنا ہے۔ اس وقت تک تو جئیں گے ہی۔"
"آپ نجانے کہاں کی باتیں لے بیٹھیں' میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ اگر اس لڑکے کا رشتہ آپ کی نگاہوں میں بہتر ہے تو پھر بات آگے بڑھائی جائے۔"
"اے میاں' بہتر کی بات کر رہے ہو تم' بھرا گھر ہے بھلا کیا نہیں دے رکھا اللہ نے ان لوگوں کو؟"
"آپ نے دیکھا ہوگا تو ٹھیک ہی ہوگا پھر یوں کریں جن بی سے بات کرلیں اور لڑکے کو بر دکھاوے کے لیے بلالیں' ایک رسم ہوتی ہے۔"
"ہاں ہاں کیوں نہیں' کب بلالوں؟"
"پرسوں چھٹی ہے' پرسوں کا دن موزوں رہے گا۔"
"ٹھیک ہے' جن بی سے بات کیے لیتی ہوں۔ کسی کو اعتراض تو نہیں ہے۔" فاطمہ بیگم نے پھر تیر پھینکا اور نسیم بیگم کے بولنے سے پہلے حکمت علی خود بول اٹھے۔
"لیجیے بھلا آپ کی بات پر کسے اعتراض ہوگا اچھا تو پھر آج آپ جن بی سے بات کرلیں۔"
"معاملہ ثریا کی شادی کا تھا اس لیے نسیم بیگم کو فاطمہ بیگم کا ہر تیر برداشت کرنا پڑ رہا تھا' بات بگاڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ فاطمہ بیگم کل کانٹے سے لیس ہو کر جن بی کی طرف چل پڑیں مکان معلوم تھا۔ شاہدہ نے استقبال کیا' جن بی مسکراتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ بڑی محبت سے فاطمہ بیگم کا استقبال کیا اور کہنے لگیں۔
"اسے کہتے ہیں اپنائیت اور ہونا بھی یہی چاہئے' اے بوا یہ چیزیں پرانے ہی لوگوں میں ہیں۔ نئے لوگ تو بس بیٹھے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ کوئی ان کے پاس ہی چل کر آئے۔ اسی میں شان سمجھتے ہیں۔"
"تو جن بی' جب بہن بنایا ہے تمہیں تو بہناپا نبھا کر دکھاؤں گی' دیکھ لینا۔" فاطمہ بیگم بولیں۔
"کیوں نہیں' کیوں نہیں اور سناؤ بہو ٹھیک ہے۔"
"ہاں انہیں کیا ہوگا؟" فاطمہ بیگم نے کہا۔
"بچیاں' دونوں ٹھیک ہیں ماشاء اللہ' ارے ہاں وہ جن بی وہ طیب والی بات اب کیسے آگے بڑھائی جائے؟"
"اے لو میرے منہ کی بات چھین لی' ملی تھی میں حسینہ بیگم سے تصویر مانگ رہی تھیں بیٹی کی اور کہہ رہی تھیں کہ ایک نظر دکھلا دو تو اچھا ہے۔"
"بھئی تم نے کیا کہا؟"
"میں نے کہا پوچھوں گی۔"
"تو پوچھنے کی کیا بات ہے آخر بچیاں تمہاری نہیں ہیں' تم خود وعدہ کرلیتیں جو تمہارا دل چاہتا۔"
"کیوں نہیں' کیوں نہیں تصویر ہوگی کوئی؟"
"ہاں ہاں کیوں نہیں' بہت سی تصویریں ہیں آج ہی لے لینا بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ لڑکے کو بھی بر دکھاوے کے لیے بلا ہی لو' اب ہم بڑے بوڑھوں کا کیا ٹھکانہ' میری تو ایک ہی آرزو ہے بچیاں اپنے ٹھکانے سے لگ جائیں' ماں کی تربیت کا کیا بھروسہ' آنکھ بند ہوئی نجانے کہاں بہا دیں' میں جو کچھ کروں گی کم از کم دیکھ بھال کر تو کروں گی۔"
"اور کیا یہ لڑکیاں بالیاں ایسی باتوں کو کیا جانیں' چلو ٹھیک ہے چائے پیو' میں تصویر لے لیتی ہوں تمہارے گھر سے اور اس بار حسینہ بیگم سے بات کیے لیتی ہوں۔"

شاہدہ سے چائے کے لیے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ چائے سامنے آگئی' تھوڑی دیر کے بعد جمن بی اور فاطمہ بیگم واپس پہنچ گئیں۔ ثریا کی تصویر نکال کر جمن بی کے حوالے کر دی گئی اور جمن بی اسے لے کر چل پڑیں کہہ گئی تھیں کہ باقی باتوں کی اطلاع اسی وقت دیں گی جس وقت ضروری ہو گا۔

لیکن جمن بی کی بہت کوئک سروس تھی۔ اسی شام چار بجے پہنچیں اور خوشخبری سنائی۔ "کل لڑکیاں بالیاں لڑکی کو دیکھنے آ رہی ہیں۔ میں نے تمہارے مطلب کی بات بھی کر دی کہ ایک ہی دن میں سارا مسئلہ حل ہو جائے۔ کل ہی لڑکا بھی سامنے آ جائے گا ان لوگوں کے' عورتیں لڑکیوں کو دیکھ لیں گی اور تم لڑکے کو دیکھ لینا۔ بجائے اس کے کہ بات بہت دن تک آگے چلے جائے کیوں نہ ایک ہی دن میں یہ کام سرانجام دے لیا جائے۔ حالانکہ وہ لوگ تو کہہ رہے تھے کہ بہتر ہے پہلے لڑکی کو دیکھ لیا جائے لیکن میں نے کہا اے بوا دونوں کام ایک ساتھ ہی کر لو بیچارے حکمت علی بھی ملازم پیشہ ہیں انہیں کہاں فرصت ملے گی بار بار اے دیکھو ناں فاطمہ بیگم ایک ہی دن کے خرچے میں کام چل جائے گا۔ کچھ چائے پانی تو کرنا ہی پڑے گا۔ اب اگر ایک دن لڑکیوں کو دیکھنے آئیں تو کھلاؤ پلاؤ' پھر لڑکا دکھاوے کے لیے آئے تو کھلاؤ پلاؤ اس سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ بھئی عورتیں لڑکی دیکھ لیں تم لوگ لڑکے کو دیکھ لو' ایک ہی دن میں دو توں کام ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے یہ آپ نے بہت اچھا کیا تو پھر کل آ رہے ہیں وہ لوگ؟"

"لو تمہاری بہن کسی کام کا آغاز کرے اور اس میں کوئی کھوٹ رہ جائے' بھول کر بھی مت سوچنا فاطمہ بیگم۔"

"بہت بہت شکریہ۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

حکمت علی کو اس بارے میں اطلاع دی گئی اور وہ فوراً" ہی راضی ہو گئے' جمن بی چلی گئیں نسیم بیگم کو بڑے پیار سے انہوں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو ہر معاملے میں احتیاط سے کام لینا' خصوصاً" اماں بی کا ذرا خیال رکھنا کچھ الٹی سیدھی بک بھی جائیں تو دماغ میں رکھنا یہ بیٹیوں کے مستقبل کا معاملہ ہے۔"

چنانچہ اس ہدایت کے بعد فوری طور پر کارروائیوں کا آغاز ہو گیا۔ گھر صاف ستھرا کرنا ضروری تھا۔ ثریا اور پروین کو خصوصی ہدایات دی گئیں' پروین نے معنی خیز نگاہوں سے ثریا کو دیکھا اور ثریا کا چہرہ ست پڑ گیا۔

"قصہ کیا ہے پروین؟"

"لڑکیاں بالیاں تمہیں دیکھنے آ رہی ہیں باجی۔"

"کون لوگ ہیں۔"

"ارے وہی جن کا تذکرہ پچھلے دنوں عام تھا۔"

"خدا خیر کرے پروین' نجانے کون لوگ ہیں کیسے ہیں؟ ہمارا تو کوئی اتنا سہارا بھی نہیں ہے کہ اس سے بات کریں اور طور پر معلومات کریں۔"

"ہاں یہ تو ہے اگر اس سلسلے میں فرزانہ باجی سے بات کریں تو' کیسا رہے؟" پروین نے دبی دبی زبان سے کہا اور ثریا ڈوب گئی پھر بولی۔

"ہاں اچھی بھائی تو نے' ہم ابھی تو کچھ نہیں کر سکتے لیکن ابھی کچھ ہو گا بھی نہیں' البتہ فرزانہ باجی سے اس سلسلے ضرور کرنی ہے' پروین یہ بات تو کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔" پروین نے جواب دیا اور مہمانوں کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔

✥

شکیل سلطانہ جمالی کے ساتھ لندن پہنچ گیا' ایک چھوٹی سی گلی میں رہنے والا نوجوان جس نے زندگی کا ایک بڑا حصہ میں گزارا تھا اور جس کی پہنچ اپنے ہی شہر کے خوب صورت ترین علاقوں تک نہیں تھی' وہ لندن میں تھا' کہانیوں والا دوست احباب اس کا تذکرہ کرتے' کسی فلم میں وہاں کا منظر دیکھتے۔ تو شکیل کے دل میں ہوک سی اٹھتی تھی کہ کیسی ہے' کیسی حیرت انگیز سرزمین ہو گی وہ' اور اب جب اس کے قدم ... جھکے ہوئے لندن تک پہنچے تو اسے یہ سب کچھ

...سوس ہوتا تھا' یقین نہیں آتا تھا کہ وہ خوابوں کی آبادی اب اس کے قدموں تلے ہے۔ ادھر سلطانہ جمالی اس پر نثار ہو رہی ...تھی' شکیل کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ساری کائنات میں پھول ہی پھول کھلے ہوئے ہوں۔ وہ بے پناہ خوش تھا۔ سلطانہ جمالی کے ...پاس دولت کی کمی نہیں تھی' لندن کے سب سے اعلیٰ ہوٹل میں قیام کیا گیا تھا اور اس کے بعد وہاں کی تفریحات کا آغاز ہو گیا تھا۔ ...سلطانہ جمالی کی کیفیت بیویوں کی بجائے شوہروں والی تھی۔ اپنے من پسند شخص کو شوہر کی حیثیت سے وہ زندگی کی ساری لذتوں ...سے ہمکنار کر رہی تھی' سیر و سیاحت کا آغاز ہو گیا۔ ویلز' اسکاٹ لینڈ' آئرلینڈ کی سیریں کی جانے لگیں' سلطانہ جمالی نے پورا ...برطانیہ شکیل کو دکھایا' ہر شہر کی الگ الگ کیفیت تھی۔ برمنگھم' گلاسگو' لیڈز' شے فیلڈ' لیورپول' بریڈفورڈ' مانچسٹر' ایڈنبرگ ...غرض ایک ایک شہر میں جو تفریحی مقامات تھے وہ سلطانہ جمالی نے شکیل کو دکھائے۔ وہ خود شکیل کی رفاقت میں زندگی کی مسرتوں ...سے ہمکنار نظر آتی تھی۔

ادھر شکیل اپنے خوابوں سے پیچھا نہ چھڑا پاتا تھا۔ سلطانہ جمالی نے اس کے لیے لاکھوں روپے کی خریداری کی۔ حالانکہ ...شکیل اسے بار بار منع کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اتنے سامان کا کیا کیا جائے گا؟ جواب میں سلطانہ جمالی کہتی کہ جی چاہتا ہے کہ دنیا کی ...ساری چیزیں مہیا کر دی جائیں۔ اسی شام شکیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہاں تو معاملہ بالکل الٹا ہی ہو گیا ہے سلطانہ۔"

"کیا؟"

"اصولی طور پر شوہر اور بیوی کے درمیان جو رشتہ ہوتا ہے اس میں تمام ذمہ داریاں شوہر پر عائد ہوتی ہیں جو تم نے شوہر کی ...حیثیت سے سنبھال رکھی ہیں۔"

"نہیں شکیل' مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ اصل میں بات محبتوں کی ہوتی ہے' میرے جتنے بھی وسائل ہیں اب تم ان سے الگ تو نہیں ہو۔ میں کیا کر رہی ہوں یا تم کیا کر رہے ہو' یہ الگ الگ بات نہیں ہے۔ جو کچھ کر رہے ہیں ہم کر رہے ہیں۔"

"ہاں۔ محبت کے حساب میں تو واقعی یہ سب کچھ نہیں ہوتا لیکن میں یہ چاہتا ہوں سلطانہ کہ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے ...کاروباری امور بھی جاری رہیں۔"

"اتنی دولت ہے میرے پاس شکیل کہ اگر ہم ساری زندگی بھی کچھ نہ کریں تب بھی سکون سے بسر کر سکتے ہیں۔"

"نہیں سلطانہ یہ بات نہیں ہے' زندگی حرکت ہی کا دوسرا نام ہے' ہمیں اپنے لیے متحرک رہنا ہے' مستقبل میں بہت سے ...نئے کام ہوں گے جن کا بوجھ ہماری ذات پر پڑے گا۔"

...سلطانہ ہنس کر بولی۔ "تمہاری مراد بچے ہیں۔"

"ظاہر ہے والدین کو بچوں کے لیے ان کی آمد سے پہلے ہی تیاریاں کرنا ہوتی ہیں' کیا ہم اچھے والدین نہیں ثابت ہوں گے؟" ...شکیل نے کہا لیکن یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اچانک ہی اس کے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ اچھے والدین کے تصور سے کلیم احمد اور ...نسیم بیگم یاد آ گئے تھے' دو انسان جو اس حسین زندگی سے بہت دور اپنی گلی کے ایک چھوٹے سے مکان میں زندگی بسر کر رہے تھے' ...گزر کر رہے ہوں گے وہ لوگ لمحہ لمحہ ان کی نگاہیں شکیل کی واپسی پر لگی ہوئی ہوں گی۔ کلیم احمد صاحب بے چارے ایک ...سے محروم تھے' حالانکہ بازار کی ذمہ داریاں انہوں نے اب تک اپنے شانوں پر اٹھا رکھی تھیں' لیکن اگر بیمار ہو گئے تو کیا ...کون ان کو دیکھنے والا ہو گا؟ اچھے والدین کے تصور کے ساتھ اچھی اولاد کا تصور بھی ذہن میں ابھرتا ہے۔ شادیاں تو اور بھی ...کی ہوئی تھیں گھر والے تمام تر خوشیوں کے ساتھ اس شادی کی تیاری میں مصروف ہوتے تھے۔ رونق لگتی تھی۔ ماں باپ ...خوشیاں عروج کو پہنچ جاتی تھیں اور اس کے بعد زندگی کے لگے بندھے اصولوں کے مطابق شادی ہوتی تھی دلہن گھر آتی تھی' ...ذمہ داریوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا لیکن یہ کیسی شادی تھی؟ دولہا رخصت ہو کر دلہن کے گھر پہنچ گیا تھا' اور دلہن اس کی ...ذمہ داریاں کر رہی ہے' اس کے تمام بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اور والدین اس بات سے بھی ناواقف ہیں کہ بیٹا زندگی کی اس ...سب سے بڑی خوشی سے ہمکنار ہو چکا ہے' جس میں والدین کا بھی پورا پورا حصہ ہوتا ہے۔

شکیل کھو گیا تھا پھر سلطانہ جمالی کے الفاظ نے اسے چونکا دیا۔

"شکیل مجھے بچوں سے گھن آتی ہے' میں کبھی اپنے ہاں اولاد پیدا نہیں ہونے دوں گی۔"

شکیل چونک کے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ سلطانہ جمالی نے اپنے موقف کی تائید کرتے ہوئے کہا۔
"انسانی زندگی پر بے مقصد بوجھ لاد دیے جاتے ہیں تم غور کرو ہم کتنی آزاد زندگی گزار رہے ہیں اس زندگی میں حس
حسن ہے' جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں' جو دل چاہتا ہے کھاتے ہیں' ایک دوسرے کی قربت سے کس قدر لطف اندوز ہوتے ہ
اور اس کے بعد ہماری ہی حماقتوں سے بچے ہمارے درمیان آجائیں جن کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم ہو تا کہ وہ مس
میں ہمارے لیے کیا بنیں گے' کیسے ہمارا ساتھ دیں گے ابھی سے ان کی نازبرداریوں میں لگ جاؤں دیکھ بھال پرورش
داریاں' اپنی تو مرضی ہی ختم ہو جاتی ہے' پتا چلا بچہ بیمار ہے' راتوں کو جاگو' ساری خوشیاں خاک میں مل جاتی ہیں۔ ٹھیک
بچوں کے لیے ملازم بھی رکھے جا سکتے ہیں لیکن وہ ذمہ داری جو ماں باپ کے نام سے منسوب کر دی گئی ہے پوری ہی کرنی ہوتی
نہ کرو تو زمانے کی انگلیاں اٹھیں' بچوں میں بہت سی بری عادتیں پیدا ہوں' ہم کیوں اپنے آپ پر بچوں کو مسلط کریں' کیوں
آزادی دوسروں کے ہاتھوں میں دے دیں۔"
شکیل سر کھجانے لگا پھر بولا۔ "میں نے کبھی زندگی کے اس پہلو پر غور نہیں کیا۔ واقعی بڑی عجیب سی بات ہے لیکن سلط
اس طرح زندگی کا رخ تبدیل نہیں ہو جاتا۔ آخر وہ کون لوگ ہیں جو دنیا میں ایک ہی انداز میں جیتے چلے آئے ہیں اور ا
انداز میں جیتے رہنا چاہتے ہیں۔"
"فرق ہے' تھوڑا سا سوچنے کا فرق ہے بے شک یہ کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دوہراتی ہے' ہم سب ایک
میں بندھے ہوئے ہیں' لیکن یہ تو سوچو شکیل کہ اگر ہم اپنے آپ کو اس زنجیر سے منسلک نہ کرنا چاہیں تو کیا حرج ہو گا' کیا
ہو گا؟ ہمیں دولت کا سہارا حاصل ہے کوئی ایسی مشکل نہیں ہے ہمارے سامنے جس میں ہمیں اولاد کی ضرورت پیش آئے
بھئی یہاں تمہیں مجھ سے اتفاق کرنا ہو گا۔"
"خیر خیر۔ ہم بچوں کے لیے لڑنا کیوں شروع کر دیں۔" شکیل نے ہنس کر کہا اور سلطانہ بھی ہنسنے لگی۔
ویسے تو زندگی میں کوئی خاص مشکل نہیں تھی۔ جس کے لیے شکیل کو پریشانی ہوتی۔ ہاں بس ماں باپ کا خیال ہی ک
راتوں کو بے خواب کر دیتا تھا۔ وہ خوفزدہ تھا اپنے وطن جانے کے تصور سے۔ ظاہر ہے وہاں پہنچے گا تو گھر کا رخ بھی کرنا
اس کے اندر تبدیلیاں محسوس کر لی جائیں گی' سوالات کیے جائیں گے اور جب یہ پتا چلے گا کہ وہ زندگی کا کوئی نیا رخ اختی
ہے تو قیامت آجائے گی' نجانے کیا کیا کچھ ہو گا۔ گھر واپسی سے اسے ڈر لگتا تھا۔
تقریباً" سارا برطانیہ گھوم جا چکا تھا۔ ایک صبح سلطانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیا خیال ہے شکیل اب یہاں سے رخت سفر باندھا جائے۔"
"واپس چلیں گے؟"
"ابھی نہیں۔ اصل میں' میں تو دنیا کے لاتعداد ممالک دیکھے ہوئے ہوں لیکن تم نئے جہانوں کا سفر کر رہے ایک
جب تم حیرت سے دیکھتے ہو تو مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ننھا سا بچہ میری انگلی پکڑے ہوئے اپنی معصوم آنکھوں سے
دنیا دیکھ رہا ہے' مجھے بہت اچھا لگتا ہے شکیل۔ آؤ اب تمہیں زمین کی جنت لے چلوں۔"
"زمین کی جنت۔"
"ہاں سوئزرلینڈ۔ لاتعداد خوب صورت کہانیوں کا مسکن' دیکھو گے تو لندن کو بھول جاؤ گے حالانکہ مجھے فرانس جا
وہاں جاؤں گی تو کاروباری جھگڑوں میں پھنس جاؤں گی' ہم سوئزرلینڈ چلیں گے اور اس کے بعد اور بھی دوسرے ممالک
کریں گے۔ تمہیں گھر واپس جانے کی جلدی تو نہیں ہے؟"
"نہیں۔" شکیل نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔
سلطانہ جمالی نے یہاں لندن میں کاروباری حلقوں میں بھی ملاقاتیں کی تھیں اور شکیل کو احساس ہوا تھا کہ وہ م
محدود عورت نہیں ہے بلکہ اس کی شناسائیاں بے پناہ ہیں۔ ظاہر ہے کاروباری سلسلے میں دنیا کے مختلف ممالک میں آتی
ہے چنانچہ اس کے شناسا بھی ہوں گے۔
پھر ایک دن سلطانہ جمالی نے لندن ائرپورٹ سے سوئزرلینڈ کے لیے سفر جاری کر دیا' راستہ سوئزرلینڈ کی حسین کہ

بارے میں گفتگو کرتے ہوئے گزر رہا تھا لیکن شکیل کے دل میں آج نجانے کیوں اس چھوٹی سی اپنی گلی کا تصور ضرورت سے زیادہ
سر ابھار رہا تھا جس کے ایک مکان میں ایک ایسا شخص رہتا تھا' جو بیمار ہونے کے بعد سے راتوں کو اسے جگا کر لوگوں کے گھروں پر
معافی مانگنے کے لیے جاتا تھا اس کے ایک شانے کے نیچے بے ساکھی تھی' لیکن شکیل کو بار بار یہ احساس ہو رہا تھا کہ اسے اپنی
پشت پر بھی بے ساکھی درکار ہے اور یہ بیساکھی شکیل کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

❀

فوزی بھی لندن پہنچ گئی' دوران سفر وہ عجیب و غریب کیفیات کا شکار رہی تھی' اپنے آپ ہی کو سمجھاتی رہی تھی در حقیقت یہ
جو کچھ ہوا تھا خود اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ماں باپ کی لاڈلی تھی' چہیتی تھی' خود سر بھی تھی اپنے آپ کو برتر بھی سمجھتی تھی۔
زندگی کے بارے میں بہت سی باتیں سوچی تھیں اس نے' اپنے مستقبل کے خواب بھی سجائے تھے کیونکہ انسان تھی' وقت
انسان کو بھٹکا کر کسی بھی سمت نکال دے اس کی سوچ میں کوئی بھی تبدیلی رونما ہو جائے لیکن فطرت انسانی سے تو نہیں ہٹ سکتا
وہ۔

فوزی اپنی ماں کی تربیت یافتہ تھی اور غوثیہ بیگم نے چونکہ ایک دولت مند گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اور اپنے سے کسی قدر
کم تر خاندان میں بیاہ کر گئی تھیں اس لیے ہمیشہ برتری کے مرض کا شکار رہیں اور اسی مرض کے جراثیم انہوں نے فوزیہ میں
منتقل کر دیے۔ اپنی گلی کے کسی نوجوان کو فوزیہ نے بھی ان نگاہوں سے نہ دیکھا کہ وہ اس کے مستقبل میں شامل ہو سکتا ہے
حالانکہ آرزوئیں اور امنگیں کس دل میں جنم نہیں لیتیں۔
جمی استاد کسی زمانے میں ہیرو بن کر آئے تھے لیکن فوزیہ نے اپنی دانست میں بڑی ذہانت سے ان کی سوچوں کا رخ تبدیل کر
دیا تھا۔ البتہ شعور ایک ایسی شخصیت تھی جس نے اس کے شعور پر ایک موثر کارروائی کر ڈالی تھی۔ ہر طرح سے ایک مکمل
نوجوان خوب صورت اور' تعلیم یافتہ' دلکش انداز گفتگو شریفانہ اعادات' اگر اس گلی کا رہنے والا نہ ہوتا اور کسی اچھی جگہ رہتا
تو وہ لوگ' اسے اپنی حیثیت کا انسان تسلیم کرنے میں ذرا بھی دقت محسوس نہ کرتے لیکن بد قسمتی یہ تھی کہ وہ پروانہ صاحب کے
اکلوتے کمرے کا کرایہ دار تھا اس کا کوئی بڑا پس منظر نہیں تھا۔ بس ایک ملازمت پیشہ' معمولی سی زندگی گزارنے والا لیکن فوزی
کے دل پر وہ اثر انداز ہوا تھا۔
دوسری طرف نعمان تھا' لندن کی آزاد فضاؤں میں پروان چڑھنے والا' شکل و صورت کا بھی برا نہیں تھا اور سب سے بڑی
ات یہ تھی کہ ایک اعلیٰ شخصیت کا مالک تھا۔ شادی ہو گئی تھی' فوزیہ کے دل پر شعور کے اثرات قائم تھے لیکن اس بات کے
رے پورے امکانات تھے کہ جب اسے نعمان کی قربت حاصل ہو گی تو شعور خود بخود اس کے ذہن سے اتر جائے گا ابھی تو آغاز
ز تھا اور سفر ہی جاری تھا۔ نعمان کی قربت کا ایک لمحہ بھی اسے نصیب نہیں ہوا تھا۔ شادی کے فوراً" بعد ہی تو چل پڑے تھے وہ
گ۔ اصل میں کاروباری لوگ تھے' ظاہر ہے اتنا وقت وہاں گزر چکا ہے یہاں کی ذمہ داریاں بھی سنبھالنا ہوں گی۔ فوزی بس
ی سوچتی رہی تھی۔
جہاز کا سفر بھی اس کی زندگی کا دلکش تجربہ تھا اور اس کے بعد لندن کا حسین تصور جس میں اس نے اپنے آپ کو تتلیوں کی
رح لندن کی فضاؤں میں منڈلاتے ہوئے محسوس کیا تھا۔
بہرحال خوش تھی وہ اور سمجھتی تھی کہ شعور کا بے مقصد تصور بالا خر اس کے ذہن سے دور ہو جائے گا۔
پھر یہ سفر ختم ہوا۔ مسز غفران نے بڑے اہتمام سے اسے جہاز کی سیڑھیوں سے نیچے اتارا' سردی کی کپکپاہٹ اس کے بدن
ی شامل ہو گئی۔ بڑا رومان انگیز ماحول تھا' نکھرے دن اور نکھری راتیں فوزیہ کو بے پناہ پسند تھیں' بادلوں کے جھکاؤ پر اس کی جان
ی تھی۔ سنا ہے لندن کا ماحول تو ہے ابر آلود بر فباری ہوتی ہے' بارشیں ہوتی ہیں' سورج نہیں نکلتا۔ یہ سورج بھی کوئی نکلنے کی
ز ہے۔ بادلوں کی چھاؤں میں دلوں میں جس طرح امنگیں سر ابھارتی ہیں بھلا سورج کی تیز تپش میں ان کا کیا کام۔
صاف شفاف ائرپورٹ' اس کے بعد ایک بار پھر دھلا کھلا ہوا ماحول۔

نعمان غالباً" ٹیکسی کے لیے دوڑ گیا تھا۔ ایک شاندار لمبی گاڑی جس پر ٹیکسی لکھا ہوا تھا قریب آکر رک گئی۔ پیچھے مسز غفران' غفران صاحب اور وہ بیٹھے تھے اور آگے نعمان تھا ڈرائیور کے ساتھ۔

ٹیکسی چل پڑی۔ فوزی دزدیدہ نگاہوں سے حسین لندن کو دیکھنے لگی۔ موسم تو ویسا تھا جیسا سنا تھا۔ مناظر بھی بہت ہی حسین تھے۔ صاف شفاف سڑکیں جن پر زندگی رواں دواں تھی اہل لندن کو بھلا ابر آلود موسم کی کیا پروا' وہ تو اسی موسم میں جینے کے عادی تھے چنانچہ جی رہے تھے اور سڑکیں زندگی سے بھرپور تھیں' قیمتی گاڑیاں' پیچ در پیچ سڑکیں' لیکن مجال ہے کہ ٹریفک کی روانی میں فرق آجائے۔ ایک اپنا دیس ہے جس سڑک سے گزرو جس سمت سے بھی آگے بڑھو' دھواں اور شور' ٹریفک کا اجتماع' ہارن کی آوازیں۔ لگتا ہے جیسے کچرا گھر میں آگئے ہوں ــــ ایک یہ شہر ہے' آہ کیا حسین زندگی گزرے گی یہاں۔ سامنے کی سیٹ پر نعمان کے چوڑے چکلے شانے نظر آرہے تھے' خوب صورت کوٹ میں ملبوس' گھنے سیاہ بالوں والا' یہ شخص ایسا برا تو نہیں ہے' یقیناً یہ شعور کی جگہ لینے کی اہلیت رکھتا ہے اور پھر شعور۔

شعور تھا بھی کیا؟ بے چارہ ملازمت پیشہ مہینے پر ایک مخصوص تنخواہ لے کر پورے مہینے کی پلاننگ کرنے والا۔ اچھا ہی ہوا کہ امداد بیگ صاحب اور غوثیہ بیگم نے پروانہ صاحب کو جھڑک دیا اگر وہ کسی طرح سوچنے پر آمادہ ہو جاتے تو زندگی کتنی کٹھن ہو جاتی۔

اس نے ذہن کو جھٹک دیا' کشادہ سڑکیں تنگ ہو گئیں' سفر کو کافی وقت گزر چکا تھا۔ پھر ٹیکسی ایک ایسے علاقے میں داخل ہوئی جسے دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ لندن کا ہی علاقہ ہے۔ سڑکوں پر گندگی کے ڈھیر جا بجا ٹین کے اور گتے کے ڈبوں کے انبار۔ ان کے درمیان کھیلتے ہوئے بچے اور دلچسپ بات یہ کہ چہرے مہرے سے یہ سارے بچے مغربی نہیں لگتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اپنے ہی شہر کی کوئی گلی ہو۔ اپنی گلی جیسی۔ بلکہ اپنی گلی تو اس سے بہت زیادہ صاف و شفاف تھی۔ یہاں تو بہت زیادہ گندگی بکھری ہوئی تھی پرانی اور بوسیدہ عمارتوں کا لندن۔ بڑا عجیب تھا' یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اب تک وہ جن راستوں سے گزری ہے وہ لندن کے پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ کے راستے تھے بھلا یہاں اس جگہ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ شراب کی بو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ غالباً" یہاں شراب خانے بھی تھے پھر ایک تپلی گلی کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔ غفران صاحب سب سے پہلے دروازہ کھول کر نیچے اترے اور انہوں نے مسز غفران سے کہا۔

"میں فلیٹ کا تالا کھولتا ہوں۔ تم لوگ آؤ۔"

فوزیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ جگہ۔ یہ علاقہ۔ یہاں ہے ان لوگوں کا فلیٹ' اف میرے خدا' یہ لندن تو نہیں ہے' یہ تو لندن سے بالکل مختلف جگہ ہے کون سی جگہ ہے ــــ نعمان بھی نیچے اتر گیا اور ٹیکسی ڈرائیور کو بل پے کرنے لگا۔ مسز غفران نے کہا۔

"آؤ بیٹے۔ آؤ فوزی۔"

فوزی لڑکھڑاتے قدموں سے نیچے اتری' زمین پر گندگی ہی گندگی تھی۔ تپلی سی گلی خاصی بدبودار تھی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک انتہائی تنگ سیڑھی پر پہنچ کر مسز غفران اوپر چڑھنے لگیں انہوں نے نعمان سے کہا۔

"نعمان ذرا دلہن کو سنبھال کر اوپر لے آؤ۔"

فوزیہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ تیسری منزل کی راہداری میں پہنچنے کے بعد وہ ایک فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ تنگ راہداری تھی اور بچوں کے شور کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نعمان نے آگے بڑھ کر فوزی کو اندر چلنے کے لیے کہا۔ فوزی نے بے چین نگاہوں سے نعمان کو دیکھا لیکن نعمان کا چہرہ سپاٹ تھا۔

مسز غفران یہاں بھی سب سے پہلے اندر داخل ہوئی تھیں۔ دو کمرے ایک چھوٹا سا اور حصہ جس میں کچن اور باتھ روم وغیرہ نظر آرہے تھے' بس یہ تھی اس فلیٹ کی کل کائنات' فرش قالین سے بے نیاز تھے البتہ دونوں کمروں میں انتہائی بوسیدہ قالین بچھے ہوئے تھے' جس کمرے میں فوزیہ کو داخل کیا گیا وہاں ایک بیڈ پڑا ہوا تھا جس کے عقب میں کھڑکی تھی' ایک سائڈ سیٹی پڑی ہوئی تھی اور بس اس کے بعد کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ دیوار پر بڑا سا آئینہ لٹکا ہوا تھا' ایک جانب دیوار پر کپڑے لٹک رہے تھے۔

"میرے خدا۔ میرے خدا' کیا یہ بھی لندن ہے۔" فوزی نے اچھلتے ہوئے کلیجے کو سنبھال کر سوچا تھا۔
مسز غفران اندر آگئیں۔ انہوں نے بیڈ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"یہ کمرہ اپنا ہی سمجھو فوزیہ۔" اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مسز غفران کو دیکھا' کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن زمنہ سے نہیں نکل سکی تھی' مسز غفران شاید اس کے سوالات سے بچنے کے لیے باہر چلی گئیں۔
فوزیہ نے اس گندے سے بیڈ کو دیکھا اور پھر اس کھڑکی کی طرف جو بالکل عقب میں تھی۔ نجانے کس خیال کے تحت نے کھڑکی کی چٹخنی کھولی اور باہر جھانکنے لگی۔
مکانوں کے انبار ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے محسوس ہوئے تھے' سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ ان کا طرز تعمیر کیا ہے' یلوں کے چھوٹے چھوٹے چھتوں والے مکان ــــ اور جگہ جگہ نظر آنے والے بچے اور بڑے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس قے میں ایشائی باشندوں کی بہتات ہو' کوئی سفید فام تو نظر ہی نہیں آیا تھا۔ یہ کیسا لندن ہے؟ اور یہ غفران صاحب یہاں ؛ہیں نعمان اس فلیٹ میں رہتا ہے اس کا دل خون خون ہونے لگا' یہاں تو کوئی بھی اپنا نہیں ہے' اپنے کے نام پر اگر غور بائے تو سچ مچ وہ یہاں ویرانے میں تھی' تنہا تھی۔ بلکہ بالکل غیر لوگوں میں تھی' جن میں سے کسی سے اس کی شناسائی تھی' کیا کروں کیا نہ کروں؟ کمرہ شاید باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ کچھ ایسی ہی آواز آئی تھی۔ ایسا کیوں کیا ہے مسز غفران اگر ــــ مگر اس کی سوچیں ساتھ چھوڑ رہی تھیں' کوئی ایک بات جو سمجھ میں آرہی ہو احمد یار خان صاحب کا تو یہ کہنا تھا غفران صاحب بہت بڑے کاروباری ہیں' پوچھوں تو کسی سے' کچھ معلوم تو ہو' یہ میرے ارمانوں کی سیج ہے جس کے ے میں بھی جگہ جگہ سوراخ نظر آرہے ہیں۔ یہ میلی سی چادر۔ شادیاں تو بہت مختلف ہوتی ہیں' پھول ہی پھول بکھر جاتے سج ہوتی ہے جس پر دلہن سمٹی سمٹائی بیٹھتی ہے ان آہٹوں پر کان لگائے جو بالکل دھڑکنوں جیسی ہوتی ہیں لیکن یہ سیج ہے' آہ یہ سیج ہے۔ اب کیا ہوگا؟ کیا اس مکان میں زندگی گزرے گی میری' یہ ہے وہ جگہ جس کے لیے میرے ماں باپ نے بار روپے خرچ کیے اور مجھے غیروں کے حوالے کر دیا۔
نعمان کا انتظار کرتی رہی کہ وہ آئے تو کچھ پتا تو چلے۔ وقت یونہی گزرتا رہا' شام ہوئی پھر رات ہو گئی پھر اچانک دروازہ ور ایک بالکل اجنبی چہرہ نظر آیا۔
پھٹی پرانی سی پتلون' بدن پر جرسی' بازو کھلے ہوئے ایک عجیب بھیانک شکل تھی' چوڑا چکلا چہرہ لیکن رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں' ٹھوڑی بہت چوڑی درمیان میں گہرا گڑھا۔ فوزی کا دل اسے دیکھ کر اچھل پڑا۔ اس نے ہاتھوں میں ایک اسٹیل کی ٹرے پکڑی ہوئی تھی' جسے نیچے رکھتے ہوئے اس نے کہا۔
"کھانا کھا لو۔"
زبان اردو تھی' لہجہ بھدا بھاری وہ ٹرے رکھ کر واپس پلٹ گیا اور فوزی کانپتے دل کے ساتھ اسے دیکھتی رہی' باہر جاتے اس نے بھی دروازہ بند کر دیا تھا۔
یہ کون ہے؟ شاید اس گھر کا ملازم ــــ لیکن یہ کھانا۔ فوزی نے کھانے کے برتن دیکھے' ایک بڑی پلیٹ تھی' دو چھوٹی بڑی پلیٹ میں ایک مخصوص انداز کی ڈبل روٹی رکھی ہوئی تھی دوسری پلیٹ میں ابلے ہوئے گوشت کا بڑا سا ٹکڑا' میں سلاد ساتھ ہی پانی کا گلاس بھی رکھا ہوا تھا' بالکل اسی طرح جس طرح قیدیوں کو کھانا دیا جاتا ہے' لرزتے قدموں اپنی جگہ سے اٹھی' دروازے کو آزمایا اور اس کا اندازہ درست ہی نکلا' دروازہ باہر سے بند تھا' فوزی کا دم گھٹنے لگا۔ مانے کے قریب بھی نہیں جانا چاہتی تھی وہ۔ وہ تو یہ سوچ رہی تھی کہ کہاں آ پھنسی ہے' کیا ہوگا؟ یہ ہیں میرے ارمان بے ان کا نتیجہ' نہ سیج سجی نہ رسمیں ہوئیں۔ قیدی بن گئی آکر یہاں پر۔ لندن اتنا بدنما ہے خواب و خیال میں بھی نہیں نا۔ کھانے کی ٹرے کی جانب توجہ بھی نہیں دی۔
باہر ہی کہیں سے اندر لگا ہوا پیلا بلب روشن کر دیا گیا تھا۔ رات ہو گئی تھی کھلی ہوئی کھڑکی سے ایسی ہی روشنیاں نظر تھیں جیسی روشنی اس کمرے میں موجود تھی۔
او یہ لندن نہیں ہے' یہ لندن نہیں ہے' اس میں تو کوئی بھی ایسی کہانی پوشیدہ نہیں ہے جس کے بارے میں سنا تھا۔

یونہی وقت گزرتا رہا' ایک بار پھر دروازہ کھلا اور وہی شخص نظر آیا۔ اس نے کھانے کی ٹرے کی طرف دیکھا پھر فوزی
پھر بھاری لہجے میں بولا۔
"کھانا نہیں کھایا؟"
"نہیں۔ نعمان کہاں ہیں۔"
"کھانا کیوں نہیں کھایا؟" وہ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔
"نہیں کھایا تم کون ہو اور بغیر اطلاع دیے کمرے میں کیسے آجاتے ہو؟" فوزی پر اب جھلاہٹ سوار ہو گئی تھی اور
اپنی ایک شخصیت تھی۔ ابھی تک تو دل میں خوف کا اور تعجب کا بسیرا تھا لیکن اب وہ اپنے آپ کو آہستہ آہستہ سنبھال
تھی۔ اس شخص نے ٹرے اٹھائی' واپسی کے لیے مڑا تو فوزی پھر بولی۔
"تم بہرے ہو یا جان بوجھ کر نہیں بول رہے؟" وہ شخص پلٹا اور آہستہ سے بولا۔
"یہاں۔ اس جگہ ہمیشہ ہوش میں رہنا' میرا نام گدی ہے' اور بس اتنا کافی ہے تمہارے لیے۔"
"نعمان کہاں ہیں' مسز غفران کہاں ہیں' کہاں چلے گئے یہ سب لوگ کسی کی آواز نہیں سنائی دے رہی۔"
"سنائی دے گی آواز۔ اس وقت صرف میں یہاں ہوں اس لیے تمہیں ہوش میں رہنا چاہیے۔"
"تم بہت بد تمیز آدمی معلوم ہوتے ہو۔"
اس شخص نے پھر گھور کر فوزی کو دیکھا اور اس کے بعد دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اس کے گھورنے کا انداز بھی
خطرناک تھا۔ فوزی غصے میں یہ سب کچھ کہہ تو گئی تھی لیکن اس شخص کا یہ انداز اور یہ سب کچھ۔ اس کا دل پھوٹ پھوٹ
رونے کو چاہنے لگا اور یہ ایسا کام تھا جسے وہ با آسانی کر سکتی تھی' جب تک رو دیا گیا روتی رہی' طبیعت پر ایک دم سے نڈھال
کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ اسی بستر پر لیٹی رہی۔ تقدیر کی ماری' بدنصیبی کا شکار' کیا ہو گیا یہ۔ نیند نے بہت سے و
سے آزاد کر دیا۔
صبح کسی کھڑبڑاہٹ سے آنکھ کھلی تھی۔ سہم کر چاروں طرف دیکھا۔ ماحول یاد آگیا اپنی بپتا یاد آگئی' بدن پر لر
طاری ہونے کے علاوہ بھلا اور کیا مل سکتا تھا ان سوچوں سے۔
کھڑبڑ کی آوازیں برابر کے کمرے سے آ رہی تھیں لیکن یہ آوازیں بالکل ایسی تھیں جیسے اسی کمرے میں ہو رہی
درمیان میں دیوار نہیں تھی بلکہ شاید ہارڈ بورڈ کی دیوار بنائی گئی تھی اور اسی پر رنگ کر دیا گیا تھا اندازہ نہیں ہوتا تھا
صرف پارٹیشن ہے' چھت تک یہ جگہ بند تھی' پھر ادھر سے آوازیں آنے لگیں۔
"ہاں کیوں میرے کان کھا رہی ہو' کیا کہنا چاہتی ہو کہو؟"
"وہ جو نقد رقم ملی ہے اس میں سے تو میرا حصہ دو۔"
"یہ رکھ لو۔ یہ کافی نہیں ہے جو تمہیں دے دیا۔"
"دیکھو ساگا چوہدری' تم ہمیشہ کے بد معاملہ آدمی ہو' یہ حصہ ہے میرا۔" دوسری آواز سنائی دی' جو نسوانی تھی لیکن
کن بات یہ تھی کہ یہ آواز مسز غفران سے ملتی جلتی تھی۔
"تو پھر تم اور کیا چاہتی ہو؟"
"بیس پرسنٹ۔"
"دماغ خراب ہوا ہے کیا تمہارا؟"
"تم دونوں کو چالیس چالیس پرسنٹ ملتا ہے اور مجھے تم بیس پرسنٹ بھی نہیں دے سکتے۔"
"تمہیں کرنا ہی کیا ہوتا ہے۔"
"اور تم دونوں کیا کرتے ہو۔"
"تمہیں معلوم ہے کہ حالات کتنے خراب ہیں' ہمیں ہر معاملے سے نمٹنا پڑتا ہے' تمہارا کیا ہے تم تو عورت ہو
سے تو کوئی لکھت پڑھت بھی نہیں ہے' صاف نکل جاؤ گی اگر کبھی پھنسے تو' ہمارا تو نکلنا بھی مشکل ہو جائے گا۔"

"ساگا چوہدری' یہ باتیں اچھی نہیں ہوتیں پیسے تو تم دیتے ہو مگر بڑے گھس گھس کر دیتے ہو۔"

"اچھا اب یہ پیسے اٹھاؤ اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"میری ضرورت نہیں رہی ہے اب۔"

"نہیں گدی کام کر رہا ہے۔"

"مگر ایک بات سن لو ساگا چوہدری' میرے بغیر کام نہیں چلے گا تمہارا۔ ابھی چار چھ دن ہو جانے دو' سمجھاؤں گی' گی اسے وہ تو مجھے اپنے شوہر کی ماں سمجھتی ہے۔"

"تم سے آہستہ نہیں بولا جاتا! برابر کے کمرے میں ہے۔" دوسری آواز نے کہا جو مردانہ تھی لیکن یہ آواز بھی آ رہی تھی۔ بھلا غفران صاحب کے علاوہ وہ اور کون ہو سکتا تھا' تھوڑا بہت تو ساتھ رہا تھا۔ یہ آواز بھی نہ پہچانتی مگر الفاظ اور پھر نام۔ یاسمین بانو' ساگا چوہدری' یہ اجنبی نام کیوں لیے جا رہے تھے؟ فوزی کا دل دہشت سے کانپنے لگا' بولی۔

"تو پھر دو مجھے میرے پیسے۔ میری بھی اپنی ضروریات ہیں میں بھی۔"

"کیوں بکواس کر رہی ہو میں کہتا ہوں یہ پیسے لینا ہیں تو لو ورنہ جو دل چاہے کر لینا مگر ایک بات سن لینا اگر کہیں زبا تو ہماری عادت جانتی ہو تم جس چیز سے نقصان پہنچے اس چیز کو ہم قائم نہیں رہنے دیتے۔ زبان کاٹ کر پھینک تمہاری۔"

"ساگا چوہدری پیسہ اتنی بڑی چیز تو نہیں ہے کہ تم اس طرح آنکھیں بدل لو۔"

"بے وقوف کی بچی' اتنا پیسہ آنے جانے میں خرچ ہوا ہے' سارے اخراجات اٹھائے ہیں کپڑے بنوائے کروائے ہیں تجھے یہ رقم کم ہے جو میں تجھے دے رہا ہوں۔"

"بہت کم ہیں۔ جو چیزیں تم نے مجھے دی ہیں وہ واپس لے لو' اور پھر ہر بار تمہارے لیے کام کرتی ہوں۔"

"دیکھ جب کہیں اور سے رقم ہاتھ آئے گی نا۔ میرا مقصد ہے اس مال کی فروخت پر' تو اس میں سے بھی تجھے گا۔"

"مستقبل کس نے دیکھا ہے ساگا چوہدری' میرے پیسے مجھے دے دو۔"

"اچھا اب تو شرافت سے اٹھ جا اور نکل یہاں سے ورنہ دھکے دے کر نکال دوں گا۔"

"یہ ظلم ہے' زیادتی ہے' تم اپنا مرد ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہو۔"

"اٹھاؤں مرد ہونے کا فائدہ میں؟" دھمکی آمیز لہجے میں کہا گیا۔

"میں نہیں جاؤں گی' مجھے میرے پورے پیسے دو۔"

"نہیں جائے گی تو یہ لے۔" چٹاخ کی ایک آواز ابھری اور ساتھ ہی ایک چیخ پھر یوں لگا جیسے کسی نے اس کا منہ دبا لیا ہو' اور اس کے بعد چھینا جھپٹی اور پٹخنے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا ۔۔۔۔۔ فو ہوشی طاری ہو رہی تھی اب اتنی احمق بھی نہیں تھی کہ ان الفاظ کا مطلب نہ سمجھ پاتی۔

غفران صاحب ساگا چوہدری کے نام سے بول رہے تھے اور مسز غفران یاسمین بانو کے نام سے۔ سودے با تھی ان کے درمیان اور اس پر لڑائی جھگڑا ہوا تھا' دس پرسنٹ اور بیس پرسنٹ کا معاملہ تھا اور ۔۔۔۔۔ اور ۔۔۔۔۔ ال میں فوزی بھی جھلک رہی تھی۔ یا خدا یہ میرے لیے ہو رہا ہے' میں ۔۔۔۔۔ میں ۔۔۔۔۔ میں۔

ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں پھوٹ بہیں اب یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھ جرائم پیشہ گروہ کے ہتھے لگ گئی ہے اور کوئی ایسی بات ہو گئی ہے جو ناقابل یقین اور سمجھ میں نہ آنے والی ہے۔

"آہ اب کیا کروں؟ اب کیا کرنا چاہئے؟ لٹ گئی میں تو' برباد ہو گئی۔" ماں باپ نے دیار غیر کے تصور کی چمک اندھیروں کی جانب دھکیل دیا۔ مم مگر سارا قصور ان کا ہی تو نہیں ہے۔ میں بھی تو۔ میں بھی تو روشنی ہی کی رسیا تھ نام نے سحر طاری کر دیا تھا مجھ پر سب کچھ بھول گئی میں بھی اور میری ماں بھی' ڈیڈی بے چارے کی تو کوئی چلے

تھا۔ آہ ماموں صاحب آپ نے یہ کہاں ڈبو دیا مجھے آہ کس نے مجھ سے کیا انتقام لیا ہے کوئی مجھے سمجھا تو دے کہ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ کیا ہو گیا یہ سب کچھ' کیا بنے گا میرا میرے خدا میرے خدا۔"

□

حکمت علی نے خاصے بہتر انتظامات کیے تھے' یہ بات پہلے ہی طے ہو گئی تھی کہ مہمانوں کے لیے چائے پانی کا انتظام کیا جائے گا۔ ویسے بھی ان کی آمد کا وقت پانچ بجے شام تھا' ظاہر ہے رات کے کھانے سے قبل ہی ان کی واپسی ہو جائے گی' بہرطور پورے گھر کو صاف ستھرا کر ڈالا گیا تھا' پروین اور ثریا کو بتا دیا گیا تھا کہ ثریا کو دیکھنے کے لیے کچھ لوگ آ رہے ہیں' لڑکیوں نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا حالانکہ پروین کا دل چاہا کہ ماں سے فرزانہ کے لیے کہہ دے' فرزانہ اگر آ جائے تو باہر کی ایک لڑکی کا اضافہ ہو جائے گا' لیکن اس کے دل میں چور تھا' یہ بات وہ ثریا سے بھی نہیں کہہ سکتی' ظاہر ہے فرزانہ خود یہاں آ کر ان لوگوں سے بڑی جذباتی گفتگو کر گئی تھی۔

غرض یہ کہ خدا خدا کر کے شام کے پانچ بجے۔ جمن بی اس بار کئی چکر لگا چکی تھیں اور مسلسل ادھر ادھر کی پیغام بنی ہوئی تھیں۔ وعدہ کر کے گئی تھیں کہ ٹھیک پانچ بجے ان لوگوں کو گھر سے نکال لائیں گی' بہرطور انہوں نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا تھا' پانچ بج کر چودہ منٹ ہوئے تھے جب جمن بی نے گھر کے دروازے پر دستک دی' مہمان آ گئے تھے' حکمت علی صاحب نے طیب' شوکت علی اور طیب کے دوسرے بھائیوں کا استقبال کیا' عقب میں ایک جم غفیر دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے تھے' اتنا بڑا تو گھر بھی نہیں تھا جتنی خواتین آئی تھیں' چھوٹے چھوٹے بچے الگ تھے جو شور مچا رہے تھے۔ سارے کے سارے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے۔ حکمت علی صاحب نے پر خلوص انداز میں سب کا استقبال کیا۔

نسیم بیگم اور فاطمہ بیگم خود اس بارات کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں' کہاں اٹھائیں' کہاں بٹھائیں لیکن مہمان بے تکلف تھے ایک کے اوپر ایک لد گئے' شوکت علی کی بیگم حسینہ بیگم نے نسیم بیگم کو گلے لگایا' فاطمہ بیگم کو دست بستہ آداب کر کے ان کے سامنے سر جھکایا اور فاطمہ بیگم نے ان کے سر کے بال اچھے خاصے خراب کر دیے جنہیں شاید انہوں نے بڑی محنت سے باندھا تھا۔

بہرطور آنے والے مہمان کسی نہ کسی طرح گھر بھر میں سما ہی گئے' جمن بی سب سے آگے سپہ سالار کی مانند سینہ پھلائے پھلائے پھر رہی تھیں' انہوں نے ایک ایک کا تعارف کرایا۔

"یہ حسینہ بیگم کی بڑی بہو ہیں' یہ ان کے چھ بچے ہیں' یہ ان سے چھوٹی ہیں اور یہ ماشاء اللہ منجھلی ہیں' یہ شوکت میاں کی بیٹی ہیں' میاں نہیں آ سکے ان کے چھٹی نہیں ملی' شام کی ڈیوٹی پر جاتے ہیں ورنہ ضرور آتے' یہ نندیں یہ بھاوج ہیں' یہ فلاں ہیں یہ فلاں ہیں۔"

شکر ہے چچا تایا اور دوسرے اہل خاندان نہیں آئے تھے نسیم بیگم کا تو سانس چڑھا جا رہا تھا لیکن فاطمہ بیگم اتنے سارے مہمانوں کی آمد سے خوش تھیں۔ ایک ایک سے ہنس ہنس کر مل رہی تھیں' سب میں گھسی بیٹھی تھیں' نسیم بیگم ہولی ہولی پھر رہی تھیں' مہمانوں سے تو کیا ہی باتیں کرتیں' بس دہشت کا شکار تھیں' ادھر حکمت علی بھی صورت حال کی نزاکت کو سمجھ چکے تھے' نسیم بیگم قریب آئیں تو بولے۔

"ہاں میں دیکھ رہا ہوں یہ سب غیر متوقع ہے' لیکن فکر مت کرو انتظام کیے دیتا ہوں' بس چائے کی مقدار ذرا بڑھا لینا' باقی سامان میں منگوائے دیتا ہوں۔"

"آپ خود جائیں گے مہمانوں کو چھوڑ کر؟"

"نہیں جمن میاں کے ہاں جا رہا ہوں' کوئی نہ کوئی مل جائے گا پیسے دے آتا ہوں۔ خاموشی سے سامان پہنچ جائے گا' تم بے فکر رہو۔"

یہ بھی اچھا تھا کہ انتظام میں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی' مزید تقریباً" تین گنا زیادہ سامان منگوانا پڑا تھا کیونکہ بچوں سے پورا گھر بھر گیا تھا' نند بھاوجیں' دیورانیاں' جٹھانیاں' یہ سب کے سب بر دکھاوے میں آئے تھے اور لڑکی کو دیکھنا مقصود تھا' خدا کا شکر ہے کہ پوری بارات ہی نہ آ گئی ورنہ باہر شامیانہ لگانا پڑتا' ثریا اور پروین بھی خاصی گھبرائی ہوئی تھیں' بے چاری

کیوں کو باورچی خانے ہی میں جگہ مل سکی تھی' باقی تو اور کوئی جگہ تھی ہی نہیں غرض یہ کہ خوب افراتفری خوب ہنگامہ ہو رہا ' خاص خاص خواتین نے باورچی خانے ہی میں ثریا کی زیارت کی' بہت سی باتیں کی گئیں' ثریا نے کسی بات کا کوئی جواب یں دیا تھا' پروین ہی اس کی طرف سے مختلف سوالات کے جواب دے رہی تھی' حسینہ بیگم نے پوچھا۔

"بیٹی کھانا پکانا آتا ہے؟"

"جی ہاں آتا ہے۔"

"میں ان سے پوچھ رہی ہوں۔"

"میں بھی انہی کے بارے میں آپ کو بتا رہی ہوں چچی جان۔"

"اچھا اچھا' سینا پرونا جانتی ہیں؟"

"جی ہاں ماشاءاللہ' سارے کپڑے ہم لوگ اپنے خود ہی سیتے ہیں۔"

"کچھ کڑھائی بھی آتی ہوگی؟"

"کیوں نہیں۔"

"سوئیٹر بنا جانتی ہیں؟"

"ہاں ہاں بہت سے سوئیٹر بن چکی ہیں۔"

"گھر کی صفائی ستھرائی تو خوب کر لیتی ہوں گی؟"

"ماشاءاللہ آپ ہمارا گھر دیکھ لیجئے۔" پروین نے جواب دیا۔

"ہوں' صبح کتنی جلدی اٹھ جاتی ہیں؟"

"نماز سے پہلے۔"

"اللہ رکھے نماز پڑھتی ہیں؟"

"جی ہاں' ہمارے گھر میں باقاعدہ نماز پڑھنے کا رواج ہے۔"

مہمان خواتین غالباً" پوری طرح مطمئن ہوگئی تھیں' ویسے ایک دو خواتین نے پروین کو بھی گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ یہی شکر تھا کہ پروین اور ثریا میں کوئی خاص فرق نہیں تھا' دونوں ہی اپنی اپنی شکل میں خوبصورت تھیں چنانچہ یہ نہیں ہوا کہ کوئی پروین کو ثریا پر ترجیح دیتا ورنہ ایسے موقعوں پر ایسا ہو جاتا ہے' فاطمہ بیگم نے حالانکہ پچھلے دن یہ شوشا چھوڑا تھا' انہوں نے کہا تھا۔

"ارے پروین کو سامنے مت لانا نسیم بیگم۔"

"کیوں اماں؟"

"بھئی دیکھو' ثریا بڑی ہے پہلے اسی کا رشتہ ہونا چاہئے' کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی پروین پر نظر ڈال دے۔"

"اگر وہ پروین کے لیے کہے گا تو ہم اسے منع کر دیں گے اماں۔"

"بی بی پہلے ہی ایسی بات کیوں چھیڑو؟"

"تو پھر کیا کیا جائے؟" نسیم بیگم مفاہمت کے انداز میں بولیں۔

"پروین کو چھت پر چڑھا دینا۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا میں باجی کے ساتھ رہوں گی۔"

"اے لڑکی بولتے نہیں ہیں ایسی باتوں میں۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ دادی اماں' میں ایک لمحے کے لیے باجی کو نہیں چھوڑوں گی' سمجھ لیا آپ نے؟"

"ارے ارے مجھ سے زبان چلا رہی ہے۔"

"جو کچھ بھی سمجھیں آپ' آپ جانیں اور ابا جانیں' لڑیں جھگڑیں آپ دونوں' لیکن میں نے جو کچھ کہہ دیا ہے اس سے مختلف نہیں ہوگا۔"

حکمت علی نے بیچ میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے اماں بی کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے' دونوں ہی آجائیں گی' سب ہی کو پتا ہے کہ ثریا بڑی ہے پہلے اس کا ہونے دیں اگر ثریا کا رشتہ نہیں ہوا تو بھلا پروین کا رشتہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

شکر تھا کہ فاطمہ بیگم مان گئی تھیں اور شکر تھا کہ حسینہ بیگم نے ثریا ہی کو پسند کر لیا تھا۔

ادھر بے چارے طیب کو دیکھنے والا کون تھا' ایسا کون تھا جو گوشوں سے جھانکے اول تو سارے گوشے ہی پر ہو گئے تھے نے کی جگہ ہی کوئی نہیں چھوڑی گئی تھی اور پھر پروین سنجیدہ لڑکی تھی' دوسری لڑکیاں یہاں تھیں نہیں' بہر طور طیب ٹھاک ہی لڑکا تھا' چہرے مہرے اور ہاتھ پاؤں کا بھی برا نہیں تھا' چنانچہ فاطمہ بیگم کو بھی پسند آیا اور باقی دوسرے تمام کو بھی' کوئی ایسی بات نہیں تھی جو باعث اعتراض ہوتی' پھر مہمانوں کا ناشتہ لگایا گیا اور یہاں جو بھگدڑ مچی تو بس اللہ اور بندہ لے' بچے کھانے پینے کی چیزوں پر ٹوٹ پڑے۔ ایک ایک چیز لے کر بھاگ نکلے' حکمت علی دل ہی دل میں خدا مانگ رہے تھے کہ اس بھیڑ بھاڑ کے لیے یہ تمام اشیاء پوری ہو جائیں' حفظ ماتقدم کے طور پر ضرورت سے زیادہ ہی یا تھا لیکن ماشاءاللہ کھانے والے بھی ایسے تھے کہ جب تک دسترخوان پر جھاڑو نہ پھر گئی کسی نے ہاتھ نہ روکا پھر چائے ر چلے اور بالآخر مہمان سیراب ہوگئے۔ حسینہ بیگم نے مٹھائی کا ڈبہ فاطمہ بیگم کو دیتے ہوئے کہا۔

"اللہ رکھے' خدا نظر بد سے بچائے' ہمیں لڑکی پسند ہے اب کوئی چھوٹی موٹی سی رسم کر لیں گے یا پھر جیسا بھی بڑوں کے ن طے ہو لڑکی ہمیں پسند ہے۔"

حکمت علی صاحب کے دل کا سارا بوجھ اتر گیا' چلیں جو کچھ لگایا تھا بار آور ہوا تھا' خدا خدا کر کے آخری مہمان بھی گھر ل گیا' بس یوں لگتا تھا جیسے ٹڈی دل آیا ہو اور سارے کھیتوں کا صفایا کر گیا ہو۔ گھر اجڑا پڑا ہوا تھا' بچوں نے خوب گل ا کی تھیں' مٹھائیاں ایک دوسرے پر پھینک پھینک کر ماری تھیں' دیواروں پر شیرہ چپکا ہوا تھا' فرش پر کاغذ کے ٹکڑے ہوئے تھے' ہر چیز گندی میلی ہوگئی تھی' نسیم بیگم نے ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے کہا۔

"خدا کی پناہ' بردکھاوے کی ایسی رسم اس سے پہلے تو کبھی نہیں دیکھی۔"

فاطمہ بیگم مقابلے کے لیے فوراً" ہی موجود تھیں' کہنے لگیں۔

"اللہ رکھے بھرا پرا گھر ہے' جب اپنے ہوتے ہیں ناں تو ایسے ہی آتے جاتے ہیں' چلو یہ اچھا ہوا کہ سارے کے سارے' اب کوئی کیڑے نکالنے والا نہ رہا۔"

"خدا کی لعنت ہے ایسے بھرے پرے گھروں پر اتنے لوگ آگئے کہ سوچا بھی نہیں تھا اور یہ سارا قصور حجن بی کا ہے پہلے ئے تھا کہ کتنے افراد آنے والے ہیں تاکہ ہم انتظام کرتے وہ تو اللہ نے عزت رکھ لی ورنہ ہم لٹ گئے تھے۔"

"ت کہتے ہیں نیکی برباد گناہ لازم' اے بوا حجن بی کو کیا دے دیا تم نے' او بے چاری نے ایک تو نیک کام کیا آگے بڑھ کر ے کے معاملے میں ٹانگ اڑائی اور اسی کو برا بھلا کہے جا رہی ہو اے میں کہتی ہوں تمہارا کیا گیا جس گھر میں لوگ یں آتے ہی ہیں۔"

"چھوڑیں اماں آپ تو بس ملنی بغض رکھتی ہیں مجھ سے ارے میں کہتی ہوں بردکھاوے میں اتنے سارے آگئے تو آگے کا؟"

"آگے' بوا آگے یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ آئیں گے بہت سے جائیں گے آتے جاتے رہیں گے تم نے دیکھا ہی کیا ہے ر کی بات مت کرو' مہا کنجوس کے خاندان سے ہو کوئی دمڑی خرچ کرنے والا نہیں تھا ارے ہم جاتے تھے چائے کی یالی بھی مشکل ہی سے ملتی تھی۔"

"تمہارا تو پیٹ ہی پھٹے گا اماں' اتنا اتنا ٹھونس کر آتی تھیں کہ دیکھنے والے حیران ہوتے تھے کہ بڑی بی کتنا کھاتی ہیں؟"

"ے حکمت علی اے کہاں چلے گئے سن رہے ہو بی بی کی باتیں' اب میرا پیٹ پھاڑ رہی ہے' ارے اور' اور کیا کیا کرے ا میں تو ہوں ہی تیری آنکھوں میں کانٹے کی طرح' سن لو اب یہاں تک بات پہنچ گئی میرا پیٹ پھٹے ہیں۔" حکمت علی ے دوڑے دوڑے آئے۔

"ارے ارے معرکہ شروع ہو گیا اماں کیا ہوا؟"

"ہاں میاں میری چوٹی پکڑو اور لات مار کر گھر کے دروازے سے باہر نکال دو مجھے' ارے اب بیگم صاحب کھانے بھی طعنہ دینے لگیں' بد زبانی کی انتہا ہو گئی ہے' کہتی ہیں اماں تمہارا پیٹ پھٹے۔"

"ارے باپ' رے باپ' اماں کس سلسلے میں کہی گئی یہ بات۔" حکمت علی نے بات کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی

"میاں بنو مت' ہر بات سنتے ہو اپنے کانوں سے یہ دوسری بات ہے کہ بیوی سے جان نکلتی ہے' ٹھیک ہے میاں بھی کسی سہارے والے ہوتے تو ہم بھی اسی طرح بولتے۔ ارے کون ہے ہماری طرف سے بولنے والا۔"

"میں ہوں اماں میں ہوں۔"

"ارے تو چپ رہ حکمت علی' بس چپ ہو جا تو' ہائے کیا کیا کہہ لیا جاتا ہے مجھے اور میں غریب ارے کوئی میرا حال نہیں ہے۔"

"اماں' اماں' یہ خوشی کا موقع ہے اب ذرا باتیں کریں گے بیٹھ کر ان لوگوں کے بارے میں کیا اندازہ لگایا آپ نے لوگ ہیں؟"

"میاں بیوی سے پوچھو ہم اچھے کہیں گے تو وہ برے ہو جائیں گے ہم برے کہیں گے تو وہ اچھے ہو جائیں گے' میں ہماری مخالفت تو لوگوں کا ایمان ہے۔"

"ہونہہ' میری جوتی کو غرض پڑی ہے آپ کی مخالفت کرنے کی۔" نسیم بیگم نے کہا اور مڑ کر اپنے کمرے کی جانب چلی گئیں۔

"ہاں بی بی' درحقیقت تمہارا تو کھونٹا ہی اتنا مضبوط ہے کہ تمہیں کیا پڑی ہے کسی کے بارے میں تبصرہ کرنے کی بھلا کون ہلا سکتا ہے اپنی جگہ سے؟"

نسیم بیگم چونکہ محاذ چھوڑ کر کمرے سے چلی گئی تھیں اس لیے اب مقابلے پر کوئی جواب نہیں ملا' بات خود بخود ختم رات کی نشست میں طیب سے پسندیدگی کا اظہار کر دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ لڑکے والے تو چونکہ لڑکی کو پسند اعلان کر گئے ہیں مگر اب ہماری طرف سے بھی ہاں کہہ ہی دی جائے اس سلسلے میں۔

"یہ ہوئی ناں بات' اسے کہتے ہیں گھروں میں مٹھی کا بند رہنا' مگر اماں اب ایک بات بتاؤ شادی کے سلسلے میں ہے کتنے عرصے میں کرو گی۔"

"اے میاں وہ جو کہتے ہیں ناں کہ بیٹی کی شادی تو اللہ تعالیٰ جتنی جلدی موقع دے کر دینی چاہیے' اب ذرا ٹٹولو' دنیا کو دیکھو کتنے عرصے میں انتظام کر لو گے اور ہاں مجھے ضرور بتا دینا' کہیں ایسا نہ ہو کہ میاں بیوی ہی میں جائے اور میں ویسی کی ویسی رہ جاؤں' ارے چاہتی تو یہی ہوں کہ میری بھی عزت بزرگوں کی طرح بنی رہے مگر اللہ نہیں دیا اس کا' پھر بھی چونکہ تجھ سے بات کا سلسلہ میں نے ہی شروع کیا ہے اس لیے بہتر ہو گا کہ مشورہ کرنے غریب کو بتا دینا بڑی مہربانی ہو گی تمہاری۔"

"ٹھیک ہے اماں آپ ہی اس سلسلے میں سب کچھ کریں گی آخر آپ بچیوں کی دادی ہیں۔"

نسیم بیگم نے اس وقت چپ ہی سادھ رکھی تھی' غالباً بیٹیوں کی فکر ذہن میں آ گئی تھی یہ احساس ہو گیا تھا کہ کی بھی ایک ساس ہے' چلو کوئی بات نہیں تھوڑی دیر کے لیے زبان بند رکھ لو ہو سکتا ہے اسی نیکی کا ثواب مل جائے

▼ ▼ ▼

امداد بیگ صاحب غمزدہ کر گئے تھے' ان کے جانے کے بعد طاہر' پروانہ صاحب اور شمع بیگم گنگ بیٹھے رہے تک کوئی ایک دوسرے سے بات بھی نہ کر سکا' پھر پروانہ صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولے۔

"شمع بیگم! سچی بات یہ ہے کہ یہ دور بڑا عجیب ہے اولاد ہو تو دکھ ہوتا ہے اور نہ ہو تب بھی انسان دکھی رہتا بھری کہانی سنا گئے یہ امداد بیگ صاحب' سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا سوچیں کیا کہیں' کہتے ہوئے خوف بھی محسوس کہیں منہ سے نکلی ہوئی کوئی بات اللہ کو بری نہ لگ جائے۔"

"میرا تو دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے' ایک ہی بچی تھی غوثیہ بیگم کی اور وہ بھی اس طرح مصیبت میں گرفتار ہو گئی' اللہ اس بچی پر رحم کرے' نجانے کون لوگ تھے کہیں بھیڑیے نہ ہوں کہیں اسے کوئی نقصان ہی نہ پہنچا دیں' میں کہتی ہوں کچھ نہ کچھ تو ہوا ہی ہو گا آخر اس طرح کہاں لاپتہ ہو گئے؟"

طاہر نے آہستہ سے کہا۔ "چچی جان بہت سے ایسے واقعات پڑھے ہیں میں نے' میں کسی خاص نظریے سے نہیں کہہ رہا' والدین اپنی اولاد کی محبت میں بعض اوقات اتنے غلط فیصلے کر جاتے ہیں کہ بس بعد میں ان برائیوں کا کوئی حل نہیں ملتا' اب آپ دیکھئے ناں امداد بیگ صاحب اور ان کا گھرانہ خیر اس وقت وہ مظلوم ہیں' میں ان کے بارے میں کوئی بری بات نہیں کہوں گا' لیکن ایک تو بہت بڑی حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ تکبر نہ اس دنیا میں رہنے والوں نے پسند کیا اور اللہ کی طرف سے تو اس کی شدید ممانعت ہے' یہ لوگ اپنے آپ کو نجانے کیا سمجھتے تھے' خیر جو گزری سو گزری وہ ان کا اپنا مسئلہ ہے لیکن کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ تکبر انہیں لے ڈوبا' میں کہتا ہوں انہوں نے کیا سلوک کیا تھا ہمارے ساتھ' کیا برائی تھی میرے شعور میں' بتایئے چچی جان' کتنی اچھی رہتی وہ لیکن انہوں نے دیکھا کہ ہم ایک کمرے میں رہنے والے کرائے دار ہیں امداد بیگ صاحب کو یقینی طور پر دکھ تو ہوا ہو گا اور اب خصوصی طور پر اس لیے کہ بچی گم ہو گئی ہے ان کے غلط فیصلے کے مطابق۔"

"خیر طاہر میاں' جب کوئی دکھی ہو تو اپنے دکھوں کا تذکرہ کرنا اچھا نہیں ہوتا' ویسے انہوں نے واقعی برا کیا تھا' شعور شعور وہ بھی سنے گا تو کتنا غمزدہ ہو گا۔"

طاہر کی طبیعت خود مکدر ہو گئی تھی بہت دیر تک یہ لوگ فوزیہ' غوثیہ بیگم اور امداد بیگ کے بارے میں باتیں کرتے رہے ایسے بہت سے لوگ زیر گفتگو آئے' پروانہ صاحب نے کہا۔

"خیر باقی جو کچھ ہے سو ہے' امداد بیگ کے گھر کا خیال رکھنا ہے۔"

شام کو شعور واپس آیا تو اس نے ان سب کے چہروں پر افسردگی کی لہر دیکھی ہنس کر بولا۔

"ارے یہ آج آپ حضرات کو کیا ہو گیا ہے؟ خیر سے موسم تو خوشگوار ہے' پھر یہ ناخوشگوار سی کیفیت کیوں آپ کے چہروں پر نظر آ رہی ہے؟"

"بس میاں کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"کیا میں خاص آدمی ہوں۔ آپ لوگوں کی طرح عام آدمی نہیں ہوں؟"

"نہیں نہیں کھاؤ پیو' چائے وائے پیو منہ ہاتھ دھو۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بتایئے تو سہی کیا ہو گیا؟"

"بھئی یقین کرو ہم سے متعلق کوئی بات نہیں ہے' محلے میں ایک گھر میں بس کچھ ایسی ہی پریشانی ہو گئی ہے کہ ہم سب افسردہ ہیں ان کے لیے۔"

"کون' خیریت کیا بات ہے؟" شعور نے ہمدردی سے پوچھا شمع بیگم کہنے لگیں۔

"بس وہی امداد بیگ اور غوثیہ بیگم کا معاملہ ہے۔"

شعور ایک لمحے کے لیے چپ سا ہو گیا' اس تذکرے سے اسے واقعی دکھ ہوتا تھا' چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"کیا ہوا ان لوگوں کو خیریت سے تو ہیں؟"

"نہیں شعور خیریت نہیں ہے بیچاری فوزیہ رخصت ہو کر گئی ہے تو اس کا کوئی پتا نہیں چلا' اس دن سے آج تک' لندن سے معلومات حاصل کیں' تو پتا چلا کہ وہاں اس نام کے لوگ رہتے ہی نہیں ہیں۔ اب امداد بیگ صاحب اور غوثیہ بیگم پریشان ہیں کہ آخر وہ کون لوگ تھے اور کہاں چلے گئے' معلومات تو کی نہیں تھیں ان کے بارے میں بس یہ دیکھا تھا کہ لڑکا لندن سے آیا ہے ظاہر ہے لندن میں شہنشاہ کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا ہو گا' لندن کے نام پر پھسل گئے یہ لوگ اور اب کف افسوس مل رہے ہیں۔"

"وہ امداد بیگ صاحب کی گاڑی آ گئی۔" شعور نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ہاں دے دی تھی انہیں پیسے پوچھنے آئے تھے۔"

"پھر کیا کہا تم نے؟"

"ان کی دکھ بھری داستان نے ہی اتنا غمزدہ کر دیا کہ تمہیں تک اس کا احساس ہو گیا اور پھر پیسوں کا کیا سوال تھا' خرچ ہو کتنے کئے تھے' کہہ گئے ہیں ذرا گھر کا خیال رکھنا' شاید اس سلسلے میں کوئی تگ ودو کرنا چاہتے ہیں۔"

شعور نے کوئی جواب نہیں دیا' چند لمحات خاموش رہنے کے بعد شمع بیگم سے بولا۔

"چچی جان' چائے چاہئے مگر ذرا اسٹرانگ قسم کی۔"

"پانی رکھا ہوا ہے بیٹے' بس پتی ڈالنی ہے مجھے' مجھے پتا تھا کہ تم کس وقت گھر پہنچو گے۔" شمع بیگم نے کہا۔

شعور بڑی ہمت سے اس دلدوز سانحے کو پی گیا تھا' حالانکہ دل پر گھونسہ سا پڑا تھا' فوزیہ کچھ بھی تھی' ان لوگوں نے جو کچھ بھی سلوک کیا تھا شعور کے ساتھ' لیکن وہ آج تک اس کے دل میں موجود تھی' بے شک اس نے اپنا گھر بسا لیا تھا' بے شک شعور کو کسی کے سامنے ذلیل کر دیا گیا تھا' لیکن یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی ہر شخص کو اپنی ذات کے بارے میں فیصلے کرنے کا حق ہے' یہی فیصلہ اس کی اپنی ذات میں موجود تھا کہ وہ فوزیہ کو پسند کرتا ہے' فوزیہ کے ساتھ یہ دکھ بھرا واقعہ پیش آیا تھا شعور کا دل مچل رہا تھا لیکن ظاہر ہے کچھ کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

پھر بھی رات کو شمع بیگم' پروانہ' صاحب طاہر اور شعور غوثیہ بیگم کے گھر پہنچ گئے' غوثیہ بیگم نے بتایا کہ احمد یار خان صاحب نے انہیں بلایا ہے' یعنی امداد بیگ صاحب کو' دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ طاہر کہنے لگا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں ہم سب کی دعائیں فوزی کے ساتھ ہیں' آپ دیکھ لیجئے گا کوئی ایسا ویسا واقعہ نہیں ہوا ہوگا' کچھ دن کے بعد ان لوگوں کی خیریت مل جائے گی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو' میری بچی' میں اس کے علاوہ تو ہمارا کوئی بھی نہیں ہے' بس میرے پاس کہنے کے لیے کچھ الفاظ بھی نہیں ہیں' مگر میں آپ لوگوں سے بھی معافی مانگتی ہوں خدا کے لیے مجھے معاف کر دیجئے' خدا کے لیے مجھے معاف کر دو' میں نے آپ کا دل دکھایا ہے' مجھے بد دعا تو نہیں دی آپ لوگوں نے؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو غوثیہ بیگم اللہ نہ کرے کہ ہم تمہیں بد دعا دیں' بلکہ آج ہم تمہارے سامنے' خدا کے سامنے جھولی پھیلا کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فوزی کو اپنی امان میں رکھے' اپنے تحفظ میں رکھے وہ اگر غلط ہاتھوں میں بھی پڑ گئی ہے تو خدا اس کی مدد کرے وہ بچ جائے اسے کوئی پریشانی نہ ہو۔"

"آمین ثم آمین۔" غوثیہ بیگم نے کہا۔

کافی دیر تک یہ لوگ غوثیہ بیگم کی دلجوئی کرتے رہے پھر وہاں سے واپس آ گئے۔

رات کو طاہر' شعور کی کیفیات نوٹ کر رہا تھا اس نے کہا۔

"یار شعور' سونے کی کوشش کرو اب تم اس طرح کروٹیں بدلتے رہو گے تو اس سے کیا حاصل ہوگا؟"

شعور نے مسکراتی نگاہوں سے طاہر کو دیکھا اور بولا۔

"ایک تو تو میرا چوکیدار بڑا غلط لگا ہوا ہے' ایک ایک بات پر نظر رکھتا ہے۔"

"نہ رکھوں یار' تیرے سوا میرا بھی دنیا میں اور کون ہے؟"

"تو مجھ سے نکاح کر لے۔"

"خدا کی قسم لڑکی ہوتا تو ایسا ہی کرتا خوب بنتی ہم دونوں کی۔"

"مگر یار طاہر' فوزیہ کا ہوا کیا؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے' واقعی اس لڑکی کے لیے دعائیں کرنا ضروری ہے۔"

"ایک بات کہوں تجھ سے طاہر؟"

"ہاں بول۔"

"فوزیہ مجھے چاہتی تھی۔"

طاہر ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا پھر بولا۔ "اگر ایسا تھا شعور تو اس نے کوئی بھی احتجاج کیوں نہیں کیا جبکہ وہ

گھر میں خاصی خود سر تھی' اکلوتی تھی۔"

"بعض جگہ خود سری ایسی شکل اختیار نہیں کرتی اور پھر خاص طور سے لڑکیاں' کچھ بھی بن جائیں مگر ماں باپ کے سامنے بعض اوقات زبان نہیں کھول سکتیں۔"

"یہ اس کی زندگی کا مسئلہ تھا' اسے احتجاج کرنا چاہئے تھا۔"

"جو ہوا سو ہوا' ہم تو اس سلسلے میں کچھ کر بھی نہیں سکتے۔"

"دعاؤں کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔" طاہر نے کہا۔

شعور خاموش ہو گیا' بہت دیر تک یہ خاموشی طاری رہی پھر شعور نے کروٹ بدلی اور سونے کی کوشش کرنے لگا' لیکن طاہر نے جب بھی اس کی آنکھ کھلی یہ محسوس کیا تھا کہ شعور جاگ رہا ہے وہ اپنے دوست کے لیے بھی دکھی تھا' لیکن معاملہ ایسا تھا کہ نہ وہ کچھ کر سکتا تھا نہ شعور۔

بہرحال دوسری صبح شعور مطمئن ہی نظر آیا' لیکن اس کے دل کی حالت اس کے چہرے کی ایک ایک لکیر سے عیاں تھی' بہت غمزدہ تھا وہ' مگر اب کیا ہو سکتا تھا' سوائے اس کے کہ فوزیہ کے لیے دعائیں ہی کی جائیں۔

☘☘

سلطانہ جمالی اور شکیل برن پہنچ گئے۔ شکیل نے سوئیزرلینڈ خوابوں میں دیکھا تھا۔ اب وہ نگاہوں کے سامنے تھا۔ برن کے فائیو اسٹار ہوٹل مارک گاسے کو انہوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا تھا شکیل مسلسل سحر زدہ تھا۔ برن بے مثال تھا۔ سرخ پھولوں کا شہر۔ صبح کی دھند لاہٹوں کو جب عقبی کھڑکی کھول کر دیکھا جاتا تو برن بہت عجیب نظر آتا تھا' اس کی روایتیں انوکھی تھیں' شکیل نے سوئیزرلینڈ کے بارے میں بہت سی داستانیں سنی ہوئی تھیں' اب یہ داستانیں اس کی نگاہوں کے سامنے تھیں' سلطانہ جمالی خالص کاروباری عورت تھی اور سوئیزرلینڈ اس کے لیے اجنبی نہیں تھا' اسے سوئیزرلینڈ کے بارے میں تفصیلات زبانی یاد تھیں اور وہ دلچسپی سے شکیل کو اس کے بارے میں بتاتی رہی تھی' مغربی جرمنی کے قریب' اٹلی اور آسٹریلیا کے مشرق میں سوئیزرلینڈ آباد تھا' اس کے بڑے بڑے شہر زیورچ' باسل' جنیوا اور برن وغیرہ ہیں' سلطانہ جمالی نے اسے بتایا کہ سوئیزرلینڈ سے برقی مشنری' لوہا' فولاد' سوت گھڑیاں وغیرہ با آسانی حاصل کی جا سکتی ہیں' اس کے تجارت میں شریک ممالک مغربی جرمنی' فرانس' اٹلی امریکہ اور برطانیہ وغیرہ ہیں' سلطانہ جمالی چاہتی تھی کہ کاروباری طور پر شکیل بھی ان تمام چیزوں سے واقف ہو جائے تاکہ مستقبل میں اس کا عظیم الشان کاروبار سنبھال سکے۔

بہرحال شکیل تھوڑا بہت احساس کمتری کا شکار بھی رہتا تھا' حالانکہ اسے سلطانہ جمالی کی بھرپور توجہ حاصل تھی' سلطانہ جمالی درحقیقت شکیل کے لیے الہ دین کا چراغ ثابت ہوئی تھی' بعض اوقات جب وہ اپنے طور پر سوچتا تو اسے احساس ہوتا کہ اس نے زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے' فرش پر بسر کرنے والا عرش پر پہنچ چکا تھا' ہاں بس کبھی کبھی جب اسے اپنے ماضی اور اس سے متعلق افراد کا خیال آتا تو اس کا دل ڈوبنے لگتا تھا' کلیم احمد صاحب کی فطرت کو جانتا تھا' ماں باپ نے اس کا ایک معیار متعین کیا تھا' اگر انہیں یہ پتا چل جائے کہ شکیل کیا گل کھلا چکا ہے تو ان کا رد عمل کیا ہوگا' بعض اوقات یہ احساس اسے جھنجلاہٹوں میں مبتلا کر دیتا تھا' اب یہ بھی کوئی بات ہے کسی کے لیے کچھ کیا بھی نہیں جا سکتا اور اگر کوئی خود کچھ کر بیٹھے تو پھر اس پر اقدار کا مجرم ہونے کی چھاپ لگا دی جاتی ہے' میں نے ان لوگوں کے لیے سب کچھ تو مہیا کر دیا ہے۔ اب اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ میں پوری زندگی ان کی مرضی کے مطابق ہی گزار دوں تو یہ تو کچھ غیر مناسب سی بات ہے' میرا اپنا بھی نظریہ حیات ہے۔

سلطانہ جمالی برن کی دلچسپیوں میں کھوئی رہی اور اس کے بعد اس نے سوئیزرلینڈ کے دوسرے شہر دیکھنے کا پروگرام بنایا' ... جگہ پہنچے' جنیوا' بین الاقوامی شہر اور اسی بین الاقوامی شہر میں ایک صبح ایک نئے کردار سے ان لوگوں کی ملاقات ہوئی' سلطانہ جمالی اور شکیل جنیوا کی سیاحت کے لیے نکل رہے تھے کہ سامنے کے کمرے سے ایک شخص باہر نکلا گورا چٹا رنگ' ...ڑی سے بھرپور چہرہ' بڑی بڑی مونچھیں' بہت بڑی بادامی رنگ کی آنکھیں' گہرے سیال بال' جسامت سے کوئی ریسلر ہی معلوم ہوتا تھا' انتہائی خوبصورت لباس میں ملبوس۔ اس نے اپنے کمرے کو تالا لگایا' واپس پلٹا تو شکیل اور سلطانہ جمالی اس کے

سامنے تھے بھونچکا سا ہو کر کھڑا ہو گیا اچانک ہی ان دونوں کو احساس ہوا تھا کہ کوئی کچھ غیر فطری سے انداز میں رکا ہے' سلطانہ جمالی نے نگاہیں اٹھائیں' اسے دیکھا اور اس کے حلق سے ایک آواز سی نکل گئی پھر وہ بڑے بے اختیارانہ انداز میں آگے بڑھی۔

"اوہ میرے خدا' میرے خدا' کیا یہ تم ہی ہو نادر شاہ کیا یہ تم ہی ہو؟"

"لٹ گئی دلی۔" نادر شاہ کے منہ سے سرسراتی سی آواز نکلی۔

"خدا کی قسم تم زندہ ہو نادر شاہ۔"

"تو تمہارا کیا خیال تھا اگر اس دنیا میں نہ ہوتا تو کیا عالم بالا میں تم سے ملاقات نہ ہوتی' کمال ہے یعنی یہ کہ تم مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر موجود ہو۔"

"اوہ نادر' نادر شاہ اوہ مائی گاڈ۔" سلطانہ جمالی اس قدر بے اختیار ہو رہی تھی کہ شکیل کو کچھ عجیب سا لگا' آج تک اس نے کبھی کسی نادر شاہ کا تذکرہ نہیں سنا تھا' اول تو اسے سلطانہ جمالی کے بارے میں ابھی تک نہایت مختصر باتیں معلوم ہوئی تھیں' کبھی سلطانہ جمالی اپنی ذاتیات پر گفتگو ہی نہیں کرتی تھی' یہ نادر شاہ کوئی ایسی ہی شخصیت تھی' جس نے سلطانہ جمالی کو بے اختیار کر دیا تھا' دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب کھڑے ہو گئے تھے اچانک ہی سلطانہ جمالی کو شکیل کا خیال آیا اور شکیل جو ان دونوں کی اس ملاقات کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا ان کی جانب متوجہ ہو گیا' اس نے ایک لمحے کے لیے محسوس کیا تھا کہ سلطانہ جمالی کا چہرہ تاریک ہو گیا ہے' ایک دم ہی سلطانہ جمالی کے چہرے کا رنگ بدلا تھا' لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور نادر شاہ سے بولی۔

"ان سے ملو نادر شاہ یہ شکیل ہیں۔"

"خوب خوب لٹ گئی دلی' آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی' شکیل صاحب لیکن اس کے علاوہ بھی تو آپ اور کچھ ہوں گے' کون ہیں یہ سلطانہ جمالی؟"

"میرے شوہر۔" سلطانہ جمالی نے اس طرح کہا جیسے کسی جرم کا اعتراف کر رہی ہو۔ نادر شاہ نے گہری نگاہوں سے شکیل کو دیکھا پھر سلطانہ جمالی کو اور سلطانہ جمالی نے ندامت سے آنکھیں جھکا لیں' پھر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔

"کب سے یہاں مقیم ہو؟"

"اپنے کمرے کا دروازہ کھولو یا پھر میرے پاس میرے کمرے میں آؤ بلکہ یہیں آجاؤ کیونکہ اگر فاصلہ ناپو تو میرے کمرے کے دروازے کا فاصلہ اس وقت کم ہے۔" اس نے دروازہ کھولا' سلطانہ جمالی شکیل سے بولی۔

"آؤ شکیل' نادر شاہ سے تمہارا تفصیلی تعارف کرواؤں گی۔" شکیل نے فراخدلی سے گردن ہلا دی' نادر شاہ نے اس سے کسی رغبت کا اظہار نہیں کیا تھا' نہ ہی مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تھا جبکہ ابتدائی طور پر شکیل کے ہاتھ میں جنبش ہوئی تھی' اصولی طور پر دونوں کو ہاتھ ملانا چاہئے تھا' لیکن نادر شاہ کے انداز میں کوئی پذیرائی نہ پا کر شکیل بھی سنبھل گیا تھا' پہلی بار اسے سلطانہ جمالی کے رویہ میں تھوڑی سی تبدیلی کا احساس ہوا تھا دل میں ایک خلش سی بیدار ہو گئی تھی' لیکن ایسا بھی کیا' اعلیٰ طبقہ ہے تعلیم یافتہ لوگ ہیں' ان لوگوں میں دوستیاں بھی ایسی ہوتی ہیں کہ انسان مشکوک ہو جائے' بات مخصوص طبقے کی نہیں تھی جہاں ہر چیز کے اقدار ہوتے ہیں کسی لڑکی کا کوئی ایسا دوست نہیں ہوتا جس کے وہ اس قدر قریب پہنچ کر اس سے محبت اور دلچسپی کا اظہار کرے' نادر شاہ کا کمرہ بھی بہت شاندار تھا' سلطانہ جمالی گہری گہری سانسیں لینے لگی' اس نے کہا۔

"میں تو سمجھی کہ تمہیں سزائے موت ہو چکی ہے۔"

"ٹھیک سمجھیں' مجھے تو کئی بار سزائے موت ہو چکی ہے۔" نادر شاہ نے کہا۔

"جیل سے کب چھوٹے؟"

"گیارہ ماہ ہو گئے۔" نادر شاہ نے جواب دیا۔

"اور وطن نہیں آئے۔"

"بس یہی فرق ہے ہم لوگوں کی سوچوں میں ارے بھائی کون سا وطن کیسا وطن' جہاں کی روٹی کھاؤ جہاں سے کماؤ وہی طن ہوتا ہے' شکیل صاحب آپ تو بہت خاموش طبع ہیں حالانکہ سلطانہ کے شوہر ہیں گزر ہو جاتی ہے آپ دونوں کی؟"

"نہیں نادر شاہ صاحب' لیکن بے مقصد بولنے کا عادی نہیں ہوں' اصل میں آپ سے مکمل تعارف بھی نہیں ہے میں رہا ہوں کہ اگر تفصیلی تعارف حاصل ہو جائے تو پھر آپ سے گفتگو کی جائے۔"

"دلی لٹ جائے گی دوست تفصیلی تعارف نہ حاصل کرو۔" نادر شاہ نے کہا اور عجیب سے انداز میں ہنسنے لگا۔ سلطانہ کسی قدر سہمے ہوئے انداز میں بولی۔

"شکیل' نادر شاہ ایک بگڑا ہوا نوجوان ہے' بس اس کا ایک ہی نظریہ ہے' کماؤ کھاؤ عیش اڑاؤ' کمانے کے لیے اس نے کوئی صحیح ذریعہ اختیار نہیں کیا' عموماً اسمگلنگ کرتا ہے جس ملک میں ہو وہاں سے سامان لیتا ہے اور ہر جائز ناجائز ے اسے نکال لے جاتا ہے' پھر دوسرے ملک میں لے جا کر بیچ دیتا ہے اور وہاں عیش کرتا ہے' بڑے بڑے اسمگلروں ں سے رابطہ قائم کیا کہ یہ ان کے گروہ میں شامل ہو کر کام کرے لیکن اس نے تسلیم نہیں کیا یہ صرف آزادانہ طور پر نے کا عادی ہے' آج صبح اس کی جیب میں لاکھوں روپے ڈال دو' شام کو تم سے تھوڑے سے پیسے ادھار مانگنے آجائے انکہ جتنا ذہین اور جتنا شاطر ہے یہ شخص اگر چاہتا تو ارب پتی بن سکتا تھا۔"

"تی نہ بن سکے تو ارب پتی کیا بنتے' ویسے دوست تم نے ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے' سلطانہ کے شوہر بن گئے دل کہتے تھے کہ یہ وہ اونٹ ہے جو کبھی پہاڑ تلے نہیں آسکتا۔"

لطانہ جمالی جلدی سے بولی۔ "پچھلے دنوں اٹلی میں گرفتار ہوا تھا یہ' سنا تھا ایک لمبی سزا ہوئی ہے لیکن نجانے کیسے گیا۔"

اپنے یار دوست ہمیشہ اپنی مدد کرتے ہیں تمہارا کیا خیال ہے اٹلی میں رشوت نہیں چلتی بس بات بن گئی؟"

یہاں جنیوا میں کب سے ہو؟"

ستائیس دن ہو گئے۔"

ابھی تو تم کچھ اور کہہ رہے تھے۔"

جو کہہ رہے تھے' وہ کہہ رہے تھے' جو کہہ رہے ہیں وہ کہہ رہے ہیں' کیوں شکیل صاحب' ویسے بھئی آپ کو چاہئے کہ ل اچھے شوہر کی حیثیت سے اپنی بیوی کو ایک قدیم دوست سے تنہائی میں ملاقات کا پورا پورا موقع دیں' پتا نہیں آپ رزاخ دل ہیں یا نہیں' بڑے دن کے بعد ملی ہے یہ' بہت گہری دوست ہے میری' لیکن غدار اور یہ کہنا چاہئے بلکہ کچھ ا کہنا چاہئے' تمہارے ملک کے شاعر تو صرف ایک ہی رنگ میں شاعری کرتے ہیں مگر افسوس مجھے تمہارے ملک کے اکا کہا ہوا کچھ یاد نہیں رہتا۔"

ل نے ایک بار پھر فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

ئی حرج نہیں ہے سلطانہ' اگر تم نادر شاہ صاحب سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہو تو میں اپنے کمرے میں چلا جاتا ہوں' ا ہے مجھے ایک فراخ دل انسان کی حیثیت سے دو دوستوں کے درمیان سے ہٹ جانا چاہئے۔"

ل توقع کر رہا تھا کہ سلطانہ جمالی فوراً ہی اس خیال کی تردید کرے گی لیکن اس کے ہونٹ کانپے اور وہ محجوب سی ے شکیل کو دیکھتی رہی جیسے تنہائی کے حصول کے لیے معذرت کر رہی ہو' شکیل کمرے سے نکلا اور راہداری میں ا پھر فوراً ہی اسے خیال آیا کہ کمرے کی چابی سلطانہ کے پاس ہے اس نے خود بخود بند ہو جانے والے دروازے پر ستک دی اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا' حیران کن بات یہ تھی کہ نادر شاہ دروازے کے بالکل قریب ہی ڈوا سے اندر سے لاک کرنا چاہتا تھا' شکیل نے معذرت آمیز انداز میں سلطانہ سے کہا۔

ا ہا تو دے دو۔"

"سوری شکیل ہاں یہ۔" سلطانہ جمالی نے مٹھی میں دبی ہوئی چابی شکیل کی جانب اچھال دی اور شکیل چابی لے کر ٹ پڑا' کمرے کا دروازہ کھولا اندر داخل ہو کر اسے لاک کیا اور پھر کمرے میں آکر آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ دماغ

سائیں سائیں کر رہا تھا یہ سب کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سلطانہ کہہ رہی تھی کہ یہ شخص جرائم پیشہ ہے۔ اٹلی میں ہو گیا تھا بمبئی میں سزا ہوئی تھی اور سلطانہ اس کی اتنی بے تکلف دوست ہے سلطانہ جمالی کی محجوب نگاہیں جیسے وہ شاہ کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتی ہو۔ کیا ایسا ہوتا ہے کیا شوہر اور بیوی کے درمیان بھی کوئی راز ہوتا ہے ایسی بات بھی ہوتی ہے جو کسی دوست سے شوہر کی غیر موجودگی میں کی جاتی ہے اور پھر یہ کس قدر معیوب بات تھی کہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کرنے آ رہا تھا' سلطانہ نے تو مشرقی اقدار کی دھجیاں اڑا دی ہیں' بھلا ان تمام باتوں کی معاشرے میں کہاں گنجائش ہوتی ہے' اس نے آج تک اپنے کسی ایسے بے تکلف دوست کا تذکرہ نہیں کیا تھا جو کاروبار کرتا ہو' زیادہ سے زیادہ اس کے شناسا منظر عام پر آئے تھے تو یہ صرف اعلیٰ پائے کے کاروباری لوگ تھے' ایسے سے سلطانہ کا رابطہ کیسے قائم ہو گیا۔

شکیل نے دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ لیے اسے شدید ذہنی کوفت ہو رہی تھی اس کے دل میں سلطانہ کے لیے محبت جاگ اٹھی تھی' بات صرف ایک اعلیٰ مستقبل ہی کی نہیں' سلطانہ نے ہمیشہ اس کی پذیرائی کی تھی اور پھر اس بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس نے بھی شکیل کے دل میں اس کے لیے جگہ پیدا کر دی تھی اس میں کوئی شک نہیں تھا' کو سلطانہ کی دنیا بڑی پر سحر معلوم ہوتی تھی اور اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ وہ قدم بقدم پر اپنے آپ کو اس دنیا اجنبی پاتا تھا' سلطانہ نے ہمیشہ اسے آگے بڑھانے کی کوشش کی تھی اور بالآخر اس نے اس کی زندگی میں شامل ہونے کر دیا تھا' وہ شکیل کے گھر بھی پہنچی تھی اور اس نے کلیم احمد صاحب کو ایک عمدہ زندگی کی پیش کش کی تھی یہ سار سلطانہ کے حق میں جاتی تھیں کہ وہ ایک اچھی عورت ہے لیکن یہ سب کچھ شکیل کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہا تھا آپ کو سمجھانے کی کوششیں کر رہا تھا' اس نے خود سے کہا۔

"نہیں بات صرف معیار کے فرق کی ہے' میں ان کلبوں کو کیسے بھول جاؤں جہاں عورتیں اور مرد آزادانہ بے تکلفی سے ایک دوسرے سے ملتے تھے' بارہا سدرہ میرے پاس آئی اس کے باپ نے اپنی نوجوان لڑکی کو تنہائی میں ملنے کے بہت سے مواقع دیئے میری جگہ کوئی برا آدمی بھی ہو سکتا تھا' آخر سدرہ لڑکی تھی' کتنی ہی پر اعتماد کیوں نہ بھی اسے بھٹکا سکتا تھا' تباہ کر سکتا تھا' اس کا مطلب ہے کہ میری سوچیں غلط ہیں بات صرف طبقے کے فرق کی ہے طور پر یہ دولت مند طبقہ ایک دوسرے سے ہر طرح کی یگانگت کا اظہار کرتا ہے۔ ان کے ان تعلقات پر شبہہ کر نہیں ہے' روشن دنیا کی زندگی بھی روشن ہوتی ہے' میں خواہ مخواہ غلط فہمی کا شکار ہو رہا ہوں یہ تو تنگ دلی ہے' نہیں اچھے مستقبل کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس کے منتخب راستوں پر چلنا ہو گا۔ ان راستوں پر لڑکھڑانا زندگی میں ایک [illegible] پیدا کر سکتا ہے۔"

شکیل نے محسوس کیا کہ اس قدر حسین زندگی گزارنے کے بعد اگر اسے واپس اس تنگ و تاریک گلی میں جانا گھٹ جائے گا اس کا' مر جائے گا وہ' اسے روشنیوں کی عادت پڑ چکی تھی' حالانکہ وہ گلی بھی اس قدر تنگ و تاریک لیکن یہ فائیو اسٹار ہوٹل' سوئٹزرلینڈ کے یہ سرمئی پہاڑ صاف و شفاف شہر' زندگی کی لطافتوں سے مالا مال اور پھر اپنے وطن میں سلطانہ جمالی کی عالیشان کوٹھی' جہاں اب اسے ایک سربراہ کی حیثیت حاصل تھی' بیوی کچھ بھی ہے ہی ہے' یہ ساری باتیں صرف ایک شک کے حوالے کر دینا مناسب نہیں ہو گا' خود کو سنبھالنا ہو گا مجھے اور اسی کام لینا ہو گا جس کا اظہار نادر شاہ نے کیا ہے' سلطانہ جمالی کا استقبال اسی خندہ پیشانی سے کرنا چاہئے مجھے یہ ظاہر کہ اب میں اس اعلیٰ طبقے سے اتنا بھی ناواقف نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ اچھے کرداروں پر شک کرنا شروع کر دوں"

جو شکیل کے دل میں آیا تھا وہ نادر شاہ کا تھا اور پھر اس کے کانوں میں ایک چہکتی ہوئی آواز ابھری۔

"لٹ گئی دلی۔"

●●

احمد یار خان صاحب۔ محمود علی اور امداد بیگ بھی لندن پہنچ گئے' احمد یار خان صاحب خود بھی شناسائیاں چنانچہ یارڈلے اسٹریٹ کے ایک خوبصورت فلیٹ میں حاجی ہمدانی نے احمد یار خان صاحب کا استقبال کیا اور مد

لہجے میں بولے۔

"معاف کرنا احمد یار خان، جب تمہارا ٹیلی گرام میری بیوی کو موصول ہوا تو میں لندن میں موجود نہیں تھا' اب سے کوئی تیس منٹ قبل میں آئرلینڈ سے آیا ہوں تمہیں تو پتا ہی ہے کہ میرا خاصا کاروبار وہاں پھیلا ہوا ہے حالانکہ میری بیگم نے مجھے ٹیلی فون پر ٹرائی کیا تھا اور یہ بتانا چاہا تھا کہ تم آرہے ہو لیکن اتفاق سے میں میٹنگوں میں مصروف تھا' ان کا فون مجھے مل ہی نہیں سکا تاہم مجھے یقین ہے کہ تمہیں یہاں تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی ہوگی' میری مسز نے ائرپورٹ پر تمہارا شایان شان استقبال کیا ہوگا؟"

"میں کسی تکلف میں نہیں پڑتا حاجی ہمدانی' بھابی نے مجھے سب کچھ بتادیا ہے۔"

"تو پھر آؤ میرے دوست تمہارے لیے میں نے کمرہ تیار کرا دیا ہے' لندن کی زندگی کا تو تمہیں اندازہ ہی ہے تم تینوں کو ایک ہی کمرے میں قیام کرنا ہوگا' البتہ کمرہ بہت وسیع ہے اور اس میں تین بستر موجود ہیں۔"

"یہ بات میرے علم میں تھی حاجی ہمدانی کہ اگر میں ہوٹل میں قیام کروں گا تو تم سخت ناراض ہوگے۔"

"میں نے قسم کھائی تھی کہ اب اگر کبھی تم لندن آئے اور تم نے کسی ہوٹل کا رخ کیا تو میں تمہاری صورت نہیں دیکھوں گا کبھی۔"

"وہی قسم تو مجھے یہاں لے آئی' حالانکہ میرا تنہا آنا الگ بات تھی۔"

"چھوڑو یار ان لوگوں سے تعارف کراؤ۔"

"یہ میرے بہنوئی امداد بیگ صاحب ہیں اور یہ میرے دوست محمود علی۔"

"آپ لوگوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی' براہ کرم اب ذرا معمولات سے فارغ ہولیں پھر بیٹھ کر گپیں لگائیں گے۔"

حاجی ہمدانی تقریباً" سترہ سال سے لندن ہی میں مقیم تھے اور ان کا کاروبار جگہ جگہ پھیلا ہوا تھا' احمد یار خان صاحب سے بھی ان کا کاروباری رشتہ ہی تھا لیکن دوست نواز آدمی تھے اس لیے احمد یار خان صاحب سے خوب گاڑھی چھنتی تھی کبھی احمد یار خان کے وطن جاتے تو ان کے گھر کے علاوہ کہیں اور قیام نہ کرتے' سارے معمولات وہیں سے ہوتے تھے۔

بالآخر رات کی نشست میں احمد یار خان نے اپنی مشکل کا تذکرہ کیا' امداد بیگ سے تعارف تو ہو ہی چکا تھا' اپنی بھانجی کے سلسلے میں پریشانی کا اظہار کیا' اور حاجی ہمدانی کا چہرہ اتر گیا۔

"یہ کیا کیا آپ نے امداد بیگ صاحب' اس طرح کہیں بچیوں کو ذبح کر کے گنڑ میں بہا دیتے ہیں' اگر آپ کو ان لوگوں کے پس منظر کا علم نہیں تھا' حسب نسب نہیں معلوم تھا تو پھر آپ نے آخر یہ رشتہ دینا کیسے منظور کرلیا' میں کوئی اور بات نہیں کرتا لیکن اعلیٰ نسبی بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے کم از کم خاندانوں کی چھان بین کی جاتی ہے' رشتے ناتے دار ہوں' چاہے کیسے ہی ہوں' تب بھی کم از کم آدمی ایک خاندانی آدمی تو کہلاتا ہے' آپ نے صرف یہ سوچ کر اپنی بیٹی کا رشتہ ان اجنبی لوگوں سے کر دیا کہ وہ لندن میں رہتے ہیں' معاف کیجئے گا' امداد بیگ صاحب کسی سنجیدہ آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی' یہاں سے ایسے ایسے رنگے سیار واپس جاتے ہیں جو یہاں ہوٹلوں میں برتن مانجھنے کا کام کرتے ہیں' جانوروں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن جب اپنے وطن پہنچتے ہیں تو اس طرح سینہ اکڑائے ہوئے اور ہونٹوں میں پائپ دبائے ہوئے جیسے یہاں وائسرائے لگے ہوئے ہوں بہت افسوس ناک عمل کیا ہے آپ نے!"

"اس کے ذمے دار یہ نہیں ہیں بلکہ اول نمبر پر میں ہوں اور دوئم نمبر پر احمد یار خان۔" محمود علی نے شرمندگی سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم لوگوں ہی نے امداد بیگ صاحب کو اطمینان دلا کر اس رشتے کے لیے آمادہ کیا تھا۔"

"تب آپ دونوں اس بچی کے دوست نہیں ہوئے' اب یہ بتایئے کرنا کیا ہے؟"

"حاجی ہمدانی میں یہ نہیں سنوں گا کہ تم مصروف ہو تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔"

"تو پھر میں اپنے ایک ہی دوست کو ٹیلی فون کرتا ہوں' اس کا نام جیمس ڈگلس ہے' مقامی محکمہ پولیس میں بہت بڑا آفیسر لگا ہوا ہے اس سے مشورہ کرنے سے کام بن سکتا ہے۔"

جیمس ڈگلس شاید حاجی ہمدانی کا اچھا ہی دوست تھا' رات کو گیارہ بجے وہ حاجی ہمدانی کے گھر پہنچ گیا اور حاجی ہمدانی نے ے مکمل تفصیل بتائی۔

"اوہ مائی گاڈ میں بس ایک ہی بات کہہ سکتا ہوں یہ تمام تفصیل سن کر کہ اب ان کی بچی کا انہیں ملنا ممکن نہیں ہے' خیر ں نے غلطی کی اور یہ غلطی کیسے ہوئی' یہ آپ لوگ زیادہ بہتر جانتے ہیں' البتہ میں ایسے بے شمار واقعات آپ کو سنا سکتا ں جو ایسے ہی کیسز کی شکل میں میرے سامنے آئے ہیں' آپ کے اپنے مشرقی لوگ ہی ہوتے ہیں' یہاں سے اسی قسم کی ریاں کر کے جاتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو صحیح پتے بھی دیتے ہیں تاکہ اگر ان کے لیے تحقیقات ہو تو کم از کم ان کا پتا نشان ۃ نکلے۔ یہاں ان کے اپنے ہرکارے ہوتے ہیں جو ہمیشہ اس تاک میں ہوتے ہیں کہ اگر کوئی ان لوگوں کے بارے میں وبات حاصل کرے تو اسے بہترین اطلاعات فراہم کریں اس کاروبار میں وہ ہرکارے بھی شریک ہوتے ہیں' پھر وہ لوگ ے شادیاں کر کے لاتے ہیں' انہیں نقد رقومات بھی ملتی ہیں اور یہاں آنے کے بعد وہ ان معصوم لڑکیوں سے مختلف قسم کام کراتے ہیں' کبھی انہیں جرائم پیشہ افراد کے ہاتھوں بیچ دیا جاتا ہے جو جرائم کے لیے ان کی تربیت کرتے ہیں اور کبھی ا اور شخص کے حوالے کردیا جاتا ہے' پھر وہ لڑکی کبھی یہاں سے واپس نہیں جاسکتی' ہم نے چند کیس پکڑے بھی ہیں' لیکن ددراز وقت تھے لڑکیوں نے خود ہی اپنے گھروں کو واپس جانے سے انکار کر دیا' میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کی بیٹی کے ساتھ بھی ہوا ہے لیکن اس کے امکانات ہیں۔"

جیمس ڈگلس کے الفاظ نے امداد بیگ صاحب کی رگوں میں خون جما دیا تھا' فوزی ان کی نگاہوں میں آئی' دل اس طرح ے لگا جیسے موم کا بنا ہو دل چاہ رہا تھا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر روئیں نجانے کس طرح آنسوؤں کو ضبط کئے ہوئے تھے اور ائی آنکھوں سے جیمس ڈگلس کو دیکھ رہے تھے۔ آہ کیا فوزی کا بھی یہی انجام ہوا؟ کیا وہ بھی ایسے ہی بے رحم ہاتھوں میں جا ؟ کیا اب وہ کبھی گھر واپس نہیں آئے گی؟ کیا دوبارہ اس کو دیکھنا نصیب نہیں ہوگا؟ انہوں نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے ثت کرنا مشکل ہوا جا رہا تھا۔ آنسو نکل پڑنے کے لیے بے چین تھے۔ جیمس ڈگلس نے کہا۔

"آپ بالکل مایوس نہ ہوں۔ میں پورے خلوص سے آپ کی بچی کے حصول کی کوشش کروں گا۔ آپ کے پاس کوئی ے ہے اس کی۔" فوزی کی تصویر امداد بیگ کے پاس موجود تھی۔ جو انہوں نے جیمس ڈگلس کے حوالے کردی۔

"ان لوگوں کی تصویریں بھی ہوں گی۔"

"نہیں ان کی کوئی تصویر نہیں ہے۔" امداد بیگ نے حلق صاف کر کے کہا۔

"بہت افسوس کی بات ہے۔ آپ تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ ان اجنبی لوگوں پر آپ اس قدر فریفتہ ہوگئے کہ آپ نے اتنا سا ی بھی نہیں کیا۔ صرف اسی لیے کہ وہ یورپ میں رہتے تھے۔ آپ کے ذہن پر آج بھی یورپ بری طرح سوار ہے۔ خیر۔ اطرف سے آپ مطمئن رہیں یہ بچی میری اپنی بچی ہے۔ میں اس کے لیے اتنی ہی محنت کروں گا جتنی اپنی بچی کے لیے۔ ہاری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ جیمس ڈگلس نے وہ تاریخیں وغیرہ معلوم کیں جن میں شادی ہوئی تھی۔ مزید کوائف معلوم اور اس کے بعد وہ رخصت ہوئے۔ امداد بیگ صاحب پر غشی سی طاری ہوگئی تھی۔ حاجی ہمدانی اور احمد یار خان انہیں لردے رہے تھے۔

فوزی قیدی تھی' سوچوں کے ذخیرے ختم ہو چکے تھے' بس احساس پشیمانی تھا' انسانوں کو انسان نہ سمجھ کر جو ر
تھوڑے ہی عرصے میں مل گئی تھی وہ اتنی تھی کہ اس سے زیادہ سزا کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا' زندگی کی حسین امنگوں کا ا
بھیانک نتیجہ نکلے گا شاید کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔

غفران صاحب جن کا اصل نام ساگا چوہدری کی شکل میں سامنے آیا تھا وحشی صفت انسان تھے' بس ایک دوبار ہی ان
صورت نظر آئی تھی ورنہ وہی ظالم فرشتہ مسلط رہتا تھا' جس میں انسانیت کا نام و نشان نہیں تھا' اس کی تربیت ہی اسی اند
میں کی گئی تھی' ذمے داریاں یہی تھیں اس کی تو پھر بھلا وہ کسی احمقانہ جذبے کا شکار کیوں ہوتا۔

فوزی کو یہ احساس تھا کہ اگر اس نے ضرورت کی بات سے ہٹ کر کوئی بھی بات اس سے کی تو اس کا نتیجہ بہت بھیا
نکلے گا۔ بہرحال اب وہ تقدیر کے دوسرے فیصلوں کا انتظار کر رہی تھی' زندگی کی ڈور تو الجھ ہی گئی تھی' وقت نے اسے ا
تقدیر کی کہانی سنا دی تھی' اب یہ دیکھنا تھا کہ اس کہانی میں کون کون سی ذیلی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ ساگا چوہدری اس دن
متوقع طور پر اس کے پاس پہنچا کہنے لگا۔

"تمہیں چلنا ہے یہاں سے۔"

"میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔" فوزی نے کہا اور ساگا چوہدری کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"اتنے جملے کہنے کی جرات آج تک کسی لڑکی میں نہیں ہوئی میں زیادہ لگی لپٹی نہیں رکھتا' بھونک کیا بھونکنا چاہتی
لیکن اس کے بعد خیال رکھنا کہ مجھ سے کوئی غیر ضروری بات کبھی نہ ہونے پائے۔"

"غفران صاحب' آپ' آپ۔"

"کون غفران؟ کہاں کا غفران؟ کوئی غفران نہیں ہے' میرا نام ساگا چوہدری ہے۔"

"لیکن آپ تو؟ آپ تو؟"

"لڑکی! تیاریاں کر یہاں سے چلنا ہے' تجھے دوسری جگہ منتقل کرنا ہے یہ جگہ نئی لڑکی کے لیے خالی کی جا رہی ہے۔"

"نعمان کہاں ہے؟" فوزیہ نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نعمان کہیں نہیں ہے سمجھی۔"

"نہیں سمجھی' وہ کہاں ہے جس سے میرا نکاح ہوا تھا' کہاں ہے وہ' ظالم انسانوں تم نے مجھے زندگی سے دور کر دیا'
ہے وہ کتے کا پلا' جس کا مجھ سے نکاح ہوا تھا' جس نے قرآن و سنت کی روشنی میں مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنایا تھا؟"

"کان پھوٹ گئے ہیں کیا' کہا نہیں تجھ سے وہ کہیں نہیں ہے' نہ ہی تیرا اس سے کوئی نکاح ہوا' نہ اس کا نام نعما
اور نہ اس کے باپ کا نام غفران' ایک فرضی نام سے کسی نے کوئی بات کہہ دی تو وہ نکاح نہیں بن جاتی اور جہاں تک
زبان کا تعلق ہے میں تجھ سے کہہ چکا ہوں یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی لڑکی مجھ سے زبان لڑا رہی ہے ویسے ایک بات
تجھے بھی لگی ہوگی تو اور زیادہ کار آمد ہوگی ہمارے لیے' اچھا آئیڈیا ہے دوسری بار زبان چلائی تو یہ زبان کٹوا دوں گا تیری
پھر اسپتال میں رکھوں گا۔ باقی کام بھی ہو جائیں گے' چل اٹھ۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گی مجھے میرے گھر بھیج دو' میرے گھر والوں کو میرے بارے میں اطلاع دے دو۔" فوزی بلک
کر رونے لگی' تب ساگا چوہدری اپنی جگہ سے اٹھا اس کے قریب پہنچا اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک ایسا زناٹے دار تھپڑ
کے بے داغ رخسار پر پڑا کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر نیچے زمین پر گر پڑی ایک لمحے میں اس کی سسکیاں بند ہو گئی تھیں
میں پہلی بار تھپڑ کھانے کا تجربہ ہوا تھا' پھولوں کی طرح پروان چڑھی تھی' زمین پر پاؤں رکھتے بھی تھے تو اس خیال کے
کہیں کوئی کنکری نہ پڑی ہو جو اس کے پاؤں کے نیچے آ کر اسے تکلیف دے اور آج ایسا تھپڑ پڑا تھا کہ سر ہی چکرا
ہوش و حواس رخصت ہو گئے اپنی جگہ سے کھسکتی ہوئی آگے بڑھی' دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی۔

ساگا چوہدری نے قریب پہنچ کر ایک پاؤں اٹھایا' موٹے سول کا جوتا پیر میں پہنے تھا' غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ایک ٹھوکر رسید کروں گا پیٹ پر آنتیں پھٹ جائیں گی' میں رحم نہیں کرتا' کھڑی ہوتی ہے یا بالوں سے پکڑ کر
دوں۔"

فوزی جلدی سے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"جا چل کر منہ ہاتھ دھو' میرے ساتھ چلنا ہے تجھے۔"

اس کے بعد فوزی میں سکت نہیں رہی تھی کہ کسی قسم کا تعرض کرتی' تھوڑی دیر کے بعد ساگا چوہدری اسے بند گاڑی
بٹھائے کہیں لے جا رہا تھا' فوزی کی یہ جرات بھی نہیں ہوئی کہ اس سے یہ پوچھ لے کہ اب وہ کہاں جا رہے ہیں' زبان ہی
ہو گئی تھی اس کی' تقریباً گونگی ہو گئی تھی وہ' نجانے کون سی جگہ تھی؟ نجانے کون سا علاقہ تھا؟ لندن میں ایسے علاقے بھی
سکتے ہیں شاید ہی کسی نے کبھی سوچا ہو۔

بہرطور ایک اور فلیٹ میں پہنچا دی گئی۔ یہاں وہ وحشی انسان نہیں تھا جس سے فوزیہ کو ہمیشہ خوف محسوس ہوتا رہتا تھا'
لانکہ اس نے کبھی فوزی سے کوئی نرم بات بھی نہیں کی' لیکن انسان کو شیطان بنتے کتنی دیر لگتی ہے' تنہا مکان' جوان لڑکی'
ردار انسان کوئی بھی حادثہ پیش آ سکتا تھا۔ البتہ یہ نئی جگہ جہاں اسے پہنچایا گیا تھا' صاف ستھری اور اچھے فرنیچر سے آراستہ
ں' یہاں اس کی ملاقات آسیہ سے ہوئی نرم و نازک نقوش والی لڑکی' جس کی آنکھوں میں درد و کرب پنہاں تھا' فوزیہ ہی کی
ن کی باشندہ تھی' ساگا چوہدری نے اس سے کہا۔

"اسے ٹرینڈ کرو آسیہ' خیال رکھنا کہ مکمل ذمے داری تم پر ہے۔"

"اوکے ساگا چوہدری آپ بے فکر رہیں پہلے جن لڑکیوں کو ٹرینڈ کیا ہے کیا ان میں کوئی کمی رہ گئی؟"

"نہیں' تو اپنے کام میں ایکسپرٹ ہے' مگر خیال رکھنا زیادہ پرانی نہیں ہے ابھی سرکشی ہے دل میں۔"

"یہ ساری باتیں مجھے بتانے کی ضرورت نہیں' مادھو کہاں ہے؟"

"مادھو کام سے گیا ہوا ہے لیکن الیاس اور نعیم تمہارے ساتھ ہیں' کسی قسم کی ضرورت ہو تو ان سے بات کر لینا۔"

"ٹھیک ہے چوہدری۔"

چوہدری چلا گیا۔ فوزیہ رحم طلب نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھنے لگی۔ پچیس چھبیس سال سے زیادہ عمر نہیں تھی۔ بھرے
ے بدن کی مالک خوبصورت چہرہ' ہلکا سا سانولا رنگ' لیکن بے حد حسین آنکھیں جن کی دوہری کیفیت تھی' پہلی نگاہ میں یہ
ھیں شوخ شریر معلوم ہوتی تھیں لیکن اگر انہیں دیکھتا رہا جائے تو ان آنکھوں کی گہرائیوں میں غم کی پرچھائیاں نظر آتی
ں' کہنے لگی۔

"میرا نام آسیہ ہے۔ تم؟"

"فوزیہ۔" فوزی نے جواب دیا تو آسیہ آہستہ سے ہنس پڑی۔

"آسیہ' فوزیہ' رخسانہ' دردانہ کیا دلچسپ قصے ہیں' سب کے سارے ہی قصے دلچسپ ہیں' یقیناً تمہاری کہانی بھی ہم سب
مختلف نہیں ہوگی۔"

فوزیہ سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم ساگا چوہدری کی کون ہو؟"

آسیہ ہنس پڑی پھر بولی۔ "بہو' سسر ہیں وہ میرے۔" فوزی چونک پڑی اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"سسر' اور شوہر؟"

"شوہر کوئی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب خود بخود تمہاری سمجھ میں نہیں آ گیا اس کا مقصد ہے کہ کچھ اور کہانی ہے تمہاری؟"

"نہیں' نہیں' یہی کہانی ہے' لیکن آسیہ تم۔" فوزی رونے لگی' آسیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی' نہ اس کے چہرے پر
کے آثار ابھرے تھے' نہ اس نے فوزیہ کو خاموش کرنے کی کوشش کی تھی' دیر تک فوزی سسکتی رہی' آسیہ نے کہا۔

"کچھ پیتی ہو؟"

"نہیں' شکریہ۔"

"پی لو، پینے سے بہت سے مشکل مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔"

"ک ک ـــــ کیا؟"

"جو بھی تم پیتی ہو اگر ابھی تک نہیں پی ہے تو پیو، بہت ضروری ہے۔"

"مم ـــــ مگر کیا؟"

"آؤ، اس کمرے میں چلتے ہیں میرا خیال ہے تمہیں یہاں کافی عرصہ رہنا پڑے گا، آؤ انسان بچپن سے کہانیاں سنتا چلا ہے لیکن کہانیوں کا شوق کبھی ختم نہیں ہوتا دل چاہتا ہے کوئی اور نئی کہانی سنی جائے حالانکہ کہانیاں ایک جیسی ہوتی ہیں، بتا سکتی ہوں تمہیں تمہاری کہانی، لیکن تم سے سننا اچھا لگے گا، آؤ کہانی کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔"

وہ فوزی کو دوسرے کمرے میں لے آئی، اچھا خاصا کشادہ فلیٹ تھا کئی کمرے تھے، ہر کمرا سجا ہوا تھا، یہاں آسیہ کے اور کوئی نہیں معلوم ہوتا تھا، پتا نہیں کیا چکر ہے ساگا چوہدری نے جو گفتگو آسیہ سے کی تھی وہ بھی فوزی نے سنی تھی لیکن ابھی وہ ان تمام باتوں سے ناواقف تھی، آسیہ نے اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر ایک الماری کی طرف گئی اسے کھول کر بوتل اور گلاس نکالے، سائفن لا کر رکھا اور فوزی لرز گئی کم از کم اس ناپاک شے سے وہ واقف تھی، خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"یہ، یہ شراب ہے؟"

"ہاں مکروہ اور حرام شے لیکن کمبخت میں بڑی شیطانی خوبیاں ہیں، کم از کم خود کو دھوکہ دینے میں یہ سب سے معاون ثابت ہوتی ہے۔"

"تت ـــــ تم، تم شراب پیتی ہو؟"

"ہاں پیتی ہوں۔"

"میں، میں براہ کرم برا نہ ماننا، میں تو اب اس فلیٹ میں پانی تک نہیں پی سکوں گی، نفرت ہے مجھے اس سے اور، اوہ اوہ۔"

فوزیہ نے دل میں سوچا کہ وہ کیوں یہ بات سمجھ بیٹھی ہے کہ آسیہ کوئی شریف لڑکی ہے۔ ساگا چوہدری کی ساتھی ہے نہیں اندر سے کیا ہے، بلا وجہ ہر ایک پر اعتماد کر لینا تو مناسب بات نہیں ہے وہ سہمی سی بیٹھی رہی، آسیہ نے اسے دیکھا بولی۔

"تھوڑی سی چکھ کر دیکھو، بڑا سکون دے گی تمہیں، تمام الجھنوں پریشانیوں اور غموں سے نجات دلا دے گی۔"

"نہیں آسیہ، براہ کرم ایسی باتیں مت کرو تم، میرا مطلب ہے مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے میں کیسے وقت گزاروں گی سوچ کر کہ تم، تم شراب پیتی ہو...؟"

آسیہ نے ہونٹ سکوڑے، اسے دیکھا، دیر تک دیکھتی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور جھلائے ہوئے سے انداز میں گا اور بوتل اٹھا کر واپس اس کی جگہ رکھ دی اور پھر صوفے پر آ بیٹھی، کچھ جھلایا جھلایا سا انداز تھا اس کا کہنے لگی۔

"سب کچھ وہی، کچھ تو بدلو اس کہانی میں، کوئی تو تبدیلی پیدا کرو میں نے ابتدا ایسے ہی کی تھی، جھلائی تھی، غصہ آیا تھا بڑی دردمندی سے میں نے کہا تھا کہ مجھے شراب سے نفرت ہے لیکن فلمسنا نے مجھے شراب پلائی تھی، کہا تھا پی کر دیکھو کچھ بھول جاؤ گی اور پھر سچ مچ میں سب کچھ ہی بھول گئی، چلو چھوڑو نہ پیو اچھا یہ بتاؤ کافی یا چائے پیو گی؟"

فوزیہ ہچکچانے لگی، وہ بولی۔ "اس قدر پارسانہ بنو انہی برتنوں میں تمہیں کھانا ہے انہی گلاسوں میں پینا ہے، ساگا چوہدری آئے گا اسے پتا چلے گا تم اس قسم کی باتیں کر رہی ہو، مارے گا تمہیں درندہ ہے وہ بہت مارتا ہے، ذرا ذرا سی بات پر، یار یہ ساری مشکلات ہم عورتوں پر ہی کیوں پڑتی ہیں؟ کیا ہم اپنے آپ کو اتنا طاقتور نہیں بنا سکتے کہ ہم بھی مردوں کی کنائی کریں، ہم انہیں اغواء کر کے لائیں انہیں قید رکھیں، ہاتھ پاؤں باندھ دیں پھر انہیں کہیں بیچ دیں، ان سے اسمگلنگ کرائیں ظلم کریں ان پر ہم ایسا نہیں کر سکتے کیا، آخری کیوں؟ کوشش کیوں نہیں کی گئی یہ؟ ہیں کچھ آتی ہے بات سمجھ میں؟"

فوزیہ نے بیچارگی سے گردن ہلا دی تھی، آسیہ بولی۔

"دھت تیرے کی، بالکل وہی انداز وہی طریقہ کار، اچھا چلو آؤ دونوں مل کر چائے بناتے ہیں۔"

اٹھی تو فوزیہ بھی اٹھ گئی، باورچی خانہ بہت خوبصورت تھا، فوزیہ نے بس اتنا ہی کیا کہ چائے کے کپ رگڑ رگڑ کر دھوئے اس دوران آسیہ نے کافی کے لیے پانی رکھ دیا تھا، پھر کافی تیار کر کے وہ ایک تیسرے کمرے میں آ بیٹھی، آسیہ نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"شروع ہو جاؤ۔"

"کیا؟"

"بتاؤ یار اپنے بارے میں۔"

"بس دھوکہ ہو گیا ہے میرے ساتھ، ماں باپ اپنا سارا تجربہ بھینٹ چڑھا بیٹھے، کوئی تجربہ نہیں تھا انہیں زندگی کا، بس انہوں نے یہ دیکھا کہ لڑکا لندن سے پہنچا ہے، ماموں تھے میرے سارے کے سارے ناکارہ ثابت ہوئے اور مجھے بھیڑیوں کے اس بھٹ میں بھیج دیا، صرف لندن کے نام پر، صرف لندن کے نام پر۔"

"ہاں ہاں بالکل، ایسا ہی ہوا ہو گا، میری بھی کہانی اس سے کچھ ملتی جلتی ہے سوائے اس کے کہ دو بہنیں تھیں، میری ماں نہیں تھی، ایک خدا ترس آدمی نے ایک ایسے لڑکے کے ساتھ نکاح کرا دیا جو لندن میں رہتا تھا، مجھے لے کر وہ یہاں آ گیا، پتا چلا ساگا چوہدری کا ہرکارہ تھا، یہاں آنے کے بعد میرے ساتھ طرح طرح کی سختیاں ہوئیں، ابتدا بالکل ایسے ہی ہوئی تھی جیسے تمہاری، بعد میں مجھے ایک مقامی عورت مسز فلمسنا نے تربیت دی، اس تربیت میں بہت سے کام شامل تھے مثلاً" یہ کہ کچھ ایسے لوگ جن سے ساگا چوہدری کو کوئی کاروباری منافع حاصل ہو سکتا ہے یہاں آئیں تو میں ان کی خاطر مدارات کروں، ان کی ہر خوشی پوری کروں انہیں شراب پلاؤں وغیرہ وغیرہ، پھر انہوں نے کئی ٹور لگوائے مجھ سے، کبھی جاپان، کبھی چیکوسلواکیہ، کبھی ایران، منشیات لے کر جانا ہوتا تھا اور اچھی خاصی آمدنی بھی ہو جاتی تھی۔ ساگا چوہدری اس میں سے تھوڑا بہت حصہ مجھے دیتا ہے، ویسے تنخواہ بھی ملتی ہے مجھے اور یہ تنخواہ میں بڑے آرام سے اپنے گھر بھجوا دیتی ہوں، میرے گھر میرے شوہر کے خطوط بھی جاتے ہیں جو میں خود لکھتی ہوں، میں نے ان لوگوں کو بتا دیا ہے کہ میں سکون سے ہوں اور میرے شوہر کا کاروبار ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے، کئی بار میری بہنوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں وہاں آؤں یا انہیں ایک ایک کر کے یہاں بلاؤں، میں ہر بار ٹال دیتی ہوں سارے ہی بہانے پورے ہو چکے ہیں، اب سختی سے یہ کہہ دینا پڑے گا کہ میں نہیں آ سکتی، یہ ہے میری کہانی اس دوران ساگا نے کچھ اور ذمے داریاں بھی میرے سپرد کیں مثلاً" رخسانہ اور وردانہ کا نام لیا، میں نے ایک اور لڑکی وحیدہ بھی تھی یہ سب بھی بالکل اسی طرح آئی تھیں، کچھ عرصے میرے پاس رہیں، میں نے انہیں سمجھایا بجھایا کہا کہ اب وہ کسی اور مصرف کی نہیں رہی ہیں ان کی تقدیر پر مہر لگ چکی ہے یہی ہونا تھا ان کے ساتھ قبول کر لیں بلا وجہ مار کھانے سے کیا فائدہ، بہت دن تک سرکشی کرتی رہیں اور اس کے بعد مان لی بات، ساگا کا جال اتنا کمزور نہیں ہوتا کہ کوئی اس سے نکل جائے اب تم آئی ہو دل چاہے تو کچھ وقت ایسے ہی نکال لو، اپنی خواہشات پوری کر لو، چیخو چلاؤ، روؤ پیٹو، بھاگنے کی کوشش کرو، سب بیکار ہو گا بہتر یہ ہے کہ اب ماضی کو بھول جاؤ، نئی زندگی کا آغاز کرو، ساگا کافی مراعات دیتا ہے ایسے لوگوں کو جو اس سے بھرپور تعاون کریں۔"

فوزیہ دہشت کے عالم میں یہ سب کچھ سن رہی تھی، بالآخر اس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا اتنی بلک بلک کر روئی کہ آسیہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، آہستہ سے اٹھی اس کے قریب پہنچی، اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر بولی۔

"ایسے نہ روؤ بھئی، ایسے نہ رو۔ خواہ مخواہ میں بھی مر جاؤں گی، کبھی کسی کو دلاسہ نہیں دیا میں نے، اپنے آپ کو بھی نہیں ایسے رو رہی ہو کہ دل میں درد جاگ رہا ہے، نہ رو خدا کے لیے نہ رو اگر آنسو نکل آئے تو اتنے عرصے کی تپسیا بھنگ ہو جائے گی، سب کچھ لٹ جائے گا میرا، ایک بار پھر اپنے آپ کو مظلوم سمجھنے لگوں گی، پھر دل میں کچھ جذبے جاگنے لگیں گے، دیکھو خدا کے لیے چپ ہو جاؤ، فوزیہ فوزیہ، فوزیہ۔" آسیہ کی سسکیاں جاری ہو گئیں، دونوں ایک دوسرے کے سینے میں سر چھپائے رو رہی تھیں۔

❋

حسینہ بیگم کو ثریا پسند آ گئی تھی۔ نہ صرف انہیں بلکہ ان کے اہل خاندان کو بھی۔ یہاں بہت سے لوگوں کا راج تھا، ہر

ایک کی اپنی اپنی رائے ہوتی تھی۔ ہر ایک کی رائے کا احترام ہوتا تھا۔ شوکت علی صاحب سے بات چیت ہوئی' طیب میاں سے پوچھا گیا اور نتیجہ بخیر نکلا۔ یعنی حسینہ بیگم اس شادی کے لیے راضی ہو گئیں۔ جمن بی کو بلا کر اس سلسلے میں مشورہ کیا گیا اور پھر حسینہ بیگم کی بڑی بہو پہنچ گئیں' مٹھائی کا ڈبہ لے کر۔ اچانک ہی پہنچی تھیں۔ پھر بھی نسیم بیگم نے خوب خاطر مدارات کی' حسینہ بیگم کی بڑی بہو نے کہا۔

"اماں نے کہا ہے کہ کوئی رسم کر لی جائے' آپ لوگ مشورہ کر کے ہمیں کوئی وقت دے دیں۔ دلہن کو کوئی زیور پہنا جائیں' منگنی کا تو ہمارے ہاں رواج نہیں ہے' بس چند افراد آئیں گے اور کوئی زیور پہنا جائیں گے۔ باقی باتیں اماں آپ سے خود کریں گی۔"

"ٹھیک ہے میں آپ کو اطلاع کرا دوں گی۔" نسیم بیگم نے کہا۔

فاطمہ بیگم بھی اس معاملے میں بہو سے مفاہمت کر رہی تھیں اور کوئی بڑا اختلاف ابھی تک سامنے نہیں آیا تھا۔ جب بڑی بہو چلی گئی تو فاطمہ بیگم نے کہا۔

"ژژ' ہر معاملے میں خود ہی بول پڑتی ہو۔ اے یہ تک نہ ہوا کہ آنے والی سے بولتیں کہ گھر میں بڑی اماں ہیں ان سے بات کرو' لیکن بی بی تم نے ہمیں کبھی کچھ سمجھا ہی کب ہے۔ خیر نیک کام ہے' تمہاری بیٹی کا ہی نہیں ہماری پوتی کا بھی معاملہ ہے' ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ خدا خیر کرے اور یہ بیل منڈھے چڑھے۔"

"شکر ہے اماں' کہیں تو اللہ نے تمہارے دل میں نیکی ڈالی۔ لڑنے کا یہ موقع ملا تھا تمہیں' ٹال دیا ہے' تمہارا شکریہ۔ اب اگر کوئی آئے تو آگے بڑھ کر اس کی گود میں جا بیٹھنا' مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ میں کب کہتی ہوں کہ تمہاری پوتی نہیں ہے۔ بس دعائیں ہی دو اور فساد سے گریز کرو۔"

"اے بوا لو۔ یعنی زبان ہے کہ چھری' کیسے ہی چلا لو وار ضرور کرتی ہو' ہیں' میں کہتی ہوں اماں نے کیا کھا کے جنا تھا تمہیں مٹھاس تو ہے ہی نہیں زبان میں۔"

"شروع ہو گئیں ناں' میری اماں تک پہنچنے کی کوشش کیوں کر رہی ہیں؟ ہیں۔ میں نے کیا کہا ہے آپ سے۔"

"لو بوا' ایک زبان میں ہزار باتیں کر ڈالو اور کہہ دو کہ کچھ کہا ہی نہیں۔"

"اماں! تم سے تو خدا ہی سمجھے' بس میرے دماغ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اب ہر وقت تم سے چخ چخ کرتی رہوں معاف کر دو مجھے۔" نسیم بیگم نے دونوں ہاتھ کہنیوں تک جوڑے اور اس کے بعد اندر ہی چلی گئیں۔ دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا تھا۔ بیٹی کا معاملہ تھا۔ دل پر ذرا سا دباؤ پڑا تھا' بیٹی کے گھر سے رخصت ہو جانے کے تصور سے' اس لیے لڑنے کو جی نہیں چاہا تھا۔ ورنہ محاذ تو تیار ہونے میں ایک لمحہ نہیں لگتا تھا۔ کوئی اہم بات ضروری نہیں تھی' بس موضوع کچھ بھی ہو' ان خواتین کی مہارت قابل دید تھی۔ لڑائی کا موقع نکال ہی لیا کرتی تھیں۔

شام کو حکمت علی آئے تو ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ نسیم بیگم نے مفاہمت کے ارادے سے فاطمہ بیگم سے ہی کہا تھا۔

"اماں بتا دیجیے بیٹے کو حسینہ بیگم کی بہو کی آمد کے بارے میں؟"

"شکریہ بی بی تمہارا۔ چلو شکر ہے آج ہماری تقدیر بھی کھلی ــــــ وہ حکمت علی' حسینہ بیگم کے ہاں سے ان کی بڑی بہو آئی تھیں۔ کہہ رہی ہیں کوئی رسم کر لی جائے چھوٹی موٹی اور اس میں آگے کی باتیں طے کر لی جائیں' بتاؤ کون سا دن رکھو گے؟"

"رسم کیا ہوگی؟" حکمت علی نے پوچھا۔

"کوئی زیور چڑھائیں گی' منگنی تو ہوتی نہیں ان کے ہاں اور میاں ٹھیک بھی ہے' منگنی بہت سی مصیبتوں کی جڑ ہوتی ہے' پچاس جھگڑے نکلتے ہیں بیچ میں' یہ کرو وہ کرو' پھر عیدیاں دو بقر عیدیاں دو' چیزیں بھیجتے رہو' بڑا مسئلہ بن جاتا ہے' میں کہتی ہوں یہ چھوٹی موٹی رسم ٹھیک ہے' ویسے حکمت علی ایک تجربے کی بات کہوں؟"

"جی اماں کیوں نہیں۔"

"میاں' اللہ کا نام لے کر جیسے بھی ہو سکے' بندوبست کر ڈالو۔ تھوڑا بہت اللہ کا دیا میرے پاس موجود ہے۔ دونوں بچیوں

...لیے ہے بنا کر رکھے ہوئے ہیں' پرانا زیور ہے ایسا کرو اسے بدلوا لو۔ نئے زمانے کے ڈیزائن کے زیور لے لو' چار چار ...ڑیاں' بندے اور ایک ایک گلے کا ہار۔ یہ تو میں دے دوں گی' کچھ پیسے بھی ہیں نقد' آدھے ثریا کے لیے آدھے پروین کے ...ے ثریا کا حصہ لے لو۔"

نسیم بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں' زندگی میں پہلی بار ایک دم سے فاطمہ بیگم پر پیار آیا تھا۔ یہ تو بڑی کام کی ...بی نکلیں' سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ اتنی بڑی پیش کش کر دیں گی' کہیں کوئی الٹی سیدھی چیز تو نہیں کھا گئیں۔ بغور فاطمہ ...کو دیکھا لیکن صورت حال ایسی تھی کہ کچھ کہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھیں' حکمت علی خود بھی حیران تھے' منہ پھاڑ کر ...لے۔"

"اماں ــــــ؟"

"ہاں میاں کہو بولو ــــــ"

"اماں! یہ سب کچھ چھپا کر رکھا ہوا ہے آپ نے؟"

"ہاں میاں بے فکر رہو' تمہاری بیوی کے ٹرنک سے چوری نہیں کیا ہے۔ اپنا ہے سارے کا سارا' نجانے کب سے ...ت بینت کر رکھ رہی ہوں' بہو بیگم کو تو اللہ رکھے کبھی اس چیز کا خیال ہی نہیں آیا۔ پھوہڑ رہی زمانے بھر کی۔ کیا جمع جتھا کیا ...منہ کا راستہ ہی کھلا ہوا ہے' یہ کھایا وہ کھایا ــــ یہ پہنا وہ پہنا' کبھی یہ کبھی وہ۔ مگر میں جانتی ہوں کہ دنیا کیا چیز ہے۔"

حکمت علی نے گھبرا کر نسیم بیگم کی جانب دیکھا۔ خیال یہ تھا کہ بس اب جنگ بندی ختم ہوئی اور توپوں نے گرجنا شروع کر ...لیکن اس وقت ششدر رہ گئے' جب نسیم بیگم نے مدھم لہجے میں کہا۔

"اماں لاکھ برا کہو' کوسو' پیٹو مجھے' زندگی تمہارے ہی ساتھ گزر گئی۔ تمہارے سگھڑپے سے کچھ تھوڑا بہت تو سیکھا ہی ہے ...نے' چلو زمانے بھر کی پھوہڑ ہی سہی' لیکن تمہاری دعاؤں سے تھوڑا بہت میں نے بھی جمع کیا ہوا ہے۔"

"ایں۔" فاطمہ بیگم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھا۔ پھر جلدی سے اٹھ گئیں۔

"او بی بی' کہیں تم نے مجھ پر ہی تو ہاتھ نہیں صاف کر دیا۔"

حکمت علی کو فاطمہ بیگم کی یہ بات بہت بری لگی تھی لیکن خاموش رہے' نسیم بیگم کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے رہے اس ...بھی برا نہیں مانی تھیں۔ حکمت علی موقع غنیمت دیکھ کر جلدی سے بولے۔

"نسیم بیگم! تمہیں خدا کا واسطہ' زندگی میں بہت کم مانگا ہے میں نے تم سے کچھ' لیکن اس وقت مانگ رہا ہوں خوشی کا یہ ...زندگی میں پہلی بار آ رہا ہے۔ ماں نے جو کچھ کیا ہے اگر وہ سچ ہے تو یوں سمجھ لو بہت سے دلدر دور ہو جائیں گے' ارے ہم ...ی کیا سکتے ہیں' جو کچھ بھی ہے اسے جمع کرنا بڑا مشکل کام ہوگا اگر ماں سے اتنی مدد مل جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ کمال ہو ...گا۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں' کوئی دشمنی تھوڑی ہے مجھے اماں سے بس زبان خراب ہے ان کی نجانے کیا کیا اول فول بکتی رہتی ...ے تو ایک آنکھ دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔ چلو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں ہے' بیٹیاں چلی جائیں گی تو ہم دو ہی رہ جائیں گے' ...یا گزری گزار دیں گے۔ تم کیوں فکر کرتے ہو؟"

"تمہارا شکریہ نسیم بیگم۔ تمہارا بے حد شکریہ۔"

...طمہ بیگم تھوڑی ہی دیر کے بعد واپس آ گئی تھیں۔ چہرے پر اطمینان کے آثار تھے' ہنس کر کہنے لگیں۔

"ارے آج زینیا کو کیا ہو گیا' ہری مرچوں کا کال پڑ گیا ہے بازار میں۔ کوئی جواب نہیں دیا تم نے نسیم بیگم۔"

"اماں! کیا جواب دوں آپ کو۔ آپ نے تو زندگی ہی ایسی گزاری ہے' ہمیشہ ہی مجھے برا بھلا کہتی رہیں' چلیں ٹھیک ہے' ...ئیے۔ میں ابھی حکمت علی کو یہی بتا رہی تھی کہ کل جب دونوں بیٹیاں گھر سے چلی جائیں گی تو ہم دو ہی بڑھیاں ہوں گی ...بس لڑیں گے' جھگڑیں گے' لیکن ساتھ جئیں گے ساتھ مریں گے۔"

...طمہ بیگم آبدیدہ ہو گئیں' کہنے لگیں۔ "اے اللہ تمہاری عمر دراز کرے' بیٹیوں کا سکھ دیکھو' ہزاروں سال جیئو' مرنے ...کی باتیں کیوں کرتی ہو' مجھ بڑھیا کا کیا ہے' آج مری کل دوسرا دن۔ نسیم بیگم سچ مانو' بس زبان میں کھجلی ہوتی ہے۔ آدمی گھر

میں بیٹھ کر اور کرے بھی کیا۔ تم سے لڑ لیتی ہوں ذرا ایسا لگتا ہے جیسے جی بہل گیا۔"
حکمت علی قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ پھر بولے۔ "آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ سر کے بل صحن کے بیچ میں الٹا کھڑا ہو جا
یہ سورج آج مغرب سے نکل رہا ہے' زمین آسمان ایک ہو گئے ہیں اللہ اللہ۔"
"اے بکومت' چلو جاؤ بازار سے کچھ لے کر آؤ' کوئی میٹھی چیز۔ لو یہ پیسے میں دے رہی ہوں۔"
حکمت علی نے جلدی سے فاطمہ بیگم کے ہاتھوں سے پیسے لیے اور باہر نکل گئے۔ فاطمہ بیگم چیخیں۔
"اے حکمت علی! گرم جلیبیاں ہوں تو اچھا ہے اور امرتیاں مل جائیں تو بات ہی کیا۔ کم بخت موئی ماری اس محلے
کھانے پینے کی چیزوں کا کال ہے' کوئی بھی ڈھنگ کی چیز جو مل جائے۔"
پھر فاطمہ بیگم نسیم بیگم سے بولیں۔ "بہو کیا کیا ہے' اب بھی مجھے بتاؤ گی یا نہیں؟"
"اماں! اٹھائیس جوڑے جمع کیے ہوئے ہیں' تھوڑا سا زیور ہے میرا اپنا تمہیں تو پتا ہی ہے' کوئی دو ہزار روپے بھی
رکھے ہیں' یہ ہے میری کل کائنات۔ ویسے تمہاری دعا سے برتن بھاڑے تو موجود ہی ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے اماں کہ
نام لے کر ثریا کو بیاہ دو' اس کے بعد پروین کا اللہ مالک ہے آگے کا وقت دیکھیں گے جیسا بھی ہوا' جو کچھ بھی ہوا۔"
"بی بی میں نے تو ہمیشہ جو بھی چیز رکھی دو ہی حصوں میں رکھی۔ اب اللہ رکھے اگر اٹھائیس جوڑے ہیں تو چود
جوڑے تو ہو گئے' ایسا کرو تین تین جوڑے اور بنا لو' سترہ سترہ ہو جائیں گے' غریب غرباء میں بس اتنا ہی دیا جاتا ہے۔
بھاڑے بھی ذرا نکال کر رکھنا تانبے کے برتن قلعی کرانے ہوں گے اور دیکھ لیں گے جو جو بھی ہیں۔"
"اماں سب کچھ آپ کے سامنے نکال کر رکھ دوں گی۔ آپ جانیں آپ کا کام!"
اس گھر میں واقعی ماحول الٹا ہو گیا تھا' لڑائی جھگڑے تو یہاں کے رسم و رواج میں شامل تھے لیکن آج کچھ ایسی بات
تھی کہ دونوں ساس بہو میں خاصی مفاہمت نظر آ رہی تھی۔ پروین اور ثریا بھی اس گفتگو میں بے حد دلچسپی لے رہی تھیں
چائے بنی' گرم گرم امرتیاں حکمت علی کہیں دور جا کر لائے تھے۔ جانتے تھے کہ ماں کو امرتیاں پسند ہیں بس
نشست جم گئی۔ اگر اس گھر کو جاننے والے اس وقت یہاں کا یہ ماحول' یہ منظر دیکھ لیتے تو یہی سوچتے کہ کسی غلط جگ
ہیں' شیر اور بکری بھلا ایک گھاٹ پانی کہاں پیتے ہیں' لیکن اس وقت یہ بھی ممکن ہو گیا تھا۔
حسینہ بیگم انتہا پسند تھیں' کئی کمائیاں گھر میں آ رہی تھیں۔ طرز زندگی کچھ ایسا اعلیٰ نہیں تھا۔ معمولی قسم کے لو
جب جاہلوں کو یہ سوچنے کا موقع مل جائے کہ وہ بڑے ہیں اور ذہانت رکھتے ہیں تو پھو جہالتوں کی اعلیٰ ترین مثالیں سا
ہیں۔ یہ گھر اسی کیفیت کا حامل تھا شوکت علی صاحب کی الگ اپنی دنیا تھی۔ حسینہ بیگم نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ
تھی۔ بہوئیں۔ بیٹیاں اور پھر ممانیاں اور پھوپیاں۔ طیب علی چونکہ سب سے چھوٹا تھا اس لیے اس کی چاہتیں بھی زی
اور ناز نخرے بھی بہت اٹھائے جاتے تھے۔ اس سے منسوب لڑکی کے لیے بھلا جو کچھ نہ ہو جاتا کم تھا۔ بہت کچھ ہ
بہت کچھ ہو رہا تھا۔ جب دیکھو کبھی پھلوں کا ٹوکرا ثریا کے لیے جا رہا ہے' کبھی مٹھائی کے دونے' کبھی یہ' کبھی وہ۔۔۔
ہیں تو یہ بڑا دیگچہ وہاں پہنچ رہا ہے۔ آخر بہو کا حق بھی ہے۔ حکمت علی تو ان تمام چیزوں کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو جا
اس دن جب موسم کے پھل پہنچے تو وہ ماں سے کہنے لگے۔
"اماں! ان چیزوں کے لیے منع کریں ناں ان لوگوں کو' ہم تو جواب میں کچھ بھی نہیں بھجواتے اور وہاں سے
کیا چلا آتا ہے۔"
"اے میاں کس جنگل میں رہتے ہو' ایسا ہوتا ہے لڑکے والے زیادہ کرتے ہیں' تم بھی کسی وقت تھوڑے
فروٹ خرید کر وہاں بھجوا دینا۔ لڑکی کے لیے تو یہ چاہتیں ہوتی ہی ہیں۔"
نسیم بیگم بولے بغیر نہ رہ سکیں۔ "اماں ہمارے ہاں تو آپ نے کبھی کچھ نہ بھجوایا۔"
حکمت علی کھانس کر بولے۔ "بھئی وہ نسیم بیگم تمام تیاریاں مکمل ہو گئی ہیں ناں۔ میرا۔ میرا مطلب ہے وہ
ہے ان لوگوں کو؟"
نسیم بیگم نے کہا۔۔۔۔ "ہاں اماں نے سارے انتظامات کر دیے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اماں

ملاحتیں پہلی بار منظر عام پر آئی ہیں۔"
فاطمہ بیگم جو نسیم بیگم کی بات پر پھلا رہی تھیں اور مرغے کی طرح گردن اکڑائی تھی انہوں نے' نسیم بیگم کی یہ بات سن
کر کچھ الجھن کا شکار ہو گئیں۔ پہلی بات کا جواب دیں یا دوسری بات پر خوش ہوں۔ بہرحال حکمت علی کی حکمت کام آ گئی
تھی۔ یہ معاملہ آگے نہیں بڑھ سکا۔
تقریب کا دن آ گیا۔ حکمت علی نے اپنی مقدور بھر کوشش کی تھی۔ پہلی بار ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ مہمانوں کی بھرمار ہے'
چنانچہ انہوں نے مناسب انتظامات کیے تھے اور ہوا بھی یہی۔ پوری بارات کی بارات آئی تھی' بلکہ کافی لوگ آئے تھے' لے
کر بھی بہت کچھ آئے تھے' زیور بھی اچھا خاصا وزنی تھا جو پہنایا گیا۔ بہرطور حکمت علی نے بھی خاطر خواہ پذیرائی کی تھی۔ حسینہ
بیگم کہنے لگیں۔
"بھائی صاحب! جو کچھ آپ کے ہاں ہوتا ہو' وہ ہمیں بتا دیجیے۔ جو کچھ ہمارے ہاں ہوتا ہے وہ ہم آپ کو بتا دیں' میں یہ
چاہتی ہوں کہ اب جب اس نیک کام کے لیے قدم اٹھایا ہے تو اس میں دیر نہ کی جائے' جتنی جلدی ہو سکے یہ کام کر لیا
جائے۔ دیکھیے نا جتنے منہ اتنی باتیں۔ ادھر ادھر کے لوگ لگائی بجھائی کرتے ہیں اس کا بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنا فرض پورا
کر لیں۔"
"بھائی شوکت علی کیا چاہتے ہیں معلوم تو ہو؟"
شوکت علی صاحب بولے۔ "بس جی معلوم کیا ہونا ہے' یہ کون سا مہینہ ہے میرا خیال ہے' رجب کی کوئی تاریخ رکھ لیتے
ہے۔"
"ارے رجب میں تو صرف دو مہینے باقی ہیں۔" حکمت علی بولے۔
"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ بھئی وہ مثل ہے نا کہاوت ہے نا کہ بیٹی کو جس قدر جلد کر سکتے ہو رخصت کر دو' فائدہ رہتا
ہے۔"
"مگر دو مہینے۔" حکمت علی نے فاطمہ بیگم کی طرف دیکھا۔ فاطمہ بیگم جلدی سے بولیں۔
"تو ٹھیک ہے نا' بہت ہوتے ہیں سگھڑ گھرانوں کے لیے دو مہینے' کون سی ایسی مشکل بات ہے' ٹھیک ہے میاں ہم تیار
ہے۔"
"تو پھر تاریخ بھی آج ہی طے کر لی جائے۔"
"جیسا تم مناسب سمجھو۔"
رجب کی ستائیس تاریخ طے کر لی گئی اور اس طرح یہ خوشیاں دوبالا ہو گئیں۔ مہمان رخصت ہو گئے پروین اداس تھی'
ساکت۔ ان لوگوں کے رنگ ڈھنگ جو لڑکیاں دیکھ رہی تھیں وہ کچھ بہتر نظر نہیں آ رہے تھے۔
اس دن کے بعد سے تو پھر اس طرح آنے جانے والوں کا تانتا لگا کہ حکمت علی کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔ ایک ایک
سنبھال کر خرچ کرنا تھا لیکن کبھی ممانی' ماموں کے ساتھ آ رہی ہیں تو کبھی پھوپی' پھوپا کے ساتھ۔ رشتے داروں کا طومار تھا
کا رہتا تھا' یہ لوگ تو ایک آدھ بار ہی ان کے گھر گئے' لیکن وہاں سے ہر روز یہ اطلاع آ جاتی تھی کہ آج شام کو فلاں آ رہا
آج شام کو فلاں۔"
ثریا سے برداشت نہ ہو سکا۔ پروین سے کہنے لگی۔
"پروین۔۔۔"
"ہاں باجی۔"
"تجھے کیسا لگ رہا ہے یہ سب کچھ۔؟"
"باجی بہت اچھا۔ ظاہر ہے آپ کی شادی کا معاملہ ہے۔" پروین بولی۔
"ایک بات کہوں پروین؟"
"جی باجی۔"

"میرے خیال میں یہ بہتر نہیں ہو رہا ہے۔"

"کیوں باجی؟"

"یہ لوگ کچھ رنگ دکھائیں گے۔ میرا دل کہتا ہے' یہ لوگ کچھ رنگ دکھائیں گے' مجھے ابو اور امی کی کسی بات پر کوا
اعتراض نہیں ہے' میرے ذہن میں کوئی بھی تصور نہیں ہے لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا نتیجہ اچ
نہیں نکلے گا' یہ نو دو لتیے لوگ ہیں ان کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں لیکن میرے ابو تنہا ہیں' بالکل تنہا' کوئی بھی نہیں ہے جو ا
کے شانے کے ساتھ شانہ ملا کر کھڑا ہو جائے۔ نجانے کیوں پروین آج میرا دل بہت بری طرح دھڑک رہا ہے' میں یہ محسو
کر رہی ہوں کہ یہ سب کچھ اچھا نہیں ہے۔"

پروین پھٹی پھٹی آنکھوں سے ثریا کو دیکھتی رہی۔ ثریا کی آنکھوں کی کوریں بھیگ رہی تھیں۔ پروین نے کہا۔

"امی سے بات کروں۔۔۔۔۔؟"

"پاگل ہوئی ہو' کیا فائدہ ہو گا اس سے کیا فائدہ ہو گا؟"

پروین بھی ثریا کی اس بات پر پریشان ہو گئی تھی لیکن دونوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ماں باپ کے سامنے ایسے
مسئلے پر زبان کھولیں' ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لے کر خاموش ہو گئی تھیں۔

***

شکیل ایک ذہین نوجوان تھا' یہ دوسری بات ہے کہ ہر طرح کے تجربات کا دعویٰ نہیں رکھتا تھا' خصوصاً" عورت سے
کا واسطہ تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا' تجربہ تھا ہی کتنا' ماں باپ کی آغوش سے اسکول' کالج' یونیورسٹی اور اس کے بعد نوکر
کی تلاش پھر سلطانہ جمالی' ہاں اس دوران سدرہ جیسی لڑکیاں بے شک اس کی زندگی میں آئی تھیں اور وہاں عورت ایک
انداز میں سامنے آئی تھی لیکن وہاں بھی عورت پر تجربات کا موقع نہیں ملا تھا سلطانہ جمالی کے خلوص اس کی توجہ' پہلی ن
اور اس کے بعد کے حالات جو بالآخر یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ اس نے مجرمانہ طور پر سلطانہ جمالی سے شادی کرلی تھ
والدین سے انحراف کا تصور اس نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا جنہوں نے اپنی تمام تر محبتیں اس پر مرکوز رکھی تھیں' نہ ا
زندگی میں کوئی اور تھا اور نہ ہی شکیل کی زندگی میں ان جیسی محبت کرنے والا کوئی اور شخص' ایک اور کردار بھی زند
شامل تھا' بچپن کی معصومیت سے لے کر جوانی کی سرحدوں تک اس کا ایک مخصوص انداز رہا تھا' لیکن جب شکیل
محسوس کیا کہ کلیم احمد صاحب کی صحتیں مذہبی اور سماجی طور پر بے شک انتہائی مستحکم ہیں لیکن اس دور میں عملی زند
گئی ہے اور اب سوچنے والوں کا انداز یہ ہے کہ روشنی کی جانب لپکو' اندھیروں میں سفر کرتے رہے تو پھر یہی اندھیر
سے چمٹ جاتے ہیں۔

ہر طرح کے تجربات کر لیے تھے اس نے اس کی قابلیت مسلم تھی لیکن لوگوں نے اسے تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ بعض
اس کی قابلیت کا مذاق اڑایا گیا تھا' وہ اس مذاق کو کیسے برداشت کر لیتا چنانچہ اس نے اسی دور کے لوگوں کا ساتھ
فیصلہ کر لیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے اس کا بھرپور صلہ مل رہا تھا وہ کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں سو
کہ لوگ جس طرح سیاروں کی باتیں کرتے ہیں اسی طرح سوئٹزرلینڈ' لندن اور پیرس شکیل جیسے پسماندہ گھرانے
رکھنے والے شخص کے لیے کسی سیارے ہی کی کہانی ہو سکتے تھے' لیکن آج اس کے قدم اس سیارے تک پہنچ چکے
کرتا تو اپنے آپ کو بہت بڑی حیثیت کا مالک پاتا تھا۔

سلطانہ جمالی کے کاروباری حریفوں کو شکست دینے کے بعد اس نے سلطانہ جمالی کو جس قدر مالی فائدے پہنچا
بہرحال ایک ملازم کی حیثیت سے تو بہت کچھ تھے لیکن اس سے زیادہ کیا تھے' سلطانہ جمالی نے اسے اس کی کاوشوں
صلہ دیا تھا اور آج اس مقام پر لا کھڑا کیا تھا' جہاں بڑے بڑے تصور بھی نہیں کر سکتے۔

"میری نگاہیں اس پسماندہ معاشرے کو دیکھنے کی عادی ہیں جہاں آج تک برقعوں کا رواج ہے' جہاں چھوٹی چھو
بہت بڑی اہمیت دی جاتی ہے' لیکن یہ روشن زندگی جس میں ایک باپ اپنی بیٹی کو اس لیے آگے بڑھاتا ہے کہ ا
کا مالی فائدہ حاصل ہو جائے' یہ ذرا مختلف ہے اسے سمجھنا ضروری ہو گا۔ اسی طرح سلطانہ جمالی اگر اپنے کسی د

ساتھ تھوڑی سی فری ہو کر گفتگو کر لیتی ہے تو اس کے کردار پر شک کرنا مناسب نہیں ہے' میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو تکدر کا
شکار کر رہا ہوں' مجھے یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ کہیں کل سلطانہ جمالی کو یہ کہنے کا موقع نہ مل جائے کہ اس سے غلطی
ہوئی تھی' اسے یہ خیال رکھنا چاہیے تھا کہ اس گلی سے نکل کر آنے والا جس کے لوگ کنوئیں کے مینڈک بنے ہوئے ہیں
اور اپنے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے اتنے بڑے منصب کے قابل نہیں تھا۔"

بہرحال شکیل اپنے آپ کو سمجھاتا رہا' سلطانہ جمالی اس تک پہنچی تو نجانے کیوں اس کے انداز میں ہلکی سی لرزشیں پائی
جاتی تھیں' مسکراتی نگاہوں سے شکیل کو دیکھا ہونٹوں پر بھی مدھم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی' لیکن اس مسکراہٹ میں پھیکا
پن نمایاں تھا۔

"تم بور تو ہو گئے ہو گے شکیل؟"

شکیل نے اس دوران اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا' حیرانی سے بولا۔

"نہیں بوریت کی کیا بات تھی اس میں؟"

سلطانہ جمالی کے چہرے پر اطمینان کے آثار پھیل گئے اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اگر کچھ وقت نادر شاہ کے ساتھ گزار لو تو تمہیں بھی یہ احساس ہو جائے گا کہ کیسی عجیب و غریب شے ہے وہ' بہت پرانا
ساتھی ہے میرا' بہت عرصہ ہم لوگوں نے ساتھ گزارا ہے لیکن بڑا لاابالی سا آدمی ہے زندگی میں کبھی یکسانیت کو قبول ہی نہیں
کرتا' اس کا کہنا ہے کہ یکسانیت موت کا نام ہے اور موت سے پہلے یکسانیت کو اپنا لینا خودکشی کرنے کے مترادف ہے'
تمہاری کیا رائے ہے اس سلسلے میں شکیل؟"

"یقیناً اگر مجھ سے زیادہ ذہین لوگوں نے اس انداز میں سوچا ہے تو وہی درست ہو گا' ویسے میں نے کبھی اس کا تجربہ نہیں
کیا۔"

"خیر اب یہ بتاؤ ہمارا آئندہ پروگرام کیا ہو گا؟" سلطانہ جمالی خواہ مخواہ گفتگو کرنے کی کوشش کر رہی تھی جیسے شکیل کو
بہلاوں میں لینا چاہتی ہو لیکن یہاں بھی شکیل نے اپنے آپ کو سمجھایا اس نے سوچا کہ یہاں بھی ایک اچھی بیوی کی مانند وہ
اسے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی ہے' ظاہر ہے وہ الفاظ نہیں استعمال کر سکتی جو عامیانہ ہوں بہرحال اس نے سلطانہ جمالی
کو مکمل طور پر یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہے اور یوں معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

سوئٹزرلینڈ کا برن ایسی جگہ نہیں تھی جہاں زندگی سست رفتار ہو جائے' متعدد تفریحات تھیں لیکن یہاں آ کر شکیل اور
سلطانہ جمالی تنہا نہیں رہے تھے' ہر پروگرام میں نادر شاہ شریک ہوتا بلکہ بعض جگہ شکیل نے نادر شاہ کے انداز میں تکدر
محسوس کیا تھا' نادر شاہ غالباً" اس کی موجودگی سے کبھی کبھی بد دل ہو جاتا تھا۔ پھر ایک دن سلطانہ جمالی نے اس سے کہا۔

"شکیل! میں نادر شاہ کے ساتھ زیورچ جا رہی ہوں' وہاں بھی کچھ کاروباری معاملات ہیں' تمہیں جنیوا جانا ہے میں
تمہیں تمام تفصیلات سمجھائے دیتی ہوں' جنیوا میں تم اس پارٹی کو ہینڈل کر لو مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے
کام سرانجام دے سکتے ہو۔"

شکیل نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ وہ جنیوا روانہ ہو گیا۔ ان دونوں کو یہیں چھوڑ کر ذہن میں ہلکا سا بال ضرور تھا لیکن وہی
بات آڑے آ جاتا تھا' روشنی کی دنیا کے لوگ ایسی باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے' یہی وجہ ہے کہ وہ ترقی کی منزلیں طے
کرتے چلے جا رہے ہیں اور ان کی کائنات بہت وسیع ہے۔

جنیوا میں اس نے پورے اعتماد کے ساتھ اس پارٹی کو ہینڈل کیا' کاروباری امور میں تو وہ بے پناہ مہارت رکھتا تھا' بڑی
خوش اسلوبی سے اس نے سارے کام سرانجام دیے اور اس کے بعد واپس برن پہنچ گیا ہوٹل کے کمرے اسی طرح رہنے
دیے گئے تھے' سلطانہ جمالی زیورچ سے واپس نہیں آئی تھی' شکیل کے پہنچنے کے بھی دو دن بعد وہ واپس لوٹی' نادر شاہ اس کے
ساتھ نہیں تھا' کہنے لگی۔

"ہیلو شکیل' کب واپس آ گئے بھئی تم' اس دوران تم سے رابطہ ہی نہیں رہا؟"

"میں تو اپنا کام سرانجام دے کر دو دن ہوئے واپس آ چکا ہوں۔"

"سنو کیسی ڈیل رہی اس پارٹی سے؟"
شکیل تفصیلات بتانے لگا' سلطانہ جمالی مسرور لہجے میں بولی۔
"سچی بات یہ ہے کہ تم الہ دین کے چراغ کے جن کی مانند میرے ہاتھ آ گئے ہو' میں اتنی بڑی بڑی ڈیل نہیں کر سکتی۔ نا
شاہ بھی بہت اعلیٰ دماغ رکھتا ہے لیکن کاروباری نہیں' پتا نہیں اس کی تربیت کیسے ہوئی تھی' وہ جرائم کے راستوں پر نکل گ
ہے' اب زیورچ سے جاپان چلا گیا بس کچھ کام مل گیا تھا اسے' لیکن کمال کا آدمی ہے' خوب کماتا ہے اور خوب اڑاتا ہے
اگر یہ شخص جم کر اپنی زندگی بنانے پر مل جاتا تو یقین کرو بہت بڑا سرمایہ دار ہوتا اور کچھ نہیں اپنے فن میں یکتا ہے۔" سلطا
جمالی' نادر شاہ کی بے پناہ تعریفیں کرتی رہی پھر اس کے بعد شکیل کو محسوس ہوا کہ وہ اپنی زندگی میں واپس آ گئی ہے' نادر ش
جاپان چلا گیا تھا سلطانہ جمالی کا وہی روپ دوبارہ جاری ہو گیا تھا' شکیل سے محبت کا اظہار' اس کی قربتیں اس کی ہر بات
خیال رکھنا' یہ سب کچھ شکیل کو دوبارہ حاصل ہو گیا' خاصا طویل دورہ رہا تھا سوئٹزرلینڈ سے یہ لوگ وسطی یورپ کے اور ب
علاقوں میں گئے پھر اٹلی سے سلطانہ جمالی نے وطن واپس جانے کا پروگرام بنایا' خاصا وقت گزر چکا تھا' اس میں کوئی شک نہ
کہ یورپ کی حسین زندگی شکیل کو بے حد پسند آئی تھی لیکن اپنے وطن کی یادیں بھلا کسی سے کہاں چھوٹتی ہیں۔
وطن واپسی کے تصور نے شکیل کے دل میں ماں باپ کا خیال جگا دیا اور اس کا دل تڑپنے لگا' بہرطور ان محبتوں سے
کسی طور انکار نہیں کر سکتا تھا جو ماں باپ سے اسے ملی تھیں اور جو خود اس کے دل میں ماں باپ کے لیے تھیں' بے
خریداری کی اس نے' رقیہ بیگم اور کلیم احمد کے لیے خصوصی طور پر اس نے کلیم احمد کے لیے مصنوعی ٹانگ کے دو تین
خریدے۔ ان میں ایسی جدید ساخت کی ٹانگیں جو جسم پر ہر طرح سے فٹ آ جاتی تھیں' سلطانہ جمالی میں یہ خوبی تھی کہ پی
کے معاملے میں وہ انتہائی فراخ دل تھی' اس نے شکیل کو کبھی یہ سوچنے کا موقع نہیں دیا تھا کہ اس کی دولت سے صرف
کا کوئی تعلق ہے بلکہ ہر طرح سے اس بارے میں شکیل کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ شکیل نے اپنے طور پر خریداری کی تو
نے اپنے طور پر ان لوگوں کے مزاج کے مطابق خریداری کی اور بے شمار سامان سے لدے پھندے یہ لوگ بالآخر اپنے
چل پڑے۔
شکیل نے اپنے ذہن سے وہ سارا تکدر مٹا دیا تھا جو سلطانہ جمالی کے لیے اس کے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ ایئرپورٹ
سیدھے گھر واپس پہنچے تھے اور سلطانہ جمالی نے اس سے درخواست کی تھی کہ ابھی وہ فوراً ہی اپنے گھر جانے کی جلد باز
کرے' جو کچھ کر کے آئے ہیں اس کے تمام ڈاکومنٹس تیار کر لیے جائیں تاکہ ادھر کا کام بہتر طریقے سے جاری رہے'
نے کہا تھا کہ اور بھی بہت سے منصوبے بنانے ہیں اسے۔
شکیل نے اس بارے میں اس سے تعاون کیا تھا حالانکہ جذبات کہتے تھے کہ فوراً ہی ماں کے قدموں میں پہنچ جا
لیکن جذبات کے ہاتھوں کھیلنا نقصان دہ ہوتا ہے۔ سلطانہ جمالی کی اگر یہ خواہش ہے تو اس کی تکمیل میں کوئی حرج نہیں
سلطانہ جمالی خود بھی کوٹھی سے باہر نہیں نکلی اور اس نے ملازموں سے بھی کہہ دیا کہ اس کی واپسی کی اطلاع کسی کو
جائے' وہ اپنے طور پر بہت سے کام کرنا چاہتی ہے' یہاں سلطانہ جمالی نے تمام کاروباری امور پر گفتگو کی اور کہنے لگی۔
"شکیل! میں تمہیں اس تمام کاروبار کے سربراہ کے طور پر آگے بڑھانا چاہتی ہوں اور میری خواہش ہے کہ تم
طریقے سے اسے سنبھالو' لوگ میرے بجائے تم سے ڈیل کریں' ظاہر ہے اب تمہارا تعلق میری زندگی سے سطحی نہیں۔
سب کچھ تمہارا ہی ہے' دو چار دن کے بعد بینکوں میں اپنے اکاؤنٹ الگ کر لو تاکہ تمہیں پورے اعتماد کے ساتھ کام
موقع مل سکے۔"
اس کے ان الفاظ نے شکیل کے دل سے تمام کدورتیں دھو دیں' وہ مخلص ہے یہ دوسری بات ہے کہ جس کلچر
کا تعلق ہے وہ مختلف ہے' بعد میں سلطانہ جمالی نے کہا۔
"شکیل! بس ایک بات میرے لیے ذرا افسوس ناک ہے' وہ یہ کہ تم بٹے ہوئے ہو' میں تو اس بات پر بھی تیار
کلیم احمد صاحب اور تمہاری والدہ یہاں اسی کوٹھی میں آ جائیں ہم ہر طرح سے ان کی خدمت کریں گے' جو میرے
ہیں وہ میں پورے کروں گی' تمہیں بھی آزادی ہو گی کہ جس طرح چاہو اپنے والدین کے ساتھ ڈیل رکھو بھلا مجھے کیا

سکتا ہے۔"
شکیل نے اس کی مخلصانہ پیشکش پر شرمندگی محسوس کرتے ہوئے کہا۔
"اصل میں سلطانہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے زندگی کو ایک ہی ڈگر پر چلایا ہے اور اپنے آپ کو مطمئن سمجھا ہے' مجھے
ساس ہے کہ یہ ہماری الجھن ہماری مشکل ہے لیکن ڈیئر کچھ وقت اور گزار لیں' ذرا مجھے اپنے آپ میں مستحکم ہو جانے دو'
انہیں بتا دوں گا کہ کیا ہوا ہے' کیا کر لیا ہے میں نے' میری اپنی زندگی ہے اور اس پر بھی وہ راضی نہیں ہوئے تو ٹھیک ہے
ان کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھیں گے ہماری اپنی زندگی الگ ہے۔"
"میں کسی بھی مسئلے میں تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی' چلو کوئی حرج نہیں ہے دیکھیں گے تمام صورت حال پر غور کر
گے۔"
شکیل کو واپسی کی اجازت ملی' تمام ساز و سامان کے ساتھ وہ لدا پھندا گھر پہنچا اور جب اس نے گھر کے دروازے پر
دی اور رقیہ بیگم نے دروازہ کھولا تو دونوں ہی بے اختیار ہو گئے تھے' رقیہ بیگم شکیل سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی
' شکیل کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے' بعد میں کلیم احمد صاحب بھی پہنچ گئے۔ چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا' یہ محبتیں' یہ
' درحقیقت ماں باپ ہی کے پاس ہوتی ہے کہیں اور سے اس کا بدل نہیں مل سکتا' محبتوں کے انداز بے شک مختلف
تے ہیں لیکن جو خلوص جو بے لوث پیار ماں باپ کے پاس ہوتا ہے وہ شاید کہیں کسی قیمت پر دستیاب نہ ہو سکے۔
شکیل نے سامان کے انبار ان کے سامنے لگا دیے' رقیہ بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں' کلیم احمد صاحب گہری
ں سے اس سامان کا جائزہ لینے لگے۔ رقیہ بیگم کہنے لگیں۔
"کیا ضرورت تھی بیٹا اس تمام سامان کی' کہاں سمائے گا یہ سب کچھ' ارے دیکھو نجانے کیا کیا اٹھا لایا ہے افوہ اتنا سارا
ن بیٹا اتنے سارے پیسے کیوں ضائع کر دیے تم نے۔"
"امی! آپ کی دعاؤں کے طفیل بہت کچھ حاصل ہو گیا ہے مجھے بہت کچھ' اور یہ سامان اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں
"
رقیہ بیگم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' دونوں نے ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا' شکیل نے وہ مصنوعی ٹانگیں باکس
ے نکال کر کلیم احمد صاحب کے سامنے رکھ دیں۔
"ابو! یہ جدید ترین مصنوعی ٹانگیں ہیں ہر طرح سے آپ کے جسم پر فٹ ہو جائیں گی' بیساکھی چھوڑ دینی پڑے گی آپ کو
نہیں فٹ کرنے کا طریقہ معلوم کر کے آیا ہوں۔"
کلیم احمد صاحب مسکرانے لگے بولے۔
"میں انتہاء پسند نہیں ہوں شکیل میاں' انحراف بھی نہیں کروں گا تمہارے لائے ہوئے اس تحفے سے' ٹھیک ہے میرے
فٹ کروا دو انہیں' میرا مطلب ہے ان میں سے جسے چاہو لیکن ایک بات بتاؤں' بغل خالی خالی محسوس ہو گی ایک عادت
ل عرصے سے پڑ جاتی ہے انسان کو وہ اس کی زندگی کی ساتھی بن جاتی ہے' جتنا اعتماد مجھے اس بیساکھی پر ہے اتنا شاید ان
ن ٹانگوں پر نہ ہو سکے' ہمیشہ ڈرتا رہوں گا لیکن خیر تم لائے ہو سر آنکھوں پر' میں تمہارے جذبات' تمہاری محبت کو دل کی
ہوں میں محسوس کرتا ہوں۔"
پھر گھریلو گفتگو شروع ہو گئی' محلے کی باتیں' دنیا جہان کی باتیں' شکیل سے پوچھا گیا کہ وہ کہاں کہاں ہو کر آیا ہے کلیم احمد
ب کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا کہنے لگے۔
"دیکھو رقیہ بیگم' یہ ہوتی ہے تقدیر' کون کہاں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے' انسان کی سمجھ سے باہر ہے' ہماری پہنچ تو
ں گلی سے دفتر تک رہی لیکن ہمارے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے بڑی بلندیاں عطا کر دی ہیں۔ اب تم اپنی اس خواہش کا اظہار
ں کے خواب ہم لوگ شکیل کی غیر موجودگی میں بنتے رہے ہیں۔"
رقیہ بیگم نے کہا۔ "سوچ رہی تھی آرام سے بات کروں گی۔ آپ نے کہا ہے تو ٹھیک ہے شکیل میاں اب ہم تمہاری
کرنا چاہتے ہیں۔ زندگی بہرطور اپنے کچھ اصول رکھتی ہے' بچپن سے آغاز ہوتا ہے' جوانی آتی ہے' پھر اس جوانی میں

ایک اور جوانی شامل ہو جاتی ہے اور زندگی کی گاڑی اسی انداز میں آگے بڑھنے لگتی ہے' جس طرح دنیا کی ریت ہوتی ہے ا
تم بتاؤ کہ اس سلسلے میں تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

شکیل کا دل دھک سے ہو گیا تھا' تاہم اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"ابھی میں تعمیر کی منزل میں ہوں امی آپ براہ کرم اس بارے میں ابھی نہ سوچیں' ہم اپنا ایک اسٹیٹس بنانا چاہتے ہ
یہ گلی رہنے کے قابل نہیں ہے' میری خواہش ہے کہ کسی عمدہ سے علاقے میں ایک مکان خریدا جائے' وہاں آپ کو منتقل
دوں اس کے بعد ان ساری باتوں کے بارے میں سوچ لیں گے۔"

"نہیں' بیٹے غرور کبھی نہ کرنا اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہو اس گلی میں انسان ہی رہتے ہیں۔ اس مکان کو تم چار منزلہ بنا
لیکن اس گلی کے لوگوں کو حقیر جان کر یہاں سے ہٹنے کی کوشش نہ کرو یہاں ہمارا ماضی ہے' ماضی سے رشتے توڑ لینا اچھا نہ
ہوتا' یہی ماضی ہماری شناخت ہوتی ہے اپنی شناخت کو کھونا دانش مندی نہیں ہوتی۔"

"یہیں پر مجھے آپ لوگوں سے اختلاف ہے بس' لیکن بہرحال ابھی اس بارے میں غور نہ کریں جب تک میں خود ا
اظہار نہ کروں۔"

کلیم احمد صاحب نے غور سے رقیہ بیگم کو دیکھا اور ہنس کر بولے۔

"دیکھا یہ ہوتی ہیں زمانے کی ہوائیں' تمہیں اس کا لہجہ بدلا بدلا نہیں لگ رہا۔"

رقیہ بیگم نے اس سنجیدہ بات کو ہنسی میں ٹالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' ماں بیٹے فیصلہ کر لیں گے اس سلسلے میں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔"

کلیم احمد صاحب تشویش زدہ انداز میں خاموش ہو گئے تھے۔

شکیل نے یہ بات ختم کر دی لیکن رات کو وہ الجھا ہوا تھا۔ والدین کی باتوں سے پریشان تھا کیا کروں؟ دونوں مطالبے
ہیں۔ وہ لوگ یہاں سے نکلنا نہیں چاہتے۔ مجھے بھی نہیں جانے دیں گے۔ جبکہ یہ علاقہ غیر معیاری ہے' یہ کوئی رہنے کی
ہے کسی کو بتائی بھی نہیں جا سکتی اور پھر شادی بہرحال سلطانہ میری بیوی ہے۔ ہمارے درمیان سچ کا رشتہ ہے ایک نہ ایک
سب کو اس رشتے کے بارے میں بتانا ہو گا۔ اس نے سب کچھ میرے حوالے کر دیا ہے۔ ہر طرح کی عزت احترام دیا
اس شادی کے اعلان پر اسے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر میں اسے مجرم بنائے ہوئے ہوں۔ آخر اس میں جرم کیا ہے۔
حسین مستقبل کے لیے یہی بہتر تھا۔ شادی جرم تو نہیں ہے۔ بس ان لوگوں کے خوف سے یہ شادی علی الاعلان نہیں کی
تھا۔ ورنہ۔ کوئی گناہ نہیں کیا ہے میں نے' یہ لوگ برداشت کر سکیں گے۔ بڑا طوفان اٹھ کھڑا ہو گا۔ یہی کہا جائے گا کہ
میں مجھ سے بڑی ہے۔ وہ ایک غلط عورت ہے۔ ابھی خاموشی ہی بہتر ہے۔ دیکھیں وقت کیا فیصلے کرتا ہے۔

ادھر شکیل ان سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا ادھر کلیم احمد صاحب بھی سوچوں میں گم تھے۔ رقیہ بیگم نے کہا۔ "باہر کے ملک
آب و ہوا بہت اچھی ہے۔"

"اوں۔" کلیم احمد چونک پڑے۔

"ماشاء اللہ شکیل سرخ و سفید ہو گیا ہے۔ تھوڑا سا وزن بھی بڑھ گیا ہے۔"

"ہاں۔ وزن کچھ بڑھ گیا ہے۔" کلیم احمد صاحب پر خیال لہجے میں بولے۔

"کیا مطلب۔"

"بات کا وزن کچھ زیادہ بڑھ گیا ہے۔" تم نے محسوس نہیں کیا۔

"میں کچھ سمجھی نہیں۔"

"فیصلے کرنے لگا ہے اب وہ۔ ہمارے ہوتے ہوئے آخری فیصلے کرنے لگا ہے تم نے غور نہیں کیا۔"

"ہاں۔ میں نے غور نہیں کیا۔"

"کہتا ہے ابھی اس بارے میں غور نہ کریں جب تک میں خود اس کا اظہار نہ کروں۔" تم نے اس کے لہجے میں
لیے ایک حکم نہیں محسوس کیا۔ اس سے قبل اس نے ہمیں کوئی حکم نہیں دیا۔"

"وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا اور یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے رک جاتے ہیں کچھ عرصہ۔"

"وہ تو کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن ــــ لیکن۔"

"ہاں بولیے ــــ لیکن کیا؟"

"کچھ نہیں۔" "تم نہیں سمجھ پاؤ گی۔ سو جاؤ۔ بس آرام سے سو جاؤ۔" کلیم احمد صاحب بولے اور رقیہ بیگم دیر تک ان کی
رت دیکھتی رہیں۔

☆

غوثیہ بیگم کے شب و روز شوہر کی واپسی کے انتظار میں کٹ رہے تھے' دل کو ایک لگن لگی رہتی تھی' نہ کھانا اچھا لگتا تھا
یا۔ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھنے لگی تھیں' انداز کا وہ تمام کروفر ختم ہو گیا تھا۔ اختر دلیپ کی صورت سے چڑ آنے لگی
۔ وہ ہمیشہ بے تکی باتیں کرنے کا عادی تھا۔ ایک دن غصے میں آکر اس سے کہہ دیا۔

"اختر اب ہم تمہیں نہیں رکھ سکتے بھیا۔ ہماری ضرورت ہی کتنی ہے' تمہیں خود ہی احساس ہو گیا ہو گا۔ جاؤ جو ہمارا
را حساب کتاب ہے کر لو' کہیں اور نوکری تلاش کر لو ہماری دعا ہے کہ جہاں بھی رہو خوش رہو۔

اختر دلیپ نے منہ بنا کر کہا۔ "ذرا سی دیر ہو گئی بیگم صاحبہ' بد قسمتی سے یہ درخواست ہم کرنا چاہتے تھے' لیکن صرف
خیال سے خاموش تھے کہ صاحب آجائیں تو ان سے بات کر لیں احمد یار خان صاحب کے پرانے نمک خوار ہیں' اگر اس
ان کی غیر موجودگی میں چھوڑ کر چلے جاتے تو انہیں شکایت ہوتی' ہمارا دل خود اس ویرانے میں نہیں لگتا' ہمیں ملتا ہی کیا
یہاں سے دو آدمی' آدھا پاؤ دال پکالی۔ تین وقت کو پوری ہو گئی کوئی اسٹیٹس ہے' کسی سے بتاتے ہوئے بھی شرماتے ہیں
ہاں کام کر رہے ہیں۔ اس محلے میں سارے کے سارے دو کوڑی کے لوگ رہتے ہیں' ہم تو بڑی بڑی کوٹھیوں میں کام
نے کے عادی ہیں' یہاں نہ پارٹیاں ہوتی ہیں' نہ دوسری تقریبات' خدا حافظ جی جو آپ کا دل چاہے ہمیں دے دو' ہم باز
۔" اختر دلیپ بری طرح بیزار ہو رہا تھا۔ جو کچھ اس نے مانگا' غوثیہ بیگم نے اس کے حوالے کر دیا۔

جون ہی بدل گئی تھی ان کی۔ ایک ایک لمحہ آنکھوں میں کاٹ رہی تھیں' دعائیں نکلتی تھیں ان کے دل سے ہمیشہ'
صاحب' شمع بیگم' طاہر اور شعور کے لیے اس طرح ان لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ رکھا تھا کہ احساس ہی نہ ہونے
کسی بات کا' صبح کو طاہر چکر لگا کر جاتا تھا' ضرورتیں پوچھ جاتا تھا' دوپہر میں شمع بیگم آجاتی تھیں شام کو ایک چکر لازمی
شعور اور پروانہ صاحب کا ہوتا تھا' کبھی کبھی سب ساتھ ہی آجاتے تھے اور گھنٹوں بیٹھ کر ان کا دل بہلاتے رہتے تھے۔
بلا چھپی کہاں رہتی ہے' جگن بی جیسی خاتون کا جن گھروں میں آنا جانا ہو' وہاں کی کوئی بات باہر سے محفوظ رہ جائے۔
ا نے پورے محلے میں بتا دیا تھا کہ بے چاری فوزی کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ ایک ایک شخص افسوس کرنے کے
نچا تھا۔ ہر ایک دعاؤں میں شامل تھا۔ سب کف افسوس ملتے تھے کہ ہائے کیسی پیاری بچی تھی' بے شمار دعائیں غوثیہ
کے کانوں نے سنیں تھیں اور تو اور ایک دن مسجد سے اعلان ہوا کہ جمعہ کی نماز میں دعا کی جائے کہ بے چارے امداد بیگ
اتھ جو حادثہ پیش آیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی یہ مشکل حل کر دے۔ ان کی بیٹی دستیاب ہو جائے۔

غوثیہ بیگم کو اب احساس ہوا تھا کہ ان اعلیٰ درجے کی کوٹھیوں میں جہاں لوگ برابر کی کوٹھی میں رہنے والوں کا نام پتا
جانتے۔ جہاں کے لوگ کسی کے دکھ درد میں شریک نہیں ہوتے' جہاں ایک دوسرے سے اجنبیت فیشن سمجھی جاتی ہے'
مصنوعی مسکراہٹوں کا کاروبار ہوتا ہے۔ وہاں میں اور اس اپنی گلی میں رہنے والوں میں کتنا فرق ہے۔ سب ایک
ے کے دکھ درد کے ساتھی سب ایک دوسرے کے درد آشنا۔ غوثیہ بیگم کو اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ کتنی بڑی غلطی کی
نے۔ انسان کو اپنی تقدیر کے ساتھ سمجھوتہ کر لینا چاہیے' بھائیوں نے شادی کر دی امداد بیگ کے ساتھ' برے حالات
تھے چین کی بسر کر رہی تھیں' اگر بیٹی لندن میں سیٹل ہو جاتی تو انہیں کیا ملتا سوائے اس کے کہ لوگوں سے فخریہ طور پر
کتی تھیں کہ بیٹی بیاہ کر لندن گئی ہوئی ہے' بس اتنا ہی ہوتا نا' بیٹی تو ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے دور ہو گئی' اور اب یہ
ی گی۔ شعور کو دیکھتی تو آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ کیا ہی بھلا لڑکا ہے' ہمدردی اور محبت کی پوٹ' شمع اور پروانہ کے
معلوم تھے کس طرح ان غیروں نے ان بے اولادوں کو سنبھال رکھا تھا' اور پھر امداد بیگ صاحب نے شعور کی کوٹھی

کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس نے تو دل اور کاٹ دیا تھا۔ ہائے کیا تقدیر نے دکھا دیا' کیا غرور نے مارا۔ مگر اب پچھتاو
کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا تھا۔ راتوں کو اٹھ کر بیٹھ جاتیں اور دعائیں مانگتیں کہ کسی طرح فوزی کا پتا مل جائے وہ ؟
رہے۔ اختر دلیپ کے جانے کا احساس بھی نہ ہوا۔ تمام ذمہ داریاں تو پڑوسیوں نے سنبھال رکھی تھیں۔ البتہ ایک دن
احمد یار خان آگئیں' کسی قدر غصے میں تھیں آتے ہی بولیں۔

"یہ اختر دلیپ کو کیوں نکال دیا تم نے؟"

"وہ بھابی جان بس اس کی ضرورت نہیں رہی تھی' آپ دیکھیے نا چھوٹا سا گھر' جھاڑو برتن ہی تو ہوتے ہیں پکانے کی
کوئی خاص ضرورت نہیں پیش آتی' اب تو میں ایک طرح سے تنہا ہی ہوں۔ زیادہ سے زیادہ امداد بیگ صاحب کے آ
کے بعد کھانے پکانے کا کام بڑھ جائے گا۔ دو آدمیوں کا کھانا ہی کیا۔ دل چین میں نہیں ہے' میں نے سوچا بلا وجہ اسے
سے کوئی فائدہ نہیں' بس اس لیے میں نے اس سے معذرت کرلی۔"

"بننے کی کوشش مت کرو غوثیہ بیگم' ہم نے بھی دنیا دیکھی ہے' ہم بھی نگاہیں پہچانتے ہیں' لو بھئی اسے کہتے ہیں:
دریا میں ڈال' ارے ہم نے جان بوجھ کر اس بے چاری کو اس طرح بھاڑ میں تھوڑی جھونکا تھا۔ ہم نے تو خلوص سے ب
سوچی تھی کہ لڑکی اچھے گھر میں جائے' عیش و عشرت میں زندگی گزارے تم نے ہماری نیکی کو ہمارا گناہ بنا دیا۔ اچھا صلہ
تو۔ اس بے چارے کو اس لیے گھر سے نکال باہر کیا نا کہ وہ ہمارا بھیجا ہوا تھا۔"

غوثیہ بیگم کو ایک دم طرارہ آیا تھا' ایسی فطرت کی مالک نہیں تھیں کہ کسی کی سنتیں اور برداشت کر جاتیں لیکر
کیفیت بدل گئی تھی' رندھے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں بھابی جان' میرے منہ سے آپ نے کوئی ایسی بات سنی میں نے تو کسی سے بھی کبھی ای
بات نہیں کی۔ اگر اختر دلیپ نے جا کر کچھ لگائی بجھائی کی ہے تو اس میں میرا قصور تو نہیں ہے' آپ بلا وجہ مجھ پر نارا
رہی ہیں۔"

"کسی نے کوئی لگائی بجھائی نہیں کی' اب یہاں گھر میں پڑی سڑ رہی ہو' بھائی آئیں گے تو یہی کہیں گے کہ اتنا بھی نہ
بہن کو کچھ عرصے کے لیے رکھ لیتیں اپنے پاس' برائی تو مجھ پر آئے گی نا۔"

"نہیں بھابی' یہ بات تو بھائی جان کے سامنے ہی ہو گئی تھی کہ میں الگ رہوں گی۔"

"کیوں آخر کیوں۔" دل میں برائی تھی اس لیے نا بھئی اب تم خود دیکھ لو۔۔۔ احمد یار خان بھی تو بے چارے ا
پریشان ہیں فوزیہ کے لیے۔ سارا کام دھندہ چھوڑ کر وہاں گئے ہوئے ہیں' گھر کے پچاس جھگڑے ہوتے ہیں اور پھر یہ
سوچا تھا ہم نے کہ ایسی کوئی بات ہو جائے۔"

"بجائے اس کے بھابی جان کہ آپ فوزیہ کے لیے دعائیں کریں آپ مجھے برا بھلا کہہ رہی ہیں جبکہ میں آپ ۔
یہ کہہ رہی ہوں کہ میں نے ایسی کوئی بات نہ سوچی نہ کہی۔"

"بس ٹھیک ہے بھئی' پوچھنے آئے تھے تم سے کہ آخر ہمارا گناہ کتنا بڑا ہے ہمیں بتا دیا جائے۔" بیگم احمد یار
گئیں۔

"بیٹھیے بھابی جان' ابھی آئی ہیں اور ابھی جا رہی ہیں۔"

"پچاس کام ہوتے ہیں بی بی گھر کے سارے گھر کا گھر وا بن کر رہ گیا ہے' ہمارے ہاں بھی ایسا ہی سوگ پڑ گیا ؟
کیا کیا ہے آخر۔ کچھ کیا ہو تو بتاؤ؟"

"میرے پاس ان باتوں کے بہت سے جواب ہیں بھابی جان' لیکن میں خاموش رہوں گی' آپ بجائے اس ۔
ساتھ ہمدردی اور محبت کرتیں مطعنے' تشنع دینے آئی ہیں۔ خیر خدا آپ کا بھلا کرے۔"

بیگم احمد یار بکتی جھکتی چلی گئیں۔ غوثیہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ بہت برا وقت پڑا تھا ان پر۔
ادھر شمع پروانہ صاحب کا وہی رونیہ تھا پھر اچانک ہی امداد بیگ صاحب واپس آگئے۔ گلی میں داخل ہوتے ہی
تمام لوگ ان کے گرد بکھر گئے۔ وہ جن سے کبھی بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی۔ فقیر محمد' لبن میاں۔ سمیع اللہ' ما

سارے دوڑ پڑے تھے۔

"کچھ پتا چلا بچی کا کچھ معلوم ہوا۔" مگر امداد بیگ صاحب نے شرم سے گردن جھکا لی' اور کہنے لگے۔

"نہیں بھائی صاحب آپ لوگوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے بس۔ ابھی تک کچھ پتا نہیں چل سکا' دیکھیے اللہ مالک
ہے۔"

جمن بی کسی کام سے آ رہی تھیں۔ دوڑی دوڑی غوثیہ بیگم کے پاس پہنچ گئیں۔

"اے آگئے تمہارے میاں۔"

"ہیں۔ اکیلے آئے ہیں۔"

"ہاں آئے تو اکیلے ہی ہیں۔" جمن بی نے کہا اور غوثیہ بیگم کا دل درد سے پھٹنے لگا۔

بالا خر امداد بیگ صاحب اندر داخل ہو گئے۔ چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی' آنکھوں سے غم کے آثار ہویدا تھے' غوثیہ
بیگم نے آنسوؤں میں ڈوبی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور بولیں۔

"کچھ پتا نہیں چلا۔"

"بات کریں گے ذرا صبر کر لو۔" امداد بیگ صاحب نے جمن بی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اللہ بچی کو اپنی امان میں رکھے' اللہ تقدیر کا یہ بھنور نکال دے۔ ہم سب کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں امداد بیگ اپنے
آپ کو اکیلا مت سمجھنا۔ میں چلتی ہوں' دوسروں کو بھی ابھی روک دوں گی' بے فکر رہو کوئی نہیں آئے گا۔"

غوثیہ بیگم نے دروازہ بند کیا۔ امداد بیگ صاحب نڈھال سے ایک طرف بیٹھ گئے تھے غوثیہ بیگم بولیں۔

"احمد بھائی اور محمود علی بھی آگئے؟"

"ہاں سب لوگ آگئے غوثیہ بیگم۔"

"ہوا کیا۔ کچھ بتائیے تو سہی؟"

"جس قدر ممکن ہو سکتا تھا لندن کی خاک چھانی' کچھ تعلقات سے بھی کام لیا۔ اب کیا بتاؤں تمہیں' دل تو نہیں چاہتا کہ
وہ روح فرسا واقعات تمہیں سنائیں۔"

"ہائے کیا ہوا۔ زندہ تو ہے نا میری بچی' ظالموں نے کہیں گردن مروڑ کر تو نہیں پھینک دیا؟"

"نہیں' ایسی کوئی بات تو نہیں ہے لیکن' لیکن۔"

"کچھ تو بتائیے خدا کے واسطے کچھ تو بتائیے؟"

"بس دھوکا ہو گیا غوثیہ بیگم' یا پھر یوں سمجھ لیجیے کہ ہمارا تکبر اللہ کو ناپسند آیا اور اس نے ہمیں فوراً ہی سزا دے ڈالی'
کچھ عجیب و غریب باتیں سننے کو ملی ہیں وہاں ایسے گروہ پائے جاتے ہیں جو اسی قسم کا کام کرتے ہیں یہاں آتے ہیں' اسی طرح
لوں کو ورغلاتے ہیں' جھوٹی شادیاں کرتے ہیں اور پھر وہاں ۔۔۔ وہاں۔۔۔" امداد بیگ صاحب بات پوری نہ کر سکے' بری
طرح رونے لگے' روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں' غوثیہ بیگم پر بھی غشی طاری ہو گئی تھی' دونوں غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے
ایک دوسرے کو دلاسے دیتے رہے۔ بیٹی کے لیے دعاؤں کے سوا اور کیا کر سکتے تھے۔ پھر اہل محلہ آنے شروع ہو گئے۔ امداد
بیگ صاحب نے غوثیہ بیگم سے کہا۔

"خیر اب ان لوگوں سے چھپانا تو ویسے بھی مناسب نہیں تھا لیکن یہاں سادگی کے ساتھ ساتھ ضرورت سے زیادہ یگانگت
کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ خدا کے لیے اب ان لوگوں سے منہ نہ بگاڑنا۔" غوثیہ بیگم نے روتی ہوئی آنکھوں سے گردن ہلا دی
۔

مقررہ وقت پر شمع پروانہ بھی آگئے۔ انہوں نے کہا۔

"ہمیں علم ہو گیا تھا کہ آپ آگئے ہیں امداد بیگ صاحب' بس یہ سوچا کہ فوراً ہی پہنچ جائیں' شاید ہماری زبان سے آپ
کو یہ سب کچھ مصنوعی محسوس ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے سینے بھی اسی طرح غم سے پھٹے ہوئے ہیں' وہ بچی ہمیں تو غیر
معلوم نہیں ہے' خدا اس کی حفاظت کرے۔"

"ہاں پروانہ صاحب اب صرف دعاؤں کی ضرورت ہے۔" امداد بیگ صاحب پروانہ صاحب کو لندن کے بارے میں تمام تفصیلات بتانے لگے۔

مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا' کیسے صبر کرتے بے چارے' دونوں چلتی پھرتی لاشیں بن کر رہ گئے تھے امداد بیگ صاحب باہر نکلتے تو لوگوں کی نگاہیں ہمدردی سے ان پر پڑتیں۔ ہر ایک اس طرح سے ان کے لیے غمزدہ تھا جیسے خود اس کے اپنے گھر کا ہی معاملہ ہو۔ اس طرح مایوسی کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا اور ایک طرح سے فوزیہ ان سب کے لیے ایک داستان بن گئی تھی۔

اختر دلیپ کے بارے میں بھی غوثیہ بیگم نے امداد بیگ صاحب کو بتا دیا۔ بھاوج کی باتیں بھی سنائیں۔ امداد بیگ صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔

"جس نے جو کچھ کیا' جس نے جو کچھ کہا سب کچھ خدا پر چھوڑ دو کسی سے پرخاش نہ رکھو' کسی کی برائی کے بارے میں نہ سوچو۔ ہم جو کچھ کر چکے ہیں۔ وہ اتنا ہے کہ اگر وہی اللہ کے حضور درگزر ہو جائے تو یوں سمجھ لو ہماری عاقبت سدھر جائے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے ہمیں غوثیہ بیگم ہم خود ہی بہت برے لوگ ہیں۔"

پھر ایک شام حکمت علی اپنی والدہ فاطمہ بیگم کے ہمراہ امداد بیگ صاحب کے پاس پہنچے۔ پہلی بار یہاں آئے تھے لیکن معلوم تھا ان لوگوں کو کہ ایک سو گیارہ نمبر کے مکین ہیں۔۔۔۔۔۔ بہرحال امداد بیگ صاحب نے استقبال کیا حکمت علی کہنے لگے

"مکان نمبر ایک سو گیارہ میں رہتا ہوں جناب آپ کا پڑوسی ہوں' کئی بار آنے کے بارے میں سوچا' خصوصاً" اس وقت جب صاحبزادی کا المیہ علم میں آیا۔ انتظار کر رہا تھا کہ حاضری دوں' کہ ایک ضرورت بھی پیش آگئی آج دونوں کام ایک ساتھ ہی نمٹانے آیا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور فرمایئے گا۔"

"وہ اصل میں میری بیٹی کی شادی ہے' یہیں پڑوس کے ایک صاحب زادے طیب میاں ہیں شوکت علی کے صاحبزادے ان کے ساتھ' یہ کارڈ ہے براہ کرم تشریف لایئے گا۔"

"جی۔ ضرور حاضری دوں گا۔" امداد بیگ صاحب نے ان دونوں کو چائے پیئے بغیر نہیں جانے دیا تھا۔ غوثیہ بیگم اور فاطمہ بیگم باتیں کرتی رہی تھیں۔ پھر جب یہ دونوں چلے گئے تو امداد بیگ صاحب نے غوثیہ بیگم سے پوچھا۔

"شادی میں چلیں گی۔"

"ایں۔" غوثیہ بیگم نے نگاہیں اٹھا کر شوہر کو دیکھا۔

"شامیانہ لگے گا' اس گلی کی یہی رسم و رواج ہیں۔ شامیانے میں بیٹھنا پسند کریں گی آپ۔۔۔۔۔؟"

غوثیہ بیگم نے اثبات میں گردن ہلائی اور زار و قطار رونے لگیں۔ امداد بیگ صاحب نے بھی آنکھوں پر رومال رکھ لیا تھا۔

*

آسیہ کے بارے میں صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو پاتا تھا کہ کس قسم کی لڑکی ہے کبھی تو اس کی باتیں اس قدر کراہت آمیز ہوتی تھیں کہ فوزی کو اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لینے پڑتے تھے' کبھی اتنی نیک اور نفیس ہو جاتی تھی کہ اس پر اعتبار کرنے کو جی چاہنے لگے۔ بہرحال گزر رہی تھی اور بڑی بے بسی کے عالم میں گزر رہی تھی۔ ہر لمحے مستقبل کا خوف دامن گیر رہتا تھا' یاد آتا تھا۔ گھر والے یاد آتے تھے۔ اندازہ تھا کہ کم از کم ان لوگوں کو حالات کا کسی قدر احساس تو ہو گیا ہو گا اس طرح مطمئن نہ ہو گئے ہوں گے' اسے دیار غیر بھیج کر۔ کیا ہوا تھا؟ کیسے ہوا تھا؟ کسے مجرم گردانتی' اس بارے میں فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ بس تقدیر ہی تھی' جو یہ سب کچھ ہو گیا۔ والدین بھلا کب اپنی اولاد کا برا چاہتے ہیں۔

آسیہ کے ساتھ ابھی تک کوئی ایسا خاص واقعہ پیش نہیں آیا تھا جو فوزی کے لیے خوف کا باعث ہوتا' وہ خود معصوم رہتی تھی اور اس نے فوزی کو ہدایت کر دی تھی کہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو اس کے لیے وبال جان بن جائے یہاں لندن

میں ان لوگوں کے کافی اثرات ہیں اور اگر اس نے کوئی غلط قدم اٹھایا تو خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہو گا اس کے لیے۔ خودکشی سے بچے' فوزیہ اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پاتی تھی۔ آسیہ نے اس سے کہا۔

"اپنے آپ کو مطمئن رکھو' حلیہ بھی درست بنائے رکھو' چہرے سے مردنی دور کر دو۔ میں ساگا چوہدری کو یہ تاثر دینے کی کوشش کروں گی کہ تم آہستہ آہستہ راہ راست پر آتی جا رہی ہو۔ لندن کی زندگی پسند آتی جا رہی ہے تمہیں اور بہت جلد تم ایک قابل اعتماد شخصیت بن جاؤ گی دیکھو فوزیہ تم سے پہلے بھی تین لڑکیاں' جیسا کہ میں تمہیں بتا چکی ہوں مجھ تک پہنچائی گئیں۔ میں چونکہ خود ڈسی ہوئی ہوں' میں نے سوچا کہ مجھے کیا پڑی ہے جو میں دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑاؤں اور اپنے لیے خطرات مول لوں لیکن پہلی بار میرے دل میں انسانیت جاگی ہے۔ میں اصل میں اس بات پر جھنجلائی ہوئی تھی کہ جب میں درد و کرب سے تڑپ رہی تھی میرا کوئی پرسان حال نہیں تھا تو مجھ پر کس نے رحم کیا جو میں کسی پر رحم کروں' لیکن تم نے میرا یہ عزم توڑ دیا ہے' میں کچھ سوچنے لگی ہوں تمہارے بارے میں' شرط یہ ہے کہ مجھ سے تعاون کرو۔ جیسا میں کہہ رہی ہوں ویسا کرتی رہو۔"

فوزیہ نے اس سے وعدہ کیا۔ دل اندر سے ہولتا رہتا تھا لیکن اپنے آپ کو مطمئن رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ صاف ستھرا لباس بھی پہننا شروع کر دیا تھا۔ ساگا چوہدری کئی بار یہاں آچکا تھا۔ فوزیہ سے ملاقات بھی کی تھی اس نے۔

اس دن وہ آیا تو فوزیہ نے آسیہ کی اور اس کی گفتگو سنی۔ آسیہ کہہ رہی تھی۔

"میں اسے دو چار جگہ گھمانے لے گئی ہوں اب آہستہ آہستہ راہ راست پر آتی جا رہی ہے۔"

"تمہاری استادی کو تو ہم دل سے مانتے ہیں آسیہ بیگم' ٹھیک ہے راستے پر آجائے گی تو عیش کرے گی ورنہ ماری جائے گی۔"

"ارادہ کیا ہے اس کے بارے میں چوہدری صاحب؟"

"لڑکی کچھ بودی سی ہے' بڑے کام نہیں کر سکے گی' میرا خیال ہے اسے مڈل ایسٹ بھیج دیں گے' اچھی خاصی رقم مل جائے گی' بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر کب تک ارادہ ہے؟"

"ابھی دوسرے بہت سے کام ہیں' پڑا رہنے دو' ویسے یہ بتاؤ' دماغ کتنا بڑا ہے اس کا؟"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے' بودی ہے ہر چیز سے ڈرتی ہے۔"

"یہی اندازہ لگایا ہے ہم نے اس کے بارے میں' اور کوئی خاص بات تو نہیں ہے؟"

"نہیں' کوئی بات نہیں ہے۔"

ساگا چوہدری چلا گیا آسیہ اس دن جذباتی نظر آرہی تھی کہنے لگی۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ تمہیں مشرق وسطیٰ بھجوا دے گا پتا نہیں کس کے پاس' کیا کرتے ہیں یہ لوگ' بس اتنی ہی باتیں مجھے معلوم ہوتی ہیں جتنی وہ بتانا پسند کریں لیکن میں جانتی ہوں کہ یہ بھی کوئی مجرمانہ عمل ہی ہو گا۔ فوزیہ دیکھو آج میں تم سے بہت کھل کر باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ میرے پاس بھی وسائل نہیں ہیں۔ اگر کوئی مجھ سے کہے کہ میں اپنے وطن واپس لوٹ جاؤں اپنے والدین کے پاس' تو میں صاف انکار کر دوں گی۔ چونکہ جہاں تک میں پہنچ چکی ہوں وہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے اس کا کم از کم میں ان لوگوں کی کفالت تو کر سکتی ہوں۔ ہاں تمہارے لیے میں نے جو کچھ سوچا ہے وہ میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں

"۔

فوزیہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔
آسیہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "میرا ایک دوست ہے افتخار ہے اس کا نام۔ پیرس میں رہتا ہے' ساگا کے لیے کام کرتا ہے۔ ساگا کے لیے کام کرنے والے اچھے لوگ نہیں ہوتے لیکن وہ اچھا آدمی ہے۔ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے منع کر دیا۔ میں جانتی ہوں یہ اس کا احمقانہ خیال ہے۔ اول تو وہ ساگا کے چنگل سے نہیں نکل سکتا۔ بالآخر ساگا اسے تلاش کر لے گا۔ ہم دونوں مارے جائیں گے۔ دوئم میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتی جن کے لیے میں یہ سب کچھ کر رہی ہوں۔ ان کی کفالت کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے میرے پاس۔ میں نے افتخار کو سمجھایا ہے لیکن اس کے دل میں اب بھی یہی خواہش ہے۔ بہرحال وہ قابل اعتماد آدمی ہے اگر میں اس سے کچھ کہوں گی کہ وہ تمہارا احترام کرے تمہاری مدد کرے تو وہ ایسا ہی کرے گا۔ اب تم بتاؤ۔ میں تمہارے لیے کیا کروں؟"
"میں اپنے وطن جانا چاہتی ہوں۔"
"یہ بہت بڑا کام ہے۔"
"میں اپنے سفارت خانے کے ذریعہ یہ کام کروں گی۔"
"اس کے لیے تمہیں پولیس سے مدد لینا ہوگی۔"
"میں مدد لوں گی۔"
"یہاں لندن میں یہ ممکن نہیں ہے۔"
"کیوں؟"
"ساگا کا ہیڈ کوارٹر لندن میں ہے۔ یہاں اس نے اپنے بچاؤ کے سارے انتظامات کر رکھے ہیں۔ کون جانے پولیس سے اس کے کیا تعلقات ہیں۔"
"پھر؟"
"پیرس چلی جاؤ۔"
"وہاں کیا ہوگا۔"
"وہاں تم پولیس سے مل کر کوشش کر سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے ساگا وہاں اتنا بااثر نہ ہو۔"
فوزیہ سوچ میں ڈوب گئی۔ آسیہ نے کہا۔ "اور کچھ نہ بھی ہو تو کم از کم تم ساگا کے چنگل سے نکل جاؤ گی۔ قسمت آزمانے میں کوئی حرج نہیں ہے یہاں اگر تم نے ساگا کے لیے کام کا آغاز کر دیا۔ یا جیسا کہ اس نے کہا ہے کہ تمہیں مڈل ایسٹ نکالنے کی کوشش کرے گا۔ اگر اس نے یہ عمل کر ڈالا تو پھر تم بے دست و پا ہو جاؤ گی۔ وہ جہاں تمہیں بھیجے گا وہاں سے تمہارے لیے بچ نکلنا آسان نہ ہوگا۔ اللہ کا نام لے کر جدوجہد کا آغاز تو کرو' آگے سب کچھ اپنی تقدیر پر چھوڑ دو۔"
"میں تیار ہوں۔ مگر۔"
"ہاں' مگر کیا؟"
"افتخار صاحب کب آئیں گے؟"
"ہفتہ دس دن میں' وہ آتا ہی رہتا ہے۔ ایک ہفتہ ہو گیا ہے اسے آئے ہوئے۔"
"گویا آنے والے ہیں۔"
"ہاں۔"
"اس دوران میں نے انہیں یہاں نہیں دیکھا۔"
"ہم یہاں نہیں ملے۔"
"اوہ لیکن کیا یہ آسان ہوگا؟"
"آسان؟" آسیہ ہنسی۔ "تم خود سوچ لو یہ آسان ہو سکتا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔"
"تم لندن سے پیرس جا سکتی ہو۔ ڈوور سے ڈنکرک کی بندرگاہ تک۔ اسٹیمروں کے ذریعہ سفر ہوتا ہے۔ افتخار تمہیں کسی طرح وہاں لے جائے گا لیکن مجھے خطرہ مول لینا ہوگا۔ اب تک ساگا کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔۔۔ لیکن۔ میں خطرہ مول لوں گی۔"
"کیا کہو اس سے؟"
"یہی کہ میں تمہاری معصومیت سے دھوکہ کھا گئی۔ تم مجھے جل دے کر نکل گئیں۔ وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔"
"میرے بارے میں؟"
"ہاں۔ میری اس سے بات ہوئی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ تم بالکل بے دست و پا ہو۔ لندن میں کسی کو نہیں جانتیں۔ خالص بھولی لڑکی ہو اس لیے کسی غلط قدم کی توقع نہیں رکھی جا سکتی تم سے۔ میں بھی یہی کہہ دوں گی کہ میں بھی تم سے دھوکہ کھا گئی۔"
"وہ۔ وہ تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچائے گا۔" فوزیہ نے پوچھا آسیہ ہنسنے لگی پھر بولی۔
"میں نفع نقصان کی منزل سے بہت دور نکل گئی ہوں فوزیہ۔ اب مجھے اور کوئی نقصان پہنچانے کے لیے نہیں ہے اس کے پاس۔ میری فکر مت کرو۔"
"کاش میں اپنے گھر پہنچ سکوں۔ میں پیرس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی لیکن' قسمت ضرور آزماؤں گی۔ کوشش ضرور کروں گی اور اگر کچھ نہ کر سکی۔ تو خودکشی کر لوں گی۔"
"خدا کرے تمہیں خودکشی نہ کرنی پڑے۔ خدا کرے تم زندہ رہو۔" آسیہ نے حسرت سے کہا۔
"آسیہ' وہاں تمہارے والدین کہاں رہتے ہیں؟"
"کیوں؟"
"اگر میں وہاں پہنچ گئی تو ان سے ملوں گی۔ انہیں تمہاری خیریت کی اطلاع دوں گی۔"
"آسیہ ہنس پڑی۔ پھر بولی۔
"میں انہیں اپنی خیریت کی اطلاع دیتی رہتی ہوں۔ تمہارا ان سے ملنا پسند نہیں کروں گی میں۔ معاف کرنا فوزیہ۔ بس اب سب کچھ نہیں چاہتی۔"
فوزیہ نے اصرار نہیں کیا تھا۔
تنہائی میں اس نے آسیہ کی اس پیش کش پر بہت غور کیا تھا۔ یہ سب کچھ بے حد مشکل تھا۔ ایک طرح سے ناممکن' مگر کوشش کی جا سکتی تھی کچھ تو کیا جائے ورنہ۔ نہ جانے آئندہ کیا ہو۔ خوف و دہشت کا ایک لامتناہی سمندر۔ ہر طرف آفات کی لہریں!
اس گفتگو کے چوتھے دن آسیہ نے اسے بتایا! "افتخار آ گیا ہے۔"
فوزی کا دل دھک سے ہو گیا!
"تم نے اس سے بات کی۔"
"ہاں۔ وہ میرے کہنے پر سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہے۔" آسیہ نے جواب دیا!

شہباز کو اندازہ ہوچکا تھا ہے فرغام علی واقعی شخصیت ہیں یہ لوگ گھروں میں اس قدر آرام وسکون سے نہیں رہتے
جتنے فرغام علی جیل میں آرام اور سکون سے تھے۔ ان کے بیٹے آتے رہتے تھے اور ہر آسائش ان کے لیے مہیا کرجاتے تھے'
یہ بھی دولت ہی کا کھیل تھا۔ دولت مندوں کے لیے کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ہوتی جو باعث پریشانی ہو' ہر جگہ کاغذ کے ان
نوٹوں کا راج ہے' ساری کائنات ہی ان کے گرد گھوم رہی ہے' ان کاغذ کے ٹکڑوں نے انسان کی زندگی پر جس طرح تسلط
جمار کھا ہے وہ بعض اوقات ناقابل یقین سا لگتا ہے' لیکن جو حقیقتیں نگاہوں کے سامنے ہوں' انہیں نظرانداز کیا جا سکتا
ہے۔"

فرغام علی شہباز سے بے حد خوش تھے اور ان کے بیٹوں نے غالباً" جیلر سے ملاقات کرکے شہباز کی مستقل ڈیوٹی انہی پر
لگا رکھی تھی' شہباز کو بھی ان سے انسیت ہوگئی تھی اور وہ ان کے سارے کام خوش دلی سے کیا کرتا تھا جس سے بعض
اوقات فرغام علی بے پناہ خوش ہوجایا کرتے تھے۔ غالباً" شہباز کے سلسلے میں انہوں نے اپنے بیٹوں سے بھی کچھ کہہ رکھا تھا
ذرا عجیب سی فطرت کے مالک تھے' تقریباً" شہباز انہیں اپنی زندگی کے بارے میں سب کچھ ہی بتا چکا تھا لیکن وہ بار بار کوئی نہ
کوئی قصہ نکال کر بیٹھ جاتے تھے اور شہباز سے کرید کرید کر اس کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔

اس دن بھی یہی ہوا۔ شہباز ان کی پنڈلیاں دبا رہا تھا۔ فرغام علی کہنے لگے۔

"میاں شہباز' حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں کوئی نہ کوئی خدمتگار مل ہی جاتا یہاں' لیکن تم نے کچھ ایسا جی میں گھر بنالیا ہے
کہ اب ہم سوچتے ہیں کہ یہاں سے نکلنے کے بعد تم جیسا آدمی ہمیں کہاں ملے گا۔۔۔؟"

"فرغام علی صاحب' مجھے بھی آپ کی خدمت کرکے دلی خوشی ہوتی ہے اور ایسا ہی لگتا ہے جیسے میں اپنے گھر کے کسی
بزرگ کی خدمت کررہا ہوں حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ میں نے اپنے بزرگوں کی کبھی کوئی خدمت نہیں کی لیکن اب یہ سوچتا
ہوں کہ جو تربیت مجھے آپ کے پاس سے ملی ہے وہ میرے مستقبل میں بھی کام آئے گی۔"

"مجھے تو تعجب ہے میاں شہباز۔ تم جیسا نیک نفس نوجوان جیل تک کیسے پہنچ گیا مگر جو کچھ تم نے مجھے اپنے بارے میں
بتایا ہے اس سے مجھے بہت سے اندازے ہوگئے ہیں تمہارے بارے میں' اچھا میاں ایک بات پوچھوں' برا تو نہیں مانو
گے۔۔۔"

"نہیں فرغام علی صاحب۔۔۔ آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانتا میں۔۔۔"

"تمہارے گھر سے کوئی ملنے نہیں آتا تم سے۔۔۔ میرا خیال ہے ڈھائی تین مہینے گزر چکے ہیں کوئی ملاقات ہی نہیں آئی
تمہاری؟"

شہباز نے سر جھکا لیا' چند لمحات خاموش رہا۔ فرغام علی جلدی سے بولے۔

"میاں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ برا مت ماننا۔ خدانخواستہ کوئی طنز نہیں کررہا میں تم پر۔"

"نہیں فرغام علی صاحب' میں برا نہیں مان رہا۔ اصل میں آخری بار جب میرے والد صاحب آئے تھے تو میں نے ان
سے درخواست کی تھی کہ اب وہ اس وقت تک مجھ سے ملنے نہ آئیں جب تک کہ میں رہا ہوکر خود ہی ان کے پاس نہ پہنچ جاؤں
۔ میں نے ان سے نہایت سنجیدگی سے یہ درخواست کی تھی۔"

"مگر کیوں؟"

"فرغام علی صاحب! مجھے رشتوں کے بارے میں عملی طور پر کوئی تجربہ نہیں ہے لیکن عقلی طور پر تھوڑا بہت سوچتا
ہوں۔ ماں اور باپ یہ دو ایسی شخصیتیں ہوتی ہیں کہ ان کے رشتوں میں قیامت تک کبھی کوئی کھوٹ نہیں پائی جاسکتی' بلا
اوقات عوامل تھوڑی سی برائیاں پیدا کردیتے ہیں ان رشتوں تک میں لیکن عمومی طور پر ایسا نہیں ہوتا میں نے اس احساس
کو اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھا تھا جو مجھے سلاخوں کے پیچھے دیکھ کر ان کے دل میں پیدا ہوگیا تھا میں جانتا تھا کہ جب بھی
مجھے سلاخوں کے پیچھے کھڑا دیکھتے ہیں ان کے سینے پر کچوکے لگتے ہیں وہ تو اپنی محبت سے مجبور ہوکر مجھ تک دوڑے چلے آتے
ہیں لیکن میں اس احساس کو کبھی نہیں بھول سکتا میں جانتا ہوں کہ ہر بار مجھے یہاں دیکھ کر ان کے دل پر ایک زخم لگتا ہے
تھوڑی سی تفصیل بتا چکا ہوں آپ کو۔۔۔ وہ بارہا مجھے اس پشیمانی کا شکار نظر آئے جس کی وجہ سے میرے گھر میں وہ حالات

ہوئے۔"

"یہ کم بخت یادداشت ایسی عجیب ہوگئی ہے بار بار بھول جاتا ہوں' ذرا ایک بار پھر سے مجھے تفصیل بتاؤ۔" شہباز فرغام
علی صاحب کی یہ عادت جانتا تھا یہ بھی جانتا تھا کہ اگر اس پر کسی بھی قسم کی بددلی کا اظہار کرے گا تو فرغام علی صاحب شرمندہ
ہوکر خاموش ہوجائیں گے ایک آدھ بار ایسا بھی ہوچکا تھا لیکن اسے اس نیک انسان کے دل کو توڑ کر کبھی سکون نہیں ملتا تھا'
کہنے لگا۔

"میں تعلیم حاصل کررہا تھا فرغام علی صاحب اور مجھے یہ بتادیا گیا تھا کہ جس وقت میرے والد صاحب ریٹائر ہوں گے تو
ن کی چھوڑی ہوئی نوکری مجھے مل جائے گی' گویا میرا مستقبل متعین ہوچکا تھا اور میں اس بات سے پوری طرح مطمئن تھا کہ
نانس کمپنیوں کا چکر چلا اور بے چارے جمیل احمد صاحب کو سوجھی کہ وہاں سے بڑی بڑی رقومات حاصل کریں۔ یہ بات میں
چھی طرح جانتا ہوں فرغام علی صاحب کہ والدین کے جب اپنے مسائل ختم ہوجاتے ہیں تو پھر وہ بے شمار مسائل اپنی اولاد
کے لیے اپنی زندگی سے وابستہ کرلیتے ہیں ان کی اس خواہش کے پیچھے بھی ہماری بہتری تھی لیکن میں نے' میری بہن نے'
یری والدہ نے' انہیں منع کیا کہ ایسا نہ کریں یہاں انہوں نے اپنی حیثیت کو استعمال کیا اور کہا کہ یہ جو کچھ انہوں نے بنایا
ہے وہ اس کے مکمل پورے حقدار ہیں چنانچہ انہوں نے اندھے اقدامات کیے' خود ریٹائرمنٹ لے لیا اور تمام وسائل اکھٹے
رکے فنانس کمپنیوں کو جھونک دیئے' نتیجہ جو نکلا' وہ سامنے ہے' فنانس کمپنیاں فراڈ ثابت ہوگئیں۔ وہ سب بھاگ گئے اور
لد صاحب ذہنی طور پر دیوالیہ ہوگئے۔ مجھ پر یہ جنون طاری ہوگیا کہ انہیں ہم سب کے مستقبل سے کھیلنے کا حق نہیں تھا۔
انچہ میں نے بغاوت کی' پڑھنا لکھنا سب چھوڑ دیا۔ بی اے کا آخری سال تھا لیکن میں نے اسے مکمل نہیں کیا پھر میں مختلف
یقوں سے والد صاحب کو ذہنی اذیتیں دیتا رہا۔ حتیٰ کہ گھر کے اخراجات تک کا مسئلہ پیدا ہوگیا' بہن نے ملازمت کرکے گھر
ے اخراجات سنبھالے میں والد صاحب سے بدستور باغی رہا بہرطور یہ ساری کارروائیاں ہوتی رہیں لیکن پھر اچانک ہی مجھے
ساس ہوا کہ میں نے جو طریقۂ کار اختیار کیا ہے وہ صرف تباہی کا راستہ ہے اور فرغام علی صاحب میں نے یہ سب باتیں
چ کر بالآخر ایک بار پھر اپنے آپ کو صحیح راستوں پر لے جانا چاہا لیکن یہ صحیح راستے میرے معاون نہیں ثابت ہوئی اور
دل نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔"

"ہاں ہاں دیکھو پوری باتیں یاد آگئیں۔ واقعی' واقعی لیکن میاں اب کیا ارادہ ہے' اب کیا کروگے؟"

"جو کچھ میں نے کیا تھا فرغام علی صاحب' میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اس کا بھرپور جواب ملا ہے لیکن میں اس جواب کی بھی
کرتا ہوں' میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہاں آکر میری تربیت ہوئی ہے اور اب اگر زندگی رہی اور میں واپس اپنے گھر پہنچا تو
ان تمام کوتاہیوں کا ازالہ کردوں گا' جو میں نے اب تک کی ہیں۔"

"کیا ارادہ ہے۔۔۔؟"

"محنت کروں گا' مزدوری کروں گا' نوکری کروں گا اور اس کے بعد اپنے گھر کو خوشحال کروں گا' سب سے پہلے اپنی بہن کو
عذاب سے نجات دلاؤں گا جو اسے نوکری کرکے برداشت کرنا پڑتا ہے آپ بھی ماحول آشنا ہیں فرغام علی صاحب ایک
ان لڑکی کے لیے گھر سے نکلنے کے بعد جن مسائل کا سامنا ہوتا ہے وہ میرے علم میں ہیں لیکن کیا کروں آنکھ بند ہوگئی تھی
اپنی بہن کو میں نے ہمیشہ ہی مشکلات کا شکار رکھا لیکن اب میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ والد صاحب بھی ہوش میں
ہیں۔ نوکری کررہے ہیں بے چارے اور میں ان سب کا ہاتھ بٹاؤں گا اور ایک نئی زندگی کا آغاز کروں گا۔"

"خدا تمہیں تمہارے ارادوں میں کامیاب کرے۔ ویسے شہباز میاں میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"جی۔"

"میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"میں اگر کچھ الفاظ استعمال کروں گا تو خدشہ ہے کہ آپ انہیں دروغ گوئی پر محمول نہ کریں۔"

"نہیں کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

"آپ کی حیثیت میں مجھے ایک بہت بڑا سہارا مل گیا ہے۔ بڑا سکون ملتا ہے آپ کے لیے کچھ کرکے اور اس کا کوئی صلہ

میرے ذہن میں نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں خود ذہنی آسودگی حاصل کرتا ہوں۔"
"خدا تمہیں خوش رکھے بیٹے۔ ویسے تم کیا سمجھتے ہو کیا انسانی جذبات کسی ایک جگہ ٹھہرے ہوتے ہیں۔"
"میں سمجھا نہیں فرغام علی صاحب۔"
"بیٹے! تمہارے لیے میرے دل میں ایک خاص جگہ پیدا ہو گئی ہے اور شاید یہاں سے باہر نکلنے کے بعد میں تم سے دور نہ رہ سکوں۔ مقصد یہ نہیں ہو گا کہ تم میری خدمت گاری کرتے رہو۔ میاں اللہ کے فضل سے نوکروں کی فوج ہے گھر میں' فیضان پچھلی بار آئے تھے تو بتا رہے تھے کہ کچھ تبدیلیاں کرلی ہیں ان لوگوں نے۔ یہیں اسی شہر میں آکر رہنے لگے ہیں۔ فیضان نے ایک بہت بڑی فرم قائم کرلی ہے اور اپنے کاروبار کو خاصی حد تک بڑھالیا ہے۔ مجھ سے مشورہ کرکے کیا ہے وہ بلکہ پچھلی بار تو کچھ کاغذات پر دستخط بھی کرائے تھے۔ بہت سے ایسے معاملات ہیں جن میں میں ابھی براہ راست ملوث ہوں۔"
"جی جی۔۔۔ یہ تو اور مسرت کی بات ہے۔ رہائی کے بعد آپ سے ملاقات کا موقع بھی ملتا رہے گا۔"
"کیسی باتیں کرتے ہو۔ گویا تم مجھ سے الگ ہو جاؤ گے۔"
"نہیں میرا مطلب ہے۔۔۔"
"اول تو میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ یہاں سے جس دن جائیں گے نا تو ساتھ ہی ساتھ جائیں گے اور میں نے فیضان سے اس بارے میں بات بھی کرلی ہے۔ فیضان نے اس سلسلے میں تمام کارروائیاں بھی مکمل کرلی ہیں کیا سمجھے؟"
"جی۔" شہباز حیرانی سے ان کا منہ دیکھنے لگا۔
"جی۔ جناب شہباز احمد صاحب' فیضان سے میں نے اور بھی بہت سی باتیں کی ہیں بلکہ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارا انٹرویو بھی یہیں کرا دیا جائے۔ فیضان ہنسنے لگا اور بولا' ابا میاں آپ جو کچھ طے کریں گے میں بھلا اس سے منحرف ہو سکتا ہوں۔ اصل میں خدا کے فضل و کرم سے میرے بچے مجھ پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور ابھی تک میں نے ان کے اعتماد کو کوئی دھوکا نہیں دیا۔ یہ جو تم مجھے جیل میں دیکھ رہے ہو اس کے بارے میں بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ ایک ضرورت تھی۔ یہاں میرے نہ آنے سے زیادہ نقصانات ہو سکتے تھے۔ چنانچہ میں یہاں آگیا تو کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ فیضان سے میں نے تمہارے بارے میں بات کی ہے اس نئی فرم کے مینیجر جناب شہباز احمد صاحب ہوں گے۔"
"جی۔" شہباز کا دل دھک سے رہ گیا۔
"جی۔۔۔ اور اب بہت وقت نہیں رہ گیا ہے بیٹے ہمارے یہاں سے جانے میں اور وہ تو میں کہہ ہی چکا ہوں تم سے کہ تمہیں میرے ساتھ ہی جانا ہے۔"
شہباز کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ گردن جھکائے بیٹھا رہا۔ جب یہ آنسو فرغام علی صاحب کے پیروں پر پڑے تو تڑپ کر اٹھ گئے۔
"ارے ارے شہباز میاں رو رہے ہو؟"
شہباز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرغام علی نے اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا اور بولے۔
"نہیں بیٹے مرد کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے چاہئیں۔ مرد کی آنکھیں تو آگ برسانے کے لیے ہوتی ہیں۔ جب آنسو آجاتے ہیں نا تو بے بسی کا احساس جاگتا ہے بے بس نہیں ہو تم۔ یہ سب تو زندگی کے وہ عوامل ہیں جن سے انسان بھی وقت دوچار ہو سکتا ہے اور پھر تمہارا تو مسئلہ بالکل ہی الگ ہے یوں سمجھ لو جیل کی یہ زندگی یہ چند ماہ تمہیں ان حقیقتوں سے روشناس کرا رہے ہیں جو شاید باہر تم تک نہ پہنچ پاتیں۔ انسان جب تک کسی چیز کا عملی تجربہ نہیں کرلیتا اس سے پوری طرح واقف نہیں ہوتا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد تمہاری شخصیت میں ایک نیا پن پیدا ہو گا۔ نہیں بیٹے بری بات رونے کی ضرورت نہیں ہے آخر یہ آنسو کیوں آئے تمہاری آنکھوں میں۔"
"بس جناب' آپ نے مجھے ان الفاظ سے نوازا ہے جن کے لیے زندگی کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔"
"بالکل نہیں' بالکل نہیں۔۔۔ اصل میں زندگی ہی تجربہ دیتی ہے۔ تجربے خود بخود چل کر انسان کے پاس نہیں پہنچتے ان کے لیے اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ چلو چھوڑو ان باتوں کو کہاں بے تذکرہ لے کر بیٹھ گئے۔ بھئی اصل بات یہ ہے کہ

رے بارے میں بہت کچھ سوچتا رہا ہوں۔ دیکھو میں بڑا ہلکے پیٹ کا آدمی ہوں۔ حالانکہ دل تو چاہ رہا تھا کہ تمہیں بھی انتظار دوں اور یہ نہ بتاؤں کہ ہماری رہائی کب ہے لیکن اب کیا کیا جائے یہ جذباتی باتیں ہو رہی ہیں۔ تمہاری رہائی میں کتنا عرصہ باقی رہ گیا ہے۔"
"ابھی تو کافی ہے جناب۔"
"اور اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ آج سے ٹھیک سات دن کے بعد ہم لوگ یہاں سے نکل جائیں گے تو تمہیں خوشی ہی ہاں۔"
"جی۔" شہباز کا حیرت سے منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
"خوشی ہو گی نا" فرغام علی صاحب نے دوبارہ پوچھا۔
"ہم میں بھی۔۔۔ میرا مطلب ہے میں بھی۔۔۔ میں بھی۔"
"جی جناب۔ آپ بھی"
"لیکن یہ کیسے؟"
"بس دنیا کے بہت سے کام مختلف طریقوں سے ہو جاتے ہیں۔ تم باقاعدہ قانونی طور پر یہاں سے جاؤ گے خدانخواستہ کوئی یا کوئی جرم کرکے نہیں جاؤ گے کیا سمجھے لیکن جناب عالی اس کے لیے ہماری ایک شرط ماننی پڑے گی آپ کو؟"
"آپ اسے شرط کا نام نہ دیجیے بلکہ حکم دیجیے۔"
"ذرا مشکل کام ہے غور کرلو۔"
"کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو؟"
"وعدہ کرتے ہو۔"
"جی۔"
"سوچ لو مرد کا وعدہ ایک ہی بار ہوتا ہے۔"
"آپ نجانے کیوں اتنے الفاظ کہہ رہے ہیں مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔ آپ کے دیے ہوئے ہر حکم کو میں اپنی جان سے عزیز رکھتا ہوں۔"
"خدا تمہیں خوش رکھے۔ تو بیٹے اصل میں بات یہ ہے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد میں تمہیں تمہارے گھر نہیں جانے دوں گا۔"
"جی۔"
"ہاں میں تمہیں تمہارے گھر نہیں جانے دوں گا۔"
"تت۔۔۔ تو پھر؟"
"میرے گھر جاؤ گے میرے ساتھ۔"
"جی۔"
"جی ہاں یہاں سے نکل کر ہم گھر جائیں گے وہاں تم تھوڑا بہت آرام کرو گے اور اس کے بعد فیضان میاں تمہیں تمہارا کام سمجھا دیں گے۔ ہماری فرم کے نئے مینیجر کی حیثیت سے تم اپنا چارج سنبھالو گے۔ مینیجر بنو گے۔ فرم کا کاروبار چلاؤ گے ایک یا ڈیڑھ ماہ تک تمہیں مکمل طور پر تربیت حاصل کرنا ہو گی اور اس کے بعد میاں شہباز احمد صاحب اپنے گھر کا رخ کریں گے میاں بات سنو اب ہم اتنے بھی احمق نہیں ہیں کہ ہماری یادداشت بالکل ہی ہمارا ساتھ نہ دے۔ وہ تو ہم بس سرسری طور پر تم سے وہ باتیں بار بار پوچھ لیا کرتے ہیں۔ اس بار پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ اس دوران جب تم ہمارے پاس رہو گے کہیں کوئی تم سے ملنے تو نہیں آئے گا۔ میرا مقصد ہے تمہارے والدین وغیرہ کہیں وہ پریشان نہ ہوں۔"
"امکان تو نہیں ہے جناب اس بات کا۔ لیکن ہو بھی سکتا ہے۔"
"خیر وہ کوئی ایسی بات نہیں ہے ہم اس کا بھی کچھ نہ کچھ انتظام کر جائیں گے۔ مثلاً" یہ کہ اگر کوئی یہاں آیا بھی تو اس کو

یہ اطلاع دے دی جائے گی کہ تمہیں تھوڑے دنوں کے لیے کہیں اور بھیج دیا گیا ہے۔ مہینے ڈیڑھ مہینے بعد تمہارے والے تم سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ اصل میں شہباز میاں میں ان لوگوں کو بھی سرپرائز دینا چاہتا ہوں میرا مطلب تمہارے والدین کو۔ جب تم بدلی ہوئی شکل میں وہاں پہنچو گے تو ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ مجھ سے پوچھو میں پیش گوئی کر رہا ہوں وہ لفظ بہ لفظ درست ثابت ہو گی۔"

شہباز سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس کے دل میں مسرتوں کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ یہ تو واقعی بہت بڑی بات ہو جا گی۔ حالانکہ جیل سے باہر نکلنے کے بعد اسے بہت سے خطرات اور خدشات لاحق تھے۔ نجانے کن کن مراحل سے گز پڑے۔ اب سب کچھ اپنے ہی ہاتھ کی بات تو نہیں ہوتی۔ نوکری تلاش کرنا پڑے گی اور پھر یہ بات بھی سامنے آئے گی ایک شخص سزا یافتہ ہے اسے نوکری کیسے دے دی جائے۔ ان تمام مسائل کا اس نے بارہا تجزیہ کیا تھا اور سوچا تھا کہ نکلنے کے بعد جس کٹھن زندگی کا آغاز ہو گا وہ پہلی زندگی سے کسی طرح کم نہیں ہو گی لیکن یہ ضرور سوچا تھا اس نے پامردی سے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرے گا اور جو کچھ بھی ہو گا اسے برداشت کرے گا لیکن یہاں تو یہ سب کچھ خود ہی مل رہا تھا واقعی یہ شخص فرشتہ ہی ثابت ہو رہا تھا اس کے لیے اس نے گردن جھکا کر مدھم لہجے میں کہا۔

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس بات کو معمولی حیثیت دوں گا تو براہ مہربانی ایسا نہ سمجھئے۔ اس طرح سے تو یوں لیجئے کہ آپ میری زندگی میں ایک حسین لمحے کا آغاز کر رہے ہیں۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔ تمہاری مشکلات کا دور ختم ہو چکا ہے۔ ٹھیک سات دن کے بعد ہمیں یہاں سے رہائی حا ہو جائے گی۔"

* * *

وطن واپس آنے کے بعد شکیل کے شب و روز معمول کے مطابق جاری ہو گئے۔ سلطانہ جمالی کی کیفیت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ وہ زندگی سے بھرپور عورت تھی۔ زندگی کے معمولات میں پوری پوری دلچسپی لیتی تھی۔ شکیل اب کاروباری نظام کو اور ذمے داری کے ساتھ سنبھال لیا تھا لیکن ابھی تک ان لوگوں نے باقاعدہ اپنی شادی کا کوئی ا نہیں کیا تھا۔ سلطانہ جمالی نے بھی شاید شکیل سے اس سلسلے میں تعاون کر لیا تھا اور اس کے بعد اس نے کبھی اس با لیے اسے مجبور نہیں کیا کہ اس شادی کو منظر عام پر لایا جائے۔ معمولات کے سلسلے میں بھی اس نے مکمل طور پر تعاون تھا۔

شکیل رات کو گھر ہی واپس چلا جاتا تھا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اگر کبھی کلب وغیرہ میں دیر ہو جائے تو وہ دیر جاتا تھا۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ کچھ ایسی تقاریب جن میں سلطانہ جمالی نے رات بھر شریک ہونے کا فیصلہ کیا شکیل کو اٹ پڑیں۔ اس کے سلسلے میں اسے پہلے سے علم ہو جاتا تھا اور وہ گھر پر یہ اطلاع دے دیتا تھا کہ اسے آج رات ایک کار میٹنگ کے سلسلے میں مصروف رہنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ رات کو واپس نہ آئے۔

کلیم احمد صاحب نے اس دن کی گفتگو کے بعد ایک پراسرار خاموشی اختیار کر لی تھی۔ نجانے ان کے اپنے ذہن تھا۔ البتہ وہ کبھی کبھی رقیہ بیگم سے ضرور کہا کرتے تھے کہ انہیں اپنے لنگڑے ہو جانے کا افسوس اب زیادہ ہو رہا ہے وہ ایک طرح سے دنیا سے کٹ کر ہی رہ گئے ہیں ورنہ بہت سے معاملات کو خود آگے بڑھ کر دیکھتے۔

غرض یہ کہ شکیل کی زندگی بہتر گزر رہی تھی۔ وہاں سوئٹزرلینڈ میں نادر شاہ سے ملاقات کے بعد جو ایک چھوٹا سا میں پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کبھی کبھی شکیل کو بے چین کر دیا کرتا تھا لیکن یہاں آنے کے بعد سلطانہ جمالی کے انداز اور رو کوئی تبدیلی نہ پا کر شکیل نے دل ہی دل میں یہ سوچا کہ وہ غلط راستے پر تھا۔ نادر شاہ سلطانہ جمالی کا گہرا دوست تھا طبقے سے وہ تعلق رکھتی ہے وہاں دوستیوں میں کوئی ایسی تخصیص نہیں ہوتی کہ انسان شکوک و شبہات میں مبتلا ہو اب کلب کا ماحول تھا۔ صنعت کاروں کی بیگمات اپنے دوستوں کے ساتھ اس طرح گھلی ملی نظر آتی تھیں کہ چھوٹا انسان فوراً ہی ان کے کردار سے مشکوک ہو جائے۔ شکیل نے اب بہت قریب سے اس ماحول کو دیکھا تھا۔ جانچا تھا اور اسے یہ اندازہ ہوا تھا کہ طبقاتی فرق نمایاں ہے۔ اپنی گلی میں اس نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہ

...سومی اقدار تراشے گئے تھے اور انہی اقدام کے تحت زندگی بسر ہوتی تھی۔ لیکن اس اعلیٰ طبقے میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور ...ہیں کیا جاتا اور اپنے آپ کو اس سے ناآشنا ظاہر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ذہنی طور پر وہ سطح قبول نہیں کر سکا۔

شکیل اپنی زندگی میں بکھری ہوئی روشنی کو اپنی پوری ذات میں سمو لینا چاہتا تھا چنانچہ یہاں آکر مختلف طریقوں سے اپنے ...پ کو بہلایا اور اس کے بعد ذہنی طور پر کافی حد تک مطمئن ہو گیا۔ سلطانہ جمالی بس اتنی سی بات ہے کہ اونچے طبقے کی ...رت ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو ذہن میں جگہ نہیں دیتی۔ غرض یوں ماحول خاصا بہتر پیدا ہو گیا تھا۔

سلطانہ جمالی نے شکیل سے بدستور رابطہ قائم رکھا اور کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا جو پریشانی کا باعث ہوتا۔ اس دوران ...طانہ جمالی کی بڑی بڑی رقومات جن لوگوں نے ہضم کی تھیں۔ شکیل نے ان کے منہ کھلوا لیے تھے۔ زیادہ تر لوگوں نے یہی ...ا تھا کہ خاموشی سے ہضم شدہ رقم اگل دی تھی اور یہ رقم کروڑوں تک پہنچتی تھی۔ سلطانہ جمالی نے نہایت ایمانداری سے ...دن شکیل سے کہا کہ اس رقم کی وصولیابی میں تمام کاوشیں اس کی ہیں اور ان کاوشوں کا صلہ کم از کم بیس پرسنٹ کی ...میں اسے ملنا چاہیے۔ شکیل نے ہنس کر کہا۔

"گویا تم میری حد مقرر کر دینا چاہتی ہو؟"

"بالکل نہیں، ایک اچھے کاروباری کی حیثیت سے بارہا یہ بات میرے ذہن میں آئی ہے کہ تمہارے ذاتی اکاؤنٹ میں ...کچھ نہیں ہے، دیکھو شکیل، میں اپنا یہ تمام کاروبار، ساری جائداد تمہارے نام منتقل کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن ایک ...ح سے یہ مناسب نہیں ہو گا کیونکہ جو ذمے داریاں تم پر آپڑیں گی وہ تمہیں پژمردہ کر دیں گی، میں تمہاری شگفتگی کو متاثر ...ہونے دینا چاہتی۔"

"میرے ذہن کے کسی گوشے میں کبھی یہ تصور نہیں آیا کہ میں اپنی بیوی کی جائداد اپنے نام کرا لوں، اگر آپ ایسا ...لیں بھی محترمہ سلطانہ جمالی تو میں آپ کو اس سے روک دیتا۔"

"لیکن اس بیس پرسنٹ سے تم مجھے نہیں روکو گے۔"

شکیل کا اکاؤنٹ کھل گیا۔ پہلے بھی اس اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم جمع ہو گئی تھی، لیکن اب جو کچھ جمع ہوا اسے دیکھ ...ور سوچ کر شکیل بڑا آدمی بن چکا تھا اور بارہا اسے اپنی گلی میں اپنے گھر میں اپنے بستر پر لیٹ کر یہ خیال آتا کہ جتنی دولت ...ے پاس موجود ہے اگر اسے منظر عام پر لے آؤں تو میرا اس علاقے میں رہنا ایک مذاق ہی تصور کیا جائے گا۔

بعض اوقات اسے اپنے والدین پر جھنجلاہٹ ہونے لگتی تھی، زندگی تو ایک روشن شے ہے اگر وہ لوگ اپنے اندر ذرا ...ل پیدا کر لیں تو خود بھی زندگی کی ان تمام سہولتوں سے لطف اندوز ہو سکیں گے یہاں ہر قسم کے مسائل، ہر قسم کی پریشانی ...رہے۔ ٹھیک ہے گھر میں میں نے تمام چیزوں کا بندوبست کر دیا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ چھوٹا سا گھر کسی صاحب ...ت انسان کی زندگی کا مظہر نہیں ہے یہاں ایک امداد بیگ صاحب تھے جن کے گھر میں آسودگی نظر آتی تھی یا پھر اب پوری ...لی شکیل کا گھر ایسا تھا جو زندگی کی تمام نعمتوں سے بھر چکا تھا، ائر کنڈیشنر، فریج، کلر ٹیلیویژن، وی۔ سی۔ آر صوفے سیٹ ...ا ہر وہ چیز اس نے اس گھر میں مہیا کر دی تھی جو محلے کے تمام گھروں میں موجود نہیں تھی، حالانکہ غلام قادر جیسے لوگ اچھی حیثیت کے مالک تھے، خاصی دولت تھی ان کے پاس، لیکن ذہنی سطح اس قدر بلند نہیں ہوئی تھی کہ وہ ان تمام ...ا پر توجہ دیتے بس آرام و آسائش کی زندگی گزار رہے تھے، لیکن اس طرح جس طرح اس علاقے میں گزاری جا سکتی ہے

ان تمام باتوں کو سوچ کر شکیل کو بارہا افسوس بھی ہوتا تھا، لیکن کلیم احمد صاحب نے اس پر جو محنت کی تھی وہ اس قدر ...رتھی کہ وہ براہ راست ان سے کبھی بغاوت کا اعلان نہیں کر سکتا تھا یا کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتا تھا جس سے ان لوگوں ...دونہ، ایک بات اس نے ہمیشہ محسوس کی تھی کہ کلیم احمد صاحب کے انداز میں اب ایک عجیب سی افسردگی پائی جانے ...شبہ، یہ بھی محسوس کرتا تھا کہ اس کی شادی وغیرہ کے سلسلے میں کلیم احمد صاحب نے جو بات اس سے کی تھی اور اس ...کے جوابات اس نے دیے تھے انہوں نے بھی کلیم احمد صاحب کو تھوڑا سا افسردہ کر دیا ہے، لیکن ابھی تک اس کی یہ ہمت ...پڑی تھی کہ اپنی شادی کو منظر عام پر لے آئے۔ جب سلطانہ جمالی نے اعلیٰ طبقے میں اپنی شادی کا اعلان نہیں کیا تھا تو پھر

یہاں گھر پر اس چھوٹے سے ماحول میں وہ اس بات کا تذکرہ کر کے پوری گلی والوں کو اپنے اوپر انگلی اٹھانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

یوں وقت گزرتا رہا اور شکیل اپنی زندگی سے خاصا مطمئن رہا' باہر جانے کے کئی مواقع آئے لیکن سلطانہ جمالی خود ٹالتی رہی البتہ اس دن سلطانہ جمالی نے شکیل سے کہا۔

"شکیل! تمہیں جاپان جانا ہوگا۔"

"کیا؟"

"ہاں اس ڈیل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس پر بہت دن سے خط و کتابت چل رہی ہے۔"

"طے یہی ہوا تھا کہ وہاں جا کر ہی معاملہ درست ہو سکے گا۔"

"ہاں۔"

"تو پھر؟"

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم جاپان چلے جاؤ۔"

"اور تم؟"

"نہیں میں نہیں جا سکوں گی۔"

"میں تنہا وہاں سب کچھ کر لوں گا؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو شکیل' تم نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔ مجھ سے زیادہ ذہین آدمی ہو تمہیں کیا دقت ہوگی اور تمہیں پاور آف اٹارنی دی جائے گی جس کے تحت تم وہاں جا کر اس کاروبار کو ہینڈل کرو گے۔"

"ہوں۔ تو پھر کب تک جانا ہوگا مجھے؟"

"میرا خیال ہے تین چار دن کے اندر تم چلے جاؤ معاملہ جتنا لیٹ ہو رہا ہے مناسب نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"گھر میں اطلاع دے دینا۔"

"ہاں' کتنا عرصہ رہنا ہوگا مجھے جاپان میں؟"

"میرا خیال ہے مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگ جائے گا تمہیں وہاں پر۔"

"میں کہہ دوں گا۔" شکیل نے کہا۔

گھر پر اس نے اپنے جاپان جانے کی اطلاع دے دی تھی۔ بہرحال کوئی ایسی بات بھی نہیں تھی جس پر بہت زیادہ جاتا' سلطانہ جمالی نے تمام کاغذات وغیرہ مکمل کرا لیے' پاور آف اٹارنی وغیرہ بھی تیار ہو گئی اور بالآخر چوتھے دن شکیل روانہ ہو گیا۔

جاپان میں اسے زندگی کے نئے نئے تجربات سے روشناس ہونا پڑا' اس بار سلطانہ جمالی ساتھ نہیں تھی اور اعتماد کے ساتھ تمام کاروباری امور طے کرتا تھا' لیکن اس سلسلے میں کچھ لوگوں نے عدم تعاون کیا' خاص طور سے جن کا تعلق امریکا سے تھا' عدم تعاون کر رہے تھے شکیل نے اس سلسلے میں سلطانہ جمالی کو ٹیلی فون کر کے اس سے طلب کیں' سلطانہ جمالی نے مسٹر ورتھ سے بھی بات کی' لیکن مسٹر ورتھ نے یہ کہہ کر اسے ٹال دیا کہ اس وقت وہ مصروفیات میں ہیں اس لیے انہیں اس کام کو سنبھالنے میں دقت ہوگی' کچھ وقت دیا جائے انہیں۔" سلطانہ جمالی نے کہا۔

"شکیل' مسٹر ورتھ کسی قدر بے اعتمادی کا اظہار کر رہے ہیں' لیکن تم انہیں چھوڑنا نہیں' ان سے معاملہ طے کر کے آؤ۔ چاہے اس میں کچھ زیادہ ہی وقت لگ جائے تم ان کے پیچھے لگے رہو گے تو وہ یہ کام با آسانی کر ڈالیں گے۔"

"ٹھیک ہے' لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ مسٹر ورتھ کو کتنا عرصہ یہاں کی مصروفیات میں لگ جائے۔"

"ہوں' خیر مجھ سے رابطہ رکھنا' جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

شکیل خاموش ہوگیا۔ کئی دن تک وہ اپنے معاملات میں مصروف رہا' باقی سارے کام تو ہفتے ڈیڑھ ہفتے ہی میں نمٹ گئے
تھے' لیکن مسٹر ورتھ کی وجہ سے معاملہ خراب ہوگیا تھا۔

پھر ایک صبح جب وہ مقامی فرم میں مسٹر ورتھ کی سکریٹری سے ملا تو سکریٹری نے اسے جواب دیا کہ مسٹر ورتھ جاپان سے
چلے گئے ہیں۔"

"کہاں؟"

"انہیں کچھ خصوصی کام تھے' میرا خیال ہے پہلے وہ تمہارے ہی ملک گئے ہیں' ایک ہفتے وہاں قیام کرنے کے بعد
نیویارک روانہ ہوجائیں گے اور پھر یہاں ان کی واپسی میں چند ماہ لگ جائیں گے۔"

"وہ میرے وطن گئے ہیں کیا آپ یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہیں مس سونیا؟"

"ہاں کیوں نہیں' ظاہر ہے میں ان کی سکریٹری ہوں۔"

شکیل کو فوراً" ہی خیال آیا کہ کیوں نہ وہ وطن واپس چلا جائے۔ وہاں مسٹر ورتھ کی براہ راست ملاقات سلطانہ جمالی
سے کرادی جائے گی' اب اگر دو تین مہینے وہ وہاں رہے تو ظاہر ہے یہاں جاپان میں بے مقصد رہ کر ان کا انتظار کرنا غلط ہوگا

چنانچہ اس نے اس سلسلے میں سلطانہ جمالی کو اطلاع نہیں دی حالانکہ اس کا دل چاہا تھا کہ ٹیلی فون پر سلطانہ جمالی سے
مشورہ کرلے' لیکن پھر اس نے سوچا کہ چلو کوئی حرج نہیں ہے بھلا جاپان دوبارہ واپس آجانا کون سا مشکل کام ہوگا اور بظاہر
یہ بھی طے تھا کہ مسٹر ورتھ اگر دو تین ماہ کے بعد یہاں جاپان واپس آئے تو اس دوران شکیل اپنے تین ماہ ضائع نہیں کرے گا
تھا' سلطانہ جمالی ذرا بھی اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کرتی' چنانچہ اس نے فوراً" ہی جاپان سے واپسی کے انتظامات کیے
اور جہاز میں بیٹھ کر چل پڑا۔

ائرپورٹ سے وہ سیدھا سلطانہ جمالی کے گھر پہنچا تھا رات کا وقت تھا کوئی ساڑھے نو بجے ہوں گے جب اس نے گھر میں
قدم رکھا۔ روشن اور شریف اسے مل گئے تھے' سلطانہ جمالی کی گاڑی موجود نہیں تھی' ان دونوں نے اس کا استقبال کیا
شکیل نے سلطانہ جمالی کے بارے میں پوچھا۔

"وہ تو کلب گئی ہوئی ہیں۔"

"اوہو اچھا کس وقت گئی تھیں؟"

"شام کو چار بجے ہی نکل گئی تھیں نادر شاہ صاحب کے ساتھ' نادر شاہ صاحب کو کہیں اور بھی کچھ کام تھے' وہیں سے
لوگ کلب چلے جائیں گے۔"

"کس کے ساتھ۔"

"نادر شاہ صاحب کے ساتھ۔"

"کون' نادر شاہ؟"

"وہ جی وہ مالکن کے پرانے دوستوں میں سے ہیں وہ تو۔"

"وہ یہاں آئے ہوئے ہیں۔"

"ہاں جی۔"

"کیا وہی ہیں جو بار بار یہ کہتے ہیں کہ لٹ گئی دلی؟"

"ہاں جی وہی ہیں۔"

"ہوں کب آئے تھے وہ یہاں؟"

"جس دن آپ گئے ہیں صاحب اس کے دوسرے دن ہی آگئے تھے۔"

"یہیں قیام ہے ان کا؟"

"نہیں ٹھہرے تو کہیں اور ہیں سامان وغیرہ کہیں اور ہے شاید ہوٹل میں لیکن اب یہیں رہتے ہیں۔"

"کیا مطلب' کیا رات کو بھی یہیں رہتے ہیں؟"

"ہاں جی' دن رات یہی رہتے ہیں بہت پرانے دوست ہیں۔"

"ہوں اچھا اچھا اور تم سناؤ شریف کیسے ہو روشن تم کیسی ہو؟"

"بالکل ٹھیک ہیں سرکار۔"

"ویسے یہ کس قسم کے آدمی ہیں نادر شاہ صاحب' کیا تم لوگ پہلے سے انہیں جانتے ہو؟"

"ہاں جی' بہت پرانا جانتے ہیں ہم تو انہیں' پہلے تو وہ بہت عرصے یہاں رہے تھے' مہینے مہینے دو دو مہینے اور مالکن انہیں
بہت پسند کرتی تھیں' پھر وہ چلے گئے اور اس کے بعد بہت عرصے کے بعد اب واپس آئے ہیں۔"

"تمہاری مالکن سے بہت گہری دوستی تھی ان کی؟"

"ہاں جی ظاہر ہے گہرے دوست ہی کسی کے ساتھ رہا کرتے ہیں۔"

شکیل ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا' اس سے زیادہ نادر شاہ کے بارے میں تفتیش کرنا ملازموں کو شبے کا شکار
کر سکتا تھا چنانچہ اس نے صبر کیا' اگر چاہتا تو کلب جاکر سلطانہ جمالی سے ملاقات کر سکتا تھا' لیکن یہ بھی اس نے مناسب نہیں
سمجھا اور ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

کوئی پونے ایک بجے سلطانہ جمالی کی کار اندر داخل ہوئی۔ شکیل ایک مخصوص جگہ سے ان لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔
دونوں کار سے اترے' نادر شاہ کی چال میں تھوڑی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ ایک خوبصورت سوٹ میں ملبوس تھا اور سلطانہ
جمالی حسن و جمال کا پیکر نظر آرہی تھی' اس نے بہت ہی حسین ساڑھی باندھی ہوئی تھی جس کا رنگ رات کی وجہ سے نظر
نہیں آرہا تھا' لیکن اندازہ ہو رہا تھا کہ خاصے خوبصورت رنگ کی ساڑھی ہے' سلطانہ جمالی کو نادر شاہ نے سہارا دیا اور آگے
بڑھنے لگا۔ اب شکیل کا تجربہ بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ اس نے نادر شاہ کی چال سے محسوس کرلیا کہ وہ کسی قدر نشے میں ہے'
اس کا دل دھک سے رہ گیا' وہ تمام خدشات' وہ تمام وسوسے وہ ساری کیفیت' ایک بار پھر سے دل میں تازہ ہوگئی جو سوئٹزرلینڈ
میں اس کے دل میں بیدار ہوگئی تھی۔ وہ بڑے عجیب سے انداز میں سوچنے لگا کہ کیا یہ بھی صرف دوستی ہی ہے۔ اس نے
فوراً" ہی کوئی اظہار نہیں کیا بلکہ انتظار کرتا رہا اور جب وہ دونوں اندر داخل ہوگئے تب بھی وہ ان کے سامنے نہیں آیا پھر
جب سلطانہ جمالی نادر شاہ کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں پہنچ گئی تو شکیل نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ روشن اور شریف شاید آرام
کرنے لیٹ گئے تھے کیونکہ کوٹھی میں اس کے بعد بالکل سناٹا پھیل گیا تھا' البتہ گیٹ پر چوکیدار جاگ رہا تھا اور اس نے
شاید شکیل کی آمد کے بارے میں سلطانہ جمالی کو نہیں بتایا تھا۔

شکیل سوچتا رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے جو کچھ نگاہوں کے سامنے تھا اس پر اپنے آپ کو دھوکا دینا حماقت کے
مترادف تھا' غلطی ہوگئی ہے۔ بے شک بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے یہ روشن کلچر' یہ روشن ماحول شاید میرے مزاج کے مطابق
نہیں ہے میں کیا کر سکتا ہوں اس سلسلے میں؟ زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں میں؟ پورا پورا احساس ہے مجھے کہ میں اس گھر
میں ایک ملازم کی حیثیت سے آیا تھا یہ دوسری بات ہے کہ یہاں میرا عہدہ ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا' لیکن کیا میں اپنی مالکن
کے سامنے اس زبان میں بات کر سکتا ہوں جو میرے عہدے کی زبان ہے۔ شاید ہمت نہ پڑے' شاید بالکل ہمت نہ پڑے
تو کیا سب کچھ اسی طرح چھوڑ دوں؟ شدید کشمکش کا شکار رہا' رات کے دو بج گئے اسے وہاں سلطانہ جمالی کے کمرے میں
اروشنی کا بلب جل اٹھا تھا اور شکیل کے لیے سوچوں کے دائرے روشن ہوگئے تھے' پھر تقریباً" سوا دو بجے وہ لڑکھڑاتے
قدموں سے باہر نکل آیا اور کوٹھی سے ہی باہر چل پڑا' حالانکہ سلطانہ جمالی کی کار موجود تھی۔ یہاں دو کاریں تھیں' شکیل
اگر چاہتا تو ان میں سے ایک کار استعمال کر سکتا تھا' لیکن اس وقت وہ کار بھی نہیں استعمال کرنا چاہتا تھا کافی دور نکلنے کے بعد
اسے ایک ٹیکسی مل گئی اور اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنے گھر کا پتا بتا دیا۔

ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کی پشت سے ٹکا وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے؟ اب اسے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔
اتنی رات گئے جب وہ گھر پہنچا تو بڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا تھا' کلیم احمد صاحب نے ہی دروازہ کھولا تھا' رقیہ بیگم ان
کے پیچھے تھیں اور حیران تھیں کہ اس وقت کون آگیا' رات کو اس وقت ان کے ہاں آنے والا کوئی بھی نہیں ہوتا تھا' لیکن
شکیل کو دیکھ کر دونوں کے چہرے کھل اٹھے' کلیم احمد صاحب کے دل میں شکیل کے لیے تھوڑی شکوہ بھی تھا' تب بھی اتنے

دن کے بعد بیٹے کو اچانک دیکھ کر اچانک یہ احساس ہوا کہ بہت ہی قیمتی شے کھوتا جارہا ہے وہ 'یہ لمس' یہ محبت بھرا لمس دنیا کی کسی اور شخصیت میں نہیں ہے' باقی سب کچھ مصنوعی ہے سوائے اس لمس کے۔ اچانک بہت دیر تک وہ ماں باپ سے چمٹا رہا تھا۔ رقیہ بیگم اس کی اچانک آمد پر خوشی کا اظہار کر رہی تھیں کلیم احمد صاحب نے بھی کہا۔

"اتنی رات گئے بیٹے۔"

"جی ابو' اصل میں لیٹ فلائٹ تھی' اسی وقت یہاں پہنچی ہے۔"

"سیدھے آرہے ہو ائرپورٹ سے۔"

شکیل ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا اور پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "جی۔"

"چلو چلو اندر چلو خوش تو ہو ناں؟"

"جی بالکل۔"

"کچھ سامان وغیرہ ساتھ نہیں لائے۔"

"جی ہاں ائرپورٹ پر موجود ہے کل صبح لے کر آؤں گا۔ کسٹم کلیئرنس میں دیر لگ رہی تھی' چھوڑ کر آگیا میرے سا دفتر کے دوسرے لوگ بھی تھے۔" شکیل کو اب جھوٹ بولنے میں خاصی مہارت ہوگئی تھی۔ بہرطور وہ بہت دیر تک ماں بار سے بیٹھا باتیں کرتا رہا وہ اس سے جاپان کے بارے میں تفصیلات معلوم کر رہے تھے اور شکیل کو مسلسل جھوٹ بولنے رہے تھے ذہن کے کسی گوشے میں تردد کی لہریں بیدار ہو جاتی تھیں' لیکن اس وقت اس نے اس تردد کو بھی دبا دیا تھا غیرو کے لیے تو دنیا کی ہر بات برداشت کر رہا ہے' ماں باپ سامنے ہیں اس سے باتیں کر رہے ہیں' خوش ہو رہے ہیں ان خوشیوں کو کیسے نظرانداز کیا جا سکتا ہے' انہیں حق ہے اس کے ہر لمحے پر یقینی طور پر انہیں حق ہے اور وہ بڑی خوش دلی انہیں جوابات دے رہا تھا پھر بہت دیر کے بعد ان کا جی بھرا اور انہوں نے اسے آرام کرنے کے لیے کہا۔

لیکن یہ بستر کانٹوں کا بستر تھا شکیل کے لیے خصوصاً" اس تصور کے ساتھ کہ وہاں کوٹھی میں نادر شاہ موجود ہے' کیا یہ سب کچھ؟ کیا نادر شاہ کی آمد متوقع تھی؟ کیا سلطانہ جمالی نے جان بوجھ کر اسے تنہا جاپان بھیجا تھا؟ لیکن' لیکن یہ سب کچھ کاش یہ سب کچھ نہ ہوتا' اس وقت تو بالکل نہ ہوتا جب وہ سلطانہ جمالی سے شادی نہ کرتا اور اس کے اور اپنے درمیا صرف مالک اور ملازم ہی کا رشتہ رکھتا۔ غلطی ہوگئی واقعی کچھ غلطی ہوگئی' آخری احساس یہی تھا اس کے دل میں۔

❀

فوزی حسرت بھری نگاہوں سے آسیہ کو دیکھ رہی تھی' آسیہ نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ آگیا ہے' میری فون پر اس سے بات ہوئی ہے یہاں کچھ مصروفیات ہیں اس کی' ان سے نمٹنے کے فوراً" بعد سے آکر ملے گا۔"

"اور تم نے فون پر ہی اسے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا؟"

"ہاں۔ اصل میں فوزیہ یہ میرے دل کو لگی ہوئی ہے میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ ساگا سیٹھ کے لیے کئی با ایسے ناخوشگوار کام سرانجام دینے پڑے ہیں لیکن اس وقت میرے دل میں کچھ انتقامی جذبے نمودار ہو جاتے تھے۔ سوچتی تھی کہ اس کائنات میں میرے لیے کسی نے کچھ نہیں کیا اور بالآخر میں اس حشر تک پہنچ گئی تو پھر میں کیوں کسی کے کچھ کروں' سارے جہاں کا درد میں کیوں اپنے دل میں سمیٹوں' بس اس تصور نے مجھے ہمیشہ کچھ کرنے سے باز رکھا لیکن تم نے مجھے میرے محور سے ہٹا دیا تم نے میری ان سوچوں کو شکست دی جو انتقامی جذبہ رکھتی تھیں۔ اس لیے میں انتظار سکی اور میں نے فوراً" ہی اس سے تمہارے لیے بات کرلی اور خوش بختی دیکھو اپنی کہ وہ بھی فوراً" ہی تیار ہوگیا۔ کہنے

"آسیہ اگر تم ایک نیک کام کرنا چاہتی ہو تو میں اس میں تمہارا پورا پورا ہاتھ بٹاؤں گا۔"

"میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں آسیہ اب مجھ پر ایک ایک لمحہ شاق گزرے گا' میں نہیں کہہ سکتی کہ میں کیسے اور کس طرح گزاروں گی' بڑی مایوسیوں کے بعد روشنی کی ایک کرن نظر آئی ہے مجھے' کاش یہ سب کچھ اس سے ہو جائے جیسے ہم نے سوچا ہے **کاش کوئی اور حادثہ اس اقدام کو ناکام نہ** کردے۔"

"نہیں' اطمینان رکھو' کوئی حادثہ نہیں ہوگا' تم خوش نصیب ہو اور تمہاری خوش نصیبی کا میں اعتراف کرتی ہوں۔"

آسیہ اسے تسلیاں دیتی رہی لیکن درحقیقت ایک ایک لمحہ فوزی کے لیے بڑے تجسس کا باعث تھا۔ اسے اپنی تقدیر کی یاوری پر یقین نہیں آرہا تھا' بہت سی سوچیں تھیں اس کے ذہن میں۔ حالانکہ ابھی بڑے کٹھن مراحل باقی تھے' جو کچھ اس سے کہا گیا تھا وہ اس کے تصورات سے بھی باہر کی چیز تھی۔

"فرض کرو یہاں سے فرانس پہنچ جاؤں میں' افتخار میری مدد کرے' تو اس کے بعد بھی بہت سے مراحل آتے ہیں' مجھے فرانس میں اپنے سفارت خانے سے رابطہ قائم کرنا پڑے گا' میں تو کچھ بھی نہیں جانتی اس بارے میں' ساگا سیٹھ میرے فرار کے بعد نجانے کیا کیا انتقامی کارروائیاں کرنے پر تل جائے' پتا نہیں اسے میرے خلاف کام کرنے میں کہیں فوقیت نہ حاصل ہو جائے' یہ بہت سی سوچیں اس کے دل میں دہشت جگاتی تھیں' لیکن وہ انتظار کر رہی تھی۔

پھر اس رات افتخار آگیا۔

بھاری سے بدن کا ایک کوتاہ گردن انسان تھا شکل و صورت بھی واجبی ہی سی تھی اور چہرے پر کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جسے محسوس کیا جائے لیکن فوزی کی نگاہوں میں وہ ایک فرشتہ تھا۔ وہ جو اسے زندگی کی جانب لے جا رہا ہے۔ وہ جو اسے ئی زندگی لوٹا رہا ہے' آہ یہ فرشتہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائے' کاش یہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائے۔

آسیہ نے اسے افتخار سے ملایا اور افتخار نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو یہ فوزیہ ہیں۔"

"ہاں افتخار' تمہیں ہر قیمت پر اس کی مدد کرنی ہے۔ افتخار انسان کو زندگی میں کبھی کبھی کوئی نیک کام بھی کرنا چاہیے ہمارے بہت سے گناہ دھل جائیں گے اگر تم فوزیہ کو اس کی زندگی واپس لوٹا دو۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میری پوری زندگی گناہوں سے پر رہی ہے۔ بہرحال یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا کوئی گناہ دھلے گا یا نہیں لیکن فوزیہ کو اس کی منزل تک پہنچانا میری ذمے داری ہے۔ بے فکر رہو' تم نے پہلی بار کوئی کام میرے سپرد کیا ہے' میں اسے خلوص دل سے سرانجام دوں گا۔"

"ساگا چوہدری اس کے بارے میں کیا کہتا ہے۔"

"اس نے ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن تم جانتی ہو افتخار اس کا جو بھی فیصلہ ہوگا بھیانک ہوگا۔ بے چاری فوزیہ تباہ و برباد ہو جائے گی۔ ابھی تک تقدیر نے اسے محفوظ رکھا ہے لیکن کون جانے کب ساگا سیٹھ کی نیت میں فتور آجائے کوئی بھی سلوک کر سکتا ہے وہ اس کے ساتھ۔"

"ہوں' چلو ٹھیک ہے' لیکن ابھی تمہیں دو تین دن تک انتظار کرنا ہوگا فوزیہ۔ ویسے مجھے اپنے بارے میں اور تفصیلات دو۔"

فوزیہ نے رو رو کر اپنی ساری کہانی اس فرشتے کو سنا دی تھی۔ افتخار کے چہرے پر دکھ کے اثرات تھے' کہنے لگا۔

"لڑکیاں کتنی مجبور ہوتی ہیں' بے چاری موم کی ناک جدھر چاہو موڑ دو' بہت برا سلوک ہوتا ہے ان کے ساتھ' بعض اوقات میں سوچتا ہوں تو کانپ جاتا ہوں' والدین کو بھی اولاد کے اچھے مستقبل کے لیے آنکھیں بند کر کے ہر طرف نہیں دوڑنا چاہیے یہ بات ان کے تجربے کی ذمے داری ہوتی ہے اور اگر ان کا تجربہ' ذمے داری سے اپنا فرض نہیں سرانجام دے پاتا انہیں اپنے آپ کو والدین کہلوانے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

فوزی اس دوران خاموش رہی۔ افتخار جو کچھ کہہ رہا تھا وہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ بہرحال وہ اس سلسلے میں اپنی کیا کہہ دیتی۔

افتخار رات کو وہیں رہا۔ دوسرے دن **صبح ہی** صبح وہ ایک بار پھر ان لوگوں کو تسلیاں دے کر چلا گیا۔ ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اس نے۔ بعد میں تین دن تک فوزیہ آسیہ **کا دماغ** ہی کھاتی رہی۔ طرح **طرح** کے وسوسوں کا شکار نظر آتی تھی وہ۔۔۔۔ اور آسیہ برابر اسے تسلیاں دیتی رہتی تھی پھر افتخار نے **ٹیلی** فون کیا کہ وہ تیار ہے اور آسیہ فوزیہ کو تیار رکھے۔

فوزیہ کے ہاتھ پیروں کی **جان** نکلی جا رہی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ آگے نجانے کیا ہوگا۔۔۔۔۔ بہت سے مشکل مراحل تھے

اور اب ایک مرحلہ یہ بھی تھا۔ دل سے نجانے کون کون سی دعائیں نکل رہی تھیں پھر افتخار آگیا اور آسیہ نے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے فوزیہ کو خدا حافظ کہا فوزیہ کہنے لگی۔

"میں جانتی ہوں آسیہ۔ تم اپنے لیے جو جہنم مول لے رہی ہو اس میں تمہیں نجانے کب تک جلنا پڑے گا۔ میں دعائیں ہی کروں گی آسیہ، یقین کرو تمہارے اس احسان کو میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ بس اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"تم اس جہنم سے نکل جاؤ فوزیہ میں اس تصور سے اپنے آپ کو خوش کرلوں گی شاید میری یہ نیکی میرے گناہوں کا کفارہ ادا کرسکے۔"

افتخار اسے لے کر چل پڑا۔ نیچے ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی اس نے فوزیہ کو ٹیکسی کے عقبی حصے میں بٹھایا اور خود ڈرائیور کے نزدیک بیٹھ گیا، ٹیکسی سفر کرتی رہی اور پھر وہ ایک عمارت کے ساتھ جا رکی۔ افتخار نے ٹیکسی ڈرائیور کو بل دیا اور فوزیہ کو ساتھ آنے کا اشارہ کرکے عمارت کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ لفٹ نے انہیں آٹھویں منزل پر اتار دیا تھا۔ رہائشی عمارت تھی اور اسی عمارت کے ایک فلیٹ کے دروازے پر افتخار رک گیا پھر افتخار نے دروازہ کا تالا کھولا اور اسے اندر چلنے کے لیے کہا۔۔۔ فوزیہ کے دل و ذہن میں بے شمار وسوسے جاگ اٹھے تھے، بہت سے خیالات اور بے پناہ خوف اس کے دل میں جاگزین ہوگیا تھا۔۔۔ بہرحال وہ خاموشی سے اندر چلی آئی۔ سجا سجایا خوبصورت فلیٹ تھا۔ افتخار نے اس سے کہا۔

"فوزیہ! ہمیں یہاں کچھ وقت گزارنا پڑے گا، غالباً کل یا پھر پرسوں میں تمہیں اسٹیمر کے ذریعے ڈوور کی بندرگاہ سے ڈنکرگ کی بندرگاہ تک لے جاؤں گا، کچھ ایسے مخصوص کاغذات تیار کرانے پڑتے ہیں جو ضروری ہوتے ہیں۔"

"جی افتخار صاحب۔۔ لیکن بس ایک سوال ہے میرے ذہن میں۔" فوزیہ نے ہمت کرکے کہا۔

"کیا۔"

"اگر آپ کو دو دن کے بعد جانا تھا تو پھر مجھے آسیہ کے پاس ہی رہنے دیتے۔"

"نہیں، یہ مناسب نہیں ہوتا۔ وہاں سے تمہارا ہٹ جانا بے حد ضروری تھا، ساگا چوہدری کسی بھی وقت وہاں پہنچ سکتا تھا اور ہمارے پروگرام میں خلل انداز ہو سکتا تھا۔ اصل میں ایک اور خیال بھی ہے میرے ذہن میں۔"

"کیا۔۔۔؟"

"وہ یہ کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری گمشدگی کے بعد آسیہ پر کیا بیتتی ہے، آسیہ ساگا چوہدری کو یہ اطلاع دے گی کہ تم فرار ہوگئیں۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آسیہ کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔"

"جی۔۔۔ خدا اسے محفوظ رکھے۔"

"یہ فلیٹ میرا اپنا ہے، تم بے فکر رہو، یہاں تمہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔۔۔"

"جی۔۔۔ کیا آسیہ کو اس بارے میں معلوم ہے۔"

"کس بارے میں۔۔۔"

"یہی کہ آپ اس فلیٹ میں رہتے ہیں یا یہ کہ فلیٹ آپ کا ہے۔"

"ہر بات ہر ایک کو بتانے کی نہیں ہوتی مس فوزیہ آپ بہت زیادہ سوالات نہ کریں۔ یہاں زندگی کی ہر سہولت موجود ہے، سوائے ٹیلی فون کے ٹیلی فون میں نے جان بوجھ کر نہیں لگوایا، کیونکہ بعض اوقات وہ بہت سی مشکلات کا باعث بن جاتا ہے آپ آرام سے یہاں رہیں اور سنیں، دروازے سے کبھی باہر نہ نکلیں، کسی سے کوئی رابطہ نہ رکھیں۔ میری غیر موجودگی میں یہاں کبھی کوئی نہیں آتا، میں جب بھی یہاں سے جاؤں گا، باہر تالا لگا کر جاؤں گا۔۔۔ لیکن آپ کو کسی بھی طرح یہ ظاہر نہیں کرنا کہ اس فلیٹ میں آپ موجود ہیں، یہ سب کچھ آپ ہی کی بہتری کے لیے ہے۔"

فوزیہ نے سادہ دلی سے افتخار کی بات مان کر سر ہلا دیا تھا۔ اس کے بعد افتخار اسے پورے فلیٹ سے روشناس کراتا رہا۔ اس نے یہاں کھانے پینے کی تمام اشیا جمع کر رکھی تھیں اس کے۔ اور وہ زندگی گزارنے کے وہ دوسرے تمام لوازمات

جن کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔۔ وہ ان تمام چیزوں کے بارے میں سمجھانے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔۔۔ اور جاتے ہوئے فوزیہ کو ایک بار پھر ہدایت کر گیا تھا کہ اسے جو کچھ کرنا ہے اس میں مدد کرنے کے لیے فوزیہ کو خود بھی ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ فلیٹ کے سامنے آمدورفت رہتی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو وہاں اس کی موجودگی کا شبہ ہوجائے۔

فوزیہ نے وعدہ کیا کہ وہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھائے گی، جاتے ہوئے افتخار فلیٹ کا دروازہ باہر سے بند کر گیا تھا۔ فوزیہ آرام سے کمرے میں ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"خداوند عالم یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ، اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اپنے والدین کی دی ہوئی تربیت کے مطابق تھوڑے تکبر کا شکار تھی اور میں نے ہمیشہ دوسروں کو اپنے آپ سے کم تر سمجھا لیکن یہ سزا۔۔۔ یہ سزا میرے تصور میں بھی نہیں تھی۔ معبود کریم سنتی ہوں کہ توبہ ہر مشکل کو ٹال دیتی ہے میں اپنے اس تکبر سے توبہ کرتی ہوں مجھے محفوظ رکھ، مجھے زندگی دکھا، مجھے روشنی دکھا۔"

جی چاہا کہ بے اختیار سجدہ کرے اس سے پہلے کبھی دل پر یہ رقت طاری نہیں ہوئی تھی، غسل خانے میں جا کر وضو کیا، جائے نماز تو نہ مل سکی۔ بس ایک صاف ستھری جگہ دیکھ کر سر بسجود ہوگئی اور نجانے کب تک رو رو کر دعائیں مانگتی رہی۔ تنہا تھی۔۔۔ کبھی ایسی تنہائی کا تصور بھی نہیں کیا تھا، اسے ہاتھوں ہاتھ لینے والے بہت سے تھے ماضی کا ایک ایک لمحہ یاد آنے لگا، نجانے کیا کیا کرچکی تھی، وہ ساری باتیں ذہن میں گردش کرنے لگیں۔ انسانوں کو انسان ہی کب سمجھتے تھے یہ لوگ لیکن، لیکن قصور مجھ سے زیادہ میری ماں کا تھا۔ ہاں اگر ان لوگوں کو یہ پتا چل چکا ہوگا کہ میں محفوظ ہاتھوں میں نہیں ہوں وہ ساری باتیں جھوٹی باتیں تھیں جو ان لوگوں کو بتائی گئی تھیں۔۔۔ تو صحیح معنوں میں انہیں بھی سزا مل رہی ہوگی آہ ہم سب کس طرح عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے ہیں۔

روتی رہی، دعائیں مانگتی رہی، پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد باورچی خانے میں داخل ہوگئی۔ زندگی کے بوجھ گھسیٹنے کے لیے پیٹ کا دوزخ بھرنا ضروری ہوتا ہے بہت سے وسوسے بہت سے خیالات دل میں آتے رہے، یہ شخص جس کا نام افتخار ہے کیسا ہے؟ دل ہی دل میں اس کا تجزیہ کیا آسیہ نے بڑے اعتماد سے اسے افتخار کے حوالے کیا تھا لیکن افتخار کے چند الفاظ اس کے دل میں کھٹک رہے تھے تعلیم یافتہ تھی احمق نہیں تھی۔ افتخار نے کہا تھا کہ ہر بات سب کو بتانے کے لیے نہیں ہوتی۔ اس فلیٹ کے بارے میں یہ سوال کرتے ہوئے اس نے یہ جواب دیا تھا کیا آسیہ کو بھی نہیں معلوم۔ آسیہ تو اس پر بے پناہ اعتماد کرتی تھی، کیا کیا جائے کیا نہ کیا جائے۔۔۔ بہرطور کچھ کرنے کی پوزیشن میں تو تھی ہی نہیں کیا کرسکتی تھی وہ بے چاری چنانچہ خاموشی سے وقت گزارنے لگی۔ ماضی کی یادیں ہی حال کا سرمایہ تھیں، شعور ذہن میں آیا اور وہ نجانے کب تک شعور کے تصور میں کھوئی رہی۔ ساری رات گزر گئی۔ دوسرا دن پورا گزر گیا۔ پھر تیسری رات بھی گزر گئی۔ چوتھے دن صبح ساڑھے آٹھ بجے افتخار واپس آگیا۔ تالا کھلنے کی آواز سن کر وہ چونکی تھی اور پھر چوکنی ہوگئی تھی۔

آنے والا افتخار ہی تھا۔ "معاف کرنا بہت وقت ہوگیا ہے مجھے۔ بس میری مصروفیات ایسی ہی ہوتی ہیں۔ پھنس جاتا ہوں تو اس طرح کہ بتا نہیں سکتا لیکن بے حد خوفزدہ تھا تمہارے سلسلے میں یہ سوچ کر کہ کہیں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگئی ہو۔ بیمار نہ پڑگئی ہو۔ کہیں کسی مشکل کا شکار نہ ہوگئی ہو۔"

"نہیں افتخار صاحب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"ہاں میں دیکھ رہا ہوں تم واقعی بالکل ٹھیک ہو آج میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں فوزیہ۔"

"جی فرمائیے۔ کیا آج ہماری پیرس روانگی کا بندوبست ہوگیا ہے۔"

"پیرس۔" افتخار نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا پھر بولا۔ "پیرس جا کر کیا کرو گی؟"

"جی۔"

"لندن بھی پیرس سے کسی طرح کم نہیں ہے بشرطیکہ انسان یہاں کی زندگی میں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرے۔"

"افتخار صاحب میں سمجھی نہیں۔"

"سمجھا رہا ہوں۔ دیکھو فوزیہ اصل میں جو ہوا ہے نا اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے اب تمہیں اتنا وقت گزرنے کے

بعد اس بات سے آشنا ہو جانا چاہیے۔"
"افتخار صاحب خدا کے لیے مجھے سمجھائیے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"
"تم واپس اپنے وطن جانے کی خواہش مند ہو نا؟"
"ہاں۔"
"کیا کرو گی وہاں جا کر؟"
"کیا کہہ رہے ہیں آپ وہاں میرے ماں باپ ہیں۔ میرے لیے زندگی ہے۔ یہاں جس انداز میں مجھے لایا گیا ہے آپ کو تو علم ہو ہی گیا ہو گا۔"
"ہاں اور جو اس انداز میں کسی کو یہاں لاتے ہیں فوزیہ وہ اس قدر کمزور نہیں ہوتے کہ ان کے خلاف کوئی ایسی ویسی کارروائی کی جا سکے۔ میں تمہیں ذاتی طور پر مشورہ دیتا ہوں کہ اب بھول جاؤ اپنے گھر کو۔ یہاں زندگی گزارو یہاں کی زندگی بے حد حسین ہے۔ بشرطیکہ تم اسے اپنانے کی صلاحیت پیدا کرو۔"
"افتخار صاحب آپ کا لہجہ آپ کی زبان بدلی ہوئی ہے۔"
"تمہارا خیال درست ہے دراصل میں یہ سوچ رہا تھا کہ تمہیں خود ہی کچھ باتوں کا احساس ہو جائے شاید تم سمجھداری سے کام لو۔ اچھا یہ بتاؤ کیا اب بھی تم پیرس جانے کے خواب دیکھ رہی ہو؟"
"خواب۔" فوزیہ کا دل وحشت سے لرز اٹھا۔
"سو فیصد خواب۔ بتا چکا ہوں تمہیں کہ ساگا چوہدری اتنا معمولی آدمی نہیں ہے کہ آسیہ جیسی بے وقوف لڑکیاں اس کے ساتھ فراڈ کر سکیں۔ اتنے بڑے کام کرنے والے لوگ معمولی دل گردے کے مالک نہیں ہوتے اور نہ ہی انہیں آسانی سے چکمہ دیا جا سکتا ہے۔ میں فرض کرو اگر تمہارا مددگار بن جاتا تو یوں سمجھو کہ مجھے اپنی جان کھونا پڑتی۔ ساگا چوہدری کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"
فوزیہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ "تو ـــــ تو ـــــ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ـــــ کہ ـــــ کہ ـــــ"
"ہاں فوزیہ ـــــ میں بھی ساگا چوہدری ہی کا آدمی ہوں۔ ایک طویل عرصے سے ہی اس کے لیے کام کر رہا ہوں تم کیا سمجھتی ہو جس شخص نے میری زندگی بنا دی میں اس کے ساتھ غداری کروں گا۔"
فوزیہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ بلک بلک کر رو پڑی۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔
"مگر تم نے آسیہ سے وعدہ کیا تھا۔"
"آسیہ بے وقوف ہے۔ یہ یورپ ہے فوزیہ یہاں کی زندگی ہمارے ہاں کی زندگی سے بہت زیادہ مختلف ہے۔"
"مگر آسیہ آپ پر بہت زیادہ اعتماد کرتی ہے۔"
"اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی اگر وہ اتنی ہی احمق ہے تو بھلا کون اسے عقل دے سکتا ہے۔ اصل میں ہر شخص اپنی غرض اپنی ضروریات کا قیدی ہے۔ میں ساگا چوہدری کے لیے کام کرتا ہوں۔ ساگا چوہدری سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور اگر کبھی سوچ بھی جاؤں اس بارے میں تو میری اپنی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"
"خدا کے لیے۔ خدا کے لیے میری آس اس طرح نہ توڑیے افتخار صاحب! ضمیر بھی کوئی چیز ہوتی ہے آپ اپنے ضمیر سے سوال کیجئے۔ میں ـــــ میں تو بے حد مظلوم ہوں۔ بڑی بے کس ہوں۔ آسیہ نے آپ پر اعتماد کیا ہے وہ کہتی ہے کہ آ ـــــ" فوزیہ جملہ پورا نہ کر سکی۔
"میں نے کہا نا کہ وہ احمق ہے۔ اب بھی اس قسم کی آس لگائے رہتی ہے لوگوں سے۔ میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا کہ میں آسیہ کو احمق بنا تا رہا ہوں اور جہاں تک تم ضمیر کی بات کرتی ہو تو جو لوگ ضمیر کے قیدی ہوتے ہیں مصائب کا شکار رہتے ہیں۔ لمبی کہانی ہے مس فوزیہ کہاں تک سناؤں آپ کو۔ یہ سمجھ لیجئے کہ بہت عرصے تک ضمیر کے ہاتھوں پریشان رہ چکا ہوں اور جس دن ضمیر کی قید سے چھٹکارا حاصل کیا اس کے بعد زیادہ دن نہ لگے دندنانے میں۔ اب یہاں آ عیش کی زندگی گزرتی ہے میری۔ پیرس، لندن ہانگ کانگ اور جگہ جگہ بھیجتا ہے ساگا چوہدری مجھے۔ اور میں بھی وہی

کچھ کرتا ہوں فوزیہ جو اس شخص نے کیا جو تمہیں یہاں لے کر آیا تھا۔"
"یعنی بھولی بھالی لڑکیوں کو احمق بنانا ان سے شادیاں کر کے انہیں یہاں لے آنا ـــــ اور ـــــ اور۔"
"ہاں ہاں یہی سب کچھ۔"
"مگر سنئے خدا کے لیے ـــــ خدا کے لیے میری مدد کیجئے۔"
"ہاں ہاں تمہاری مدد کرنے سے میں انکار نہیں کرتا۔ ایک بات کا وعدہ کر سکتا ہوں تم سے۔ ساگا چوہدری ابھی یہاں آنے والا ہے تمہارے بارے میں اسے ساری تفصیلات میں نے فراہم کر دی ہیں لیکن کچھ شرائط کے ساتھ مثلاً "یہ کہ اس سلسلے میں وہ آسیہ کے ساتھ کوئی سختی نہیں کرے گا۔ تم بھی اگر آسیہ پر رحم کرنا چاہتی ہو تو یہی کہنا کہ تم خود وہاں سے فرار ہوئی تھیں اور اتفاقیہ طور پر مجھے مل گئی تھیں۔ میں نے یہی کہا ہے ساگا چوہدری سے۔ آسیہ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کا صلہ میں اسے یہی دے سکتا ہوں کہ اسے ساگا چوہدری کے عتاب کا شکار نہ بننے دوں۔ ویسے اس نے ساگا چوہدری کو تمہارے فرار کی خبر دے دی ہے۔"
"فرار۔"
"ہاں یہی کہہ کر وہ اپنی جان بچا سکتی تھی لیکن میں نے ساگا چوہدری کو یہ کہہ کر سمجھا لیا ہے کہ وہ لڑکی نکل نہیں سکی بلکہ میرے ہاتھ لگ گئی ہے۔"
"آہ کمینے' ذلیل کتے تو نے۔ تو نے مجھے بھی دھوکا دیا اور آسیہ کو بھی۔"
"دیکھو نہ میں کمینہ ہوں' نہ ذلیل ہوں' نہ کتا ہوں اگر ہوتا تو اس کے کچھ اثرات تمہیں بھی محسوس ہوتے۔ میں اب بھی تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ ساگا چوہدری کے سامنے کسی بات سے انحراف مت کرنا۔ ورنہ جو لوگ اس کے لیے خطرناک ہو جاتے ہیں وہ ان کی گردن کاٹ دیتا ہے۔"
دروازے کی بیل بجی اور وہ دروازہ کھولنے چلا گیا۔ فوزیہ شدید دہشت کا شکار ہو گئی تھی۔ آنے والا ساگا چوہدری ہی تھا۔ ساگا چوہدری نے فوزیہ کو دیکھا اور اس کے منہ سے قہقہہ نکل گیا۔
"بلی بھاگ رہی تھی پکڑی گئی ناں احمق لڑکی۔ اتنا کچا کھیل کھیلتے تو آج ساگا چوہدری نہ کہلاتے۔"
"ساگا جی ساگا جی ہاتھ جوڑتی ہوں میں آپ کے آگے۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دیجئے۔ خدا کے لیے مجھے میرے گھر بھجوا دیجئے۔"
"وہ گھر جہاں سے تو آئی تھی ایک خواب تھا تیرے لیے۔ یار تو نے سمجھایا نہیں اس کو۔"
"سمجھا چکا ہوں چوہدری صاحب مان جائے گی۔"
"کیا کرنا چاہیے اس کے سلسلے میں۔"
"وہی چوہدری صاحب جو میرے اور آپ کے درمیان بات ہو چکی ہے۔"
"یعنی یہ کسی کام کی نہیں ثابت ہو گی۔"
"مشکل ہے ساگا جی پڑھی لکھی بھی ہے اور پھر ابھی اپنے آپ سے لڑ رہی ہے۔ میرا خیال ہے اسے ٹھیکیدار کے حوالے کر دیجئے۔ ٹھیکیدار ہی اسے سنبھالے گا۔"
"ہوں یہی کرنا پڑے گا اب۔ خیر ہمیں کوئی گھاٹا بھی نہیں ہوا اس کے باپ نے نقدی بھی اچھی خاصی دے دی تھی۔ ٹھیکیدار سے اس کی صحیح قیمت وصول کر لی جائے گی۔ او کے او کے مگر لڑکی تم ایک بات سنو زندگی بڑی قیمتی شے ہے۔ جینا چاہتی ہو تو اس وقت کے بعد اپنی زبان بند کر لو۔ بالکل بند کر لو زبان کھولنے والوں سے ہم چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ بات تمہاری ہی نہیں ہے ہمارا کاروبار بہت بڑا ہے اب ایک لڑکی کی زندگی کے لیے یہ تو نہیں کیا جا سکتا کہ کاروبار کا خطرہ مول لے لیا جائے۔ اسے سمجھانا بھئی میں زیادہ دیر نہیں رکوں گا۔ ٹھیکیدار آیا ہوا ہے بات کئے لیتا ہوں اس سے۔ ایسا کرو تم بھی رکو اب اسے خالی چھوڑنا بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔"
"آپ بالکل بے فکر رہیں ساگا جی میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔"

"تو پھر میں چلتا ہوں۔" ساگا نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ آپ اطمینان سے جایئے۔"

"اچھا تو لڑکی سمجھ جانا اگر سمجھ سکتی ہو کیا فائدہ جان کھونے سے۔" ساگا چوہدری دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

فوزیہ کو چکر آ رہے تھے۔

✲

حکمت علی پر دہشت سوار تھی۔ وعدہ تو کر چکے تھے رجب میں شادی کرنے کا لیکن اب احساس ہو رہا تھا کہ وقت کس طرح پر لگا کر اڑتا ہے۔ بیٹی کی شادی کے انتظامات کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ اس وقت واقعی یہ احساس ہو رہا تھا کہ فاطمہ بیگم نے نسیم بیگم کی نسبت زیادہ ذمے داری کا ثبوت دیا ہے۔ نسیم بیگم بھی سگھڑ خاتون تھیں۔ بیٹیوں کے لیے بہت کچھ کر رکھا تھا لیکن شادی اچانک ہی سر پر آ پڑی تھی۔ یہ آرزو بھی تھی دونوں میاں بیوی اور دادی کی کہ جلد از جلد بچیوں کو بیاہ دیا جائے۔ حکمت علی کا دل ہی جانتا تھا کہ نوجوان بیٹیوں کے خیال سے وہ کس قدر دل برداشتہ رہتے تھے۔ زمانہ بے انتہا خراب ہے، ایک لمحے میں اگر کوئی انگلی اٹھا دے تو عزت اتر جائے اور اس کے بعد بیٹیاں زمانے کی نگاہوں سے گر جائیں پھر کوئی ان کا پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ ماں باپ کے فرائض اس حد تک ضرور پورے کرنا چاہتے تھے کہ بیٹیوں کو ان کا گھر دے دیں۔ اسی خوف سے انہوں نے بیٹے کا نام تراشا تھا کہ کہیں کوئی بری نگاہ انہیں بے بس اور کمزور سمجھ کر لڑکیوں کی جانب نہ اٹھنے لگے۔ جمی کا کیس بھی ایسا ہی تھا۔ جمی نے تو باقاعدہ گھر میں ڈیرا جما لیا تھا لیکن یہ بھی ان کی نیک نفسی تھی کہ جمی جیسے انسان کو انہوں نے واقعی انسان بنا دیا تھا۔ محلہ ہی چھوڑ گیا تھا اس واقعے کے بعد اگر ذرا بھی سختی دکھاتے حکمت علی تو بات بگڑ سکتی تھی۔ جمی جیسے بدمعاش اوباش اور منہ پھٹ لوگوں کو کون روک سکتا ہے۔ ذرا سی دیر میں عزت اتارنے پر تل جائیں۔ بیٹے کے نام کا بت تراشا تھا لیکن خود اس کی گرفت میں آ گئے تھے اور اکثر سوچا کرتے تھے کہ کاش واقعی ان کا کوئی بیٹا ہوتا۔ اس وقت کتنا بڑا سہارا ہوتا محلّہ تو محلہ ہی ہوتا ہے لیکن پوچھ تو لیا کرتے ہیں کہ حکمت علی کوئی کام ہو تو بتاؤ لیکن اس پوچھنے میں کچھ لہجہ نظر آتا ہے کہ میاں فرصت کسے ہے جو دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ اڑائے۔ خیر انتظامات تو ہو جاتے ہیں بس پیسہ چاہیے اور اس وقت حکمت علی درحقیقت سولی پر لٹکے ہوئے تھے۔

فاطمہ بیگم اتنا بڑا سہارا ثابت ہو رہی تھیں کہ بعض اوقات حیران ہونے لگتے تھے۔ فاطمہ بیگم اپنے صندوقوں میں سے نکال نکال کر وہ کچھ دے رہی تھیں جس کا حکمت علی کو کوئی پتا نہیں تھا اور صحیح معنوں میں زندگی میں شاید پہلی بار نسیم بیگم کو احساس ہوا تھا کہ ساس معمولی چیز نہیں ہوتی۔ اگر اس کی زبان برداشت کر لی جائے اس کی سختیاں برداشت کر لی جائیں تو جب تک زندہ رہتی ہے ساتھی ثابت ہوتی ہے۔ فاطمہ بیگم کا مزاج تو تھا ہی ٹیڑھا الٹی سیدھی کہنے لگتی تھیں۔ لیکن نسیم بیگم ان دنوں جس برداشت سے کام لے رہی تھیں وہ بھی قابل دید تھا اور بعض اوقات تو حکمت علی جیسا آدمی دانتوں تلے زبان دبا کر رہ جاتا تھا۔ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایسی ایسی سخت باتوں کے جواب میں نسیم بیگم خاموشی اختیار کر لیں گی۔ پوچھ ڈالا۔

"نسیم بیگم کیا بات ہے ان دنوں میں سورج کو ذرا غلط رخ سے نکلتے دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" نسیم بیگم کچھ نہ سمجھیں۔

"کبھی کبھی ہوتا ہے ایسا زمانہ رنگ بدل لیتا ہے۔ تھوڑی بہت دیر کے لیے۔ آج کل بھی زمانے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔"

"نجانے کیا کیا کہہ رہے ہیں میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"میرا مطلب ہے کہ آج کل اماں بی سے بڑی گاڑھی چھن رہی ہے۔"

"تو پھر؟"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ بعض اوقات وہ سخت سست بھی کہہ جاتی ہیں لیکن آپ برداشت کر لیتی ہیں۔"

"بھئی یہ ہمارا اور ان کا معاملہ ہے باہر والوں کو اس میں بولنے کی اجازت بالکل نہیں دی جا سکتی۔ اگر ہم دونوں گھر میں خاموشی سے وقت گزاریں تو خون کی روانی سست ہو جائے ایک دوسرے سے لڑ بھڑ لیتے ہیں۔ دوران خون تیز ہو جاتا ہے

اس طرح ذرا طبیعت بشاش رہتی ہے ورنہ اماں سے تو زندگی کا ساتھ ہے اور ان کی زندگی کی ہمیشہ دعائیں مانگتی ہوں میں۔ بڑا دم غنیمت ہے ان کا۔ کوئی ایسا تو ہے جس سے کچھ کہہ لیتی ہوں دل ہلکا ہو جاتا ہے۔ سوچتی ہوں خدانخواستہ وہ نہ رہیں تو میں کیسے رہوں گی۔"

"ارے واہ یہ جذبے ہیں آپ لوگوں کے دلوں میں۔"

"تو اور کیا کوئی غیر ہیں وہ میرے لیے۔ میں نے سچی بات یہ ہے کہ ماں باپ کے گھر میں کتنا وقت گزارا ہے۔ بس پیدا ہوئی جوان ہوئی اور اس کے بعد اماں بی کے زیر سایہ آ گئی۔ اپنے ماں باپ سے زیادہ میں نے یہاں وقت گزارا ہے۔ انہی لوگوں میں تو صحیح معنوں میں زندگی کا شعور پیدا ہوا ہے۔"

"نسیم بیگم! خدا کی قسم سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ اتنے سلجھے ہوئے انداز میں سوچ سکیں گی۔"

"چھوڑیئے اداس ہوں بس ثریا کی جدائی سے دل کی کچھ عجیب سی کیفیت ہو رہی ہے۔"

"آہ کاش اماں بی آپ کی یہ باتیں سن لیتیں تو خوش ہو جاتیں۔"

"میاں برا مت ماننا۔ اصل میں وہ جو کہتے ہیں ناں، فوجی کی بیوی ہوں اور ایک تجربے کار فوجی دشمن کے ہر حربے سے واقف رہنا چاہتا ہے اس لئے اس وقت بھی ہوشیار دروازے پر کھڑی ہوئی ہوں۔" باہر سے فاطمہ بیگم کی آواز سنائی دی۔ اور حکمت علی کا دم خشک ہو گیا۔ فاطمہ بیگم اندر داخل ہو گئیں اور کہنے لگیں۔

"ہاں حکمت علی بات واقعی بالکل سچ ہے۔ اب دیکھو ناں گھر میں سست بیٹھنے سے کیا مزہ ملے۔ نسیم میری بیٹی ہی تو ہے بس اچھا کہتی ہوں برا کہتی ہوں اسی سے کہہ لیتی ہوں۔"

"بخدا سر میں شدید کھجلی ہو رہی ہے۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں بھی سلب ہو گئیں ہیں۔ اچھا خیر اب آپ لوگ دیکھ رہی ہیں کہ وقت کس طرح پر لگا کر اڑ رہا ہے۔ اگر یہ تصور دل میں ہوتا کہ یہ دو ماہ اس طرح کھسک جائیں گے تو کبھی ہامی نہ بھرتا۔ دیکھ رہی ہیں آپ کتنا وقت گزر گیا اب دن کتنے رہ گئے ہیں۔"

"ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ واقعی وقت کی یہ تیز رفتاری اس سے پہلے دیکھی نہ سنی۔"

"تو پھر اماں اب سارے معاملات طے ہو گئے جوڑے کتنے ہو گئے ہیں ہمارے پاس۔"

"میاں اللہ کے فضل سے اکتیس جوڑے ہیں یوں سمجھ لو کہ بس اس سے زیادہ کم از کم ہم جیسی حیثیت کے لوگ تصور نہیں کر سکتے۔"

"باقی حساب میں لگا چکا ہوں اماں بی۔ فرنیچر وغیرہ کے پیسے الگ کر لیے ہیں دفتر سے بھی خدا کے فضل و کرم سے پیسے مل گئے ہیں کھانے کے لیے بات کر آیا ہوں۔ پورا حساب کتاب لے لیا ہے۔ اس کے علاوہ اماں باقی ساری چیزیں زیور کے سیٹ بن ہی چکے ہیں۔ بھئی بس اس سے زیادہ ہماری حیثیت کہاں ہے کہ ہم دے سکیں۔"

"میاں اس دور میں جو کچھ دے دیا جائے وہ بہت کچھ ہوتا ہے۔ میرے خیال میں نہایت مناسب ہے سارا سب کچھ۔ پاروں کے سیٹ' رضائی' برتن' اسٹیل کا سامان کراکری کا سیٹ ہم جیسے غریب لوگ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ اماں بی؟" حکمت علی نے کہا۔

"ہاں ایک خاص بات ذہن میں آتی ہے اس کے بارے میں فیصلہ کر لو۔"

"پہناؤنیوں کا مسئلہ ہے۔ پہناؤنیاں کتنے لوگوں کو دینا ہوں گی۔"

"اماں بی کتنے لوگ ہیں ان کے ہاں' تین بھائی بھاوجیں زیادہ سے زیادہ ان کے بچے' بہنیں اور بہنوئی بھی ہیں۔ کل ملا کر میرے خیال میں تیرہ جوڑے بنتے ہیں۔"

"خدا کی پناہ تیرہ جوڑے۔ گویا جہیز کا آدھا میرا مطلب ہے جہیز کے جوڑے اکتیس ہیں اور تیرہ چودہ جوڑے ان لوگوں کو دینے پڑیں گے۔"

"میاں بس اب رسمیں ہیں زمانے کی۔ کوئی کیا کر سکتا ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہتی ہیں اماں بی آپ تو پھر ان کا کیا ہو گا؟"

"بھئی آیا ہے 'کیوں نسیم ہم کتنے جوڑے لائے ہیں؟"

"اماں گیارہ جوڑے تو ہو چکے ہیں۔ بچوں ہی کے رہ گئے ہیں وہ اصل میں مجھ کمبخت ماری کی تو مت ہی ماری جاتی ہے۔ جمن بی اس سلسلے میں ذرا کارآمد رہیں گی۔ بچوں کا حساب پوچھ لیا جائے۔"

"میں ایک مشورہ دوں؟"

"ہاں۔"

"یہ حساب جمن بی سے نہ کرائیں تو بہتر ہے۔"

"کیوں؟"

"بس بات ادھر کی ادھر ہو جاتی ہے بس خود ہی اندازہ لگا لیجئے گا۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے میں ہو آؤں گی ان کے گھر ایسے ہی باتوں باتوں میں پوچھ لوں گی۔ بچوں کے بارے میں ویسے کچھ تو دیکھے بھالے ہی ہیں۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"ٹھیک ہے اماں بی آپ ہو آیئے کسی وقت۔"

فاطمہ بیگم نے یہ ذمے داری سنبھال لی۔

وقت واقعی بہت تیزی سے قریب آتا جا رہا تھا۔ رسم و رواج کے مطابق سارے کام یکے بعد دیگرے ہونے تھے۔ پروین بہن کی شادی سے بہت خوش تھی۔ طیب کو دور سے دیکھا تھا کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا۔ بہرطور انسان کا بچہ تھا۔ ماں باپ کے کاموں میں پوری طرح ہاتھ بٹا رہی تھی مگر ثریا نے جس خوف کا اظہار کیا تھا اس سے وہ بھی پریشان تھی۔ ماں باپ کے سامنے تو زبان کھولنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا اور پھر دونوں لڑکیاں بالکل گھریلو ماحول میں پلی بڑھی تھیں۔ ان کی ذہنی پہنچ بھی بہت زیادہ نہیں تھی۔ بس سادہ سادہ سی فطرت تھی دونوں کی۔ بہرحال جو بڑے کر رہے تھے وہی بہتر تھا۔ بھلا ان کا کسی معاملے میں مشورہ دینے کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔"

فاطمہ بیگم شوکت علی کے گھر پہنچ گئیں۔ مٹھائی کا ڈبا تو خیر ہمیشہ ہی ساتھ جاتا تھا۔ بھلا اس کے بغیر جانے کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے اور پھر اب تو وقت بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا فاطمہ بیگم بہرطور جہاندیدہ تھیں۔ بہت گھما پھرا کر حسینہ بیگم سے پوچھا۔

"ویسے تو ماشاء اللہ سب سے مل چکی ہوں لیکن اس وقت ایک خاص کام سے آئی ہوں۔"

"ہاں ہاں کہئے کیا بات ہے؟" حسینہ بیگم بولیں۔

"وہ پہناؤنیوں کا مسئلہ ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا ذرا بچوں کے بارے میں معلومات حاصل کر آؤں ماشاء اللہ تینوں بہوؤں اور بیٹیوں کے لیے تو سب کچھ بتا دیا۔ دامادوں اور بیٹوں کا کام بھی ہو گیا ہے۔ بس ذرا وہ بچوں کی عمریں معلوم کرنی تھیں۔ اللہ رکھے۔ شادی بیاہ کا موقع تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا بچوں کے بارے میں مجھے بتا دیجئے۔"

"ہاں ہاں بھئی کیا کہیں یہ رسم و رواج بھی خوب ہیں اب پہناؤنیوں ہی کا مسئلہ لے لو۔ یہی موقع ہوتا ہے کہ سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں اے خدا رکھے جیسا خاندان ہے وہ تو تم نے دیکھ ہی لیا اماں جی' اب دیکھو تینوں بہوئیں بڑا کے تین ہیں ایک گیارہ سال کا ہے دو لڑکیاں سال سال بھر کے فرق سے سات اور آٹھ سال کی ہیں۔ اس سے چھوٹی کے ہم چار بچے ہیں۔ ہاں تیسری بے چاری کے ابھی ایک ہی لڑکا ہے تو یہ تو ہوئے ان کے بچے میری بیٹیوں کے بھی دو ہی بچے ہیں ایک ایک دونوں کے اور وہ جو ہیں ناں رضیہ خالہ الے وہی میری بڑی خالہ ان کے چار بچے ہیں۔ بیوہ ہیں بیچاری۔ مطلب ہے رضیہ خالہ لیکن کیا کہیں کیا رکھ رکھاؤ ہے ہر معاملے میں ہمیں پوچھتی ہیں۔ بھئی اب ان کے چار بچے ہیں۔ ذرا حساب لگاؤ بلکہ کاغذ پر لکھ لو جہاں تک اماں جی کپڑوں کا معاملہ ہے تو میں آپ کو مشورہ دوں کسی کے کپڑے سلوانے کے چکر میں نہ پڑیں بغیر سلے ٹھیک ہیں بھئی یوں سمجھ لیں خود ہی سلوا لیں گے اور میں سمجھتی ہوں بچوں کے لیے بھی آپ یہی کریں کہاں ناپ کے چکر میں پڑی رہیں گے ایک دو ہوں تو بات کروں۔ اب رضیہ خالہ کے چار بچے ہیں۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں

بیٹی کی شادی ہو گئی ہے۔ دونوں بیٹوں کی شادی ہو گئی ہے۔ ان کی بہوؤں کو بھی دینا ہو گا اور پھر وہ طیب کی پھوپی زاد ...ں ہیں۔"

فاطمہ بیگم پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ اکتیس جوڑے جہیز میں دیئے جا رہے تھے اور تقریباً" ساٹھ ستر جوڑوں کا یہ ...ب تصور بھی نہیں کر کے آئی تھیں کہ حسینہ بیگم اس طرح منہ پھیلا دیں گی ٹکر ٹکر دیکھتی رہیں اور حسینہ بیگم جن جن کو ...دُنیاں دینی تھیں ان کا حساب لکھواتی رہیں بلکہ انہوں نے خود ہی اپنی ایک بہو سے لکھوا دیا تقریباً" اکیاسی جوڑے بن ...تھے اور فاطمہ بیگم کا دل چاہ رہا تھا کہ پٹ سے گریں اور بے ہوش ہو جائیں۔ حسینہ بیگم نے کہا۔

"اتنا بڑا خاندان ہو گا آپ کی پوتی کا ہر ایک ہی کچھ نہ کچھ دے گا۔ اب دیکھیں ناں دینے سے دینا ہوتا ہے ہمارے ہاں ...بھی کبھی کچھ ہوا سب نے سب کو دیا اور ایسا ہی ہم لوگ کرتے ہیں۔ بھئی کچی بات یہ ہے کہ بڑے خاندان والے ہیں ...پھر سارے کے سارے قریب میں نے تو ایسے لوگوں کو لکھوایا ہے اماں جی جو ہمارے جی جان کے ٹکڑے ہیں۔ اے سب ...ڈ آ چکے ہیں ہاں آپ کے ہاں تھوڑے تھوڑے کر کے ورنہ اگر خاندان کی بات دیکھیں تو توبہ بھلی' ارے آدی اتنا پیسہ ...سا سے لائے بس جو میں نے لکھوایا ہے ناں آپ کو۔ آپ انہی کا انتظام کر لیں باقی لوگوں کے چکر میں نہ پڑیں۔ اب ...ں ناں آدی کا بھی تو خیال کیا جاتا ہے بیچارے حکمت علی اکیلے ہی اکیلے تو ہیں۔ اکیلی کمائی پر کس کس کو کریں گے بس یہ ...روری لوگ ہیں جن سے ہم لیتے رہے ہیں اور جنہیں دینا بھی ضروری ہے۔ مان کی بات ہوتی ہے اسی طرح رشتوں کو ...میں رکھا جاتا ہے۔ ورنہ بوا' کون کس کا بھوکا۔ سب کو اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ کسے پڑی ہے جو کسی کے ایک ...ا کپڑے پر نظر ڈالے۔"

فاطمہ بیگم کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی۔ بس غاں غوں کر کے رہ گئی تھیں۔ وہاں سے پلٹیں تو اوسان خطا تھے۔ کرنے ...گئی تھیں لیکن ہو کچھ گیا تھا کیا کہیں گی حکمت علی سے جا کے اور کیسے کریں گے حکمت علی یہ سب کچھ۔ بیٹے کی پریشانی کا ...کر کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بہرطور یہ سب کچھ اس معاشرے کی دین ہے اور یہ دین کچھ بڑھتی ہی جا رہی ہے دیکھیں ...چل کر کب یہ گولا پھٹتا ہے۔ پھٹے گا یقیناً" پھٹے گا۔ ایک دن شادیاں بند ہو جائیں گی لڑکی والے لڑکیاں نہیں بیاہ سکیں ...ر یہ دیکھنا ہو گا کہ معاشرے کا یہ کاروبار کیسے چلتا ہے؟

فاطمہ بیگم ہانپتی کانپتی گھر میں داخل ہوئی تھیں۔ حکمت علی اور نسیم بیگم بیٹھے کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ کوئی بات ہو ...تھی فاطمہ بیگم نے غم زدہ انداز میں سوچا کہ ابھی چند لمحات کے بعد ان کی یہ ہنسی ختم ہو جائے گی وہ فکر و تردد میں ڈوب ...جائے گے۔ حکمت علی اور نسیم بیگم سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

شہباز جیل سے رہا ہوگیا تھا فرغام علی بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی تھے' کمرے میں بہت سے لوگوں نے ان دونوں ا
استقبال کیا۔ یہ سب فرغام علی کے عزیز و اقارب تھے' انہیں پھولوں سے لاد دیا گیا۔ فرغام علی ایک ایک سے گلے مل رہ
تھے۔ ان کے بیٹے بھی موجود تھے اور رشتہ دار بھی۔۔۔۔ لیکن ہر رشتہ دار سے گلے ملنے کے بعد فوراً ہی وہ شہباز کا ہاتھ پکڑ ا
کرتے تھے' وہ چاہتے تھے کہ شہباز کو اجنبیت کا احساس نہ ہوسکے۔ فرغام علی کی اس اپنائیت سے متاثر ہوکر سب ہی شہبا
سے بھی ہاتھ ملا رہے تھے اور شہباز کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے' دل پر جو گزر رہی تھی اس کے بارے میں نہ فرغام علی
بتا سکتا تھا اور نا ہی کسی اور پر اس کا اظہار کرسکتا تھا' عجیب سنسناہٹیں دل و دماغ پر سوار تھیں' ان میں لاتعداد آوازیں ابھ
رہی تھیں اپنے یاد آرہے تھے۔ اپنی گلی یاد آرہی تھی' ہر لمحہ ذہن میں تھا' ماضی میں جو کچھ گزرا تھا' خواب جیسا لگتا تھ
داستان وہیں سے جڑی جڑی لگتی تھی جہاں وہ کالج میں پڑھتا تھا۔ بی اے فائنل کا امتحان دینا تھا اسے' انہی دنوں فنانس
کمپنیوں کا چکر چلا' پچھلے کافی عرصے سے جمیل احمد صاحب اس چکر میں پڑے ہوئے تھے اور نجانے کیا کیا منصوبے بناتے رہ
تھے' سب ہی ان کی مخالفت کرتے تھے لیکن وہ یہی کہتے تھے کہ جتنے لوگوں نے اپنی رقومات فنانس کمپنیوں کو دی ہیں وہ سار
کے سارے جاہل تو نہیں ہیں۔

"ارے میں کہتا ہوں تم ہی لوگوں کا مستقبل بن جائے گا اتنی رقم ہر ماہ ملے گی کہ اگر اسے ہی جمع کرلیا جائے ت
اخراجات نکالنے کے بعد تو پھر اتنی کی اتنی بن جاتی ہے اور اصل رقم اپنی جگہ۔" شہباز ان سے بحث کرتا تھا۔ وہ یہی کہت
کہ ابو' ذرا اتنا بتا دیجئے کہ وہ کون سا کاروبار ہے جس میں منافع کی شرح اتنی زیادہ ہے کہ فنانس کمپنیاں ہمیں بھی ایک منا
رقم ادا کریں اور خود بھی کمائیں۔ آپ یقین کریں وہی ہوگا کہ میاں کی جوتی' میاں کی چاند' ہمارا ہی پیسہ تھوڑا تھوڑا کر
ہمیں دے دیا جائے گا اور پھر یہ کمپنیاں دیوالیہ ہوجائیں گی۔

جواب میں جمیل احمد صاحب شہباز کو بہت سی مغلظات سنا دیا کرتے تھے' بس ایک شہباز ہی تھا جو ذرا کھل کر ان
بحث کرلیا کرتا تھا' ورنہ بے چاری فرزانہ اور فریدہ خاتون کی کیا مجال کہ جمیل احمد صاحب سے بحث کرجائیں' یہی وجہ تھ
جب رقمیں ڈوبیں اور ایک ایک پائی کی محتاجی ہوگئی تو شہباز پر دیوانگی طاری ہوگئی' پڑھنا لکھنا چھوڑ دیا' کبوتر پال لی
پورے محلے میں اس گھر کو ذلیل کرڈالا۔

آج سب کچھ یاد آرہا تھا لیکن اس طرح جیسے یہ کسی اور کی کہانی ہو۔

فرغام علی بہت بڑے آدمی تھے' بہت بڑے بڑے لوگ انہیں خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ جیل کے باہر نکلے' گاڑیوا
بیٹھے لیکن یہ بھی فرغام علی کی نیک نیتی تھی کہ اپنوں کی ملاقاتوں کے باوجود انہوں نے شہباز کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔
مزاج انسان تھے اور محبت کرنا جانتے تھے' جس کوٹھی میں ان لوگوں کو لے جایا گیا' وہ بھی اپنی مثال آپ تھی۔ رہنے و
ایسی جگہوں پر بھی رہتے ہیں' نجانے کاتب تقدیر کا یہ کھیل کیا ہے' بھلا انسان کی چھوٹی سی عقل میں کیا آئے' کسی کو تو چرا
روشنی سے بھی محروم کردیا اور کسی کے گھر میں چاند ستارے اتار دیئے۔ یہ گھر بھی چاند ستاروں کا گھر معلوم ہوتا تھا۔
علی صاحب کی رہائی کی خبر سب کو مل چکی تھی جو لوگ جیل میں انہیں ریسیو کرنے گئے تھے وہ تو اپنی اپنی گاڑیوں میں سا
آئے تھے' باقاعدہ ایک جلوس کی شکل بن گئی تھی۔۔۔۔ لیکن گھر پر جو انتظام کیا گیا تھا۔ وہ بھی دیکھنے کے قابل تھا۔ تمام
جمعہ نورینی ہوئی تھی' بہت بڑے لان پر میزیں بچھی ہوئی تھیں اور لاتعداد مہمان ان میزوں پر موجود تھے۔ فرغام علی
اندر داخل ہوئی تو لوگ ایسا بھرا مار کر بھاگے' جیسے بارات آگئی ہو اور پھر یہاں فرغام علی پھولوں میں ایسے ڈھکے کہ ان
چھپ گیا کچھ لوگ پھول اتار اتار کر ایک جگہ جمع کرتے جارہے تھے۔۔۔۔ اور جب فرغام علی اپنی نشست گاہ پر پہنچے تو جم
پھولوں کا انبار لگا ہوا تھا وہ دیکھنے کے قابل تھی بہت شاندار استقبال تھا' فرغام علی کا۔

شہباز خواب کے سے عالم میں یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ فرغام علی نے اس سے کہا۔

"میاں دیکھو نہ تو بھاگنے کی کوشش کرنا اور نہ ہی کوئی تکلف محسوس کرنا۔ یہ سب مجھ سے محبت کرنے والے ہیں
تفصیل تو بتا چکا ہوں' تھوڑی سی سیاسی وابستگیاں بھی رہی ہیں میری' اب نہ جانے لوگوں کے ذہنوں میں کیا کیا خیالات
کے مگر ہم تم زندہ' صحبت باقی۔ یہ سب تو عارضی لوگ ہیں۔"

شہباز نے نیازمندی سے گردن جھکا دی تھی رات گئے تک خوب ہنگامے جاری رہے۔ شہباز نے خود کو ان ہنگاموں میں
کرلیا تھا۔ حالانکہ اسے اپنا گھر یاد آرہا تھا ماں کا چہرہ دیکھے ہوئے عرصہ گزر گیا تھا۔ بہن تھی' باپ تھے' ایک ایسے باپ جو
ب ہوگئے تھے' جنہوں نے شہباز سے معافی مانگی تھی اور اب شہباز کے دل میں کدورت کا ایک شائبہ بھی نہیں تھا لیکن
وقت کسی قسم کی جذباتی سوچ کو ذہن پر مسلط نہیں ہونے دینا چاہیے۔ چنانچہ خاصی رات گئے' کھانے وغیرہ سے فراغت
مل کرکے' جب سب لوگ ایک جگہ جمع ہوئے تو فرغام علی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھئی شہباز میاں۔ میں تو خیر عادی ہوں ان حماقتوں کا لیکن تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اب آرام کرو۔ ارے
ان کہاں بندوبست کیا ہے اپنے شہباز کے لیے۔"

"آیئے شہباز صاحب' تشریف لایئے۔" شہباز جھجکتے ہوئے قدموں سے فیضان کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد
خوب صورت سجے سجائے کمرے میں داخل ہوگیا۔

"یہ عارضی رہائش گاہ ہے آپ کی۔ اس کے بعد آپ کی پسند کے مطابق کوئی جگہ آپ کے لیے منتخب کردی جائے گی فی
اسے قبول فرمایئے۔ تقریباً تمام چیزیں موجود ہیں لیکن ضرورت کی کسی شے کے لیے یہ دیوار پر سوئچ لگا ہوا ہے۔ ملازم
ئے گا۔"

شہباز نے متشکر نگاہوں سے فیضان کو دیکھا اور ہنس کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے تو یہ ایک انوکھی جگہ ہے فیضان صاحب' بہرحال انتہائی شکرگزار ہوں۔"

فیضان مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ شہباز نے کمرے کے ماحول پر ایک نظر ڈالی' انتہائی حسین فرنیچر سے آراستہ یہ کمرہ
لحاظ سے بڑا مکمل تھا' شہباز ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔ کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا اس نے کہ یہ تمام چیزیں اس کے
ال میں بھی آسکتی ہیں لیکن فرغام علی صاحب فرشتہ رحمت بن کر اس کی زندگی میں آئے تھے۔ ابھی تو جیل سے رہائی کا ہی
ہ نہیں لگایا جاسکا تھا کہ کتنے دن مزید باقی ہوں گے لیکن فرغام علی صاحب کی کاوشوں نے شہباز کو بھی آزادی دلا ہی دی

نرم گدے میں دھنستے ہوئے اس نے چشم تصور سے اپنے گھر کو دیکھا' اپنی گلی کا وہ گھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک
دہ گھر تھا' بس ضروریات کی چیزوں سے آراستہ لیکن وہاں جو کچھ تھا۔ وہ ان تمام چیزوں سے کہیں زیادہ قیمتی اور افضل تھا
کے لیے۔ ماں۔ باپ اور بہن' دل کے کسی گوشے میں ایک اور چہرہ بھی بار بار ابھرتا تھا لیکن اس ابھار کو سینے میں دبا لینا
یادہ بہتر تھا کیونکہ شہباز جانتا تھا کہ پہلے ہی محلے میں وہ ایک کبوتر باز کی حیثیت سے بدنام تھا۔ لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے
تھے اس کے مشغلے کے سلسلے میں جمیل احمد کو کئی بار لوگوں کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑی تھی اور اب۔ اب تو وہ ایک
فتہ مجرم بھی تھا۔ بھلا کون شخص اسے عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب اپنے گھر جانے کے
ے ایک عجیب سی جھجک اس کے دل میں بیدار ہونے لگی تھی بارہا اس نے سوچا تھا کہ اب جب وہ گلی سے گزرے گا تو
انگلیاں اٹھا اٹھا کر اس کے بارے میں کھسر پسر کریں گے اس چیز نے اسے بڑا دلبرداشتہ کردیا تھا لیکن اس نے کچھ فیصلے
کیے تھے۔ زندگی کو بدلنے کی جو کوششیں شروع کی ہیں ان میں کوئی فرق نہیں آنے دوں گا۔ اب اپنی زندگی اپنے والدین
ن کے لیے وقف کردوں گا' لوگ جو بھی کہنا چاہیں کہتے رہیں جو کچھ میں نے کیا ہے اس کی سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔

دوسری صبح ہوئی' کوٹھی کے معمولات کا آغاز ہوگیا اور اس دن دس بجے کے قریب جب تمام لوگ ناشتے سے فارغ
ئے تو فیضان نے کہا۔

"بھئی شہباز میاں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دو چار دن آپ آرام کریں' کوئی ایسی بات نہیں ہے اس کے بعد دفتر جانے کا
رام بنایا جائے لیکن ابا جان کا کہنا ہے کہ کل کرنے والا کام آج ہی سے کیوں نہ کیا جائے شہباز میاں جوان آدمی ہیں
نا کوئی چیز نہیں ہوتی' آج ہی سے انہیں ساتھ لے جانا شروع کردیا جائے۔"

"میں حاضر ہوں فیضان بھائی' جو حکم ہو۔"

"ٹھیک ہے چلو لباس وغیرہ پہن لو۔ میرے لباس تمہارے آسانی سے آسکتے ہیں۔ عارضی طور پر اگر اس طرح کرلیا

جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔ جب میں کہہ چکا ہوں تم سے کہ شہباز میرا اپنا ہی بچہ ہے تو اس رشتے سے وہ تمہارا کیا ہوا
ایں؟ بھائی کو بھائی کے کپڑے پہننے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے اور سنو بات دراصل یہ نہیں ہے کہ میں شہباز کو فوراً ہی کا
پر لگا دینا چاہتا ہوں بلکہ بات صرف یہ ہے کہ تھوڑے دن گزرنے کے بعد میں انہیں ان کے گھر روانہ کروں گا۔۔۔ اور میں نہیں
چاہتا کہ اس سلسلے میں مزید دیر ہو۔ وہاں بھی ماں باپ ہیں' بہن ہے' سب کے سب منتظر ہوں گے اور اگر کہیں اتفاق سے
جیل سے معلومات حاصل کرلیں انہوں نے' تو سخت پریشان ہو جائیں گے۔ یہ بھی اچھی بات ہے کہ جمیل احمد صاحب شہبا
سے ملاقات کے لیے نہیں آتے تھے۔ اس لیے بات گول مول رہے گی ورنہ اگر انہیں یہ پتا چلا کہ یہ جیل سے رہا ہو گئے ہیں
اور اس کے باوجود گھر نہیں پہنچے تو نہ جانے کیا کیا وسوسے گھر والوں کے دل میں جاگ اٹھیں گے۔ بس میاں یہ ہے بات
سمجھ گئے نا۔"

"جی ہاں ٹھیک ہے۔" فیضان نے کہا۔

"جاؤ میاں شہباز تیار ہو جاؤ اور جاؤ بھائی کے ساتھ جو کچھ سکھایا جائے اسے یاد رکھو' بھول جاؤ پرانی باتوں کو اب ا
آپ کو نئے سرے سے زندگی کی جانب گامزن کرو۔ چلو جاؤ۔ میں بھی دوپہر کو آؤں گا۔"

شہباز نے گردن جھکا دی تھی۔

جو سوٹ اس نے پہنا وہ اس کے جسم پر واقعی بالکل فٹ تھا اور اس نے تنہائی میں اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو ا
یقین نہ آیا کہ یہ وہ خود ہی ہے۔ بہت عرصے سے اس کی ہیئت تبدیل ہو چکی تھی' حالانکہ اس سے پہلے وہ اچھے لباس پہنے
عادی تھا' خصوصاً" تعلیم کے دوران اس نے اپنے لیے کچھ سوٹ وغیرہ بھی بنوائے تھے جو رفتہ رفتہ ختم ہو گئے تھے کیونکہ ا
کے بعد نئے سوٹ بنوانے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی لیکن اب اتنے عرصے کے بعد اس حلیے میں اپنے آپ کو دیکھ کر اس
دل کو کچھ ڈھارس سی ہوئی تھی' شاید تقدیر بدل گئی ہے شاید مصیبتوں کا وہ دور آگے بڑھ گیا ہے۔

*

ساری رات شکیل قیامت سے گزرتا رہا۔ نہ جانے کیسے کیسے خیالات دل میں آ رہے تھے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا'
نئی زندگی کو اپنائے ہوئے یہ سب کچھ تو خواب کی سی باتیں تھیں اس نے ملازمت کے لیے انٹرویو دیا۔ سلطانہ جمالی نے ا
میں صلاحیتیں پائیں اور اپنے طور پر اسے خرید لیا پھر اس سے کروڑوں کا فائدہ حاصل کیا اور جب یہ دیکھا کہ وہ دولت بنا
کی مشین ہے تو اس مشین کو اس نے ایک نئے نام سے حاصل کرلیا اور اس کے بعد شکیل کو وہ کچھ دکھایا جو اس نے
نہیں دیکھا تھا۔

سلطانہ جمالی زیرک عورت تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کس سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے اور اس نے شکیل کو پورا
کیش کیا۔ باہر لے گئی' عمر میں زیادہ ہونے کے باوجود اس نے شکیل کی محبت کو حاصل کیا اور اس کے بعد شاید اس کا
شکیل سے بھر گیا۔ پہلے وہ تمام داستانیں شکیل کو قصے کہانیاں معلوم ہوتی تھیں جو بڑے لوگوں کے نام سے منسوب تھ
شکیل نے سوچا تھا کہ وہ پسماندہ لوگ جو اپنی زندگی میں تعیشات نہیں حاصل کر سکتے ان بڑے لوگوں سے جلتے ہیں اور
سے متعلق افسانے تراشتے ہیں لیکن یہ تھوڑا سا عرصہ شکیل کو بہت سے تجربات سے روشناس کرا چکا تھا۔ ہوٹلوں' نائٹ کا
کی رنگین شامیں' رنگین راتیں اسے اتنی دلکش لگی تھیں کہ یہ دنیا اسے درحقیقت اپنی دنیا سے دور کی کوئی دنیا لگی تھی
گلی کے تاریک اندھیروں میں آکر وہ عجیب سی گھٹن محسوس کرتا تھا لیکن آج اسے احساس ہوا تھا کہ اس گلی میں چلنے
ہوائیں درحقیقت فرحت بخش اور تازہ ہوتی ہیں۔ ایسی گھناؤنی آلودگی سے پاک جو ان ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں اپنے
بدبودار سانسوں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ مصنوعی خوشبو ان سانسوں کی بدبو چھپا لیتی ہے۔ ورنہ یہ سانسیں تو گندگی سے لبریز
ہیں۔ یہاں اپنی گلی میں رہنے والی لڑکیاں نسوانیت کی پاکیزگی کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہیں راستے سے بھی گزرتی ہیں تو نظ
جھکائے ہوئے اور وہاں بیباک نگاہوں سے ایک دوسرے کو ٹٹولا جاتا ہے کہ کون کہاں سے کہاں تک ہے اور کیا ہے' ذرا
کیا جائے۔ یہاں کوئی کسی پر میلی نگاہ بھی ڈال لے تو خون خرابہ ہو جائے اور ہر شخص نفرین کرے اور وہاں بے دھڑک لم

ے ان کوٹھیوں میں اور کوٹھیوں کی خواب گاہوں میں شوہروں کی جگہ دوستوں کو مل جاتی ہے' کتنا فرق ہے اپنی گلی میں اور
ں ہائی سوسائٹی میں۔

اسے بہت سی نصیحتیں یاد آ گئیں' کلیم احمد صاحب نے اسے دوستوں کی طرح ساتھ رکھا تھا اور ہمیشہ دنیا کی اونچ نیچ
سمجھائی تھی' ہمیشہ برے راستوں پر جانے سے روکا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ انسان اپنی آسائشوں کے لیے اگر اپنے آپ کو
زندہ دفن کر دے تو اس میں اسے کیا مزہ آئے گا' کھلی اور آزاد فضا میں اگر دو روٹی تن ڈھکنے کو کپڑا اور چھوٹی موٹی ضروریات
ندگی پوری ہو جائیں تو اس زندگی کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا۔

غرض یہ بہت سی سوچوں کی رات تھی اور اس رات میں وہ دونوں سمت کے ماحول کا موازنہ کرتا رہا تھا اور اسے یہ
حساس ہوا تھا کہ وہ بہت گھاٹے میں ہے' سلطانہ جمالی نے جو کچھ اسے دیا ہے اگر اس کا حساب لگایا جائے تو وہ اس منافع کا
یک پرسنٹ بھی نہیں بنتا تھا جو شکیل کی وجہ سے سلطانہ جمالی کو حاصل ہوا تھا۔ محبت کے نام پر بھی اس نے صرف فریب دیا
ا اور اب اس سے بے وفائی کر رہی تھی بلکہ اس کی نسلوں پر داغ لگا رہی تھی' گھر تو ایک الگ ہی چیز ہوتا ہے۔ محبت کرنے
لی بیوی پانی کا ایک گلاس بھی لے کر آتی ہے تو اس کا لطف ہی الگ ہوتا ہے۔ میں نے یہ کیا علیحدگی اختیار کرلی اپنے ماحول
ہے۔ میں اس دنیا کا انسان نہیں ہوں' میری دنیا تو یہی سادہ سادہ سی گلی ہے جس میں چھوٹے چھوٹے مسائل جنم لیتے ہیں اور
یک دوسرے کی محبت کے سہارے ختم ہو جاتے ہیں۔

بہرحال صبح کی اذان ہوئی اور وہ سنبھل گیا۔ کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ بس خسارے کے احساس میں ڈوبا رہا تھا اپنی
قدروں کی پامالی کا خیال دل میں لیے جاگتا رہا تھا۔

صبح کو اٹھا' وضو کیا' نماز پڑھی' کلیم احمد صاحب اور رقیہ بیگم بھی جاگ گئے تھے انہوں نے خوشگوار حیرت کے ساتھ شکیل
نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور بہت مسرور ہوئے۔ رقیہ بیگم نے جلدی جلدی چائے تیار کرلی اور اس کے بعد کلیم احمد صاحب
لے۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے شکیل۔ یقین کرو آج جو کچھ میں نے دیکھا ہے' اسے دیکھ کر سیروں خون بڑھ گیا
ہے۔"

"کیا ابو؟"

"تم نماز شروع کر چکے ہو۔ دیارِ غیر جا کر انسان پر اپنی حقیقتوں کا ادراک ہوتا ہے۔ یا تو وہ اپنے آپ کو اپنوں سے دور
س کر کے ان باتوں کو سوچتا ہے جو اس کے لیے کوتاہی کی حیثیت رکھتی ہیں یا پھر وہاں کے ماحول میں اتنا گم ہو جاتا ہے کہ
اصل زندگی بھول جاتا ہے' مجھے مسرت ہوئی کہ تم پر غیر ممالک کی رنگینیاں دیکھنے کے باوجود کوئی برا اثر نہیں ہوا' بلکہ تم
کچھ اچھائیاں اپنائی ہیں۔"

شکیل آہستہ سے ہنس دیا' دل کی کیفیت کیا بیان کرتا ان سے' ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے یہ لوگ۔ بہرحال کلیم احمد صاحب
کے اس عمل سے بے پناہ خوش ہو گئے تھے وہ مسرور تھے کہ ان کا بیٹا کسی برے ماحول کا شکار نہیں ہے جو شخص نماز میں
کے سامنے سر جھکائے' اس کا مقصد ہے کہ ہزاروں برائیوں سے دور ہو گیا جسے اپنے خالق حقیقی کا خیال ہو وہ غلاظتوں
نہیں ڈوب سکتا۔ کیا سوچ کر جائے گا اس کے سامنے' کیا وہ گناہ اسے یاد نہیں آئیں گے جو وہ کر چکا ہے' جب وہ سربسجود
ہے تو ہر قسم کے جرم کا احساس اس کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ برائیوں سے روکنے والا اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس کو
ب نہیں دیا جا سکتا' چاہے دنیا کی ہر شے سے فریب کیا جائے۔

اور اس خوشگوار صبح کا آغاز بڑا ہی اچھا ہوا تھا لیکن شکیل کے لیے نہیں۔ وہ تو بس دل کے سکون کے لیے سجدہ ریز ہو گیا
البتہ سلطانہ جمالی کی کوٹھی میں جاتے ہوئے اس نے دل میں سوچا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے یہ یقینی طور پر تائید غیبی ہے۔ اللہ
سامنے سر جھکاؤ اور ہر مشکل کا حل پا لو۔ یہی ایک ذریعہ سب سے بہتر ہے۔

وہ سلطانہ جمالی کی کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے قدم کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب بڑھے لیکن
رات کے واقعات یاد آ گئے اور وہ آفس کی جانب چل پڑا۔ آفس میں تالا نہیں لگا ہوا تھا' شریف وہیں آفس کے سامنے ہی

برآمدے میں موجود تھا اس نے دروازہ کھول دیا اور شکیل اندر جا بیٹھا' کوئی خاص کام نہیں تھا کچھ دیر کے بعد روشن بھی آگئی اس نے پوچھا کہ کچھ لے کر آئے لیکن شکیل نے منع کردیا تھا۔
دن کے کوئی پونے دس بجے تھے اس نے ایک فائل کھول کر سامنے رکھ لیا تھا کہ اچانک ہی دروازہ دھڑ سے کھلا اور سلطانہ جمالی ہانپتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔ اس کے بال منتشر تھے' چہرے کا میک اپ بری طرح پھیلا ہوا تھا اور اس بگڑے ہوئے میک اپ میں وہ اس وقت ہمیشہ سے بہت مختلف نظر آرہی تھی۔ اس نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر شکیل کو دیکھا۔

"تم کب آئے شکیل۔ اور اس قدر اچانک؟"
"کل آیا تھا؟" شکیل نے آہستہ سے کہا۔
"بغیر کسی اطلاع کے اور سیدھے میرے پاس بھی نہیں آئے؟"
"نہیں سیدھا یہیں آیا تھا۔"
"پھر۔"
"آپ کلب گئی ہوئی تھیں۔"
"تو پھر تم کلب کیوں نہیں آگئے؟" سلطانہ جمالی کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ آکر گزر گیا۔
"گھر آیا تھا سیدھا' کلب میں آپ سے ملاقات کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔"
"گھر پر میرا انتظار کیوں نہیں کیا تم نے؟"
"انتظار کیا تھا۔"
"تو پھر ــــ؟"
"جب آپ واپس آئیں تو نشے میں لڑکھڑا رہی تھیں' اس وقت آپ سے کیا ملاقات کرتا۔ آپ کو دیکھنے کے بعد گھر واپس چلا گیا۔"
سلطانہ جمالی ساکت رہ گئی تھی' کچھ دیر وہ شکیل کو دیکھتی رہی پھر سانس لے کر کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گئی۔
"ناراض ہو مجھ سے؟"
"نہیں۔"
"مجھے تمہارے رویے سے احساس ہو رہا ہے۔"
"شاید۔"
"تم کیسی باتیں کر رہے ہو' میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ پہلی بات تو تم یہ بتاؤ کہ تم اچانک ہی جاپان سے واپس آگئے۔"
"جو کام وہاں کر رہا تھا اس کی تکمیل نہ ہو سکی مطلوبہ شخص اپنے وطن واپس چلا گیا اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ طویل عرصے تک نہیں آئے گا تو میں نے بے مقصد وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا۔"
"مجھے واپسی کی اطلاع کیوں نہ دی؟"
"کیا میرے لیے یہ ضروری تھا کہ وطن واپس آنے کے لیے آپ سے اجازت طلب کروں؟"
"تم ضرور ناراض ہو' مجھے احساس ہو رہا ہے۔"
اچانک ہی شکیل کے دماغ میں دھواں سا بھر گیا' اگر اس بات سے انکار کردیتا ہے تو جھوٹ بولنا ہوگا خود اپنے آپ سے بھی اور سلطانہ جمالی سے بھی۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔
"آپ کا کیا خیال ہے سلطانہ مجھے خوش ہونا چاہیے ان تمام باتوں پر' اس ماحول پر؟"
"سمجھی نہیں۔" سلطانہ نے سرد لہجے میں کہا۔
"سوئزرلینڈ میں جب نادرشاہ آپ سے ملا تھا تو آپ نے اس سے بڑی دالبیت کا اظہار کیا تھا۔ دوست بے شک [illegible] میں شامل ہوتے ہیں لیکن ان کے کمروں میں راتیں نہیں گزاری جاتیں اور اس کے بعد میری غیر موجودگی میں نادرشاہ

آگیا۔ رات کو آپ دونوں لڑکھڑاتے ہوئے واپس آئے اور نادرشاہ آپ کی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ بیوی کیا چیز ہوتی ہے سلطانہ صاحبہ کیا وہ' جس کی خواب گاہ میں غیر مرد بلا جھجک اور بے روک ٹوک آئیں کیا اسے بیوی کہا جاسکتا ہے' میں آپ سے سوال کرنے کا حق رکھتا ہوں کہ نادرشاہ یہاں کیوں آیا ہے اور کیوں مقیم ہے۔ آپ جواب دینا پسند کریں گی؟"
شکیل کا لہجہ اس قدر سخت تھا کہ سلطانہ جمالی چند لمحات کے لیے ششدر رہ گئی' سوچتی رہی پھر اس کے چہرے پر تبدیلی رونما ہوئی اور پھر اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
"تمہیں شکیل جن باتوں پر اعتراض ہے وہ اس ماڈرن کلچر کا ایک حصہ ہیں۔ پسماندہ آبادیوں میں' تنگ ذہن لوگ آباد ہوتے ہیں۔ انہوں نے جہالت کو اپنا کلچر بنا رکھا ہے۔ زندگی تو کھیل کھیلنے کے لیے ہے۔ میں نے نہ تم پر کوئی بوجھ مسلط کیا ہے نہ خود پر کوئی بوجھ چاہتی ہوں۔ تمہیں آزادی ہے۔ دوست بناؤ ان کے ساتھ عیش کرو' میں کبھی دخل نہ دوں گی۔ اصل میں نادرشاہ وہ پہلا شخص ہے جس سے میں نے محبت کی تھی۔ اس سے شادی بھی کرنا چاہی تھی میں نے لیکن وہ مجرمانہ ذہنیت کا حامل تھا۔ میں نے اسے راہ راست پر لانا چاہا لیکن وہ نہ مانا۔ سنگاپور میں گرفتار ہوگیا۔ سزا ہوگئی اسے' اب وہ بہت بہتر ہوچکا ہے۔ میرا دیرینہ دوست ہے مجھے آج بھی اس سے انسیت ہے۔"
"صرف انسیت؟"
"محبت کہہ لو۔"
"شوہر کے حقوق کیا ہوتے ہیں تمہارے کلچر میں؟" شکیل نے آہستہ سے پوچھا۔
"شادی ایک دانش مندانہ سمجھوتہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا۔"
"ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا محترمہ سلطانہ۔"
"اس احمقانہ تصور کو بدلو۔ روشنیوں کو اپناؤ' جیو اور جینے دو۔ اس گندی گلی سے نکل آؤ شکیل۔ یہ ضروری ہے۔"
"نہیں محترمہ سلطانہ۔ مجھے اپنے کلچر سے عشق ہے۔ وہ گندی گلی انسانی معیار کا ایک بلند مینار ہے۔"
"تو پھر جاؤ۔ اس مینار کی چوٹی پر چڑھ کر پتنگ اڑاؤ۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔"
اس وقت نادرشاہ گون میں ملبوس اندر داخل ہوا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر دونوں کو دیکھا دھیرے سے بولا "لٹ گئی دلی۔"

⊡

فوزیہ دہشت کا سفر کر رہی تھی۔ دن رات دحشت کے عالم میں گزر رہے تھے۔ اس عالم میں اگر کوئی چیز سہارا دیتی تھی تو وہ نماز تھی۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتی تھی وہ راتوں کو نیند نہیں آتی تھی اور وہ تہجد پڑھنے بیٹھ جاتی تھی۔ اپنی ہر کوشش ناکام ہوچکی تھی اور اب صرف اللہ کی مدد کی منتظر تھی دعائیں مانگتی تو بس یہی کہتی۔ "معبود حقیقی تکبر کیا میں نے انسانوں کو انسان نہ سمجھا اپنے آپ کو دوسروں سے برتر محسوس کیا' قصور ہے میرا تیری مجرم ہوں میں تسلیم کرتی ہوں سچ ہے یہ' اگر سزا میرا مقدر ہے تو تو زیادہ بہتر سمجھتا ہے جو بھی سزا تو دینا چاہے گا اسے بھلا کون روک سکتا ہے' ہاں توبہ قبول ہوجائے تو کیا بات ہے اگر زندگی میں پھر کوئی بہتر راستہ ملا تو تکبر سے توبہ کرتی ہوں' کبھی کوئی ایسا عمل نہیں کروں گی جس سے دوسروں کو دکھ پہنچے' یہ کیا تو ہے میں نے بہت زیادہ کیا ہے مجھے اس کا اعتراف ہے اور اسی گناہ سے توبہ کرتی ہوں۔"
غرضیکہ دن رات اسی دحشت کے عالم میں گزر رہے تھے۔ افتخار بالکل شیطان بن گیا تھا' معصوم آسیہ اسے اپنا دوست سمجھتی تھی اور اس نے بڑے اعتماد سے فوزیہ کو افتخار کے سپرد کیا تھا لیکن افتخار کی باتوں سے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ آسیہ اس کے لیے ایک کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اور کتنی ہی چالاک ہونے کے باوجود وہ مردوں کی شناخت میں ناکام ہے' ساگا سیٹھ اپنی مصروفیات میں تھا' اب تو فوزیہ افتخار سے پوچھتی بھی نہیں تھی کہ ساگا سیٹھ اس کا کیا کرے گا بھلا ساگا سیٹھ کسی کا کیا بگاڑ سکتا ہے' یہ افتخار کسی کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے' اگر قدرت کی نظر سیدھی ہوجائے تو پھر کوئی مشکل مشکل نہیں رہے گی' انسانوں کا سہارا نظرانداز کردیا تھا اس نے صرف نمازیں پڑھتی تھی اور وہ حقیقی سہارا تلاش کرتی تھی جو کائنات کا رنگ بدل سکتا ہے۔

کوئی ایک یا ڈیڑھ ہفتہ گزر گیا' کمبخت افتخار بھی عجیب و غریب انسان تھا' تنہا با آسانی زندگی گزار رہا تھا' نہ کہیں آنا نہ کہیں جانا ساگا سیٹھ کا وفادار کتا تھا' وہ کہہ گیا تھا کہ فوزیہ کی نگرانی کرے تو بس نگرانی کر رہا تھا' زیادہ تر ٹیلی وژن دیکھتا تھا یا پھر سو جاتا لیکن اس نے ایسے انتظامات کر دیئے تھے کہ فوزیہ کا تصور بھی فلیٹ سے باہر نہ نکل سکے۔

آٹھویں دن ساگا سیٹھ آیا' اپنے ساتھ ایک مکروہ صورت شخص کو لے کر آیا تھا جس کا نام اوم پرکاش تھا' نام ہی سے پتہ چلتا تھا کہ ہندو نژاد ہے' موٹا بھدا کالا' بری طرح پان کھانے والا' چھوٹی چھوٹی آنکھوں والا یہ شخص فوزیہ کے سامنے پہنچا اور اس نے سر سے پاؤں تک فوزیہ کو دیکھا' فوزیہ نے بس ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی اوم پرکاش نے کہا۔

"لڑکی تو اچھی ہے' بولو ساگا سیٹھ؟"

"کتنے عرصے سے یہ کاروبار کر رہے ہو اوم پرکاش؟"

"اپنی بات کرو' اوم پرکاش کیا کر رہا ہے کیا کرتا ہے اسے جانے دو ساگا جی' ہمیں بہت زیادہ چالاک لوگ اچھے نہیں لگتے ہم نے اس کے پیسے پوچھے ہیں تم سے اور تم پوچھ رہے ہو کتنے دن سے یہ کام کرتے ہو؟" اوم پرکاش کھردرے لہجے میں بولا۔

"پچاس ہزار ڈالر کیسے رہیں گے؟" ساگا سیٹھ نے کہا اور اوم پرکاش تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"اب ہم تم سے یہ پوچھ رہے ہیں ساگا جی کہ کونسا نشہ کرتے ہو؟"

"بہت سے نشے کرتا ہوں اوم پرکاش جی اپنی بات کرو۔"

"بھیا کتنے پیسے بنے پچاس ہزار ڈالر کے کچھ اندازہ ہے؟"

"مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے تم اپنے طور پر بتاؤ۔"

"بیس ہزار ڈالر دے سکتے ہیں بولو بیٹھیں یا باہر نکل جائیں' دمڑی اوپر نہ دمڑی نیچے۔"

"ایک خوب صورت لڑکی خرید رہے ہو اوم پرکاش جی یا گنوا تا؟"

"دیکھو دین دھرم کی بات مت کرو خواہ مخواہ جھگڑا ہو جائے گا ہمارا تمہارا' ہم لوگوں کو ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہے' اس لیے کام کی بات کرو' بولو ہم تو کہہ چکے ہیں تم سے' روکو تو رک جائیں گے' جانے کی کہو گے تو چلے جائیں گے' بیس ہزار ڈالر اگر چاہئیں تو سودا کرو ویسے کیسی ہے یہ' مرکھنی ہے یا سیدھی سادھی ہے؟"

"بس سمجھ لو گنوا تا ہی ہے تمہاری۔"

"پھر وہی۔" اوم پرکاش نے کہا اور ساگا سیٹھ ہنس پڑا پھر اس نے افتخار سے کہا۔

"ہاں بھئی افتخار کیا کہتے ہو؟"

"ساگا جی یہ آدمی جس طرح بڑھ چڑھ کر بول رہا ہے وہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا میری بات رہنے ہی دو' میں بولوں گا تو نقصان ہو جائے گا۔"

اوم پرکاش نے افتخار کو بھی ہنس کر ہی دیکھا اور بولا۔ "گرم کھوپڑی ہمیشہ نقصان دیتی ہے میاں جی' تم جو کچھ بولو گے اس کا جواب ہمارے پاس بھی پورا پورا ہے' ہاں ساگا بات کرو کیا ارادہ ہے؟"

"آپ ہمارے پرانے آدمی ہیں اوم پرکاش جی' دنیا کو چھوڑ کر آپ سے بات کی ہے کہاں لے جائیں گے اسے؟"

"دبئی کی کھیپ ہے یہ پہلے تو دبئی ہی جائیں گے وہاں دیکھیں گے مگر اس کو کچھ کھلایا پلایا نہیں ہے' ہڈیاں نکل رہی ہیں۔"

"اسی سے اندازہ لگا لو کہ ہے کیا چیز؟"

"اب بات کرو بھیا ٹائم نہیں ہے زیادہ ہمارے پاس' بہت سے کام ہیں ہمیں۔"

"آپ کو ناراض تو نہیں کر سکتے جیسا آپ پسند کریں' حالانکہ بہت کم ہیں' پچیس ہی ہو جاتے۔"

"چھوڑو میاں جی بیکار کی باتیں مت کرو' منہ سے نکل گیا سو نکل گیا کم بڑھتی تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے رقم ڈالر کی شکل میں ہوگی۔"

"گھنٹے بھر میں لے لو ہم سے ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

"کہاں پہنچانا ہے؟"

"سودا ہو جائے ہم جانیں ہمارا کام جانے۔"

"ٹھیک ہے منظور ہے ہمیں۔"

"تو پھر لے آؤ ہمارے ساتھ ساتھ' اپنی گاڑی میں بٹھالاؤ ہمارے پاس جگہ ہے۔"

فوزی بیس ہزار ڈالر میں بک گئی' بڑا عجیب سا احساس ہو رہا تھا اسے' ایک لفظ بھی منہ سے نہیں بولی تھی وہ' قدرت پر اعتماد کرلیا تھا اب اس نے' سزا کے دور سے گزر رہی تھی' سزا کوئی بھی ہو سزا ہی ہوتی ہے' بڑی تحقیر ہو رہی تھی اس کی' اندازہ لگایا تھا اس نے اپنی قیمت کا' چھ لاکھ یا اس سے کچھ کم واہ یہ ہے اس کی زندگی بھر کے غرور کی قیمت' چھ لاکھ روپے تو اس کے جہیز پر ہی خرچ کردیئے گئے تھے' بہرحال سزا سزا ہوتی ہے' اس نے ہر تعرض سے اپنے آپ کو پاک کرلیا تھا' ساگا سیٹھ نے اس سے کہا۔

"چلنا ہے تجھے لڑکی اور سن ہم نفع نقصان کا سودا کرتے ہی رہتے ہیں' کوئی بھی گڑبڑ کی اگر تو نے راستے میں تو ناک کاٹ لیں گے تیری سر مونڈ دیں گے اور اس کے بعد چھوڑ دیں گے تجھے نقصان ہی ہوگا' برداشت کرلیں گے' تیری اصل رقم تو ہمیں مل چکی ہے اب تو صرف منافع ہے ہوا ہوا نہ ہوا مگر تو جان سے جائے گی یاد رکھنا اس بات کو۔"

فوزیہ نے آنکھیں جھکالی تھیں' ایک بند گاڑی میں اسے فلیٹ سے ہٹا کر کہیں اور منتقل کردیا گیا' یہاں چار لڑکیاں اور تھیں جنہوں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ٹھیکیدار ادم پرکاش کو اور پھر اسے دیکھا اس کے بعد نظریں جھکالیں' ادم پرکاش نے اسے اس کمرے میں بند کردیا تھا' چلتے چلتے اس نے کہا۔

"مسنوری۔ سمجھانا اسے کوئی گڑبڑ نہ کرے' بتا دینا اسے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔" اور اس کے بعد وہ چلا گیا لیکن فوزیہ نے کسی لڑکی سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ ادم پرکاش گڑبڑ کرنے والوں کے ساتھ کیا کرتا ہے وہ سب کی سب خود اپنی زندگی سے بیزار تھیں اپنے ماحول کا شکار تھیں اپنے آپ سے خوفزدہ تھیں' بہت کم ایک دوسرے سے بات کرتی تھیں' بس چھوٹا موٹا تعارف ہی ہوسکا تھا ان سے۔

چار دن یہاں بھی گزارنے پڑے' پانچویں دن ٹھیکیدار ادم پرکاش نے انہیں بریفنگ دی' اس نے کہا۔

"دیکھو اب تمہیں جہاز کا سفر کرنا پڑے گا۔ دبئی جا رہے ہیں ہم لوگ' جہاز میں نو آدمی ہوں گے ہمارے اور نو کے نو تم پر نظر رکھے ہوئے ہوں گے' مرنا چاہتی ہو تو ہم ابھی بندوبست کیے دیتے ہیں' چل بے دھرم ویر لا سامان لے آ۔"

دھرم ویر نامی ایک شخص ہاتھ میں ایک ٹرے لیے ہوئے آیا جس میں پانچ گلاس رکھے ہوئے تھے' ایک جگ اور ایک چھوٹی سی شیشی جس پر پوائزن لکھا ہوا تھا' اس شیشی میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ ٹھیکیدار ادم پرکاش نے شیشی کھول لی اور ایک ایک گولی گلاس میں ڈال دی پھر تھوڑا تھوڑا پانی اس میں انڈیل دیا' ہلکا گلابی رنگ ہوگیا تھا اس پانی کا اس نے کہا۔

"بڑے مزے کی بات یہ ہے' یہ دو گھونٹ پانی ہے' بس معدے میں اتار لو پھیکا لگے گا' کوئی کڑواہٹ نہیں ہوگی اس میں مگر گھڑی دیکھ کے پانچ منٹ رکھ لو' پانچ منٹ میں مر جاؤ گی' مر جاؤ' اٹھاؤ گلاس اپنا پی لو' ہم لوگ ایسا ہی سودا کرتے ہیں' اب دیکھو ناں سونا اسمگل کیا جاتا ہے کسٹم والے پکڑ لیتے ہیں' چھوڑنا پڑتا ہے وہ سونا' یہی کام ہیروئین اور دوسری ڈرگس کا ہے ہم تو جب ہمیں لگائی ہوئی رقم منافع کے ساتھ ملتی ہے تب سودا پکا سمجھتے ہیں ورنہ نفع نقصان تو چلتے ہی رہتے ہیں' تم میں سے اگر کسی نے خودکشی کرلی تو ہمیں اعتراض نہیں ہوگا' بجائے اس کے کہیں اور مرو یہیں مر جاؤ اور بتا دو تمہاری لاش کہاں بھجوا دی جائے' ہم لوگ جا رہے ہیں اور یہ گلاس رکھے ہوئے ہیں تمہارے پاس گولیاں بھی ہیں' جس جس کو مرنا ہے مر جاؤ' باقی جسے نہیں مرنا ہے وہ سیدھی سیدھی جہاز میں ہمارے ساتھ بیٹھو خاموشی سے سفر کرو اور انتظار کرو کہ آگے کیا ہوتا ہے تمہارے ساتھ' کیا سمجھیں۔ رکھا ہوا ہے یہ شیشی بھی رکھی ہے اور جلدی مرنا چاہو تو دو دو گولیاں اور ڈال لینا اس میں کام ہو جائے گا تمہارا اور اگر نہ مرنا چاہو تو گھنٹے بھر کے بعد اپنے آپ کو تیار رکھنا' ہماری فلائٹ گھنٹے بھر کے بعد ہے' جس طرح تمہیں جانا ہے وہ بھی سن لو۔"

ادم پرکاش تقریباً پندرہ منٹ تک ان لوگوں کو تمام تفصیلات سمجھاتا رہا اور وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتی

رہی۔ اس کے بعد ادم پرکاش باہر نکل گیا۔ سب خاموش ٹکر ٹکر ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہی تھیں' کسی کی ہمت نہیں پڑی تھی کہ زہر کے ان گلاسوں کی جانب ہاتھ بڑھائے۔

تقریباً چالیس منٹ کے بعد ادم پرکاش کے دو آدمی آئے وہ ان کے لیے لباس لائے تھے' مختلف قسم کے لباس تھے جن میں ساڑھیاں' شلوار قمیضیں' سیدھے سادے کپڑے تھے' انہوں نے سب کو ان کے لباس دے دیئے اور انہیں آخری بریفنگ دی گئی کہ انہیں کس طرح سفر کرنا ہے' ان سب کے ساتھ مردوں کو بھی سفر کرنا تھا جو ان کے ساتھ ان کے شوہروں کی حیثیت سے سفر کرنے والے تھے' ان کے پاسپورٹ اور کاغذات وغیرہ اسی حیثیت سے تیار کرائے گئے تھے' مجرموں کا یہ ٹولا بہت منظم طریقے سے کام کر رہا تھا اور غالباً یہ انسانوں کی اسمگلنگ ہی کیا کرتے تھے۔

کسی قسم کا کوئی چانس نہیں چھوڑا گیا تھا' تمام لڑکیاں بحالت مجبوری ان کی ہدایت پر عمل کر رہی تھیں' انہیں کھلی فضا میں لایا گیا' لندن ائرپورٹ سے وہ جہازوں میں سوار ہوئیں اور اس کے بعد خاموشی سے سفر کے تمام مراحل طے ہوتے رہے' بالآخر دبئی ایئرپورٹ پر ان سب کو اتار لیا گیا' یہاں ٹھیکیدار ادم پرکاش کے آدمیوں کا پورا ٹولا موجود تھا' انہیں گاڑیوں میں بٹھا کر لے جایا گیا کہیں کسی مرحلے پر کوئی چوک نہیں ہونے دی گئی تھی' ویسے بھی بے بس لڑکیاں معصوم تھیں' انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ آگے انہیں کیا کرنا ہے یا کونسا ایسا عمل ہوسکتا ہے جو انہیں اس مصیبت سے نجات دلا دے۔

❁

دونوں ہنستے ہنستے خاموش ہوگئے اور فاطمہ بیگم کی صورت دیکھنے لگے' حکمت علی نے چاپلوسی سے کہا۔

"آیئے اماں' پوتی کے سسرال سے آرہی ہیں' دیکھو نسیم چہرہ کھلا ہوا ہے اور کیوں نہ ہو بھئی' یہ باغ انہی کا لگایا ہوا تو ہے سارے پودے انہوں نے ہی سینچے ہیں اور آج وہ اپنی دوسری پیڑھی کے پہلے فرض سے سبکدوش ہو رہی ہیں۔"

فاطمہ بیگم ٹھنڈی سانس لے کر بیٹھ گئیں کہنے لگیں۔

"ہاں میاں اللہ بہتر کرے خداوند عالم ثریا کو خوش اسلوبی کے ساتھ اس کے گھر روانہ کردے' ماحول بڑا ہی خراب ہوگیا ہے بھیا' شادیاں سودا بن گئی ہیں سمجھ میں نہیں آتا آگے کا وقت کیسے گزرے گا لوگ کیا کریں گے اس وقت کو گزارنے کے لیے؟"

"کوئی خاص بات ہوگئی اماں؟"

"نہیں میاں خاص تو نہیں ہے' عام ہی ہے' ہوتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے' دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور اب تو یہ لگتا ہے جیسے دنیا میں ایک ہی طرح کے لوگ آباد ہوگئے ہوں۔"

"ضرور کوئی خاص بات ہے اماں۔"

"خاص سمجھ لو وہ بات اصل میں پہناؤنیوں کی نکل آئی تھی' بھیا حسینہ بیگم نے تو اتنے سارے لوگ گنا دیئے کہ جہیز میں جو کپڑے دیئے جا رہے ہیں ان سے زیادہ جوڑے پہناؤنیوں کے ہوئے جا رہے ہیں۔"

"ہیں۔" نسیم بیگم ہول کر بولیں۔

"ہاں جن جن لوگوں کو پہناؤنیاں دینی ہیں ذرا ان کی فہرست تیار کرلو میں تو حفظ کر کے آئی ہوں۔"

"تت۔۔۔ تو جن لوگوں کے لیے ہم نے پہناؤنیاں تیار کی ہیں کیا ان کے بعد بھی کچھ لوگ موجود ہیں؟"

"ان سے دگنے تگنے بلکہ چار گنے۔"

"اور انہیں یہ پہناؤنیاں دینا ہوں گی۔"

"حسینہ بیگم نے یہی کہا ہے کہ آخری بیٹے کی شادی ہے جس جس کی کوئی کسر رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جائے گی اور سچی بات یہ ہے کہ کسر رہی تو نہیں ہے' تمام بیٹوں کی شادیوں میں ان سب کو پہناؤنیاں دی گئی ہیں۔"

"کتنی ہیں اماں؟" نسیم بیگم خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولیں اور فاطمہ بیگم فہرست بتانے لگیں' حکمت علی دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے' جب فاطمہ بیگم خاموش ہوگئیں تو وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"یہ تو ہزاروں کا خرچہ اور آگیا سامنے۔"

"ہاں میں خود دنگ رہ گئی' بھیا ان لوگوں کے منہ تو بڑے کھلے ہوئے ہیں' خود تو کسٹم کی کمائی آرہی ہے' سارے بیٹے کما رہے ہیں' کمانے والے سب' کھانے والے کوئی بھی نہیں' سب اپنا اپنا کھاتے ہیں' ہمارے ہاں تو ظاہر ہے صورت حال دوسری ہے۔"

"تو انہوں نے یہ کہا کہ ان لوگوں کو پہناؤنیاں دینی ہیں؟"

"ہاں بیٹے یہی کہا ہے۔" فاطمہ بیگم تمام تیزی طراری بھول گئی تھیں اور اس وقت خوف ودہشت کی تصویر نظر آرہی تھیں' ماں تھیں جانتی تھیں کہ بیٹے کے اوپر اتنی ذمے داریاں آپڑی ہیں' بیٹی بھی بیاہنی ہے اب اسے گھر پر تو بٹھایا نہیں جاسکتا کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ نسیم بیگم کہنے لگیں۔

"اب کیا ہوگا؟ ایک ایک پائی کا حساب لگا بندھا ہے ہمارے ہاں تو' کتنے کھانے میں خرچ کرنے ہیں' مہندی کے دن اتنا خرچ ہونا ہے' مایوں بٹھانا ہے' سارے کام کرنے ہیں' ایک ایک پائی کا حساب کرکے رکھا ہوا ہے اب اس میں سے گنجائش کہاں سے نکالیں؟"

"کچھ سوچو بھیا کچھ سوچو' میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیا؟"

"ارے میرے وہ جوڑے رکھے ہوئے ہیں پرانے زمانے کے نہ لڑکیاں قبول کریں گی نہ گھر میں کسی کے کام آئیں گے' زری کے بنے ہوئے ہیں' پرانے زمانے کی کمخواب ہے' سونے کے اور چاندی کے تار لگے ہوئے ہیں ان میں اب بھلا ان کا ہوگا کیا؟"

"اماں! یہی سوچا تھا کہ ان لڑکیوں کو دے دیں گے۔"

"نہیں بوا' اول تو آج کل ایسے جوڑوں کی پذیرائی نہیں ہوتی' کون پوچھتا ہے اس موئے کمخواب کو' حالانکہ دیکھو نئے دور میں جو کمخواب کی نقل تیار کی گئی ہے اس میں نائلون کے تار لگے ہوئے ہیں۔ چمک دمک تو بے شک ہوتی ہے لیکن پھر بھی اس جیسی نہیں آج بھی میرا جوڑا نکال کر دیکھ لو وہ جو نکاح کا جوڑا ہے سونے کے تاروں سے بنا ہوا ہے وہی چمک دمک باقی ہے جو پہلے دن کی تھی۔"

"تو پھر اماں مطلب کیا ہے آپ کا؟"

"اسے بیچ دو۔"

"جی۔۔۔ جوڑے کو بیچ دوں آپ کے۔"

"ہاں' اور بھی کچھ ہے میرے پاس جو میں نے پروین کے لیے رکھا تھا مگر بیٹے اب پروین کے لیے از سر نو کوشش کرنی پڑے گی تمہیں' ذرا وقت لگا لینا اس میں' اللہ مالک ہے ابھی کوئی رشتہ بھی نہیں ہے' پہلے ایک کو تو ٹھکانے لگاؤ' میں نے سوچا تھا کہ دونوں بچیوں کو برابر برابر دوں گی مگر تقدیر ساتھ نہیں دے رہی کیا کیا جائے' دو چوڑیاں میں نے پروین کے لیے رکھی تھیں وہ بھی بیچ دو اور سنو بہو ایسا کرو' نسیم سن رہی ہو ناں میری بات۔"

"جی اماں۔"

"بجائے اس کے کہ کپڑا باہر بھیجو کوئی قدردان نہیں ملے گا لوگ مذاق ہی اڑائیں گے ایسا کرو اسے بلالو زری گوٹے والے ایسی چیزیں باآسانی لے لیا کرتے ہیں۔"

"اماں جی کیسی باتیں کررہی ہیں آپ' آپ کے نکاح کا جوڑا جلاؤں گا میں؟" حکمت علی روہانسے لہجے میں بولے۔

"ارے میں خود جلادوں گی' تم بہت زیادہ جذباتی ہونے کی کوشش کررہے ہو کچھ نہیں ملے گا ان جذبات سے بیٹے وقت نے جو کچھ مقدر کردیا ہے اسے تو بھگتنا ہی پڑے گا۔"

حکمت علی کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے' فاطمہ بیگم نے یہ تمام چیزیں اب تک سنبھال سنبھال کر رکھی تھیں مرحوم شوہر کی یادگار تھی۔ جب بھی دل چاہتا نکال کر دیکھ لیتیں آنسو بہا لیتیں اور اب یہ یادگار اس طرح برباد ہورہی تھی بہت غمزدہ تھے وہ لیکن فاطمہ بیگم بڑے حوصلے سے کام کررہی تھیں' انہوں نے چوڑیاں نکال کر دیتے ہوئے کہا۔

"ہیں تو یہ پروین کی امانت مگر ایک تو گھر سے سدھارے۔ اللہ اسے عزت کے ساتھ سسرال لے جائے۔ بیٹے چیز موقعے پر کام آجائے تو صحیح معنوں میں اس کی قیمت ہوتی ہے۔ ورنہ سب کچھ بیکار ہے۔ چلو نسیم ایسا کرو میرا غرارہ نکال لو قمیص نکال لو اور بھی دو تین جوڑے ایسے پڑے ہوئے ہیں جن سے اچھا خاصا چاندی اور سونا مل جائے گا۔ حکمت علی ذرا احتیاط سے دینا یہ زری گوٹے والے جو پرانا سامان لیتے ہیں ناں یہ بڑے چالاک ہوتے ہیں موئے بلکہ ایسا کرنا مجھے بھی ساتھ لے لینا۔ وزن کرا کر بیچوں گی ان تمام چیزوں کو۔"

"اماں جو کچھ کرنا ہے آپ ہی کریں میں نہیں دیکھ سکتا آپ کے نکاح کا جوڑا جلتے ہوئے۔"

فاطمہ بیگم نے ٹھنڈی سانس لی لیکن بڑے حوصلے کی عورت تھیں۔ نسیم بیگم کو آج یہ احساس ہو رہا تھا کہ ساس کیا چیز ہوتی ہے۔ زندگی بھر لڑتے بھڑتے گزار دی تھی۔ بات بات میں دونوں کی جھڑپیں ہو جایا کرتی تھیں لیکن آج فاطمہ بیگم کا یہ ایثار دیکھ کر نسیم بیگم کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ حکمت علی تو باہر نکل گئے تھے۔ فاطمہ بیگم نے اپنا سونے چاندی کے تاروں کا جوڑا اپنے ہاتھوں سے جلایا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ لیکن جوڑے کو جلتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ نسیم بیگم بھی منہ پھیرے بیٹھی ہوئی تھیں

بہرطور فاطمہ بیگم نے ساری زری جھاڑ جھاڑ کر اکٹھی کی اس کے بعد اسے پتھر سے کوٹ کوٹ کر یکجا کر لیا پھر یہ تمام چیزیں بڑی احتیاط سے رکھ لی گئیں۔ حکمت علی بہت دیر کے بعد واپس آئے تھے۔ سخت غمزدہ تھے۔ فاطمہ بیگم نے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے کوششیں شروع کردیں۔ ہنسنے بولنے لگیں اور کہنے لگیں۔

"بھرے پرے گھر میں جا رہی ہے بھیا یہ تو ہوگا ابھی تو کچھ نہیں بیٹیوں کو تو زندگی بھر دینا پڑتا ہے۔ اب تمہاری تقدیر میں دینا ہی دینا لکھا ہوا ہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے اللہ کا حکم' ویسے بیٹیاں رسول اللہ کو بھی پسند تھیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے تم سمجھ لو تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔" بہت سی باتیں سمجھاتی رہیں حکمت علی کو۔

دوسرے دن حکمت علی نے یہ تمام چیزیں بیچ دیں اور اس کے بعد سسرال والوں کا منہ بھرنے کے لیے خریداری شروع کردی گئی بہرحال خدا کا شکر تھا کہ تمام جوڑے فہرست کے مطابق تیار ہو گئے تھے۔

شادی کے دن جیسے آندھی اور طوفان کی طرح اُمڈے چلے آرہے تھے۔ ایسے گزر رہے تھے کہ آنکھ میچو دوسرا تیسرا دن چوتھا دن۔ کارڈ چھپ گئے تھے۔ محلے میں تقسیم ہو گئے تھے۔ دولہا والوں کی طرف سے بھی یہی اطلاع مل رہی تھی کہ وہ لوگ بھی پوری سرگرمی کے ساتھ شادی کی تیاریوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ محلے والوں نے بڑی اپنائیت کا ثبوت دیا تھا۔ کئی بار لوگ حکمت علی کے گھر آئے پوچھا کہ ان کے لائق کوئی کام تو نہیں ہے۔ بیٹی کی شادی ہے سبھی خوشدلی سے اس شادی میں شرکت کے لیے تیار تھے۔ حکمت علی ایک ایک سے کہہ رہے تھے کہ آپ ہی لوگ میرے رشتے کنبے دار ہیں بس بیٹی کو عزت کے ساتھ رخصت کردیجئے۔

مہندی کا دن آگیا۔ شامیانہ لگ گیا۔ صفیہ بیگم نے پچھتر آدمیوں کے لیے کہا تھا مگر مہمان تو ڈیڑھ سو سے کم نہ تھے۔ محلے والے الگ' حکمت علی نے تقریباً سوا سو آدمیوں کے کھانے کا انتظام کیا تھا۔ اتنے مہمان دیکھ کر حواس باختہ ہوگئے۔ شاید امداد بیگ نے ان کی کیفیت محسوس کرلی تھی۔ حکمت علی کو الگ لے جاکر بولے۔

"آدمی دو سو کے قریب ہیں مجھے کھانا کم لگ رہا ہے۔"

"شوکت صاحب نے کل پچھتر آدمی لانے کی بات کی تھی۔"

"بالکل فکر نہ کریں۔ یہ ذمے داری میں سنبھال لوں گا۔ آپ دوسرے کاموں کی دیکھ بھال کریں۔"

"مگر وقت کے وقت کیا ہو سکتا ہے۔"

"نہیں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ دیگیں تیار مل جاتی ہیں۔ میں ابھی انتظام کیے لیتا ہوں۔ آپ اس طرف سے بالکل بے فکر ہو جائیے۔"

حکمت علی کی آنکھوں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کہنے لگے۔

"وہ بھائی امداد بیگ پیسے' پیسے لے لیجئے۔"

"حکمت علی صاحب بیٹیاں سب کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ یہ وقت حساب کتاب کا نہیں ہے جو مشکل آپڑی ہے پہلے اسے ٹال لیں۔ سب کچھ بعد میں دیکھا جائے گا۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میرے پاس پیسے ہیں آپ جائیے۔ شامیانے میں تقریب کو سنبھالیے میں کھانے کا انتظام کرلوں گا۔ آپ اس مسئلے کو بالکل بھول جائیں۔"

حکمت علی شکر گزار نگاہوں سے امداد بیگ کو دیکھتے رہے اور امداد بیگ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ہوا ہو گئے۔

مہندی کی تقریب زور و شور سے جاری تھی۔ چاروں طرف قہقہے ابل رہے تھے اور حکمت علی کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ دل میں بہت سے وسوسے پیدا ہو رہے تھے ایسے لوگ جنہیں کسی کی عزت کا خیال نہ ہو۔ جو اپنی زبان پر قائم نہ رہ سکیں کیسے ثابت ہو سکتے ہیں۔ آنے والے وقت میں ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ یہ تمام باتیں انہیں ہولائے دے رہی تھیں۔ دل بیٹھا بیٹھا جا رہا تھا لیکن ہمت کے ساتھ سارے کام کر رہے تھے۔ کوئی مضبوط سہارا حاصل نہیں تھا انہیں سوائے اللہ کے سہارے کے' دل سے دعائیں نکل رہی تھیں کہ الٰہی بیٹیاں دی ہیں تو انہیں پار بھی لگا۔ عزت پر آبنی ہے کچھ ہو گیا تو کیا کروں گا۔ یہ لوگ میری بیٹی کو کیسے رکھیں گے۔ بظاہر تمام کاموں میں حصہ لے رہے تھے مسکرا رہے تھے لیکن دل پر جو بیت رہی تھی وہ اللہ ہی جانتا تھا۔

امداد بیگ صاحب ویسے تو محلے میں اپنے آپ کو لیے دیے رہتے تھے اور اس حادثے سے قبل اہل محلہ کے معاملات پر کبھی نظر بھی نہیں ڈالتے تھے لیکن دل پر جو گھاؤ لگا تھا اس نے دونوں میاں بیوی کو موم کر دیا تھا اور اب سب کی تکلیف انہیں تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ خدا کے حضور توبہ بھی کرتے تھے کہ جیسا کیا ہے ویسا بھر رہے ہیں لیکن رو رو کر یہ بھی کہتے تھے کہ ان کے غرور اور تکبر کی سزا ملنی چاہیے تھی تو انہیں موزی کیوں ان کی برائیوں کا شکار ہو گئی۔ بہرحال اب صورت حال بالکل مختلف تھی۔ غوثیہ بیگم جو گلی میں لگے شامیانوں کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھا لیا کرتی تھیں۔ اب کئی بار شوکت علی کے ہاں اور حکمت علی کے ہاں آچکی تھیں اپنے لیے کام بھی پوچھا تھا انہوں نے۔ محلے کے تمام ہی لوگ بہت اچھے تھے۔ وہ جو کبھی ملتے ملاتے بھی نہ تھے اب بار بار حکمت علی کے گھر آتے تھے۔ بیٹی کے گھر کو زیادہ ترجیح دی جا رہی تھی۔ ویسے بھی شوکت علی کا گھرانہ ذرا لیے دیے رہتا تھا اپنے آپ کو ان کے ہاں اچھی کمائی آرہی تھی اور جو لوگ خوشحال ہوتے ہیں وہ دوسروں کو ذرا کم ہی اہمیت دیتے ہیں۔ چنانچہ پڑوسیوں کی زیادہ تر توجہ حکمت علی کے گھر کی جانب ہی تھی۔ ویسے بھی ملنسار اور مرنجان و مرنج قسم کے آدمی تھے۔ ہر ایک سے محبت سے ملنے والے کسی کو ان کی ذات سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ جہاں تک معاملہ جمیل احمد کے خاندان کا رہا تو فرزانہ تو کئی دن سے مسلسل پروین اور ثریا کے ساتھ تھی۔ ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ جمیل احمد صاحب نے پورا شامیانہ لگوایا تھا۔ کرسیاں بھجوائیں تھیں۔ ایک ایک کام کی نگرانی کر رہے تھے۔

زیادہ دیر نہیں گزری کہ امداد بیگ صاحب سوزوکی میں دیگیں رکھوائے ہوئے پہنچ گئے۔ قورمہ بریانی' نافتان ہر چیز وافر مقدار میں لے آئے تھے۔ اپنی جیب سے خرچ کیا تھا انہوں نے۔ بہرحال حکمت علی کا یہ دن اس سہارے گزر گیا۔

فاطمہ بیگم' نسیم بیگم کو بھی مہمانوں کو دیکھ دیکھ کر چکر آرہے تھے لیکن یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ کوئی نکتہ چینی کی جاتی اور اب ہاتھ کٹا بیٹھے تھے۔ بھلا بیٹے والوں کے سامنے گردن اٹھا سکتے تھے۔

دوسرے دن مہندی لے کر جانا تھا اور حکمت علی نے کل پچیس تیس آدمیوں کے لیے کہا تھا۔ اتنے ہی لوگ انہیں لے جانے تھے۔ امداد بیگ صاحب کے گھر پہنچے تو امداد بیگ صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی۔ دو چکر لگائے تھے پتا نہیں امداد بیگ صاحب جان بوجھ کر ان سے نہیں ملے تھے یا پھر واقعی گھر پر تھے ہی نہیں۔ حکمت علی کو یہ خوف سوار تھا کہ کہیں امداد بیگ صاحب پیسے نہ مانگ بیٹھیں۔ اس وقت تو ایک ایک پائی کے لالے پڑ رہے تھے۔ ابھی کئی دن باقی تھے تقریب میں۔ کچھ نہ ہونے پر بھی ہزاروں خرچ ہو جاتے ہیں۔ جہیز پہنچ گیا اور مہندی میں تیس کے بجائے پچیس ہی آدمی شریک ہوئے جبکہ وہاں پورا پورا بندوبست کیا گیا تھا۔ شوکت علی نے ہنس کر کہا بھی کہ بھئی آپ تو لوگوں کو لائے ہی نہیں حکمت علی نے نیاز مندی سے کہا کہ بس جو ان کے اپنے تھے انہیں لے کر آگئے ہیں اور یہ اپنے اہل محلہ کے علاوہ اور کوئی نہ تھے۔

اب آخری دن باقی رہ گیا تھا اور حکمت علی کو پل صراط سے گزرنا تھا۔

❁

وقت واقعی بہت بدل گیا ہے انسان انسان سے محبت کرتا تھا ایک دوسرے کی چاہتوں میں اس نے اپنے آپ کو گم کر لیا تا لیکن پھر ایسی ہوائیں چلیں کہ ان کے درمیان نفرت کے بادل چھا گئے اور سب ایک دوسرے کے لیے برے انداز میں وچنے لگے۔ پتا نہیں اس کے کیا عوامل ہیں بظاہر جو کچھ نظر آتے ہیں ان کے علاوہ تو کچھ اور نہیں کہا جا سکتا۔ شوکت علی احب کا ماضی کیا تھا یہ تو وہی جانتے تھے پتا نہیں کس عالم میں وقت گزارا تھا۔ قدرت نے بیٹے دیئے اور بیٹوں نے ان کی ثیت سنبھالی۔ اسی گلی میں برے احوال رہتے تھے۔ حالات بہتر ہوتے چلے گئے۔ گھر بنا ایک کے بعد دوسرے بیٹے کی شادی ی اور شوکت علی کا گھرانہ خوشحال ہوتا چلا گیا لیکن ذہنیتوں کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ پورے کا پورا گھرانہ جاہل قسم کے وں پر مشتمل تھا۔ تمام خاندان جمع تھا گھر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ مہندی والے چلے گئے تو جہیز کی دیکھ ل شروع ہوئی کسی خاتون نے ناک پر انگلی رکھ کر کہا۔

"اے نوج حسینہ بیگم یہ جہیز ہے۔ یہ جوڑے ہیں لڑکی کے۔ لگتا ہے زمانہ قدیم کی روحیں سما گئی ہیں ان کے جسموں میں ۔ بھی تو نئے فیشن کا جوڑا نہیں ہے۔"

"اور برتن دیکھو لگتا ہے کہ کسی کباڑی کی دکان سے اٹھا لائے ہیں۔ ارے توبہ توبہ تمہاری عزت کیا رہ گئی حسینہ بیگم ۔رے بیٹوں کی بھی شادیاں کی ہیں گھر بھر دیا بہوؤں کے میکے والوں نے اور ایک یہ بہو آرہی ہے ارے میں کہتی ہوں طیب کی قسمت کیوں پھوڑی تم نے؟"

"اب میں کیا کروں کوئی پوچھ گچھ کرنے گئی تھی ان لوگوں کے ہاں؟"

"اور یہ زیور دیکھو ذرا چھلکے ہیں چھلکے کہیں چاندی پر پانی چڑھا کر تو نہیں دے دیا ارے بابا کن لوگوں میں جا پھنسے تم ۔' تمہارا خاندان تو اتنا اچھا ہے ایک سے ایک صاحب حیثیت یہ کہاں جا پھنسے تم کس نے پھنسایا تمہیں؟"

"ارے یہ تجن بوا ہی تھیں جنہوں نے تعریفوں کے پل باندھ رکھے تھے ایسی ہیں ویسی ہیں اے تجن بوا کہاں گئیں تم؟"

"یہ موجود ہوں بیٹا۔"

"دیکھ رہی ہو اپنی آنکھوں سے ایسا لگتا ہے جیسے فقیروں میں شادی کر رہے ہیں ہم لوگ۔ ارے حکمت علی کے پاس کچھ ہیں تو بیٹی بیاہنے کیوں چلے تھے۔ بیٹیوں کے لیے تو انتظام کیا جاتا ہے۔ بچپن سے ان کے لیے جہیز جوڑا جاتا ہے۔ یہ جہیز اور یہ چینی کے برتن دیکھو ارے یہ بستر کی چادریں تو دیکھو لگتا ہے بستر پر سے اٹھا کر بھیج دی گئی ہیں۔ سارے کا سارا پرانا ن لگتا ہے بوا۔"

"اور فرنیچر اس زمانے میں فارمیکا کا فرنیچر کون دیتا ہے۔ کوڑیوں کے مول ملا ہوگا بلا ٹالی ہے حکمت علی نے تو مگر حسینہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"

"ارے سب لوگ مجھ سے ہی کہے جا رہے ہیں میں کہتی ہوں دوسروں کی آنکھیں بند تھیں کیا۔ انہوں نے نہیں دیکھا ، کن لوگوں میں شادی ہو رہی ہے سب کے سب کو لے گئی تھی میں تو۔"

"لو آپا دیکھا تو تھا ہم نے مگر گھر کے اندر تو گھس کر نہیں دیکھا تھا جہیز تو نہیں دیکھ لیا تھا۔ یہ تو نہیں پتا تھا کہ کس ذہنیت ک ہیں کچھ کر کے ہی نہیں دیں گے ارے کوئی ایک چیز تو ڈھنگ کی دی ہوتی۔"

"تو اب بتاؤ میں کیا کروں' کیا کرنا چاہیے مجھے؟"

"لو اب کیا کیا جا سکتا ہے۔"

طیب علی کہنے لگا۔ "واقعی میری تو بڑی بے عزتی ہو گئی۔ سب لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھائیں گے۔ ساری زندگی نگاہیں نیچی پڑیں گی۔ اماں تم کیا پاگل ہو گئی تھیں۔ تم نے غور نہیں کیا کیسے لوگ ہیں کیا ہیں۔ لیا اور کھونٹے سے باندھ دیا مجھے میں ول ان سب کی زبانوں کو روکو ورنہ میں گھر سے بھاگ جاؤں گا۔"

"ارے طیب علی بیٹا' نہ نہ یہ تیری بات نہیں ہے بیٹا تجھے خود اللہ نے کسٹم میں نوکری دلائی ہے ارے کیا نہیں کر لے گا

"وہ تو سب ٹھیک ہے اماں مگر اب تم یہ سوچو یہ سارے کے سارے کیا کہہ رہے ہیں۔ ساری باتیں مجھ پر پڑ رہی ناں؟"

"یہ تجھ پر کیا پڑ رہی ہیں قصور تو ہمارا ہے۔"

"تو اب جا کے شادی بھی تم ہی کرو میں نہیں جانے کا قسم اللہ کی۔"

"طیب علی، طیب علی دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔ کل بارات جانی ہے۔"

"تو پھر یہ کیا ہے کیا کہہ رہے ہیں یہ سارے کے سارے۔"

"اے بیٹا، تقدیر بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ دیکھو شاید تقدیر سے لڑکی اچھی نکل آئے۔"

"لڑکی کو کیا تمہیں چاٹنا ہے اماں۔ لڑکی کا خاندان بھی تو اچھا ہونا چاہیے۔"

"تو اب کیا کریں آخر؟"

"منع کرا دو میں نہیں کرنے کا شادی۔"

"ارے دماغ خراب ہو گیا ہے تم لوگوں کا۔ غضب خدا کا کل برات جانی ہے اور آج شادی سے انکار ہو رہا ہے۔ ایک خدا ترس بزرگ خاتون نے کہا۔

"تائی اماں! ان سب کی زبانیں بند کر دو ورنہ قسم اللہ کی اچھا نہ ہو گا۔" طیب علی نے کہا مگر بولنے والے زبان کہاں بند کرتے ہیں جتنے منہ اتنی باتیں۔ مجن بی کان دبائے گھر آئیں۔ شاہدہ سے انہوں نے البتہ کہا۔

"شمشاد کی دلہن حالات کچھ اچھے نظر نہیں آرہے۔ اللہ خیر کرے۔"

"کیا ہوا اماں؟"

"ارے وہاں تو جہیز پر ہاہا کار مچی ہوئی ہے۔ ہر ایک ناک بھوں چڑھا رہا ہے۔ حالانکہ غریب حکمت علی نے بساط بھر سب کچھ دیا ہے مگر ان نو دو لتیوں کی نظر میں نہیں سما رہا۔ سب کے منہ بگڑے ہوئے ہیں۔"

"خدا خیر کرے۔"

دوسرے دن بارات پہنچ گئی۔ سارا محلہ شریک تھا۔ بارات کا استقبال کیا گیا۔ قاضی صاحب فارم پر کرنے لگے۔

"مہر کی رقم کتنی ہے؟"

"کیوں حکمت علی صاحب۔"

"جتنی مناسب سمجھیں۔ مجھے تو علم نہیں۔"

"اکیاون ہزار لکھیے قاضی صاحب۔" غلام قادر نے کہا۔

"تم بیچ میں کیوں بول رہے ہو غلام قادر؟" شوکت علی نے کہا۔

"کیوں محلے کی بیٹی سب کی بیٹی ہوتی ہے۔"

"بیٹی کو جہیز میں کیا دیا ہے غلام قادر بھائی؟ کباڑ خانے کے برتن۔ لنڈا بازار کے کپڑے۔ پرانا فرنیچر۔ محلے کی بیٹی ڈھنگ کا جہیز ہی دے دیا ہوتا سب نے مل جل کر۔" شوکت علی بولے۔

"اماں، دوکانداری کرنے چلے ہو بھائی شوکت۔ غریب آدمی سے جو کچھ ہوا اس نے کر دیا۔"

"نہیں نہیں۔ آپ مہر اپنی مرضی سے باندھ دیں شوکت بھائی۔ میں کوئی ضد تو نہیں کر رہا۔" حکمت علی عاجزی سے بولے۔

"بیس روپے آٹھ آنے بندھے گا مہر۔ شرع یہی کہتی ہے۔"

"یہی حیثیت ہے تمہاری۔ ویسے تو کسٹم کلکٹر بنے پھرتے ہو۔" غلام قادر بھی جاہل آدمی تھا۔

"تو پھر گھر میں رکھ لو محلے کی بیٹی کو۔ اماں منہ کو لگے جا رہے ہو کیا سمجھا ہے ہمیں۔ دے دو لاکھ روپے لڑکے کو۔ ہم اکیاون ہزار مہر باندھ دیں گے۔"

"شوکت بھائی۔ شوکت بھائی۔ میری عزت رکھیے۔ خدا کی قسم میری طرف سے کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ آپ جتنا مہر باندھ دیں۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔" حکمت علی کے ہوش گم ہوئے جا رہے تھے۔

"اس ٹیم جو زیادتی کر رہے ہو کر لو بے چارے کے ساتھ شوکت بھائی۔ حکمت علی کا بیٹا جیل سے چھوٹ کر آگیا تو چمڑی اتار دے گا تمہاری۔" سمیع اللہ نے کہا۔

"کیا؟ کون؟" شوکت علی چونک پڑا۔

"شامت آجائے گی قتل کر چکا ہے۔ دو چار قتل اور کرنا مشکل نہیں ہو گا اسے۔ کیا سمجھے۔" سمیع اللہ گپ مارنے لگا۔

"حکمت علی کا بیٹا جیل میں ہے۔" شوکت علی نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"تو اور کیا، بس سزا پوری ہونے والی ہے۔"

"اور ہم سے یہ بات چھپائی گئی، دھوکہ کیا گیا، کھلا دھوکہ۔ ایسے خاندان میں شادی کریں گے ہم؟"

"نہیں شوکت بھائی۔ خدا کی قسم نہیں۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ آہ یہ بس ایک کہانی تھی جو میں نے۔ میں نے اپنی ...ت بچانے کے خوف سے اہل محلہ کو سنائی تھی۔ دو بیٹیوں کا باپ ہوں۔ ناتواں ہوں کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ بس میرے ...ے نے یہ کہانی گھڑی تھی۔ مجھے رسوا نہ کریں شوکت بھائی جو مہر چاہے باندھ لیں۔ ناراض نہ ہوں۔"

"سچی بات تو یہ ہے حکمت علی۔ دل بری طرح کھٹا ہو گیا ہے۔ طیب علی تو بھاگا ہی جا رہا تھا گھر سے۔ بڑی مشکل سے دولہا ...ا ہے اسے۔ یہ بیل منڈھے چڑھتی لگتی نہیں ہے۔ اوپر سے یہ غلام قادر بھائی نے یہاں سبزی منڈی کھول لی۔ بات کچھ ...ہ میں نہیں آرہی۔"

"سمجھا تو تمہیں دیتے پیارے مگر ایک شریف آدمی کی بیٹی کا معاملہ ہے۔ وہ تیار ہے تو ہم بیچ میں نہیں بولتے۔" غلام ...در نے کہا۔

"بہت ہو گئی ابا۔ خدا کی قسم میں نہیں کرنے کا یہ شادی۔ دھوکے پر دھوکہ دے رہے ہیں یہ لوگ۔ بس کہہ دیا میں نے ...یروں کی لونڈیا میں گھر نہیں لے جانے کا۔ اور غلام قادر چچا۔ سمجھا دینا تم ہمیں۔ ہم بھی دیکھ لیں گے۔" طیب علی نے سہرا ...ار کر پھینک دیا۔

امداد بیگ پروانہ صاحب اور دوسرے لوگ دوڑ پڑے۔ سب شوکت علی اور طیب علی کو سمجھانے لگے۔ غلام قادر نے ...افی مانگی ہاتھ جوڑے اپنے الفاظ واپس لیے مگر دونوں باپ بیٹے ہتھے سے اکھڑ گئے تھے۔

"خدا کے لیے شوکت بھائی۔ میری عزت اس طرح نہ اچھالیے۔ زندگی بھر آپ کے جوتے سیدھے کروں گا۔ جو کمی رہ

گئی ہے جہیز میں وہ پوری کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں لکھوا لیجئے مجھ سے۔" حکمت علی نے روتے ہوئے شوکت علی کے پاؤں لیے۔

"اماں چھوڑو حکمت علی۔ عزت دار ہوتے تو پہلے ہی سوچتے۔ تم ہماری حیثیت کے ہو ہی نہیں۔ غلطی ہم سے ہوئی معاف کردو ہمیں۔ ابھی نہ کچھ تمہارا بگڑا ہے نہ ہمارا۔"

"میرا تو سب کچھ بگڑ گیا ہے شوکت بھائی۔" حکمت علی سسک کر بولے۔

"غنڈے بلائے ہیں تم نے چچا حکمت علی۔ اللہ کا شکر ہے نکاح نہیں ہوا۔ ورنہ جوتے بھی لگواتے ہمیں چلو ابا۔ چلو۔" طیب علی بولا۔

"چلو بھائیو۔ نکاح نہیں ہو گا۔" شوکت علی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا اور باراتی اٹھ گئے۔

"ارے شوکت بھائی۔ ارے طیب میاں۔ میری عزت رکھ لو۔ ارے بھائیو انہیں سمجھاؤ۔ ارے سب بیٹیوں والے ہو۔ ارے اپنی بیٹیوں کے طفیل میری عزت رکھ لو۔ ارے بھائیو۔ ارے بھائیو۔" حکمت علی چیخ چیخ کر فریاد کرنے لگے مگر سب اٹھ گئے۔ طیب علی غصے سے پاؤں پٹختا ہوا شامیانے سے باہر نکل گیا۔ افراتفری پھیل گئی۔ ایک ایک نے ایک ایک کو سمجھایا مگر ان جاہلوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ سارے محلے والے منہ دیکھتے رہ گئے تھے۔

چاروں طرف سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس محلے کی تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ باراتی چلے گئے تھے۔ کس۔ کیا نہ کہا۔ محلے والوں نے شوکت علی کے سامنے گڑگڑا گڑگڑا کر حکمت علی کی عزت کی بھیک مانگی مگر شوکت علی نے درندگی کا ثبوت دیا گھر میں الگ رونا پیٹنا مچا ہوا تھا۔ نسیم بیگم نیم غشی کا شکار تھیں۔ فاطمہ بیگم سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ سب گنگ تھے۔ ایک عجیب سا ہولناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شوکت علی کے ساتھ آئے ہوئے تمام مہمان جو زیادہ تر ان کے اپنے رشتے دار تھے۔ واپس چلے گئے لیکن محلہ سارے کا سارا شامیانے میں جمع تھا۔ سب کے چہرے اترے ہوئے تھے سب دکھی معلوم ہوتے تھے۔ کسی کے چہرے پر غم کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ امداد بیگ صاحب، جمیل احمد، غلام قادر، پروانہ صاحب سارے کے سارے خاموش، ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ طاہر اور شعور بھی اس شادی میں باقاعدہ شریک تھے۔ اب ظاہر ہے اس گلی میں ان کا رہنا سہنا تھا اور پھر پروانہ صاحب سے جن کے تعلقات تھے طاہر اور شعور سے خود بخود ہو گئے تھے۔ جس طرح سب لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ اس طرح طاہر اور شعور بھی اب ان کے معاملات میں پروانہ صاحب کے ساتھ ہوتے تھے ان دونوں کے چہرے بھی سرخ ہو رہے تھے۔ شعور نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ہم زندگی کے کتنے بہت سے مسائل سے ناواقف ہیں طاہر۔ یہ ایک شخص جو بڑھاپے کی سرحدیں چھو رہا ہے، عزت کے ساتھ بیٹی کے لیے ایک گھر کا خواہشمند تھا لیکن ہوس پرستوں کی دیوانگی نے اس کی عزت دو کوڑی کی کر کے رکھ دی۔ یہ اب اپنی زندگی میں بیٹی کو بیاہنے کا تصور بھی نہ کر سکے۔ جو کچھ تھا اس کے پاس اس نے لگا دیا ہو گا دوبارہ یہ سب کچھ کہاں سے جمع کرے گا۔"

طاہر نے کھوئی کھوئی آنکھوں سے شعور کو دیکھا حالانکہ ایک غیر جذباتی کھلنڈرا سا نوجوان تھا۔ زندگی کے اہم معاملات کو سطحی نگاہ سے دیکھنے والا لیکن اس وقت اس کی آنکھوں کو دیکھ کر شعور چونک پڑا۔ اس نے طاہر کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"کیا بات ہے طاہر بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئے ہو۔"

"یار شعور میں اس وقت ایک عجیب دیوانگی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ دیکھو خدا کے لیے میرا مذاق مت اڑانا۔ میں ساری زندگی میں ایک آدھ بار ہی سنجیدہ ہوا ہوں اور اس وقت بھی بے حد سنجیدہ ہوں میری بات پر غور کرنا۔ خدا واسطے اس کا مذاق مت اڑانا۔"

"کیا بات ہے طاہر، واقعی تم بہت عجیب ہو رہے ہو۔"

"یہ جو کچھ ہوا ہے کیا انسانیت سے اس کا تعلق ہے۔"

"ہرگز نہیں۔"

"شعور انسانیت کو اس طرح مر جانا چاہیے۔"

"خدا کی قسم نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"یار ہم اس مظلوم شخص کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیا کر سکتے ہیں کس نے کیا نہیں کیا۔ بتاؤ اس وقت ان تمام لوگوں نے کتنی اپنائیت اور محبت کا ثبوت دیا ہے۔ کس نے ۔۔۔ نہیں کہا اس ظالم شخص سے اور وہ کمینہ نوجوان۔ دیکھو کس طرح کسی کی عزت پر تھوک کر چلا گیا۔"

"شعور خدا کے لیے۔ خدا کے لیے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ میرا مذاق مت اڑانا۔ میں اس شخص کو اس کے بڑھاپے کو ۔۔۔ کی عزت کو سہارا دینا چاہتا ہوں۔" طاہر نے کہا۔

"کیسے؟" شعور ششدر لہجے میں بولا۔

"اس کی بیٹی سے شادی کر کے۔ ہاں شعور انسان پر کبھی نہ کبھی دیوانگی کا ایک لمحہ طاری ہوتا ہے میں اس وقت دیوانہ ہو ۔۔۔ں۔ مجھ پاگل کے ساتھ تعاون کرو شعور یقین کرو جو کچھ کہہ رہا ہوں پورے ہوش و حواس کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ میں ۔۔۔ڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جسے وہ کمینہ ٹھکرا کر چلا گیا ہے۔"

"طاہر۔ طاہر۔ کیا کہہ رہے ہو؟"

"دیکھو شعور، میری زندگی میں کوئی ایسا حسین تصور نہیں ہے جسے میں نے بیوی یا محبوبہ کی صورت میں دیکھا ہو یا جس ۔۔۔شادی کرنے کے خواب دیکھے ہوں۔ میری زندگی تو ایک سادہ کتاب کی مانند ہے۔ اس پر کچھ بھی لکھ دیا جائے میں اسے ۔۔۔ کر لوں گا یار یہ کام کرنا ہے ہر قیمت پر کرنا ہے اور ابھی کرنا ہے۔"

"ابھی۔" شعور اچھل کر بولا۔

"ابھی اور اسی وقت۔ ورنہ پھر بات ہی کیا۔ سارا کھیل ہی خراب ہو جائے گا۔"

"ابے تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" شعور جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"دیکھو شعور، عموماً تمہیں مجھ سے غیر سنجیدگی کی شکایت رہی ہے لیکن اس وقت میں واقعی سنجیدہ ہوں۔ دیر نہ کرو ۔۔۔ دوست۔ اس سے پہلے کہ یہ سارے لوگ چلے جائیں میں یہ کام کر ڈالنا چاہتا ہوں۔"

"تو نے اس لڑکی کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ تجھے پتا بھی نہیں ہے کہ وہ کس طبیعت کی مالک ہے۔ شکل و صورت کی کیسی ۔۔۔ یہ جذباتی قدم اٹھا کر کہیں زندگی بھر روتے مت رہنا۔"

"خدا کی قسم نہ میں اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں نہ اس کی شکل و صورت سے مجھے کوئی دلچسپی ہے۔ میں اس وقت اس ۔۔۔یدہ انسان کو دیکھ رہا ہوں جو ٹوٹ کر پاش پاش ہو گیا ہے۔ میں ان ٹکڑوں کو جوڑنا چاہتا ہوں شعور، خدا کے لیے مجھے یہ ۔۔۔ام کرنے کا موقع دو۔ ساری زندگی میں پہلی بار کسی نیکی کے بارے میں سوچا ہے۔ میری مدد کر دو یار۔"

"مگر میں کیا کروں؟" شعور ناچتا ہوا بولا۔

"پروانہ صاحب سے بات کرو۔ فوراً" پروانہ صاحب سے بات کرو۔"

پروانہ صاحب زیادہ فاصلے پر نہیں تھے۔ شعور چند لمحات حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ مڑا اور پھر دوبارہ پلٹ کر بولا۔

"یار طاہر مجھے ذلیل تو نہیں کرا دو گے۔"

"نہیں شعور۔ خدا کی قسم نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"پروانہ صاحب پروانہ صاحب ذرا بات سنئے۔" پروانہ صاحب قریب آ گئے۔ دونوں کو دیکھ کر حیران بھی ہوئے تھے۔ شعور ۔۔۔لا

"یہ طاہر کچھ عجیب سی باتیں کر رہا ہے۔ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔"

"ارے۔ کیا بات ہے میاں؟"

"میں ہی بتا رہا ہوں پروانہ صاحب۔ یہ کہتا ہے کہ ابھی اور اسی وقت اس لڑکی سے شادی کرے گا جسے ٹھکرا دیا گ
ہے۔"

"ایں۔" پروانہ صاحب بھی ہونق ہو گئے تھے۔ ایک لمحے تک ان کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ پھر انہوں نے طا
سے کہا۔ "میاں ایسے موقعوں پر مذاق نہیں کیا کرتے۔ وہ تو ویسے ہی مر چکا ہے۔ تم نوجوان ہو کسی ایسے باپ کے دل
پوچھو جس کی بیٹی کی بارات واپس لوٹ گئی ہو۔ اس وقت اس کے بارے میں کوئی مذاق اچھا نہیں لگے گا۔"

"پروانہ صاحب! آپ کو علم ہے کہ ہم دونوں آپ پر جان دیتے ہیں آپ کی بے پناہ عزت کرتے ہیں ہم۔ آپ
ذریعے کوئی مذاق کرنا کبھی پسند نہیں کریں گے۔ آپ کو کبھی مذاق نہیں بنوائیں گے۔ میں یہ شادی کرنا چاہتا ہوں ابھی ا
اسی وقت آپ بات کیجیے۔"

"میاں یہ فلمی کہانی نہیں ہے یہ حقیقت کی زندگی ہے بیٹے اور حقیقت کی زندگی فلمی کہانیوں سے خاصی مختلف ہو
ہے۔ تم سوچ لو کیا کہہ رہے ہو۔ جذباتی طور پر ہم یہ قدم اٹھا تو سکتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ۔"

"اچھا ہی ہو گا پروانہ صاحب' اچھا ہی ہو گا۔"

"یعنی یعنی کہ تم ــــــ"

"آپ بات کیجیے خدا کے لیے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ لوگ واپس نہ چلے جائیں۔ اس عزت دار شخص کی عزت ر
رہے۔ میں جو کچھ بھی جیسا بھی ہوں آپ کو اس کا بندوبست کرنا پڑے گا پروانہ صاحب بس اب جیسے بھی بن پڑے یہ
آپ کو کرنا ہے۔"

"میاں تم نے تو۔ تم نے تو میرے ہاتھ پاؤں پھلا دیے۔ ذرا شمع بیگم سے تو مشورہ کر لوں۔"

"کسی سے کوئی مشورہ نہ کریں ابھی۔ وہ اندر ہیں ہمیں دیر ہو جائے گی۔"

طاہر پر واقعی جنون سوار ہو گیا تھا۔ ایسے کسی جنون کا کم از کم اس جیسے شخص سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پر
صاحب نے منہ پھاڑے ہوئے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ کچھ سوچتے رہے اور پھر امداد بیگ کی جانب بڑھ گئے۔

"میاں امداد بیگ ایک بات کرنی ہے آپ سے۔" امداد بیگ نے غمزدہ نگاہوں سے پروانہ صاحب کو دیکھا۔ پر
صاحب کہنے لگے۔

"دیکھو میاں معاف کرنا۔ بطور مشورہ بھی کہہ رہا ہوں بات ایسی ہے کہ خود میری کھوپڑی میں بھی ناچ کر رہ گئی ہے
کیا کروں کرنا تو ہے کچھ نہ کچھ۔ خدا کے لیے مجھے مشورہ دو اور بہت عجیب بات ہے لیکن کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"کوئی خاص بات ہے پروانہ صاحب؟"

"ہاں۔ ان دونوں بچوں کو تم بھی جانتے ہو میری مراد شعور اور طاہر سے ہے۔"

"جی ہاں۔ کیوں خیریت۔ کیا بات ہے؟"

"وہ طاہر کچھ جذباتی ہو گیا ہے۔ حکمت علی کی یہ حالت اس سے دیکھی نہیں جا رہی' کہہ رہا ہے حکمت علی صاحب
بات کریں وہ اس لڑکی سے شادی کرنے کے لیے تیار ہے اور اسی وقت۔"

"ایں۔" امداد بیگ صاحب کا منہ بھی حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے پروانہ صاحب کو
رہے۔ پھر انہوں نے طاہر کو دیکھا اور جلدی سے طاہر کے قریب پہنچ گئے۔

"ایک بات تو میں جانتا ہوں بیٹے کہ تم لوگ بہت نیک نفس ہو۔ ایسے والدین کے چشم و چراغ جن پر فخر کیا جائے
قدر فخر کیا جائے کم ہے لیکن کیا پروانہ صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سب۔ وہ سب میرا مطلب ہے کیا سنجیدگی سے
کچھ ہو سکتا ہے۔"

"امداد بیگ صاحب! میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر عرض کر رہا ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے مذاق نہ سمجھیے گا
لوگ میرے بزرگ ہیں آپ کو یہ بھی اندازہ ہے کہ مجھ پر کوئی جذباتی کیفیت طاری نہیں ہے۔ نہ یہاں کوئی عشق د
معاملہ ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس لڑکی کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ جس کے لیے یہ بارات آئی تھی۔ وہ جیسی بھی

لدین کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے گھر لے جاؤں گا۔ اور زندگی کے آخری لمحے تک
ے وہی باعزت مقام دوں گا جو بیوی کو دیا جاتا ہے۔ آپ ابھی اور اسی وقت یہ کام کیجیے۔ دیکھیے قاضی صاحب بھی شاید
نے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کے جانے سے پہلے ہی یہ سب کچھ ہو جانا چاہیے۔ باقی باتیں ہم لوگ بعد میں کر لیں گے۔"

"اگر یہ سچ ہے تو یقین کرو اس وقت عظمت کا ایک مینار قائم ہو رہا ہے۔ میں اس سلسلے میں اور کچھ نہیں کہوں گا۔
انہ صاحب آپ ذرا جا کر قاضی کو روکیے ان سے کہیے کہ ذرا کچھ دیر رک جائیں۔ میں حکمت علی سے بات کرتا ہوں۔"

امداد بیگ کے بھی ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ کسی کو ساتھ لینا مناسب نہیں سمجھا۔ خود حکمت علی کے پاس پہنچے۔
ت علی گم صم تھے۔ امداد بیگ نے کہا۔

"میاں حکمت علی ایک عجیب بات کہہ رہا ہوں برا مانو تو بلاشبہ میرے منہ پر تھپڑ مار دینا۔ بس جو دل میں ہے وہ کہے بغیر
ں رہ سکتا۔ ابھی ابھی ایک بات میرے کانوں تک پہنچی ہے کہنا چاہتا ہوں تم سے؟"

حکمت علی نے غم ناک نگاہوں سے امداد بیگ کو دیکھا اور بولے۔

"جی بھائی صاحب کہیے۔"

"وہ پروانہ صاحب کے ساتھ دو نوجوان رہتے ہیں زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔ خدا پر بھروسہ رکھتے ہو۔ انسانیت پر بھروسہ
تے ہو اگر مجھ پر تھوڑا بہت اعتماد ہے تمہیں۔ میری بھی بچی گم ہو چکی ہے۔ گمشدہ بیٹی کا باپ ہوں۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں خدا
واسطے اس میں کوئی برائی نہیں سمجھنا۔ وہ دونوں بچے بہت اچھے ہیں۔ اتنے اچھے کہ اگر تقدیر سے کسی کو ان کا ساتھ مل
ے تو یوں سمجھ لو وہ خوش نصیب ہے۔ ان میں ایک کا نام طاہر ہے دوسرے کا شعور۔ وہ لڑکا ملازم ہے اچھا کماتا ہے بڑی
ں زندگی ہے ان کی۔ اس وقت وہ جذباتی ہو گیا ہے۔ میں نے بہت ٹھوک بجا کر اس سے بات کی ہے پروانہ صاحب خود ہی
ے پاس پہنچے تھے۔ ہو سکتا ہے تمہیں میری باتوں میں ربط نہ محسوس ہو رہا ہو۔ لیکن بات ایسی ہی ہے کہ اس میں ربط رکھنا
ن ہو گیا ہے اس وقت۔ وہ لڑکا کہہ رہا ہے کہ ابھی اور اسی وقت یہاں تمہاری بیٹی سے شادی کرنے کے لیے تیار ہے وہ
ری عزت کو خاک میں نہیں ملنے دے گا۔"

حکمت علی کو جیسے جھرجھری سی آ گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہلے امداد بیگ صاحب کو اور پھر طاہر کو دیکھا یہ دونوں لڑکے
کے لیے اجنبی نہیں تھے بلکہ ان کے بارے میں حکمت علی کے کچھ خیالات بھی تھے۔ ہمیشہ انہوں نے انہیں سر جھکا کر محلے
باہر جاتے اور محلے میں آتے ہوئے دیکھا تھا۔ کبھی کسی کو کوئی ایسی بات نہ ملی جو ان کے بارے میں کہتا۔ انہوں نے ایک
ر امداد بیگ صاحب کی صورت دیکھی اور کہنے لگے۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں' امداد بیگ صاحب!"

"پروانہ صاحب نے قاضی صاحب کو بھی روک دیا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے طاہر علی کو اچھی طرح ٹھوک بجا
کر لیا ہے۔ وہ ابھی اور اسی وقت نکاح کرنے کے لیے تیار ہے۔ بولو حکمت علی کیا کہتے ہو' تقدیر پر چھوڑ دو۔ جوڑے
وں میں بنتے ہیں تقدیر کا پہلا فیصلہ غلط تھا۔ ہو سکتا ہے صحیح فیصلہ یہ ہو۔"

"امداد بھائی۔ امداد بھائی۔؟"

"دیکھو بیٹی تمہاری ہے۔ فیصلہ تم کرو گے۔ مگر لڑکا بہت اچھا ہے۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر کہہ رہا ہوں۔ بہت اچھا لڑکا
مان جاؤ اس وقت۔ یہ بات عورتوں کے رمیان کرنے کی نہیں ہے۔ اللہ کا نام لے کر بازی لگا دو اللہ ہمیشہ اچھا کرتا
بعد میں ہزار منہ ہزار باتیں۔ بھائی غلام قادر' بھائی سمیع اللہ ذرا ادھر آؤ۔" امداد بیگ نے سب کو بلا لیا۔ سب کے
ے بات رکھ دی۔ لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔

"قسمت والے ہو حکمت علی۔ ارے پڑھے لکھے اور پرکھے ہوئے لڑکے ہیں جس طرح محلے میں رہ رہے ہیں سبھی جانتے
قسم ایمان کی تمہاری لونڈیا کو ایک بھی آنسو بہانا پڑا تو ہم جان دے دیں گے اپنی۔ کسی نر کا بچہ ہے وہ جو یہ قدم اٹھا لیا
مان لو حکمت بھائی۔ تھوک پڑ جائے گا شوکت علی کے چہرے پر۔"

"آپ لوگ بہتر سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہے۔" حکمت علی نے بادل نخواستہ کہا۔

"ارے زندہ باد۔ بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ۔ نکاح ہو گا۔ بیٹھ جاؤ۔ اللہ نے شوکت علی کا منہ کالا کر دیا ہے۔ بیٹھ جاؤ اللہ بڑا ہے۔"

لوگ حیران رہ گئے۔ طاہر کے گلے میں ہار ڈال دیئے گئے۔ وہ اسٹیج پر جا بیٹھا۔ شعور حیرت سے بار بار اس کی صورت دیکھنے لگا تھا۔ طاہر جیسے غیر سنجیدہ انسان کا یہ فیصلہ۔ اس نے کبھی طاہر کو ایسا نہیں پایا تھا۔ قاضی صاحب نے فارم پر کیا۔

"طاہر علی ولد نیر علی۔ گواہ۔ شعور منصور۔ اقبال حسین پروانہ۔ لڑکی کے گواہ۔ غلام قادر۔ جمیل احمد۔ لڑکے وکیل۔ امداد بیگ۔ وکیل اور گواہ اندر گئے۔ حکمت علی ساتھ تھے۔ عورتیں حیرت سے پاگل ہو رہی تھیں۔ یہ تو معلوم انہیں برات واپس چلی گئی ہے مگر یہ نکاح کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اندر دلہن گم صم بیٹھی ہوئی تھی۔ امداد بیگ کہا۔

"ثریا بیگم بنت حکمت علی۔ میں نے تمہارا نکاح طاہر علی ولد نیر علی سے بعوض اکیاون ہزار مہر سکہ رائج الوقت کر کیا ہے۔ تمہیں منظور ہے۔"

"ثریا بیٹی بلند آواز سے ہاں کہو۔" حکمت علی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ثریا بے حواس تھی۔ حکمت علی جھکا کر کہا۔

"اقرار کرو بیٹی اقرار کرو۔" اور ثریا نے بے اختیار ہاں کہہ دیا۔

ایجاب و قبول کی رسم طے ہو گئی۔ ثریا سے چاروں فارم پر دستخط لیے گئے اور وکیل گواہوں کے ساتھ باہر نکلا قاضی صاحب نے خطبہ پڑھا اور نکاح ہو گیا۔ لطف اس وقت آیا جب غلام قادر مٹھیاں بھر بھر کر چھوارے تقسیم کر۔

"اماں بھائی غلام قادر، یہ چھوارے کہاں سے آ گئے؟" سمیع اللہ نے کہا اور غلام قادر نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"ابے بھائی سمیع اللہ۔ مرغی والے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے ہوئے چھواروں کا تھیلا تخت کے نیچے رکھا چھوڑ گئے۔"

پورا محلہ خوشی سے سرشار تھا۔ مرجھائے ہوئے چہرے کھل اٹھے تھے۔ شعور نے طاہر کو سینے سے بھینچ رکھا مشکل سے اس نے اسے چھوڑا تو پروانہ صاحب اس سے چمٹ گئے۔

"واللہ مجھے شادی مرگ ہو جائے گا۔ میرے گھر میں فرشتے اترے ہوئے ہیں۔ جس قدر ناز کروں کم ہے۔ لوطا حکمت علی آ رہے ہیں۔ ان سے ملو۔"

حکمت علی کی سسکیاں بڑی دلدوز تھیں۔ کچھ کہنا چاہ رہے تھے مگر منہ سے صرف سسکیاں نکل رہی تھیں۔ انہیں مضبوطی سے سہارا دے دیا۔

"صرف اتنا کہوں گا ابو۔ آپ نے اہل محلہ کو جس بیٹے کی کہانی سنائی تھی وہ جھوٹی نہیں تھی۔ میں آپ کا وہی میں آ گیا ہوں ابو۔ اپنی تنہائی اپنی ناتوانی کو بھول جائیے۔ میں آ گیا ہوں۔" سننے والوں کی سسکیاں نہ رک سکی تھیں۔

شکیل نے سرد نگاہوں سے نادر شاہ کو دیکھا نادر شاہ دانت نکالے ہوئے آگے بڑھا۔

"اوہو شکیل صاحب اچانک ہی واپس آ گئے آپ کیا کچھ اور وقت نہیں گزار سکتے تھے؟" اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو شکیل نے نفرت بھری نگاہ سے اسے دیکھا۔ اس نے نادر شاہ سے مصافحہ نہیں کیا تھا۔ سلطانہ خاموش نگاہوں سے شکیل کو دیکھ رہی تھی۔ شکیل نے کہا۔

"نادر شاہ صاحب کسی بھی جگہ داخلے کے کچھ آداب ہوتے ہیں کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ سلطانہ میری بیوی ہے۔"

"نادر شاہ نے چونک کر سلطانہ کو دیکھا پھر شکیل کو اور اس کے بعد ڈھٹائی سے بولا۔

"ہاں اس بات کا تو مجھے علم ہے لیکن داخلے کے آداب نہیں معلوم، سلطانہ کیا تم مجھے اس بارے میں کچھ بتاؤ گی؟"

سلطانہ نے ایک نگاہ شکیل کو دیکھا پھر نادر شاہ کو اور اس کے بعد بولی۔

"نادر شاہ کے بارے میں تمہیں سب کچھ بتا چکی ہوں شکیل، یہ ہر جگہ آ جا سکتے ہیں اور میرے لیے نہایت قابل احترام شخصیت ہے ان کی۔"

"قصہ کیا ہے دونوں سنجیدہ نظر آ رہے ہیں کیا سچ مچ دلی لٹ گئی؟"

"نادر شاہ دلی میں قدم رکھے اور دلی نہ لٹے خیر اس وقت یہ مزاحیہ گفتگو ختم کر دینا مناسب ہے۔ مسٹر نادر شاہ آپ فوراً باہر نکل جائیے۔ میں اپنی بیوی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

نادر شاہ نے تیکھی نگاہوں سے شکیل کو دیکھا پھر بولا۔

"عزیزم! یہ جو لڑکی ہے ناں جو تمہارے سامنے بیٹھی ہے یہ پیدائشی طور پر میری ملکیت ہے جو ڈرامہ میری غیر موجودگی میں ہو گیا۔ اس میں میری بھی بہت بڑی غلطی تھی لیکن تم جو یہ بیوی بیوی کی گردان کر رہے ہو یہ مجھے پسند نہیں آ رہی چنانچہ اس سے گریز کرو، ورنہ تم جانتے ہو میرا نام نادر شاہ ہے۔"

"تم بہرے ہو سنا نہیں تم نے ایک منٹ کے اندر اندر باہر نکل جاؤ ورنہ اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔" شکیل کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ سلطانہ جمالی کے انداز میں اضطراب پیدا ہوا تھا لیکن شکیل کے چہرے کے خونخوار تاثرات نے ایک لمحے کے لیے اس کے اندر خوف بھی بیدار کر دیا تھا۔ نادر شاہ نے ایک بار پھر اسے دیکھا اور جب شکیل میز کے پیچھے سے نکل کر سامنے آیا تو وہ تیزی سے پیچھے ہٹ کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ پھر وہاں رک کر سلطانہ سے بولا۔

"سلطانہ یہ لمحات بھولنے کے قابل نہیں ہیں۔" اور اس کے بعد وہ باہر نکل گیا۔ شکیل نے دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ سلطانہ کے چہرے پر خوف کے آثار گہرے ہو گئے۔ شکیل نے وہیں رک کر سلطانہ کو دیکھا اور پھر زہریلی ہنسی ہنستا ہوا واپس اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

"ہم لوگوں کا تعلق جس ماحول سے ہے اور جس کے بارے میں تم لوگوں نے کہا ہے کہ اس مینار کی چوٹی پر چڑھ کر پتنگ اڑائی جائے وہاں کا ایک رواج یہ بھی ہے سلطانہ کہ مرد اپنی بیوی کو درست حالت میں رکھے۔ غلطی مجھ سے نہیں تم سے ہوئی ہے۔ ورنہ میں تو قیامت تک یہ ہمت نہ کر پاتا کہ تم سے شادی کی بات بھی کر لیتا۔ خیر کوئی بات نہیں ہے دروازہ بند کرنے سے بالکل خوفزدہ نہ ہو میں تم سے کھلی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے خوفزدہ ہوں۔ اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو شکیل، اگر خوفزدہ ہوتی تو اپنے دلی معاملات تم سے پوشیدہ رکھتی۔ ہزاروں چالیں چل سکتی تھی میں، لیکن میں نے کھل کر تمہیں تمام حقیقتیں بتا دیں۔ اب یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"تمہارے اس اعتراف کے بعد بھلا اس بات کی کیا گنجائش ہے سلطانہ کہ میرے اور تمہارے درمیان شوہر اور بیوی کے تعلقات رہیں اصل میں' میں نے کچھ دن اس جدید سوسائٹی کی ہوا کھالی ہے اور میرے اندر بے غیرتی کے وہ جراثیم پیدا ہو گئے ہیں جس کی بنا پر میں تمہاری گردن تمہارے شانوں سے اتار کر باہر نہیں پھینک رہا ورنہ ہمارے ماحول کے لوگ یہی کیا کرتے ہیں۔ بدکار اور بدچلن بیوی کو زندگی سے محروم کر دینا وہاں کے لوگوں کا معیار زندگی ہے لیکن بہرحال میں ایسی کوئی دیوانگی کی کارروائی نہیں کرنا چاہتا۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ ہمیں آیندہ کیا کرنا چاہیے؟"

"مجھے سوچنے کا موقع دو۔"

"نہیں' تمہارے پاس اب اس سلسلے میں کوئی حق نہیں ہے سلطانہ' بہتر یہی ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے قانونی طو پر الگ ہو جانا چاہیے۔ میرا مطلب ہے میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔ سلطانہ میں نے تمہیں طلاق دی' میں نے تمہیر طلاق دی' میں نے تمہیں طلاق دی۔" شکیل نے کہا۔

سلطانہ کے جسم میں جھرجھری سی پیدا ہو گئی اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے شکیل کو دیکھا اور اس کے بعد کرسی ۔ ٹک کر آنکھیں بند کر لیں۔ شکیل پر اطمینان انداز میں بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"جو کچھ میں نے کیا ہے سلطانہ یقینی طور پر تمہاری پسند کے عین مطابق ہے۔ اصل میں' میں نے کوئی حماقت کرنا مناس نہیں سمجھی میں تمہیں چند سچائیوں سے آشنا کر دوں۔ یہ میری زندگی کے لیے ایک دلچسپ تجربہ تھا۔ میں اس سوسائٹی کا آد نہیں ہوں سلطانہ لیکن انسان کی فطرت میں تجسس کا جو ایک عنصر ہوتا ہے اس نے مجھے اس سوسائٹی سے مسحور کر دیا تھ مجھے یہ سب کچھ بہت اچھا لگا تھا۔ تم بھی اچھی لگی تھیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے دوسری پیشکشیں ٹھکرا دیں۔ ا اسی سوسائٹی کی بات تھی تو تم جانتی ہو کہ کون کون میری زندگی میں کس انداز میں آیا۔ سدرہ اختیار بیگ کی بات کرتا ہو اور بھی کئی ایسے مسئلے ہوئے لیکن میں نے جس دنیا کو دیکھنے کا آغاز تم سے کیا تھا اس میں تمہیں سب سے زیادہ اہمیت دی شاید یہ معاملہ بہت خوش اسلوبی سے آگے بڑھتا لیکن صورت حال تمہارے سامنے ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ جو غلطی تم ہوئی ہے اس کے لیے تمہیں کوئی بدترین سزا دوں۔ میں نے نہایت سادگی سے ایک دوست کی حیثیت سے تمہارے را صاف کر دیے ہیں اور اب ظاہر ہے کہ اس بات کی گنجائش نہیں کہ ہم لوگ اس بارے میں کچھ سوچیں۔"

"جو کچھ تم کر چکے ہو شکیل' شاید اس میں تم نے جلد بازی کی ہے لیکن میرا یہ اندازہ ہے کہ یہ سب کچھ ہونا تھا۔ خ نے جو کچھ کر دیا بہت اچھا کیا۔ اب اس سلسلے میں ہمارے آیندہ اقدامات کیا ہوں گے؟"

"اصل گفتگو اسی موضوع پر ہے یہ بہت اچھی بات ہے سلطانہ کہ ہم نے اپنی اس شادی کی تشہیر نہیں کی۔ میرا ذ ہے سوائے چند لوگوں کے کسی کو یہ بات نہیں معلوم' تم اگر اپنے آپ کو بدنام کرنا چاہو ایک طلاق شدہ عورت کی حیثیت سے' اگر اپنے معاشرے کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہو تو تمہاری مرضی ہے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اگر چاہو تو ضروری نہیں ہے کہ اس شادی ہی کا تذکرہ کسی سے کیا جائے۔ نادر شاہ تمہاری زندگی میں آگیا ہے۔ بس وہ ہو گا تم۔ میں تمہاری دنیا سے چلا جاؤں گا۔"

"ہوں اور جو کچھ تم میرے لیے کر رہے ہو؟"

"کیا اس کے بعد اس کی گنجائش ہے کہ میں وہ سب کچھ تمہارے لیے کروں؟"

"تم چاہو تو اپنا یہ کام جاری رکھ سکتے ہو۔ تمہارے ذریعے مجھے بہت سے فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ ان کے سلسلے اپنا کمیشن طے کر لو اور مجھ سے وہ رقم لے لو۔ آیندہ کے کام بھی جاری رکھو۔"

شکیل ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ہم گندی گلیوں کے رہنے والے اصل میں بہت جذباتی ہوتے ہیں۔ ہماری اپنی شخصیت میں بس یہی تو ایک خوبی ہے کہ ہم جو کرتے ہیں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ میرے لیے یہ سب کچھ ضروری نہیں ہے۔ جو کچھ کیا ہے اس کا معا بھی لیا ہے تم سے۔ آیندہ تمہارا تصور بھی اپنی زندگی سے خارج کر دینا چاہتا ہوں کیا سمجھیں؟"

"میں تمہارے لیے کچھ اور کر سکتی ہوں شکیل؟"

"جو کچھ تم نے میرے لیے کیا ہے سلطانہ وہ بہت کافی ہے اور آج بڑی مسرت ہو رہی ہے یقین کرو یہ احساس ہو رہا ہے کہ ایک مشقت کر رہا تھا میں۔ ایک ایسا کام جو میرے لیے بہت زیادہ پسندیدہ نہیں تھا لیکن بس ایک سحر کے سے عالم میں اسے سرانجام دے رہا تھا۔ آج میرا وجود بڑا ہلکا پھلکا ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے شکیل بہرحال میری طرف سے مطمئن رہو نہ میں تمہیں بدنام کرنے کی کوشش کروں گی اور نہ ہی کوئی ایسی کارروائی جس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ ہاں تمہارا کمیشن میرے پاس محفوظ رہے گا۔ جب بھی چاہو اسے وصول کر لینا اور ایک بار پھر خواہش کرتی ہوں کہ تم اب جو مرزا تصور بیگ کے لیے کام کر رہے ہو اسے جاری رکھو اور اس کا معاوضہ جو دل چاہے طے کر لو۔"

شکیل ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"نہیں سلطانہ صاحبہ اب اس کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ اچھا تو پھر خدا حافظ۔" شکیل ایک بار پھر میز کے پیچھے سے نکل آیا۔ سلطانہ بے اختیاری کے انداز میں کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے ایک نگاہ شکیل کو دیکھا اور شکیل دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اس کے بعد وہ اس کوٹھی میں نہیں رکا تھا۔ گیٹ سے باہر نکل کر وہ بہت دیر تک پیدل چلتا رہا پھر ایک ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور سے اس نے ساحل سمندر پر چلنے کے لیے کہا تھا۔ اس کے بدن میں بھی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ فیصلہ بہت برق رفتاری سے ہو گیا تھا لیکن سکون کا ایک احساس دل میں موجود تھا کہ جو فیصلہ ہوا ہے غلط نہیں ہوا ہے۔

○

ٹھیکیدار اوم پرکاش پرانا کاروباری تھا اور سارے رموز سے واقف۔ ساگا سیٹھ کا کھیل تو ختم ہو گیا تھا اب فوزیہ کو ایک نئے درندے کی وحشت کا سامنا تھا جس شخص کو فوزیہ کے ساتھ منسلک کیا گیا تھا اس کا نام صاحب دین تھا۔ بے تاثر سا آدمی جو آدمی کم اور ایک بے جان پتلا زیادہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ فوزیہ کو لے کر ایک چھوٹے سے فلیٹ میں آگیا۔ ایک ہی کمرہ تھا اور تھوڑا سا اور حصہ جس میں باتھ روم وغیرہ بنا ہوا تھا۔ صاحب دین فوزیہ پر سخت نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس فلیٹ میں آکر اس نے کہا۔

"لڑکی! تو اگر ٹھیکیدار اوم پرکاش کو نہیں جانتی تو اس کے بارے میں تھوڑی سی معلومات میں تجھے دے دوں وہ انسان نہیں جانور ہے۔ مال خریدتا ہے پیسہ لگاتا ہے اور اگر کہیں کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو نقصان کی پرواہ نہیں کرتا۔ اگر تو نے کسی بھی قسم کی کوئی حرکت کی تو وہ تجھے جان سے مار کر خاموشی سے کسی ندی نالے میں بہا دے گا اس لیے اپنی زندگی کو بچانا کوئی ایسی حرکت مت کرنا جس سے اوم پرکاش پاگل ہو جائے۔"

"تم نے اپنا نام صاحب دین ہی بتایا ہے ناں۔ دینی رشتے سے تم میرے بھائی کی جگہ ہو مجبوری نے تمہیں جو کچھ بھی بنا دیا ہے صاحب دین لیکن کیا تمہارے سینے میں دل کی جگہ بالکل خالی ہو گئی ہے۔"

"ایسی بیکار باتیں نہ ہماری سمجھ میں آتی ہیں نہ ہم انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے اندر انسان کو جگانا بیکار ہے۔ میں بہت آگے بڑھ آیا ہوں۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا گیا ہے میرے لیے' میری کہانی کیا ہے تجھے سنانا ضروری نہیں سمجھتا' ان تمام بیکار باتوں کو مجھ سے مت کر میں تو بس تجھ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کان دبائے یہاں پڑی رہ اس وقت تک جب تک ٹھیکیدار تجھے کسی اور کے حوالے نہ کر دے۔"

"اچھا اتنا تو بتا دو صاحب دین میرا ہو گا کیا؟"

"بتانا ضروری ہے بس خاموشی سے انتظار کر کھانے پینے کی ہر چیز یہاں موجود ہے' زیادہ وقت نہیں لگے گا تجھے کوئی نہ کوئی حساب کتاب ہو جائے گا تیرا۔"

فوزیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ درحقیقت یہ لوگ انسانیت سے عاری ہیں جو کچھ اس کے ساتھ کیا گیا تھا اس میں بھلا کہیں انسانیت کا کوئی دخل تھا۔ معصوم لڑکیوں کو زندگی سے محروم کر کے انہیں جنگلی جانوروں کی طرح وقت گزارنے پر مجبور کر دینا انسانیت تو نہیں تھی۔ بہرحال ساری امیدیں ختم ہو گئی تھیں۔ اب تو تقدیر ہی کوئی فیصلہ کر سکتی تھی۔ صاحب دین نے اسے کمرے میں چھوڑ دیا اور خود بیرونی حصے میں آگیا۔ فوزیہ نے دروازہ اندر سے بند کیا تو اس نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ یہاں

آئے ہوئے بھی چوبیس گھنٹے گزر گئے۔ کوئی ایسی امید نہیں تھی جو روشنی کی کرن بن جائے۔ فوزیہ کے دل کی ویرانی انتہا کو پہنچ چکی تھی لیکن سوچیں کہاں قید ہوتی ہیں۔ اپنے مستقبل کا کوئی تصور نہیں تھا اس کے ذہن میں۔ بھیڑیوں کی بھٹ میں آ پھنسی تھی اور اب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بھیڑیئے اس کی تکا بوٹی کر دیں۔

دوسرا دن بھی گزر گیا کھانے پینے کے لیے اسے باہر نکلنا پڑا تھا۔ وہ پتھر کا بت مسلسل باہر اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے تھا۔ لازمی بات تھی کہ اس کی ذمے داری فوزیہ پر لگا دی گئی ہو گی کہ جب تک وہ ٹھکانے نہ لگ جائے صاحب دین جعلی شوہر کی حیثیت سے اس کی نگرانی کرتا رہے۔

کمرے کے عقب میں ایک کھڑکی تھی اور اس کھڑکی سے دوسرے فلیٹوں کا منظر نظر آتا تھا۔ نیچے پتلی سی گلی تھی اور سامنے والی بلڈنگ کے سامنے کے حصے کا منظر یہاں سے صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ اس وقت بھی شام کے تقریباً" پانچ بجے تھے فوزیہ ویران نگاہوں سے ان آزاد لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ ان میں عورتیں بھی تھیں مرد اور بچے بھی تھے۔ کیسے خوش نصیب ہیں یہ لوگ کہ اپنی زندگی کے یہ لمحات برقرار رکھے ہوئے ہیں مجھ سے تو زندگی ہی چھن گئی دفعتہ" ہی فوزیہ کی نگاہوں میں بجلی کوند گئی۔ دوسری منزل کے ایک فلیٹ کے دروازے پر ایک شخص نظر آتا تھا جو تالا کھول رہا تھا اور یہ شخص فوزیہ کی بینا اگر اسے دھوکہ نہیں دے رہی تھی تو جمی تھا۔ جمی اپنی گلی کا رہنے والا۔ لچا لفنگا وہ جس نے فوزیہ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی اور فوزیہ نے اپنی مطلب براری کے لیے اسے اپنا بھائی بنا لیا تھا اور اپنے عمل پر خوب ہنسی تھی۔ جمی نے تو بیچ بھائی بن کر اسے بہن کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا اور اس کا ثبوت بھی دے دیا تھا لیکن فوزیہ ایسے کسی بھائی کا تصور نہیں کر سکتی تھی وہ تو بس ایک کھیل تھا اس کی نگاہوں میں' انسانوں کا مضحکہ اڑانے کے لیے لیکن اس وقت جمی کو دیکھ اس کا دل بری طرح پھڑکنے لگا۔ وہ مضطرب ہو گئی اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ شاید قدرت نے اس وقت اس کی رہنمائی کی ہے۔ آہ اگر کسی طرح جمی تک پہنچ جایا جائے تو مشکل دور ہو جائے' کاش' کاش مگر کیسے؟ زندگی داؤ پر لگانی پڑے گی ددں گی میں زندگی داؤ پر اس جینے سے موت ہزار درجے بہتر ہے۔ ابھی تک کوئی راستہ ہی نہیں ملا ورنہ موت کی قیمت پر یہ سب کچھ نہ کرنے کی کوشش کرتی لیکن اب یقیناً" وہ جمی ہی تھا۔ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا تھا۔ فوزیہ کا ذہن پوری بیدار ہو گیا تھا۔

اچانک ہی اس کے وجود میں زندگی دوڑ گئی تھی۔ وہ اس بلڈنگ کا بغور جائزہ لینے لگی۔ داخلی راستہ کدھر سے ہے دو منزل کے اس فلیٹ پر کس طرح پہنچا جا سکتا ہے۔ اس کے دروازے کا رنگ کیا ہے۔ معمولی سی بلڈنگ تھی۔ معمولی فلیٹ' غالباً" اسی پروجیکٹ کا ایک پورشن تھا جس میں خود فوزیہ مقیم تھی جس طرح بھی بن پڑے۔ آہ جس طرح بھی بن کچھ ہو جانا چاہیے۔ جس طرح بھی بن پڑے کچھ ہو جانا چاہیے۔

اس نے چاروں طرف دیکھا اور یہ جائزہ لینے لگی کہ کس طرح کیا ہو سکتا ہے۔ کرنا تو تھا کچھ نہ کچھ' کچھ نہ کچھ تو تھا۔ مٹی کے بنے ہوئے ایک ایسے گلدان کو اس نے ہاتھوں میں اٹھا کر دیکھا جو صرف گلدان ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔ میں پھول تھے نہ ہی اس کے نقش و نگار لیکن اس وقت وہ کام آ سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے صحیح طور پر استعمال کر لیا جا۔ نے ایک سچویشن بنائی اور اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔ صاحب دین کو اس بات پر کبھی اعتراض نہیں ہوا تھا کہ اس دروازہ بند رکھتی ہے وہ تو بس ایک چوکیدار تھا جو اس کی چوکیداری کرتا رہتا تھا۔ کھانے پینے اور ضروریات زندگی۔ جب وہ باہر نکلتی تو صاحب دین پتھرایا ہوا سا بیٹھا رہتا۔ اگر کسی ضرورت کے بارے میں اس سے کہتی تو وہ پوری کر دوران ایک بار بھی باہر نہیں گیا تھا۔ فلیٹ میں کھانے پینے اور وقت گزارنے کے تمام انتظامات کر دیے گئے تھے۔ ادم پرکاش کا ہر کام مکمل ہوتا تھا۔

بہرحال فوزیہ اپنے کام کے لیے تیار ہو گئی۔ اس نے آخری بار حواس مجتمع کیے اور پھر اس کے حلق سے ایک نکلی وہ گلدان کے قریب زمین پر لیٹ کر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگی اور اس کے حلق سے مسلسل دلخراش چیخیں لگیں۔ رد عمل وہی ہوا جو اس کے ذہن میں تھا۔ صاحب دین زور سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور اندر کا منظر دیکھ کر ششدر رہ گیا پھر دوڑتا ہوا فوزیہ کے قریب پہنچا۔

"کیا ہوا کیا ہو گیا کیا بات ہے؟"

"دل کا دورہ' دل کا دورہ ہارٹ اٹیک آہ آہ۔" فوزیہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بری طرح تڑپتے ہوئے کہا۔

"ارے باپ ارے اب کیا کروں؟" صاحب دین بوکھلا گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور فوزیہ کے قریب بیٹھ گیا۔

"دل میں درد ہو رہا ہے پیچھے ہٹ جاؤ' پیچھے ہٹ جاؤ۔" فوزیہ چیخی انداز میں اٹھ کر بیٹھ گئی اس کا ہاتھ پھیلا ہوا تھا اور نہایت چابکدستی سے گلدان کی جانب بڑھ رہا تھا پھر گلدان اس کی گرفت میں آ گیا۔ صاحب دین کچھ نہ سمجھ پایا تھا۔ ذرا سی طرح چوکی تو گلدان اس کے سر پر پڑا اور صاحب دین کے حلق سے بھیانک آواز نکل گئی۔ فوزیہ نے دوسرا وار اس کے سر پر کیا اور پھر تیسرا پھر اس وقت تک وہ گلدان کو صاحب دین کے جسم کے مختلف حصوں پر مارتی رہی جب تک کہ گلدان ٹوٹ نہ گیا۔ صاحب دین ڈھیر ہو گیا۔ اس کے سر سے خون بری طرح بہہ رہا تھا اور جسم کے دوسرے حصے بھی مضروب ہو گئے تھے۔ فوزیہ کھڑی ہو گئی بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ حلیہ خراب ہو رہا تھا لیکن صاحب دین کو لمبا کر چکی تھی وہ اسکے بعد دروازے سے باہر نکلنے کے علاوہ بھلا اور کیا سوچتی لیکن ہوش و حواس قائم رکھے۔ دیوانوں کی طرح باہر نکلے گی تو بہت سے متوجہ ہو جائیں گے۔

بیرونی حصے میں آ کر اس نے باہر کا دروازہ کھولا اور پھر برق رفتاری سے راہداری عبور کر کے سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے پہنچ گئی۔ پچھلی گلی میں آنے کے لیے اسے بقیہ فلیٹوں کا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ نہ اپنے حلیئے کا احساس تھا۔ نہ اپنی کیفیت کا بس وہ چلی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد پچھلی گلی میں پہنچ گئی اور اس کے بعد دوسری منزل پر فلیٹ کا دروازہ نگاہوں میں رکھ لیا تھا۔ بھولنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے یہاں تو نئی زندگی کا آغاز ہو سکتا ہے بھلا یہ جگہ بھی بھولنے کے لیے ہے۔"

دروازہ بند تھا اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے گردن گھما کر اپنے فلیٹ کو دیکھا لیکن وہ فلیٹ اس طرف سے اس کی پہچان سے باہر تھا۔ بس یہ خوف تھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہیں رہا ہو پھر اس نے زور زور سے دروازہ بجانا شروع کر دیا۔ کاش جمی اندر ہی ہو آہ کاش وہ جمی ہی ہو اس کا کوئی ہمشکل نہ ہو۔ بہت سے وسوسے دل میں تھے۔ دروازہ کھلا' آنکھوں کے سامنے جمی موجود تھا۔ بھلا وہ اسے بھول سکتی تھی اور وہ بھی اس عالم میں۔ جمی حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس کے منہ سے ہکلاتی ہوئی آواز نکلی۔

"فوزیہ' فوزیہ بہن تم؟"

فوزیہ کا سر چکرا گیا وہ دروازے پر ہی کھڑی جھولنے لگی۔ جمی نے پھر کہا۔

"یہ تم ہی ہو مم --- مگر مگر آؤ اندر آ جاؤ اور کوئی ساتھ ہے؟"

فوزیہ چکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو اس کے قدم لڑکھڑائے۔ وہ گرنے لگی تو جمی نے اسے سہارا دے کر اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔

"قسم اللہ کی ہماری آنکھیں دھوکہ نہیں دے رہیں ہیں یہ تو اپنی بہن ہی ہے فوزیہ بہن۔"

فوزیہ نے چکراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "دروازہ بند کر دو جمی۔"

"تم اپنے آپ کو سنبھالو میں دروازہ بند کرتا ہوں۔" جمی نے اسے دیوار کے سہارے لگا کر کھڑا کر دیا اور پھر دروازہ بند کر کے آنکھیں اور منہ پھاڑے حیرانی سے اسے دیکھتا رہا۔ فوزیہ جھول رہی تھی۔ جمی اسے سہارا دے کر اندر لایا۔ فوزیہ کو آرام سے مسہری پر بٹھایا اور باہر نکل گیا۔ فوزیہ سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ لیٹ گئی۔ حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔ دل سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر نکل پڑنے کے لیے بے چین تھا۔ کچھ دیر کے بعد جمی شربت کا جگ لے کر اندر آ گیا۔ بڑے خلوص سے سہارا دے کر فوزیہ کو اٹھایا اور اپنے ہاتھ سے اسے شربت پلایا۔ فوزیہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"جمی بھائی۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

"کوئی تکلیف' کوئی پریشانی ہے تو نکال دو دل سے فوزیہ بہن بھائی کے پاس آئی ہو۔ ایمان کی قسم جان دے دیں گے تمہارے لیے۔ بتاؤ کیا پریشانی ہے۔ یہاں کب آئیں کیسے آئیں۔ لو شربت اور پیو۔" جمی نے اسے دلاسہ دے کر کہا۔

فوزیہ کے حواس کچھ ٹھکانے آئے تو اس نے جمی کو اپنے بارے میں پوری تفصیل بتائی۔ جمی کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ فوزیہ اسے آخر تک کہانی سنا کر خاموش ہو گئی۔

"ایمان کی قسم۔ خون خرابہ کردیں گے۔ جان دے دیں گے۔ چھوڑیں گے نہیں۔ ابھی دیکھتے ہیں سسروں کو۔"

"کیا کرو گے جی بھائی' وہ پورا گروہ ہے۔"

"اوئے ہو گا۔ ہم سے بڑا گروہ نہیں ہو گا۔ میں ابھی انتظام کرتا ہوں یہاں سب پاکستانی ہیں۔ سب بہن بیٹیوں والے ہیں۔ ابھی سب کو اکٹھا کرتا ہوں۔ تم سب کی بہن ہو۔ ابھی دیکھتے ہیں سسروں کو۔ تم بیٹھو۔ بس تھوڑی دیر میں آتے ہیں ہم۔"

جمی باہر نکل گیا۔ فوزیہ پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ اس سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ لیٹ گئی دل سے دعائیں نکل رہی تھیں معاف کرے اللہ۔ میرے تکبر کو معاف کرے۔ توبہ کرتی ہوں۔ مجھے زندگی عطا کرے۔

جمی نے واقعی کام کر دکھایا۔ اس نے بلڈنگ سے دس پندرہ افراد جمع کرکے انہیں مختصر کہانی سنائی۔ کسی سمجھدار نے مشورہ دیا کہ پہلے پولیس کو اطلاع کرنے کے بجائے صاحب دین کو قبضے میں کرلیا جائے وہ نکل گیا تو بات بگڑ جائے گی پھر کوئی ثبوت نہیں رہے گا۔ چنانچہ وہ سامنے والی بلڈنگ میں داخل ہو گئے۔ صاحب دین کو ہوش آگیا تھا لیکن وہ پوری طرح بحال نہیں ہوا تھا اسی لیے وہاں سے نکل نہیں سکا۔ لوگوں نے اسے پکڑ لیا پھر پولیس کو خبر کی گئی اور فرض شناس پولیس فوراً پہنچ گئی۔ فوزیہ کو پولیس کی تحویل میں جانا پڑا اور اس نے پورا بیان دیا۔ صاحب دین سے معلومات حاصل کی گئیں اور پولیس حرکت میں آگئی۔ اوم پرکاش ٹھیکیدار کے ساتھ بہت سے لوگ پکڑے گئے۔ وہ مظلوم لڑکیاں بھی دستیاب ہو گئیں جنہیں لندن سے یہاں لایا گیا تھا پاکستانی سفارت خانے کو اطلاع دے دی گئی۔ "جمی نے سارا کاروبار چھوڑ دیا تھا اور دن رات اس کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ وہ زبان سے قائم کیا رشتہ نبھا رہا تھا۔ چونکہ جمی پوری طرح اس کیس کی پیروی کر رہا تھا اس لیے سارے معاملات اس کے ذریعہ طے ہوئے۔ لندن پولیس کو بھی ساگا سیٹھ کے بارے میں پوری تفصیلات فراہم کرائی گئیں کوئی بیس دن صرف ہو گئے تھے اس کام میں۔ پاکستانی سفارت خانے نے پورا تعاون کیا اس لیے کاغذات وغیرہ بھی تیار ہو گئے۔ اور جمی نے پاکستان جانے کے انتظامات کر لیے۔

پھر خوب خریداری کی گئی۔ جمی نے سب کے لیے تحائف خریدے تھے اس کے بعد تمام تیاریاں مکمل کر کے جمی فوزیہ کو لے کر پاکستان چل پڑا۔

*

شعور پر شادی مرگ طاری تھا' جو کچھ ہوا تھا وہ اتنا انوکھا اور حیران کن تھا کہ ساری گلی میں ہنگامہ ہو رہا تھا' بات یقینی طور شوکت علی کے گھر بھی پہنچی ہو گی' ان لوگوں کا رد عمل تو معلوم نہیں ہو سکا تھا لیکن اللہ نے جس طرح حکمت علی کی عزت رکھی تھی اس پر لوگ عش عش کر رہے تھے' سچی بات یہ ہے کہ حکمت علی کی حیثیت اتنی مستحکم نہیں تھی کہ انہیں طاہر جیسا پڑھا لکھا داماد ملتا۔ ہر طرف یہی باتیں ہو رہی تھیں' شعور نے فوراً ہی پروانہ صاحب سے کہا۔

"پروانہ صاحب میں تھوڑی دیر کے لیے جا رہا ہوں آپ یہاں کے معاملات سنبھالے رکھیے اور ذرا گھر کی چابی مجھے دیجئے۔"

پروانہ صاحب نے چابی شعور کے حوالے کر دی اور شعور رفوچکر ہو گیا۔

ادھر ہنگامے تھے کہ ختم نہیں ہو رہے تھے۔ طاہر سیدھے سادے لباس میں ملبوس شادی میں شرکت کے لیے آیا تھا گلے کے ہار اسے ممتاز کر رہے تھے ورنہ کسی کو اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ دولہا ہے۔ البتہ چہرے سے جس نور کا اظہار رہا تھا وہ اسے نجانے کیا بنا کر پیش کر رہا تھا۔

یہ جذباتی کیفیت ختم ہوئی' اہل محلہ نے ایک ایک کر کے مبارکباد دی' کون تھا جو طاہر کو سینے سے نہ بھینچ رہا تھا۔ صاحب دل تھے ان کے دلوں میں اس کا احترام آسمان جیسا ہو گیا تھا۔ کسی کی عزت کو سنبھالنا دنیا کا سب سے مشکل کام اور اس نوجوان نے یہی مشکل کام کیا تھا امداد بیگ صاحب کف افسوس مل رہے تھے۔ کاش اس وقت شعور کو قبول کر اپنے غرور کے خول سے ایک لمحے کے لیے نکل آتے تو آج ان کا بھی سر بلند ہوتا لیکن ایسی سزا ملی تھی انہیں تو کہ ہمیشہ لیے سر جھک گیا تھا۔ اپنے آنگن کے تنہا پھول سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

بہرحال یہ سارے سلسلے جاری تھے۔ شعور واپس نہیں آیا تھا۔ نجانے کیا کیا کرتا پھر رہا تھا۔ ظاہر ہے اس کی کیفیت بھی یب سی ہو رہی تھی پھر کھانے کا اہتمام ہوا' سب لوگوں نے شوق سے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ حکمت علی مبارکبادیں وصول کرتے ک گئے تھے' ادھر ادھر سے آتے اور طاہر پر نگاہیں جما دیتے کبھی سلام دعا سے بات آگے نہیں بڑھی تھی اندازہ ہی نہیں تھا ہ کس قسم کا نوجوان ہے۔ پروانہ صاحب البتہ جانے پہچانے تھے انتہائی نفیس اور شریف انسان اگر یہ دونوں بھائی ان کے اتھ اتنی عمدگی سے چل رہے ہیں تو ظاہر ہے اچھے ہی ہوں گے۔ بار بار دل سے دعائیں نکلتی تھیں کہ جو کچھ ہوا ہے خدا ے پار لگائے۔

کھانے کا اہتمام ہو چکا تو اس کے بعد دوسرے لوازمات کا آغاز ہوا کئی بار پروانہ صاحب کے دل میں شعور کا خیال آیا تنی ہی بار طاہر نے اس کے بارے میں پوچھا لیکن شعور کا کوئی پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ نجانے کدھر نکل گیا تھا پھر اس کے مد دولہا کو گھر میں طلب کیا گیا۔ امداد بیگ صاحب نے کہا۔

"حکمت علی صاحب' بہت زیادہ رسم و رواج بعد کے لیے چھوڑ دیجئے' بس سادہ سادہ سے انداز میں سب کچھ کر لیجئے اور ں کی رخصتی کا انتظام کیجئے۔"

"جی۔۔۔ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" عبدالقادر نے تجویز پیش کی۔

"ایک کام کیوں نہ کیا جائے۔ رخصتی تو کل یا پرسوں بھی ہو سکتی ہے' ذرا لڑکے والوں کو بھی انتظام کرنے کا موقع مل ے گا' کیا خیال ہے؟"

"آپ کا مشورہ برا نہیں ہے عبدالقادر بھائی لیکن جو کچھ ہے جیسا ہے ہم اپنی بہو کو عزت کے ساتھ رخصت کر کے آج اپنے گھر لے جائیں گے۔ رسم و رواج سب بعد میں ہوتے رہیں گے۔" پروانہ صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں' میں نے تو بس ایک تجویز پیش کی تھی' تاکہ آپ کو آسانی ہو جائے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے' آپ کا کہنا بالکل درست ہے مگر ہم کوئی ایسی بچ نہیں چھوڑنا چاہتے جس سے لوگوں کو کچھ نے کا موقع ملے۔ رخصتی آج ہو جائے گی' دل کی آرزوئیں بعد میں پوری کرلیں گے۔" پروانہ صاحب نے کہا۔

حکمت علی کو کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ چنانچہ طاہر کو اندر لے جایا گیا' سارا محلہ جمع تھا۔ عورتیں مرد سب ہی ل موجود تھے جو کچھ ہوا تھا اس نے ہر ایک کے دل میں سنسنی پیدا کر دی تھی' طاہر اور طیب کا کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا طاہر تہائی خوبصورت نوجوان ہنستے مسکراتے نقوش کا مالک دودھ جیسا سفید رنگ' آنکھوں سے شوخی ٹپکتی ہوئی' ہر طرح سے ایک یڈیل نوجوان۔ طیب کسٹیم کا چپراسی اور غیر تعلیم یافتہ نوجوان دیکھنے بھالنے میں بھی عجیب لگتا تھا۔

لڑکیاں کانا پھوسیاں کرنے لگیں' سب کو ثریا کی تقدیر پر رشک آ رہا تھا' کیا ہونا تھا اور کیا ہو گیا تھا' خود ثریا کی کیفیت کیا ی اس بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ غرض یہ کہ ساری باتیں انوکھی اور عجیب تھیں۔

فاطمہ بیگم ہکا بکا تھیں' نسیم بیگم پر بھی سکوت طاری تھا لیکن لڑکے کو دیکھا تو دونوں ہی بے اختیار ہو گئیں۔ فاطمہ بیگم گے بڑھیں طاہر کے قریب پہنچیں نیچے جھکیں اور اس سے لپٹ کر ایسی پھوٹ پھوٹ کر روئیں کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں ی اشکبار ہو گئیں۔ نسیم بیگم بھی ان کے پاس کھڑی ہوئی تھیں اور اس داماد کو دیکھ رہی تھیں جو اچانک ہی آسمان سے رشتوں کی طرح اترا تھا اور اس نے ان کی عزت کی باگ ڈور ہاتھ میں سنبھال لی تھی۔ ابھی تو کسی قسم کے اظہار کا کوئی موقع ا نہیں مل رہا تھا۔ سارا محلہ جمع تھا۔

بہرحال چھوٹے موٹے رسم و رواج ہوئے' فرزانہ ثریا اور پروین سے خاصی انسیت رکھتی تھی' اس کی وجوہات بھی لہ تھیں' اس نے بھی طاہر کو دیکھا اور ساکت رہ گئی' کچھ دیر کے بعد اس نے پروین سے کہا۔

"ایک بات کہوں پروین؟"

"جی باجی۔"

"ثریا کی تقدیر اتنی کند نہیں تھی کہ اسے طیب علی جیسے جاہل کے پلے باندھ دیا جاتا۔ میں نے کبھی تم سے کہا نہیں لیکن ین کرو ثریا جیسی پیاری لڑکی طیب کے ساتھ اچھی نہ لگتی۔ خدا نے شکر خورے کو شکر ہی دی ہے۔"

"باجی' میں نے تو دیکھا بھی نہیں طاہر بھائی کو۔ یہ جو سب کچھ ہوا ہے خواب جیسا نہیں لگ رہا' آج جب میں انہیں دیکھوں گی تو مجھے کیسا لگے گا کیا محسوس ہوگا۔"

باہر سے شور ہوا کہ وقت زیادہ ہو رہا ہے لڑکی کو وداع کرنے کی تیاریاں کی جائیں۔

حکمت علی کو اب دلی سکون نصیب ہوگیا تھا چہرے پر زندگی لوٹ آئی تھی۔ پروانہ صاحب سے کہنے لگے۔

"وہ پروانہ صاحب' جہیز وغیرہ ان لوگوں کے ہاں پہنچ گیا ہے اب اس کا سارا انتظام تو بعد ہی میں ہوگا دیکھیں وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اس وقت تو صرف۔۔۔۔۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں حکمت علی صاحب' کیا اس پر خلوص اور نیک کام میں جہیز جیسی گھٹیا چیزوں کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے' ہمیں کچھ نہیں چاہیے بھائی وہ لوگ جہیز رکھ لیں اپنی کسی اولاد پر لگا دیں' ہمارے پاس ہماری بہو کے لیے سب کچھ موجود ہے خدا کے فضل و کرم سے۔"

"آپ لوگ اس گلی میں رہتے ہیں اس گلی میں؟ اور ہم میں سے کسی کو آپ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم' بس کیا کہا جائے' خدا آپ کو جزا دے' ایک غریب کی عزت سنبھالنے کی۔"

"مگر بھائی اب نہ آپ غریب ہیں نہ اجنبی ہیں' ہم لوگوں میں جو رشتہ قائم ہوا ہے وہ بہت افضل و اعلیٰ ہے' ہم اپنی باتیں تنہائی میں بیٹھ کر کریں گے۔ اطمینان سے کریں گے اب تو۔ ہمارے خاندان میں اضافے ہوئے ہیں۔ آپ کسی قسم کی کوئی بات نہ سوچئے میرے ذہن میں اگر کوئی بات آئی تو میں براہ راست آپ سے کہہ دوں گا۔"

امداد بیگ صاحب نے پروانہ صاحب کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ۔ آپ قابل فخر ہیں پروانہ صاحب خدا نے آپ کی تقدیر سنہرے قلم سے لکھی ہے' بس اس سے زیادہ اور کیا کہوں میں۔"

غرض جتنے منہ اتنی باتیں پھر شعور بھی واپس پہنچ گیا۔ مطمئن نظر آ رہا تھا۔ ایک سجی سجائی گاڑی میں آیا تھا جو پھولوں سے لدی ہوئی تھی۔ دلہن کو رخصت کرنے کے لیے۔ تمام تیاریاں مکمل ہوئیں' کھانے پینے کا سارا بندوبست ہوگیا۔ لڑکی کے ساتھ کھانا بھی کر دیا گیا تھا' دلہن کو کار میں بٹھایا گیا۔ پوری گلی کا چکر لگانے کے بعد سجی ہوئی کار پروانہ صاحب کے دروازے پر پہنچ گئی۔ پروانہ صاحب کے گھر کے باہر کے حصے میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آئی لیکن جب چند افراد کے ساتھ دلہن اندر داخل ہوئی تو ایک کمرہ بقعہ نور بنا ہوا تھا پورا گھر مہک رہا تھا۔ شعور نے اس کمرے کو گلزار بنا دیا تھا ہر طرف ترو تازہ پھول نظر آ رہے تھے۔ غالباً" انہی تمام تیاریوں کے لیے وہ گیا ہوا تھا' چند لمحوں میں اور کیا کیا جا سکتا تھا اس نے بڑے اعتماد سے نیچے ہی کا ایک کمرہ صاف ستھرا کر کے اسے پھولوں سے سجا دیا تھا۔ پروانہ صاحب کی مسہری سیج بنی ہوئی تھی دلہن کو وہاں جا کر بٹھا دیا گیا' پروانہ صاحب نے دل میں سوچا کہ شعور کو یہی کرنا چاہیے تھا جو اس نے کیا۔ اس وقت ذرا بھی تکلف کر، شاید دل کو دکھ کا احساس ہوتا۔ بہر طور بڑی انوکھی شادی تھی یہ۔ بڑا عجیب ماحول تھا جس میں یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن جو کچھ ہوا خوب ہوا تھا۔ گلی کا ہنگامہ تھا کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ لوگ ٹولیاں بنائے ہوئے کھڑے تھے۔ پروانہ صاحب بھی ان کے درمیان موجود تھے۔

"اماں پروانہ صاحب۔ بھائی شاعر آدمی ہو۔ اس خوشی میں مشاعرہ کرا ڈالو۔" سمیع اللہ نے کہا۔

"آپ حکم دیں سمیع اللہ بھائی۔ جو کہیں گے کروں گا۔" پروانہ صاحب خوش دلی سے بولے۔

"اسے کہتے ہیں سچ کا بول بالا' جھوٹے کا منہ کالا۔ اللہ نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دکھایا۔"

"یہ اپنے طاہر میاں نوکری کہاں کرتے ہیں؟"

"افسر ہیں کسی کمپنی میں۔"

"تقدیر ایسی چیز ہوتی ہے بھیا۔ اللہ دونوں کو خوش رکھے۔" جتنے منہ اتنی باتیں لیکن ہر شخص خوش نظر آ رہا تھا۔

*

ساحل پر تاحد نگاہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا' یہ ماحول بھی اسے اپنے مزاج سے ہم آہنگ محسوس ہوا'

از گوشے میں بیٹھ کر اس نے بے قرار موجوں پر نگاہیں جما دیں جو عمل سر انجام دے کر آیا تھا اس پر ایک عجیب سی طاری تھی' ماں باپ کو بالکل علم نہیں تھا کہ کیا کر بیٹھا ہے' کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے' وہ اس پر بے حد اعتماد اور اسے اپنی تمام تر محنت کا حاصل سمجھتے تھے اگر کبھی کسی لمحے ان پر انکشاف ہو تاکہ جن آرزوؤں کو انہوں نے اس ائش کے بعد سے اپنے سینے میں سجایا ہے انہیں اس طرح پامال کر دیا گیا ہے تو نجانے کیا رد عمل ہوتا۔

سوچ کر شکیل کو شدت کے ساتھ یہ احساس ہوا کہ جو کچھ اس نے کیا تھا وہ ہرگز جائز نہیں تھا' والدین کے ساتھ ایک بے ایمانی کی تھی' ان سے دور ہٹ کر سوچا تھا اس نے' کلیم احمد صاحب نے دنیا دیکھی تھی جن خدشات کا اظہار نے ہمیشہ کیا تھا اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ بے بنیاد نہیں تھے' ان کی اپنی ایک حیثیت تھی روشنیوں کی وہ دنیا، ہوئی بے حد خوبصورت نظر آتی ہے لیکن یہ روشنیاں ایک دیوار کی مانند ہوتی ہیں جس کے دوسری جانب گہری اں بکھری ہوئی ہیں بھلا یہ بھی کوئی انسانی اقدار کی بات ہوتی ہے' دولت کی ریل پیل رنگ و روپ کی چمک اور جب یہ اند پڑے تو ایسے بدنما اور مکروہ چہرے نظر آئیں جن سے کسی رشتے کا تصور بھی ممکن نہ ہو۔

سلطانہ جمالی اگر اس کی زندگی میں شامل رہتی تو اس جیسی عورت کے وجود سے آگے بڑھنے والی نسل کس قسم کی ہوتی' کے بعد تو اس سے پیچھا چھڑانا ممکن ہی نہ رہتا' تقدیر نے میرے ساتھ کتنا رعایت کا سلوک کیا ہے' خاموشی سے سب کچھ اور اس کا اختتام بھی ہوگیا اگر یہ سلسلہ جاری رہتا تو نجانے کتنے بھیانک واقعات کا سامنا کرنا پڑتا' ہو سکتا ہے میرا مزاج ام چیزوں کو برداشت نہ کر پاتا اور کوئی ایسا جنونی قدم اٹھا بیٹھتا میں جس سے میری زندگی جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں ں کے بعد پھانسی کے بھیانک پھندے تک پہنچ جاتی' میں نے ایسا کوئی جذباتی قدم نہ اٹھا کر سمجھداری کا ثبوت دیا ہے' ہ جمالی کمبخت اندھی عورت ہے' وہ اپنی ہوس کے جال میں گرفتار ہو کر اس سے تعاون کر بیٹھی تھی' حالانکہ اگر ضد 'بغاوت پر آمادہ ہوتی تو شکیل کے لیے بے پناہ مشکلات پیدا ہو جاتیں۔

اس کا جی چاہا کہ ریت ہی پر سجدہ ریز ہو جائے' کیا بروقت بچا لیا تھا اسے قدرت نے' آہ یہ سب کچھ تو بہت ہی اچھا ہوگیا ہراتنی خاموشی سے بے شک اس جرم کا داغ سینے پر رہے گا' لیکن ابھی یہ جرم میری ذات تک ہی وابستہ ہے لوگ اس راہ نہیں ہو سکے سب چھپا لوں گا' برداشت کر لوں گا اس غلاظت کو اپنے سینے میں' کسی سے اظہار نہیں کروں گا اور نہ جمالی وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی' کیا ہی بہتر ہوا ہے یہ کہ بات منظر عام پر نہیں آسکی شادی کے فوراً" بعد ملک سے باہر جانا پڑا اور اس طرح یہاں بھی بات چھپی رہی ورنہ لوگوں کے درمیان جاتے' تاڑنے والی نگاہیں تاڑ لیتیں کہ اب مالک، ملازم کے رشتے میں تبدیلی نظر آتی ہے' اسے بہت سے اختیارات مل چکے ہیں۔ اب یہ ساری باتیں صرف چند ذہنوں میں ا' سلطانہ جمالی' نادر شاہ اور خود وہ بھلا ان دونوں کو کیا پڑی ہے کہ اس واقعے کا تذکرہ کرتے پھریں وہ تو خود اس سے بچنا ہ گے کیونکہ اصل مجرم وہی ہیں۔

یہ تمام باتیں سوچ کر شکیل کو بے حد اطمینان ہوا بہت ہی سکون محسوس ہوا' فیصلہ کرنا تھا آئندہ کے بارے میں' سلطانہ اسے تمام رشتے توڑ چکا تھا' اس نے کمیشن کی پیشکش کی تھی اگر اس سے کمیشن لیا جائے تو یقینی طور پر لاکھوں میں بنتا ہے نا یہ بھی خطرناک رہے گا' اس طرح اس سے تھوڑا بہت رابطہ باقی رہے گا اب تو کم از کم اس کی یہ جرأت نہیں پڑ سکے گی دوبارہ مجھ پر اپنے اثرات ڈالنے کی کوشش کرے اور اگر اس نے ایسا کر بھی دیا تو جھوٹ قرار دوں گا ان تمام باتوں کو' ارہ نکاح نامہ اس کے پاس موجود ہے لیکن اس وقت تک تو خاموشی اختیار کرنی پڑے گی جب تک کہ اس کی جانب سے قدم نہ اٹھایا جائے' دیکھا جائے گا بلکہ اگر اس سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو اس سے کہوں گا کہ اس کمیشن کے عوض اس کا نکاح نامہ واپس کر دے وہ ثبوت ہمیشہ کے لیے ختم کر دے جو اس کے ساتھ شادی کے ثبوت ہیں۔

غرض یہ کہ یہ تمام باتیں شکیل کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ اب وہ اپنے گھر جانا چاہتا تھا' اسے یہ احساس ہو رہا اکہ ایک طویل عرصے سے اس گھر سے جدائی ہوگئی ہے بے چارے ماں باپ ہی تو تھے اس گھر میں جن کے دن اور رات کا سہارا تھا وہ رات کو جب سب یکجا ہوتے تو دل کی باتیں ہوتیں' آہ ان کی آرزوؤں کو واقعی میں نے پامال کیا ہے' پتا نہیں ان کی اندرونی کیفیت کیا ہوگی' اس دوران جائزہ لینے کا تو موقع ہی نہیں مل سکا۔

شکیل بے چین ہوگیا' اب دل کو قرار آگیا تھا۔ سلطانہ جمالی سے جو گفتگو ہوئی تھی اس کا بوجھ ذہن پر طاری تھا' یہاں آکر اتنی دیر بیٹھ کر' مستقبل کے بارے میں سوچ کر یہ بوجھ زائل ہو چکا تھا چنانچہ وہ وہاں سے اٹھا اور ایک نئے عزم کے ساتھ پیدل چل کر اس جگہ تک پہنچا' جہاں سے ٹیکسی وغیرہ دستیاب ہو سکتی تھی اور پھر ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ گھر چل پڑا۔ بالکل ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے طویل عرصے کے بعد وہ اپنی گلی میں داخل ہوا ہو' باہر شامیانہ لگ رہا تھا۔ یہ شامیانہ نمبر ایک سو گیارہ کے سامنے لگایا جا رہا تھا گلی کے اپنے معمولات بالکل مختلف تھے' ہزاروں تقریبات ہوتی تھیں' لوگ اپنے زندگی کے مسائل میں گرفتار رہتے تھے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے گھر پہنچ گیا شامیانے کی وجہ سے ٹیکسی گلی کے کنارے ہی چھوڑ دی گئی تھی' گھر کا دروازہ رقیہ بیگم نے کھولا اور اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

"ارے شکیل واپس آگئے۔"

"جی امی۔"

"اتنی جلدی' کوئی کام نہیں تھا کیا دفتر میں؟"

"جی۔" شکیل اندر داخل ہوگیا۔ کلیم احمد صاحب نے پوچھا۔

"کون ہے رقیہ؟"

"شکیل آئے ہیں۔"

"اوہ اچھا اچھا۔" کلیم احمد صاحب بیساکھی ٹیکتے ہوئے باہر آگئے' وہ مسکراتا ہوا ان کے قریب پہنچا' اس نے کلیم احمد صاحب کی مصنوعی ٹانگ دیکھی اور کہنے لگا۔

"ابو! یہ ٹانگ آپ کو تکلیف تو نہیں دیتی؟"

"نہیں بیٹے بڑا سہارا ملا ہے اس سے' اصل میں پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر کبھی بیساکھی غیر متوازن ہو گئی تو بڑی مشکل سے سنبھالا لیا جاتا تھا' لیکن اب یہ مصنوعی ٹانگ بھی سنبھالا دیتی ہے' بیساکھی تو خیر میں نے اپنی جگہ ہی رہنے دی ہے' بیٹھو آفس سے واپس کیسے آگئے؟"

"ابو! کچھ عرصے کی چھٹی لینے کے بارے میں سوچ رہا ہوں آج سے اس کا آغاز کر دیا ہے۔"

"کیا واقعی؟" کلیم احمد صاحب نے پر مسرت لہجے میں کہا۔

"جی ہاں' کم از کم ایک ڈیڑھ مہینے کی چھٹی لوں گا' آپ لوگوں کے ساتھ تو وقت ہی نہیں ملتا' یہ نوکری اچھی ہے لیکن میرے امی اور ابو سے اچھی نہیں ہے' کتنا عرصہ ہوگیا مجھے ان کے ساتھ وقت گزارے ہوئے۔"

"یہ تو تم نے ہمارے دل کی بات کہہ دی' بس کہہ نہیں پائے تھے تم سے کیونکہ بیٹے تم زندگی کو نئے سرے سے استو رہے ہو اس لیے ہم تمہارے معمولات میں ۔ ل نہیں دیتے انسان اصل میں جب خود مجبور ہو جاتا ہے تو بہت کچھ بہت کچھ خواہش کرنے کے باوجود اپنی اولاد سے بھی ان خواہشات سے گریز کرتا ہے' ہمت نہیں پڑتی کیسی عجیب و غریب ہے۔ انسان ایک معصوم سے بچے کو اس کی پیدائش کے پہلے دن کے بعد سے دیکھتا ہے' اس کے لیے جاگتا ہے اس کے لیے تڑپتا ہے' اس کے لیے محنت کرتا ہے پھر جب وہ ماشاء اللہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے تو اس سے خوفزدہ ہو جاتا ہے کہیں اس کی بات کا برا نہ مان جائے' کیسی عجیب بات ہے' ہے ناں' لیکن ایک بات اور بھی ہے' اولاد اگر ماں باپ کے بارے میں اس انداز میں نہ سوچے اگر وہ اپنے ماضی پر غور نہ کرے تو بیٹے یہ اس کی اچھائی نہیں ہوتی کیونکہ آنے والے وقت میں جب وہ والدین اس سے رخصت ہو چکے ہوتے ہیں اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس نے وہ کچھ نہ کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا تو پھر ان قبر میں جا سونے والوں کو کچھ حاصل نہیں ہوتا ان کا تو جو کم ہو چکا ہوتا ہے وہ ہو ہی چکا ہوتا ہے۔" کلیم احمد صاحب کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

شکیل سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا' اس نے آہستہ سے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں ابو واقعی بہت شرمندہ ہوں آپ سے' سوری ابو سوری ویری سوری۔"

"نہیں بیٹے' بس یوں سمجھ لو کہ تم ہماری زندگی کا سرمایہ ہو' کتنی زندگی ہے کیا کہا جا سکتا ہے' آرزوئیں ہیں تم

میں' بچپن سے سوچا ہے تمہارے بارے میں اور اب جب ان سوچوں کو کوئی قید کر دے تو پھر تم خود سوچو زندگی کیسی ہے' تھوڑے ہی دن کی بات ہے ہم تو قبر میں سو جائیں گے اور تم اپنی زندگی کا آغاز کرو گے تمہارے ہاں اولاد ہوگی وہ تمام احساسات تمہارے سینے میں جاگیں گے جو ہماری جیسی محرومی کے احساسات ہوں گے تو بیٹے اس کے بعد' اس تم خود سوچو تم پچھتاؤ گے اور ہمیں کچھ نہیں ملے گا۔"

شکیل کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے اس نے رقیہ بیگم اور کلیم احمد صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کہا۔

"ابو! میرا وقت ابھی نہیں گزرا' میرا وقت ابھی بالکل نہیں گزرا میں نے تو ابھی اپنی زندگی کا آغاز بھی نہیں کیا' میں وہ کچھ نہیں کروں گا' میں آپ کو ان حسرتوں کا شکار نہیں رہنے دوں گا جو آپ کے سینے میں جاگزیں ہو گئی ہیں' یہ ملازمت مجھے آپ سے دور کر رہی ہے تو میں اس پر اب اور اسی وقت لعنت بھیجتا ہوں کوئی دوسری ملازمت کر لوں گا۔ آپ کی ضرورت درکار ہیں' میرے لیے ملازمتوں کی کمی نہیں' اب مجھے تجربہ ہوگیا ہے ان تمام لوگوں کا' میں جانتا ہوں کہ کون کیسے کسی کے درمیان جگہ دیتا ہے۔"

"ہمیں تم پر مکمل اعتماد ہے' میں جانتا ہوں شکیل تم ایسا کوئی کام کبھی نہیں کرو گے جو میری تربیت کے خلاف ہو لیکن کھو گئے ہو تم' شکیل تم بالکل کھو گئے ہو' یوں لگتا ہے جیسے اس ملازمت نے تمہیں ہم سے چھین لیا ہے ہم یہ نہیں کہ اپنی زندگی میں روشنی نہ لاؤ' بیٹے زندگی میں روشنی بھی بہت ضروری ہے لیکن ہمیں بھی ان روشنیوں میں شامل رکھو ان نقصان نہیں ہوگا ہم بھی اس روشنی کے طلب گار ہیں کیونکہ ہم نے اپنے گھر میں تمہارا چراغ جلایا ہے' ہمیشہ تمہیں گھر میں روشن دیکھا ہے کوئی چیز تمہیں ہم سے اتنی دور لے جائے' ہم سے چھین لے' تو ہمیں اچھا تو نہیں لگے گا۔"

"میں جانتا ہوں ابو' سوری ابو ویری سوری۔"

"نہیں اس قدر جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں بس ہم یہ چاہتے ہیں شکیل' ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم جو کچھ بھی کرو شام کو ان نگاہوں کے سامنے رہو' بیٹے دولت بڑی اہمیت رکھتی ہے لیکن اس کے لیے رشتوں کو کھو دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے' بھی بھلا اور کس کا سہارا ہے تم ہی تو ہماری زندگی کے چراغ ہو۔"

شکیل بہت زیادہ جذباتی ہوگیا تھا' اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے' رقیہ بیگم اور کلیم احمد بھی رو رہے تھے' شکیل نے دونوں کے سر اپنے بازوؤں میں لے کر سینے سے بھینچ لیے اور آہستہ سے بولا۔

"اب تک جو کچھ ہوا ہے ابو بس اس کے لیے معافی چاہتا ہوں اس کے بعد آپ کو میری ذات سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"ارے کیا چکر چلا دیا ہم لوگوں نے بھئی' رقیہ تم بھی میرے ساتھ ساتھ ہی جذباتی ہو گئیں' بھئی آج بہت عجیب سا لگ رہا ہے' بہت عجیب' واقعی بہت عجیب لگ رہا ہے چلو کچھ کرو اس دن کے اہتمام میں۔"

"کیا کروں آپ بتائیے؟"

"بس اچھے اچھے کھانے پکاؤ۔"

"اور شام کو دعوت جو ہے؟"

"ایں ہاں یہ تو ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔"

"یہ باہر شامیانہ کیسا لگ رہا ہے ابو' کسی کے ہاں کوئی تقریب ہے؟"

"ہاں بھئی وہ ایک سو گیارہ والوں کے ہاں شادی ہے ہمیں بھی شرکت کی دعوت دی گئی ہے' تمہارے لیے بھی خصوصی طور پر کہا گیا ہے لیکن ہم نے تو کچھ کہا ہی نہیں کسی سے کہہ بھی تو نہیں سکتے تھے۔"

"نہیں ابو اب مجھے بہت زیادہ شرمندہ نہ کریں' بس جو ہو گیا برا ہوا اس کے بعد نہیں ہوگا۔"

کلیم احمد صاحب کے دل میں نجانے کیا کیا طوفان اٹھ رہے تھے لیکن دبا گئے جو گزری سو گزر گئی' بات تو آج کی تھی' رقیہ نے کہا۔

"تو چلو گے ایک سو گیارہ نمبر میں؟"

"کیوں نہیں جائیں گے امی، ہم اس گلی سے دور کے لوگ تو نہیں ہیں۔"

رات کو ایک نیا ہی سماں تھا، کلیم احمد صاحب نے بھی بڑا بناؤ سنگھار کیا تھا جیسے زندگی واپس لوٹ آئی ہو، جیسے انمول کھویا ہوا شکیل مل گیا ہو، شکیل بھی پورے اہتمام کے ساتھ شادی میں شریک ہوا تھا، اسے بہت عرصے کے بعد یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ محفلیں گلی والوں کا یہ ذوق و شوق، ایک دوسرے سے یگانگت ان نائٹ کلبوں سے کہیں زیادہ حسین ہے جہاں جگمگاتے چہرے اور خوشبوؤں میں بسے جسموں کے نیچے بدبو ہی بدبو پھیلی ہوئی ہے، ان جگمگاتے چہروں کے پیچھے سیاہی ہے صرف سیاہی۔

وہ ایک گوشے میں بیٹھا ان سب کا تجزیہ کر رہا تھا، مہمان آجا رہے تھے، لڑکیاں بالیاں اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں، تبھی اس کی نگاہ فرزانہ پر پڑی ایک خوب صورت لباس میں ملبوس خوش، خوش حکمت علی صاحب کے گھر میں داخل ہو رہی تھی، شکیل کا دل اسے دیکھ کر دھڑک اٹھا، اس کے ذہن میں آواز ابھری، صندل پری، صنوبر، صندل پری، صنوبر، سب کچھ کتنا دور چلا گیا تھا، کتنی دیوانگی طاری ہو گئی تھی مجھ پر، کیسا پاگل ہو گیا تھا میں، ان سب کو کھو بیٹھا، ان سب کو کھو بیٹھا، ابو کہتے ہیں کہ میں کھو گیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں میں اس چمک دمک میں گم ہو گیا تھا لیکن واپسی جلدی ہو گئی نہیں گئی بہت بہت شکریہ سلطانہ جمالی تم نے مجھے وہ دنیا بھی دکھادی جس کے لیے لوگ حسرت کرتے ہیں لیکن وہ بہت گھناؤنی دنیا ہے، نہیں میری دنیا ان تمام چیزوں سے زیادہ حسین ہے پھر وہاں شادی والا سانحہ پیش آگیا۔ شکیل اس میں اپنا کوئی کردار تو نہ ادا کر سکا، کردار ادا کرنے والا کردار ادا کر گیا اور شکیل نے دل ہی دل میں اس نوجوان کی عظمت کو سلام کیا، یہ سادہ کہانیاں ایسی ہی جگہوں پر پائی جاتی ہیں، جذبوں کا یہ معیار ان روشن مکانوں میں نہیں ہوتا جہاں روشنی تو ہوتی ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

★

دلہن رخصت ہو کر گھر آگئی تھی، تصور میں بھی نہیں تھا کہ اس گھر کی تقدیر ایسے جاگے گی، اچانک ہی اس گھر میں اچراغ روشن ہو جائے گا اور وہ بھی ایسے۔ شمع بیگم، پروانہ صاحب تو مسرت سے پاگل ہوئے جا رہے تھے، طاہر پر نجانے جنون سوار ہوا تھا ورنہ وہ زندگی میں سنجیدگی کا قائل ہی نہیں تھا، اب جبکہ پروانہ صاحب اور تمام لوگ واپس آگئے تھے بوکھلایا بوکھلایا ادھر سے ادھر بھاگ رہا تھا، ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا اور کچھ نہیں بن پڑا تو جا کر چھت پر اپنے کمرے میں بیٹھ گیا، پاگلوں کی طرح دیواروں کو تکے جا رہا تھا بس ایک احساس دل میں جاگا تھا اور وہ ہوش و حواس سے عاری ہو گیا اس احساس نے اسے نجانے کہاں کہاں پہنچا دیا تھا جو کچھ اس نے کیا تھا اس پر ذرہ برابر پشیمان نہیں تھا لیکن اب یہ سوچ تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو گیا، زندگی میں ایک ایسا واقعہ اچانک نمودار ہو گیا جو بڑی عجیب و غریب رسومات سے گزرنے کے بعد ظہور پذیر ہوتا ہے لیکن یہاں مفت ہی میں سب کچھ ہو گیا تھا اور وہ شوہر بن گیا تھا، اپنے آپ پر ہنسی آرہی تھی، آئینے پر نظر پڑی تو کھلکھلا کر ہنس پڑا اور خود ہی خود بولا۔

"ابے بے وقوف کیا کر ڈالا یہ، اب کیا ہو گا، ارے باپ رے اب کیا ہو گا؟" آئینے ہی میں اسے شعور کی صورت نظر آئی تو بھونچکا ہو کر پلٹا، شعور نے اسے دیکھا اور اس کے حلق سے قہقہے ابلنے لگے وہ پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہا تھا اور بدھوؤں کی طرح اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"خدا کی قسم بڑا کمینہ ہے تو، تیری شرارتیں انتہا کو پہنچی ہوئی ہوتی ہیں اب بول؟"

"کک۔۔۔ کیا بولوں؟"

"ابے شادی شدہ ہو گیا ہے تو، بازی لے گیا ہے مجھ پر۔"

"تت۔۔۔ تو یار اس میں میرا کیا قصور ہے، تت۔۔۔ تم خود بتاؤ، کیا کیا اس وقت تمہارا دل نہیں پسیجا تھا حکمت علی صاحب کو دیکھ کر خدا کی قسم میرا تو کلیجہ نکل پڑا تھا، کیسے کیسے ذلیل لوگ ہوتے ہیں کمال ہے وہ طبیب جی تھے کہ ماش کے آٹے کی طرح اینٹھے ہی جا رہے تھے، ادھر خوشامد کرنے والے پانی پانی ہوئے جا رہے تھے بس جنون سوار ہو گیا سر پر۔"

"تو کیا اب پچھتا رہا ہے؟"

"نہیں۔ پچھتا تو نہیں رہا ہوں۔۔۔ مگر یہ سوچ رہا ہوں کک۔۔۔ کہ کہ، نجانے کیا سوچ رہا ہوں؟"

"باؤلا ہے بالکل، پاگل ہے، میں تیرے اوپر فخر کرتا ہوں طاہر، یقین کر ہمارے خون کی قدر معلوم ہو گئی ہو گی لوگوں کو تو نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔"

"دیکھ شعور اچھا نہیں ہو گا، قسم کھا رہا ہوں گھس رہا ہے مجھے بیوقوف بنا رہا ہے، ہنسی روک کر بات کر رہا ہے یا جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔"

"کمال ہے یار یعنی آدمی سچ کہے تب بھی اسے جھوٹ سمجھا جائے۔" شعور نے کہا اور طاہر کی صورت دیکھ کر ایک بار پھر ہنس پڑا۔ طاہر نے آگے بڑھ کر شعور کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

"دیکھ اب میرا مذاق مت اڑا جو کچھ ہو گیا ہے وہ تو ہو ہی گیا ہے ارے باپ رے پیارے بھائی اب یہ بتا اب کیا کروں اب آگے کیا ہو گا، یہ سب کچھ ہو تو گیا ہے؟"

"میری جان اب تم دلہن بیگم صاحبہ کی زیارت کے لیے روانہ ہو جاؤ، وقت کافی گزر چکا ہے بے چارے پروانہ صاحب بھی جھنجھنے پھر رہے ہیں۔"

"کک۔۔۔ کیوں؟"

"کہہ رہے تھے اب کیسے کہوں کہ حجلہ عروسی میں جاؤ۔"

"ایں، نہ جاؤں، تت۔۔۔ تو کوئی خاص بات ہو گی؟"

"ہاں بالکل ہو گی۔"

"دیکھو بات سنو ذرا مجھے ہوش و حواس قائم کر لینے دو میں میری تو کھوپڑی ہوا میں معلق ہوئی جا رہی ہے، ارے باپ رے، وہاں جاؤں گا تت۔۔۔ تو کیا ہو گا؟"

شعور پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"ہنسو بیٹا ہنسو، ایک دن ایسا برا وقت تم پر بھی آئے گا، مم۔۔۔ میں تو خیر جو کچھ کر چکا ہوں اسے نبھا ہی لوں گا لیکن تمہارا جو میں دم کروں گا وہ دیکھنے کے قابل ہو گا، بجائے اس کے کہ مجھے ڈھارس دو، سہارا دو، مذاق اڑائے جا رہے ہو۔" شعور پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنستا رہا پھر بولا۔

"دیکھ طاہر اور کونسی زبان میں تجھ سے کہوں خدا کی قسم جو کچھ تو نے کیا ہے ایک اچھے انسان کو یہ کرنا چاہیے تھا بلکہ تو نے تو انسانوں کی عام سرشت سے بڑھ کر قدم اٹھایا ہے، یہ جذبات ہی تو زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں دوست، ہمیں اپنی سانسوں پر کوئی قدرت حاصل نہیں ہے، کون جانے کب کوئی حادثہ ہمیں زندگی سے محروم کر دے، اگر اس معمولی اور بیکار سی زندگی کو کسی کے مصرف میں لے آئیں تو اس سے بڑا مقصد اس کا اور کوئی نہیں ہو سکتا، میں جانتا ہوں یہ ساری باتیں کتابی کہی جاتی ہیں لیکن کتابوں کی سچائیوں ہی نے تو ہمیں انسانیت کا درس دیا ہے، کتابوں ہی نے تو ہمیں ممتاز کیا ہے، باعلم کیا ہے جو لوگ ایسی باتوں کو صرف کتابوں کی باتیں کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں وہ اس دور کے ناکام اور ناکارہ لوگ ہیں جو صرف تنقید کر سکتے ہیں، خود قدم نہیں اٹھا سکتے، طاہر خدا کی قسم میں پروانہ صاحب، شمع بیگم، باقی لوگوں کی بات چھوڑ دوں لیکن محلے والوں نے جس طرح ہماری پذیرائی کی ہے اور جس طرح ہمیں عزت کی نگاہوں سے دیکھا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ایک شخص ہمارے، میرا مطلب ہے تمہارے اس اقدام کی قدر کرتا ہے، بہت بڑا کام تھا یہ، لڑکی کو نہ دیکھا نہ بھالا، نہ اس کے بارے میں کچھ جانا بوجھا بس ایک آدمی کی عزت کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا، بہت عظیم کام ہے میں تجھے سلام کرتا ہوں طاہر یقین کر میں تجھے تیرے اس عمل پر سلام کرتا ہوں۔"

"وعلیکم السلام۔" طاہر نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور شعور نے ہنس کر اسے گلے لگا لیا۔

"اب ایک کام کرنا ہو گا تجھے، ثریا بیگم یعنی محترمہ بھابھی صاحبہ کو کسی طور یہ احساس نہ ہونے دیا جائے کہ ان پر رحم کھا کر ان سے شادی کی گئی ہے، دیکھ طاہر پوری سنجیدگی سے میری باتیں سن، یہ زندگی بھر کا ساتھ ہوتا ہے، میں نے بھی ثریا کو نہیں دیکھا لیکن خدا کرے وہ تیرے معیار پر پوری اترے، حکمت علی صاحب کو دیکھا ہے میں نے، بہت نفیس اور نیک سے

سان ہیں حالانکہ ہماری اتفاق سے ان سے سلام دعا بھی قاعدے سے نہیں ہوئی تھی لیکن شرافت چہروں سے ٹپکتی ہے جو
ہ ان پر بیتی وہ بہت بری تھی' میرا خیال ہے اس نسبت سے ثریا بھی اچھی ہی لڑکی ہوگی لیکن اب جیسی بھی ہے یہ سوچ لے
ے اس نئی زندگی کا آغاز بڑی محنت سے کرنا ہے ہم سب تیری مدد کریں گے بالکل بے فکر رہنا۔"
"وہ تو ٹھیک ہے مم۔۔۔ مگر کیا اب یہ ضروری ہے کہ آج ہی میں ثریا بیگم کی زیارت کروں' یار تھوڑا سا چھری تلے دم
ے لینے دے' کل مل لوں گا ان سے۔"
"نہیں' ہرگز نہیں' اس سے یہ احساس پیدا ہوگا کہ تو نے جو کچھ کیا ہے اس پر پشیمان ہے۔"
"نہیں' خیر پشیمان کون بیوقوف ہے' میں تو بہت خوش ہوں کم از کم حکمت علی صاحب کی آنکھوں کے آنسو تو خشک
ئیے۔"

"تو جا یار' اب بس کوئی تجھ سے کچھ نہیں پا رہا' پروانہ صاحب نے ایک ایک شخص کو گھر سے نکال دیا ہے معذرت
کے' محلے والے ہیں کہ مبارک بادوں کے ڈونگرے برسا رہے ہیں' جانے کا نام ہی نہیں لیتے تھے' پروانہ صاحب نے کہا کہ
ان لوگوں سے تفصیلی ملاقات ہوگی اور بہت سی باتیں ہوں گی' اب تو حجلہ عروسی میں جا ہم لوگ ذرا کل کے بارے میں
ر میٹنگ کریں گے۔"
"گویا گویا مجھے قربان گاہ کی طرف بھیجا جا رہا ہے۔"
"تھپڑ ماردوں گا اب زیادہ فضول بکواس کی' ابے تو بہت تیز ہے' سارے معاملے جان بوجھ کر کئے تو نے اور اب ہم
ں کو بیوقوف بنا رہا ہے۔"
"نہیں شعور' تیری قسم دیکھ میں نے زندگی میں تیری قسم کبھی جھوٹی نہیں کھائی' بس حکمت علی صاحب کے آنسوؤں نے
کے گڑگڑانے نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔"
"طاہر طاہر' میرے دوست' اب مجبوری کی بات نہ کر یہ تو زندگی بھر کا ساتھ ہے' یہ ساتھ مجبوری نہیں ہوتا' تیری
یں یہی لکھا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ تو نے جس نیک انداز میں یہ کام کیا ہے اس کا صلہ تجھے اچھا ہی ملے گا۔"
"پپ۔۔۔ پتا نہیں ان خاتون کی شکل و صورت کیسی ہے؟"
"جیسی بھی ہے اگر میرا بھائی ہے' میرا دوست ہے تو اس جذبے کو قائم رکھنا اسے مجروح نہ ہونے دینا۔"
"ٹھیک ہے' تت۔۔۔ تو اب میں نیچے اتر کر جاؤں؟"
"تو پھر جائے گا نہیں۔"
"بس۔۔۔ سب دیکھیں گے۔" طاہر نے تھوک نگل کر کہا اور شعور ایک بار پھر ہنس پڑا۔
"تو ہنسے جا رہا ہے۔"
"تو باتیں ہی ایسی کر رہا ہے۔"
"ابے چھوڑ پہلی بار موقع ملا ہے مجھے بیوقوف بنانے کا بنالو بیٹا دیکھنا کیسا بدلہ لیتا ہوں ایک ایک سے۔"
"اچھا اچھا ٹھیک ہے' بدلہ لے لینا چلو اب نیچے چلو۔"
شعور بمشکل تمام طاہر کو نیچے لے کر آیا' شمع بیگم اور پروانہ صاحب ایک گوشے میں گھسے ہوئے تھے اور اس طرح بیٹھے
تھے کہ کسی کو نظر نہ آئیں' دروازہ بند تھا' شعور نے کمرے کا دروازہ کھولا اور طاہر کی کمر میں پیچھے سے لات ماردی'
س بات کی توقع نہیں رکھتا تھا' غڑاپ سے دروازے سے اندر داخل ہوگیا اور بمشکل تمام اپنے آپ کو سنبھالا' کمرے
ر دیکھ کر وہ حیران بھی رہ گیا تھا یہ تو پتا چل گیا تھا اسے کہ شعور نے بساط بھر سب کچھ کیا ہے۔ کمرہ سجانے کی اطلاع بھی
تھا اسے مگر شعور اس طرح اپنی محبت کے گلاب سجائے گا اسے علم نہیں تھا۔ اس نے پھولوں میں بسے ہوئے اس کمرے
کھا اور پھر مسہری پر ایک اجنبی وجود کو لرزتے ہوئے۔ یہ بھی سچ تھا کہ زندگی میں آج تک ہر طرح کی شرارت کی تھی
لیکن کوئی شرارت کبھی نہیں کی تھی۔ عشق و محبت کے مسائل سے اسے کوئی واقفیت نہیں تھی بلکہ جب شعور کے دل
زی کی محبت پیدا ہوئی تھی تو اسے تعجب ہوا تھا۔ کیا تمام لوگ اس بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس نے سوچا تھا اور

اب ــــ یہ سرخ گٹھری جو مسہری پر سمٹی بیٹھی ہے اس کی جیون ساتھی ہے۔ ارے باپ رے ــ واقعی اب کیا ہوگا۔
ے شعور نے دروازہ بند کیا تو وہ چونک پڑا۔

"کک ــ کیا ہے اس نے کہا۔

"دروازہ اندر سے بند کرلو۔" شعور بولا۔

"کک ــ کیوں؟"

"ابھی اندر آکر بتاؤں ــ بند کرو دروازہ۔" شعور نے ڈانٹ کر کہا اور اس نے دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ کچھ دیر حوا
پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر ہمت کرکے آگے بڑھا۔ مسہری کے قریب پہنچا اور آہستہ سے بولا۔

"بب ــ بیٹھ جاؤں۔ آپ برا تو نہیں مانیں گی۔"

گٹھری میں لرزش پیدا ہوئی مگر کوئی جواب نہ ملا۔

"احقر کو شوہر کہتے ہیں میرا مطلب ہے اصل نام تو طاہر ہے مگر میری شادی ہوگئی ہے میرا مطلب ہے آپ کو تو معلوم
ہوگا۔" بڑی مشکل سے الفاظ تلاش کررہا تھا لیکن خود بھی احساس ہو رہا تھا کہ الفاظ بے ربط ہیں کچھ دیر خود کو سنبھالتا رہا
بولا۔

"اصل میں پہلی بار شادی کی ہے اس لیے کوئی تجربہ نہیں ہے کوئی غلطی ہوجائے تو معاف کردیجئے گا۔ لاحول ولا
ے لیے آپ بھی کچھ بولیے ورنہ میں نروس ہوجاؤں گا۔"

گٹھری کسمسائی لیکن کوئی آواز نہیں سنائی دی کچھ دیر انتظار کے بعد طاہر نے پھر کہا۔

"شاید ہم دونوں ہی اس معاملے میں اناڑی ہیں۔ ورنہ میں نے بڑے عجیب عجیب مناظر دیکھے ہیں اور میری عقل
ہوگئی ہے۔ مثلاً" شادی میں شریک ہوا نکاح ہوا کھانے پینے سے فراغت ہوئی دلہا، دلہن کو قریب بٹھا کر مووی بنائی
دونوں اس طرح ایک دوسرے سے بیزار بیٹھے نظر آئے جیسے گھر والوں کی کمینگی سے بہت نالاں ہوں اور ان کی بے حیا
کڑھ رہے ہوں پھر رخصتی ہوئی دلہن بلک بلک کر روئی کہ دیکھنے والوں کے کلیجے پھٹ گئے۔ والدین پچھاڑیں کھا رہے ہیں
کیا ہوا ۔ کتنی بڑی غلطی کرڈالی انہوں نے کیسا ظلم کرڈالا اپنی معصوم بچی پر۔ آہ کاش انہیں عقل آجاتی اور یہ سب
کرتے چلے دلہن رخصت ہوگئی۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا اب کیا کیا جاسکتا ہے سارا گھر غم واندوہ میں ڈوبا ہوا ہے دو
دن اس المیے کے نتائج دیکھنے کے لیے دولہا دلہن کو بلایا گیا ۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہنستے مسکراتے پہنچ گئے۔ آ
میں محبت کے سمندر موجزن ــ اوہو آیئے بیٹھیے۔ لایئے جوتے ادھر رکھ دوں سنو چھوٹی ــ ان کے لیے چائے الگ
اسٹرانگ پیتے ہیں اوہو ذرا پنکھے کا رخ ان کی طرف کردو بھئی اللہ کیسی گرمی ہے آپ اگر چائے نہ پئیں تو شربت بنا دوں
خود لاتی ہوں ــ دیکھنے والے حیران ــ یا خدا یہ پچھاڑیں کھاتی ہوئی لڑکی کو کیا ہوگیا سب کے سب بلاوجہ رات بھر اپنا
سر دھنتے رہے یہاں تو سب ٹھیک ہے۔

ثریا بھی انسان تھی۔ ذہن و دل بے شک منتشر تھے جو واقعہ پیش آیا تھا اس پر حواس رخصت ہوئے جارہے تھے لیکن
ان الفاظ پر ہنسی نہ روک سکی۔ بے اختیار اس کی ہنسی نکل گئی۔

"ہنس رہی ہیں نا آپ ــ شکریہ۔ آپ بھی کچھ بولیے اس سے حوصلہ ملتا ہے۔ ورنہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ نہ جانے
دوسرے کے ذہن میں کیا ہے اور ہاں ہم دونوں کو ایک دوسرے سے پردہ کرنا ضروری تو نہیں۔ میں نے تو آپ کو کبھی نہیں
دیکھا کم از کم تعارف تو کرا دیجئے اصل میں ہمت نہیں پڑ رہی ورنہ ایک فلم میں تو دلہن کا گھونگٹ دولہا نے کھولا تھا ــ! میں
اگر وہی سین ریپیٹ کردوں تو آپ برا تو نہیں مانیں گے؟"

ثریا نے چہرہ آگے بڑھا دیا تو طاہر بولا "جیتی رہیں۔ یہ ہوئی نا بات۔" پھر اس نے ثریا کا چہرہ کھول دیا۔ "مائی گڈنس۔
آپ تو بے حد بصورت ہیں کمال ہے۔"

"آپ۔ خدا کی قسم آپ انسان نہیں ــ فرشتے ہیں۔"

"تھینک یو ــ تھینک یو آپ بھی فرشتی ہیں۔" طاہر اعتدال پر آنے لگا۔ ثریا پھر ہنس پڑی۔ اس نے شرگین نگاہیں
اٹھا کر طاہر کو دیکھا اور کوشش کے باوجود نگاہیں نہ ہٹا سکی۔ یہ پرکشش چہرہ ایسا نہیں تھا کہ اس پر سے نگاہیں ہٹالی جائیں۔
مردانہ نقوش جاذب نگاہ دودھ جیسا رنگ، شفاف آئینے جیسا ــ آنکھوں سے شرارت ٹپکتی ہوئی انگ انگ سے مسکراہٹ
پھوٹتی ہوئی۔

"آپ نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اگر ہزار زندگیاں ملیں تو آپ کے قدموں میں سر رکھ کر آپ کا شکریہ ادا کرتی
رہتی۔"

"ارے چھوڑیئے۔ کس گدھے نے کیا احسان کیا ہے۔ یعنی کمال ہے ہم تو اب اس کسٹم کے چپراسی کے احسان مند
ہوگئے ہیں جس نے ہمارے لیے راستہ صاف کردیا۔ یقین کریں آپ کو اگر کہیں دیکھ لیتے تو آخری عمر تک آہیں بھرتے
رہتے۔"

"آپ کو ــ آپ کو یہ سب کچھ کرکے ــ کوئی پشیمانی، کوئی افسوس نہیں ہے۔"

"اس سوال کا جواب آپ خود دیجئے اگر مذاق ہی مذاق میں آپ کی شادی ایسے ہوجاتی اور صرف چند لمحات کے نوٹس پر
آپ کو اتنی حسین بیوی مل جاتی ــ میرا مطلب ہے اگر آپ ایک کنواری نوجوان ہوتیں تو آپ کو افسوس یا پشیمانی ہوتی۔"

ثریا بے اختیار ہنس پڑی ــ دیر تک ہنستی رہی۔ طاہر نے پھر کہا۔

"اور ہاں سنئے۔ آپ کے کچھ واجبات ہیں ہم پر کل سے حق کی ادائیگی شروع ہوجائے گی۔ چوبیس گھنٹے کی مہلت دے
دیجئے بس ــ! ٹھیک ہے نا۔" طاہر بولا اور ثریا نے گردن جھکا دی۔

*

فیضان نے ضرغام صاحب سے کہا۔ "ابو آپ نے شہباز کے بارے میں کیا سوچا ہے۔"

"جو کچھ سوچا ہے اس پر عمل کررہے ہیں میاں کوئی خاص بات ہے کیا۔"

"وہ بے مثال نوجوان ہے ابتدا میں تو میں نے سوچا تھا کہ آپ کا حکم ہے اس لیے اس پر بہت محنت کرنی ہوگی لیکن اس
نے تو کمال کردیا ہے بلکہ یوں سمجھیں کہ اس نے میرے ایک اہم منصوبے پر عمل کرنے کے مواقع فراہم کردیئے ہیں۔"

"یعنی۔"

"اس فرم کی ذمے داری اب میں پورے اعتماد سے اس پر چھوڑ سکتا ہوں اور خود دوسرے کاروبار شروع کرسکتا
ہوں۔" ضرغام صاحب مسکرانے لگے۔

"تو پھر بسم اللہ کرو۔" انہوں نے کہا۔

"ادھر رات کی تنہائیوں میں شہباز کو بڑا عجیب سا احساس ہوتا تھا یوں لگتا تھا اسے جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے اور
اس کے بعد اس خوف سے وہ بے چین ہوجاتا کہ کہیں آنکھ نہ کھل جائے، ضرغام صاحب کا گھرانہ جیسے پریوں کا دیس تھا
جہاں انواع واقسام کے حیرت ناک مناظر ہوتے ہیں، اتنا احترام اتنی محبت دی جارہی تھی اسے کہ وہ چونک چونک کر ان

لوگوں کو دیکھنے لگتا تھا' یہ سوچنے لگتا تھا کہ اس محبت پس کے پردہ کیا ہے اور اس کائنات میں اس دنیا میں اگر اس طرح کے بے لوث محبت کرنے والے موجود ہیں تو وہ اتنے محدود کیوں ہیں یا پھر وہ کسی معیبت کا شکار کیوں نہیں ہوئے؟ اتنی محبت تو اس دور میں انسان ایک دوسرے سے نہیں کرتے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں ایک کی تلاش ہی محدود ہو اور ایسے بے شمار گھرانے موجود ہوں' ضرغام صاحب در حقیقت اسے اپنے بیٹوں ہی کی مانند چاہنے لگے تھے۔

ادھر ان کے بیٹے فیضان نے بھی کمال کر دکھایا تھا باپ کے کہنے پر اس نے شہباز کو جو کچھ دیا تھا شہباز اس دور میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اسے جمیل احمد صاحب کے ساتھ اپنے رویے پر بھی شرم آتی تھی' وہ بھی تو باپ ہی تھے' غلطی کر بیٹھے تھے' باپ کی غلطی بیٹے کو نبھانی چاہیے تھی' لیکن شہباز ان سے انتقام لینے پر تل گیا تھا کتنا پریشان کیا تھا اس نے اپنے گھر والوں کو' فرزانہ یاد آتی تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے' بہن نے در حقیقت اس گھر کی عزت سنبھال لی تھی ورنہ فاقہ کشی ہوتی' محلے بھر میں بدنامی ہوتی نجانے کس کس طرح گزارا کیا جاتا سارا شیرازہ منتشر ہو جاتا لیکن فرزانہ کی آہنی شخصیت نے گھر کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھال لی تھی اور وہ سب کچھ نہیں ہوا تھا جس کے منتظر شاید محلے والے ہوتے' نحوستوں کا ایک دور خوش اسلوبی سے گزر گیا تھا لیکن اس کے لیے فرزانہ کو اپنے آپ پر کتنا جبر کرنا پڑا تھا اب ایک ایک بات یاد آتی تھی۔

شہباز دفتر جاتا وہاں کا نظام نہایت خوش اسلوبی سے سنبھالتا' شخصیت ہی بدل گئی تھی اس کی شاندار سوٹ' اعلیٰ درجے کی نئی کار' ایئر کنڈیشنڈ دفتر' جب دفتر میں داخل ہوتا تو اسٹاف کھڑا ہو جاتا۔ شہباز نے اپنی کرسی پر بیٹھ کر دل ہی دل میں ہزاروں سجدے کیے تھے اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی' اللہ سے دعا کی تھی کہ جو کچھ اس نے عطا فرمایا ہے اسے قائم رکھنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

اس نے محنت کی انتہا کر دی تھی تعلیم یافتہ تھا جاہل نہیں تھا ہر کام کو اتنی باریک بینی سے دیکھتا اور پھر اس پر عمل کرتا کہ فیضان بے اختیار تعریف کیے بغیر نہ رہتا' یہ تعریف گھر پر بھی کی جاتی تھی اور ضرغام صاحب سینہ تان کر کہتے کہ وہ جوہر شناس ہیں اور جو گوہر آب دار انہوں نے سمندر سے نکالا ہے وہ معمولی نہیں ہو سکتا شہباز اپنے آپ سے جہاد کر رہا تھا ورنہ ایک ہی شہر' آزاد فضا لیکن ماں باپ اور بہن سے دور جن کے لیے دل دن رات تڑپتا رہتا تھا۔

دو ماہ گزر گئے پورے دو ماہ' نجانے اس سلسلے میں ضرغام صاحب نے اتنی سخت گیری کیوں اختیار کی تھی' غالباً" شہباز امتحان لینا چاہتے تھے' شہباز نے بھی طے کر لیا تھا کہ جب تک وہ خود نہ کہیں گے اپنے آپ میں لچک نہیں پیدا ہونے دے گا۔

اور پھر وہ دن آ ہی گیا۔ چھٹی کا دن تھا' ضرغام صاحب ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے محبت بھری نگاہوں سے شہباز کو دیکھا اور پھر بولے۔

"شہباز میاں! فیضان بتا رہا ہے کہ تم نے اپنا کام مکمل طور پر سمجھ لیا ہے اور اب وہ فرم صرف تمہارے سہارے چھوڑی جا سکتی ہے اصل میں فیضان تمہاری وجہ سے بڑا مطمئن ہے اور کچھ اور نئے کاروبار شروع کرنا چاہتا ہے اس کا کہنا ہے کہ فرم تم خوش اسلوبی سے چلا سکتے ہو بلکہ شاید فیضان سے بھی زیادہ بہتر انداز میں' بیٹے' میں نے تمہارے بارے میں جو سوچا تھا صحیح معنوں میں تم نے اس کا بدل بہت سے منافع کے ساتھ دیا ہے مجھے' یہ ایک تجربہ تھا میری زندگی میں اور مجھے ایسے تجربات کا شوق ہے لیکن میں اب تمہارے صبر کا زیادہ امتحان لینا نہیں چاہتا اب تم آزاد ہو' والدین اور بہن کے لیے آسمان سے تارے بھی توڑ کر لانا چاہو تو ہم تمہارے معاون ہیں' میرا خیال ہے اب وہ وقت آ گیا ہے جب تم اپنے والدین سے ملاقات کر لو' میں تمہیں کھلی اجازت دیتا ہوں' اگر رہائش گاہ تبدیل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں ہر سہولت مہیا کی جائے گی باقی اور کچھ کہنا بیکار ہے' اب تم اپنی جگہ مستحکم ہو گئے ہو' چنانچہ اپنے والدین کے پاس آج ہی چلے جاؤ۔"

شہباز کے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی' سب نے اسے دلاسہ اور حوصلہ دیا' فیضان نے کہا۔

"ہم لوگ بھی ان کے ساتھ جائیں گے۔"

"نہیں میاں' یہ غلط ہو گا اس وقت تو اسے بالکل تنہا چھوڑ دینا مناسب ہے' ہاں شہباز تم گاڑی لے جا سکتے ہو بلکہ تمہیں گاڑی لے کر جانا ہو گا' شان و شوکت کے ساتھ جاؤ جس طرح بھی چاہو ہم اس معاملے میں تم پر مسلط نہیں ہوں گے۔"

شہباز نے گردن جھکا دی تھی۔

"بالآخر دن کو تقریباً" دس بجے وہ اپنے گھر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ کار چلانا اچھی طرح آ چکا تھا' شاندار گاڑی تھی اس کے پاس' چشم تصور سے اس نے لوگوں کے حیران چہرے دیکھے' بہر طور اپنے آپ کو اس اظہار سے باز نہیں رکھ سکتا تھا سب کو چونکا دینا چاہتا تھا چنانچہ پہلے وہ بازار میں نکلا جو کچھ خرید سکتا تھا خریدا اور اس کے بعد دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے اپنے گھر کا رخ کیا۔ یہ شاندار اور قیمتی کار جو اس گلی میں گھوم کر مڑ بھی نہیں سکتی تھی' شہباز کے دروازے پر جا کر رکی تو سارے پڑوسیوں کی نظر اسی سمت لگی ہوئی تھی سب حیرانی سے اس چم چم کرتی ہوئی کار کو دیکھ رہے تھے' پھر اس سے شہباز نیچے اترا تو لوگوں نے اسے اجنبی نگاہوں سے دیکھا' کوئی اسے اس شاندار سوٹ میں ملبوس پہچان ہی نہیں پایا تھا۔

شہباز نے دروازے پر دستک دی جمیل احمد صاحب نے دروازہ کھولا' باپ کی نگاہ ذرا مختلف ہی ہوتی ہے ایک لمحے کے لیے پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہباز کو گھورتے رہے پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر بے اختیار آگے بڑھے' زور سے چیخے۔

"فریدہ' فریدہ' شہباز آ گیا۔" اور اس کے بعد وہ بے اختیار ہو کر شہباز سے لپٹ گئے' آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو گئی' شہباز نے بھی انہیں سینے سے بھینچ لیا تھا' فرزانہ گھر میں موجود تھی' فریدہ بیگم بھی باورچی خانے سے دوڑی چلی آئی تھیں' بیٹے کا نام سن کر دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا اور اس کے بعد وہ حشر برپا ہوا کہ دیکھنے والے دیکھتے تو اپنے آنسو نہ روک پاتے۔ فرزانہ بھی بلک رہی تھی' فریدہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا' تینوں کے تینوں شہباز سے چپٹے ہوئے تھے اور شہباز انہیں اپنے بازوؤں میں بھینچے ہوئے تھا پھر جمیل نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"سنبھالو بھئی' سب لوگ اپنے آپ کو سنبھالو اندر تو چلو پڑوسی تماشا دیکھ رہے ہیں چلو اندر چلو۔"

فرزانہ نے آنکھوں کے آنسو دوپٹے سے خشک کیے شہباز نے ماں کو سنبھالا اور اس کے بعد اپنے گھر کے صحن سے گزر کر برآمدے میں آ گیا' یہ ماں باپ اور بہن تھے جنہوں نے نہ اس کے لباس پر توجہ دی تھی' نہ اس کی شان و شوکت پر باقی آنکھوں کی بات دوسری ہوتی ہے یہاں تو صرف چھو نگاہوں میں تھا۔ شہباز بیٹھ گیا' جمیل احمد صاحب بولے۔

"بیٹے وہ وہ۔۔۔"

"جی ابو میں رہا ہو گیا۔"

"مم۔۔۔ مگر کچھ پہلے نہیں' میرا مطلب ہے جو حساب ہم نے لگایا تھا وہ غلط تھا کیا؟"

"نہیں ابو کچھ پہلے رہائی حاصل ہو گئی۔"

فرزانہ نے پہلی بار گہری نگاہوں سے شہباز کو دیکھا لیکن کوئی سوال زبان پر نہ لا سکی' جیل سے واپسی ایسی تو نہیں ہوتی' شہباز جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ بہت ہی حیرت ناک تھا لیکن بھائی کا وجود ان تمام چیزوں پر حاوی تھا کیا ضروری ہے کہ اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے۔

محلے والے بہت متجسس تھے ہر شخص گھر میں گھس کر اس عجیب و غریب صورت حال کے بارے میں جاننا چاہتا تھا لیکن سمجھداری سے ہی کام لیا گیا تھا' بیٹا جیل سے رہا ہو کر آیا ہے' جس انداز میں آیا ہے وہ جانے اور اس کا کام لیکن اس وقت کسی کی گھر میں آمد کو پسند نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ سمجھداری سے کام لیا گیا تھا' اندر جمیل احمد' فریدہ بیگم اور فرزانہ شہباز پر نثار ہو رہے تھے' جمیل احمد صاحب نے اب ذرا بیٹے کی حالت پر غور کیا حیرانی سے بولے۔

"مگر شہباز میاں' یہ لباس ماشاء اللہ تمہارا مکمل حلیہ جیل سے آنے والوں کا ایسا حلیہ تو نہیں ہوتا۔"

"آپ کو سب کچھ بتانا چاہتا ہوں ابو۔۔۔"

"جلدی نہیں ہے بیٹے' اپنے آپ کو پرسکون کر لو' خدا کا بڑا احسان ہے کہ ہم ایک بار پھر تمہیں اپنے درمیان دیکھ رہے ہیں' وہ بھیانک دور گزر گیا شہباز میاں جس نے ہم پر اپنے منحوس سائے ڈال رکھے تھے' جلدی نہیں ہے میرے بیٹے' اطمینان سے جوتے اتارو' آرام سے بیٹھو۔"

"نہیں ابو' پہلے میں آپ کو سب کچھ بتا دینا چاہتا ہوں' جیل سے رہا ہوئے مجھے دو ماہ گزر چکے ہیں۔"

"کیا۔۔۔؟"

"جی ہاں تفصیل عرض ہے۔" اور اس کے بعد شہباز ان لوگوں کو ضرغام علی' اس کے بیٹے فیضان علی اور باقی دوسرے حالات بتانے لگا سب لوگ تصویر حیرت بنے اس کہانی کو سن رہے تھے' فریدہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے' فرزانہ کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔ جمیل احمد صاحب آہستہ سے بولے۔

"شاید ہمارے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں میں سجدہ شکر کر لوں' اللہ تعالیٰ جب دن بدلتا ہے تو ایسے بدلتا ہے۔"

فریدہ بیگم اور جمیل احمد صاحب وضو کرنے کے لیے اٹھ گئے فرزانہ' بھائی پر نثار ہو رہی تھی' محلے کے دوسرے لوگوں نے تو مداخلت سے گریز کیا لیکن جمن بی دروازہ پیٹنے سے کیسے باز رہتیں' فرزانہ نے دروازہ کھولا' جمن بی کو دیکھ کر ہنس پڑی۔

"اے اللہ میں نے سنا ہے شہباز واپس آگیا؟"

"جی جمن خالہ آیئے۔" فرزانہ نے کہا اور جمن بوا اندر داخل ہو گئیں' شہباز بیٹھا مسکرا رہا تھا' جمن بوا آگے بڑھیں شہباز کو دیکھا بلائیں لیں اور بولیں۔

"مم۔۔۔ میاں' باہر جو کار کھڑی ہے تمہاری ہی ہے؟"

"آپ کی ہے جمن خالہ' آپ کے اس غلام کی ہے۔"

"اے میاں اللہ رکھے اتنی بڑی کار ہے' مم۔۔۔ مگر میاں اللہ رکھے جیل سے واپس آگئے ناں؟"

"جی جمن خالہ۔"

"تو کیا جیل میں یہ تمام چیزیں بھی دی جاتی ہیں' اتنی قیمتی کار اور اللہ رکھے یہ سوٹ' اے میاں کیا سارے جیل جانے والوں کو یہ سب کچھ ملتا ہے۔۔۔؟"

"ہاں جمن خالہ ملتا ہے۔"

"اے لو' لوگ تو نجانے کیا کہانیاں سناتے ہیں' تھانے اور جیل کے بارے میں' میاں شہباز کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم میرے شمشاد کو کسی طرح تھوڑے دن کے لیے جیل بھجوا دو؟" جمن بوا نے سادگی سے کہا اور فرزانہ اور شہباز کے قہقہے ابلنے لگے۔ جمن بی بی حیرت سے ایک ایک کی صورت دیکھ رہی تھیں۔ بالآخر رہا نہ گیا تو بولیں۔

"تمہارا اپنا ہی بھائی ہے۔ ہمارے بھی دن پھر جائیں گے۔ میاں کوشش کرنا۔"

"جی جمن خالہ بہت بہتر۔" شہباز نے ہنستے ہوئے کہا۔ جمن خالہ دامن پھیلا پھیلا کر دعائیں دینے لگیں جمیل احمد اور فریدہ بیگم سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ جمن خالہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چلتی ہوں میاں۔ تمہارے آنے کی خبر محلے میں پھیلی۔ مجھے پتا چلا میرا لعل آیا ہے لوگوں نے کہا جمن بوا ابھی نہ جاؤ۔ میں نے کہا نا بھئی بس ایک نگاہ شہباز کو دیکھ آؤں۔ دل ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اللہ خوش رکھے۔۔۔"

جمیل احمد اور فریدہ بیگم بیٹے کے پاس آگئے۔ چہروں سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"سنایئے۔ اہل محلہ کے کیا حال ہیں۔"

"بہت سی کہانیاں ہیں بہت سی داستانیں ہیں۔ پہلے اپنے آپ کو تو اس خوش بختی کا یقین دلا لیں۔" جمیل احمد نے کہا اور ایک بار پھر آگے بڑھ کر شہباز سے لپٹ گئے۔

اپنی گلی میں اپنی نوعیت کا انوکھا ہی واقعہ تھا۔ ہفتوں کے لیے لوگوں کی زبانوں پر ایک موضوع آگیا تھا۔ حالانکہ دلہن رخصت ہو چکی تھی لیکن حکمت علی کے گھر سے مہمان جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ادھر پروانہ صاحب کے گھر کے دروازے پر بھی گلی والوں کے ٹھٹھ لگے ہوئے تھے۔ وہ ادھر کا حال بھی جاننا چاہتے تھے' یوں آدھی رات تک یہ ہنگامہ برپا رہا۔ زیادہ تر مہمان محلے ہی کے تھے۔ کب تک رکتے' ایک ایک کر کے ان کی واپسی شروع ہو گئی اور نجانے کتنی رات گئے حکمت علی اور پروانہ صاحب کے گھر کے دروازے بند ہوئے۔ حکمت علی' فاطمہ بیگم' نسیم بیگم سکتے کی سی کیفیت میں تھیں۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا سب گم صم بیٹھے ہوئے تھے۔ پروین اپنے کمرے میں گھسی ہوئی تھی۔ حکمت علی نے فاطمہ بیگم کی طرف دیکھا اور نجانے کیوں رقت طاری ہو گئی۔ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے اور بہت دیر تک روتے رہے۔ فاطمہ بیگم نے ان کا سر سینے سے لگا لیا تھا۔

"سنبھالو خود کو حکمت علی' سنبھالو' دیکھو تو سہی اللہ نے کیسا وقت پھیرا ہے۔ شاید تم یقین نہ کرو اس بات پر حکمت علی دل دہشت سے کانپ رہا تھا۔ ارے میں نے بہت کچھ دیکھا ہے ایسے ایسے کمبخت لوگ ہوتے ہیں کہ پوری زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی تو زبانیں ہی اندر نہیں جا رہی تھیں۔ یہ دو وہ دو۔ یہ لاؤ وہ لاؤ' میں نے بے شمار بار سوچا حکمت علی کے جو کچھ ہو گیا ہے کیا پار لگ جائے گا۔ ارے تم یقین کرو اللہ سے بہتری مانگنے کے لیے وظیفے پڑھتی رہی ہوں میں۔ کیا دھرا تھا۔ میں نے بات لگائی تھی سوچ رہی تھی کہ اگر یہ شادی ہو بھی جائے تو کیا بعد میں نبھ سکے گی۔ وہ کمبخت تو منہ پھیلائے رہیں گے۔ تمہارے پاس اتنا کہاں کہ ان کا پیٹ بھر سکو۔ میرے اللہ تو جانتا ہے کیسی راتیں گزری ہیں میری مگر میرے مالک جو تو سوچتا ہے وہ سب سے افضل ہوتا ہے۔ ہم انسانوں کی ناقص عقلیں بھلا تیری حکمت تک کیسے سوچ سکتی ہیں۔ تو نے ہماری مشکل کا بندوبست کر دیا تھا۔ اے حکمت علی اپنے آپ کو سنبھالو بیٹے اچھا ہوا ہے جو کچھ ہوا ہے۔ اللہ نے وقت پر سنبھالا ہمیں۔ ورنہ لٹ جاتے برباد ہو جاتے۔ نجانے کیسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اے پروانہ صاحب' شمع بیگم اے پیارے بچو کون سی دعا دوں تمہیں۔ ایک غریب کی عزت شانے پر بٹھا کر اپنے گھر لے گئے ہو اللہ تمہاری عزتوں کا تحفظ کرے۔ تمہیں کبھی دنیا کے سامنے نیچا نہ دیکھنے دے۔ اے نسیم بیگم! میری بچی میری لال' شکل دیکھی تھی بچے کی۔ اے اللہ پہلے میں نے کبھی اس گلی میں اسے نہیں دیکھا۔ چاند کا ٹکڑا لگ رہا تھا۔ ہنستا مسکراتا۔ آنکھوں میں شرارت ہی شرارت ناچتی تھی۔ کسی کمپنی میں افسر ہے۔ اے جمن بوا نے سب کی باتیں کریں ان بچوں کی باتیں نہ کریں۔ نسیم اسے سمجھاؤ روئے جا رہا ہے کلیجہ پھٹ رہا ہے میرا۔ ماں ہوں میں اس کی۔ اے حکمت علی سنبھال بیٹے خود کو۔"

"اماں شکرانے کے نفل پڑھوں گا۔" حکمت علی نے کہا۔

"ہاں ہاں ضرور وہ تو ہمیں بھی پڑھنے ہیں۔ چلو نسیم' ارے پروین تو کہاں گئی۔ بیٹی یہ رات سونے کی رات نہیں۔ طوفان آیا تھا اس گھر پر ٹل گیا۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔"

سب نے مصلے بچھایا اور باجماعت نفلوں کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔ خوشیوں کی کوئی حد نہیں تھی۔ مسرت سے دیوانے ہو رہے تھے۔ پروین کی آنکھوں میں بھی طاہر کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ اللہ کرے وہ ثریا کو دل سے قبول کر لے۔ ایک جذباتی حادثے سے متاثر ہو کر کسی کو اپنا لینا الگ بات ہے۔ اسے زندگی بھر کے لیے سہارا دینا بالکل مختلف۔ نماز پڑھ کر وہ دعائیں مانگتی رہی تھی کہ بہن کی زندگی میں سکون ہو۔ طاہر بھائی اسے قبول کر لیں۔ دل سے قبول کر لیں۔

نفل ختم کرنے کے بعد حکمت علی نے پروین سے کہا۔

"پروین بیٹی چائے پلاؤ گی؟"

"جی ابو ابھی بناتی ہوں۔"

"اری بٹیا ہم سبھی پئیں گے سچ مچ اس وقت چائے کا جی چاہ رہا ہے۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

"سب کے لیے بنا رہی ہوں دادی اماں۔" پروین باورچی خانے میں چلی گئی۔ حکمت علی نے کہا۔

"کیا بتاؤں کیسے کیسے مناظر دیکھنے میں آئے ہیں۔ بھائی امداد بیگ نے تو سگے بھائیوں سے اچھا سلوک کیا ہے۔ ہر مشکل میں سینہ تان کر کھڑے ہو گئے ہیں اور کہا ہے کہ بالکل فکر نہ کروں۔ خاصے پیسے خرچ کر ڈالے ہیں اپنی جیب سے۔ بڑا مشکل

مرحلہ در پیش ہو گا۔ انہیں ادائیگیاں تو کرنی ہوں گی۔"

"اللہ مالک ہے۔ نسیم تم نے غوثیہ کو نہیں دیکھا۔ ارے ایسے پورے گھر میں ناچی ناچی پھر رہی تھی جیسے ہماری سگی ہو۔ ہوتے ہیں بعض لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ ان کا بھی کلیجہ ٹھنڈا کرے۔ بیٹی کی خیر مل جائے گی۔"

بہرحال یہ گفتگو ہوتی رہی۔ پروانہ صاحب' شمع بیگم' طاہر' شعور ہر ایک کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ حکمت علی نے کہا۔

"وہ دو بھائی ہیں۔ دوسرے کا نام شعور ہے۔ سنا ہے بہت اچھی حیثیت کے ہیں دونوں۔ بس پروانہ صاحب کے ساتھ محبت میں رہتے ہیں۔ لوگ گفتگو کر رہے تھے بہت سی باتیں سننے کو ملی ہیں۔ پروانہ صاحب بے اولاد تھے لیکن اب لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ نے انہیں پلی پلائی اولاد دی ہے۔ ہمیشہ خوش رکھتے ہیں۔ تھوڑے دن پہلے بیمار ہو گئے تھے بلکہ شمع بیگم بیمار ہوئی تھیں تو انہوں نے ایسے ساتھ دیا کہ سگی اولاد کیا دے گی؟"

"اے بیٹا اگر دنیا نیک لوگوں سے خالی ہو جاتی تو آسمان زمین پر نہ آرہتا۔ ابھی ہیں اور نیک ہی ہیں جو کسی کی عزت سنبھال کر اپنے گھر لے گئے ورنہ تماشا دیکھنے والے ہزار ہوتے ہیں۔ کون کسی کو سہارا دیتا ہے۔ اب بیٹا اپنے آپ کو سنبھالو۔ دیکھو وہ کم بخت جہیز واپس کرتے ہیں یا نہیں۔ ارے سارے کے سارے نیت خراب ہی لگ رہے تھے۔ کنجوس پر خدا کی مار اللہ ان کی عزت بھی ایسے ہی برباد کرے۔ جیسے انہوں نے ہم پر وار کیا تھا۔"

"نہیں اماں بی' اللہ کے کام اللہ پر ہی چھوڑ دو۔ وہ جو مناسب سمجھے گا کرے گا۔ اسی نے تو ہمیں سہارا دیا ہے ورنہ ہماری کیا اوقات تھی کہ ہم کچھ کر سکتے۔ ہم تو لٹ گئے تھے برباد ہو گئے تھے اماں بی۔"

فاطمہ بیگم خاموش ہو گئیں۔ پروین چائے لے آئی تھی۔ فاطمہ بیگم نے پروین سے کہا۔

"پروین دولہا بھائی کو دیکھا تھا؟"

"ہاں دادی اماں۔"

"کیسا لگا؟"

"دادی اماں بس مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھیں' خدا کی قسم وہ کمینہ طیب تو کبھی مجھے ایک لمحہ بھی نہ بھایا تھا۔ دادی اماں خود ثریا کئی بار روئی تھی میرے سامنے۔ کہتی تھی پروین مجھے یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ بہت عجیب لوگ ہیں۔ چھوٹی ذہنیت کے مالک۔ پتا نہیں آگے کیا ہو' بہت تشویش تھی ثریا کو۔"

"اللہ نے اسے اس کی کسی نیکی کا صلہ دیا۔"

"اماں میں اور نفل پڑھوں گا آپ لوگ آرام کیجئے۔" حکمت علی نے کہا اور جائے نماز پر جا کر سجدے میں گر گئے۔

صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ رات کو کسی نے پلک نہیں جوڑی تھی۔ صبح ہی صبح غسل کیا۔ ناشتا وغیرہ موجود تھا۔ ابھی ناشتے پر بیٹھے بھی نہیں تھے کہ امداد بیگ اور غوثیہ بیگم آگئے۔ دروازے پر دستک ہوئی تو حکمت علی نے جا کر دروازہ کھولا۔ امداد بیگ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھائی حکمت علی یہ نہ سوچیں کہ آپ کا گھر گھیر لیا ہے ہم نے۔ بس یوں سمجھیں ہم بھی ساری رات نہیں سو سکے۔ غوثیہ بیگم دعائیں مانگتی رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا ہے۔ اسے بہتر کرے۔"

"آئیے امداد بیگ بھائی قدم پکڑنے کو دل چاہتا ہے آپ کے' پیروں میں سر رکھنے کو جی چاہ رہا ہے۔ آپ نے جس طرح ہمیں اور ہماری عزت کو سہارا دیا ہے اس کے سلسلے میں ہم کیا کہیں۔ اگر الفاظ اس احساس کی ادائیگی کر سکتے تو سارے الفاظ آپ پر خرچ کر دیتے۔"

"بیٹے ہم انہیں اتنا کچھ دیں گے کہ ان کے تصور سے بھی باہر ہو۔" فاطمہ بیگم نے کہا اور پھر سر پر پڑا ہوا دوپٹہ اتار کر ہاتھوں پر پھیلا لیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"الٰہی ان نیک لوگوں کو جی کا سکون دے۔ الٰہی فوزی جہاں بھی ہے خیریت عزت اور سلامتی کے ساتھ اپنے گھر واپس آئے۔ الٰہی ہم بہت گنہگار ہیں۔ ہم نے تجھ سے بہت کچھ مانگا ہے۔ اپنے لیے لیکن سچے دل کے ساتھ آج اس بھرے وقت

میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ فوزی کو خیر و عافیت کے ساتھ واپس اس کے ماں باپ کی آغوش میں پہنچا دے۔ یاد رکھنا امداد بیگ' دل کی گہرائیوں سے کسی مظلوم کے سینے سے جو دعا نکلتی ہے بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوتی ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ فوزی واپس آئے گی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ لکھ لینا یہ امداد بیگ یہ بات اپنے دل پر لکھ لینا۔"

غوثیہ بیگم کی سسکیاں جاری ہو گئیں۔ امداد بیگ نے بھی منہ پر رومال رکھ لیا۔ حکمت علی' امداد بیگ کو سینے سے لگا کر کھڑے ہو گئے اور بولے۔

"حوصلہ رکھئے امداد بیگ حوصلہ رکھئے۔"

پروین فوراً" ہی باورچی خانے میں چلی گئی تھی۔ ویسے بھی ناشتے کا وقت تھا۔ رات کا کھانا اچھا خاصا بچا ہوا تھا۔ پروین نے گرم کیا اور ناشتا لگا دیا۔ امداد بیگ' غوثیہ بیگم' حکمت علی' فاطمہ بیگم اور نسیم بیگم ناشتے پر بیٹھ گئے تھے۔ غوثیہ بیگم نے کہا۔

"خوشی کا موقع ہے اب آپ لوگ ناشتے کی تیاریاں کیجئے لڑکی کو ناشتا بھجوانا ہو گا۔"

"اس کا بندوبست میں کر لوں گا۔ کچھ چیزیں بازار سے لے آئیں گے۔ چند چیزیں گھر میں تیار کر دی جائیں۔ ناشتا لے جائیں گے۔" امداد بیگ نے کہا۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ ہاں لڑکی کو لینے کون جائے گا؟"

"میں اور پروین جائیں گے۔" غوثیہ بیگم نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے میں خود یہی کہنے والی تھی۔" فاطمہ بیگم نے کہا۔

غوثیہ بیگم اور امداد بیگ وقت کے ستائے ہوئے تھے۔ بہت دھوکہ کھایا تھا انہوں نے اپنی انا پرستی میں اب دل گداز ہوا تھا تو اس طرح کہ ہر ایک کے کام آنے کو جی چاہتا تھا۔ آنسو ان کی آنکھوں میں رکھے ہوئے تھے۔ ہر لمحے روتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ فوزی کا چہرہ جب بھی نگاہوں میں گھومتا بس دعائیں ہی جی سے نکلتیں۔ دل ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو جاتا اور نجانے کیا کیا کہہ ڈالتا۔ بس کفارہ ادا کرنا چاہتے تھے اپنے گناہوں کا اور اس کے صلے میں اپنی بیٹی کی زندگی اور واپسی چاہتے تھے۔ ذرا سا دن چڑھا تو امداد بیگ باہر نکل گئے۔ حکمت علی بیچارے کیا کہتے جس خلوص سے یہ لوگ سب کچھ کر رہے تھے اس کے آگے بولنا تو بے معنی ہی تھا۔ بہرحال امداد بیگ بہت کچھ لے کر آئے تھے۔ پھل فروٹ وغیرہ۔ ادھر پروین کو تیار کر دیا گیا تھا۔ غوثیہ بیگم بھی تھوڑی دیر کے لیے چلی گئیں اور کپڑے وغیرہ بدل کر واپس آگئیں۔

پھر تمام تیاریاں ہو گئیں تو غوثیہ بیگم اور پروین ناشتہ لے کر شمع دان کی جانب چل پڑیں۔

★

آنکھ شمع دان میں بھی کسی کی نہیں لگی تھی۔ بھلا یہ رات بھی سونے کی رات تھی۔ شادی میں شرکت کے لیے گئے تھے اور گھر میں شادیانے بج اٹھے تھے۔ پروانہ صاحب اور شمع بیگم تو خوشی سے پاگل ہو رہے تھے۔ شعور بھی ان کے درمیان ہی موجود تھا۔ رات میں بیٹھ کر دوسرے دن کے بارے میں پروگرام بنائے گئے۔ شعور نے کہا۔

"اب چچی جان مسئلہ یہ ہے کہ کل ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔ دلہن کے لیے زیورات اور لباس خریدنا ہوں گے۔ اس کے لیے آپ کی کیا رائے ہے؟"

"شعور میاں! جیسا تم مناسب سمجھو۔ مجھے کئی طرح کے کام کرنا آتے ہیں مگر مزے کی بات تو یہ ہے کہ وقت کہاں ہے ہمارے پاس۔"

"محترمہ شمع بیگم' جن کاموں کا آپ تذکرہ کر رہی ہیں ناں آج کل نہیں چلتے۔ آپ کے اپنے پاس بھی تو آپ کے جہیز کے بہت سے کپڑے رکھے ہوئے ہیں۔"

"ان کی بات کیوں کرتے ہیں وہ تو اب ثریا بیگم کے لیے مخصوص ہو ہی گئے ہیں۔"

"بہت خوب' بہت خوب مجھے یقین تھا اس بات کا لیکن خدا کے لیے ثریا بیگم کو وہ لباس پہننے پر مجبور نہ کریں۔"

"کیوں؟" شمع بیگم نے آنکھیں نکالیں۔

"اصل میں جن لباسوں میں آپ کو میں دیکھ چکا ہوں بس یوں سمجھ لیجئے کہ ان میں سے ہر رنگ میرے شعروں میں پیوست ہو گیا ہے۔ اچھا نہیں لگے گا کہ اگر وہ شعر کسی اور پر چسپاں ہو جائے۔ آپ کا اپنا الگ ہی مقام ہے۔" پروانہ صاحب نے محبت بھرے انداز میں کہا اور شمع بیگم سر کھجاتے ہوئے انہیں دیکھنے لگیں۔

لیکن شعور سمجھ گیا تھا کہ پروانہ صاحب نے نہایت ذہانت سے شمع بیگم کے جذبات کو سہارا دیا ہے۔ قدیم طرز کے وہ لباس جو غرارے اور چوڑی دار پائجاموں پر مشتمل تھے بھلا اس دور میں قابل استعمال کہاں۔ وہ تو ماضی کی یادگار تھی جس کا نوادرات میں شمار کیا جاتا تھا۔ یہ نوادرات محفوظ ہی رہتے تو زیادہ اچھا تھا۔ ورنہ خواہ مخواہ ثریا کے لیے زحمت بن جاتے۔

شمع بیگم نے کہا۔

"اے کچھ کپڑے تو وہ پہنے گی ہی ناں۔"

"آپ اگر ہمارے جذبات مردہ کرنا چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ جن جن لباسوں میں آپ کو دیکھ چکے ہیں ان میں کسی اور کو دیکھ کر خوش نہیں ہوں گے۔"

"تو پھر آخر کیا کیا جائے؟"

"عزیزہ! اس وقت لوگوں نے انسان کی مشکلات اس قدر حل کر دی ہیں کہ بس ان کے حضور سر جھکانے کو جی چاہتا ہے۔ عظیم الشان دکانیں بکھری پڑی ہیں۔ وہاں سلے سلائے لباس مل جاتے ہیں اور ایسے کہ انسانی آنکھ اس پر ٹھہر نہ سکے اور پھر سناروں کی دکانیں بھی بارہ بجے کھل جاتی ہیں۔ ہمیں بھلا لینا ہی کیا ہے۔ بس لباس' کچھ زیورات۔ جوتے وغیرہ پرس اور ایسی ہی چند چیزیں۔ یہ تو ابتدائی عمل ہو گا بعد میں تو ہماری ثریا خود ہی اپنی پسند کے مطابق خریداری کرے گی وہ زیادہ بہتر رہے گا۔"

"یہی میں سوچ رہا ہوں۔ چچی جان آپ بتائیے۔ پروانہ صاحب آپ بھی تو کچھ رائے دیجئے۔ مجھے شادیوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"میاں ہم بھی ذرا اس معاملے میں کورے ہی ہیں۔ ہمیں اولاد کا تجربہ نہیں ہے تو شادیوں کا تجربہ کیا ہو گا؟"

"کیسی فضول باتیں کرنے بیٹھ گئے ہیں آپ۔ شادیاں نہیں کیں تو کیا باراتیں دیکھی بھی نہیں ہیں۔ بھئی شعور میاں یہ بتاؤ بے تکلفی سے کہ پیسوں کا کتنا بندوبست ہے؟"

"چچی جان' اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔ سب سے قریبی بینک سے دو لاکھ روپے نکال لاؤں گا۔ میرا خیال ہے کل کے دن کے لیے کافی ہوں گے۔ باقی پروانہ صاحب اصل مسئلہ ولیمے کا ہے۔"

"ہم نے سوچ لیا ہے۔" پروانہ صاحب آہستہ سے بولے۔

"ہمیں بھی بتائیے ناں۔"

"ولیمہ کل تو ہو گا بھی نہیں۔ پرسوں بھی نہیں ہو گا۔ اترسوں چھٹی کا دن ہے۔ بھئی یا تو ہوتا کل اور اگر کل نہیں ہو رہا تو پھر یوں سمجھ لو کہ پرسوں ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ میرا مطلب ہے اترسوں۔ جمعہ کا دن ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اور اس کے علاوہ ہم ولیمے کا انتظام کوٹھی پر کریں گے۔" پروانہ صاحب نے کہا۔

"جی' لیکن ایک مشکل پیش آئے گی پروانہ صاحب۔"

"کیا؟"

"ہمارے مہمان تو اپنی گلی ہی کے لوگ ہوں گے۔ ان سب کو وہاں تک جانے میں تکلیف نہیں ہو گی۔"

"نہیں ہو گی ہمیں بسوں کا بندوبست کرنا پڑے گا۔ دو بسیں منگوا لیں گے۔ مہمانوں کو مقررہ وقت پر جمع کریں گے اور کوٹھی لے جائیں گے۔ وہاں پہلے سے انتظامات کر دیے جائیں گے بلکہ یوں سمجھو کہ میں وہیں رہوں گا۔ تمہاری گاڑی ہے اسے بھی استعمال کرنا ہو گا۔ ایک دو کرائے کی گاڑیاں لے لیں گے۔ بھئی دیکھو یہ نہ کہنا کہ پروانہ صاحب نے اخراجات کے انبار لگا دیے۔ ہم سب کچھ دائرے میں رہ کر کریں گے لیکن بس یہ میری خواہش ہے کہ ولیمہ وہاں کوٹھی پر کروں۔"

"نہیں' بالکل ٹھیک ہے۔ وہاں جگہ بھی کشادہ ہے۔ یہاں شامیانے لگانے میں دقت ہو گی۔ کرائے کی گاڑیاں ہو جائیں ...بسیں بھی منگوائیں گے بلکہ انہیں رننگ میں رکھیں گے۔ کچھ لوگ اگر دیر سے تیار ہوتے ہیں یا رہ جاتے ہیں تو انہیں ...لیا جائے گا لیکن اصل مسئلہ کارڈ چھاپنے کا ہے۔"

"وہ بھی ہو جائے گا۔ ہماری شناسائی کچھ ایسے لوگوں سے ہے جن کا تعلق پبلشنگ وغیرہ سے ہے۔ یہ ذمے داری ہم پر ...رز دو۔ کارڈ ہم کل دوپہر کے بعد تمہیں دے دیں گے۔ تقسیم کرنا بھی کوئی مشکل مرحلہ نہیں ہو گا۔ بہت سے لوگ ہیں جو ...سلسلے میں ہماری معاونت کریں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے اچھا یہ بتائیے ولیمے میں کھانا پکوانے کا کیا بندوبست ہے؟"

"میاں کل کے اخراجات مکمل کر لیں اس کے بعد دیکھیں گے۔"

"نہیں اخراجات کی آپ بالکل فکر نہ کریں۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم نے خرچ ہی کیا کیا ہے جو کما رہے ہیں وہ جمع کر ...ہے ہیں۔ پیسے بہت ہیں پیسوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے میرے طاہر کی شادی ہوئی ہے اور وہ اس طرح ہوئی ہے کہ ...نہ صاحب میں اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا۔"

"میاں اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ طاہر ایک کھلنڈرا شوخ نوجوان ہے۔ آج تک اس نے کبھی سنجیدگی سے کوئی بات نہیں ...زندگی کے کسی موڑ پر وہ اس قدر سنجیدہ ہو جائے گا تم نے سوچا تھا شعور میاں؟"

"نہیں اس انداز میں تو بالکل نہیں سوچا تھا لیکن آپ سے عرض کر دوں بہت حساس اور جذباتی نوجوان ہے کوئی بات ...ذہن کو متاثر کر جائے تو آپ یقین کیجئے اس کے لیے جان بھی دے سکتا ہے۔ میں نے تو ہمیشہ اس کے لیے دعائیں مانگی ہیں ...اللہ تعالیٰ اسے کہیں کسی ایسے مسئلے پر جذباتی نہ کر دے۔ بہرحال جس جگہ وہ جذباتی ہوا ہے وہ بڑی مبارک ہے اور میں ...کو اپنی خوشیوں کے بارے میں بتا نہیں سکتا۔"

"میاں بہت بڑا کام ہوا ہے قسم خدا کی اتنا بڑا کام ہوا ہے کہ میں خود شاید اس معیار کا ایثار نہ کر سکتا۔ ویسے شمع بیگم ...کیسی ہے ہماری؟"

"چندے آفتاب چندے ماہتاب۔"

"چلو ٹھیک ہے عرصہ دراز سے انہی دونوں کو رگڑا جا رہا ہے۔ بی بی آفتاب بہت گرم ہوتا ہے اور ماہتاب میں اتنے ...ے ہیں کہ انسان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے اب تو کوئی اور ہی مثال زیادہ مناسب ہے۔ زہرہ یا مشتری کی اصل شکل سامنے ...آئی ہے ورنہ ہم اس کی مثال دیتے۔"

"اب یہ ساری باتیں تو میں نہیں جانتی لیکن بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ میں نے بھی اتفاق سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ...ن علی سے کچھ زیادہ رسم و راہ ہی نہ رہی لیکن دلہن بہت اچھی ہے۔"

"یقیناً سب کچھ اچھا ہی ہو گا جو لوگ ایسے نیک کام کرتے ہیں خدا ان کے لیے کبھی برائی نہیں سوچتا۔"

"تو پھر یہ تمام باتیں طے۔" شمع بیگم نے کہا۔

"چچی جان آپ میرے ساتھ خریداری کے لیے چلیں گی۔ زیورات اور کپڑوں وغیرہ کا انتخاب کریں گی اور کل ہم لوگ ...چیزیں خرید لائیں گے اور دلہن کو دے دیں گے۔ ارے ہاں وہ احمق منہ دکھائی کے لیے بھی کچھ نہ لایا ہو گا وہ بھی لانا ...

"بھئی دیکھو اب قصور کسی کا نہیں ہے۔ سارے کام جلد بازی میں ہوئے ہیں۔ کل کا دن ہم سب کچھ کر لیں گے۔ ان ...اسے معذرت بھی کریں گے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو شمع بیگم ہم ان لوگوں سے معذرت کریں گے۔ ارے وہ لوگ خود اتنے زیادہ متاثر ہیں کہ میں بیان ...کر سکتا۔" پروانہ صاحب نے کہا۔

"لیکن پروانہ صاحب' انہیں اتنی محبت سے خوش آمدید کہنا ہے اس مسئلے میں کہ انہیں یہ احساس نہ ہو سکے کہ ہم نے ...ایثار کیا ہے ان کے لیے۔"

"یقیناً شعور میاں یقیناً" ایسا ہی ہو گا۔ ظاہر ہے جب یہ سب کچھ کیا ہے تو اس کے ساتھ کے لوازمات بھی ضروری
"

وقت گزرتا رہا۔ رات بھر گپیں ہوتی رہیں اور شعور کے ذہن میں بار بار طاہر کا تصور آتا رہا۔ وہ ہنستا رہا۔ طاہر شوہر کی
ت سے کیسا لگے گا۔ بہرحال کمال کا کارنامہ سرانجام دیا تھا اس نے۔ سورج کی شعاعیں زمین تک اتر آئیں اور معمولات
از ہو گیا۔ شعور یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ وہ ناشتے کا بندوبست کر کے آتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد واپس آیا تو اچھا خاصا ناشتا
ر آیا تھا۔ شمع بیگم نے اسے محفوظ کر دیا۔ دلہن اور دولہا کے جاگنے کا انتظار تھا پھر اوپر سے آہٹیں سنائی دیں اور طاہر
وس نیچے اترتا ہوا نظر آیا۔ پہلے اس نے دروازہ میں جھانکا اس کے بعد اندر کی جانب۔ شمع پروانہ اور شعور دم سادھ کر
ئے تھے۔ طاہر چوروں کی طرح نیچے اترا ادھر ادھر دیکھا۔ منہ ہاتھ دھویا اور بال وغیرہ سنوارنے لگا۔ اس کے بعد دبے
ں میں ان لوگوں کو جھانکنے کے لیے کمرے کے اندر گھسا۔ سب ایک ساتھ ہنس پڑے۔
"لاحول ولا قوۃ تک ـــــ کیا کیا یعنی کیا مطلب ہے آپ لوگ چپ چاپ کیوں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے تو یہ خیال
تھا کہ کہیں آپ لوگوں کی آنکھ نہ کھل جائے اور آپ مجھے گھس رہے تھے۔ شعور اے شعور یہ دانت بند کر لے ورنہ
ہو گا۔"
شعور کے حلق سے بے اختیار قہقہے ابلنے لگے تھے۔ پروانہ صاحب اور شمع بیگم بھی پیٹ پکڑ کر ہنس رہے تھے۔
"کمال ہے یعنی میں نے کوئی ایسی حماقت کی ہے جس پر میرا اس قدر مذاق اڑایا جا رہا ہے۔"
"ہاں اندر آؤ اندر کس بدحواسی کا شکار ہو۔ کیا ہو گیا' کوئی پریشانی ہے؟؟"
"پروانہ صاحب آپ بھی مجھے چھیڑ رہے ہیں؟" طاہر نے عجیب سے انداز میں کہا اور ایک بار پھر قہقہے ابل پڑے۔
"ہاں تمہیں واللہ' کس انداز میں پیش آ رہے ہو۔ میاں ایسی حرکتیں نہ کرو کہ مشکوک ہو جاؤ۔ آؤ بیٹھو کس پریشانی کا
ر' دلہن جاگ گئیں کیا؟"
"جی ہاں جاگ گئی ہیں۔"
"ایں ایں یہ لہجہ کیا مطلب؟" پروانہ صاحب بولے۔
"آپ لوگ مذاق ہی اتنا اڑا رہے ہیں میرا کہ کچھ کہتے نہیں بن پا رہا۔"
"اچھا اچھا چلو بیٹھو۔"
"میاں طاہر ایک بات بتاؤ تمہیں میری قسم؟" شمع بیگم نے کہا۔
"ارے چچی جان کوئی ایسی ویسی بات مت پوچھ لیجئے اپنی قسم دے کر۔ آپ کو بھی میری قسم۔"
"نہیں میاں پہلے میں قسم دے چکی ہوں جو پوچھوں گی بتانا پڑے گا۔ کہے دیتی ہوں ورنہ ناراض ہو جاؤں گی۔"
"نہیں چچی جان۔ اچھا چلئے پوچھئے۔"
"دلہن کیسی لگی؟" شمع بیگم نے سوال کیا اور طاہر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر شعور اور پروانہ صاحب کو دیکھنے لگا۔ پھر منہ بسور

"اگر کہوں گا کہ بہت اچھی لگی تو یہ دونوں میرا اتنا مذاق اڑائیں گے کہ جینا مشکل ہو جائے گا۔"
قہقہے قہقہے اور صرف قہقہے۔ پروانہ صاحب بھی پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہے تھے پھر انہوں نے کہا۔
"بھئی وعدہ ہے' قسم کھاتے ہیں کہ اس سلسلے میں تمہارا مذاق نہیں اڑائیں گے۔ اب ہمیں یہ بتا دو مطمئن ہو پوری
یا سے؟"

"ہاں پروانہ صاحب۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔" طاہر نے اس بار پوری سنجیدگی سے کہا۔
"خدا کا بے حد احسان ہے کہ اس نے بہت خوش اسلوبی سے معاملہ طے کرا دیا ہے۔ اچھا بھئی اب ناشتے کی تیاریاں
کی جائیں کیا خیال ہے؟"
"میری رائے ہے کہ تھوڑی دیر انتظار کر لیا جائے۔" شمع بیگم نے کہا۔

"کیوں؟ کیا مطلب؟"

"ہو سکتا ہے دلہن والوں کی طرف سے ناشتہ آئے۔"

"ارے خدا کی بندی اتنا ناشتہ آگیا ہے اب دلہن والوں کے گھر کے ناشتے کا انتظار کرو گی۔" پروانہ صاحب نے کہا۔

"آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ساری جانکاری ہے آپ کو اور کبھی بالکل بچوں جیسی باتیں کرنے لگ ہیں۔ میں کوئی دلہن والوں کے ہاں کے ناشتے کا انتظار کر رہی ہوں۔ ایک طریقہ ہوتا ہے۔ بس تھوڑی دیر انتظار کیے لیں ہیں۔ ورنہ ضروری تو نہیں ہے ہم لوگ ناشتا کر چکے اور وہ لوگ لے آئے تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"ہاں ہاں چچی جان کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم انتظار کیے لیتے ہیں۔"

"تو پھر اب تم اوپر جاؤ۔ دلہن کو تیار کرا کر لے آؤ۔ بھئی اس سے معذرت کر لینا کہ ہمارا گھر چھوٹا سا ہے۔ آسائشوں کا فقدان ہے یہاں لیکن نیکن دیکھیں گے۔ ہر ضرورت پوری کر لیں گے۔ سب کچھ کرنا ہو گا ارے اب تو مصروفیت کا وقت ہے۔"

شمع بیگم اوپر چلی گئیں اور وہاں پہنچ کر ثریا کو تیار کرنے لگیں۔ ثریا کے چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ شمع بیگم کو کم از کم زندگی کا اتنا تجربہ تو تھا کہ چہروں کے اندازے لگا لیتیں۔ ادھر طاہر بھی خوش تھا اور ثریا اس طرح شمع بیگم کے سینے لگی تھی کہ خود شمع بیگم کا دل بھر آیا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ یہ محبت سپاس گزاری کا انداز ہے۔ بہت ہی پیار سے انہوں نے ثریا کو تیار کرایا اور کہنے لگیں۔

"ثریا بیٹی ذرہ برابر فکر مت کرنا کسی بات کی اصل میں جس طرح سے یہ سب کچھ ہوا ہے اس میں ظاہر ہے پہلے سے تیاری نہیں تھی لیکن اللہ نے چاہا تو تمہیں زندگی کی وہ تمام خوشیاں ملیں گی جو انسانی ضرورت ہوتی ہے۔ بس ہم لوگ اناڑی ہی ہیں۔ اس سلسلے میں، تم اپنا سارا انتظام خود سنبھالو گی اور یہ مت سوچنا کہ میں کہیں اس میں مداخلت کروں گی۔ تمہاری ہر خوشی میں خوش رہوں گی۔"

"چچی جان۔" ثریا، شمع بیگم کے سینے سے لپٹ گئی۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ پروانہ صاحب کی چیخیں سنائی دیں۔

"ارے بھئی شمع بیگم کہاں ہو، جلدی آؤ مہمان آئے ہیں۔ دلہن بیگم کا ناشتا آیا ہے۔"

"آ رہی ہوں، مہمانوں کو اندر بھیج دیجیے گا۔" شمع بیگم کی آواز سنائی دی۔ پروین اور غوثیہ بیگم خود بھی صبر نہ کر سکی تھیں۔ اندر پہنچ گئیں۔ غوثیہ بیگم نے ثریا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پروین اس کے گلے لگ گئی۔ ثریا نے پروین کو اپنے سے بھینچ لیا تھا۔ غوثیہ بیگم نے بغور ثریا کو دیکھا خود بھی تجربے کار تھیں۔ اندازہ لگا لیا کہ سب کچھ درست ہے۔ چند لمحا کے پاس رکیں۔ اس کے بعد دونوں بہنوں کو تنہا چھوڑ کر شمع بیگم کے ساتھ باہر نکل آئیں۔ شمع بیگم نے کہا۔

"پروین بیٹی۔ ثریا کو تیار کر کے باہر لے آؤ۔ میں ناشتا لگواتی ہوں۔"

ان دونوں کے باہر نکلتے ہی پروین نے ثریا کی پیشانی چوم لی اور محبت بھرے لہجے میں بولی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ ثریا بہت پیاری لگ رہی ہو۔ خدا تمہیں اس کائنات کی ساری خوشیاں بخش دے۔ جلدی سے ٹھنڈا کر دو ثریا۔ جلدی سے تمہیں خدا کا واسطہ۔ مجھے بتاؤ طاہر بھائی کیسے انسان ہیں؟"

ثریا نے شرگین نگاہوں سے پروین کو دیکھا آگے بڑھی اور مسکرا کر ایک بار پھر بہن سے لپٹ گئی۔ پھر اس نے لہجے میں کہا۔

"پروین نجانے کب۔ نجانے کب میں نے زندگی میں کوئی نیکی کی تھی۔ جس کا صلہ مجھے طاہر کی شکل میں ملا ہے۔"

"سچ ثریا سچ باجی؟"

"ہاں پروین بہت نفیس انسان ہیں۔ اتنے ہنس مکھ اتنے خوش اخلاق اور اور اتنی محبت کرنے والے کہ۔ کہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں تو یہ سوچتی ہوں کہ یہ سب کچھ کوئی خواب تو نہیں ہے۔ پروین اگر یہ خواب ہوا تو یقین کرو اس سے جاگ کر میں ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکوں گی۔"

"خدا کا احسان ہے۔ خدا کا احسان ہے ثریا کہ اس نے تمہیں ایک مشکل سے نکال کر آسانیاں فراہم کیں

سے نکال کر جنت میں پہنچا دیا۔ میں بہت خوش ہوں چلو اب تیار ہو جاؤ باہر چلنا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد ثریا اور پروین باہر آ گئیں۔ ناشتا لگا دیا گیا تھا۔ غوثیہ بیگم بھی پوری محبت سے شمع بیگم کا ہاتھ بٹا رہی ہے۔ انہوں نے شمع بیگم سے کہا۔

"بھئی شمع آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم صرف لڑکی والے ہیں۔ بھئی ہمیں تو دوہری، دوہری حیثیت حاصل ہے۔ آپ لوگ ہمیں اپنی ذمہ داریوں میں شریک کریں۔"

"کیوں نہیں غوثیہ بیگم ہم تو ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہیں آپ بالکل فکر نہ کریں۔ جو بھی ضرورت ہوئی۔ وہ آپ کو مداد بیگ صاحب کو فوراً بتا دی جائے گی۔"

"یقیناً مجھے بے حد خوشی ہو گی۔" غوثیہ بیگم نے کہا۔

غرض یہ کہ ناشتا کیا گیا۔ ناشتے کے بعد غوثیہ بیگم نے کہا۔ "تو پھر اب ہم دلہن کو لے جائیں اپنے ساتھ، آپ تیار کرا گا۔"

"ہاں بالکل آپ کی بچی ہے۔ لے جائیے۔ باقی غوثیہ بیگم بہت سے معاملات طے کرنے کے لیے ہمیں بھی وہاں آنا ہو

"ہاں بالکل آپ لوگ کیوں نہیں آئیں گے۔ شام کا کھانا آپ تمام حضرات ہمارے ساتھ ہی کھائیں اور طاہر میاں کو آنا ہے۔"

"ٹھیک ہے بالکل۔" پروانہ صاحب نے یہ دعوت خوشی سے قبول کر لی پھر غوثیہ بیگم سے بولے۔

"لیکن ایک بات سن لیجیے غوثیہ بیگم آپ کو بھی اتنا ہی تعاون کرنا ہو گا ہم سے جتنا ہم آپ سے کر رہے ہیں۔"

"کچھ سمجھی نہیں پروانہ صاحب۔"

"شام کا کھانا کچھ اس قسم کا ہو گا کہ ہم اپنے آپ کو مہمان نہ محسوس کریں اگر آپ نے کوئی بھی اہتمام کیا تو سچی بات ہے مزہ نہیں آئے گا۔"

"نہیں آپ مطمئن رہیں ہر کام اسی انداز میں ہو گا جس میں ہم سب خوش ہوں۔" غوثیہ بیگم نے کہا۔

ثریا کو تیار کیا گیا اور اس کے بعد شعور نے ان لوگوں کو گاڑی میں ان کے گھر تک چھوڑا۔ اس سے پہلے شعور کچھ گفتگو کا تھا۔ پروانہ صاحب سے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہیں سے وہیں بینک نکل جائے تاکہ دیر نہ ہو جائے۔ ان لوگوں کو ایک رہ پر چھوڑنے کے بعد شعور چلا گیا۔ پروانہ صاحب اور شمع بیگم اس سلسلے میں مزید گفتگو کرنے لگے۔ کوئی ایک گھنٹے کے عور واپس آیا اور اس نے نوٹوں کے بنڈل پروانہ صاحب کے حوالے کر دیے۔ پھر بولا۔

"چچی جان آپ تیار ہو جائیے، ہمیں ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔"

شمع بیگم نے جلدی جلدی لباس وغیرہ تبدیل کیا اور اس کے بعد پروانہ صاحب، شمع بیگم اور شعور باہر نکل آئے۔ طاہر کو ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔

طاہر خاموشی سے ان سب لوگوں کی یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ تنہائی میں اس نے سوچا کہ درحقیقت جو کچھ ہوا ہے جذباتی زمیں ہوا ہے لیکن بعض اوقات جذبات کے زیر اثر اٹھایا ہوا کوئی قدم بھی کسی قدر مبارک ثابت ہوتا ہے۔ ثریا جیسی حیات اس طرح مل گئی تھی کہ ان تمام لمحات پر خواب کا سا گمان ہوتا تھا لیکن کیا ہی حسین خواب ہے یہ، اتنا حسین لکش کہ انسان کا اس خواب سے آنکھ کھولنے کو جی نہ چاہے۔

دو ڈھائی بلکہ تین گھنٹے کے بعد یہ قافلہ خریداری کر کے واپس لوٹا تھا، ایسے ایسے حسین جوڑے خریدے گئے تھے کہ کے قابل تھے اس کے علاوہ دو سیٹ خریدے گئے تھے جو بہت قیمتی تھے، کچھ انگوٹھیاں اور ایک الگ سے سیٹ جو طاہر کو کھائی میں دینا تھا، گیارہ جوڑے خریدے گئے تھے اور اس کے ساتھ ہی گھر میں پہننے کے بہت سے جوڑے، جنہیں بری شامل نہیں کیا جانا تھا۔ باقی لوازمات سے گریز کیا گیا تھا۔ البتہ شمع بیگم نے جدت کا ثبوت دیتے ہوئے میک اپ کا سامان کی تمام چیزیں جو دلہن کے استعمال میں آ سکتی ہیں، خریدی تھیں۔ ان تمام چیزوں کو گھر لا کر اہتمام سے پیک کیا گیا اور

اس کام میں شمع بیگم اور پروانہ صاحب دونوں ہی شریک رہے تھے' شعور کو موقع ملا تو طاہر کو اپنے ساتھ اوپر لے گیا۔ جھینپا جھینپا نظر آرہا تھا۔ کہنے لگا۔

"دیکھ شعور یار جو کچھ ہوا ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بس خبط الحواسی تھی لیکن اب میرا مذاق نہ اڑانا۔"

"نہیں طاہر تو مذاق اڑانے کی کیا بات کر رہا ہے یقین کر میں نے ساری زندگی تیرے ساتھ گزاری ہے لیکن تجھ عظیم نہیں سمجھا تھا میں نے۔ تو نے جو کچھ کیا ہے طاہر اس نے میرا سر فخر سے اونچا کر دیا ہے۔"

"ایمانداری سے کہہ رہا ہے۔"

"بالکل ایمانداری سے۔"

"تب ٹھیک ہے۔ اچھا یہ بتاؤ چچا عبدالغفور کہ یہ پیسے کہاں سے خرچ ہو رہے ہیں؟"

"ابے یار تجھے اس کی فکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے آخر کمایا کس لیے ہے میں نے' جمع کرتا رہا ہوں۔ ابھی بہت ہیں میرے پاس اور ولیمے وغیرہ کے مسئلے میں بھی بات ہو چکی ہے۔"

"ولیمہ بھی ہوگا؟"

"ضروری ہے۔"

"مگر یار یہ خرچ بہت کر ڈالا۔"

"تو فکر کیوں کرتا ہے۔ جب میری شادی ہو تو تو اپنی پسند سے خرچ کر لینا۔ ایسی کیا بات ہے۔"

"ہاں پھر ٹھیک ہے۔" طاہر نے مطمئن ہو کر کہا۔

"اچھا اب ان ساری باتوں سے مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ یہ بتاؤ ثریا کیسی ہے؟"

"بہت اچھی لڑکی ہے شعور' مجھے حیرت ہے کہ حکمت علی صاحب کے گھر میں اتنی نفیس لڑکی موجود تھی۔ بہرحال ذہن میں کبھی ایسا کوئی تصور نہیں ابھرا تھا۔ میرا مطلب ہے کوئی عشق محبت والا مسئلہ تو تھا نہیں۔ میں یہ سب کچھ کر کے خوش ہوں۔"

"خدا تجھے کائنات کی ہر خوشی سے ہمکنار کرے اچھا ایک بات بتاؤ۔ ثریا کے یہاں رہنے وغیرہ کے بارے میں کوئی بات ہوئی؟"

"بالکل نہیں ابھی تو ظاہر ہے ہم دونوں پر ایک سحر سا طاری ہے' یقین نہیں آرہا کہ یہ سب کچھ ہو گیا ہے۔"

"ہوں' بہت باتیں بنانی آگئی ہیں۔ چلو خیر ٹھیک ہے' اب یہ اپنے کپڑے بھی رکھ لو' یہ دو تین سوٹ لایا ہوا تمہارے لئے۔" شعور نے کہا اور نیچے جا کر ایک بنڈل اٹھا لایا۔

"میرے لیے؟"

"تو اور کیا۔ پرانے سوٹ پہنتے کیا؟"

"نہیں ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' شعور ٹھیک ہے۔" طاہر نے کہا اور پھر خوشدلی سے مسکرانے لگا۔ شعور کہنے لگا۔

"کوئی پریشانی تو نہیں ہو رہی ہے؟"

"کیسی پریشانی؟"

"میرا مقصد ہے انتظار وغیرہ کی۔"

"ہو تو رہی ہے یار۔ عجیب ہوتی ہے یہ انسانی سرشت بھی۔"

بہرحال خدا خدا کر کے شام ہوئی' شمع بیگم اپنے تمام انتظامات مکمل کر چکی تھیں' شام کو ساڑھے چھ بجے کے قر لوگ گھر سے نکلے' سامان کی وجہ سے کار بھی ساتھ لینا پڑی تھی۔ پوری گلی کے لوگ اس سلسلے میں دلچسپی لے رہے تھے ایک سو گیارہ نمبر مکان کے سامنے رک گئی اور اس میں سے سامان اتارا جانے لگا۔

فاطمہ بیگم' نسیم بیگم' پروین' ثریا' غوثیہ بیگم امداد بیگ صاحب وغیرہ پذیرائی کے لیے موجود تھے مہمانوں میں یہ افراد تھے۔ بہرحال انہیں خوشدلی سے خوش آمدید کہا گیا اور فاطمہ بیگم اور نسیم بیگم نے پہلی بار طاہر کو غور سے دیکھا

صاحب نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا اور پھر بے اختیار ہو کر اسے سینے سے بھینچ لیا مہمانوں کو اندر بٹھایا گیا۔ ثریا سامنے ہی موجود تھی فاطمہ بیگم خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ غوثیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہئے اماں بی آپ کو اپنا داماد پسند آیا؟"

"مجھ سے اس بارے میں کچھ سوال نہ کرو' بس یوں سمجھو اللہ نے مجھے میری تمام زندگی کی عبادتوں کا صلہ دے دیا ہے۔" فاطمہ بیگم گلوگیر لہجے میں بولیں اور آگے بڑھ کر طاہر سے لپٹ گئیں۔

طاہر خود بھی ایک ایک کی پذیرائی کر رہا تھا' یہ سب کچھ انسانی جذبوں کے تحت تھا اور ضروری تھا اس میں نہ کسی کے ق اڑانے کا خیال کرنا تھا اور نہ کسی اور بات کا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ کس مشکل میں گرفتار تھے اور اب ان کے جذبات حقیقی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب جوڑے اور سامان ان کے سامنے رکھا گیا تو فاطمہ بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں وں نے بہو کی جانب دیکھا اور پھر غوثیہ بیگم کی طرف۔ غوثیہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"یہ سب ثریا کی تقدیر ہے' آپ میں سے کوئی اس پر اعتراض نہیں کرے گا۔"

فاطمہ بیگم کہنے لگیں' "پروانہ صاحب ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں آپ ہی سے کہہ سکتے ہیں' آپ کے سامنے ہی کہیں گے۔ رے کم بختوں نے ابھی تک کوئی خبر نہیں لی۔ حالانکہ اصولی طور پر انہیں سب سے پہلا کام یہی کرنا چاہیے تھا کہ ہمارا یا ہوا جہیز واپس کر دیتے۔"

"آپ کیا سمجھتی ہیں' حلق میں انگلی ڈال کر نکلوالوں گا' ایسے تو ہضم نہیں کر سکتے شوکت علی صاحب۔ میں کیس پولیس دے دوں گا اور پولیس سارا سامان برآمد کر لے گی۔ باقاعدہ کیس بنتا ہے ان پر' پورا محلّہ گواہی دے گا۔" امداد بیگ ب بولے۔

"لعنت بھیجئے دادی اماں' لعنت بھیجئے' تھوکیے ہر چیز پر ہمیں کچھ نہیں چاہیے' ثریا کی تقدیر کا ہمارے پاس اتنا موجود ہے بس ثریا کو جہیز میں آپ اتنی دعائیں دیجئے کہ ان دونوں کو کبھی زندگی میں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔" شعور نے کہا اور فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حکمت علی نے بھی سر جھکا لیا تھا۔ اتنے اچھے لوگ مل جائیں گے اور اس طرح ں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

❀

شکیل چلا گیا' سلطانہ جمالی حیران سی بیٹھی رہ گئی۔ اس نے اس وقت پورے اعتماد سے شکیل کے الفاظ سنے تھے' اسے کے لیے پیشکش بھی کی تھیں لیکن جب شکیل موجود نہ رہا تو وہ سوچتی رہی اور پھر اچانک ہی اس کے ذہن کو کئی جھٹکے ۔ کیا واقعی وہ ہو گیا ہے جو ذہن میں ہے' کیا یہ سب کچھ ہو گیا ہے' کیا شکیل سے اس کا کوئی واسطہ نہیں رہا۔ وہ چند لمحوں لیے بھونچکی سی ہو گئی۔ نادر شاہ ایک سمت بیٹھا ہوا گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا' سلطانہ جمالی بہت دیر تک ش رہی اور جب یہ خاموشی طویل ہو گئی تو نادر شاہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"لٹ گئی دلی۔"

سلطانہ جمالی چونک پڑی۔ اس نے نادر شاہ کو دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

"کیا کہا تم نے ــــ کیا کہا نادر شاہ' ذرا پھر سے کہو؟"

نادر شاہ اپنی جگہ سے اٹھا' سلطانہ جمالی کے قریب پہنچا اور آہستہ سے بولا۔

"لگتا ہے جیسے تم اپنے کیے پر پشیمان ہو؟"

"تم نے کہا تھا لٹ گئی دلی۔ کیا واقعی دلی لٹ گئی؟"

"نادر شاہ کے قدم دلی میں پہنچیں اور دلی نہ لٹے مگر محترمہ سلطانہ جمالی کیا آپ اپنے آپ کو دلی سمجھ رہی ہیں۔"

"نادر شاہ ایک بات بتاؤ؟"

"پوچھو پوچھو۔"

"کیا یہ سب کچھ ٹھیک ہوا؟ کیا اس کا یہ قدم درست تھا۔ کیا میرا یہ فیصلہ درست ہے؟"

"غور کرنا چاہتی ہو اس بات پر تو کر سکتی ہو۔ تمہاری مرضی ہے۔ میں نے تمہیں پہلے روکا تھا نہ اب روکنا چاہتا ہوں
مطلب کیا ہے تمہاری اس بات کا؟"

"نہیں میرا مطلب۔ میرا مطلب ہے نادر شاہ' مجھے یہ سب کچھ بہت عجیب لگ رہا ہے۔"

"میڈم سلطانہ جمالی' سب سے پہلے تو آپ اپنا تجزیہ کیجئے اگر آپ اپنا تجزیہ نہیں کر پا رہیں تو مستقبل میں آپ سے
امید رکھی جا سکتی ہے آپ تو ایک متزلزل ذہن کی مالک خاتون معلوم ہوتی ہیں' آج تک آپ کا پرابلم یہ تھا کہ آپ جلد
میں بقول آپ کے شکیل سے شادی کر بیٹھیں ہیں آپ کا خیال یہ تھا کہ شکیل آپ کو آسانی سے طلاق نہیں دے گا
آسانی سے یہ سب کچھ ہو گیا اب آپ کا ذہن اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"ہاں نادر شاہ یہ سچ ہے' میرا ذہن ان تمام باتوں کو تسلیم نہیں کر رہا۔ ایسے فیصلے تو برسوں میں ہوتے ہیں یہ سب
نجانے کتنے عرصے سوچنے سمجھنے کے بعد کیا جاتا ہے یہ سب کچھ کیا اس قدر آسانی سے ہوتا ہے' ایسے ہو جاتا ہے سب کچھ

"لٹ گئی دلی۔ اب اس احمقانہ سوال کی کیا گنجائش ہے؟ بھئی وہ ہوش و حواس کے عالم میں میری گواہی میں
طلاق دے کر گیا ہے اور اپنے واجبات بھی چھوڑ گیا ہے۔"

"کیا وہ مجھ سے اس قدر اکتا گیا تھا۔ یا پھر یا پھر۔ مگر نہیں۔ اکتایا کہاں تھا وہ مجھ سے' وہ تو بس' اصل میں نادر شاہ
ہے نا یہ۔ ایک جذباتی حادثہ ہے میں یہ سوچ رہی ہوں کہ میں نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے' مجھے اصل میں اس سے
ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

"اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ شاید تم اس سے محبت کرتی ہو۔ شاید تم اپنا تجزیہ خود نہیں کر پائیں' تم یہ فیصلہ
کر پائیں سلطانہ جمالی کہ تم مجھے زیادہ چاہتی ہو یا اسے۔ حالانکہ تم نے کہا تھا کہ میری یاد ایک ایک لمحہ تمہارے دل میں
رہی ہے' تم نے مجھے کبھی فراموش نہیں کیا۔ تم نے یہ بھی کہا تھا سلطانہ جمالی کہ مجھ سے مایوس ہو کر تم نے سہارے
کئے تھے اور ان میں پہلا شخص یہ آ گیا تھا اور اسے ہی تم نے زندگی کا ساتھی بنا لیا اور اب اس بات پہ پشیمان ہو کہا
نے؟"

"ہاں میں نے کہا تھا۔"

"تو اب تم اس بات پر پشیمان ہو رہی ہو کہ اس نے تمہیں طلاق دے دی۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے' میرے ہاتھ پاؤں میں سنسناہٹ ہو رہی ہے' میرے ذہن میں بہت سی سوچیں ہیں۔"

"مثلاً"

"اس نے۔۔۔ اس نے مجھے سنبھال لیا تھا نادر شاہ تمہیں اندازہ نہیں ہو گا کہ اس نے مجھے ذہنی طور پر بہت سکون دیا
تھا' اس نے میری تنہائی دور کر دی تھی میرے کاروبار کو اس نے اس طرح اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا کہ میں ہر
فکروں سے بے نیاز ہو گئی تھی اور اب۔۔۔ اب وہ کبھی نہیں آئے گا۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے اس کائنات میں واحد وہی شخص ہے جو تمہارے کاروبار کو سنبھال سکتا ہے' یہ کام میں
دوں گا سلطانہ جمالی۔ تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ اپنے آپ کو تمام پریشانیوں سے آزاد کر لو۔"

"مرزا تصور بیگ کا چکر چل رہا تھا' کروڑوں روپے کا فائدہ ہو جانے کی امید تھی۔ اور' اور اس کے بعد افتخار برنی
بڑی بڑی رقمیں مختلف لوگوں نے کھائی ہوئی ہیں۔ کروڑوں کے معاملات ہیں' وہ بہت سخت انسان تھا۔ ہر کام اپنی مرضی کے
مطابق کر لینے کا عادی۔"

"تمہیں اپنی مرضی کے مطابق اپنے آپ سے محبت کر لینے پر مجبور نہیں کر سکا وہ' باقی کیا کر سکا ہو گا۔ چھوڑو ان باتوں کو
لاؤ ذرا مرزا تصور بیگ کے کاغذات مجھے دو۔ اب یہاں کا تمام نظام میں سنبھالوں گا۔ جو کام وہ سرانجام دے رہا تھا
کروں گا۔" نادر شاہ نے کہا اور سلطانہ جمالی ہنسنے لگی پھر بولی۔

"ہاں میں بہر طور ایک کاروباری عورت ہوں' مجھے ذہنی طور پر اس معاملے میں بھی مطمئن کر دو نادر شاہ۔"

"میں اپنی پوری پوری کوشش کروں گا۔" نادر شاہ نے جواب دیا پھر بولا۔ "اچھا اب چلو آؤ' کہیں چلتے ہیں گھو

...ریں گے' رات کو کلب چلیں گے' تمہارا دل بہل جائے گا' میں تو سمجھتا ہوں' یہ بہت اچھا ہوا' ہمیں انگلیاں ٹیڑھی نہ کرنی
...یں اگر وہ سختی پر آمادہ ہو جاتا تو خود نقصان اٹھاتا' تم جانتی ہو میرا غصہ خراب ہے۔ چلو تیار ہو جاؤ بھئی' یہ سب کیا چکر چلایا
...ا ہے۔" نادر شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا اور اسے اندر لے گیا پھر اس نے اپنی پسند سے سلطانہ جمالی کو
...اس نکال کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اسے کار میں لے کر چل پڑا۔

نادر شاہ درحقیقت سلطانہ جمالی کو بہت عرصے سے پسند تھا اس کی فطرت کی بنیاد پر سلطانہ جمالی نے اس کا تصور چھوڑ دیا
...اور اس کے بعد اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتی رہی تھی' یہاں تک کہ شکیل اس کی زندگی میں آیا۔ بات یہاں تک پہنچی
...ن درمیان میں نادر شاہ پھر کود پڑا۔ سلطانہ جمالی کو احساس ہوا کہ اس کے دل میں آج بھی نادر شاہ کے لیے وہی محبت موجود
...ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ نادر شاہ ذرا مختلف قسم کا انسان تھا' شکیل کے اندر ایک مجوبیت تھی ایک جھجک تھی
...ے جھکاؤ تھا جبکہ نادر شاہ ایک سرکش گھوڑے کی مانند تھا۔ گردن اٹھا کر سینہ تان کر دوڑنے والا پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے والا۔
...ے نادر شاہ کی یہی کیفیت پسند تھی۔ شکیل اس معیار پر پورا نہیں اترتا تھا اور اس کی وجہ اس کی ذہنی پسماندگی تھی' وہ جس
...ل سے تعلق رکھتا تھا اس میں سرکشی ممکن نہیں تھی اس کے لیے' چاہے اس کے ساتھ میں پوری زندگی گزار دی
...ئے۔

نادر شاہ اسے دن بھر گھماتا رہا۔ رات کو کلب کی تفریحات میں بھی حصہ لیا پھر خواب گاہ میں بستر پر لیٹ کر اس نے
...ل کے بارے میں سوچا اپنے آپ کو سمجھایا جو کچھ ہو چکا ہے اب اس کی واپسی ممکن نہیں ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک
...ا ہے کہ شکیل انتہائی شریف انسان تھا اس نے آج تک سلطانہ جمالی کو کسی ذہنی کوفت کا شکار نہیں ہونے دیا۔ وہ ہمیشہ
...ی بہتری کا خواہاں رہا۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن اب یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ شکیل
...اب اس کے ناتے ٹوٹ چکے ہیں کیا نادر شاہ اس کی جگہ با آسانی پر کر لے گا' نادر شاہ بہر طور شکیل سے زیادہ ذہین اور محنتی
...ا ہو سکتا۔ مرزا تصور بیگ والا معاملہ ہے افتخار برنی ہے اور بھی کئی نام ہیں وہ کرے گا کیا۔ اچھی خاصی زندگی تھی۔ پتا
...ا اس نے اتنی جلد بازی کیسے کر ڈالی۔ کیا وہ بھی مجھ سے اکتا گیا تھا۔ لیکن' لیکن میرا اپنا انداز۔ ہاں' درحقیقت وہ جس
...ا کا پروردہ تھا اس میں عورت کا ایک الگ ہی مقام ہوتا ہے۔ میں اسے وہ معیار کسی طور نہیں دے سکتی تھی' کیونکہ وہ
...پسماندہ ذہنیت کا معیار تھا زندگی تو کھل کھیلنے کے لیے ہوتی ہے جی چاہے جس طرح عیش کرو لیکن اپنے آپ کو کسی کی قید
...نہ دو۔ نہیں شکیل سے میری علیحدگی ہی بہتر ہوئی' کیا پتا آنے والا وقت کیا ہو جاتا۔ ہو سکتا ہے ہمارے ہاں کچھ بچے بھی
...تے اور اس وقت ہم دونوں ایک دوسرے کی ذات کے قیدی ہوتے۔۔۔ نہیں یہ بہتر ہی ہوا سلطانہ جمالی نے اپنے آپ کو
...ل لیا۔

...دوسری صبح بھی اجنبی اجنبی سی تھی۔ شریف اور روشن کو بھی یہ صورت حال معلوم ہو چکی تھی۔ بھلا ایسی باتیں نوکروں
...کہاں چھپ سکتی ہیں اداس اداس سے تھے دونوں ہی کے چہروں سے پژمردگی ٹپک رہی تھی۔ سلطانہ جمالی نادر شاہ کو ساتھ
...ر اپنے آفس میں آ گئی۔ میز کے پیچھے خالی کرسی دیکھ کر اس کے دل کو دھکا سا لگا۔ اس کرسی پر شکیل جگمگاتا تھا۔ ہاں اس
...نسبت اس کرسی سے اس طرح ہم آہنگ ہو گئی تھی کہ اب اس کرسی پر کوئی اور اچھا نہیں لگ سکتا تھا۔ نادر شاہ نے
...بڑھ کر اس پر قبضہ جما لیا اور اس کے بعد کہنے لگا۔

"اب تم دیکھتی جاؤ' کس طرح میں تمہاری دولت ان بدمعاشوں کے منہ سے نکلواتا ہوں جنہوں نے تمہیں تنہا سمجھ کر یہ
...ڑپ کر لی تھی' شکیل بھلا میرے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے' میں تو ان لوگوں سے دوسرا رویہ بھی اختیار کر سکتا
...وہ ایک معمولی سا آدمی تھا' بھلا کسی سے سخت لہجے میں گفتگو بھی کیسے کر سکتا تھا۔ چلو ٹھیک ہے بھئی یہ ملازم کہاں
...ے شریف۔ شریف کافی لاؤ۔" نادر شاہ نے کہا اور پھر مرزا تصور بیگ کا فائل نکال کر دیکھنے لگا۔ سلطانہ جمالی خاموش بیٹھی
...کی شریف نے کافی لا کر رکھ دی۔ اور سلطانہ جمالی اپنی کافی کی پیالی سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے نادر شاہ کو کام
...ے دیکھتی رہی' نادر شاہ نے بے خیالی کے عالم میں اپنی کافی اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی تھی' بہت دیر تک وہ ان فائلوں میں
...ا اور اس کے بعد اس نے جھلا کر تمام فائل بند کر دیے۔"

"کمبخت نے عجب گورکھ دھندا پھیلایا ہوا ہے کوئی بات جو سمجھ میں آ رہی ہو' نجانے یہ سب کچھ کیا ہے' تم مجھے مرزا تصور بیگ کا اصل فائل دو تاکہ میں اس سے صورت حال کا اندازہ لگا سکوں۔"

"اصل فائل بھی اسی میں ہے شاید یہ۔" سلطانہ جمالی نے اٹھ کر نیلے رنگ کی ایک فائل اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"اسے تو میں دیکھ چکا ہوں' تقریباً" تمام ہی حسابات درست ہیں آخر وہ کونسا طریقہ کار ہو گا جس سے ہم مرزا تصور بیگ پر یہ بات ثابت کر سکیں گے کہ اس نے چار سو بیسی کر کے تمہاری رقومات ہتھیالی ہیں۔"

"مگر شکیل نے تو یہ فائل تقریباً" مکمل کر لیا تھا اور اب اس سلسلے کو ہم بیرسٹر اشتیاق کے سپرد کرنے ہی والے تھے۔"

"پھر یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا' بہت چالاک آدمی ہے وہ' کمبخت نے جو کچھ کیا ہے اس طرح کیا ہے کہ کوئی اور نہ سمجھنے پائے میری سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آیا۔" نادر شاہ نے تمام فائل بند کر کے جھلائے ہوئے انداز میں ایک سمت سرکا دیئے پھر اپنی خالی پیالی کو دیکھ کر بولا۔ "مجھے اور کافی دو۔"

سلطانہ جمالی نے اس کی پیالی میں کافی بھر دی تھی' دونوں بالکل خاموش تھے' نادر شاہ کچھ دیر کافی کے گھونٹ لیتا رہا پھر بولا۔

"اور اب میں از سر نو ان تمام کیسز پر کام کروں گا لیکن اس کے لیے جلد بازی کی کوشش نہ کرو ہاں اب یہ بتاؤ ہمارا آئندہ پروگرام کیا ہو گا؟"

سلطانہ جمالی نے عجیب سے انداز میں نادر شاہ کو دیکھا اور بولی۔

"آئندہ پروگرام؟"

"ہاں میرا مطلب ہے کہ اب ہمیں ایک دوسرے کی زندگی میں باقاعدہ شامل ہو جانا چاہیے اور اس کا اعلان کرنا چاہیے۔"

سلطانہ جمالی پر خیال نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"لیکن نادر شاہ اس کے لیے کچھ طریقہ کار ہوتے ہیں کیا ہم ان طریقوں کو نظر انداز کر دیں گے؟"

"مثلاً"؟"

"طلاق کے بعد عدت ہوتی ہے تین مہینے دس دن تک تو ہم اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیا حماقت کی باتیں کر رہی ہو۔ یہ سب فرسودہ روایات ہیں بھلا تین مہینے دس دن معمولی ہوتے ہیں؟"

"نہیں ایسا نہ کہو' بہرحال ہمیں نکاح بھی کرنا ہے' اگر یہ فرسودہ روایات ہیں تو معاف کرنا باقاعدہ شادی کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟"

"یہ بھی تم پر منحصر ہے میں نے تمہیں اس کے لیے کب مجبور کیا؟"

"نہیں نادر شاہ دنیا کے سامنے تمام حقیقتیں آنی چاہئیں۔"

"دیکھو طلاق کا مسئلہ الگ ہے اور پھر تم نے تو آج تک۔" ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ باہر سے شریف کی آواز آئی۔

"میں اندر آنا چاہتا ہوں آ سکتا ہوں؟"

"ہاں آؤ شریف کیا بات ہے؟"

"شکیل صاحب آئے ہیں۔" شریف نے کہا اور سلطانہ جمالی کے اعصاب میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا' نادر شاہ نے شریف کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بلاؤ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"بس آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"بلاؤ۔"

شکیل اندر داخل ہو گیا' سلطانہ جمالی نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا یہ بالکل اپنا' اتنا اپنا کہ دوری کا تصور ہم

آج ایک غیر تھا' اس نے اندر آنے کے لیے اجازت مانگی تھی' نجانے کیوں سلطانہ جمالی کا دل دکھنے لگا' البتہ نادر شاہ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اوہو شکیل صاحب تشریف لائے ہیں' آیئے آیئے تشریف رکھئے' افسوس کافی کی دو ہی پیالیاں ہیں' خیر کوئی حرج نہیں میں تیسری پیالی منگوائے لیتا ہوں حالانکہ اس کی گنجائش نہیں ہے۔"

"نہیں نادر شاہ صاحب بے حد شکریہ۔"

"فرمایئے کیسے آنا ہوا' اب یہاں آپ کے لیے کیا رکھا ہے ارے ہاں کہیں کسی مولوی سے کوئی فتویٰ تو نہیں لے آئے' میرا مطلب ہے جلد بازی میں آپ جو قدم اٹھا بیٹھے تھے اب اس کی تردید کرنا چاہتے ہیں کیا؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا آپ نے سلطانہ جمالی کی وہ پیشکش قبول کر لی' یعنی یہ کہ آپ جو حقیقتاً تھے وہی رہیں' یعنی سلطانہ جمالی کی ملازمت ہی کرتے رہیں؟"

"ایسی بات بھی نہیں ہے نادر شاہ صاحب۔"

"خیر تو پھر جو بات ہے وہ آپ بتا دیجئے۔"

"سلطانہ جمالی صاحبہ مجھے آپ سے کچھ کام تھا۔"

"ان سے اب جو بھی کام آپ کو ہو وہ مجھ سے کہئے شکیل صاحب۔" نادر شاہ نے فوراً" ہی کہا۔ سلطانہ جمالی ہونٹ کاٹ کر رہ گئی تھی' شکیل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہے' وہ اصل میں' میں اس لیے حاضر ہوا تھا کہ ہماری شادی کے کچھ کاغذات تھے سلطانہ جمالی کے پاس میرا مطلب ہے نکاح نامہ وغیرہ' اصل میں یہ کھیل جس طرح شروع ہوا اسی طرح ختم بھی ہو گیا' بالکل اتفاق کی بات ہے کہ ہم نے اپنی شادی کا کوئی اعلان نہیں کیا تھا اور اس کی کوئی بہت خاص وجہ نہیں تھی' میں چاہتا ہوں کہ جس طرح یہ کھیل شروع ہوا تھا اسی طرح خاموشی سے ختم ہو جائے میرا اندازہ ہے نادر شاہ صاحب کہ اس کے بعد آپ لوگ آپس میں شادی کر لیں گے' خیر یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے' میں اس میں بھلا کیا دخل دے سکتا ہوں' میں تو بس یہ چاہ رہا تھا کہ اگر کاغذات مجھے واپس مل جائیں تو میں خود بھی خاموشی اختیار کر لوں اور محترمہ سلطانہ صاحبہ بھی اس سلسلے میں کسی سے کچھ نہ کہیں' کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ کیا ہوا تھا اور اس کے بعد کیا ہو گیا۔"

"لیکن آپ کو ان کاغذات کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں انہیں تلف کر دینا چاہتا ہوں۔"

"خیال برا نہیں ہے شریف لوگوں کو اسی طرح ایک دوسرے کی عزت کا پاس کرنا چاہیے مجھے بھی خوشی ہو گی' کم از کم لوگ یہ تو نہ کہہ سکیں گے کہ نادر شاہ نے ایک مطلقہ سے شادی کی ہے' بھئی کہاں رکھے ہیں وہ کاغذات' اس شریف آدمی کی خواہش پوری کر دو۔"

"لیکن نادر شاہ۔"

"سلطانہ میں کہہ رہا ہوں تم سے یہ بات کیا میرے کہنے کے بعد اس میں لیکن وغیرہ کی گنجائش ہے' کہاں ہیں وہ کاغذات جاؤ لے کر آؤ۔"

سلطانہ جمالی تھکے تھکے انداز میں اپنی جگہ سے اٹھی پھر اس نے دروازے پر رک کر شکیل کو دیکھا اور بولی۔

"شکیل میرے ساتھ آؤ۔"

"نہیں' آپ تشریف رکھئے شکیل صاحب اب آپ کا اور سلطانہ جمالی کا کوئی ایسا تعلق نہیں ہے جس کی بنیاد پر آپ دونوں تنہائی میں ایک دوسرے سے مل سکیں' سلطانہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے' جاؤ کاغذات لے کر آؤ۔" سلطانہ جمالی خاموشی سے باہر نکل گئی تھی' نادر شاہ نے مسکراتے ہوئے شکیل کو دیکھا اور بولا۔

"بھئی شکیل' یہ مرزا تصور بیگ کے کاغذات دیکھ رہا تھا میں بڑی عمدگی سے تم نے اپنا کام کیا ہے کیا چکر ہے کچھ کمیشن

وغیرہ بنتا ہے درمیان میں؟"

"کمیشن۔" شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں میرا مطلب ہے کاغذات میں اتنی گنجائش تو ضرور رکھی ہوگی تم نے کہ اگر مرزا تصور بیگ سودے بازی پر آمادہ ہوجائیں تو بیچ میں کچھ توڑ کرلیا جائے' بھئی' دیکھو ناں کروڑوں کا معاملہ ہوتا ہے اگر چار چھ کروڑ کی ادائیگی ہوا اور اس میں سے وہ ادائیگی دو کروڑ رہ جائے تو میرے خیال میں بڑی خوشی سے ایک کروڑ روپیہ تمہارا حق بن سکتا ہے۔"

"اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں نے اس انداز میں کبھی نہیں سوچا نادر شاہ صاحب اور اس کی وجہ بھی بتادوں آپ کو میں نے سوچا کہ یہ چھ کروڑ جو وصول ہوں گے ظاہر ہے یہ میری ہی ملکیت ہوں گے' سلطانہ جمالی کے شوہر کی حیثیت سے تو پھر بھلا اس میں گھپلا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

نادر شاہ نے مخصوص انداز میں ہونٹ سکوڑے اور بولا۔

"لٹ گئی دلی۔"

"سمجھا نہیں۔"

"میرا مطلب ہے کہ تمہیں تو واقعی نقصان اٹھانا پڑا سلطانہ جمالی تمہیں جو کچھ پیشکش کررہی ہے کیوں نہیں قبول کرلیا اسے؟"

"مثلاً "کیا؟"

"بھئی وہ تمہیں اچھا خاصا کمیشن دے رہی ہے' لے لو اگر وہ تمہیں یہاں بدستور کام کرنے کے لیے کہتی ہے کام کرلو بھئی ذہنی سودے نہیں ہوپائے کاروباری سودے تو ہوسکیں گے۔"

"غور کروں گا اس پر نادر شاہ صاحب۔"

"ہاں ہاں بالکل غور کرنا اور جواب صرف مجھے دینا کیا سمجھے؟"

"جی بہت بہتر۔" شکیل نے جواب دیا۔ اتنی دیر میں سلطانہ جمالی' نکاح نامہ اور دوسرے چند کاغذات لے آئی' شکیل نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ یہ نہ سمجھیں محترمہ کہ میں اس کے ذریعے آپ کو کسی طرح کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہوں بس میں یہی سوچ رہا کہ نہایت خاموشی سے یہ کھیل ختم ہوجائے' میں ان کی ڈپلی کیٹ کاپیاں بھی رجسٹرار آفس سے نکلوالوں گا تاکہ سارے معاملات بالکل ختم ہوجائیں' ان کاغذات کو میں آپ کے سامنے ہی جلائے دیتا ہوں۔" شکیل نے کہا اور نادر شاہ نے فوراً جیب سے لائٹر نکال کر اس کے حوالے کردیا' شکیل نے تمام کاغذات باسکٹ میں ڈال کر اس میں آگ لگادی۔ سلطانہ ج سہمی ہوئی سی نگاہوں سے اس آگ سے بلند ہونے والے شعلے دیکھتی رہی تھی۔

✣

اس طرف شمع دان میں اگر ثریا کی آمد سے سیکڑوں شمعیں روشن ہوگئی تھیں تو حکمت علی کے گھرانے میں بھی خوشی کی بہار آگئی تھی' فاطمہ بیگم' نسیم بیگم' خود حکمت علی اور سب سے زیادہ پروین' طاہر اور شعور کی تعریف کرتے کرتے نہ تھے' پروین تو جیسے طاہر پر عاشق ہوگئی تھی' دولہا بھائی' دولہا بھائی کرکے اس نے طاہر کا ناک میں دم کردیا تھا حالانکہ طاہر بڑی عاجزی سے اس سے کہا تھا۔

"سالی حضور! یہ دولہا بھائی کے بجائے اگر آپ مجھے صرف بھائی یا زیادہ سے زیادہ بھائی جان کہہ لیں تو کوئی حرج ہے؟"

"جی نہیں ہم آپ کو دولہا بھائی کہیں گے۔"

"گویا میرا سارا کیریئر خاک میں ملائے بغیر نہیں رہیں گی آپ۔"

"کیوں اس سے آپ کو کیا نقصان پہنچتا ہے؟"

"سالی حضور! نقصان تو کچھ نہیں پہنچتا لیکن مجھے بس یوں لگتا ہے جیسے کوئی مینڈک پائجامہ پہن کر اچھل رہا ہو یہ بھائی کا لفظ کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔"

"ہمیں پائجامہ پہن کر اچھلتے ہوئے مینڈک بہت پسند ہیں' اس لیے ہم دولہا بھائی ہی کہیں گے' آپ جیسے فرشتہ صفت ن کو ہماری جو مرضی آئے ہم کہیں' ہمارا تو دل چاہتا ہے کہ کچھ ایسے نئے القاب دیں جو اپنی مثال آپ ہوں۔"

"سبحان اللہ' سبحان اللہ' یعنی آپ لوگ مجھے فرشتہ بنانے پر تل گئے ہیں۔"

"آپ ہیں ہی فرشتے ہمارے لیے۔"

"تو پھر سالی حضور ایک دوسرا فرشتہ بھی ہمارے پاس موجود ہے گر قبول افتد ہے عزو شرف' کیا خیال ہے ذرا دیکھئے اسے؟"

شعور کی طرف اشارہ تھا' شعور بھی اس وقت وہیں موجود تھا اس نے فوراً "ہی پلٹ کر طاہر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ابے او مصنوعی فرشتے' او جعلی فرشتے' کیا بکواس کررہا ہے وہ میری بہن ہے کیا سمجھا' خبردار اس کی شان میں کوئی اخی کی تو۔"

"تو سالی حضور' اسے کہتے ہیں اپنے پاؤں سے بھری تھالی پر ٹھوکر ماردینا چلو اب ہم کچھ نہیں کرسکتے۔"

یہ پہیلیاں پہلے ہی دن سے شروع ہوگئی تھیں' اس سے پروین پر طاہر کی خوش مزاجی بھی ظاہر ہوگئی تھی' نسیم بیگم اور بیگم بھی بہت خوش تھیں۔ ابھی انہی تمام باتوں میں وقت گزر رہا تھا کہ جمن بوا تشریف لے آئیں' جمن بوا کی آمد اس بار ماحول میں اور زیادہ خوشگوار بن گئی' خوشخبری لے کر آئی تھیں۔

"اے بی سنا تم نے فاطمہ بیگم اپنے محلے پر تو خدا کی ایسی نظر سیدھی ہوئی ہے کہ بس کیا بتائیں تمہیں؟"

"کیا ہوا جمن بی کوئی خاص بات؟" فاطمہ بیگم نے پوچھا۔

"اے بی ایسی ویسی خاص بات وہ اپنا شہباز واپس آگیا ہے۔"

"شہباز۔" سب کے منہ سے نکلا۔ پروین کا دل دھڑک اٹھا' ثریا نے محبت بھری نگاہوں سے پروین کو دیکھا اور پھر جمن

"شہباز واپس آگئے۔"

"اے بوا نہ صرف واپس آگئے بلکہ نجانے کیا بن کر آئے ہیں' یہ لمبی گاڑی لائے ہیں اور شکل صورت سے لگتا ہے جیل نہیں گئے تھے بلکہ کہیں ولایت چلے گئے تھے' بلاوجہ لوگوں نے جیل کو بدنام کررکھا ہے میں نے تو اپنے شمشاد کے لیے کی ہے شہباز سے میں نے کہا ہے کہ بھیا اگر جیل سے اتنا سب کچھ ملتا ہے تو میرے شمشاد کو بھی کچھ دن کے لیے جیل دو۔" سب بے اختیار ہنس پڑے تھے' شعور اور طاہر کو بھی شہباز کی کہانی معلوم تھی گھر میں تذکرے ہوا کرتے تھے' گو بہت زیادہ شناسائی تو نہیں رہی تھی لیکن جمیل احمد صاحب کے گھر کے حالات کا علم تھا' ثریا نے کہا۔

"ہم لوگوں کو مٹھائی لے کر جمیل احمد صاحب کے گھر جانا چاہیے یہ تو بڑی مسرت کی بات ہے۔"

"جانا بی بی جانا بلکہ اپنے گھر سے جانا' ابھی جلدبازی اچھی نہیں ہے اللہ سب کو نیک راستہ دکھائے مگر جمن بوا تم کہہ کیا ہو؟"

"ہاں بوا میں تو خود حیران ہوں شہباز تو جیل سے جیسے شہزادہ بن کر آیا ہے' میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا لوگ تو نجانے کیا باتیں بناتے تھے جیل کے بارے میں۔"

"پتا نہیں کیا قصہ ہے؟" حکمت علی نے کہا۔

"ہوں معلوم کرلیں گے۔"

"واقعی خوشی کی بات ہے جمیل احمد صاحب تو تنہا رہ گئے تھے اور وہ بیچاری بچی فرزانہ' شادی میں تو دیکھا تھا اسے شاید ماں کی آمد کی وجہ سے اپنے گھر میں محصور ہوگئی ہے لیکن واقعی بھئی' ان لوگوں کو مبارکباد دینے تو جانا چاہیے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے ابھی چلیں؟"

"چلو اگر کوئی حرج نہ ہو تو۔"

بھی تیار ہوگئے' یہاں رسموں اور تکلفات کا دور دورہ نہیں تھا' حکمت علی' فاطمہ بیگم' نسیم بیگم تیار تھیں' انہوں نے

پروین سے بھی چلنے کے لیے کہا تو ثریا نے روکتے ہوئے کہا۔

"نہیں اماں کسی نہ کسی کو تو گھر میں رہنے دو پروین گھر میں رہے گی۔"

پروین خود ایک دم جھجک سی گئی تھی لیکن اس کے چہرے پر جو رونق اور جو سرخی آئی تھی وہ اور کسی کی نگاہوں میں ہو نہ ہو لیکن ثریا نے بغور اس کا جائزہ لیا تھا' واقعی خوشیاں آتی ہیں تو ٹوٹ کر آتی ہیں' کیا تھا کیا ہو گیا تھا۔ مٹھائی کا پورا ٹوکرا لیا گیا اور سارے کے سارے مل کر جمیل احمد صاحب کے گھر کی جانب چل پڑے۔

نئی دلہن تھی' دوسرے دن کی دلہن اور دولہا' جب وہاں پہنچے تو جمیل احمد صاحب اور فریدہ بیگم خود بھی بوکھلا گئے' البتہ فرزانہ خوشی سے سرشار ہو گئی تھی' محبت بھرے انداز میں اس نے ثریا کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"ثریا تمہاری شادی پورے محلے کے لیے خوشیاں لے کر آئی ہے' ایک طرف اس شادی کے شادیانے بج رہے ہیں' دوسری طرف دیکھ لو میرے بھیا بھی واپس آ گئے ہیں' ثریا بہت اچھا ہوا ہے' وہ کچھ ہوا ہے ثریا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں' بعد میں تفصیل سے بتاؤں گی تمہیں۔ معاف کرنا بھیا کے آنے کی خوشی میں تمہارے پاس نہیں پہنچ پائی لیکن آؤں گی' آؤں گی۔"

جمیل احمد صاحب جو خوشیوں سے نڈھال ہو رہے تھے' ان سب کی خاطر مدارات میں لگ گئے' کہنے لگے۔

"آپ لوگوں نے اتنی اپنائیت کا ثبوت دیا ہے کہ میں رونے کے لیے بے چین ہوں' میرا دل بھر آیا ہے اس اپنائیت پر' ایسی محبت کا اظہار کیا ہے آپ نے کہ میرا سر آپ لوگوں کے سامنے جھک گیا ہے۔"

"بس ہم سے برداشت نہیں ہو سکا' مبارک باد دینے آ گئے جمیل احمد صاحب' بہت مبارک ہو آپ کو بیٹے کی رہائی' ویسے یہ ججن بوا بڑی نعمت ہیں ہم اہل محلہ کے لیے انہوں نے ہی خبر دی تھی ہمیں اس بارے میں۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

ججن بوا خوشی سے پھول کر کپا ہو گئی تھیں' بہرطور کافی وقت جمیل احمد صاحب کے ساتھ گزارا گیا' اس کے بعد پروانہ صاحب نے اجازت طلب کی اور کہنے لگے۔

"بھئی حکمت میاں! اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو ہم یہیں سے گھر واپس چلے جائیں' کل کچھ مصروفیات ہیں' کارڈ وغیرہ آپ لوگوں تک پہنچانے ہیں اپنے مہمانوں کا انتظام کر لیجئے گا پرسوں ولیمہ ہے۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں پروانہ صاحب' ہم تو بندہ بے دام ہیں آپ کے۔"

"میاں ایک غزل موزوں کر رہا ہوں اس موقعے کے لیے پہلا شعر آپ لوگ سن لیجئے گا۔"

اب کے . ایسی شان سے آئی ہے کچھ فصل بہار

پتا پتا گل بداماں' بوٹا بوٹا لالہ زار

گلشن پروانہ میں۔۔۔۔

"بس مصرع آدھا رہ گیا ہے' بقیہ غزل مکمل کر کے گوش گزار کروں گا' ہو سکتا ہے کل تک ہی اس کا موقع مل جائے' سب نے ہنستے ہوئے ان لوگوں کو رخصت کیا تھا' فاصلے ہی کتنے تھے' بس پیدل ادھر سے ادھر آیا جایا جا سکتا تھا' پورا مسرور اور شاداں تھا ہر ایک اس شادی سے خوش تھا لیکن ظاہر ہے جس گھرانے میں سوگ برپا ہونا چاہیے وہاں تھا' یعنی شوکت علی صاحب کے گھر میں کیا ہنگامہ آرائیاں ہو رہی تھیں۔

ججن بوا حکمت علی کے ساتھ ہی واپس آئی تھیں' انہوں نے کہا۔

"بی فاطمہ' اب یہ بتاؤ سامان کے لین دین کا کیا ہو گا؟"

"ججن بوا' ہمارے گھر سے تو سامان لے جائیے آپ' باقی ان لوگوں کی ایمانداری پر چھوڑ دیجئے۔"

"اے بی بی' میں نے یہ چکر چلایا تھا' شرمندگی مجھے ہے' تم لوگوں کو تو خیر جو نقصان یا فائدہ ہوا وہ ہوا لیکن میرا منہ طرح کالا ہوا ہے' اللہ کسی کا منہ ایسا کالا نہ کرے۔"

"نہیں ججن بوا' ہمیں آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے' اب دیکھئے ناں آپ نے یہ پودا لگایا تھا' یہ دوسری بات

پھل ذرا مختلف نکلا لیکن کتنا شیریں کتنا لذیذ' کتنا نفیس۔"

"میاں حکمت علی بس یوں سمجھ لو کہ میری بھی دلی دعائیں ان بچوں کے ساتھ ہیں' سچ مچ فرشتے بن کر اس محلے میں آئے تھے' اچھا تو پھر تم یوں کرو کہ سامان منگواؤ میں آج ہی فیصلہ کئے دیتی ہوں' ارے کیسے نہیں دیں گے؟"

"آپ لڑیئے گا نہیں' یہاں سے یہ سامان لے جائیے یہ جو چند چیزیں ہیں' ہم آپ کے سامنے باندھے دیتے ہیں۔"

"ہاں میاں لاؤ مجھے دو۔" ججن بی نے کہا۔

سامان سے لدی پھندی وہ شوکت علی کے گھر پہنچیں' جہاں سب مہمان تھے لیکن سوگ برپا تھا' ججن بی کو بری سی نگاہوں سے دیکھا گیا اور پھر حسینہ بیگم نے کہا۔

"یہ کیا گٹھری اٹھا لائیں ججن بی؟"

"بوا سامان ہے تمہارا دیکھ لیا ناں تم نے' اسے کہتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ اچھا کرتا ہے بندہ چاہے کتنا ہی برا کرے۔"

"ججن بی! ہم لوگ باتیں کرتے رہے ہیں آپس میں' آپ کیا لائی ہیں دکھایئے اور یہاں سے رفوچکر ہو جائیے۔"

"رفوچکر ہو جاؤں اور وہ جو تم نے گھر بھر کے رکھا ہوا ہے ایک ایک چیز واپس کرو سوچ لینا اچھا نہیں ہو گا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"ارے میں کہتی ہوں جہیز لے کر بیٹھ گئے' کچھ شرم حیا ہے کہ نہیں' اس محلے میں رہنا ہے کہ کہیں اور رہو گے جا کر' کسی سے زندگی گزارو گے کیا' ارے اللہ اچھا خاصا دے رہا ہے پھر بھی ایک غریب کے مال پر نیت خراب کر رہے ہو' ایک تو اس بچی کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی تم نے' ہائے ہائے برباد کر کے رکھ دیا تھا پھول سی بچی کو اور اب اس کا سامان بھی ہضم کرنے بیٹھے ہو' وہ تو اللہ کی نظر سیدھی تھی جو اس بچی کو ایسا شاندار شوہر مل گیا' ورنہ تم ارے بھیا توبہ ہے ایسا کہیں کمینوں ذلیلوں میں بھی نہیں دیکھا' جیسا تم نے کیا؟"

"دیکھو ججن بی' تم بزرگ ہو ہم سب تمہاری عزت کرتے ہیں لیکن بدتمیزی کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

"ارے تھوکتی ہوں تمہاری شکل پر گھر کا رخ بھی نہیں کروں گی کبھی' سامان نکلواؤ ان کا سب۔"

"ہمارا بھی تو خرچہ ہوا ہے۔"

"اچھا تو اس خرچے میں کاٹ رہے ہو سامان' ذرا حساب کتاب بنا کر دو کتنا خرچہ ہوا ہے تمہارا اور کتنا ہوا ہے حکمت علی کا ارے تم سمجھتے کیا ہو' میں تو تھانے پہنچوں گی' فضیحت کر کے رکھ دوں گی ایک ایک چیز نکلوالوں گی میرا نام بھی ججن بی ہے' اے بھیا سنو! اے پڑوسیو دیکھو ذرا آؤ ذرا باہر نکلو اپنے گھروں سے ارے آؤ تو سہی۔" ججن بی دروازے پر کھڑی ہو کر چیخنے لگیں۔

غلام قادر' سمیع اللہ' استاد نبن سارے کے سارے شوکت علی کے دروازے پر پہنچ گئے تھے' ججن بی سینہ پیٹ پیٹ کر کہنے لگیں۔

"اے دیکھو ان بڑے آدمیوں کو دیکھو ان کے ہاں وہ کمائی ہے وہ جو کہتے ہیں وہ جو اوپر سے آتی ہے' گھر بھرا ہوا ہے مگر ایک غریب کے مال پر نظر رکھے ہوئے ہیں' کہتے ہیں ہمارا بھی خرچہ ہوا ہے جہیز واپس نہیں کریں گے' بیچارے حکمت علی نے تو سارا سامان واپس لوٹا دیا ہے یہ دیکھو' سارے کے سارے سامان کی گٹھری بندھی ہوئی ہے' ارے بھیا سنبھال لو اس کو' کہیں ایسا نہ ہو کہ کل یہ جھوٹ سچ لگا دیں کہ بی ججن کھا گئیں بیچ میں اور ان سے کہو کہ سامان نکلوائیں۔"

"شوکت علی صاحب آپ کے ہاں جو کچھ ہوا ہے وہ واقعی ایک بدترین بات ہے معاف کیجئے گا شریف لوگوں میں ایسا سب کچھ نہیں ہوتا لیکن یہ تو سوداگری کر رہے ہیں آپ یعنی وہ مال کیسے ہضم کر جائیں گے آپ؟"

"اماں کیسے ہضم کریں گے قسم اللہ کی' شوکت علی صاحب زندگی برباد کر دیں گے' اپنا نام بھی غلام قادر ہے ہم لاکھوں لٹا دیں گے اس مسئلے میں سامان واپس کر دیجئے۔"

"تو میں نے کب منع کیا ہے' آپ لے جائیے اپنا سامان اٹھا کر' پڑا ہوا ہے اس کمرے میں سامان۔" شوکت علی کو بالآخر گردن جھکاتے ہی بن پڑی تھی' ججن بوا کسی کام کا بیڑا اٹھائیں اور وہ پورا نہ ہو۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد پورا محلہ جہیز کا وہ

سامان واپس حکمت علی کے گھر پہنچانے میں مصروف ہوگیا' فاطمہ بیگم' حکمت علی' قسیم بیگم سب لوگ ہنس رہے تھے' جج ایسے ہی شاندار کارنامے سرانجام دیتی تھیں لیکن شوکت علی کے لیے پورے محلے میں منہ دکھانے کے لیے جگہ نہیں تھی۔ سب سے کٹ گئے تھے سب لعن طعن کررہے تھے۔ حسینہ بیگم نے نتھنے پھلا کر کہا۔

"ججن بھی آپ نے اچھا نہیں کیا ہے۔"

"اوربی بی تم نے تو جنت کمالی ہے' ارے آس اولاد والی ہو کلیجے پر ہاتھ رکھ کر غور کرو۔ کسی کے دروازے سے بر واپس لے آؤ۔ تم شریف لوگ ہو۔ ارے ڈرو اس وقت سے جب تمہارے گھروں سے برات واپس لوٹے۔"

"اماں تم چپ کیوں نہیں ہوجاتیں۔ کیوں ان بڑی بی کے منہ لگ رہی ہو!" طیب علی نے کہا۔

"ارے بڑی بی ہوگی تیری ماں تیرے ہوتے سوتے۔ منہ سنبھال کربات کر موئے زنخے کہیں کے۔ مردوں کے گر میں تھکوا دیا تونے تو۔ ارے مرد وہ ہوتے ہیں جو اپنے بازو کی کمائی پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ جو بیوی کے جہیز پر نظریں جم بیٹھے ہوں ان کے گلے میں تو ڈھول ہونا چاہیے۔ اے تالیاں پیٹ پیٹ کر کولہے مٹکا کر مانگ محلے والوں سے کچھ نہ کچھ ہی دیں گے تجھے بڑے دل والے ہیں اپنی گلی کے لوگ تو"

"اماں قسم اللہ کی۔ چپ کرلو انہیں۔ میرے منہ سے بھی کچھ الٹی سیدھی نکل جائے گی۔" طیب علی بولا۔

"اے چپ۔ موئے رشوت خور۔ رشوت کی کمائی پر اکڑ رہا ہے۔ ارے وہاں سے ہی تو تجھے یہ لت لگی ہے۔ گھروں سے مانگتا پھر رہا ہے۔"

"محن بوا۔ آپ کو سامان مل رہا ہے۔ اب کیوں لڑ رہی ہیں۔ بلاوجہ الٹی سیدھی بکے جارہی ہیں۔" شوکت علی نے ک

"میاں اپنی گھر والی کو سمجھاؤ۔ ایک کہے گی تو ہزار سنے گی۔ ہمیں اللہ نے سرخرو کیا ہے دیکھ لو کیسا جوتا پڑا تمہارے پر وخت کے وخت۔ ارے اللہ جس کی بنائے اسے کون بگاڑے۔"

"آپ سامان اٹھوایئے اور جایئے۔"

"اور وہ پہناونیاں کہاں گئیں۔ بیٹیوں کے جہیز کے لیے رکھ لی ہیں کیا۔ جھاڑو پھرے سارے کنبے کے کپڑے بنوا ارے پہننے کے لیے کچھ اور نہیں تھا کیا حسینہ بیگم نکالو سارے کپڑے۔"

"کہاں ہیں وہ کپڑے۔ دے کیوں نہیں دیتیں تم۔" شوکت علی بیوی پر غرائے۔ پورا محلہ ہنس رہا تھا تماشہ لگا ہوا تھا۔

"کہاں سے دوں' کچھ لوگ تو لے کر بھی چلے گئے۔" حسینہ بیگم لاچاری سے بولیں۔

"ارے یہ خاندان ہے تمہارا۔ موئے کوؤں کا ٹکڑے اٹھائے بھاگ گئے۔ چلو خیرات کردیا ہم نے' صدقہ اتار دیا بچوں پر سے۔"

ججن بی نے خود ہی فیصلہ کرلیا۔ یہ انہیں کا دل گردہ تھا کہ سارا سامان نکلوالیا ورنہ بے چارے حکمت علی تو صبر کے کچھ نہ کرتے۔ "محن بی فتح کے شادیانے بجاتی ہوئی واپس پلٹی تھیں۔

ثریا گھر واپس آگئی۔ آج کا دن اس قدر خوشگوار گزرا تھا کہ شاید زندگی میں کوئی دن ایسا گزرا ہو۔ ایک عجیب سا سحر ری تھا اس کے اوپر۔ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔ نشہ سا چڑھا ہوا تھا اس کے سارے وجود پر جو کچھ حکمت علی کے رمیں ہوا تھا۔ ثریا نے اسے محسوس کیا تھا۔ پتا نہیں یہ لوگ اب تک کہاں چھپے ہوئے تھے۔ پتا نہیں انہوں نے پہلے اس رکی طرف رخ کیوں نہیں کیا تھا۔ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں اس دنیا میں۔ طاہر' شعور پروانہ صاحب' شمع بیگم۔ یوں لگ رہا جیسے ثریا ان کی دلی آرزو ہو۔ اتنی محبت سے پیش آرہے تھے اس سے۔

ججن بی نے بھی خوب کمال دکھایا تھا۔ سب سمیٹ کرلے آئی تھیں ان کمینوں کے ہاں سے۔ درحقیقت یہ انہی کا دم تھا نہ ابا میاں تو سیدھے سادے شریف آدمی ہیں دل پر جبر کرکے خاموش ہوجاتے۔ حالانکہ ثریا جانتی تھی کہ کس طرح وہ ب کچھ کیا گیا ہے۔ بہرحال حق بہ حقدار رسید ہوگیا تھا۔ سامان واپس آہی جائے گا۔ بڑی مسرور تھی وہ۔ اس کے کان ان توں پر لگے ہوئے تھے جو اس کے دل میں ایک میٹھا میٹھا احساس جگادیتی تھیں۔

خاصا وقت گزر چکا تھا اور اس کے بعد اسے دروازے پر آہٹیں سنائی دیں۔ اب سکڑ سمٹ کر تو کیا بیٹھتی۔ خاصی بے فی ہوگئی تھی طاہر سے۔ شاید ہی زندگی میں کسی سے اس قدر بے تکلف ہوا جاسکے۔ جو باتیں طاہر نے پچھلی رات کہی ں وہ یاد آتیں تو بے اختیار ہنسی آجاتی۔ آج بھی ہر ایک سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا تھا۔ پروین کو بڑی محبت سے سالی حضور کہتا تھا۔

آہٹیں دروازے سے اندر آگئیں۔ اس نے کھڑے ہوکر طاہر کا استقبال کیا۔ طاہر نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر خوفزدہ انداز دروازہ بند کردیا۔

"انسان کے اوپر اس سے زیادہ مشکل وقت کبھی نہیں آتا۔ کیوں نصف بہتر آپ کا کیا خیال ہے؟"

ثریا نے نگاہیں اٹھا کر طاہر کو دیکھا پھر مسکرا کر مدھم سی آواز میں بولی۔

"میں زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہوں۔ گہری باتیں میری سمجھ میں کبھی نہیں آتیں۔ آپ میری کوتاہیوں کو معاف کردیجئے "

"اماں واللہ کمال ہے آپ تو پروانہ صاحب کی شاگرد معلوم ہوتی ہیں۔ ایسی انکساری' ایسی نرم روی کہ بس انسان ہ پسینہ ہوجائے۔ مشکل وقت سے میری یہ مراد تھی کہ باہر سب موجود ہیں اور ہمیں اندر دھکیل کر یہ کہا جارہا ہے کہ ن بیگم اکیلی ہوں گی۔ یار ثریا (معاف کرنا میری اس بے تکلفی کو) تھوڑی سی شرم آتی ہے ناں؟" ثریا نے مسکرا کر گردن ادی۔

"کمال ہے بھئی وہ جو کہتے ہیں ناں آدھی بہتر۔ حالانکہ قسم کھا کر کہتا ہوں یہ جملہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ف بہتر بھئی اس کا کیا مطلب ہوا؟ اچھا چلو چھوڑو آؤ بیٹھو۔ کھڑی کیوں ہوگئیں باتیں کریں گے۔"

ثریا خوشدلی سے بستر پر بیٹھ گئی۔ طاہر نے کہا۔ "یہ کمرا تمہیں خاصا تنگ محسوس ہوتا ہوگا۔ ویسے کچھ نہ کچھ کھپلا کریں یہاں۔ اصل میں شعور کی کوٹھی ہے۔ کل چلیں گے وہاں۔ میں تمہیں دکھاؤں گا۔ بہت شاندار ہے لیکن ہم لوگ وہاں ں نہیں چاہتے۔ اپنی گلی میں کچھ اتنا دل لگ گیا ہے کہ یہاں سے نکل کر کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ حالانکہ ایک بار ہ صاحب نے بڑی ضد کی تھی۔ کہنے لگے جب اتنی شاندار کوٹھی موجود ہے تو پھر اوپر اس چھوٹے سے کمرے میں ہم ں کیوں وقت گزار رہے ہیں مگر جناب یہاں تو معاملہ دوسرا ہی تھا اگر ہم وہاں چلے جاتے تو شاید ہمیں دعوت نامہ بھی نہ ملتا ر دعوت نامہ نہ ملتا تو پھر ساری زندگی پچھتاؤں کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آتا۔ اب دیکھئے ناں کیا شب خون مارا ہے ہم نے' نا ہم بڑے چالاک ہیں۔"

ثریا نے محبت پاش نگاہوں سے طاہر کو دیکھا پھر کہنے لگی۔

"آپ میری بے تکلفی کا برا تو نہیں مانیں گے؟"

"بالکل نہیں مانیں گے بلکہ آپ کے بے تکلف نہ ہونے کا برا مان رہے ہیں ہم۔"

"آپ کو کبھی کسی پشیمانی کا احساس تو نہیں ہوگا؟"

"کس سلسلے میں؟"

"میں۔۔۔ میں زیادہ تعلیم یافتہ بھی نہیں ہوں۔ آپ کے معیار کی بھی نہیں ہوں۔"

"کمال ہے بھئی، یعنی اتنی زبردست گفتگو کر رہی ہیں اور کہتی ہیں تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ دیکھیں محترمہ شوہر سے جھو نہیں بولا جاتا۔"

"نہیں واقعی تعلیم تو میری واجبی سی ہے۔"

"اسکول کی تعلیم کوئی تعلیم ہوتی ہے۔ کتابوں کا بوجھ لاد دیا بچوں پر، البتہ گدھا ضرور بنا دیا جاتا ہے انہیں انسان کی ت تو اپنے گھر پر مکمل ہوتی ہے ہو سکتا ہے میرا یہ خیال غلط ہو لیکن بہرحال میرا خیال ہے۔"

"آپ درحقیقت بہت اچھے انسان ہیں۔"

"جتنی بار آپ یہ جملے کہیں گی۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا رہوں گا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں بہت انسان ہوں۔"

"واقعی اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"لیجئے پھر اس بات پر خوش ہو کر ہم آپ کو حقیر سا تحفہ پیش کرتے ہیں۔" طاہر نے وہ خوبصورت لاکٹ سیٹ نکا اپنے ہاتھوں سے ثریا کی گردن میں ڈال دیا اور بولا۔ "یہ شاید رسم دنیا بھی ہے۔ موقع بھی ہے۔ دستور بھی ہے۔ بہرحال نے قبول کیا آپ کا بے حد شکریہ۔"

ثریا نگاہیں بھر کر طاہر کو دیکھنے لگی تو طاہر جھینپ کر بولا۔

"دیکھئے بخدا ایسے معاملات کا ہمیں چونکہ کوئی تجربہ نہیں ہے اس لیے بہت شرم آتی ہے۔ ذرا اپنی ان آنکھوں باکی کو۔۔۔" ثریا نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا تھا۔

"واہ یہ ہوئی نا ذرا شاعرانہ قسم کی ادا۔ ویسے آپ ایسی حرکتیں کرتی رہیے گا۔ پروانہ صاحب آپ کی ہر ادا شعر ضرور کہیں گے۔ اصل میں شاعری کا شعبہ انہی کے پاس ہے۔"

"بہت ہنساتے ہیں آپ۔"

"ارے واہ، مزہ آگیا یہ الفاظ سن کر۔ اچھا چلئے چھوڑیے اور سنائیے۔ ایمانداری سے کچھ گفتگو ہو جائے تو لطف گا۔ بتائیے ہے اس کا چانس۔"

"وعدہ کرتی ہوں آپ کے سامنے زندگی میں کبھی بھی جھوٹ نہیں بولوں گی۔ چاہے کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے ثریا نے کہا۔

"ویری گڈ، ویری گڈ، ہمیں اس بات پر پورا پورا یقین ہے۔ اچھا اب آپ یہ بتائیے کہ اس شادی سے آپ کی ا کیفیت کیا ہے۔ بھئی یہ نہ سمجھنا کہ ہم آپ سے بار بار اپنے آپ کو فرشتہ کہلوانا چاہتے ہیں لیکن آپ کے کچھ تاثرا پتا چلیں۔ پچھلی رات تو ذرا اجنبی اجنبی سی تھی آج ذرا بے تکلفی ہوئی ہے تو سوچ رہے ہیں کہ کیوں نہ آپ کے تاثر معلوم کر لیں۔"

"میں آپ سے سچ بولنے کا وعدہ کر چکی ہوں شرم بھی آئے گی تو جھوٹ نہیں بولوں گی۔"

"خدا آپ کو خوش رکھے۔"

"میں یہ سمجھتی ہوں کہ میں نے زندگی میں کوئی نیک کام کیا ہے جس کے صلے میں آپ مجھے ملے ہیں۔"

"اور اگر وہ طیب علی جان کے دشمن ہو جاتے تو؟"

"خدا کی قسم پروین کو قسم دے کر پوچھ لیجئے گا میں نے پروین سے کئی بار اس تشویش کا اظہار کیا تھا۔ میں نے ا کہ پروین بے شک ہم ابو کے شانوں پر بوجھ ہیں، لیکن اگر پوری زندگی کے لیے ہمیں ایک ایسی شخصیت مل جا کوئی معیار زندگی نہ ہو تو کیا ہم خوش رہ سکیں گے۔ پروین بھی میری باتیں سن کر افسردہ ہو جاتی تھی۔ وہ تو تقدیر ورنہ۔۔۔ ورنہ۔۔۔"

"چلئے یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ ورنہ یہ بات بارہا میرے ذہن میں آئی تھی کہ کہیں میں نے دخل در معقولات تو نہیں کیا؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔" طاہر نے آسودہ لہجے میں کہا۔

ثریا چند لمحات سوچتی رہی پھر بولی۔ "آپ نے وہاں پروین کے بارے میں کچھ کہا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ شعور بھائی کے لے میں۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن وہ صرف مذاق تھا۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ شعور نے فوراً ہی اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی۔ ے ثریا معاف کرنا یہ مت سمجھنا کہ پروین کو ہم نے اس قابل نہیں سمجھا۔ یقین کرو اگر بیچ کی کوئی بات نہ ہوتی تو دوسرا قدم اٹھاتا۔"

"بیچ کی کوئی بات ہے؟"

"ہاں بھئی۔ اب تم سے کیا چھپانا۔ اصل میں شعور بے چارہ محبت کا مارا ہے۔"

"اوہو کیا مطلب؟" ثریا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"منصف بہتر! بات صیغۂ راز میں رکھنے کی ہے۔"

"اطمینان رکھیے گا۔" ثریا نے کہا۔

"شعور اچانک ہی فوزی کو چاہنے لگا تھا۔ فوزی کو جانتی ہونا۔ امداد بیگ صاحب کی وہ مظلوم بیٹی، جو بے چاری نجانے کسی ئے کا شکار ہو گئی ہے۔"

"خدا کی پناہ تو پھر کیا ہوا۔ کیا فوزی بھی؟"

"ہاں کسی حد تک، لیکن بس اب یہی کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے گناہ معاف کرے۔ امداد بیگ صاحب، یہ بیگم اور خود فوزی بھی۔ بہت زیادہ مغرور تھے۔ انہوں نے ہماری کیفیت دیکھ کر ہمیں قابل اعتنا نہ سمجھا حالانکہ چچی بی براہ راست کہا بھی تھا امداد بیگ صاحب سے کہ اگر شعور کی شادی فوزی سے کر دی جائے تو۔ امداد بیگ اور غوثیہ بیگم ہمارے ساتھ نہایت بدترین سلوک کیا بلکہ ایک طرح سے ذلیل بھی کیا ہمیں۔ چچی جان خود رشتہ لے کر گئیں اور انہوں صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد خاموشی ہو گئی پھر فوزیہ کا وہ واقعہ پیش آگیا لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ شعور کے دل میں آج فوزیہ زندہ ہے۔"

"میں کیا کہوں اس سلسلے میں کہ مجھے کتنا دکھ ہوا ہے۔ شعور بھائی جیسے نوجوان اگر امداد بیگ صاحب کے داماد بن جاتے خوش بختی تھی ان کی، لیکن اب پچھتائے کیا ہوتا ہے۔ امداد بیگ صاحب اب بہت بدل گئے ہیں۔ خود غوثیہ خالہ بھی بہت ریل ہو گئی ہیں ہمارے ہاں تو ان لوگوں نے اس طرح ہمارا ساتھ دیا ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔"

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ بعد میں ان کے اندر بہت تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔ میں نے یہ تذکرہ صرف اس لیے یا کہ تم نے شعور کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"واقعی بہت دکھ بھری بات ہے یہ تو۔ خدا کرے فوزیہ بخیر ہو۔ اللہ اس کی حفاظت کرے، لیکن شعور بھائی کو اب اسے پنے دل سے نکال دینا چاہیے۔ آپ نے مجھے یہ بات بتائی ہے تو میں بھی آپ کو ایک بات بتانا چاہتی ہوں ظاہر ہے میرے لیے اس کائنات میں اب آپ سے بڑھ کر کون ہے۔"

"بتائیے، بتائیے، جلدی بتائیے۔" طاہر نے پھر اس سنجیدہ ماحول کو بدلتے ہوئے کہا۔

"پروین بھی اپنے ذہن میں ایک تاثر رکھتی ہے ایک ایسا تاثر جو اس جیسی کم عمر اور ناسمجھ لڑکی کے دل میں بیدار ہو تا ہے۔"

"کس کے بارے میں؟"

"شہباز۔" ثریا نے جواب دیا اور طاہر سر کھجانے لگا۔

"وہ یعنی کبوتر، کبوتر۔ میرا مطلب ہے۔ اب کبوتر نہیں شہباز، شہباز۔" طاہر کے انداز پر ثریا بے اختیار ہنس پڑی تھی

پھر وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔
"بس ایک معصوم سا تصور ہے اس کے ذہن میں اور یقیناً شہباز کے دل میں بھی وہ زندہ ہے کیونکہ فرزانہ باجی نے مجھے اس بارے میں بتایا تھا۔"

"ارے تو پھر فکر ہی مت کرو یہ کام ہم سرانجام دیں گے۔ آخر اس گھر کے داماد ہیں۔ سالی کی ذمے داریاں ہم پر بھی ہیں۔" طاہر نے جواب دیا اور ثریا نے اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا۔

"میں کس زبان سے اللہ کا شکر ادا کروں۔ آخر کس زبان سے؟"

"کیوں خیریت؟ زبان دکھایئے۔ کوئی تکلیف ہو گئی آپ کی زبان میں۔" طاہر نے کہا اور ثریا بے اختیار ہنس پڑی۔

دوسرا دن بڑا ہنگامی دن تھا۔ شعور تو صبح ہی صبح گھر سے نکل گیا تھا۔ اسے تیاریاں کرنی تھیں پروانہ صاحب بھی چل پڑے تھے۔ دوپہر تک وہ ولیمے کے کارڈ تیار کرا کر لے آئے سمیع اللہ' استاد نبن اور چند دوسرے افراد کی خدمات حاصل کی گئیں اور کارڈ ہر گھر میں تقسیم کر دیئے گئے۔ یہ بھی ہر جگہ بتا دیا گیا کہ ولیمہ شعور کی کوٹھی پر ہے اور مہمانوں کو شعور کی کوٹھی تک لے جانے کے لیے باقاعدہ انتظام کیا گیا ہے چنانچہ مقررہ وقت پر گلی کے باہر بسیں تیار مل جائیں گی اور مہمان اس میں بیٹھ کر کوٹھی پہنچ جائیں گے۔ واپسی کا بندوبست بھی ہے۔

غرض یہ ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہیں شعور نے تمام ہی انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ حکمت علی' فاطمہ بیگم' نسیم بیگم اور پروین وغیرہ پوری طرح تیار تھیں۔ دوسرے دن طاہر ثریا کو لے کر کوٹھی روانہ ہو گیا ثریا اس عالیشان کوٹھی کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ طاہر نے اس سے کہا۔

"ایک سمت اپنی گلی ہے اور دوسری طرف یہ کوٹھی۔ محترمہ ثریا بیگم دونوں گھر ہیں آپ کے۔ چاہے جہاں بس جایئے لیکن اپنی گلی سے دلی رشتہ ہے ہمارا اس لیے یہ رشتہ توڑنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"نہیں' اس میں کوئی شک نہیں ہے وہاں محبتوں کی جو پھوار ہے اس کا نعم البدل کہیں نہیں مل سکتا۔ بہرحال اب تو سب کچھ اپنا ہے۔ واقعی امداد بیگ صاحب نے عجیب بات کی۔ انہیں شعور بھائی کا رشتہ قبول کر لینا چاہیے تھا۔"

رات کو مہمان آئے۔ کوٹھی کے سامنے وسیع عریض شامیانے لگائے گئے تھے۔ کوٹھی کے اندر بھی مہمانوں کے لیے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا جس نے دیکھا عش عش کر اٹھا۔ پروانہ صاحب کا تو سانس سینے میں نہیں سما رہا تھا لوگ تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے۔ شعور اور طاہر کی شان میں قصیدہ خوانی ہو رہی تھی اور پروانہ صاحب ایک ایک کو اپنی نئی غزل سنا رہے تھے۔ یوں انتہائی دلچسپیوں کے درمیان ولیمہ ختم ہوا۔ مہمان چلے گئے۔ شعور نے ایک رات یہاں گزارنے کا بندوبست کیا تھا اور اس کے لیے اس نے کوٹھی کا ایک کمرا انتہائی حسین انداز میں سجایا تھا۔ ثریا نے تاثر بھرے لہجے میں کہا۔

"پتا نہیں یہ شعور بھائی بھی کیسے ہیں۔ آپ لوگ آخر کون سے جہان کے باشندے ہیں؟"

"یہ سب کچھ ابھی صیغۂ راز میں ہے محترمہ ثریا بیگم۔ آہستہ آہستہ آپ پر سب کچھ واضح ہو جائے گا۔" طاہر نے کہا اور ثریا قربان ہو جانے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

اپنی گلی میں پچھلے دنوں کافی ہنگامہ آرائیاں رہی تھیں۔ دلچسپ ترین واقعہ طاہر اور ثریا کی اچانک شادی کا تھا اور جو واقعات پیش آئے تھے وہ تمام اہل محلہ کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث تھے اور سب ہی نے ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ ولیمہ بھی اس قدر شاندار تھا کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔ وہ دونوں لڑکے اتنے حیثیت ہوں گے اس کا اندازہ کسی کو نہیں تھا۔ کون تھا محلے میں جس نے اس شادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا ہو۔ اس وقت تک نہ سہی۔ جب تک یہ معاملہ طیب کے ساتھ چل رہا تھا' لیکن بعد میں تو ہر شخص ہی اس شادی میں اس طرح شریک ہوا تھا جیسے یہ سب کچھ اپنا ہو۔

اور یوں حکمت علی کو تقدیر نے ایک ایسا کھیل دکھایا تھا جس کی توقع وہ خواب میں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اپنی گلی میں رہنے والے تمام ہی لوگ شادی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے معمولات میں مصروف ہو گئے تھے۔

٭

شکیل کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اس نے اپنے اندر ایک طوفان روکا ہوا تھا۔ جو کچھ گزر رہی تھی یا گزر چکی تھی اسے تنہا جھیل رہا تھا۔ نہ کوئی ہمراز نہ کوئی ایسا مونس و غمخوار جو اسے یہ بتا سکتا کہ جو کچھ اس نے کیا۔ صحیح تھا یا غلط؟ انسان خود اپنا ...اب ہوتا ہے اور ایسے وقت میں خود ہی اپنا جائزہ لے کر بہت سے فیصلے کر سکتا ہے۔ چنانچہ ان دنوں شکیل خود احتسابی کے ...ل سے گزر رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ چاند کی طرف دوڑنے کا نتیجہ اتنا بھیانک نکلتا ہے۔ وہ تو شکر ہے کہ بات منظر عام پر ...بں آئی تھی۔ یہاں تک کہ کلیم احمد اور رقیہ بیگم بھی نہیں جان سکے تھے کہ کیا ہو گیا ہے۔ دنیا معاف کر دیتی تو کوئی تعجب کی ...ت نہیں تھی لیکن کلیم احمد جس قسم کے انسان تھے ان سے شکیل کو یقین تھا کہ اگر انہیں تفصیل معلوم ہو جاتی تو قیامت ...کر دیتے عین ممکن تھا کہ پھر وہ شکیل سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھتے۔ اب بھی شکیل کے دل میں یہ خوف جاگزیں ہو ...تا تھا کہ اگر سلطانہ جمالی کسی برائی پر تل گئی تو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ حالانکہ سلطانہ جمالی کے لیے خود شکیل کے دل میں ...ید نفرت کے جذبات تھے۔ وہ عورت بہت غلط ثابت ہوئی تھی۔ جبکہ شکیل نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ تنہائیوں کی ...چیں شکیل کو بتاتی تھیں کہ جو تجربہ اس نے اپنے آپ پر کیا ہے وہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور بہر طور اسے ایک بھیانک تجربہ ...ار دیا جا سکتا ہے۔

اب اپنی زندگی کے لیے کوئی صحیح ڈگر درکار تھی وہ تمام لوگ شناسا ہو چکے تھے جن کا تعلق اس روشن دنیا سے تھا۔ بہت ...لوگ اسے مختلف قسم کی پیش کش کر سکتے تھے' لیکن شکیل اب محتاط ہو کر ہر قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ سلطانہ جمالی سے براہ ...ست جھگڑا بھی غیر مناسب تھا کیونکہ وہی خوف سامنے آجاتا تھا۔

...بہت غور کر رہا تھا ان دنوں۔ حالانکہ سلطانہ جمالی نے اسے پیش کش کی تھی کہ وہ اپنا کمیشن لے سکتا ہے لیکن یہاں ...پھر شکیل اپنی فطرت کا شکار ہو گیا تھا اور اس نے وہ سب کچھ قبول نہیں کیا تھا اور یہ قبول نہ کرنے کا اسے افسوس بھی ...ں تھا۔ بس یہ سوچ رہا تھا کہ اب کچھ ہو جانا چاہیے۔ گھر بیٹھ کر تو وقت نہیں گزارا جا سکتا۔ کچھ نہ کچھ کرنا تو ضروری ہے۔ ...انہی سوچوں میں گم تھا۔ سلطانہ جمالی کی طرف تو اب رخ کرنے سے بھی خوف کا احساس ہوتا تھا پتا نہیں کس عالم میں ...زار رہی ہے۔

رات کی تنہائیاں شکیل کو اپنا جائزہ لینے پر مجبور کرتی تھیں اور وہ سوچتا تھا کہ سلطانہ جمالی ذہنی طور پر اس کے لیے کیا ...یت رکھتی ہے لیکن اب اس کا ذہن اسے سکون کا ہی احساس دلاتا تھا۔ سلطانہ جمالی کے لیے دل میں عشق کا یا محبت کا ...ی جذبہ تو شاید کبھی نہیں ابھرا تھا۔ یہ اپنی ہی طلب تھی اور ایک روشن زندگی کی خواہش کہ اس نے سلطانہ جمالی سے ...دی کر لی تھی' لیکن اب اس کا کردار سامنے آنے کے بعد نجانے کیسے کیسے احساسات اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے تھے۔ ...اپنے آپ کو ایک بہت ہلکی شخصیت سمجھنے لگا تھا۔

ایسی ہی سوچوں کے درمیان وہ ایک دن ایک بازار سے گزر رہا تھا کہ اسے افتخار برنی مل گئے۔ افتخار برنی بھی سلطانہ ...ی کے شکار تھے اور شکیل نے ان کے خلاف خاصا مواد تیار کر لیا تھا۔ افتخار برنی جانتے تھے کہ جو برے وقت دوسرے ...ال پر پڑے ہیں وہ ان پر بھی آنے والا ہے۔ خود ہی کار سے اتر کر شکیل کی جانب لپکے تھے۔ شکیل نے انہیں فوراً پہچان ...اور افتخار برنی اس سے مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔

"یہ صرف اتفاق ہے کہ ان دنوں میں آپ کے بارے میں بہت زیادہ سوچ رہا تھا مسٹر شکیل' براہ کرم مجھے اپنے قیمتی ...بس سے کچھ وقت دیجئے گا میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔"

"نہیں برنی صاحب' آپ تو بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ اگر کسی بھی وقت مجھے حکم دیتے تو میں دل و جان سے ...کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔"

"اگر طنز کر رہے ہو شکیل میاں تو براہ کرم نہ کرو۔ بعض اوقات انسان ایک بے گناہ مجرم بن جاتا ہے اور میں ایسے ہی ...ایک سے ہوں۔ مجھ سے تھوڑی سے گفتگو کر لو۔ اس کے بعد اگر طنز بھی کرو گے تو خوشی سے برداشت کر لوں گا۔" ...شکیل نے دل نوازی سے کہا۔ "نہیں برنی صاحب بد قسمتی سے میں ایک ایسے طبقے سے تعلق رکھتا ہوں جہاں ابتدا ہی ...سکھایا جاتا ہے کہ بزرگوں کا احترام بزرگوں کے مانند کیا جائے اگر کوئی چپقلش ہے تو اس میں بھی بزرگی کو ملحوظ رکھا

جائے اور برنی صاحب یہ تو میری ڈیوٹی ہے جسے میں سرانجام دے رہا تھا فرائض تھے جنہیں تکمیل تک پہنچا رہا تھا۔
راست نہ میرا آپ سے کوئی ایسا تعلق ہے اور نہ مجھے طنز کرنے کی جرات کرنی چاہیے تھی۔"

"اگر آپ کے یہ الفاظ سچے ہیں مسٹر شکیل' تو پھر آج ابھی اور اسی وقت مجھے تھوڑا سا وقت دیجئے گا۔"

"میں حاضر ہوں۔"

"تو پھر آیئے میری گاڑی میں میرے ساتھ چلیے۔"

شکیل تیار ہو گیا۔ برنی صاحب نے اسے اپنے قریب ہی بٹھالیا تھا اور اس کے بعد وہ کہنے لگے۔

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں مسٹر شکیل؟"

"جی ہاں برنی صاحب۔"

"لیکن کیوں؟ آپ کے اور ان کے معاملات تو بہت اچھے چل رہے تھے۔"

"جی ہاں چل رہے تھے۔ بات ختم ہو گئی۔ تھوڑے سے اختلافات ہو گئے تھے۔"

"اور سلطانہ جمالی نے آپ کا استعفیٰ قبول کر لیا؟"

"جی ہاں۔" شکیل مسکرا کر بولا۔

"بھئی عورت' بہر طور عورت ہی رہے گی۔ کبھی کوئی ڈھنگ کا فیصلہ نہیں کر پائے گی۔ کیا آپ یقین کریں گے مسٹر شکی
کہ یہ انکشاف کتنے لوگوں کے لیے باعث سکون ہو گا۔ یہ خبر نجانے کتنے لوگوں کے لیے مسرتوں کا خزانہ ثابت ہو گی اور ا
میں' میں بھی شامل ہوں۔"

شکیل ہنسنے لگا' پھر اس نے کہا۔ "برنی صاحب! میں نے ایک دیانتدارانہ عمل کا آغاز کیا تھا اور جب یہ سلسلہ ختم
تو وہ کتاب بھی کم از کم میری نگاہوں میں بند ہو گئی۔ اب آپ فرمایئے میں بیٹھوں یا چلا جاؤں۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو ڈیئر۔ اتنی بڑی خوشخبری سنانے کے بعد بھلا یہاں سے ایسے جا سکتے ہو۔" افتخار برنی کے چہر
کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں اور شکیل کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

غوثیہ بیگم نے چائے کی پیالی امداد بیگ کے سامنے رکھ دی اور خود تھکی تھکی سی ان کے سامنے ہی بیٹھ گئیں۔ امداد
نے غوثیہ بیگم کا چہرہ دیکھا۔ یہ وہ غوثیہ بیگم ہی نہیں تھیں جن کے چہرے پر اب سے کچھ عرصے پہلے تمکنت اور غرور رہتا
فخر سے گردن اکڑی رہتی تھی گفتگو کرتیں تو یوں لگتا جیسے مدِمقابل پر احسان کر رہی ہوں۔ باورچی خانے میں جانا پڑ جاتا
قیامت ہی آجاتی تھی۔ ہزار شکوے ہزار غمزے۔ وقت کا رونا۔ ملازموں کے نہ ملنے کی شکایت حالانکہ اختر ڈلیپ کام
ٹھاک کرتا تھا' لیکن غوثیہ بیگم نے اسے نکال دیا تھا اب احساس ہوا تھا کہ زندگی کس چڑیا کا نام ہے اور انسانی فرائض
ہوتے ہیں۔ ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ انداز میں اس قدر نرمی آگئی تھی کہ دیکھنے والوں کے دل پر اثر انداز
امداد بیگ نے ان کی زندگی بھر کی گستاخیاں معاف کر دی تھیں اب ایک تھکی اور غمزدہ شخصیت سے پرانی باتیں دہرا
کیا فائدہ۔ دونوں ایک دوسرے کا دل سے خیال رکھتے تھے اور جب بھی کبھی دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے کے چہر
جمتیں تو آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتیں۔ زبان حال سے کہتے کہ دیکھو کیا پتا پڑی ہے ہم پر۔ اس وقت بھی امدا
صاحب' غوثیہ کے چہرے کو دیکھ کر افسردہ ہو گئے۔ انہوں نے محبت سے چائے کی دوسری پیالی اٹھائی اور غوثیہ بیگم کے
رکھی۔ کہنے لگے۔

"چائے پیو غوثیہ۔"

اب غم واندوہ کا اظہار دونوں ہی ایک دوسرے پر کرنے سے گریزاں رہتے تھے' دونوں کو ایک دوسرے کے دل
معلوم تھا۔ کیا فائدہ دکھی رہنے سے' صبر کرنا حکم خداوندی بھی تھا اور ضروری بھی ورنہ صحت تباہ ہو جاتی۔ دونوں کے
میں وہ دلکشی باقی نہیں رہی تھی جو کبھی ہوتی تھی۔

چائے کا پہلا ہی گھونٹ لیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور امداد بیگ صاحب نے چائے کی پیالی رکھ دی۔ غو

تی ہوئی بولیں۔

"میں دیکھتی ہوں۔"

"نہیں نہیں۔ میں موجود ہوں پھر آپ کو دروازے پر جانے کی کیا ضرورت ہے؟" امداد بیگ صاحب تھکے تھکے قدموں
دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ دروازہ کھولا جو چہرہ نگاہوں کے سامنے آیا ایک لمحے کے لیے یہی احساس ہوا کہ نظر کا دھوکا
' ایسے خواب تو اب دن رات دیکھتے تھے وہ' اکثر دل میں ہوک اٹھتی تھی' یہ تصور پیدا ہو جاتا تھا سینے میں کہ اچانک کوئی
آئے گا' جب دروازے پر دستک ہوگی اور وہ دروازہ کھولیں گے تو فوزیہ دروازہ کے سامنے کھڑی ہوگی۔ اس وقت بھی
ھوں پر اسی دھوکے کا گمان ہوا تھا' لیکن اس کے بعد فوزیہ کی دلدوز آواز نے انہیں جھنجوڑ دیا۔ فوزیہ کے منہ سے ابو نکلا
اور وہ دوڑ کر امداد بیگ سے لپٹ گئی تھی۔ امداد صاحب کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔

"ارے نہیں ــــ ارے نہیں ــــ نہیں' نہیں۔" وہ زور زور سے چیخنے لگے اور ان کی چیخیں سن کر غوثیہ بیگم بدحواس ہو
باہر نکل آئیں' غور سے دیکھا تو فوزی کی صورت نظر آئی۔ فوزی نے بھی وہیں سے ہاتھ پھیلا کر آواز لگائی تھی۔

"امی۔"

غوثیہ بیگم اس طرح بھاگیں کہ لڑکھڑا کر گر پڑیں' پھر اٹھیں پھر بھاگیں اور اس کے بعد فوزیہ سے لپٹ گئیں دونوں فوزیہ
چپٹ رہے تھے' اسے بھینچ رہے تھے۔ اس پر یقین کر رہے تھے۔ یہی کیفیت فوزیہ کی تھی۔ اس طرح بے اختیار ہو گئی تھی
کہ ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ تب ہی جمی کی آواز دروازے سے سنائی دی۔

"ہم بھی اندر آنا چاہتے ہیں امداد چچا۔" اور اس کے بعد وہ بھی اندر داخل ہو گیا۔ سنبھالیے اپنے آپ کو امداد چچا
بھالیے' اللہ کے لیے بیمار ہو جائیں گے ورنہ' امداد چچا سنبھالیے۔ فوزیہ کو' آپ لوگ تو سمجھدار ہیں۔"

"فوزیہ آگئی' فوزیہ تو آگئی' فوزیہ یہ سچ ہے' یہ جھوٹ تو نہیں ہے۔"

"نہیں امی میں واپس آگئی ہوں۔" فوزیہ رو رو کر کہہ رہی تھی۔

"میری بچی کیا واقعی یہ دن ہماری تقدیر میں لکھا ہوا تھا' یہ جھوٹ تو نہیں ہے' یہ خواب تو نہیں ہے۔"

بمشکل تمام جذبات کا یہ بھوت اترا اور وہ اندر داخل ہو گئے' جمی واپس پلٹنے لگا تو فوزیہ نے کہا۔

"جمی بھائی آپ کہاں چلے' آیئے اندر تو آیئے؟"

"ہاں جمی بیٹے' فوزیہ کیا جمی تمہارے ساتھ آئے ہیں؟" غوثیہ بیگم نے پوچھا۔

"ہاں امی' میری دردناک داستان میں جمی بھائی کا کردار آسمان سے اترے ہوئے فرشتے کی حیثیت رکھتا ہے' آہ مجھے کیا
لوم تھا کہ ایک ایسا جملہ جو اس وقت دل کی گہرائیوں سے نہیں نکلا تھا' میرے لیے اکسیر ہو جائے گا' یہ جملہ میری تقدیر اس
ح بدل دے گا۔ میں نے جمی کو بھائی کہا تھا اور اور جس لیے کہا تھا وہ میں جانتی ہوں۔ میرے دل میں ہی رہے تو زیادہ بہتر
ہے' لیکن جمی نے سگے بھائی کا کردار ادا کیا ہے میرے لیے۔"

ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر فوزیہ ان لوگوں کو اپنی داستان سنانے لگی اس نے بتایا کہ کس طرح اسے لندن سے لے جایا گیا
ر پھر کیسے کیسے حالات میں اسے وقت گزارنا پڑا وہ بردہ فروشوں کے ہاتھ لگی' بردہ فروش اسے لے کر دبئی پہنچ گئے۔ وہاں
انے اس کی تقدیر کے ساتھ کون سا نیا کھیل کھیلا جانے والا تھا کہ اچانک ہی جمی فرشتہ بن کر نمودار ہوا اور سارے کھیل کا
ع قمع ہو گیا اور جمی اسے لے کر یہاں آگیا۔

امداد بیگ نے اٹھ کر جمی کے پاؤں پکڑ لیے اور جمی گھبرا کر بولا۔

"اماں چچا جان' اماں تمہیں اللہ کی قسم' کائے کو گنہگار کر رہے ہو' یہ تو' یہ تو تقدیر نے مجھے ایک نیک کام کرنے کا موقع
ا ہے' اماں چچا میاں پیر چھوڑو' تمہیں اللہ کی قسم۔"

"جمی! تم نے جو کچھ کیا ہے کاش میں تمہیں اپنے الفاظ میں یہ بتا ہی سکتا کہ وہ میرے اوپر کتنا بڑا احسان ہے۔"

"نہیں چچا میاں' بھائی کی حیثیت سے ہم نے اپنا فرض پورا کیا ہے۔ ہمیں تو خوشی ہے کہ اللہ نے ہمیں فوزیہ بہن کی
ورت دکھا دی اور ہم ان کے کسی کام آگئے۔ چچا میاں ہمارا بھی اس دنیا میں کون ہے ' ہم خود بھی بے سہارا اور اکیلے

ہیں' ایک ایسے آدمی سے اگر کوئی نیک کام ہو جائے تو اسے اللہ کا احسان ہی سمجھنا چاہیے اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارے
پر نیکیوں کا تاج سجانے والے حکمت علی چچا ہیں' بس ایسی دل کو لگی تھی ان کی بات کہ نکل گئے گھر چھوڑ کر۔ نیک بننے کے
لیے' ہم یہ جانتے تھے کہ اس شہر میں رہیں گے تو برے دوستوں سے پیچھا نہیں چھوٹے گا' گھر چھوڑ کر ہی چلے گئے' اب اللہ
کے فضل سے دبئی میں سیٹ ہیں' کھا کما رہے ہیں' فوزیہ بہن سامنے آئی تو ہم نے سوچا کہ اس سے بڑا کام ہمارے لیے اور
ہو سکتا ہے۔ ہزار بار ایسی نوکریوں پر لعنت بھیج سکتے ہیں' ہمیں خوشی ہے کہ آپ کے کسی کام آ سکے۔"

"جمی بس' میں کیا بتاؤں' کیا بتاؤں میں تمہیں اور اور ـــــ" غوثیہ بیگم نے کہا۔

"اب تو بھائی جان کو معاف کر دیں' انہیں ٹیلی فون کر کے بتا دیں کہ فوزیہ واپس آ گئی ہے۔"

"نہیں' غوثیہ بیگم ابھی نہیں' بتا دیں گے ہم' لیکن آپ کو ہماری ایک بات ماننا ہوگی۔"

"ہاں کہیے۔"

"پہلے ہم اہل محلہ کو بتائیں گے' پہلے ان غمگساروں کو بتائیں گے جو ہماری خوشی اور غم میں برابر کے شریک ہیں' معاف کرنا غوثیہ بیگم' احمد یار خان تمہارے بھائی ہیں۔ میرے سالے ہیں۔ میں نفرت نہیں کرتا ان سے' نہ انہوں نے کوئی برائی کی تھی ہمارے ساتھ' بس جو تقدیر میں تھا وہ ہو گیا' لیکن تم دیکھو۔ آہا خدا کی قسم تم ذرا دیکھو تو سہی۔ تمہیں یاد ہے حکمت بھائی نے اور ان کے گھر والوں نے کیا دعا دی تھی ہمیں؟"

"کلیجے میں چبھی ہوئی ہے وہ دعا تو اور پورے اعتماد کے ساتھ کہتی ہوں کہ یہ اسی دعا کی قبولیت کا صلہ ہے۔"

"تو پھر پہلے حکمت بھائی کے گھر والوں کو جا کر یہ خوشخبری سناؤ' تم خود چلی جاؤ۔"

"ابھی جاتی ہوں' سچ کہا آپ نے یہی سب تو ہمارے غمگسار ہیں۔" غوثیہ بیگم جلدی سے باہر نکلیں بیٹی آ گئی تھی خو
سے دیوانی ہو گئی تھیں' جسم میں جان پڑ گئی تھی' دوڑی دوڑی حکمت علی کے ہاں پہنچیں۔ وہاں فاطمہ بیگم' تسیم بیگم اور پرو
موجود تھی۔ حکمت علی گئے ہوئے تھے۔ انہیں خوش ہو کر لپٹا لیا اور کہنے لگیں۔

"چچی اماں' آپ کی فوزیہ واپس آ گئی۔ آپ کی دعاؤں کے طفیل۔ ہماری فوزیہ واپس آ گئی۔"

"ایں۔" فاطمہ بیگم اچھل پڑیں' تسیم بیگم نے بھی اپنا کام دھندا چھوڑ دیا۔ پروین بھی دوڑ کر قریب آ گئی۔

"آ گئی؟"

"ہاں وہ آ گئی' سب سے پہلے خوشخبری میں آپ ہی کو سنانے آئی ہوں کیونکہ کیونکہ یہ میرا ایمان ہے کہ اس دن جو آ
نے مجھے اتنے خلوص سے دعا دی تھی' اللہ نے اس کے صلے میں ہماری فوزیہ ہمیں واپس دے دی ہے۔"

تینوں خوشی سے سرشار ہو گئیں۔ غوثیہ بیگم کو دعائیں دیں۔ فاطمہ بیگم اور تسیم بیگم تو فوراً ہی غوثیہ بیگم کے ساتھ
میں آ گئیں۔ اتنی دیر میں چجن بی ادھر سے گزریں اور اندر شور و شر کی آوازیں سن کر پہنچ گئیں' انہیں بھی ساری صور
حال معلوم ہو گئی اور چجن بی کو ساری صورت حال معلوم ہو جائے اور محلے والے اس خبر سے محروم رہیں یہ تو کسی طور م
نہیں تھا' فوزیہ کو لپٹا کر پیار کیا' دعائیں دیں' اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کے بعد نکل بھاگیں۔ ہر گھر میں یہ خوشخبری پھونکنے
لیے۔ چنانچہ دوپہر تک پورا محلہ موجود تھا۔ سب امداد بیگ کے گھر کے سامنے موجود تھا۔ امداد بیگ نے دروازے کھول
کہا۔

"آپ سب لوگ اندر آ جائیے۔ میرے اپنے خاندان کے لوگ ہیں آپ' آپ کے سوا میرا اس دنیا میں اور ہے ہی
آیئے گھر آ جائیے۔"

وہ گھر جس میں کسی کو داخل ہوتے ہوئے تکلف ہوتا تھا۔ سارے کا سارا کھول دیا گیا' آنے والے خوشی سے سرشا
رہے تھے' کوئی مٹھائی کا ڈبا بھی لے آیا اور اس کے بعد مٹھائی تقسیم کی جانے لگی' لوگ امداد بیگ سے صورت حال معلوم
کرنے لگے اور امداد بیگ ایک ایک کو فوزیہ کی کہانی سنانے لگے۔ اس کی کہانی میں جمی کا کردار بھی شامل ہو گیا تھا۔

غریب محلے کے غریب لوگ' ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی۔ ہر ایک مسرت سے سرشار تھا جیسے اسی کے گھ
بات ہو' سب لوگ فوزیہ کی آمد کی خوشیاں منا رہے تھے۔ پروانہ صاحب' شمع بیگم کون تھا جو نہ پہنچ گیا ہو' سب کے

شی میں ڈوبے ہوئے تھے اور طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ غرض فوزیہ کی آمد اپنی گلی میں ایک نئے خوشگوار واقعے کا
ب بنی تھی۔ لوگوں کا ایک ہی کہنا تھا۔

"کسی کو اس کی نیکیوں کا ملا ہاتھ کے ہاتھ ملتے نہ دیکھا تھا اب دیکھ لیا۔"

"ہاں مجھے میرے غرور کی سزا ملی ہے۔ اب صرف کفّارہ ادا کروں گا۔" یہ ہنگامہ خوب جاری رہا تھا اور سب نے اپنے
پنے طور پر خوشیاں منائی تھیں۔ امداد بیگ اور غوثیہ بیگم کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کی مقتول خوشیاں پھر زندگی پا گئی ہیں۔

*

شعور اور طاہر بھی شمع بیگم اور پروانہ صاحب کے ساتھ امداد بیگ کی خوشیوں میں شریک ہونے پہنچے تھے دوسروں کے
ر انہوں نے بھی امداد بیگ صاحب کی خوشیوں میں برابر کی شرکت کا اظہار کیا تھا اور وہ تمام تفصیلات سنی تھیں۔ طاہر تو
ں کی واپسی کی خبر سن کر ایک دم ہی سنجیدہ سا ہو گیا تھا۔ صورت حال تو بعد ہی میں پتا لگی تھی کہ فوزی پر کیا گزری اور
ی تفصیلات سننے کے بعد طاہر پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ پتا نہیں اس کے ذہن میں کیا کیا خیالات تھے'
نے کسی پر اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ فوزی تو اندر عورتوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ اس لیے ان لوگوں میں
کسی سے ملاقات نہیں ہو سکی' لیکن رات کو جب طاہر اور ثریا تنہا ہوئے۔ تو طاہر نے پر خیال انداز میں ثریا سے کہا۔

"عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے ثریا۔ میں بڑا الجھ گیا ہوں۔"

"کیوں؟" ثریا نے معصومیت سے پوچھا اور طاہر پر خیال انداز میں اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"فوزی کی واپسی کی بات کر رہا ہوں واپس آئی ہے اور جو داستان اس نے سنائی ہے اس نے بڑے پیچیدہ حالات پیدا کر
ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ وہ زندہ سلامت واپس تو آ گئی۔ ویسے یہ جمی بڑا عجیب انسان نکلا۔ محلّے بھر میں بدنام تھا اور کوئی بھی
عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا ایک زمانے میں ہمارے گھر میں بھی گھسنا شروع کر دیا تھا۔ جاہل قسم کا بد فطرت نوجوان'
واقعی اس نے بھی اپنا ایک مقام بنا لیا ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جمی نے ایک نیک اور ہمدرد انسان کا کردار ادا کیا ہے۔ ہم لوگوں میں تو کسی کو پتا بھی نہیں
وہ دبئی چلا گیا ہے' لیکن بہرحال قدرت کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں کسی کی بھلائی کسی کے ذریعے۔ یہی کارخانہ قدرت
ن ثریا میں تھوڑا سا پریشان ہوں شعور کی وجہ سے۔"

"شعور بھائی کی وجہ سے ــ کیوں۔" ثریا نے حیرت سے کہا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے ثریا تو شعور کے دل میں آج بھی فوزی زندہ ہے۔" ثریا پر خیال انداز میں طاہر کو دیکھنے لگی
رخاموش ہو گئی' کوئی تبصرہ کرنا اس کے بس سے باہر کی بات تھی۔ دل میں اگر کچھ آ رہا تھا تو کہنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ
علمی کا احساس تھا۔ طاہر نے کہا۔

کہیں یوں نہ ہو کہ اب بھی شعور فوزی کو چاہتا ہو؟"

تو پھر؟"

میرا مطلب ہے۔ خیر یہ قبل از وقت ہے۔ چھوڑو دیکھیں گے۔ صورت حال کا جائزہ لیں گے۔"

لیکن بیٹے۔ فوزی اور شعور بھائی۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ ـ کہ اب وہ کسی بطور شعور بھائی کے قابل نہیں ہے۔"

ہر نے چونک کر ثریا کو دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ "نہیں ثریا۔ بہت سے معاملات میں تمہیں سمجھانا میرا فرض ہے
ت ایک ایسی عجیب و غریب صورت حال پیش آئی ہے کہ اگر کوئی عبرت حاصل کرنے والا ہو تو اسے فوزی کے معاملے
ت حاصل کرنی چاہیے امداد بیگ صاحب غوثیہ بیگم اور فوزی اپنی گلی کے رہنے والوں کو بالکل نچلی سطح کے لوگ سمجھتے
کسی سے ملنا نہ کسی سے جلنا ہر شخص سے غرور و نخوت سے پیش آنا اور اس کے بعد ان پر جو گزری وہ باعث عبرت
ی کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اب بے چاری اس انداز میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی واپس پہنچی ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں
پنے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکالنی چاہیے جو خدا کو بری لگ جائے۔"

"اللہ توبہ توبہ۔" ثریا دونوں ہاتھوں سے گال پیٹتی ہوئی بولی۔ "میرا یہ مقصد نہیں تھا پھر بھی میں توبہ کرتی ہوں۔ اللہ سے خلوص دل سے توبہ کرتی ہوں۔" طاہر مسکرانے لگا تھا۔

دوسرا دن چھٹی کا دن تھا۔ صبح ہی صبح فاطمہ بیگم پروین کے ساتھ آگئی تھیں' فاطمہ بیگم مٹھائی کا ڈبا لائی تھیں۔ طاہر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"دادی اماں یہ مٹھائی کھلا کھلا کر تو آپ ہمیں بالکل ہی پہلوان بنا دیں گی اب براہ کرم یہ سلسلہ منقطع کر دیجئے۔ ویسے بھی مٹھائی والوں نے قیمتیں آسمان پر پہنچا دی ہیں اور پھر آپ یقین کیجئے اتنی مٹھائی نہ مجھے پسند ہے' نہ شعور کو نہ کسی اور کو۔"

"ارے بیٹے یہ تو ایک رسم ہوتی ہے بہرحال کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ ہاں وہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ چھٹی کا دن ہے سب لوگ دوپہر کا کھانا ساتھ ہی کھالیں۔"

"ہم تو ویسے بھی آنے والے تھے دادی اماں' لیکن ایک شرط ہے۔ دوپہر کے کھانے میں کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔ کیا پکا رہی ہیں آپ؟"

"جو اللہ دے گا پکالیں گے۔"

"سن لیجئے۔ میں تو دال سبزی شوق سے کھاتا ہوں۔ شعور بھی دال سبزی ہی کا شوقین ہے اور سادہ سادہ سی روٹیاں۔ بس دال اور سبزی ہی پکا لیجئے۔ مزہ آجائے گا کھانے کا۔"

فاطمہ بیگم ہنسنے لگیں۔ پروین نے کہا۔ "طاہر بھائی بہت زیادہ تکلف کرتے ہیں۔"

"نہیں بھئی سالی حضور۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے بھلا آپ سے تکلف کیا جائے گا۔" طاہر نے کہا اور پروین مسکرانے لگی تھی۔

فاطمہ بیگم نے پروانہ صاحب اور شمع بیگم کو بھی دعوت دی اور شمع بیگم کہنے لگیں۔

"دیکھیں چچی جان بات اصل میں یہ ہے کہ اول تو ہم لوگ ذرا ویسے ہی کھانے پینے کے چور ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کچھ اچھا نہیں لگتا بچوں کے ساتھ بڑوں کا گھس کر جانا۔ آپ بس بچوں کو بلا لیا کریں آپ۔ یہ کوئی تکلف کی بات نہیں ہے' یہ سمجھ لیجئے کہ ہمارا دل جب بھی چاہے گا ہم بے دھڑک اور بے تکلف آپ کے پاس پہنچ جائیں گے' لیکن یہ کھانے پینے کے سلسلے میں آپ ہمارا چکر نہ چلایا کریں۔"

"ہم بہت غریب لوگ ہیں شمع بی بی' کیا خاطر کیا خدمت کر سکیں گے تمہاری۔ بس دل کی خوشی پوری کرنی ہے یہ نہ کہ اخلاقاً" ہی تم لوگوں سے کہا جاتا ہے اصل میں اب جب تم نے ہمارے ساتھ اور ہمارے اوپر یہ احسان کیا ہے تو تم دونوں اجنبی نہیں لگتے۔ خلوص دل سے کہہ رہی ہوں کہ صرف رسم پوری کرنے کے لیے تمہیں نہیں بلایا جاتا بلکہ سچائی سے تمہاری شرکت پسند کی جاتی ہے۔"

"خیر ٹھیک ہے کوئی بات نہیں ہے۔ ہم بھی پہنچیں گے۔" شمع بیگم نے مٹھائی پلیٹ میں رکھ کر چائے کے ساتھ فاطمہ کو پیش کی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ رخصت ہو گئیں۔ دوپہر کو تمام لوگ حکمت علی کے گھر پہنچ گئے۔ حکمت علی استقبال کے لیے تیار تھے' بڑے خلوص سے انہوں نے سب کو خوش آمدید کہا اور اس کے بعد دوپہر کا کھانا لگا دیا گیا۔ کھانے سے فراغت حاصل کر کے حکمت علی کہنے لگے۔

"دراصل اس وقت میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اور مجھے یہ سب کچھ کہتے ہوئے شرمندگی کا احساس بھی ہے لیکن اگر آپ لوگ مجھے معاف کر دیں تو میں دل کی بات کہہ دوں۔"

"ارے ارے حکمت علی' کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔۔ بھئی اگر اب بھی یہ تکلف ہمارے اور آپ کے درمیان رہا تو یوں سمجھ لو مزہ نہیں آئے گا۔" پروانہ صاحب بولے۔

"بس یہ آخری لمحات ہیں جن میں مجھے کچھ کہتے ہوئے شرمندگی ہو رہی ہے' اس کے بعد یقیناً ایسا کوئی موقع پیش نہیں آئے گا۔ طاہر میاں' شعور میاں' پروانہ صاحب' وہ سامان جو وہاں سے واپس آیا ہے اصل میں ثریا ہی کی ملکیت ہے؟ اپنے گھر میں رکھتے ہوئے مجھے بہت زیادہ بوجھ کا احساس ہو رہا ہے میں بس یہ چاہتا ہوں کہ اسے گھر پہنچا دوں۔ وہ

اس قابل نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے شایان شان ہو' لیکن لیکن بس میری آرزو ہے۔"

پروانہ صاحب نے طاہر کی اور شعور کی صورت دیکھی۔ طاہر تو کچھ نہ بولا۔ شعور کہنے لگا۔

"چچا جان' چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن اجازت چاہتا ہوں کہ جو دل میں ہے وہ کہہ دوں۔"

"ہاں ہاں بیٹے اس میں اجازت کی کیا بات ہے' کیا کہنا چاہتے ہو۔ کہہ دو؟"

"دیکھئے چچا جان' یہاں جو کچھ ہوا ہے اسی میں سچائیوں اور خلوص کا عنصر شامل ہے' کہیں بھی کوئی ایسا دنیا تصور نہیں ہے۔ خدا نہ کرے ہم آپ کو اپنے آپ سے کم تر سمجھتے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ نہ اپنے آپ ہی کو آپ سے کم تر۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے آپ۔ اب یہ ایک خاندان ہے اور دونوں خاندان کی عزت مشترک ہے۔ کیا لینا' کیا دینا' یہ سب ہم مل کر جانتے ہیں۔ میری ایک خواہش ہے بلکہ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ایک فیصلہ ہے جو آپ سب کو تسلیم کرنا ہوگا۔" شعور نے بڑے اعتماد سے یہ الفاظ کہے تھے اور ان کو ادا کرتے ہوئے اس نے کسی کی جانب دیکھنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ حکمت علی کسی قدر حیرانی سے شعور کو دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"بیٹے ذرا سی وضاحت کر دو' میں سمجھا نہیں۔"

"دیکھئے چچا جان! اب ہمیں پروین کی شادی کرنی ہے آپ کے پاس وسائل کم ہیں۔ ویسے تو ہم میں سے ہر شخص پروین کا اپنا ہے کوئی غیر ہو تو بتا دیجئے آپ۔ پروین کی شادی کے سلسلے میں از سر نو انتظامات کرنا ہوں گے۔ جو کچھ آپ نے اکٹھا کیا ہے اسے پروین کے لیے محفوظ کر دیجئے اور اس میں جو چیز کم رہ گئی ہے اس میں اضافہ کرنے کی ذمے داری اب آپ کی نہیں ہے۔ آپ بزرگ ہیں اور ہم آپ کے چھوٹے ہیں جس طرح پروین آپ کی بیٹی ہے اسی طرح وہ میری بہن ہے اور میں اس کا اظہار پہلے ہی کر چکا ہوں چنانچہ ان چکروں میں بالکل نہ پڑیں آپ۔ یہ سارا سامان پیک کر کے پروین کے لیے محفوظ کر لیا جائے اور ثریا بھابی ایک اور فہرست بنائیں گی۔ جن میں ہم سب ان کے ساتھ شامل ہوں گے۔ اس طرح پروین کا جہیز مکمل کر دیا جائے گا اگر ثریا کے جہیز کی بات ہے تو میں ان کا جو کچھ بھی ہوں' جیٹھ سمجھیں بڑا بھائی سمجھیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے پاس ان کی طرف سے سب کچھ آگیا۔ وہ اب آپ کی نہیں ہماری ہیں یا پھر اگر ایک خاندانی ربط رکھنا چاہتے ہیں تو پھر یوں سمجھ لیجئے کہ ہم سب کی ہیں' چنانچہ ان تکلفات کا آئندہ کوئی تذکرہ نہیں کیجئے گا۔ ہمارے پاس اگر کچھ نہیں ہوگا تو ہم آپ سے کہیں گے کہ فلاں چیز دے دیجئے گا اور یہاں سے اٹھا کر لے جائیں گے۔ میرا خیال ہے نہ اس میں کوئی تکلف ہے اور نہ ہی کوئی آپ پر احسان بس یہ اب معاملہ ہمارا مشترک ہے۔ کیا فائدہ چیزوں کے انبار لگانے سے۔ اچھا ہے اسی میں سے کچھ معاملات پروین کے لیے طے ہو جائیں گے آپ خود الگ رکھ کر کیوں سوچنا چاہتے ہیں۔"

حکمت علی صاحب کی گردن جھک گئی۔ فاطمہ بیگم کی آنکھوں میں چراغ جل اٹھے۔ نسیم بیگم گہری گہری سانسیں لینے لگیں حکمت علی نے کہا۔

"شعور میاں کیا کہوں اس کے جواب میں؟"

"میری مانیں گے؟"

"ہاں۔" حکمت علی صاحب نے کہا۔

"تو پھر یوں کہیں کہ آپ اس مسئلے سے اتفاق کرتے ہیں۔" شعور ہنس کر بولا اور تمام لوگ ہنسنے لگے۔ ان میں طاہر بھی شامل تھا۔ پروانہ صاحب نے کہا۔

"بھئی میرا خیال ہے اب تو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی اور نہ ہی کچھ کہنا چاہیے۔"

"خدا آپ لوگوں کو خوش رکھے۔ خدا ہم سب لوگوں کو خوش رکھے۔"

سب نے بڑے خلوص سے آمین کہا تھا۔

❀

سلطانہ جمالی ان دنوں شدید ذہنی بحران سے گزر رہی تھی۔ بہرحال عورت تھی' جو کچھ کیا تھا وہ اس کے طبقے کے لیے کوئی اتنی اذیت ناک بات نہیں تھی اور پھر اس پر تو ایک حرف بھی نہیں آیا تھا۔ کسی کو خبر ہی نہ تھی کہ کھیل کیا ہو گیا ہے۔

س شادی کو چھپانا سلطانہ جمالی کے حق میں بھی بہت ہی بہتر ہوا تھا۔ نادر شاہ اب ہر لمحہ اس کے ساتھ دیکھا جاتا تھا' لیکن سلطانہ جمالی کے دل میں اب نادر شاہ کے لیے بے پناہ بیزاری پیدا ہو چکی تھی۔ بھلا نادر شاہ کا ان کاروباری امور سے کیا تعلق؟ سارے کام ٹھپ ہو کر رہ گئے تھے۔ جو کام اس نے شروع کر رکھا تھا اس کی تکمیل تو بس شکیل ہی کا حصہ تھا۔ وہ نہایت محنت اور ذہانت سے ہر لمحہ اس کام میں مصروف رہتا تھا۔

پھر اس وقت سلطانہ جمالی کے ہوش و حواس رخصت ہو گئے جب ناصر بیگ سے اس کی ملاقات کلب میں ہو گئی۔ نادر شاہ اس دن سلطانہ جمالی کے ساتھ نہیں تھا۔ سلطانہ جمالی اپنے ذہنی بحران کو کم کرنے کے لیے کلب آتی جاتی تھی۔ شکیل کی جدائی کا اب اسے شدت سے احساس ہونے لگا تھا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ شکیل صرف کاروباری طور پر ہی ایک منافع بخش انسان نہیں تھا بلکہ تنہائیوں کا اس سے اچھا ساتھی کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ نادر شاہ کے چکر میں وہ بہت عرصے رہی تھی اور نادر شاہ اس کی طلب بن گیا تھا پھر نادر شاہ رخصت ہو گیا اور بہت عرصے تک نادر شاہ کو یاد کرتی رہی پھر اچانک ہی سوئٹزرلینڈ میں وہ اسے نظر آیا تو سلطانہ جمالی کی محبت عود کر آئی اور اس نے نادر شاہ کے ساتھ اس طرح وقت گزارا کہ شکیل اس سے برگشتہ ہو گیا۔ سلطانہ جمالی خود بھی اس احساس کا شکار ہو گئی تھی کہ شکیل سے شادی میں اس نے جلد بازی کر ڈالی۔

نادر شاہ اگر اپنی روش بدل دیتا ہے تو پھر اس سے زیادہ زندگی کا کوئی اور اچھا ساتھی نہیں ثابت ہو سکتا اور اس طرح و شکیل سے ذہنی طور پر دور ہوتی چلی گئی پھر وطن واپس آنے کے بعد اس نے نادر شاہ کے ساتھ بنائے ہوئے منصوبے کے مطابق شکیل کو جاپان بھیج دیا اس کے بعد نوبت یہاں تک پہنچ گئی' لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ شکیل منفرد شخصیت مالک تھا اور نادر شاہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتا تھا یہ تمام سوچیں اس کے دل میں کچوکے لگا رہی تھیں۔

ناصر بیگ نے سلطانہ جمالی سے ملاقات کی' پہلے سلطانہ جمالی سے ایک دو بار اس کی ملاقاتیں ہوئی تھیں اور کاروبار امور پر باتیں بھی ہوئی تھیں۔ اس وقت نادر بیگ کا انداز ہی بدلا ہوا تھا' لیکن آج وہ سلطانہ جمالی کو دیکھ کر بڑے طنزیہ اند میں مسکرایا تھا۔

"کہیے سلطانہ صاحبہ کیا ہو رہا ہے آج کل؟ آپ نے تو ہم لوگوں سے ایسا قطع تعلق کیا جیسے کبھی شناسائی ہی نہیں تھی۔"

"ہاں جب شناسائی تھی تو آپ لوگوں نے اپنے بہترین دوست ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا۔"

"بھئی کمال ہے سلطانہ جمالی۔ اتنے عرصے سے کاروباری لائف میں ہو' مگر کاروبار کرنا نہیں سیکھا تم نے' پہلے بھی ا اناڑی پن میں مار کھا گئیں۔ اب بھلا خود ہی بتاؤ کسی کو کیا غرض پڑی ہے کہ اپنے مفادات چھوڑ کر تمہارے مفادات بارے میں غور کرے' بزنس میں یہی تو سب سے اہم بات ہوتی ہے کہ سب سے پہلے اپنے بارے میں سوچو اور اس کے دنیا کے بارے میں۔ ہم لوگوں نے جو کچھ کیا وہ اس کا ایک حصہ ہے میں سمجھتا ہوں اس میں کسی کا قصور نہیں۔"

"بے شک' بے شک' لیکن اب جب مجھے اس کا موقع ملا ہے تو میں نے آپ لوگوں کے حلق سے وہ رقومات نا شروع کر دی ہیں جنہیں آپ نے اپنی ملکیت سمجھا تھا۔"

"ہاں' لیکن نادر شاہ کو اپنا نمائندہ بنا کر آپ نے ہم لوگوں پر بڑا احسان کیا ہے۔"

سلطانہ جمالی نے حیران نگاہوں سے ناصر بیگ کو دیکھا پھر کہنے لگی۔

"مطلب سمجھی نہیں؟"

"بھئی اب تو سودا مکمل ہو گیا۔ اب ہم سے کوئی شکایت نہیں رہی آپ کو؟"

"کیا مطلب ہے' کون سا سودا مکمل ہو گیا؟"

"وہ آپ کے بیرسٹر صاحب پچھلے دنوں خاصی لن ترانیاں کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ کروڑوں کی رقم ہم پر د الا دا ہے اور وہ اس کے لیے بہت جلد اہم کارروائی کرنے والے ہیں۔"

"وہ تو شروع ہونے والی ہے ناصر بیگ صاحب' میں نے ایک ترتیب رکھی ہے آپ لوگوں کی اور آپ دیکھ لیجئے ک سے لوگ منظر عام پر آ چکے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ نادر شاہ زندہ باد۔"

"بھئی بڑا نفیس انسان ہے بہت سوں کی مشکلات کا حل پیش کر دے گا۔ ویسے پچاس لاکھ روپے میں یہ سودا برا نہیں ہا۔"

"کیا؟" سلطانہ جمالی لرز گئی۔

"ہاں۔ وہ کاغذات جو شکیل صاحب نے تیار کر کے رکھے تھے اور جن کی رو سے آپ ہمارے اوپر کیس کرنے والی ہیں ب ہماری تحویل میں ہیں اور یقینی طور پر آپ انہیں دوبارہ نہیں پا سکیں گی۔"

"آپ' آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"میرا خیال ہے اور بھی کئی سودے ہوئے ہیں ویسے اسے کہتے ہیں بزنس۔ بھئی اگر رقومات مہیا ہوتیں تو آپ کی جیب ں جاتیں۔ آپ کے اکاؤنٹ میں چلی جاتیں۔ نادر شاہ کو کیا ملتا بے چارے کو۔ اس نے اسی لیے سودے کاری شروع کر کھی ہے۔ پچاس لاکھ روپے میں۔ نے کیش دیے ہیں اسے اور اس کے عوض اس نے تمام فائل میرے حوالے کر دیے ں۔ یہ اطلاع مجھے آپ کو نہیں دینی چاہیے تھی لیکن اس کے پیچھے بھی ایک راز ہے۔"

سلطانہ جمالی اور کچھ سننے کی حالت میں نہیں رہی تھی۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ جو خدشات پچھلے دنوں اس کے دل ں بیدار ہونے لگے تھے ان کی تکمیل ہو گئی تھی۔ نادر شاہ نے اس کے مفادات کا انتہائی سستے داموں سودا شروع کر دیا ہے۔ نادر شاہ' نادر شاہ۔

نادر شاہ یقیناً قابل اعتبار انسان نہیں ہے۔ بہت بڑی غلطی ہو گئی بہت بڑی غلطی اور اب اس غلطی کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ناصر بیگ نے کئی طنزیہ باتیں کہیں اور اس کے بعد وہاں سے رخصت ہو گیا۔ شکیل جب اس کے ساتھ تھا تو بہت سے ک سلطانہ جمالی سے خوفزدہ نظر آنے لگے۔ ایک عجیب سا مقام پیدا ہو گیا تھا' ہر شخص اس سے عزت اور محبت کے ساتھ یش آنے لگا تھا لیکن آج ناصر بیگ نے جس انداز میں طنزیہ گفتگو کی تھی اس نے سلطانہ جمالی کے دل کو شدید دھچکا پہنچایا ا۔ کلب سے واپسی کے بعد اپنی خواب گاہ میں آ کر وہ نجانے کب تک سوچوں کا شکار رہی۔ اب اسے شدت کے ساتھ یہ حساس ہو رہا تھا کہ شکیل کے ساتھ یہ سلوک کر کے اس نے اپنی زندگی کو ایک مسلسل عذاب میں گرفتار کر لیا ہے۔ نادر شاہ شدید جنون آ رہا تھا۔ کم بخت نے ایک بار پھر دھوکا دے دیا اور اس بار تو ایسا شدید دھوکا دیا ہے کہ کچھ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

وہ رات کے تین بجے تک نادر شاہ کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ اس عرصے میں یہ پہلا موقع تھا کہ نادر شاہ رات کو اپس نہیں آیا تھا۔ ورنہ اس نے مستقل یہیں ڈیرا جما رکھا تھا۔ سلطانہ جمالی کو علم ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔

بہت دیر تک وہ انہی سوچوں میں گم رہی۔ اس کا مطلب ہے کہ اب نادر شاہ کا روگ اس کی زندگی کو لگ گیا ہے اور یہ وگ نجانے کب تک اس کی زندگی کے لیے عذاب بنا رہے گا۔ کیا کروں' کیا کرنا چاہیے؟ شکیل کے گھر جاؤں اس کی منت ماجت کروں لیکن' لیکن وہ کتنا کھرا' کتنا سچا نکلا۔ اس نے مجھ سے کچھ لیا بھی نہیں۔ حالانکہ جتنا فائدہ اس نے مجھے پہنچایا ں میں کروڑوں روپے کا کمیشن اس کا حق بنتا ہے لیکن اس نے اس سے بھی گریز کیا۔ بلاشبہ وہ ایک عظیم انسان ہے اور ں نے اس عظیم انسان کے ساتھ دھوکا دہی کی ہے۔ جو کچھ اس نے مجھ سے کہا اس وقت مجھے بہتر نہیں لگا تھا لیکن کیا وہ سچ یں کہہ رہا تھا کہ روشنی کی اس دنیا میں تاریک انسان زیادہ نہیں پائے جاتے۔ نادر شاہ جیسے لوگوں نے درحقیقت پورے عاشرے کو بدنام کر رکھا ہے۔ یہی سب کچھ سوچتے سوچتے وہ سو گئی۔

دوسرا دن بڑی بیزار کن کیفیات میں گزرا۔ شکیل کے بارے میں سوچتی رہی' لیکن اس سے ملنے کی ہمت نہیں کر پائی ی وہ۔ تیار ہو کر کلب کی جانب چل پڑی کم از کم ذہن تو بٹ جاتا ہے باقی دیکھیں گے سوچیں گے' کوئی ایسا موثر طریقہ کار ختیار کریں گے جن سے اپنی پیدا کی ہوئی مشکلات کا حل دریافت ہو سکے۔

✥

افتخار صاحب گہری نگاہوں سے شکیل کو دیکھتے رہے پھر بولے۔

"تو پھر شکیل اب کیا ارادہ ہے' بھئی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ کہیں کوئی ملازمت وغیرہ نہیں کرو گے؟"

"کیوں نہیں برنی صاحب؟"

"تو بھئی ہمیں بھی آزما کر دیکھ لو' ہم بھی برے انسان نہیں ہیں۔ اچھا خاصا کاروبار ہے ہمارا فائبر انڈسٹری ہے' فائبر انڈسٹری کے لیے مجھے ایک جنرل مینجر کی ضرورت ہے اور میں اس کے لیے تمہیں موزوں ترین انسان سمجھتا ہوں۔"

"جلد بازی کر رہے ہیں برنی صاحب' بات اصل میں یہ ہے کہ میں ہر وہ کام کرنا چاہتا ہوں جس میں میری شخصیت مجروح نہ ہو میرا مطلب ہے مجھے کوئی ایسا کام نہ کرنا پڑے جس سے مجھے یہ احساس ہو کہ جرم کر رہا ہوں اور بے مقصد' کیونکہ میں صرف انہی پیسوں پر یقین رکھتا ہوں جو میری محنت کے صلے میں مجھے ملیں باقی نہ کسی کے لیے کوئی بے ایمانی کر سکتا ہوں نہ اپنے لیے' ہاں اگر کسی نے کسی کے ساتھ کوئی بے ایمانی کی ہو اور اس کے لیے میری خدمات کی ضرورت ہو تو یقیناً مجھے یہ سب کچھ کر کے خوشی ہوگی۔ بات اصل میں یہ ہے افتخار برنی صاحب کہ میں ایک پسماندہ گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ بچپن سے مجھے یہی سکھایا گیا ہے کہ حرام اور حلال میں فرق ہوتا ہے' حرام کھا کر دنیا میں تو سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے' لیکن عاقبت میں تاریکیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا بس یوں سمجھ لیجئے انہی تمام تصورات میں پروان چڑھا ہوں۔ اس لیے کبھی بڑا آدمی نہیں بن سکتا۔"

"بھگو بھگو کر جوتے مار رہے ہو' اطمینان رکھو' ایک آزمائشی وقفہ رکھ لو' اگر طبیعت جمے تو ملازمت جاری رکھنا ورنہ تمہیں آزادی ہوگی کہ جب چاہو استعفیٰ دے دو' میں بھی برا انسان نہیں ہوں' لیکن کیا کیا جائے' بس بعض اوقات وہ کرنا پڑتا ہے جو طبیعت اندر سے قبول نہیں کرتی' لیکن وقت اسی کی جانب لے جاتا ہے۔"

"آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کے لیے میرے دل میں احترام کی کمی ہوگی' میں بھلا اس سطح کا انسان کہاں ہوں کہ آپ جیسے پائے کے لوگوں کے سامنے اتنا کھل کر گفتگو کر سکوں لیکن اصل میں افتخار برنی صاحب پہلے سے اپنے آپ سے روشناس کرا دینا ضروری ہوتا ہے تاکہ بعد میں مشکلات نہ پیدا ہوں۔ میرے لیے بھی اور آپ کے لیے بھی۔"

"یہ مخلصانہ پیشکش بالکل خلوص پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ بھی سمجھ لو کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم دوبارہ سلطانہ جمالی کے ہاتھ لگو' خاصی مشکل عورت ہے اور بہت سوں کے لیے مشکلات پیدا کر سکتی ہے' بس میرے دل میں یہ تصور ہے کہ تم جیسے آدمی کی ذہانت سے اپنی نئی انڈسٹری کے لیے فائدہ بھی حاصل کروں اور اس خوف سے بھی آزاد ہو جاؤں کہ سلطانہ جمالی تمہیں میرے خلاف کھڑا کر دے گی' کیونکہ جس طرح تم نے میرے بارے میں ثبوت حاصل کیے ہیں وہ تمہارے لیے دوبارہ حاصل کر لینا مشکل نہیں ہوگا۔"

شکیل ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اس کھری گفتگو کے بعد میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ میرے لیے اور میں آپ کے لیے قابل اعتماد ثابت ہوں گے۔"

"بس تو پھر کل آجاؤ' میرا خیال ہے ہم سارے معاملات تمہاری پسند کے مطابق طے کر لیں گے' انڈسٹری پر ہی آجاؤ' پتا نوٹ کر لو۔" افتخار برنی نے کہا۔ اس کے بعد خاطر مدارات کی گئی پھر شکیل وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ مسکراتا ہوا گھر پہنچ گیا تھا' چلو کم از کم اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہو لیکن سلطانہ جمالی کی وجہ سے ایک حیثیت بن گئی تھی ان بڑے آدمیوں میں' یہ بھی بہر طور منافع ہی میں شمار کیا جا سکتا تھا۔

⁂

کلیم احمد اور رقیہ بیگم آج بہت خوش بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ بھی امداد بیگ صاحب کے گھر گئے تھے۔ فوزیہ کی آمد کی خوشی میں مٹھائی لے کر اور ابھی تھوڑی دیر قبل وہاں سے واپس آئے تھے۔ شکیل مسکراتا ہوا ان کے سامنے پہنچ گیا۔ کلیم احمد ہنسنے لگے پھر بولے۔

"بہت بڑی عمر ہے تمہاری اس وقت ہم تمہارے ہی بارے میں باتیں کر رہے تھے۔" شکیل محبت بھرے انداز میں ماں باپ کے پاس بیٹھ گیا۔

پچھلے دنوں جس طرح ان سے اجتناب برتا تھا وہ سب یاد آتا تھا اور شکیل سوچ رہا تھا کیا عجیب سا سحر طاری ہوتا تھا اس

پر نجانے کیوں ان تصورات میں گم ہو گیا تھا اور اپنی دنیا ہی کھو بیٹھا تھا لیکن بہرحال بروقت واپسی ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔

"کیا بات ہے' بڑے مسکراتے چہرے نظر آ رہے ہیں آپ دونوں کے؟"

"بھئی شکیل میاں بچی بات ہے' ابھی تھوڑی دیر قبل امداد بیگ کے ہاں گئے تھے' فوزی بے چاری واپس آگئی ہے سارا واقعہ تمہیں معلوم ہو ہی چکا ہوگا؟"

"جی ہاں' دیکھئے کیا کیا ہو رہا ہے اس زمانے میں' حالانکہ میں احمد یار خان کو بھی غلط نہیں سمجھتا' ان بے چاروں نے اپنی دانست میں بہن کی بیٹی کو پار لگا دیا تھا' لیکن بس ناواقفیت کی بنا پر دھوکا کھا گئے۔"

"فوزی ایک ہی بیٹی ہے امداد بیگ کی' ہم یہ سوچ کر ہنس رہے تھے کہ تم بھی تو ہمارے ایک ہی بیٹے ہو۔ پچھلے دنوں تم نے جس طرح اپنے آپ پر مصروفیت طاری کر لی تھی' یقین جانو ہم بھی اتنے ہی دہشت زدہ ہو گئے تھے جتنے شاید امداد بیگ ہوں گے۔" شکیل ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اب تو آپ کی دہشت دور ہو گئی؟"

"ہاں' اللہ کا شکر ہے ایسی نوکری نہیں چاہیے بھئی جو باقاعدہ عذاب ہی بن جائے اور تمہیں ہم سے اتنی دور لے جائے' ہم بھی تو تمہیں ہی دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں۔"

"میں نے اسی لیے وہ نوکری چھوڑ دی ابو' اب آپ لوگوں کو میری ذات سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ویسے میں بھی آپ کو ایک مسرت افزا خبر دینا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"مجھے دوسری ملازمت مل گئی ہے اور ماشاء اللہ بہت اچھی ملازمت ہے' یہ ایک فائبر انڈسٹری ہے' برنی آرگنائزیشن اس میں شاید مجھے جنرل مینجر کی پوسٹ مل رہی ہے کل اس سلسلے میں فائنل ہو جائے گا۔"

"زندہ باد' زندہ باد' اللہ کا بے پناہ شکر ہے' بے حد شکر ہے اس معبود کا کہ اس نے فوراً ہی یہ مسئلہ بھی حل کر دیا' لیکن جناب شہزادے صاحب اب ہم آپ سے اتنی اہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ شاید آپ کو شرم آئے' ہنسی آئے' لیکن نہ آپ کو شرمانے دیا جائے گا نہ ہنسنے دیا جائے گا۔" کلیم احمد صاحب بے حد موڈ میں تھے' شکیل مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ رقیہ بیگم نے کہا۔

"نہیں بیٹے واقعی بڑا سنجیدہ مسئلہ ہے اسے مذاق میں نہ اڑا دینا۔"

"ارے ارے نہیں امی۔ آپ کیسی باتیں کرتی ہیں آپ کی کسی بات کو میں مذاق میں اڑاؤں گا آپ کہیئے بے دھڑک ہو کر کہئے کیا بات ہے؟"

"بھئی دیکھو اپنی گلی میں پچھلے دنوں سے کچھ عجیب و غریب واقعات پیش آ رہے ہیں۔ اب حکمت علی صاحب کی بیٹی کی شادی کا معاملہ لے لو' ان کمبختوں نے تو ڈبو دیا تھا حکمت علی جیسے غریب آدمی کو' لیکن خدا بھلا کرے اس نیک انسان کا جس نے ڈرامائی طور پر ایک روایتی کارنامہ سرانجام دیا ہے اور اب یہ پتا چل رہا ہے کہ بڑی خوش اسلوبی سے سارے معاملات چل رہے ہیں' دونوں بچے بڑے نیک ہیں اور بڑی محبت کا سلوک کر رہے ہیں حکمت علی کے ساتھ' بالکل اپنا بنا رکھا ہے انہوں نے حکمت علی کو' ادھر بیچارے امداد بیگ صاحب کی بھی مشکل حل ہوئی' فوزی جن حالات سے گزر کر آئی وہ بھی بس دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھتے ہیں اور پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ شہباز بھی نہ صرف جیل سے رہا ہو گیا بلکہ سنا ہے جیل ہی میں اس کی ملاقات کچھ ایسے لوگوں سے ہو گئی جنہوں نے اسے بہت بڑا مقام دیا اور ایک شاندار ملازمت اسے مل گئی ہے' اس طرح جمیل احمد صاحب کے بھی دن پھر گئے' یہ اتنی ساری خوشیاں بیک وقت جمع ہو گئیں کہ ہم بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اب ہمارے گھر میں بھی تھوڑی خوشی آنی چاہیے۔"

شکیل بدستور مسکراتی نگاہوں سے ماں باپ کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"یقیناً آنی چاہیے کیا یہ خوشی کم ہے کہ مجھے آپ کی پسند کی ملازمت مل گئی اب نہ کہیں مجھے ملک سے باہر جانا پڑے گا اور نہ ہی راتوں کو گھر سے غائب رہنا ہوگا' وقت پر جاؤں گا وقت پر آؤں گا اور زندگی اللہ کے فضل و کرم سے پر عیش گزرے

ی۔"

"ہاں' اس پُرعیش زندگی میں ہم کچھ اضافہ چاہتے ہیں۔" نعیم احمد صاحب بولے۔

"مطلب یہ کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔"

شکیل نے آنکھیں بند کر کے گردن جھکالی' ان الفاظ سے اس کے دل پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے تھے پھر اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"میری شادی' کس سے کریں گی آپ میری شادی؟"

"بھئی دیکھو بات سنو' اصولی طور پر شرافت کی ایک ہی زبان ہوتی ہے' یہ بہت پرانی بات ہے جب جمیل احمد صاحب سے تمہارے اور فرزانہ کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی' بعد میں بے چارے جن حالات سے گزرے' ہم اصولی طور پر اس میں شریک ہوتے تو زیادہ بہتر ہوتا' لیکن ہم نے بھی کچھ پہلوتہی کی' مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم ان سے گریز کر رہے ہیں' بہرحال ہمارے دل میں آج بھی فرزانہ ہی ہے' ہر طرح سے ایک اچھی لڑکی ہے' دیکھو بیٹے تمہاری اپنی حیثیت کے مطابق بہت اچھی جگہ تمہاری شادی ہو سکتی ہے' اچھی جگہ سے مراد یہ کہ دولت مند لوگ ہوں' بہت زیادہ لین دین' بڑی دھوم دھام سے شادی ہو لیکن میں ذرا مختلف قسم کا انسان ہوں' میں یہ چاہتا ہوں کہ جو قول ہم نے دیا تھا اب اس کی تکمیل کی جائے زیادہ موثر زیادہ اچھے طریقے سے' تم بلا جھجک جواب دو کہ کیا فرزانہ تمہارے لیے قابل قبول ہے؟"

"ابو! بات اتنی سنجیدگی سے کی جا رہی ہے اور حکم بھی دیا گیا ہے کہ اسی سنجیدگی سے اسے محسوس کروں اور اس کا جواب دوں تو مجھے سنجیدگی سے کہنے دیجئے کہ مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے' فرزانہ ہر لحاظ سے ایک نفیس لڑکی ہے' اس نے اس گھر کی عزت کو جس طرح محنت سے اپنے شانوں پر سنبھالا اس کے لیے اسے جس قدر داد دی جائے کم ہے آپ اتنا کریں کہ مجھے چند روز کا موقع دے دیں' میں فرزانہ سے بھی کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس سے کیا گفتگو کرو گے؟" کلیم احمد صاحب نے کہا۔

"کوئی حرج بھی نہیں ہے' یہ زمانہ اسی قسم کا ہے' اگر وہ یہ چاہتا ہے تو براہ کرم آپ اسے اس سے نہ روکیے۔" رقیہ بیگم نے مداخلت کی۔

"نہیں نہیں' میں روک نہیں رہا' میں یہ کہہ رہا تھا کہ پتا نہیں کیا محسوس کریں وہ لوگ؟"

"نہیں ابو' یہ بہتر قدم ہوگا' فرزانہ سے بات کر کے میں آپ کو فوراً جواب دے دوں گا۔"

"تو پھر یوں کرو کہ اس سلسلے میں دیر نہ کرو' تم یہ بتاؤ میں اس کے لیے کوئی انتظام کروں یا پھر تم خود۔"

"نہیں میں یوں کرتا ہوں کہ آج ہی ان کے گھر چلا جاتا ہوں۔"

"ہاں ویسے تو تم جاتے آتے رہتے ہو چلے جاؤ گے تو کوئی حرج بھی نہیں ہوگا' شہباز سے تو ملے تھے ناں؟"

"ہاں شہباز سے تو بہت ساری باتیں ہو چکی ہیں' وہ واقعی کمال کا انسان بن گیا ہے۔ خیر وہ اچھا نوجوان تھا ہمیشہ سے۔ جمیل احمد صاحب نے جو کچھ کیا اس نے اس کی کایا پلٹ کر دی لیکن اب اس نے اپنے آپ سے سمجھوتا کر لیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت اچھا وقت آ چکا ہے ان پر۔"

"تو پھر ٹھیک ہے تم چلے جاؤ' ہم تمہیں آزادی دیتے ہیں' لیکن ایک ہفتے کے اندر اندر یہ تمام معاملات طے ہو جانے چاہئیں تاکہ ہم قدم آگے بڑھا دیں۔"

"جی بہت بہتر۔"

شکیل اسی شام جمیل احمد صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ شہباز گھر میں موجود نہیں تھا۔ جمیل احمد صاحب بھی نہیں تھے۔ فرزانہ اور فریدہ بیگم موجود تھیں' فرزانہ نے شکیل کو دیکھا سنجیدگی سے سلام کیا' چہرے پر کوئی تاثر نمودار نہ ہونے دیا' البتہ فریدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا تھا۔

"اب تو بیٹے تمہاری آمد پر زہے نصیب ہی کہنا پڑتا ہے۔ واقعی پچھلے دنوں کچھ یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے ہم سب کی نگاہوں سے گر گئے ہیں' تمہاری نگاہوں سے بھی۔"

"نہیں چچی جان! ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ کوتاہی میری تھی بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ مجرم ہوں آپ کا، آپ ہر سزا دے سکتی ہیں مجھے۔"
"سوچ لو، سزا قبول کرو گے؟" فریدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"جی، سزا قبول کرنا ضروری ہے۔"
"تو پھر بیٹھو اور یہ بتاؤ کہ کیا پلایا جائے تمہیں، بطور سزا تمہیں چائے پینا ہوگی۔"
"واہ چچی جان، ایسی سزا تو آپ مجھے جب چاہیں دے سکتی ہیں۔" شکیل نے مسکرا کر کہا۔
"فرزانہ، چائے بناؤ بیٹا۔"
"جی۔" فرزانہ خاموشی سے باورچی خانے کی طرف چلی گئی پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ چائے بنا کر لے آئی، اس دوران فریدہ بیگم دنیا جہان کی باتیں کرتی رہیں تھیں، شکیل چائے پیتا رہا، پھر اس نے فرزانہ سے کہا۔
"تمہاری ملازمت جاری ہے یا چھوڑ دی؟"
"نہیں، بڑی مشکل سے اجازت ملی ہے چند روز کے لیے بس یہ مہینہ پورا کرنا چاہتی ہوں اس کے بعد چھوڑ دوں گی۔ ویسے میں نے استعفیٰ پیش کردیا ہے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔
"ہوں۔" شکیل خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں سے اٹھ آیا تھا۔ فائبر انڈسٹری ذرا دیر سے جانا تھا۔ اس نے طے کرلیا تھا کہ فرزانہ کو کل دن ہی میں پکڑ لے گا اور دوسرے دن صبح ہی صبح وہ اس جگہ جا کھڑا ہوا جہاں سے فرزانہ کی بس اسے لیا کرتی تھی۔ فرزانہ وقت مقررہ پر وہاں پہنچ گئی، شکیل پہلے سے موجود تھا اس نے فرزانہ کے قریب پہنچ کر کہا۔
"آج تم اپنے دفتر نہیں جاؤ گی۔"
فرزانہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔
"کیوں؟"
"مجھے تم سے کچھ کام ہے، کچھ باتیں کرنی ہیں، الگ الگ، میرا مطلب ہے گھر والوں سے الگ، سوری فرزانہ مجھے پہلے سے تمہیں اس پروگرام سے آگاہ کرنا چاہیے تھا لیکن مجبوری ہے۔"
"لیکن اس طرح چھٹی تو نہیں کرسکتی جانا ضروری ہوگا۔"
"نہیں فرزانہ آج نہیں جاؤ گی۔" شکیل نے کہا۔
"سوری، معذرت چاہتی ہوں۔"
"ہرگز نہیں، کوئی معذرت نہیں کی جائے گی، آپ فوراً میرے ساتھ چلی آیئے۔"
"ممکن نہیں ہے شکیل۔"
"ممکن ہے اور اگر ممکن نہیں ہے تو ممکن بنانا ہوگا اسے۔"
"لیکن سنو تو سہی۔"
"بالکل نہیں فرزانہ، میں نے شاید زندگی میں ایک آدھ بار ہی تم سے ضد کی ہے، بلکہ اب تو یاد بھی نہیں کہ کبھی میں نے تم سے کوئی ضد کی ہو، بچپن کی بات نہیں کہہ سکتا براہ کرم آج میرا ساتھ دو۔"
"بڑا عجیب لگے گا یہ سب کچھ میں نے گھر والوں کو بتائے بغیر کبھی کوئی قدم نہیں اٹھایا۔"
"میں جانتا ہوں، لیکن پلیز، میرے لیے صرف میرے لیے۔"
"اگر اس سلسلے میں مجھ پر کوئی مشکل پڑی تو تمہیں بھگتنا ہوگی۔"
"میں ہر مشکل بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔"
"مگر کہاں چلیں؟"
"کسی پارک میں، میں تمہیں کسی ہوٹل میں نہیں لے جاؤں گا کیونکہ اس سے تمہاری شخصیت مجروح ہوگی۔"
فرزانہ خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ تھوڑی دور پہنچنے کے بعد شکیل نے ایک ٹیکسی روکی، خود آگے

نہ کو پیچھے بٹھایا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک پارک میں پہنچ گئے۔ فرزانہ خاموش تھی ایک عجیب سی کیفیت اس کے ے پر طاری تھی، شکیل اسے لے کر ایک گوشے میں جا بیٹھا اور پھر آہستہ سے بولا۔
"فرزانہ، میں تم سے نہایت سنجیدہ باتیں کرنا چاہتا ہوں اور اسی لیے میں نے یہ ایک ایسی حرکت کی ہے جو مجھے کسی طور ب نہیں دیتی لیکن مجبوری ہے، بہت بڑی مجبوری ہے۔"
"کہو کیا بات ہے؟" فرزانہ نے سنگین لہجے میں کہا۔
"فرزانہ، پچھلے کچھ عرصے سے میرے اور تمہارے درمیان ایک خلیج سی حائل ہوگئی ہے، کیا ہم دونوں ایک دوسرے کچھ دوری نہیں محسوس کرنے لگے ہیں۔"
"عجیب سی بات ہے اس میں میرا کیا قصور ہے؟"
"ہاں فرزانہ، اصل میں اپنے قصور ہی کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں، میری غلطی ہے بہت بڑی غلطی، ایسی غلطی جسے آسانی معاف نہیں کیا جاسکتا۔"
فرزانہ نے نگاہیں اٹھا کر شکیل کو دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔
"میری سمجھ میں کچھ آ نہیں رہا ہے، نجانے کیوں تم نے اس گفتگو کا آغاز کیا ہے۔"
"فرزانہ! آج میرا مطلب ہے اس وقت میں تم سے زندگی کی اہم ترین گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اصل میں میر ے نے ایک کر ڈالا ہے اور یوں سمجھ لو اسی جرم کی وجہ سے میں تم سے شرمندہ رہا ہوں۔"
فرزانہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی، شکیل نے کہا۔
"جو کچھ ہوا ہے یوں سمجھ لو کہ تمہیں بتانا ضروری ہے میں چاہوں تو اسے چھپا بھی سکتا ہوں لیکن یہ میری فطرت میں ں ہے، یوں سمجھ لو میں دھوکا کھا گیا تھا۔ ایک حماقت کر بیٹھا تھا اور اس حماقت کا پتا میری ذات کے سوا کسی اور کو نہیں ۔ میرا مطلب ہے امی اور ابو کو بھی نہیں، میں تمہیں اس کے لیے رازدار بنانا چاہتا ہوں۔ دراصل گزرے دن امی اور نے مجھ سے شادی کے بارے میں گفتگو کی ہے ان کے ذہن میں تمہارے سوا کوئی تصور نہیں ہے اور فرزانہ، میں بھی ں ہی چاہتا ہوں۔ میں تمہارے ہی ساتھ زندگی گزارنے کا خواہش مند ہوں۔ فرزانہ جو کچھ ہوا ہے۔ اس میں یوں سمجھ لو ں ناتجربے کاری، میری الجھن یا میری بدقسمتی کا دخل ہے میرا اپنا نہیں، میں یہ الفاظ کہہ کر اپنے قصور کو رد نہیں کرسکتا، ں اس کے لیے میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔"
"میری سمجھ میں ایک بات بھی نہیں آئی ہے۔ ہاں اتنا میں جانتی ہوں کہ پچھلے دنوں آپ نے مجھے بہت بددل کردیا ہے۔ ۔نے مجھے اس طرح نظرانداز کیا ہے جیسے میرا آپ کا کہیں دور کا تعلق نہ ہو، بچپن کے وہ الفاظ جن میں آپ مجھے صندل در میں آپ کو گل بکاؤلی کہتی تھی ایک مضحکہ خیز صورت اختیار کرگئے ہیں۔ شہباز بھیا کے سلسلے میں بھی آپ نے ابتدا ھوڑا سا کام کیا تھا میرے لیے اور اس کے بعد جب وہ مجرم کی حیثیت سے سامنے آئے تو آپ نے ہمیں اس طرح نظر ر کردیا جیسے ہم جرائم پیشہ لوگ ہوں اور اور آپ ہمیں اس قابل نہ سمجھتے ہوں، ہم مانتے ہیں اس بات کو کہ ہماری ت عجیب سی ہوگئی تھی، شہباز بھیا نے بہت گھٹیا پن اختیار کرلیا تھا اور وہ کبوتر باز ہوگئے تھے ہم خود اپنی نگاہوں سے گر تھے۔ میں ایک پیکنگ گرل کی حیثیت سے کام کررہی تھی۔ اس قابل تو واقعی نہیں رہے تھے ہم لوگ کہ کچھ شریف لوگ منہ لگاتے، لیکن آپ سے، آپ سے ذرا مختلف توقعات تھیں۔"
"فرزانہ! ان ساری باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے میرے پاس میں تو بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں خود اپنی نگاہوں سے گر ہوں۔ نوکری نہیں مل رہی تھی۔ پریشانیاں عروج کو پہنچ گئی تھیں۔ ایسے حالات میں ایک بہت معزز شخصیت نے ایک بڑی عورت نے مجھے ملازمت دی اور کچھ عرصے کے لیے مجھ پر قبضہ جما لیا، فرزانہ میں نے اس سے نکاح کرلیا اور وہ بیوی کی حیثیت سے میرے ساتھ رہی۔ مجھے باہر لے گئی۔ میں روشنیوں کی جانب دوڑ پڑا تھا۔ میں ان روشنیوں کی پوجا نے لگا تھا۔ فرزانہ، لیکن بہت جلد مجھے یہ احساس ہوگیا کہ روشنیوں کے پیچھے بھیانک تاریکی پھیلی ہوئی ہے اور اس کے بعد نے اپنی تمام تر کوششیں اس جال سے نکلنے کے لیے شروع کردیں اور آخر کار اس جال سے نکل آیا۔ فرزانہ یہ بات نہ

ای کو معلوم ہے نہ ابو کو' وہ عورت مجھ سے بہت دور چلی گئی ہے' میں اگر چاہتا تو ان تمام باتوں کو تم سے چھپا سکتا تھا' یہ جرم مجھ سے سرزد ہو چکا ہے فرزانہ' اس کے بعد اگر ای اور ابو مجھ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں شادی کرلوں اور تم سے کرلوں تو میں ساری دنیا کو دھوکا دے سکتا ہوں تمہیں نہیں' اپنا یہ جرم تمہارے سامنے پیش کرنے کے بعد میں تم سے سزا کا طالب ہوں۔ اس سزا کے طور پر تم مجھے دھتکار بھی سکتی ہو اور یہ بھی کہہ سکتی ہو کہ تم نے میری سزا معاف کردی' فرزانہ اگر تم نے میری سزا معف کردی تو اس کے بعد میں زندگی بھر تم سے مخلص رہوں گا۔ کبھی کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے گی مجھ سے جس سے تمہیں شرمندگی ہو اور افسوس ہو کہ تم نے میرا انتخاب کرکے غلط فیصلہ کیا ہے۔ فرزانہ یہ جرم مجھ سے سرزد ہو ہے اور میں اسے تمہارے علم میں خود لایا ہوں صرف اس لیے کہ میں تم سے خلوص رکھتا ہوں اور تمہیں دھوکے میں رکھ کوئی کام نہیں کرنا چاہتا' زندگی میں اگر کبھی اس بات کو منظر عام پر آنا ہوتا تو مجھے تمہارے سامنے نگاہیں جھکانی پڑتیں اور یہ کہتیں کہ میں نے تمہیں دھوکا دے کر تم سے شادی کی ہے' لیکن فرزانہ یہ سب کچھ کرنے سے پہلے میں نے تمہیں بتا ضروری سمجھا ہے۔ مجھے تمہارے جواب کا انتظار رہے گا۔ میں جلد از جلد تمہارا جواب چاہتا ہوں تاکہ میں اپنے بارے کوئی فیصلہ کرسکوں اگر تم نے نفرت سے مجھے ٹھکرادیا تو پھر یوں سمجھ لو باقی زندگی میں اپنے آپ کو سزا دینے میں گزاروں بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اب اگر تم چاہو تو میں تمہیں ٹیکسی سے تمہارے آفس چھوڑ دیتا ہوں پھر وا آجاؤں گا۔ بس یہی کہنے کے لیے میں نے تمہیں روکا تھا اور فرزانہ خدا کے لیے جواب مجھے ضرور دینا۔ تاکہ میں یکر جاؤں۔ میں تمہیں سوچنے کا پورا پورا موقع دیتا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے نظرانداز مت کرنا مجھے اس بات کا جواب دینا۔"

فرزانہ کے چہرے پہ ایک سنگین خاموشی طاری تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی کچھ دیر کے بعد اس نے اٹھائی اور بولی۔

"جواب ابھی کیوں نہ دے دوں شکیل اس کے لیے انتظار کرنا کیا ضروری ہے؟"

"اگر ایسا ہو جائے تو یوں سمجھ لو کہ لیکن فرزانہ میں تمہیں سوچنے کا موقع اس لیے دینا چاہتا ہوں کہ تم ٹھنڈے دا فیصلہ کرسکو۔ یہ سوچ سکو کہ غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے مجھ سے بھی ہوگئی میں نے اس غلطی کا ازالہ اس شکل میں کر کوشش کی ہے کہ تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں اور میرا جواب سننا چاہتے ہو تم؟"

"ہاں' فرزانہ ہاں میں سننا چاہتا ہوں۔"

"تو میں نے تمہیں معاف کردیا ہے اور زندگی میں کبھی تمہارے اس جرم کو دوبارہ اپنی زبان پر نہیں لاؤں گی۔"

"کیا ۔۔۔ کیا؟" شکیل کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس نے شدت جذبات میں ڈوب کر فرزانہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور آ بولا۔

"صندل پری۔"

"جذباتی نہ بنو' بس جو غلطی ہوگئی تم سے ہوگئی۔ میں نے معاف کردیا اور زندگی میں اگر کبھی دوسری کچھ غلط ہوئیں تو انہیں بھی معاف کردوں گی۔ ٹھیک ہے اب چلو اٹھو مجھے میرے آفس چھوڑ دو' کوئی یہ سنے گا کہ میں آفس کیا ہوگا اور اس کے علاوہ میں کہیں اور بھٹکنا بھی نہیں چاہتی۔ گھر جاؤں گی تو امی سوالات کریں گی۔ ان سے بچنے طریقہ ہے کہ مجھے ٹیکسی میں میرے آفس چھوڑ دو۔"

شکیل خوشی خوشی پارک سے نکل آیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد دونوں ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے۔

سلطانہ جمالی ان دنوں کانٹوں پر زندگی بسر کررہی تھی' ساری زندگی جو کچھ بھی کیا تھا یا ہوا تھا اس کا کوئی نہ کوئی ما لیکن زندگی کے اس موڑ پر آکر جو چرکہ اسے لگا تھا اس نے اسے تہہ و بالا کرکے رکھ دیا تھا' ہر وقت بے کلی اور بے شکار رہتی تھی' اسے بڑی شدت سے یہ احساس ہورہا تھا کہ کوہ نور اس کے ہاتھ لگا تھا اور اس نے اس کوہ نور کی بے لر کے اسے پتھر کی مانند پھینک دیا' شکیل ہر لحاظ سے نادر شاہ سے بہتر تھا۔ خوب صورت تندرست و توانا' شریف النفس ر بے پناہ ذہین' اس نے بڑے بڑے سرمایہ داروں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور سلطانہ جمالی ان سرمایہ داروں کے چہروں پر سوس کرتی تھی' جتنا غور کرتی ڈوبتی چلی جاتی' شکیل کو کیا کیا پیشکشیں نہیں ہوئی تھیں' یہاں تک کہ ان سرمایہ داروں لڑکیوں کو شکیل کو جال میں پھانسنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ سدرہ کی مثال سامنے تھی' درحقیقت وہ سلطانہ جمالی سے خوب صورت تھی' نوخیز اور نوجوان تھی لیکن شکیل نے اسے ٹھکرادیا' شوہر کی حیثیت سے وہ ہر لحاظ سے ایک مکمل ثابت ہوا تھا۔ کہیں اس نے سلطانہ جمالی سے انحراف نہیں کیا تھا لیکن کون شوہر یہ برداشت کرسکتا ہے کہ اس کی دسروں سے اظہار الفت کرے اور اسے نظرانداز کردے' شکیل نے جو کچھ کیا وہ ایک بالکل درست عمل تھا اور اس ر' نادر شاہ ہمیشہ ہی کا جرائم پیشہ تھا' کیا آنکھوں پر دھند چھائی ہوئی تھی کہ کوہ نور کو ٹھکرا کر ایک پتھر کو قبول کرلیا تھا؟

اس رات بھی وہ جلتی جھلتی ہوئی کلب پہنچی تھی' اب اپنی شخصیت خود اسے ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی تھی' ہرچند کہ نہیں معلوم تھا کہ اس کی زندگی میں کیا انقلاب آیا ہے لیکن اپنے دل کا چور اسے احساس دلا رہا تھا کہ سبھی اس کو مضحکہ خیز نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں اور پھر جلتی پر تیل کا کام یوں ہوا کہ نادر شاہ اسے نظر آگیا۔ ایک اور بڑے سرمایہ بیٹی کے ساتھ نادر شاہ بڑے والہانہ انداز میں گفتگو کررہا تھا' یہ سرمایہ دار بھی ایسا ہی ایک شخص تھا جس کے خلاف جمالی کو کارروائی کرنی تھی' اس سے قبل سلطانہ جمالی یہ سن چکی تھی کہ نادر شاہ کس طرح اس کے شکاروں سے چکا رہا ہے اور اپنی جیبیں بھر رہا ہے۔ اس وقت وہ یہ برداشت نہ کرپائی اور تیر کی طرح چلتی ہوئی ان دونوں کی میز کے پہنچ گئی پھر اس نے کرسی گھسیٹی اور نادر شاہ کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"کہاں غائب ہو تم گھر کیوں نہیں آئے؟"

نادر شاہ نے چونک کر اسے دیکھا آنکھوں میں سرخی لہرا رہی تھی اور انداز میں نشے جیسی کیفیت تھی پھر وہ ایک دم ہنس رسامنے بیٹھی ہوئی لڑکی سے بولا۔

"ان سے ملو یہ سلطانہ جمالی ہیں' عمر رسیدہ خاتون ہیں' اپنی ذات کی دلکشی کھو بیٹھی ہیں اور اب کسی بھی چلتے پھرتے کو بازو سے پکڑ کر اسے اپنی ملکیت قرار دینے کی کوشش کرتی ہیں لیکن افسوس ناکام رہتی ہیں' بھئی میں رات کو نہیں آیا مرضی نہ تمہارا شوہر ہوں نہ ملازم' بس ایک دوست ہی ہوں تو وقت گزاری کے لیے پھر اس قدر حق کیوں جتا رہی ہو؟"

"تم کمینے ہو' کتے ہو نادر شاہ' اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو۔"

نادر شاہ کے چہرے پر غصے کے آثار پھیل گئے' بولا۔ "اس بدتمیزی کا جواب ایک ایسے تھپڑ کی شکل میں بھی نمودار نا ہے جو تمہیں اس کرسی سے دوسری جانب لڑھکا دے لیکن بدقسمتی سے یہ شریفانہ ماحول ہے اور یہاں تم جیسی آوارہ ہیں اگر ایسی حرکت کر بھی جائیں تو ہم معزز لوگ نظرانداز ہی کردینا بہتر سمجھتے ہیں لیکن اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ تم سیکنڈ کے اندر اندر یہاں سے اٹھ جاؤ ورنہ پھر شاید میں بھی یہ شرافت برقرار نہ رکھ سکوں۔"

"کیا یہ تم سے' تمہارے باپ پر واجب میری رقم کے سلسلے میں کوئی سودے بازی کررہا ہے لڑکی؟" سلطانہ جمالی نے نے بیٹھی ہوئی لڑکی سے کہا۔

"ن ۔۔۔ نہیں' د ۔۔۔ دد درزاصل' دراصل۔" لڑکی گھبرا کر بولی لیکن نادر شاہ نے کرسی پیچھے کھسکالی تھی۔

"لگتا ہے تم اتنی شرافت کا مظاہرہ نہیں کروگی' تم نے سنا نہیں' میں نے تم سے کہا تھا کہ اٹھ جاؤ۔"

"نادر شاہ' ذلیل کتے! میں تجھے زندہ درگو کردوں گی' تو نے اگر مجھے اتنی ہی معمولی شخصیت سمجھا ہے تو یہ تیری بھول ہے' میں میرا قصور نہیں ہے' اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کی ذمے داری صرف تجھ پر عائد ہوتی ہے۔"

نادر شاہ کے الٹے ہاتھ کا تھپڑ سلطانہ جمالی کے منہ پر پڑا اور سلطانہ جمالی ایک چیخ کے ساتھ کرسی سے نیچے گر پڑی۔

چاروں طرف سے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے' سلطانہ جمالی نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اس کے بعد غراتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اس ذلیل کتے کو جانتے ہیں آپ لوگ' یہ ایک جرائم پیشہ شخص ہے' اس نے میرے نام سے دولت بٹوری ہے' آپ لوگ میری مدد کیجئے' اسے گرفتار کروادیجئے' میں اس کا کچا چٹھا مع ثبوتوں کے آپ کے سامنے پیش کروں گی۔" سلطانہ جمالی غصے سے کانپ رہی تھی۔ نادر شاہ نشے کی لنک میں تھا' واقعی جرائم پیشہ آدمی تھا۔ بغلی ہولسٹر سے اس نے پستول نکالا اور اسے سلطانہ جمالی کی طرف تان لیا۔

"تو مجھے گرفتار کرائے گی کتیا' تیرے پاس میرے خلاف ثبوت ہیں' یہی بات ہے ناں؟ ایسے لوگوں کو میں نے کبھی زندہ نہیں چھوڑا جن کی جانب سے مجھے ذرا بھی کوئی شک ہوجائے۔"

لوگوں کو خواب و خیال میں کوئی گمان نہیں تھا کہ اس مہذب کلب میں ایسی کوئی واردات ہوجائے گی' گولی چلی اور سلطانہ جمالی کی پیشانی میں سوراخ ہوگیا پھر دوسری گولی اس کے سینے کے مقام پر لگی اور تیسری گولی پیٹ میں' ہال میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ نادر شاہ نے چوتھا فائر چھت کی جانب کیا اور غرا کر بولا۔

"دروازے سے کوئی باہر نہ نکلے' جس نے دروازے کے پاس پہنچنے کی کوشش کی اسے گولی ماردوں گا۔" یہ کہہ کر دروازے کی جانب کھسکنے لگا اور پھر ہال کے بڑے دروازے سے باہر نکل کر اس نے دروازہ اندر سے بند کردیا' اندر ہنگامہ آرائی ہورہی تھی' سب لوگ اپنی اپنی جگہ ساکت کھڑے ہوئے تھے' سلطانہ جمالی کی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اس سے خون ابل رہا تھا' نادر شاہ تو غائب ہوگیا لیکن اس کے بعد چیختے چلاتے لوگ ادھر ادھر دوڑنے لگے' کلب کی انتظامیہ نے فوراً ہی باہر سے دروازہ کھولا اور صورت حال معلوم کرنے کے بعد پولیس کو ٹیلی فون کردیا گیا۔

❋

چھٹی کا دن تھا' شمع دان میں بہار آئی ہوئی تھی' ثریا نے گھر کا سارا نظام سنبھال لیا تھا' وہ خود بھی یہاں پر خوش تھی ایک بار بھی اس نے طاہر سے یہ نہیں کہا تھا کہ دوبارہ اس کوٹھی چلا جائے۔ آج بھی حالانکہ جمعہ تھا لیکن پروانہ صاحب کے کہے کے باوجود یہی کہا گیا تھا کہ آج کا دن یہیں گزارا جائے گا۔ طاہر نے کچھ تجاویز پیش کی تھیں انہیں بھی رد کردیا گیا تھا' دوپہر کھانا ثریا نے شمع بیگم کے ساتھ مل کر تیار کیا تھا اور اس وقت زمین پر دسترخوان بچھا ہوا تھا' تمام لوگ موجود تھے۔ شعور اور طاہر میں چونچیں چل رہی تھیں' ثریا' پروانہ صاحب اور شمع بیگم مسکرا رہے تھے' کھانے سے فراغت ہوگئی اور سب لوگ آرام کرنے بیٹھ گئے' شمع بیگم کہنے لگیں۔

"پروانہ صاحب وہ جو ایک شعر ہے۔"

"ایں ایں ایں' اماں شمع بیگم آپ شعر کہہ رہی ہیں یعنی کمال ہے وہ جو کہا جاتا ہے کہ۔

"میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا۔ یعنی ہم نے ذرا شاعری کم کردی تو آپ جاری ہوگئیں۔"

"توبہ ہے مجھ سے کچھ سنا نہیں اپنا مصرع سنا گئے۔"

"خدا تمہارا بھلا کرے یہ مصرع ہمیں تم نے عطا کردیا بڑی نوازش حالانکہ ہمارا اپنا نہیں ہے' خیر چھوڑیے کچھ چاہتی تھیں آپ۔"

"لو بھول بھی گئی اب تو آپ نے نجانے کہاں کہاں کی باتیں شروع کردیں۔"

"مصرع ــــ مصرع سنا رہی تھیں آپ۔"

"ہاں وہ جو تھا ناں کہ۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال۔"

"سبحان اللہ' سبحان اللہ مکمل کیجئے۔"

"بس اتنا ہی یاد ہے مجھے۔"

"تو ہم مکمل کیے دیتے ہیں کہ۔

آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے۔"

"ہمارے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوا ہے' زندگی بھر اولاد سے محروم رہے اللہ نے دو دو بیٹے دے دیے بھلا اب کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے ہمیں۔"

"بھئی اس میں کوئی شک نہیں' معبود حقیقی کا شکر ادا کرنے کے لیے وہ الفاظ نہیں ہیں جو جذبات کی صحیح نمائندگی کرسکیں' اللہ ان لوگوں کو سلامت رکھے اب تو بہو بھی آگئی اور اور۔"

"ڈیش' ڈیش۔" طاہر جلدی سے بولا اور سب ہنس پڑے۔ شعور نے غصیلی نگاہوں سے طاہر کو دیکھا اور پروانہ صاحب سے کہنے لگا۔

"ویسے پروانہ صاحب یہ شخص نہایت خودغرض ہے ہمیشہ اپنی اپنی سوچتا ہے' کیا مجال جو کبھی اس نے میرے بارے میں بھی سوچا ہو۔" پروانہ صاحب نے مسکراتی نگاہوں سے شعور کو دیکھا اور پھر بولے۔

"نہیں میاں ایسا تو نہیں ہے میرا خیال ہے اس سلسلے میں تمہیں ضرور غلط فہمی ہے۔"

"ثبوت کے ساتھ کہہ رہا ہوں یہ بات' پروانہ صاحب اب آپ دیکھ لیجئے' کیسی شادی کرکے بیٹھ گیا' بظاہر تو نیک جذبوں کا اظہار کیا تھا حضرت نے لیکن نجانے کہاں سے ہماری ثریا بھابی کو دیکھ لیا ہوگا اور تاک لگائے بیٹھے ہوں گے بس تقدیر نے موقع فراہم کردیا' مجھ تک سے نہ کہا کہ شعور ایسا کرنا چاہتا ہوں ارے سب سمجھتا ہوں' چلو خیر ٹھیک ہے' ثریا بھابی آگئیں دلہن میں جانتا ہوں کہ اس نے کبھی یہ بات نہیں کہی ہوگی ثریا بھابی سے کہ اپنا ایک شعور بھی ہے جو بے شعور پھر رہا ہے اس کے لیے بھی کچھ سوچا جائے۔"

"یعنی یعنی کمال ہے بھئی بڑا عجیب ... دن ہے' ہمارے شعور میاں شادی کی خواہش کا اظہار کررہے ہیں۔"

"بے شعوری کی کیفیت میں ہے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔" طاہر نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"دیکھا آپ نے' دیکھا آپ نے۔"

"میاں' ہم سے بات کرو چھوڑو طاہر کو بچہ ہے' شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"اب آپ سے کیا کہوں پروانہ صاحب؟"

"اے طاہر میاں' تم ہی پوچھ کے مجھے بتادو' میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوگی کہ ایک اور دلہن میرے گھر میں آجائے۔" شمع بیگم بولیں۔

"بولو میاں گڈے کونسی گڑیا نگاہوں میں آئی ہے؟" طاہر نے کہا۔

"فوزی۔" شعور مکمل سنجیدگی کے ساتھ بولا اور سب اچھل پڑے۔

"کیا؟" طاہر نے منہ پھاڑ کر کہا۔

"میں فوزی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

پروانہ صاحب کا سانس تیز ہوگیا' شمع بیگم مزید ہانپنے لگیں' ثریا کے چہرے پر عجیب سے آثار پیدا ہوگئے' طاہر اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا' اس نے شعور کے قریب آکر اس کی آنکھوں کے پپوٹے چیک کیے' نبض دیکھی' دل کی دھڑکنوں سے کان لگائے اور پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"بظاہر تو سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"بھئی سنجیدہ ہوجاؤ۔ شعور کے چہرے پر میں ایک عجیب سی سنجیدگی محسوس کررہا ہوں۔" پروانہ صاحب بولے۔

"اماں شعور میاں جو کچھ کہہ رہے ہو عالم ہوش و حواس میں کہہ رہے ہو۔" طاہر بولا۔

"آپ دیکھئے ناں ثریا بھابی' آپ بولیے' میری وکالت کیجئے آپ بہت سے رشتے ہیں آپ سے' بہت سی توقعات کیے ہوئے ہوں میں۔"

"کیوں نہیں شعور بھائی' آپ مجھے حکم دیجئے قسم کھاتی ہوں آسمان سے تارے توڑنے والی بات نہیں کروں گی لیکن جو کچھ بھی ہے میرے بس میں' اس سے گریز نہیں کروں گی۔"

"تو پھر آپ لوگ سن لیجئے کان کھول کر' میرا رشتہ فوزیہ کے لیے لے کر جائیے' امداد بیگ صاحب لاکھ ٹالیں' آپ ضد کیجئے گا' میں فوزی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس میں کوئی مذاق کی بات نہیں ہے امداد بیگ صاحب جب چاہیں اور جس طرح چاہیں میں اس شادی کے لیے رضامند ہوں' خاموشی سے مجھے بلا کر نکاح پڑھوانا چاہتے ہیں تو اس پر بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا' دھوم دھام سے اگر یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہیں تو یہ بھی ان کی مرضی پر منحصر ہے' جہاں تک اس مسئلے میں لینے دینے کا تعلق ہے تو ہم لوگ اس کے بالکل قائل نہیں ہیں بلکہ اس لین دین سے نفرت کرتے ہیں' امداد بیگ صاحب سے کہئے یہ گالی وہ ہمیں نہ دیں' باقی جو کچھ کرنا ہے وہ ان کی اپنی خوشی کی بات ہوگی۔"

"ابے بالکل سنجیدہ لگ رہا ہے یہ تو۔" طاہر نے آنکھیں پھاڑ کر ثریا سے کہا اور ثریا ہنس پڑی۔

"تو سنجیدہ نہیں ہوں گے کیا' واقعی اس وقت سچ کہہ رہے ہیں شعور بھائی۔ یہ بات آپ لوگوں کو سوچنا چاہیے تھی' چچا جان اور چچی جان آپ میرا ساتھ دیجئے ہم اب سے ایک گھنٹے کے بعد امداد بیگ صاحب کے گھر رشتہ لے کر روانہ ہو رہے ہیں' اس موضوع پر اور کوئی بات اگر کی جاسکتی ہے تو یہیں کرلی جائے۔" ثریا نے فیصلہ صادر کردیا۔

پروانہ صاحب نے شمع بیگم کا بازو پکڑ کر انہیں اٹھایا اور بولے۔

"چلو لباس وغیرہ کا انتخاب کرلو' وہ ذرا میری شیروانی پر استری کردینا اور وہ میری گرگابیاں بھی نکال دینا' ٹھیک ہے ثریا بیٹے تیاریاں کرلو۔"

"تو کیا مجھے نہیں لے جایا جائے گا؟" طاہر بولا۔

"جی نہیں آپ تشریف ہی رکھیے تو بہتر ہے' آپ یقیناً" میرا کام خراب کردیں گے۔"

"خدا نہ کرے۔" طاہر بھرپور محبت سے بولا اور شعور ہنسنے لگا۔

"میاں سنجیدہ تو ہو ناں آخری بار بتادو؟" پروانہ صاحب نے شعور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم پروانہ صاحب بالکل سنجیدہ ہوں آپ یہ کام فوراً" سرانجام دے لیں۔"

"اماں کمال ہے لو شمع بیگم مبارک ہو' دو دو دلہنیں' دو دو بیٹے' ارے چلو میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو؟" پروانہ صاحب شمع بیگم کو گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر نکال لے گئے۔

❊

اپنی گلی میں موسم بہار اتر آیا تھا' مسائل' مشکلات' دلچسپیاں' خوشیاں' رونقیں انسانی زندگی کے جتنے نمونے ہوسکتے ہیں وہ سب یہاں موجود تھے' کسی کے بچے کو نزلہ ہو رہا ہے' کسی کی آنکھیں دکھنے کو آگئی ہیں' کسی کے مالی حالات خراب ہیں' کوئی مقروض یا پریشان ہے' تمام ہی معاملات بیک وقت چلتے رہتے تھے لیکن ان دنوں چاروں طرف سے خوشیوں کا اظہار ہو رہا تھا' فرزانہ اندر موجود تھی' اس کا رنگ ہی بدل گیا تھا اچانک ہی چہرے کی رونقیں لوٹ آئی تھیں' ایک مہینے کی چھٹی کا معاملہ تھا اور اس کے بعد پھر مستقل چھٹی لیکن فرزانہ' شکیل سے گفتگو کے دوسرے دن آفس نہیں گئی تھی۔ اب جانے کو جی نہیں چاہتا تھا' دل میں گدگدیاں ہو رہی تھیں' شکیل نے جو کچھ کہہ دیا تھا اس کے بعد کچھ اور سننے کو جی نہیں چاہتا تھا بہرحال شکیل ایک اچھا انسان ہے' لمحوں کے لیے بھٹک گیا تھا' ایک غلطی ہوگئی تھی' کیا فرق پڑتا ہے' چھپالیتا مجھ سے تو اپنائیت نہ ہوتی جو اب محسوس ہو رہی تھی' بیمار ہوگیا تھا ناں تندرست ہوگیا' اپنی بیماری ہی کے بارے میں بتایا تھا اس نے' فرزانہ بہت بڑے دل کی مالک تھی اس نے شکیل کی اس کمزوری کو دل سے معاف کردیا تھا۔

اس وقت وہ کمرے کے اندر تھی' فریدہ بیگم باتھ روم میں تھیں' جمیل احمد صاحب آفس گئے ہوئے تھے' شہباز اپنی چھٹی پر تھا' اس نے ادھر ادھر دیکھا' چپلیں اتاریں کھڑکی پر چڑھا اور چھت پر پہنچ گیا' کبوتروں کے ڈربے خالی پڑے ہوئے تھے اور اب ایک بھی کبوتر ان میں موجود نہیں تھا' بہت سے ڈربے بھی فروخت ہوچکے تھے لیکن اس کی نگاہیں اس چھت کی جانب اٹھ گئی تھیں جہاں سے اسے زندگی مسکراتی ہوئی نظر آئی تھی اور یہ دیکھ کر اس کا دل اچھل پڑا کہ پروین چھت پر موجود تھی اور الگنی پر دھلے ہوئے کپڑے پھیلا رہی تھی۔ یہ جذبہ بے اختیار ہی تھا کہ پروین کی نگاہیں بھی اس جانب اٹھ گئیں' شہباز کو دیکھتی رہی' نجانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا پھر شاید نیچے سے پروین کو کسی نے آواز دی تھی' جس کی

سے وہ چونکی' شہباز کی طرف دیکھا' ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور اس کے بعد واپس چلی گئی' یہ انداز' یہ خاموشی' یہ یکا نگت' چھت پر کھڑے رہنا اس بات کی دلالت کرتا تھا کہ پروین کو بھی شہباز کا انتظار ہے' اس کی خوشیاں اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھیں' شہباز بھی مسرور ہوگیا' مسکراتا ہوا نیچے اترا اور جیسے ہی کھڑکی سے کودا فرزانہ کو سامنے کھڑے ہوئے پایا' ایک دم جھجک گیا اور کہنے لگا۔

"وہ لقا۔۔۔ لقا۔"

"جی کیا ہوا؟" فرزانہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"کک۔۔۔ کبوتر۔"

"سمجھ رہی ہوں لقا کبوتر۔"

"ہاں وہ۔۔۔ مم۔۔۔ مگر مگر۔"

"جی ہاں یہی پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کہاں سے آگیا؟"

"کبوتر تو کبوتر ہوتا ہے اپنے گھر کو کبھی نہیں بھولتا وہ۔"

"موجود ہے اوپر۔"

"ہاں' اسی کی آواز سن کر تو اوپر گیا تھا۔"

"شہباز بھیا سوچ لو' ابھی اوپر جاؤ اوپر ہی سے مجھے اس کی ایک جھلک دکھا دو ورنہ پھر سچ بولو۔"

"ارے کک۔۔۔ کیا مطلب ہے' کیا مطلب ہے؟"

"آؤ میرے ساتھ۔" فرزانہ بولی اور شہباز کا بازو پکڑ کر اسے کمرے میں لے گئی۔

"اس لقا کبوتر کا نام کیا رکھا ہے آپ نے؟"

"لل۔۔۔ لل۔۔۔ لقا اور کیا؟"

"لقا یا پروین۔"

"ہیں۔" شہباز نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے فرزانہ کو دیکھا۔

"جناب عالی اب تو اپنے عادات و اطوار بدل لیے ہیں آپ نے' جھوٹ بولنے میں ذرا سی جھجک اختیار کیا کیجئے گا' اچھا ہوتا ہے' اب آپ پوری شرافت سے یہ فرمائیے گا کہ آگے کے کیا منصوبے ہیں؟"

"کک۔۔۔ کیسے منصوبے؟"

"میرا مطلب ہے لقا یا پھر لقمی پالنی ہے؟"

"نجانے کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں خود سوچ رہی تھی کہ ابو اور امی سے بات کروں اور پروین کے لیے رشتہ لے کر جاؤں۔"

"ہیں؟"

"جی ہاں' اجازت ہے؟"

"اوہ فرزانہ میری پیاری بہن' میری اچھی بہن' زندگی میں سب کچھ ہی تو دیا ہے تم نے مجھے' اتنے سال تک گھر کی عزت بنائے رکھی ہے بس یہ آرزو اور پوری کردو میری پاؤں دھو دھو کر پیوں گا۔"

"کس کے' میرے یا پروین کے؟"

"تمہارے' تمہارے۔"

"جی نہیں' بالکل نہیں' ویسے آپ مطمئن رہئے میں اس مہم کا آغاز کرنے والی ہوں۔"

شہباز خوشی سے اٹھ کر رقص کرنے لگا تھا اور فرزانہ مسکرانے لگی تھی۔ اسی رات اس نے جمیل احمد اور فریدہ بیگم کے سامنے ذکر چھیڑ دیا' شہباز کو کمرے سے ہٹا دیا تھا۔ جمیل احمد صاحب کہنے لگے۔

"ابھی کچھ عرصہ رک جاتیں فرزانہ تو اچھا تھا' ہمارے اوپر جو ایک چھاپ لگی ہوئی ہے وہ ذرا ہٹ جائے' لوگ یہ یقین

کرلیں کہ ہم واقعی شریف لوگ ہوچکے ہیں۔"

"یہ ذمے داری آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔"

"جیسا تم پسند کرو لیکن حکمت علی ابھی ایک بیٹی کی شادی سے فارغ ہوئے ہیں۔"

"تو کیا فرق پڑتا ہے' بس ای کل چلیں گے حکمت علی چچا کے ہاں پروین کا رشتہ لے کر۔"

"جیسا تم پسند کرو' ویسے شہباز سے بات کرلی ہے؟"

"ارے چھوڑیے کیا اب بھی وہ ہماری باتیں نہیں مانیں گے۔"

"ٹھیک ہے پھر تم جیسا پسند کرو۔" جمیل احمد صاحب نے بھی آمادگی کا اظہار کردیا تھا۔

*

شکیل نے آج صبح کا اخبار نہیں دیکھا تھا' ویسے بھی اسے گھر پر بہت کم وقت ملتا تھا۔ اپنی ملازمت پر پہنچ گیا پھر افتخار برنی صاحب کا فون اسے موصول ہوا۔ کہنے لگے۔

"شکیل میاں' کیا آج صبح کا اخبار پڑھ لیا؟"

"جی نہیں۔ کوئی خاص بات۔"

"اوہو بہت خاص بات ہے بلکہ ایک افسوسناک خبر ہے۔ سلطانہ جمالی قتل کردی گئی۔"

"جی۔" شکیل اچھل پڑا۔

"ہاں۔۔۔ کلب میں نادر شاہ نے اسے قتل کردیا۔ نادر شاہ کے بارے میں مختصر تفصیلات اخبار میں شائع ہوئی ہیں میرا خیال ہے اخبار ہی دیکھ لو۔ فون پر اتنی تفصیل بتانا غیر مناسب ہوگا اس کے بعد مجھ سے فون پر گفتگو کرنا۔" افتخار برنی نے فون بند کردیا اور شکیل جلدی سے ریسیور رکھ کر چپڑاسی کو بلانے کے لیے بیل بجانے لگا۔ چپڑاسی آیا تو اس نے اخبار لانے کے لیے کہا۔ وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہوگیا تھا۔ عجیب و غریب خبر تھی' سلطانہ جمالی کے ہٹنے کے بعد وہ خود کو بڑا ہلکا ہلکا محسوس کرتا تھا لیکن اگر کبھی دل میں تشویش ابھرتی تو صرف یہ کہ اگر کبھی یہ بات منظر عام پر آگئی تو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ فرزانہ کو دل کی تفصیل بتاکر اسے مزید اطمینان نصیب ہوا تھا۔ اس کے باوجود کچھ خدشات تھے۔ کلیم احمد کو یہ تفصیل بتانا کسی طور مناسب نہیں ہوگا۔ رقیہ بیگم یہ سب کچھ برداشت نہیں کرسکیں گی بس یہ وسوسے یہ احساسات دل میں تھے' جنہوں نے شکیل کو بعض اوقات خاصی پریشانیوں میں مبتلا کیا تھا لیکن اب یہ خبر دوہری کیفیت کی حامل تھی۔ خود غرض بن کر سوچتا تو خوشی کے تاثرات دل میں ابھرتے' یہ کانٹا خود بخود نکل گیا۔ انسانی بنیادوں پر سوچتا تو بہر طور افسوس کی بات تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت روشنی کی تلاش میں اس بری طرح بھٹک گیا تھا کہ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھا تھا اور سب کچھ نظر انداز کرکے سلطانہ جمالی سے شادی کرلی تھی۔ اس وقت یہ روشن دنیا اسے بہت بھلی لگتی تھی اور وہ یہ سوچتا تھا کہ روشنی ہی تو زندگی ہے۔ تاریکیوں میں دم گھٹنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا لیکن اس روشنی کو قریب سے دیکھنے کے بعد اسے یہ احساس ہوا کہ یہ تو بڑی بدنما ہے اس کی تیزی آنکھوں کو چکاچوند کردیتی ہے اور اس روشنی کے نیچے جو کچھ ہے وہ صحیح طور سے نظر نہیں آتا۔ اب اسے یہ احساس ہوا تھا کہ اپنی گلی کے مسائل کتنا حسن رکھتے ہیں اپنے اندر یہ مسائل تو اصل زندگی ہیں۔ ورنہ زندگی بے معنی ہی ہوجائے۔

اخبار آگیا' شکیل نے پوری خبر پڑھ لی۔ وہی تمام تفصیل تھی۔ اسے ذرا سی تشویش بھی ہوئی۔ تفتیش کے دوران کہیں اس کا نام منظر عام پر نہ آئے لیکن بظاہر سارے نقوش مٹ چکے تھے' نادر شاہ کے بارے میں وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ایک شاطر آدمی ہے' پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گی۔ اب تک وہ نجانے کہاں سے کہاں نکل گیا ہوگا۔

بہرحال وہ پورا دن دوہری کیفیت کا شکار رہا تھا اور یہ فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ سلطانہ جمالی کے قتل پر وہ غم زدہ ہے یا خوش لیکن جب گھر واپس لوٹا تو طبیعت بڑی ہلکی اور خوش تھی' ہنستا مسکراتا ہوا اندر پہنچا تھا۔ کلیم احمد اور رقیہ بیگم کی زندگی شکیل کے علاوہ کچھ نہیں تھا' پچھلے کچھ دنوں سے وہ شکیل کو کھویا کھویا سا پا رہے تھے اور ان کے دلوں میں مایوسیاں گھر کرتی جارہی تھیں لیکن اچانک ہی شکیل واپس پلٹ پڑا تھا اور اب وہ پہلے سے مختلف نہیں تھا۔ گھر کی حالت تو خیر اللہ تعالی

خوب اچھی طرح بدل دی تھی۔ افتخار برنی کے ہاں سے بھی وہ شاندار تنخواہ مل رہی تھی جو اس گلی میں رہنے والے کسی شخص کے تصور میں بھی نہیں تھی لیکن اس سے پہلے بھی سلطانہ جمالی نے جو کچھ دے دیا تھا وہ اتنا تھا کہ اگر شکیل اپنی گلی سے نکل کر کوئی شاندار مکان خریدنا چاہتا تو اسے اس میں کوئی دقت نہیں ہوتی لیکن اپنی گلی کچھ ایسی مقناطیسی کیفیت کی مالک تھی کہ جو یہاں آیا' جم ہی گیا' پھر کسی کا کہیں جانے کو دل کیوں چاہے' سب ایک دوسرے سے منسلک ایک خاندان کی مانند۔۔۔ یہی تو زندگی ہوتی ہے۔ اگر انسان الگ تھلگ رہ سکتا تو تہذیب یہ رخ کیوں اختیار کرتی' جنگلوں' درختوں' پتھروں میں ہی زندگی گزر جاتی' ایک دوسرے کی محبت ایک دوسرے کی یگانگت ہی تو انسانی سرشت ہے' کلیم احمد اور رقیہ بیگم نے بیٹے کو خوش پایا تو خود بھی پھولوں کی طرح کھل گئے' آج کلیم احمد صاحب بھی بڑے موڈ میں تھے کہنے لگے۔

"میاں شکیل! دیکھو ہم نے کبھی اپنی رائے تم پر مسلط نہیں کی بیٹے لیکن آدمی توجوانی میں دینے والا ہوتا ہے بڑھاپے میں ضرورت مند ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی ضرورت مند تمہارے سامنے ہاتھ پھیلادے تو بیٹے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو خالی نہیں رکھنا چاہیے۔ بولو۔ اجازت دو۔ پھیلائیں تمہارے آگے ہاتھ؟" کلیم احمد صاحب نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کردیا اور شکیل نے اسے دونوں ہاتھوں میں تھام کر پہلے چوما پھر آنکھوں سے لگایا اور اس کے بعد سینے پر رکھ کر بولا۔

"اس پھیلے ہوئے ہاتھ پر زندگی رکھ سکتا ہوں ابو' جو آپ ہی کی پروان چڑھائی ہوئی ہے' جب میرا سارا وجود آپ کا ہے تو آپ مجھ سے مانگتے کیوں ہیں۔ ہاتھ بڑھائیے اور مجھے لے لیجیے۔۔۔ ہے کوئی اس کائنات میں جو آپ کا خالی ہاتھ رہنے دے۔"

شکیل کے الفاظ پر کلیم احمد اور رقیہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو آگئے' کلیم احمد نے اسے سینے سے لپٹاتے ہوئے کہا۔

"اب اور کیا مانگوں' کیا اس کے بعد بھی کچھ رہ جاتا ہے رقیہ' کن وسوسوں میں پھنس گئے تھے ہم۔ شکیل تو ہمارا اپنا ہی ہے۔ اچھا خیر جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' دیکھو میاں اصل میں اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے گھر میں ایک اور فرد کا اضافہ ہوجائے رقیہ بھی تھک گئی ہے۔ میں بھی گھر کو اداس اداس اور سونا سونا محسوس کرتا ہوں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ ہمارے گھر میں کچھ نئے چراغ روشن ہوں گے تو ہوسکتا ہے تھوڑی سی زندگی اور بڑھ جائے۔ بھئی میں اب تمہاری شادی کردینا چاہتا ہوں اور اپنی زبان بھی نبھانا چاہتا ہوں۔ جمیل احمد بہت اچھے انسان ہیں بھئی کون ایسا ہے جس سے زندگی میں کبھی کوئی غلطی نہ ہوئی ہو۔ یہ تو بس فرشتوں ہی کا حصہ ہے' انسان تو غلطی کرتا ہی ہے لیکن ہمیں اس سے کیا۔ ہم سے کیا لے لیا اس بے چارے نے اور کسی اور سے کیا لیا۔ میں فرزانہ ہی کو دل میں بسائے ہوئے ہوں۔ بچپن ہی سے وہ بچی مجھے اچھی لگتی ہے اب تم یہ بتاؤ کیا ہم اپنے ارادے کی تکمیل کرلیں۔"

"اب بھی پوچھنے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے ابو آپ کا جو دل چاہے کریں۔" شکیل نے شرگین لہجے میں کہا اور ماں باپ خوشی سے دیوانے ہوگئے' اس کے بعد کلیم احمد صاحب کی حالت قابل دید تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا ورنہ ابھی شکیل کو گردن سے پکڑ کر لے جاتے اور فرزانہ سے نکاح کرادیتے اور اس کے بعد فرزانہ کو دلہن بناکر اپنے گھر لے آتے۔ تاہم یہ کام دوسرے دن کے لیے اٹھا رکھا گیا۔

*

امداد بیگ کے گھرانے کا مزاج ہی بدل گیا تھا' پہلے دنیا کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن اب اس طرح توبہ کی تھی کہ بہت ہی منکسر المزاج بن گئے تھے' ہر ایک سے جھک کر پیش آتے۔ فوزی گویا نیا جنم لے کر ان کی دنیا میں آگئی تھی۔ جمی کے اس قدر شکر گزار تھے کہ بس نہیں چلتا تھا کہ اس کے پاؤں دھودھو کر پییں۔ جمی نے واپسی کا فیصلہ کرلیا تھا۔ بہرحال وہ چلا گیا۔ امداد بیگ صاحب اور غوفیہ بیگم فوزی کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ انہوں نے بارہا فوزی کا جائزہ بھی لیا کہ اس کی اپنی ذہنی کیفیت کیا ہے لیکن فوزی نارمل تھی' اس نے جو دکھ اٹھائے تھے اس کے بعد اس کے اندر بھی انسانیت بیدار ہوگئی تھی۔ انسانی سرشت ہے جب تک اونٹ پہاڑ تلے نہیں آتا اس وقت تک اپنی بلندی پر ہی نازاں رہتا ہے' بعد میں احساس ہوتا ہے کہ دنیا کیا چیز ہے۔

بہرحال زندگی کی گاڑی ایک بار پھر ڈگر پر آگئی تھی لیکن اب انداز بڑے بدلے ہوئے تھے بس ماں باپ کو یہ احساس تھا

کہ بٹی کے دل پر جو گھاؤ لگا ہے وہ کہیں اسے اندر ہی اندر نہ گھلا دے' جانتے تھے کہ داغدار ہوگئی ہے لاکھ پارسائی کے دعوے کیے جائیں جھوٹی کہانیاں معلوم ہوں گی' مستقبل بڑا مخدوش ہوگیا تھا لیکن ان کے پاس کوئی کمی نہیں تھی' بٹی کو عیش و عشرت سے پروان چڑھائیں گے' کبھی اس کے دل پر میل نہیں آنے دیں گے۔ یہی فیصلہ کیا تھا انہوں نے باقی جو کچھ ہوگیا تھا اب اسے رد کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

یوں وقت گزر رہا تھا' اس دوران احمد یار خان سے کچھ کشیدگی ہوگئی تھی اور آنا جانا بھی خاصا کم ہوگیا تھا۔ حالانکہ احمد یار خان نے اپنے طور پر جو کچھ کیا تھا اس کے سلسلے میں اپنے آپ ہی کو مجرم تصور کرلیا تھا اور کچھ حالات بھی ایسے تھے کہ امداد بیگ بددل ہوگئے تھے۔ غوفیہ بیگم خود بھی بھائی کے ہاں آنے جانے سے کترانے لگی تھیں لیکن ایک دن امداد بیگ نے ہی کہا۔

"غوفیہ بہت دن ہوگئے۔ احمد بھائی بھی نہیں آئے اور ہم لوگ بھی وہاں نہیں گئے۔ چلنا ہے وہاں۔"

غوفیہ بیگم نے عجیب سی نگاہوں سے امداد بیگ کو دیکھا تو امداد بیگ آنکھیں بند کرکے گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

"نہیں غوفیہ انسان جب مشکلات کا شکار ہوتا ہے تو اس کا دل بھی خراب ہوجاتا ہے۔ ہر ایک کو اپنی مشکل کا باعث سمجھنے لگتا ہے۔ احمد یار خان بھائی کسی بھی طور ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنی دانست میں تو اچھا ہی کیا تھا۔ بات بگڑ گئی تو کوئی کیا کرسکتا ہے چلو چلتے ہیں ان کے ہاں۔"

غوفیہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہنے لگیں۔ "پہلے ٹیلی فون کریں گے انہیں' خیریت معلوم کرلیں گے اس کے بعد جانا مناسب رہے گا۔"

"چلو ایسا کرلیتے ہیں۔" امداد بیگ صاحب نے کہا لیکن ابھی وہ ٹیلی فون تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ باہر کی بیل بجی۔۔۔۔ امداد بیگ صاحب خود ہی دروازے پر چلے گئے تھے۔ وہاں شمع بیگم' پروانہ صاحب' طاہر اور ثریا کو دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھے۔

"ارے ارے آپ لوگ آیئے' آیئے۔ اچانک بھئی واہ' یہ ہوتی ہے اپنائیت' بخدا جی خوش ہوگیا' ارے غوفیہ۔ دیکھو ہمارے مہمان آئے ہیں۔"

غوفیہ بیگم باہر نکل آئیں' فوزی غسل خانے میں تھی غوفیہ بیگم نے ان لوگوں کا پرتپاک استقبال کیا۔

"آیئے آپ کے اس طرح اچانک آجانے سے بڑا لطف محسوس ہو رہا ہے۔ سب خیریت ہے نا۔"

"نہیں۔۔۔۔" پروانہ صاحب نے کہا اور غوفیہ بیگم ہول گئیں۔

"الٰہی خیر۔ کیا بات ہے' خیریت تو بتایئے؟" شمع بیگم مسکرا کر بولیں۔

"اب اس عمر میں ان پر بچوں جیسی شوخیاں طاری ہوگئی ہیں۔ ہر وقت شرارتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے یہ الفاظ بھی ان کی شرارت کا ایک حصہ سمجھو غوفیہ بیگم۔" امداد بیگ ہنس پڑے پھر بولے۔

"ہاں بھئی جسے طاہر اور شعور جیسے بیٹے مل جائیں اس کے دل میں گدگدیاں کیوں نہ ہوں بھئی یہ پروانہ صاحب کہاں تھے شمع بھابی۔ آپ انہیں شوخیاں کرنے دیں۔ ہم ان سے ان کی شوخیاں نہیں چھین سکتے۔" پروانہ صاحب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"دیکھو میاں بات یہ ہے امداد بھائی کہ جب انسان کے ذہن میں کوئی ایسا خیال ہو جو اسے سنسنی اور تجسس میں مبتلا کررہا ہو تو کیا وہ خیریت سے ہوسکتا ہے۔ میں نے لغوی اعتبار سے گفتگو کی تھی اب نہ سمجھنے والے اس بات کو نہ سمجھیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے اور سنو چائے تو خیر تم لوگ پلواؤ گے ہی ہمیں لیکن چائے تمہاری' اور مٹھائی ہماری۔ اماں کہاں چھپا رکھی ہے شمع بیگم وہ مٹھائی کا ڈبہ۔ ذرا سامنے تو لاؤ۔"

"اے ہے' تھوڑا سا صبر کیجیے۔ کچھ رسمیں ہوتی ہیں کچھ طریقے ہوتے ہیں۔ ان طریقوں کی بنیاد پر کام کیجیے آپ تو ہمیشہ کے بے صبرے ہیں۔"

"اب بچوں کے سامنے کچھ کہیں گے تو شرم آئے گی اگر بے صبرے نہ ہوتے تو آپ کی شادی ہوگئی ہوتی عبدالقدوس

سے' جن کا برف کا کارخانہ تھا۔"

سب لوگوں نے قہقہے لگائے۔ ان لوگوں کے آنے سے امداد بیگ صاحب بھی خوش ہوگئے تھے' فوزیہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ غسل خانے میں ہمیشہ دیر لگانے کی عادی تھی۔ بچپن سے عادی تھی۔ پروانہ صاحب کہنے لگے۔

"بھئی مجھے اندازہ ہے کہ کسی کی زبان سے کچھ نہیں نکلے گا۔ لوگ صورت حال کی نزاکت کو بھی نہیں سمجھتے بھائی امداد بیگ وہ جو کہتے ہیں ناں کہ کبھی کبھی غیور سے غیور انسان کو بھی جھولی پھیلانی پڑجاتی ہے' ہم پچھلی بار کا کوئی تذکرہ نہیں کریں گے۔ رات گئی بات گئی لیکن اب اپنے اس قصور کا اعادہ کرنے آئے ہیں۔ بھائی اللہ کے واسطے فوزیہ ہمیں دے دو۔ وہ ہماری ہے کسی اور کی نہیں کیا سمجھے۔ ہم نے پہلے بھی اسے مانگا تھا تم سے۔ تم نے انکار کردیا۔ خدارا اب انکار نہ کرنا۔ ہماری جائیداد ہمیں واپس لوٹا دو۔۔۔۔ میں فوزیہ کے لیے ایک بار پھر شعور کا رشتہ لے کر آیا ہوں۔"

امداد بیگ اور غوفیہ بیگم دھک سے رہ گئے۔ ان کے تصور میں بھی نہیں آئی تھی یہ بات کہ فوزیہ پر اس طرح داغ لگ جانے کے بعد' ایک بار پھر شعور جیسے ہونہار نوجوان کا رشتہ اس کے لیے آجائے گا۔ فوزیہ تو اب بے قیمت ہوگئی تھی۔ بارہا رات کی تنہائیوں میں انہوں نے سوچا تھا کہ اب کوئی فوزیہ کو منہ نہیں لگائے گا۔ دنیا بہت سنگدل ہے' لوگوں کے سوچنے کا انداز بھلا کیسے بدلا جاسکتا ہے۔ بہرطور دونوں سکتے کے سے عالم میں پروانہ صاحب کی صورت دیکھتے رہے۔ پروانہ صاحب نے پھر کہا۔

"اور یہ سمجھ لو امداد بیگ کہ اگر اس بار تم نے مجھے مایوس کیا تو۔۔۔۔ تو۔۔۔۔؟"

"آپ کیسی باتیں کررہے ہیں پروانہ صاحب' میں نہیں سمجھتا کہ میں نے زندگی میں کبھی نیکیاں کی تھیں گناہ ہی گناہ مجھ سے سرزد ہوئے ہیں ہمیشہ اور میں اپنے گناہوں کا خود احتساب کررہا ہوں آج کل۔ جو کچھ میرے دل پر بیتی ہے پروانہ صاحب آپ اس سے غافل نہیں ہیں یہ بہت بڑا اعزاز ہے میرے لیے۔ فوزیہ کے لیے لیکن یہ بات بھی میں جانتا ہوں کہ آسمان سے فرشتے اتر آئے ہیں اور فرشتوں کا تو کام ہی نیکیاں کرنا ہے' بہرحال بھلا مجھے کیا انکار ہوسکتا ہے لیکن رسمی طور پر آپ مجھے اس کی اجازت دیں کہ میں ذرا سا فوزیہ کا عندیہ اور لے لوں۔ حادثے سے گزری ہے نجانے دل کی کیا کیفیت ہوگی ایک تھوڑی سی مہلت اور عطا کردیجیے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ بس اس کی زبان سے ہاں سننا ہے۔ ورنہ باقی اور کچھ نہیں رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے' ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے آپ مزید فوزیہ بہن سے بات کرلیجیے امداد بیگ صاحب۔ بالکل ٹھیک ہے۔" اس بار طاہر نے مداخلت کی اور ثریا نے اس کی تائید کی۔ پروانہ صاحب کہنے لگے۔

"بات ختم اور اب تذکرہ ہوتا ہے چائے کا۔"

"ارے ہاں میں جارہی ہوں۔" غوفیہ بیگم نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔ اسی وقت فوزیہ بھی آگئی سب لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوگئی۔ ثریا کو اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئی۔ کافی دیر کے بعد پروانہ صاحب وہاں سے رخصت ہوئے تھے۔ جب وہ چلے گئے تو غوفیہ بیگم اور امداد بیگ صاحب ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ ثریا نے غالباً ضبط سے کام لے کر کوئی چھچھورا پن نہیں کیا تھا۔ یعنی فوزیہ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس وقت ان کی آمد کس سلسلے میں ہوئی تھی۔ یہ ماں باپ کا حق تھا۔ پہلے وہ اپنا کام پورا کرلیں اس کے بعد ہی سب کچھ مناسب ہوتا۔ چنانچہ فوزیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا بات ہے۔ آپ دونوں بڑے فکرمند نظر آرہے ہیں؟"

"ہاں فوزیہ' کچھ ایسی ہی بات ہوگئی ہے۔"

"اللہ خیر۔۔۔۔ کیا بات ہے؟" فوزیہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"فوزیہ! پروانہ صاحب' شمع بیگم طاہر اور ثریا' شعور کے لیے ایک بار پھر تمہارا رشتہ مانگنے آئے تھے۔ بڑی عاجزی سے انہوں نے کہا ہے کہ فوزی ہماری ملکیت ہے وہ ہمیں واپس کردی جائے۔ فوزیہ بیٹے تم سے کہنا ضروری ہے۔ میں نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا اور یہی کہا ہے کہ فوزیہ سے بات کرنے کے بعد جواب دیں گے۔"

فوزیہ کے چہرے پر ایک پتھریلا پن پیدا ہوگیا تھا۔ تقدیر جب بگڑتی ہے تو اسی طرح بگڑتی ہے جس طرح فوزیہ کی بگڑی تھی۔ خیر یہ لوگ تو تھے بھی گناہ گار غرور اور تکبر کی اگر معافی مل جائے تو خوش بختی کی انتہا ہوتی ہے۔ یہ مغرور تھے اور انہیں ان

کے غرور کی سزا ملی تھی لیکن بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو گیا تھا' فوزی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی' شعور نے تو پہلے بھی اسے چاہا تھا' کیا اب بھی وہ اسے چاہتا ہے؟ خود فوزیہ کے دل میں اس کے لیے جگہ تھی لیکن اس وقت آنکھیں بند تھیں۔ بہت دیر تک غور کرتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ابو میں شعور سے ملنا چاہتی ہوں آپ میری اس سے ملاقات کا بندوبست کر دیجئے میں اپنا جواب اس سے ملاقات کے بعد ہی آپ کو دوں گی۔"

امداد بیگ صاحب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے تھے۔

٭

فرزانہ' جمیل احمد اور فریدہ بیگم نے حکمت علی صاحب کے دروازے پر دستک دی تو پروین نے دروازہ کھولا ان لوگوں کو دیکھ کر کچھ جھجک سی گئی پھر خوش ہو کر فرزانہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آیئے فرزانہ باجی' آیئے چچا جان' چچی جان آیئے۔"

"حکمت علی صاحب گھر پر ہیں؟" جمیل احمد نے پوچھا۔ اسی وقت حکمت علی باہر نکل آئے۔

"کون ہے پروین بیٹا؟"

"ابو جمیل احمد چچا ہیں۔"

"ارے واہ آیئے آیئے بھئی آیئے۔"

فاطمہ بیگم اور نسیم بیگم بھی باہر نکل آئیں' مہمانوں کو خوش آمدید کہا گیا' فرزانہ' پروین کو لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی' جمیل احمد صاحب' حکمت علی' فاطمہ بیگم اور نسیم بیگم کے ساتھ دوسرے کمرے میں آبیٹھے' سب لوگ ایک دوسرے سے خیر و عافیت معلوم کرنے لگے' جمیل احمد صاحب نے کہا۔

"بھئی ویسے تو ہمارے اور تمہارے درمیان آنے نہ آنے کا کوئی تکلف نہیں ہے لیکن اس وقت ہمارا آنا ایک خاص اہمیت کا حامل ہے' بس یوں سمجھ لو ہمیں ایک ضرورت پیش آگئی ہے' تم سے کچھ مانگنے آئے ہیں حکمت علی۔"

"ج ــــ جی۔" حکمت علی نے گھبرا کر نسیم بیگم اور فاطمہ بیگم کی صورت دیکھی' اپنی کم مائیگی کا احساس تھا کسی کو کچھ نہیں دے سکتے تھے پریشان سے ہو گئے پھر آہستہ سے بولے۔

"جمیل بھائی! یہ گھر یہاں سے لے کر وہاں تک آپ کے سامنے ہے جو کچھ اس میں موجود ہے آپ کا ہے اٹھایئے اور لے جایئے خدارا مجھے بتایئے کیا خدمت درکار ہے مجھ سے۔"

"ماں تو گھبرا کیوں گئے' ہم اتنے برے بھی نہیں ہیں کہ کوئی ایسی چیز مانگ لیں گے جو تم ہمیں دے نہ سکو۔ ہاں اگر ٹالنا چاہو تو دوسری بات ہے۔"

"تو پھر حکم دیجئے کیا خدمت ہے میرے لیے؟" حکمت علی بیچارے سیدھے سادھے انسان تھے' جمیل احمد صاحب بھی سنجیدہ ہو گئے انہوں نے کہا۔

"حکمت علی' بات اصل میں یہ ہے اپنی گلی میں جس سے دل چاہے پوچھ لو ہم اتنے برے لوگ نہیں تھے جتنا ہمیں حالات نے کر دیا' بعض اوقات ایک چھوٹی سی غلطی انسان کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کر دیتی ہے' میں اچھا خاصا ملازم تھا' بہت اچھی تنخواہ تھی میری' ریٹائر ہونے میں خاصا وقت تھا' طے یہ کیا گیا تھا کہ شہباز گریجویشن کر لے تو میری ملازمت اسے مل جائے گی' ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے لمبا چوڑا کنبہ بھی نہیں ہے پھر شیطان نے دل میں گھر کیا' فنانس کمپنیوں کے چکر میں پڑا اور ان کا شکار ہو گیا' اپنی ہی سوچ غلط تھی' کسی دوسرے کو کیا دوش دینا اس غلط سوچ میں مبتلا ہو کر اپنا سارا سرمایہ ضائع کر بیٹھا۔ شہباز بھی میرے اس عمل کا مخالف تھا چنانچہ وہ باغی ہو گیا اور اس نے ایسی حرکتیں کرنا شروع کر دیں جو اس کے مزاج اور معیار کے مطابق نہیں تھیں' غرضیکہ صورت حال کچھ گمبھیر ہو گئی' برا وقت تھا دعاؤں نے ٹال دیا توبہ کی اللہ سے اور اس کے بعد حالات بہتر ہو گئے اب شہباز بہت اچھی ملازمت کر رہا ہے' میں خود بھی ملازم ہوں' گھر کے حالات بہتر ہیں' شہباز کی شادی کرنا چاہتا ہوں' آپ کی مدد درکار ہے۔"

حکمت علی' فاطمہ بیگم اور نسیم بیگم بھونچکی سی تھیں' کوئی ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہو۔ نسیم بیگم نے کہا۔
"جمیل بھائی! ہم اب بھی وہی پوچھیں گے آپ سے کہ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتایئے؟"
"میں پروین کے لیے رشتہ مانگنے آیا ہوں اگر آپ لوگ ہمیں اس قابل سمجھیں تو۔"
حکمت علی ایک بار پھر بھک سے رہ گئے تھے کچھ دیر سوچتے رہے پھر آہستہ سے بولے۔
"مم۔۔۔ میں کیا عرض کروں' چھوٹے سے دماغ کا آدمی ہوں اب کچھ لوگ میری زندگی سے منسلک ہو گئے ہیں' اگر آپ اجازت دیں تو داماد سے مشورہ کر لوں اس بارے میں مجھے ذاتی طور پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"
"بالکل' صلاح مشورے سے جو کام ہو وہ بہتر رہتا ہے ہم جواب مانگنے کب آئیں؟"
"میں خود حاضر ہو جاؤں گا۔" حکمت علی نے کہا۔ فاطمہ بیگم جلدی سے بولیں۔
"نہیں میاں' لڑکی والے ایسے موقعے پر جواب دینے نہیں جاتے جمیل میاں کل آ جایئے اگر فرصت ہو تو۔"
"ہاں ہاں مجھے بالکل فرصت ہے کل رات کو حاضری دی جائے گی۔"
تھوڑی بہت خاطر مدارات ہوئی اور اس کے بعد یہ لوگ چلے گئے لیکن یہاں گھر میں خوشی اور مسرتوں کا طوفان آ گیا' فاطمہ بیگم نے کہا۔
"اے لڑکا تو بہت اچھا ہے کوئی خرابی نہیں ہے جانے پہچانے لوگ ہیں' اللہ تعالیٰ اس طرح تقدیر کھول رہا ہے تو پھر کیا حرج ہے اس کے علاوہ جہیز بھی تیار ہے میں تو کہتی ہوں نسیم بیگم' اللہ کا نام لے کر ہاں کر دو۔"
"پھر بھی پروانہ صاحب ہمارے بزرگ ہیں' بیٹی دی ہے ہم نے ان کے گھر' ان کی زبانی ہی ہاں کہنا مناسب ہو گا' چلو چلتے ہیں پروانہ صاحب کے گھر۔" حکمت علی نے کہا اور سب سر پر تیار ہو گئے۔ پروانہ صاحب کے گھر پہنچے' ثریا نے سب کا استقبال کیا' مسکرا رہی تھی آنکھوں میں خوشی تیر رہی تھی لیکن جب حکمت علی صاحب نے پروانہ صاحب کو اور طاہر کو تمام صورت حال بتائی تو پروانہ صاحب پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگے حکمت علی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے پروانہ صاحب نے کہا۔
"اصل میں میں یوں ہنس رہا ہوں کہ ان دنوں اپنی گلی دفتر شادی بنی ہوئی ہے یا پھر وہ جگہ جہاں بہت سے دولہا پکڑ کر لائے جاتے ہیں اور قاضی صاحب ان سب کو ترازو میں رکھ کر نکاح پڑھانا شروع کر دیتے ہیں' بھئی یہاں بھی ایک ایسا ہی مسئلہ درپیش ہے اور ہم لوگ یہ طے کر رہے تھے کہ تمہیں جا کر اطلاع دیں لیکن تم اس سے بڑی خوشخبری لے آئے ہمارے لیے' اس کے باوجود میں یہ چاہوں گا کہ فیصلہ میں نہ کروں بھئی داماد ہیں تمہارے ان سے پوچھو۔"
"میرے خیال میں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہت اچھی بات ہے' کیوں ثریا؟"
"ہاں شہباز بہت اچھا لڑکا ہے' اس بات کو بھول جایئے کہ تھوڑے دن پہلے اس کی ذہنی کیفیت کیا تھی وہ برا نہیں ہے وقت نے اسے الجھا دیا تھا۔"
"تو پھر آپ کے خیال میں یہ رشتہ منظور کر لیا جائے؟"
"سو فیصدی کر لیا جائے۔" طاہر نے مسکرا کر ثریا کو دیکھتے ہوئے کہا کیونکہ ثریا اسے ساری تفصیل بتا چکی تھی۔
حکمت علی مطمئن ہو گئے اور اب اس کے بعد انہیں اس سلسلے میں جواب دینا تھا۔

*

پروانہ صاحب نے شعور سے کہا کہ وہ فوزی سے ملاقات کر لے اور شعور خوشی سے اس بات کے لیے تیار ہو گیا' جب گفتگو ہو رہی تھی تو طاہر بھی موجود تھا' شعور کو دیکھ کر ثریا سے بولا۔
"دیکھ رہی ہو ثریا آج کل تو لڑکوں کے دیدوں کا پانی مر گیا ہے پہلے شادی کے لیے اظہار کیا اور اب کتنی خوشی سے فو[ری] ملاقات کے لیے تیار ہو گئے ہیں حضرت' اماں پروانہ صاحب سب دکھاوے کی باتیں ہیں لوگ بہت آگے کی [سوچتے] ہوتے ہیں' جب اپنا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو پھر ہر قسم کی شرم و حیا اتار کر رکھ دی جاتی ہے۔"
شعور نے ہنس کر ثریا سے کہا۔ "دیکھ رہی ہیں ثریا بھابی اب کچھ جواب دوں گا تو آپ کی طرف بات آ جائے گی' صر[ف]

[...] کے خیال سے خاموش ہوا جا رہا ہوں ورنہ کہتا کہ میں تو یہاں صرف تین افراد کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر رہا [...] حضرت تو بھری محفل میں پھیل گئے تھے کہ دلہن میں لے کر جاؤں گا' بتایئے غلط کہہ رہا ہوں۔" ثریا ہنسنے لگی پھر اس [نے] کہا۔
"شعور بھائی! آپ مل لیجئے فوزی سے' میں جانتی ہوں وہ آپ سے کیا گفتگو کرے گی۔"
"ملاقات کے لیے کہیں شامیانہ لگوا دیا جائے یا کسی ہوٹل میں بندوبست کیا جائے۔" طاہر نے پوچھا۔
"جی نہیں سیدھا سیدھا امداد بیگ صاحب کے گھر جاؤں گا اور کہہ دوں گا کہ مجھے بلایا گیا ہے۔"
"اماں قسم خدا کی ایسی بے باکی نہ کہیں دیکھی نہ سنی۔" طاہر دونوں گال پیٹتا ہوا بولا' بہرحال سب ہنستے رہے تھے پھر [...]ر امداد بیگ صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ دستک دی امداد بیگ نے دروازہ کھولا اور عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئے' شعور نے [سلا]م کا جواب دیا تو انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اندر گھسیٹ لیا' سینے سے لگاتے ہوئے بولے۔
"غیروں کی طرح باہر کھڑے ہو گئے بیٹے' آؤ اندر آؤ۔"
"فوزیہ ہیں؟" شعور نے پوچھا۔
"ہاں ہے' اپنے کمرے میں ہے۔"
"ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"ہوں' آؤ۔" امداد بیگ صاحب نے درمیان میں کوئی مداخلت مناسب نہیں سمجھی' خاموشی سے شعور کو لے کر آئے [...] فوزیہ کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولے۔
"اندر ہے۔"
شعور نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے فوزیہ کی آواز سنائی دی۔
"کون ہے' آ جاؤ دروازہ بند نہیں ہے؟"
شعور نے آہستہ سے کواڑ دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا' فوزیہ مسہری پر دراز کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی' [شعو]ر کو دیکھ کر ایک دم اچھل پڑی' پہلے اٹھ کر بیٹھی پھر دونوں پاؤں مسہری سے نیچے لٹکائے اور کھڑی ہو گئی' شعور نے شانے [اچ]کاتے ہوئے کہا۔
"آپ ہی نے اجازت دی تھی مجھے اندر آنے کی ورنہ اس طرح داخل نہ ہوتا۔"
فوزیہ کے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں پھیلے پھر سکڑ گئے پھر اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور شعور نے آہستہ سے [کہ]ا۔
"اگر اجازت ہو تو دروازہ بند کر دوں۔"
فوزیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شعور کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا خود آگے بڑھی اور دروازہ بند کر دیا پھر [مت]حمل لہجے میں بولی۔
"آپ تشریف رکھیے کھڑے کیوں ہیں؟"
"میں تو بس اس شرمندگی کا شکار ہوں کہ آپ کو میری آمد کا علم نہیں تھا' کسی اور کے دھوکے میں آپ نے مجھے اس[ا]ندر بلا لیا۔"
"یہ سچ ہے' میں سمجھی امی یا ابو ہوں گے بلکہ مجھے حیرت بھی ہوئی تھی کہ دستک دے کر وہ رک کیوں گئے' امی تو خیر اندر [آ جا]تی ہیں ابو بھی دستک دے کر فوراً" دروازہ کھول دیتے ہیں' بہرحال کوئی ایسی بات تو نہیں ہے آپ تشریف لے آئے [ا]چھا کیا۔" فوزیہ خود بستر ہی پر جا بیٹھی' بدن میں ہلکی ہلکی کپکپاہٹ تھی آواز میں لرزش تھی' خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ [شعور] بھی خاموش تھا' کچھ دیر کے بعد شعور ہی نے سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا۔
"فوزیہ! وہ پروانہ صاحب اور چچی جان آئے تھے طاہر اور ثریا کے ساتھ انہوں نے کچھ باتیں کی تھیں' بعد میں مجھے علم [ہوا کہ] آپ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

فوزیہ نے نگاہیں اٹھا کر شعور کو دیکھا پھر لرزتی آواز میں بولی۔

"میرے حواس معطل ہیں ہو سکتا ہے گفتگو میں کوئی ربط نہ ہو' آپ اس بے ربطی کو نظرانداز کردیں' دراص
شعور صاحب بات بہت دور سے شروع ہوتی ہے لیکن شاید میں اسے اس انداز میں نہ کہہ سکوں جس طرح کہنا چاہتی ہو
اصل میں ہم بھٹکے ہوئے لوگ تھے' ابو' امی خود میں ہم اپنے آپ کو عام انسانوں سے بہت مختلف سمجھا کرتے تھے' ہم ی
تھے کہ اپنی گلی میں ہم سب سے معزز ہیں' سب سے بہتر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس بنیاد پر ہم کسی کو خاطر میں ن
لاتے تھے لیکن شعور صاحب میں اس سلسلے میں اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتی ہوں لیکن بس معمولی حد تک' بے گناہ اس
سمجھتی ہوں میں اپنے آپ کو کہ میں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہی اپنا سکتی تھی ناں' مجھے بچپن ہی سے یہ احساس دلا
تھا کہ میں عام لوگوں سے برتر ہوں' سپر ہوں ان سے' میں نے یہی سمجھا قصور میرا یہ ہے کہ مجھے ہوش مند ہونے کے بع
نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن آنکھ نہیں کھلی شعور صاحب' آنکھیں بند رہیں میری' میں نے غور ہی نہیں کیا اور اس کے بعد
وقت پورا ہو گیا تو ہمیں ہمارے تکبر کی سزا ملی صرف مجھے ہی نہیں' مجھ سے زیادہ میری امی اور ابو کو' وہ مجھے کھو بیٹھے تھے'
شادی ہو گئی شعور صاحب اور اس کے بعد میں نے لندن کے خواب دیکھے' لندن پہنچی تو یہ انکشاف ہوا کہ بردہ فروشو
ہاتھ لگ گئی ہوں' نہ کوئی شوہر تھا نہ کوئی خاندان ایک کمرے میں بند کر دیا گیا' بھوکا پیاسا مارا گیا' کوڑیوں کے مول فر
ہوئی' ٹھیکیدار کے قبضے میں آئی' دوبئی لے آیا گیا' یہ تصور ہی کھو بیٹھی تھی کہ اب زندگی میں کبھی اپنے ماں باپ تک
گی یہ یقین کر لیا تھا کہ آئندہ زندگی ایک فاحشہ کی حیثیت سے گزارنا ہو گی' بس اس دوران ایک عمل کیا تھا وہ یہ کہ خ
اپنے گناہوں کی توبہ کرتی رہی تھی' معافی مانگتی رہی تھی' رحم مانگتی رہی تھی اور یہ آرزو کرتی رہی تھی کہ زندگی ملے یا
عزت نہ جائے' شعور صاحب شاید مقبولیت کا کوئی لمحہ تھا کہ دعا قبول ہو گئی' گھر واپس آ گئی' اپنے آپ کو ایک مکمل دا
ہستی کی حیثیت سے قبول کر لیا جس کا کوئی پرسان حال نہ ہو جو اس قابل بھی نہ ہو کہ شریف خواتین کی محفل میں
شعور صاحب مجھے یاد ہے بھولی نہیں ہوں آپ نے مجھ سے یگانگت کا مظاہرہ کیا تھا' آپ نے انتہائی شریفانہ طریقے سے
لیے امی اور ابو سے بات کی تھی لیکن ہمارے غرور نے اس بات کو قبول نہیں کیا تھا' پہلی بات تو میں آپ سے یہ کہ
ہوں شعور صاحب کہ اس انکار میں میری رضامندی شامل نہیں تھی' ہاں متزلزل ضرور تھی' صحیح فیصلے کرنے سے
بہرحال یہ ایک الگ بات ہے اب جو کچھ میرے علم میں آیا ہے' میں نہیں جانتی کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے' کیا دا
مجھے اس قابل سمجھتے ہیں؟"

"کیا میں جواب دوں؟"

"جی ضروری ہے۔" فوزیہ نے کہا۔

"تو فوزی آج جب دل کے بند دریچے کھل گئے ہیں تو آپ مجھے جو کہنا چاہتا ہوں کہہ لینے دیں' فوزی' انسا
اوقات خود اپنے آپ کو نہیں سمجھ سکتا' محبت کیوں ہو جاتی ہے' کسی خاص شخصیت کے لیے دل میں کچھ جذبے ک
ہو جاتے ہیں میرا تجربہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں ہے ہاں آپ سے ملاقات کے بعد میں نے آپ کو اپنے دل میں
دیکھا' فوزی میں آپ سے محبت کرنے لگا' بے پناہ محبت' میری دلی آرزو تھی کہ آپ میری زندگی میں شامل ہو جائیں
آرزو کو دبا نہیں سکا اور میں نے اس کا اظہار اپنے دوست طاہر سے کیا' طاہر نے شمع بیگم سے' نتیجے میں وہ لوگ یہ
بعد میں جو کچھ بھی ہوا آپ کی شادی ہو گئی' میں نے اسے اپنی تقدیر سمجھ لیا میں نے یہی سوچا کہ آپ میری تقدیر
تھیں لیکن فوزیہ بھروسہ کیجئے آپ میں نے ہمیشہ رات کی تنہائیوں میں آپ کی خوشیوں کے لیے دعا کی' یہی دعا ما
ہمیشہ کہ آپ جہاں بھی ہوں مسرور رہیں' نہ سہی میرے ساتھ' انسان چاند کو چھونے کا خواہش مند تو ہوتا ہے' ہر
پا تو نہیں لیتا پھر جب مجھے علم ہوا کہ آپ کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہیں اور امداد بیگ صاحب آپ سے تمام رابطے
ہیں تو آپ میری بات پر یقین کر لیجئے حواس باختہ ہو گیا' کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں' بے بسی اور بے کلی کے دا
کرتا رہا' کسی سے اب حال دل کہہ کر آپ کی رسوائی مول نہیں لینا چاہتا تھا' امداد بیگ صاحب کے دل پر چرکے
چاہتا تھا' کبھی شکایت بھی نہیں کی ان سے حالانکہ میں نے محسوس کیا کہ امداد بیگ صاحب سوچتے ہیں اس بات پر

ان کے دل پر کوئی چرکہ نہیں لگایا' میں جانتا تھا کہ زندگی میں نجانے کیا کیا کچھ ہو جاتا ہے' فوزیہ آپ پوچھ لیجئے امداد بیگ
ب سے' ان کے بعد میں نے ان سے اور زیادہ محبت کی اور زیادہ چاہتوں کا اظہار کیا' ہمیشہ ان کا غم بانٹنے کی کوشش کی'
کوئی جذبہ طلب کا جذبہ نہیں تھا بس آپ کی محبت میرے دل میں تھی اور میں جانتا تھا کہ امداد بیگ صاحب آپ کے والد
'فوزیہ آپ کے ناتے میں ان سے ہمیشہ محبت سے پیش آیا' ان کی مشکلات میں ان کے شانہ بشانہ رہا اور پھر آپ واپس
یں۔ آپ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے تھے میں نے وہ سنے دکھ ہوا اور خوش بھی ہوا کہ آپ مشکلات سے نکل آئیں
یں اپنے جذبوں کو نہ دبا سکا' میں نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ کوئی پھر میرے اور آپ کے درمیان آ جائے میں جلدی سے
دعائے دل اپنوں تک پہنچا دوں' ایک بار پھر اپنی آرزو کی تکمیل چاہوں اور دیکھوں کہ تقدیر کیا کہتی ہے' یہ سب کچھ ہو گیا
فوزیہ' فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا گیا ہے' میں دل سے آپ کا آرزومند ہوں' آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں لیکن
کے باوجود اگر آپ کے ذہن میں کوئی اور تصور ہے تو آپ یقین کیجئے اگر آپ نے چاہا کہ میرے ذریعے آپ اپنی کسی
زدگی یا کسی خواہش کی تکمیل کریں تو آپ مجھے ثابت قدم پائیں گی' میں آپ کا معاون بن سکتا ہوں' اگر میری ضرورت نہ
ب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔"

فوزیہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' شعور اپنے جملے بولے جا رہا تھا اور وہ ٹکر ٹکر شعور کا چہرہ دیکھ رہی تھی پھر اس
نے کسی قدر بے اختیارانہ انداز میں کہا۔

"ایک بات کہوں شعور تم سے؟"

شعور' فوزیہ کے منہ سے تم کا لفظ سن کر بے خود ہو گیا تھا' اس نے گردن ہلا دی' فوزیہ بولی۔

"شعور! میں مشکلات میں پڑی ہوں' مصیبتوں میں گرفتار رہی ہوں' فاقہ کشی کی ہے میں نے لیکن' لیکن شعور بہت بری
رہی ہوں میں' مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے لیکن کہے بغیر نہیں رہ سکتی' شعور میں پاکیزہ ہوں' میں عصمت مآب ہوں'
وجود پر کوئی داغ نہیں ہے میرا دل بے داغ ہے' شعور میری بات کو سمجھ لو' میں جو کہنا چاہتی ہوں اسے سمجھ لو' شعور
ں نے میری پاکیزگی کو داغ دار نہیں کیا! اور اس کی وجہ بھی سن لو' وہ میری بہترین قیمت چاہتے تھے۔"

شعور بھی دیوانہ ہو گیا' بہت نیک فطرت کا نوجوان تھا' کبھی بے اختیار نہیں ہوا تھا لیکن اس وقت وہ اپنے آپ پر قابو
سکا اپنی جگہ سے اٹھا' آگے بڑھا اور فوزیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اسے پرجوش انداز میں دباتا ہوا بولا۔

"خدا کی قسم فوزیہ' یہ موضوع ہی نہیں ہے یہ کوئی موضوع ہی نہیں ہے' تم نے اس کا اظہار ضروری سمجھا' مجھے
ے الفاظ پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن یہ موضوع ہی نہیں ہے فوزیہ خدانخواستہ اگر تمہارے ساتھ کوئی سختی ہو بھی گئی
میرے لیے تم اتنی ہی پاکیزہ تھیں جتنی پیدائش کے وقت ایک معصوم بچہ ہوتا ہے' ہم کبھی کبھی سڑکوں پر گر پڑتے ہیں'
حادثہ ہو جاتا ہے ہمارے ساتھ ہمارے جسم پر زخم آ جاتے ہیں' یہ زخم ہمارا گناہ تو نہیں ہوتے' خدا کا شکر ہے کہ تم ان
سے محفوظ ہو' مجھ سے کہنے کی کیا ضرورت تھی فوزیہ' میں سطحی انسان نہیں ہوں' میں تو صرف تمہارے وجود کو چاہتا
باقی سب کچھ میری نگاہوں میں ہیچ ہے' فوزیہ کیا جواب ہے تمہارا میرے لیے' چلو پہلے مجھے ہی بتا دو' بعد میں کسی اور کو
سب کچھ میرا ہی تو ہے' بتا دو فوزیہ' اپنا جواب مجھے بتا دو' منت کرتا ہوں میں تمہاری۔"

"ایک فرشتہ صفت انسان اگر کسی کو حاصل ہو جائے تو اس کائنات میں اس سے زیادہ خوش نصیب اور کوئی نہیں
ا شعور' میں خلوص دل سے تمہارے قدموں میں آنے کو تیار ہوں اس کا اظہار میں اپنے امی اور ابو سے کر دوں گی۔"
ر کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا جو کیفیت اس پر طاری ہو گئی تھی اب اسے سہارا ملا' اپنی جگہ سے اٹھا' چند لمحے کھڑا رہا پھر

"بس میں چلتا ہوں' ان لمحوں کو اتنی طوالت نہیں دوں گا کہ کہ ـــــ زبان بے قابو ہو کر کچھ اور کہہ جائے' خدا حافظ'
حافظ فوزیہ۔"

فوزیہ نے کوئی جواب نہیں دیا' شعور نے دروازے پر رک کر اسے دیکھا تو وہ مسکرا دی اور اس نے اپنا ہاتھ سلام کے
اٹھا دیا' شعور جواب دے کر باہر نکل آیا تھا۔

✖

طاہر اور ثریا حکمت علی کے گھر پہنچ گئے' اس وقت خاص طور سے شمع بیگم نے پروانہ صاحب نے ان کے ساتھ جا
نہیں کیا تھا' دونوں سمجھ دار تھے ہر وقت ساتھ نہیں لگے رہنا چاہتے تھے' ان کی ذمے داریاں الگ تھیں' چٹ منگنی پٹ
والا معاملہ تھا' بہت سی باتیں سوچی جا رہی تھیں' بہرحال اس وقت دونوں کو ایک منصوبے کے تحت وہاں بھیجا گیا تھا' دونو
ہمیشہ کی مانند استقبال کیا گیا حکمت علی بیچارے یہ سوچ سوچ کر پریشان تھے کہ بہت مختصر وقت میں انہیں دوسری بیٹی کی شا
کے فرائض سے بھی نمٹنا پڑ رہا ہے جمیل احمد صاحب نے جو کچھ کہا تھا اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بہت جلد شادی
خواہش مند ہیں' آرزو تو حکمت علی کی بھی یہی تھی لیکن بس مسائل ثریا کا جہیز جوں کا توں موجود تھا لیکن ان کے لیے کر
علی دل میں شرمندہ تھے' طاہر کے سامنے خواہ مخواہ خجل ہو جایا کرتے تھے' بہرحال طاہر نے باورچی خانہ میں جھانکتے ہوئے کہا

"اے بی پروین کیا پکا رہی ہو؟"

"وہ طاہر بھائی بس آج تو یونہی دال چاول۔"

"کمال کی انسان ہو بھئی تم' دال چاول کی حقیقت جانتی ہو کیا ہوتی ہے' کسی کو تین دن تک مرغن کھانے کھلا دو
دال ان کی صورت دیکھ کر بھاگنے لگے گا لیکن یہ دال چاول بھئی ہمارا حصہ ہے اس میں یا نہیں؟"

"سب آپ ہی کا ہے طاہر بھائی بھلا اس میں کوئی کہنے کی بات ہے۔"

"تو پھر یہ کتنی دیر میں تیار ہو جائیں گے؟"

"جتنی جلدی آپ کہیں۔"

"نہیں انہیں ان کی مرضی کے مطابق تیار ہو جانے دو ابھی بھوک بھی نہیں لگ رہی۔"

حکمت علی صاحب مسکرا رہے تھے' فاطمہ بیگم اور نسیم بیگم محبت بھری نگاہوں سے طاہر کو دیکھ رہی تھیں' یہ فرشتہ
انسان جب سے ان کے خاندان میں شامل ہوا تھا خوشیوں کی بہار آ گئی تھی ایسے اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اس
حکمت علی صاحب کہے بغیر نہ رہ سکے۔

"میاں طاہر اور کچھ کہیں یا نہ کہیں' یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خداوند عالم تمہیں کبھی کسی کے سامنے شرمند
کرے گا تم ہمیشہ سرخرو رہو گے۔"

"جی چچا جان وہ میں سمجھا نہیں' کس وجہ سے آپ یہ بات کہہ رہے ہیں؟"

"دوسروں کی عزت کو ڈھکنا تمہاری فطرت کا ایک حصہ ہے' دال چاول ہی کی شان میں قصیدہ خوانی کر دی لیکن
ہو اس قصیدہ خوانی کا مطلب نہیں جانتے ہم۔"

"کیا مطلب ہے چچا جان چلئے آج اسی موضوع پر بات ہو جائے؟"

"تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری آمد سے ہم پر کوئی بار نہ پڑے۔"

"فرض کیجئے یہ چاہتا ہوں تو کیا میرا گناہ ہے؟"

"ارے نہیں نہیں بھئی میرا مطلب یہ تھوڑی تھا' میں یہ کہہ رہا تھا کہ" حکمت علی سے بات نہ بن پڑی۔

"آیئے پھر ذرا سنجیدگی سے باتیں ہو جائیں' بھئی بیٹھو ثریا سمجھاؤ ذرا ہمارے چچا جان کو' چچا جان بات اصل میں
بعض رشتے اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ انسان انہیں کمزور کرنا بھی چاہے تو نہیں ہو سکتے' اب ثریا ہیں ہماری نصف

ر فرمایئے بدن کا آدھا حصہ کہیں تنہا خوش رہ سکتا ہے' جب تک کہ پورے جسم کو طمانیت نہ حاصل ہو اور ثریا کے
ں ہیں آپ لوگ' ثریا کی خوشیوں کے لیے آپ کا خوش رہنا بہت ضروری ہے اور آپ کو خوش رکھنے کے لیے ہماری
ں ابتدائی حیثیت رکھتی ہیں تو پھر آپ یہ بتایئے کہ جب ہم اس قدر قریب ہوئے تو پھر اپنے گھر کی عزت ڈھکنے کی
ں کیوں نہ کریں' کوئی گناہ تو نہیں ہے یہ۔"

"بیٹے! بس یہ سب اچھے خون کا کھیل ہے اس سے زیادہ اور کیا کہوں۔"

"گویا ہمارا اس میں کوئی کمال نہیں ہے؟" طاہر بولا اور حکمت علی ہنسنے لگے پھر انہوں نے کہا۔

اعتراف کرتا ہوں کہ تم سے نہیں جیت سکتا اور سچی بات یہ ہے کہ جیتنا بھی نہیں چاہتا۔"

"تو پھر ایک کام کیجئے چچا جان۔"

"ہاں ہاں بتاؤ۔"

"اپنے کسی معاملے کو اپنا نہیں سمجھئے بلکہ اب اسے میرے سپرد کر دیجئے۔ میں آپ کو بے شک چچا جان کہتا ہوں باپ کہتا
ی نہیں ہو گا اور اچھا بھی نہیں لگے گا ورنہ وہی کہتا' البتہ دل سے سمجھتا یہی سب کچھ ہوں تو جب میرا حق یہاں تک
تا ہے تو پھر میں آپ سے اس بات کا آرزومند ہوں کہ آپ اس حق کو تسلیم کیجئے۔"

"تسلیم کیا بیٹے دل و جان سے تسلیم کیا' یہ تو قدرت کا انعام ہے میرے لیے۔"

"تو اس وقت ہم دونوں پروین کی شادی کے سلسلے میں انتظامات کا جائزہ لینے آئے ہیں۔"

"سب کچھ تمہارے سامنے ہے بس مجھے صرف یہی احساس ہے کہ یہ سب کچھ ہو تو جائے گا لیکن بیٹے یہ تمہارا' تمہارا
ہے۔"

"دیکھ لیا آپ نے دادی اماں یعنی بیٹا تسلیم کرنے کے بعد بھی قرض کی بات چل رہی ہے۔" فاطمہ بیگم ہنسنے لگیں۔ طاہر
ا۔

"اگر قرض ہی ہے چچا جان تو پھر تھوڑا سا قرض اور قبول فرمانا پڑے گا آپ کو' میں یہ نہیں چاہتا کہ شادی کے
بات میرے ہاتھوں ہوں آپ ہی یہ اخراجات اٹھائیں گے' میں آپ سے ضرورت کے لیے پیسے مانگوں گا اور آپ مجھے
گے' میں جانتا ہوں کہ ابھی آپ نے ثریا کی شادی کی ہے' پیسے نہیں ہوں گے' ہم دونوں بھائی کماتے ہی رہے ہیں' اللہ
ور کو بھی بہت کچھ دیا ہے' میں بھی بڑا کنجوس آدمی ہوں' اچھی خاصی رقم پس انداز کر ڈالی ہے' اب دیکھئے ناں جب
بچانے کی بات آئی ہے تو پھر ہم دنیا سے نیچا کیوں دیکھیں' ثریا بھئی جو کچھ لائی ہو وہ چچا جان کے حوالے کر دو۔" نوٹوں
کے بنڈل تھے جو رومال میں لپٹے ہوئے تھے اور ان میں گرہ لگائی گئی تھی' یہ رقم حکمت علی کے حوالے کر دی گئی' حکمت علی
ہاتھ میں لے کر گردن جھکا کر بیٹھ گئے تھے۔ طاہر نے ہانک لگائی۔

"پروین' چاول ابل گئے؟"

"بس طاہر بھائی چٹنی پیس رہی ہوں۔"

"مرچیں ذرا کم رکھنا چٹنی میں' ہری مرچ ڈال رہی ہو یا سرخ؟"

"ہری۔"

"واہ ہوئی ناں بات۔" طاہر نے قلقاری مارتے ہوئے کہا۔ حکمت علی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

✹

شمع بیگم اور پروانہ صاحب امداد بیگ کے گھر پہنچ گئے امداد بیگ نے بڑا پر خلوص استقبال کیا تھا' کچھ دیر تک رسمی باتیں
رہیں پھر پروانہ صاحب نے کہا۔

"امداد بیگ صاحب ہمیں جواب چاہیے۔"

"جواب تو میں نے پہلے ہی آپ کو دے دیا تھا پروانہ صاحب بھلا میری انکار کی مجال' آپ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند قبول
کر رہے ہیں تو یہ آپ کی بلند ظرفی ہے۔"

"دیکھو میاں ہم ہیں شاعر قسم کے آدمی' حالانکہ بہت عرصے سے ہماری شاعری پر پابندی لگادی گئی ہے لیکن مزاج کو نہیں بدلا جاسکتا' مطلب یہ ہے کہ انسان کو انسان ہی رہنے دو' کسر نفسی اور انکساری کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہ کرو جو رلادیں تم اب ہمارے ہو' ہم اپنی بے عزتی برداشت نہیں کرسکتے' کوئی مخمل کوئی ٹاٹ نہیں' البتہ تم سے ایک سوال کیا جانا ہے ضروری ہے۔"

"جی جی فرمایئے۔"

"ہماری دلہن رخصت ہوکر کہاں جائے گی' وہ کوٹھی بھی تم نے دیکھ لی ہے اتفاق سے جو شعور کو دفتر کی جانب سے ملی جب چاہیں رہنا شروع کرسکتے ہیں اور اپنی گلی میں شمع دان بھی ہے بھئی دیکھو اوپر کا کمرہ تو طاہر اور دلہن کے لیے ہے نیچے کمرہ ہماری فوزیہ اور شعور کے لیے ہوسکتا ہے بیرونی کمرے میں جہاں مشاعرے کی نشستیں لگتی تھیں' اب پابندی لگنے کے ہم قیام کریں گے' ذرا رونق رہے گی' بات بھی پوری ہوجائے گی لیکن اگر فوزی بیٹی وہاں کوٹھی میں رہنا چاہے تو اسے با درست کرایا جاسکتا ہے۔"

فوزیہ نے جرات سے کام لے کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"چچا جان میں ساری باتیں سن چکی ہوں مجھے ایسے معاملے میں بالکل نہیں بولنا چاہیے لیکن مجبوری اندر لے ہے۔"

"آؤ آؤ فوزی بیٹی بیٹھو کوئی خاص بات ہے۔"

"چچا جان مجھے کوٹھیوں سے خوف آنے لگا ہے آپ کو اس کا علم ہے کہ ایسا کیوں ہوا ہے' خدارا مجھے اپنی گلی ہی رہنے دیجئے یہاں زندگی ہے محبت ہے' عزت ہے' نیک نفسی ہے میں اپنی اس جنت کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جانا چاہتی۔"

"جزاک اللہ۔" پروانہ صاحب خوش ہوکر بولے' امداد بیگ بھی کھل گئے کہنے لگے۔

"پروانہ صاحب آپ کو جواب مل گیا؟"

"بالکل مل گیا میاں یہ ہوئی ناں بات اب لطف آئے گا ذرا۔" یہ مرحلہ اس انداز میں ختم ہوگیا تھا پھر ایک اور دلچسپ بات ہوئی' اس کی تحریک بھی طاہر ہی نے پیش کی تھی باقاعدہ ایک میٹنگ ہوئی امداد بیگ صاحب کے گھر میں' میٹنگ میں جمیل احمد صاحب' غلام قادر' محلے کے چند اور ذمے دار حکمت علی صاحب کلیم احمد امداد بیگ تو تھے ہی گھر شریک ہوئے تھے طاہر نے کہا۔

"معزز حضرات' کیونکہ اس وقت خواتین درمیان میں نہیں ہیں اس لیے میں صرف حضرات کو مخاطب کررہا ہوں' تجویز آئی ہے اس شادی شدہ کے ذہن میں' اب میں ان نوجوانوں میں سب سے معتبر آدمی ہوں اس لیے اپنے اعتبار حقوق استعمال کررہا ہوں۔"

"کیا تجویز ہے بھئی' کہہ ڈالیے طاہر میاں؟" جمیل احمد صاحب نے کہا۔

"اپنی گلی ایک خاندان کی حیثیت رکھتی ہے' یہاں کے رہنے والے بے شک کچھ تھوڑے سے مختلف مزاج ہوں زیادہ تر ایک دوسرے سے ہم آہنگی رکھتے ہیں اور خاص طور سے اب یہ تین گھرانے بلکہ اس میں اور جو بھی شامل ہوا یوں سمجھ لیجئے کہ ایک دوسرے سے پوری طرح منسلک ہیں اس لیے کسی تجویز کے پیش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی' یہ شادیاں کرنی ہیں اور ہمارے شرکاء باہر کے بہت کم لوگ ہوں گے یا اگر ہوں بھی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' بہت کشادہ ہے اگر یوں ہوجائے کہ تینوں شادیاں ایک ہی دن ہوں' بیٹیوں والے الگ ہوں' بیٹے والے الگ ہوں' طور پر تین باراتیں آئیں' تین نکاح ہوں اور تین بیٹیاں اپنے اپنے گھروں میں رخصت ہوجائیں تو کیا یہ بہتر نہیں رہے سب نے ایک دوسرے کی صورتیں دیکھیں' غلام قادر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"اماں قسم اللہ کی' کیا بڑھیا بات سوچی ہے اب لطف آجائے گا بھائی' ویسے بھی محلے والے تین تین شادیوں سے ساتھ اکتا جائیں گے' تھوڑا بہت فرق رکھا' جسے دیر ہوگئی وہی پھنسے گا کہ ہماری شادی میں بلاوجہ دیر کردی' اگر یہ سا ایک ہی دن میں ہوجائے تو خرچے کی بھی بچت اور مزے کا مزا آئے گا بھئی میں تو اس تجویز کی تائید کرتا ہوں۔"

"تو پھر انکار کسے ہے؟" جمیل احمد صاحب بولے۔

"ہاں ہاں بہت اچھی تجویز ہے یہ تو۔" حکمت علی نے بھی کہا۔

"آپ کی کیا رائے ہے امداد بیگ صاحب؟"

"میرے محترم پروانہ صاحب جو بھی رائے دیں گے سمجھ لیجئے وہ میری ہی رائے کا ایک حصہ ہوگی۔"

"تو آپ کا کیا خیال ہے امداد بیگ' کیا یہ نامعقول لڑکا میری رائے کے بغیر اتنی اچھی تجویز سوچ سکتا ہے' میاں ہم شاعر ہمارے ذہن میں آمد ہوتی ہے اب شاعری تو کوئی کرنے نہیں دیتا' کرتے ہیں تو کوئی سنتا نہیں' ایسی ہی تجویز سوچتے رہتے ہیں۔"

"گویا یہ آپ کا کارنامہ ہے پروانہ صاحب۔" غلام قادر نے کہا۔

"آداب عرض کرتا ہوں۔"

"بھئی ہم سب کو منظور ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ ایک نہایت بہترین تجویز ہے اور اس کی اشاعت ہونی چاہیے تاکہ قسم کی جگہوں پر ایسے کام اجتماعی طور پر کرلیے جائیں۔"

"تو پھر سب کو منظور ہے؟" طاہر نے پوچھا۔

"کچھ ہار وغیرہ آجاتے ہمارے لیے تو بہتر تھا۔" طاہر نے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

اپنی گلی میں وہ دن بھی خوب تھا' جب پوری گلی زرق برق لباس میں پھر رہی تھی' باراتیں آنے والی تھیں اور استقبال نے والے استقبال کے لیے تیار تھے' تینوں باراتیں گھروں سے نکل کر شامیانوں میں آبیٹھیں' پوری گلی میں شامیانہ لگا تھا اور زبردست اجتماع تھا' باہر کے لوگ بھی آئے ہوئے تھے' تینوں نکاح ایک ساتھ ہوئے اور تینوں دلہنیں اپنے اپنے ردں کو رخصت ہوگئیں' ہر گھر میں خوشیوں کا طوفان برپا تھا۔

تیسرے دن ایسا ہی اجتماعی ولیمہ بھی رکھا گیا تھا اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکا تھا' محلے والوں کو چھ چھ دن کپڑے بنانے پڑتے اس کی بچت ہوئی تھی' دو دن میں سارا کام نمٹ جائے خرچہ بھی کم اور وقت بھی کم خرچ ہو' غرضیکہ خوبی یہ سارا کام سرانجام پاگیا تھا۔

حکمت علی کے گھر میں خوشیاں تھیں تو امداد بیگ بھی مسرور تھے' ادھر جمیل احمد صاحب کی بیٹی رخصت ہوگئی تھی اور ں کی جگہ بہو آگئی تھی' خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا' سب مسرور تھے شکیل اور کلیم احمد' سب کے سب خوش' فاطمہ بیگم کی خوشی سے کھلی پڑ رہی تھیں' دوسری بیٹی کا بھی فرض پورا ہوگیا تھا' کہنے لگیں۔

"تم لوگ مانو یا نہ مانو' یہ سب بزرگوں کی بدولت ہوتا ہے جس گھر میں بزرگ ہوں وہاں برکت ہوتی ہے۔"

نسیم بیگم نے چہک کر کہا۔ "سب کچھ ہی اپنے نام لکھوالیں اماں بی سارے کام آپ ہی کی مرضی سے ہوتے ہیں' بس ہی کی تو برکت ہے' ہمارا تو کوئی وجود ہی نہیں ہے اس گھر میں۔"

فاطمہ بیگم ٹھٹا مار کر ہنس پڑیں اور بولیں۔ "لو بوا تم بھی کونسی نئی نویلی ہو اب تم بھی بوڑھی ہوگئی ہو ذرا سر کے بال دیکھو سفید ہوگئے ہیں' چلو ہم تمہیں بھی بزرگ مانے لیتے ہیں۔"

"دیکھا حکمت علی چہک کہ لگا گئیں بوڑھی ہوگئی ہوں میں' کیوں؟"

"اللہ جانے مم ــــ مجھے کچھ نہیں معلوم۔" حکمت علی بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولے اور فاطمہ بیگم پھر قہقہہ لگانے نسیم بیگم بھی مسکرادی تھیں۔